

جھوٹے نبی

طلوعِ اسلام کے بعد سے عہدِ حاضر تک گمراہی کے
اندھیرے پھیلانے والے جھوٹے نبیوں اور مہدیوں کا عبرت ناک انجام

الہامی نعتیہ دلائلی

کلی نمبرہ
آزم پارک
مرکز سراجیہ
غالب مارکیٹ گلبرگ III لاہور فون: 5712905
www.khatm-e-nubuwwat.org

جھوٹے نبی

طلوع اسلام کے بعد سے عہد حاضر تک گمراہی کے اندھیرے
پھیلانے والے جھوٹے نبیوں اور مہدیوں کا عبرت ناک انجام

وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِذَاتِ السُّعُودِ

فہرست

9	صاف ابن صیاد مدنی	باب: 1
19	س اسود غنسی	باب: 2
28	س طلحہ اسدی	باب: 3
43	س مسیلمہ کذاب	باب: 4
65	س سجاح بنت حارث تمیمیہ	باب: 5
72	س مختار ابن ابو عبید ثقفی	باب: 6
128	س حارث کذاب دمشقی	باب: 7
137	س مغیرہ بن سعید عجمی	باب: 8
140	س بیان بن سمان تمیمی	باب: 9
143	س ابو منصور عجمی	باب: 10
145	س صالح بن طریف برغواطی	باب: 11
149	س بہا فریدی زوزانی نیشاپوری	باب: 12
151	س اسحاق افرس مغربی	باب: 13
156	س استادیس خراسانی	باب: 14
158	س ابو یحییٰ اسحاق اصفہانی	باب: 15
159	س حکیم مقفع خراسانی	باب: 16
165	س عبداللہ بن میمون ابھواری	باب: 17
170	س بابک بن عبداللہ خرمی	باب: 18
182	س احمد بن کیاں بلخی	باب: 19
189	س علی بن محمد خارجی	باب: 20
205	س حمدان بن اشعث	باب: 21

211	ابوسعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی	باب: 22
215	زکرویہ بن ماہر	باب: 23
221	یحییٰ بن زکرویہ قرمطی	باب: 24
222	عبید اللہ مہدی	باب: 25
239	علی بن فضل یمنی	باب: 26
241	ابوطاہر قرمطی	باب: 27
250	حامیم بن من اللہ	باب: 28
251	محمد بن علی شلفمانی	باب: 29
257	عبدالعزیز باسندی	باب: 30
259	ابوالطیب احمد بن حسین	باب: 31
262	ابوعلی منصور	باب: 32
275	نوید کامرانی	باب: 33
277	بانی رفض و شیعیت	باب: 34
282	اصغر بن ابوالحسین	باب: 35
284	ابوعبداللہ ابن شباس	باب: 36
286	حسن ابن صباح حمیری	باب: 37
326	رشید الدین ابوالحشر	باب: 38
328	محمد بن عبداللہ بن تومرت	باب: 39
351	ابن ابی زکریا	باب: 40
352	حسین بن حمدان	باب: 41
354	ابوالقاسم احمد بن قسی	باب: 42
355	علی بن حسن شمیم	باب: 43
356	محمود واحد گیلانی	باب: 44
360	عبدالحق بن سبعین	باب: 45
362	احمد بن عبداللہ مٹم	باب: 46
363	عبداللہ راعی شامی	باب: 47
364	عبدالعزیز طرابلسی	باب: 48

365	اویس رومی	باب: 49
367	احمد بن ہلال	باب: 50
368	سید محمد جوہوری	باب: 51
391	حاجی محمد فرہی	باب: 52
393	جلال الدین اکبر بادشاہ	باب: 53
429	سید محمود بخش جوہوری	باب: 54
430	بایزید طہ	باب: 55
436	احمد بن عبداللہ سلجماسی	باب: 56
439	احمد بن علی محیرثی	باب: 57
440	محمد مہدی ازکی	باب: 58
441	سباتائی سیوی	باب: 59
449	محمد بن عبداللہ کرد	باب: 60
450	میر محمد حسین مشہدی	باب: 61
459	مرزا علی محمد باب شیرازی	باب: 62
489	ملا محمد علی بارفروشی	باب: 63
491	زرین تاج	باب: 64
498	شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی	باب: 65
500	مومن خاں	باب: 66
505	مرزا یحییٰ نوری	باب: 67
510	بہاء اللہ نوری	باب: 68
524	محمد احمد مہدی سوڈانی	باب: 69
550	مرزا غلام احمد قادیانی	باب: 70

باب نمبر 1

صاف ابن صیاد مدنی

عہد جاہلیت میں کمانت کا شیوع :-

حضرت بشیر دذیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کیلئے کانہوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور خصومات کا معاملہ بھی زیادہ تر انہی کی مرضی اور صواب دید پر موقوف رہتا تھا چونکہ یہ مدعیان غیب دانی مرجع انام اور قبلہ حاجات بنے ہوئے تھے۔ انبیاء کرام کی روحانی تعلیمات بھی اسی طائفہ کی دکان آرائیوں میں گم ہو رہی تھیں لیکن جب مرغان حرم نے توحید کی نغمہ سرائی کی اور حضرت خلاصہ موجودات سید العرب و انجم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر کشور انسانیت کی از سر نو تعمیر و تاسیس کا کام شروع ہوا تو کانہوں کی بساط مقتدائی یکسر الٹ گئی اور کوئی شخص ان کا پرسان حال نہ رہا۔ جس طرح نیر اعظم کی ضیائشیوں میں کر مک شب تاب قعر گمنامی میں مستور ہو جاتا ہے اسی طرح سحر و کمانت کی ہمہ گیر تاریکیاں بھی آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی نابود ہو گئیں اور عظمت سحر و کمانت کی جگہ آسمانی تغلبہ کا نور مبین افق عالم پر لہجہ افکن ہوا۔ کمانت و نجوم کے ان دکانداروں میں صاف نام ایک یہودی بھی تھا۔ جو ناموس الہی کے آخری ایام سعادت میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا اور اسلامی حلقوں میں ابن صیاد کی کنیت سے مشہور ہے۔

کیا ابن صیاد مسلمان تھا؟ :-

ابن صیاد سحر و کمانت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ گو نبوت کا مدعی تھا لیکن کسی روایت سے یہ امر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ وہ کسی دن دوسرے خانہ ساز نبیوں کی طرح باقاعدہ بے ہمتائی و یکتائی کی مسند غرور پر بیٹھا ہو اور کسی نے اس کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کر کے اس کی متابعت کی ہو۔ ابن صیاد بعد میں بظاہر مسلمان ہو گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اسلام شاہہ نفاق سے پاک نہ تھا جس کے بہت سے دلائل و شواہد پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ جناب

جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دعویٰ نبوت کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن صیاد کے سامنے دجال کا ذکر آیا۔ میں نے اس سے ازراہ مذاق کہا ”تیرا برا ہو کیا تو دجال ہونا پسند کرتا ہے“ کہنے لگا کہ اگر وہ تمام قدرت جو دجال کو دی جائے گی۔ مجھے عطا کی جائے تو میں دجال بنانا پسند نہ کروں“ (صحیح مسلم) ابن صیاد کا یہ جواب اس کے دلی خیالات و عقائد کا صحیح آئینہ ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے دل پر شیفتگی اسلام و ایمان کے نقش کہاں تک مرتسم تھے؟

ابن صیاد قتل و استہلاک سے کیوں بچا رہا؟ :-

ایک مرتبہ امیر المومنین عمرؓ کی رگ غیرت اس کے دعویٰ نبوت پر جنبش میں آگئی انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس کی گردن مار دوں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ابن صیاد وہی دجال منتظر ہے تو تم اس پر کسی طرح قابو نہ پاسکو گے (کیونکہ وہ لامحالہ قرب قیامت تک زندہ رہ کر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا، اور اگر ابن صیاد دجال معبود نہیں تو اس کے قتل کرنے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا) (بخاری و مسلم) ظاہر ہے کہ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد ہر وہ شخص جو نبی اور مہبط وحی ہونے کا مدعی ہو کافر اور واجب القتل ہے لیکن ابن صیاد باوجود اعائے نبوت قتل سے اس لئے محفوظ رہا کہ آئین خداوندی نے لڑکوں کے قتل کی اجازت نہیں دی۔ اگر وہ بالغ ہوتا تو پھر دعویٰ نبوت کے ساتھ کسی آمرزش و رعایت کا مستحق نہ تھا۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جو شخص حکومت و وقت کے خلاف غداری کرتا ہے یا اس پر کسی سازش یا جنگجوئی کا الزام عائد ہوتا ہے، وہ کشتنی و گردن زدنی قرار پاتا ہے۔ اسے جس دوام و عبور دردیائے شور کی سزا دی جاتی ہے یا وہ نشانہ ہمدوق بنایا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص شہنشاہ اراض و سماء کی روحانی مملکت میں غدور و فساد کرے اور دین الہی میں رخنہ اندازی کا مجرم ہو وہ کس درجہ قابل مواخذہ نہ ہوگا؟

منع قتل کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود ان دنوں ذمی تھے اور ان سے اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ ان سے کسی حال میں تعرض نہ کیا جائے گا چنانچہ ”شرح السنۃ“ کی روایت میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں کہ ”اگر ابن صیاد دجال موعود نہیں تو تمہیں کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک ذمی کو قتل کرو“ (مشکوٰۃ)

ابن صیاد سے سرورِ عالم کا دلچسپ مکالمہ :-

روایات صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ البیسی طاقتیں خورد سالی سے ہی اس کے باطن میں اپنی

طاغوتی کذب آفرینیاں القا کر رہی تھیں اور وہ حدِ بلوغ سے قبل ہی اظہارِ نبوت کر رہا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابنِ صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ بھی ساتھ تھے۔ ابنِ صیاد عالمِ طفلی میں قلعہ بنی مغالہ کے اندر جو یسود کا ایک قبیلہ تھا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی طرف راجع کر کے فرمایا کیا تو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا فریستادہ ہوں؟ ابنِ صیاد نے کہا میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ امیوں کے (یعنی عرب والوں کے جو اکثر ناخاندہ تھے) نبی ہیں پھر ابنِ صیاد نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ”کیا آپ بھی مجھے رسول مانتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا کہ ”میں تو اللہ جل و علا اور اس کے تمام (سچے) نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں لیکن یہ تو بتا کہ توجو نبوت کا دعویٰ ہے تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟“ اس نے جواب دیا کہ ”میرے پاس ایک صادق آتا ہے اور ایک کاذب“ غالباً اس کا منشاء یہ تھا کہ اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور ایک شیطان یہ دونوں اس کے دل پر امورِ غیبیہ القا کرتے ہیں۔ ابنِ صیاد کے خود اپنے بیان سے اس کے دعویٰ نبوت کا بطلان ثابت ہو گیا کیونکہ انبیاء کرام کی خبریں ابلیسی کا ذیبت سے قطعاً مبرا ہوتی ہیں۔ خلاف کا ہنوں کے کہ ان کی بعض اطلاعیں سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی۔ یہ سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تجھ پر صدق اور کذب محتاط ہو گیا ہے“ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ پر اس کا بطلان ظاہر کرنے کیلئے علیؓ روئے الاشہاد اس کا امتحان کرنا چاہا چنانچہ فرمایا ”اچھا میں ایک کلمہ اپنے دل میں سوچتا ہوں بتاؤ کہ وہ کون سا کلمہ ہے؟“ جناب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت جس کے پانچ کلمے ہیں اپنے ذہن میں طحوظ رکھی یَوْمَ نَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ (جس دن کہ آسمان پر بین دھواں ظاہر ہوگا) ابنِ صیاد نے کہا وہ دھواں ہے۔ ابنِ صیاد پانچ الفاظ کے کلام میں سے صرف ایک لفظ بتا سکا۔ جب حضور نے دیکھا کہ اس کا حال عام کا ہنوں کا سا ہے جو القائے شیطانی کی بدولت بعض امورِ غیبیہ معلوم کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ ”تو اپنی بساط سے بڑھ کر قدم نہیں مار سکتا اور نہ اس درجے سے تجاوز کر سکتا ہے جو کاہنوں کو حاصل ہے اور جب تو دوسروں کے دلی خطرات کو پوری طرح نہیں بتا سکتا تو نبوت کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے“ ربِ قدیر انبیاء کو لوگوں کے دلی ارادوں اور راز ہائے پنهانی پر علیؓ وجہ الکمال مطلع فرما دیتا تھا۔ خلاف منجموں اور کاہنوں کے کہ جنود ابلیس ان پر کلماتِ قدسیہ میں سے کوئی ایک کلمہ القا کر دیتا ہے۔

جس دن خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ صیاد سے اپنے معمود ذہنی کے متعلق سوال کیا اس کے بعد آپ کو ابنِ صیاد کے مزید حالات معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا چنانچہ آپ دوسرے دن حضرت امی بن کعب انصاریؓ کو ساتھ لیکر اس نخلستان کو تشریف لے گئے جہاں ابنِ صیاد

مقیم تھا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ ایک چادر تانے بستر پر دراز ہے اور چادر میں سے غن غن کی آواز آرہی ہے۔ آپ اس حقیقت کے پیش نظر کہ جب کسی کے مفدہ کا خوف ہو تو انشاء راز اور اظہار حقیقت جائز ہے، درخت خرما کی شاخوں کی آڑ میں ہو لئے تاکہ اس کے یہ جاننے سے پیشتر کہ آنحضرت تشریف فرما ہیں۔ اس کی گنگناہٹ کا مفہوم اور مفاد سمجھ سکیں جو مخفی اور ناقابل فہم تھا۔ ان صیاد کی ماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پکار اٹھی۔ ”دیکھو صاف! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے ہیں“ ان صیاد حضور کی تشریف آوری سے مطلع ہو کر خاموش ہو گیا۔ اگر اس کی ماں خاموش رہتی تو اس کی باتوں سے اس کی حقیقت حال پر مزید روشنی پڑسکتی۔ اس کے بعد جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور دجال کے متعلق ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور واپس تشریف لے آئے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک اور مرتبہ جناب خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ مدینہ طیبہ کے ایک کوچہ میں ان صیاد سے ملے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا کہ ”کیا تو میری رسالت کا قائل ہے؟ کہنے لگا کیا آپ بھی مجھے رسول اللہ مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا امنت باللہ وملتکتہ وکتبہ ورسولہ اور چونکہ تو کذاب ہے اس لئے تجھ پر ایمان نہیں لاسکتا“ اس کے بعد حضور نے دریافت فرمایا کہ تجھ پر کیا بھارتیں آتی ہیں؟ اس نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ عرش پانی پر کھڑا ہے۔ فرمایا ”تو عرش ابلیس کو سطح آب پر دیکھتا ہوگا“ بعض احادیث نبویہ میں دسواں کے متعلق مذکور ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھا کر اپنی ذریات کو فسوں سازیوں اور فتنہ انگیزیوں کیلئے لوگوں کے پاس بھیجتا ہے۔ ان صیاد اسی ابلیسی تخت کو پانی پر دیکھ کر گمان کرتا تھا کہ یہ عرش الہی ہے۔ اس کے بعد آل سرور علیہ التحیۃ والسلام نے دریافت فرمایا ”کبھی کچھ اور بھی دیکھا ہے؟“ جواب دیا ”میں دو صادق اور ایک کاذب (یادو کاذب اور ایک صادق) کو دیکھا کرتا ہوں“ آپ نے فرمایا ”اس شخص پر اپنا معاملہ ختم ہو گیا ہے اور اسے اپنی نسبت بھی یقین نہیں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا“ (مسلم)

ان صیاد بارگاہ نبویؐ میں :-

حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ان صیاد نے جناب نبی الرحمتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنت کی مٹی کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ ”وہ سفیدی میں میدے کی مانند ہے اور اس کی بو خالص کستوری کے مشابہ ہے“ (صحیح مسلم) اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ان صیاد کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا لیکن کسی روایت سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان صیاد نے کس سال بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بیعت اسلام کی

اور کتنی مرتبہ آستانہ نبوت میں حاضر ہوا؟ لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ ان صیاد جیسا کہ ابن مدعی نبوت عمد رسالت میں خاص مدینۃ الرسول کے اندر موجود ہو۔ یوم حرہ کے واقعات ہائیکہ تک جو یزید بے دولت کے عمد ظلمت میں ظہور پذیر ہوئے۔ ہزار ہا صحابہ کو اس سے وقتاً فوقتاً ملنے کا اتفاق ہوا ہو اور پھر اس کی انغواء کو شیعوں کے حالات اور سوانح حیات شرح و بسط کے ساتھ نہ مل سکیں لیکن اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے دوسرے مہینوں اور خانہ ساز میگوں کی طرح اپنے تقدس کی دکان جمانے اور لوگوں کیلئے باقاعدہ دام تزدین بچھانے کا قصد ہی نہ کیا بلکہ کچھ تو اپنے غلبہ حال اور دجالی حرکات کے باعث لوگوں سے بہت کچھ الگ تھلگ رہتا تھا اور کچھ صحابہ کرام سے بوجہ اپنے کذب آفرین دعاوی کے چھپتا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنے اوقات حیات کو گوشہ عزلت میں زیادہ گزارتا ہو گا اور یہی اس کے سوانح حیات بجزرت نہ پائے جانے کی علت ہے۔

کیا ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے؟ :-

بعض علماء نے ابن صیاد کو وہی دجال اکبر سمجھا ہے جسے مسیح علیہ السلام قرب قیامت کو قتل کریں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دجال اکبر تو نہیں تھا البتہ ان دجالوں میں سے ایک ضرور تھا جو جھوٹے دعویٰ کے ساتھ خلق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جن حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے اور یہ کہ وہی نہایت مسن اور طویل العمر ہو کر اخیر زمانے میں ظاہر ہو گا۔ اور روئے زمین پر فساد برپا کرے گا۔ ان کے دلائل یہ ہیں :-

محمد بن مہر کہتے ہیں کہ میں نے جلد بن عبد اللہ کو اس بات پر حلف اٹھاتے دیکھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ میں نے کہا تعجب کی بات ہے کہ آپ اس بارے میں اللہ کی قسم کھاتے ہیں؟ جلد نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین نے میری موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس بات پر قسم کھائی تھی اور حضور نے اس پر انکار یا اعتراض نہیں کیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

اس روایت کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے ابن صیاد میں بعض دجالی علامتیں دیکھ کر اسے ہی دجالی یقین کر لیا تھا۔ اور ان کے حلف کا اصل منہب یہ تھا کہ ابن صیاد ان دجالوں یعنی عیاروں میں سے ہے جو دعاوی نبوت کے ساتھ فتنہ انگیزی کریں گے ان کی سوگند کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ وہ دجال اکبر ہے۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس وقت تک آسمانی اطلاق نہ پانے کے باعث خود متردد تھے کہ ابن صیاد جس میں دجالی علامتیں پائی جاتی ہیں، دجال موعود ہے یا نہیں؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے تمیم دلمیؓ کی زبان سے عرب کے ایک جزیرہ میں دجال کے قید ہونیکا واقعہ سنا تو اس وقت آپ پر دجال کی

شخصیت متحقق و متعین ہوگی۔

دو صحابیوں کی ابن صیاد کے والدین سے گفتگو :-

ابن صیاد کو دجال اکبر سمجھنے والے علماء کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ابو بکرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ دجال کے والدین کے یہاں تیس سال تک کوئی اولاد پیدا نہ ہوگی۔ اس کے بعد ان کے گھر ایک کانازکا متولد ہوگا۔ جس کے بڑے بڑے دانت ہوں گے اور دنیاوی لحاظ سے نہایت حقیر اور کریمہ المنظر ہوگا۔ نیند کے وقت اس کی آنکھیں تو سوئیں گی لیکن دل (بوجہ ہجوم و وساوس و خیالات فاسدہ کے جو شیطان القا کرے گا اسی طرح) بیدار رہے گا (جس طرح سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کثرت افکار صالحہ اور وحی والہامات کے پے در پے وارد ہونے کی وجہ سے نہ سوتا تھا) اس کی ناک پر ندے کی چونچ کی مانند گول ہوگی۔ اس کی ماں بہت فریبہ اندام اور کجیم و شجیم ہوگی۔ اور اس کے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں ہم نے مدینہ کے ایک یہودی کے گھر میں ایک کانازکا پیدا ہونیکا حال سنا۔ میں اور زبیرؓ بن عوام اس کے والدین سے ملے اور انہیں ان تمام صفات سے متصف پایا جو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ماں باپ کے متعلق بیان فرمائے تھے۔ ہم نے پوچھا تمہارا کوئی فرزند بھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ تیس سال تک تو ہمارے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن اب ایک کاناز اور بڑے بڑے دانتوں والا حقیر سا لڑکا متولد ہوا ہے اس کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ ہم وہاں سے چلے تو ہم نے لڑکا بھی قریب ہی دھوپ میں پڑ پایا۔ یہ لڑکا جو پست آواز سے گنگٹا رہا تھا سر کھول کر بولا تم نے کیا کہا؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری بات سنی؟ کہنے لگا بے شک؟ گو میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے۔ (ترمذی)

لیکن علماء کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے رواۃ میں ایک شخص علی بن زید بن جدعان منفرد ہے۔ اور وہ قوی نہیں۔ علاوہ بریں یہ روایت بھولے شیخ ابن حجر عسقلانی درایتاً بھی ناقابل اعتماد ہے کیونکہ ابو بکرؓ ۸ھ میں ایمان لائے۔ اور کھن میں ہے کہ جب وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے تو وہ قریب البلوغ تھے اور انہوں نے وصال نبوی سے صرف دو ہی سال پیشتر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ ابو بکرؓ نے ابن صیاد کو اس کے زمانہ ولادت میں مدینہ طیبہ میں ہرگز نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ ابن صیاد اور اس کے والدین کا دجالی صفات و علامات سے موصوف ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ابن صیاد ہی دجال اکبر تھا کیونکہ دو صفتوں کا اتحاد دو موصوفوں کے اتحاد کو مستلزم نہیں۔

لن صیاد سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ملاقات :-

لن صیاد پر دجل ہونے کا شبہ اس بنا پر بھی کیا جاتا تھا کہ وہ شکل و شبہت اور شمائل میں دجل انبر سے بہت سی مماثلت رکھتا تھا۔ چنانچہ جس طرح دجل کی ایک آنکھ دانہ انکور کی مانند پھولی ہو گی اسی طرح لن صیاد کی ایک آنکھ بھی ابھری ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں لن صیاد سے ملا تو دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی اور لوہر کو اٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری آنکھ میں کب سے یہ خرابی پیدا ہوئی؟ بولا میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا اے خدا خود تیری آنکھ تیرے سر میں ہے اور تجھے اس کی خرابی کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ لن صیاد کہنے لگا کہ اگر خدائے قادر و توانا چاہے تو تمہارے ہاتھ کی اس چھڑی میں بھی ایسی ہی آنکھ پیدا کر دے۔ لن صیاد کے اس جواب کا خشاء یہ تھا کہ حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جمادات میں بھی آنکھ پیدا کر دے اور جس طرح اس جماد کو اپنی آنکھ کا شعور اور آشوب چشم کا احساس نہیں ہو گا اسی طرح ممکن ہے کہ انسان بھی کثرت اشغال و ہجوم افکار کی وجہ سے مانع اور اک اشیاء کو اسی طرح مدد نہ کر سکے۔ جس طرح لوگ فرط غم اور وفور مسرت کے وقت بھوک کا مطلق احساس نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لن صیاد گدھے کی سی آواز کے ساتھ چیخنے لگا۔ یہ آواز ایسی کریمہ اور بھیاںک تھی کہ میں نے کسی گدھے کی بھی ایسی مکروہ آواز نہیں سنی تھی۔ میرے احباب کا خیال تھا کہ میں نے لن صیاد کو اپنی لامٹی سے اتنا پٹیا تھا کہ لامٹی ٹوٹ گئی۔ حالانکہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آیا اور وہ کیوں چیخا؟ اسی طرح لن صیاد کے ایک یہودی رفیق نے یہ گمان کیا تھا کہ میں نے اس کے گھونسا رسید کیا حالانکہ یہ خیال بھی سراپا غلط تھا۔ (صحیح مسلم)

حدیث جساسہ سے جو عنقریب سپرد قلم ہو گی۔ اس بات کا قطعی علم ہو گیا تھا کہ لن صیاد دجال اکبر نہیں ہے۔ لیکن مسلمانان مدینہ لن صیاد کی دجالی صفات اور اس بیعت کذائی کا لحاظ کرتے ہوئے بہت دن تک اس شبہ میں پڑے رہے۔ کہ شاید یہی شخص قرب قیامت کو دجال کی حیثیت سے ظاہر ہو۔ اور یہی وجہ تھی کہ لن صیاد اہل مدینہ کے لئے سامان خندہ زنی بنا ہوا تھا اور لوگ اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی کسی سڑک پر لن عمرؓ کی لن صیاد سے ملاقات ہوئی۔ حضرت لن عمرؓ نے اس سے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے وہ بوا غضب ناک ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ اپنی خواہر محترمہ ام الملوئمین حضرت حہدہ کے پاس آئے ام الملوئمین اس سے پیشتر سن چکی تھیں کہ ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ لن صیاد سے کوئی بات کہہ کر اس کی اشتعال انگیزی کا باعث ہوئے تھے۔ ام الملوئمین نے

فرمایا: خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے ان صیاد کو کیوں مشتعل کیا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کسی بات پر غضبناک ہو گا اور پھر یہی غیظ و غضب اس کے خروج کا باعث بن جائے گا۔ اور چونکہ یہ احتمال ہے کہ یہی شخص دجال اکبر ہو اس لئے یہ بات کسی طرح مناسب نہیں اسے برا بیخیز کر کے باب فتن کھولا جائے۔ (صحیح مسلم)

ان صیاد کا استدلال اپنے دجال ہونے کی نفی پر

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور تعجب ہے کہ جن حضرات نے ان صیاد کو دجال اکبر یقین کیا۔ ان کا ذہن ان روایات صحیحہ کی طرف کیوں منتقل نہ ہوا؟ ایک روایت میں خود ان صیاد نے بھی اسی ارشاد نبوی سے استدلال کر کے اپنے دجال ہونے کی نفی کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کو جاتے ہوئے میں ان صیاد کا رفیق سفر تھا۔ اثناء گفتگو میں وہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے لوگوں سے اتنا دکھ اٹھایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ رسا درخت سے باندھ کر اس کا پھندا گلے میں ڈال لوں اور پھانسی لے لوں۔ میں نے پوچھا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگا وجہ یہ ہے کہ لوگ مجھے دجال سمجھتے ہیں۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ دجال لادلد ہو گا اور میں صاحب لولاد ہوں؟ کیا پیغمبر علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ دجال کافر ہو گا۔ اور میں مسلمان ہوں؟ اور کیا سردار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہو گا۔ لیکن میں مدینہ میں پیدا ہوا اور وہیں سے اگر مکہ معظمہ جا رہا ہوں؟ (مسلم) حضرت جابرؓ کا بیان ہے ان صیاد واقعہ حرہ میں جبکہ یزید کا لشکر اہل مدینہ پر غالب آیا مفقود ہو گیا۔ بظاہر یہ روایت اس بیان کے منافی ہے جس پر مذکور ہے کہ وہ مدینہ میں مرا اور اس پر نماز پڑھی گئی۔ اگر اس روایت کا مفہوم عام اور موت کو بھی شامل ہے تو کچھ منافات نہیں کیونکہ دونوں کا حاصل یہ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعہ حرہ میں مرا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔

دجال اکبر ایک جزیرہ میں قید ہے :-

تمیم داریؓ کے بیان سے جو دجال کی شخصیت کے بارہ میں نص ہے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ان صیاد دجال منتظر نہیں کیونکہ جن دنوں ان صیاد چوں کے ساتھ مدینہ مطہرہ کی گلیوں میں کھیل رہا تھا۔ انہی ایام میں یا شاید اس سے بھی پیشتر تمیم داریؓ نے دجال کو عرب کے ایک جزیرہ میں پابہ زنجیر دیکھا۔ اب تمیم داریؓ کے دلچسپ مشاہدات کی روایت جو علماء میں ”حدیث جسامہ“ کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو :- فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہؓ کہتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضورؐ

نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھے اور آپ نے حسب عادت مسکرا کر فرمایا کہ سب آدمی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ اس کے بعد فرمایا کیا جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا؟ صحابہ عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول اعلم ہیں۔ ارشاد ہوا میں نے کسی ترغیب یا ترہیب کے لئے تمہاری اجتماع کی خواہش نہیں کی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمہیں داریٰ ایک عیسائی تھے جو خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ اب انہوں نے دجال کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ان ربانی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے جو میں دجال کے متعلق تمہارے سامنے پیش کرتا رہا ہوں“ چونکہ یہ ماجرا تمہیں کے عینی مشاہدہ پر مبنی تھا اس لئے حضور نے لوگوں کے ازدیاد یقین کے لئے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ تمہیں داریٰ کا بیان ہے کہ میں نے جہاز میں سوار ہو کر سمندر کا سفر اختیار کیا۔ قبیلہ لُحْم اور جذام کے بھی تمہیں آدمی میرے رفیق سفر تھے اتنے میں سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ جہاز سمندر کے طول و عرض میں حالت تباہ چکر کاٹتا رہا لیکن ساحل بحر تک نہ پہنچ سکا۔ آخر موجوں کے خوفناک تھپڑے کھاتا ہوا ایک مہینہ کے بعد بصد خرابی کنارے لگا۔ ہم ایک جزیرہ میں اترے۔ اثنائے راہ میں ایک عجیب قماش کی عورت ملی جس کے بہت لمبے لمبے بال تھے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگی میں جسامہ یعنی مخبرہ ہوں جو دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں۔ تم لوگ سامنے والے دیر میں جاؤ وہاں دجال کو دیکھو گے۔ ہم نے دیر کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر ایک اتنا بوا قوی ہیکل مرد دیکھا کہ اس سے پیشتر اس قدر قامت کا انسان کبھی نظر سے نہ گزرا تھا۔ یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہوا تھا اس کے ہاتھ گھٹنوں اور نگوں کے پچھلے سے نکل کر گردن سے مدھم تھے۔ ہم اس کو پیکر انسان کو دیکھ کر جو حیرت رہ گئی۔ ہم نے پوچھا تو کون ہے؟

وہ :- چونکہ تم نے مجھے اس حال میں دیکھ لیا اس لئے میں اپنے تئیں تم سے مخفی نہ رکھوں گا۔

لیکن پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح آتا ہوا؟

ہم :- ہم عرب کے رہنے والے ہیں۔ ہم نے بحری سفر اختیار کیا تھا لیکن ہمارا جہاز طوفان میں گھر کر مہینہ بھر سرگرداں رہا۔ آخر ہم حالت تباہ اس جزیرہ میں آ پہنچے۔ ایک عجوبہ روزگار جسامہ ہم سے کہنے لگی کہ تم لوگ اس شخص کی طرف جاؤ جو دیر میں ہے۔ پس ہم لوگ جگت سے تیرے پاس پہنچے۔

وہ :- اچھا یہ تو بتاؤ کہ نخل میان ہنوز بار آور ہوا یا نہیں؟

ہم :- میان کے نخلستان میں بربد پھل آرہا ہے۔

وہ :- لیکن یاد رکھو کہ وہ وقت بھی آنے والا جب کہ میان میں کھجوروں کے درخت شمر کو نہ ہوں گے اس کے بعد سوال کیا کہ کیا حیرہ طبریہ میں ابھی پانی موجود ہے یا خشک ہو چکا

ہے؟

ہم :- اس میں تو پانی بافراط موجود ہے۔

وہ :- وہ وقت دور نہیں جب کہ (قرب قیامت کو) اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔ اس کے بعد دریافت کرنے لگا کہ کیا چشمہ زغر میں پانی آرہا ہے؟ اور وہاں کے لوگ اس پانی سے زراعت کر رہے

ہیں؟

ہم :- اس میں تو پانی کی بہتات ہے۔ اور لوگ اس سے اپنی زمینوں کو خوب سیراب کر رہے ہیں۔

وہ :- اچھا یہ تو بتاؤ کہ امیوں کے نبی نے ظاہر ہو کر کیا کچھ کیا ہے؟

ہم :- وہ اپنی قوم پر غالب آئے اور لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔

وہ :- ہاں ان کے لئے اطاعت و سرفتنہ کی ہی بہتر تھی۔ اس کے بعد کہنے لگا اب میں اپنی نسبت بھی بتا دوں کہ میں مسیح (دجال) ہوں۔ اور مجھے عنقریب یہاں سے نکلنے کی اجازت ملے گی۔ میں روئے زمین میں ہر جگہ دورہ کروں گا۔ اور دنیا میں کوئی آبادی ایسی نہ ہوگی جہاں چالیس دن کی مدت میں پہنچ نہ جاؤں باستثناء مکہ اور طیبہ کے کیونکہ ان دو شہروں میں مجھے داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔ جب میں مکہ یا طیبہ میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو معانت فرشتہ موجود ہو کر میرے اقدام میں مزاحم ہونے لگے گا۔

یہ واقعہ بیان کر کے جناب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصا منبر پر مارا اور تین مرتبہ فرمایا یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ (مدینہ منورہ) ہے۔ (مسلم و ابوداؤد بالفاظ مختلفہ)

أسود عَنَسِي

جب حضرت سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے مراجعت فرماتے مدینہ منورہ آئے تو آپ کی صحت حرج اعتدال سے منحرف ہو گئی اور گو طبیعت جلد سنبھل گئی لیکن منافقوں کی طرف سے ناسازی طبع کی خبر کچھ ایسے بڑے عنوان سے پھیلائی گئی تھی کہ استبداد و خود سری کے بلائے مختلف رنگوں میں ظہور کرنے لگے اور بہت سے منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کا حوصلہ ہو گیا۔ نفس لمارہ کے جن پجاریوں نے علالت نبوی کی خبر پاتے ہی اپنے ایمان و اسلام کو خیر باد کہہ دیا اسود عَنَسِي ان میں سب سے پیش پیش تھا اس نے نہ صرف نعمت ایمان سے ہجر و حرمان قبول کیا بلکہ اس کی بوالہوسی نے خود ساختہ نبوت کا تاج بھی اسکے سر پر رکھ دیا۔

حضرت خیر البشر کی پیشین گوئی :-

رنجوری اول کے چند ماہ بعد حضرت سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ دینائے رفتی و گزشتنی کو الوداع کہہ کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ بروز شنبہ 10 ربیع اول 11ھ کو خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت مرض میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے مکان پر تشریف لائے اور بچھبھ کے دن مرض نے شدت اختیار کر لی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں فرمایا کہ میں نے (خواب میں) اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ مجھے ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا۔ معادوں کنگن معدوم ہو گئے ان دو کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجال ہیں کہ میں جن کے درمیان ہوں۔ ایک مسیلمہ یمامہ والا۔ دوسرا اسود یعنی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں وحی الہی سے اطلاع پا کر یہ بھی فرمایا کہ ”اسود فلاں روز اور فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ویسا ہی ظہور میں آیا۔“

ابتدائی حالات اور دعوائے نبوت :-

اسود کا اصل نام عیملہ بن کعب بن عوف عَنَسِي تھا۔ لیکن سیاہ قام ہونے کی وجہ سے اسود کے نام سے مشہور ہو گیا تھا عَنَسِي قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھی علاقہ یمن کے ایک موضع میں جس کا نام کف خار ہے پیدا ہوا اور وہیں نشوونما پایا۔ شعبہ گری اور کمانت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اور اس زمانہ میں یہی دو چیزیں باکمال ہونے کی بہت بڑی دلیل سمجھی جاتی تھیں۔ اسود کی ذات

میں شیریں کلامی اور تحمل و بردباری کا جو ہر بدرجہ اتم و دلیت تھا۔ اس لئے عامۃ الناس جلد اس کی مکند خدع میں پھنس جاتے تھے۔ اس کے لقب میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے ذوالنمار یعنی اوڑھنی والا لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت چادر اوڑھے اور عمامہ باندھے رہتا تھا اور بعض نے اس کا لقب ذوالنمار بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک سدا ہوا گدھا تھا جب اس کی طرف مخاطب ہو کر کہتا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر تو وہ فوراً سر بسجود ہو جاتا جب بیٹھنے کو کہتا تو جھٹ بیٹھ جاتا اور جب کھڑا ہونے کا حکم دیتا تو وہ نیم قد اور بعض اشاروں پر سر قد کھڑا ہو جاتا تھا جب اہل نجران نے اسود کے اوعائے نبوت کی خبر سنی تو اسے بغرض امتحان اپنے ہاں مدعو کیا یہ لوگ اس کی چکنی چڑی باتوں پر فریفتہ ہو گئے اور جب اس نے گدھے کی نشست و برخاست سے اپنا ”اعجازی کرشمہ“ بھی دکھا دیا تو انہوں نے نقد ایمان نذر کر کے اس کی پیروی اختیار کر لی اسی طرح قبیلہ مذحج نے بھی اسود کی نئی تحریک کو سمعاً و طاعتاً قبول کر لیا۔

حضرت سرور عالم حکومت یمن کو مختلف افراد میں تقسیم فرماتے ہیں :-

جس وقت باذان اور اہل یمن حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اس وقت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی ساری حکومت باذان کی رحلت کے بعد آپ نے یمن کی حکومت تقسیم کر کے گیارہ افراد کے دست اختیار میں دے دی نجران پر عمرو بن حزم کو حاکم مقرر فرمایا نجران اور زبید کا درمیانی علاقہ خالد بن سعید کو تفویض فرمایا ہمدان عامر بن شمر کو دیا گیا صنعا کی حکومت شمر بن باذان کو عطا ہوئی۔ طاہر بن ابوالہ عک اور اشعریوں کے والی بنائے گئے ابو موسیٰ کو مارب کی اور فروہ بن مسیک کو مراد کی ملات پر سرفراز فرمایا گیا۔ جند کی سرداری لیلیٰ بن امیہ کے زیر فرمان دی گئی حضر موت کی حکومت زیاد بن لبید انصاری کو مفوض ہوئی۔ اور سکا سک اور سکون پر عکاشہ بن ثور کو اور بو معاویہ کندہ پر مہاجر کو عامل مقرر فرمایا گیا مگر موخر الذکر کے تقرر کے بعد ہی حضور سید کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت سخت علیل ہو گئی اس لئے ان کا جانا ملتوی رہ گیا۔ آخر حضور کے وصال کے بعد امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی حکومت پر روانہ فرمادیا۔

اسود کی ملک گیری اور اس کا فوری عروج و اقبال :-

اسود نے دعوائے نبوت کے بعد تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے سب سے پہلے اہل نجران کو گانٹھ کر نجران پر چڑھ دوڑا اور عمرو بن حزم اور خالد بن سعید بن حاص کو وہاں کی حکومت سے بے دخل کر دیا اسی طرح اسود کا وزیر قیس بن عبد یغوث مرادی بھی جس کے

ہاتھ میں اسودی لشکر کی قیادت تھی فرودہ بن مسیک پر چڑھ آیا جو مراد پر عامل تھے اور انہیں منہزم کر کے وہاں پر قابض ہو گیا۔ نجران سے فارغ ہو کر اسود نے صنعاء کا رخ کیا یہاں شہر بن باذان نے اس کا مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہو کر جرحہ شہادت پئی لیا حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی بے سرو سامانی کا لحاظ کرتے ہوئے صنعاء سے روٹنے ہوئے اور مدلب میں ابو موسیٰ کی طرف ہو کر گذرے ابو موسیٰ نے دیکھا کہ حفظہ و دفاع کا کوئی سلمان نہیں ناپاروہ بھی حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے حضرت معاذؓ تو سکون میں ٹھہرے اور ابو موسیٰ کا سک کو چلے گئے اسی طرح طاہر بن ابوبالہ جبل صنعاء میں جا پہنچے گزین ہوئے اور وہ لوگ جو قبیلہ مذحج میں سے اسلام پر قائم رہے انہوں نے فرودہ کے پاس جا پہنچی۔ اس وقت اسودی اقبال کا یہ عالم تھا کہ فتح و ظفر ہر وقت حکم کی منتظر تھی غرض یمن کا سارا ملک اسود کے حیطہ اقتدار میں چلا گیا اور وہ شرفاً غرنا صحرائے حضر موت سے طائف تک اور شمال میں بحرین سے احسا تک اور جنوب میں عدن تک کا مالک ہو گیا اسود کی حکومت ملک کے طول و عرض میں اس سرعت سے پھیلی جس طرح آگ گھاس پھوس کے مکان کے ایک سرے میں لگ کر آنا فانا دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے جب پہلی مرتبہ شہر بن باذان سے اس کی ٹڈبھیز ہوئی ہے تو اس کے پاس صرف سات گھڑ چڑھوں اور کچھ ساڈنی سواروں کی جمعیت تھی لیکن اب اس کی سلطنت کو بڑا استحکام نصیب ہوا ان واقعات سے اکثر اہل یمن اسلام کے صراطِ صدق و صواب سے منحرف ہو کر اسود کی نبوت پر ایمان لے آئے اب عمرو بن حزم اور خالد بن سعید مدینہ منورہ پہنچے اور تمام دل خراش واقعات حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب مبارک تک پہنچائے۔

جب یمن کے سارے علاقے اسود کے سایہ میں آچکے تو اس نے عمرو بن معدیکرب کو اپنا نائب مقرر کیا یہ وہی شخص ہے جو پہلے خالد بن سعید بن عاص کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا۔ لیکن پھر مرتد ہو کر اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور خالد بن سعید کے مقابلہ سے بھاگ کر اسود کے ظلِ عاطفت میں جا پناہ لی تھی۔ اب حضر موت کے مسلمانوں کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں اسود ان پر بھی فوج کشی نہ کرے یا حضر موت میں بھی اسود کی طرح کوئی نیا جال کذاب نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے حضرت معاذ بن جبلؓ نے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی سے کام لیکر استمالتِ قلوب کیلئے قبیلہ سکون میں نکاح کر لیا۔ جس سے قبیلہ کے لوگ ان سے عطف و توفیق اور محبت کا ر تاؤ بر تنے لگے۔

اسود کے خلاف نفرت و عناد کا جذبہ :-

اب اسود یمن کا بلا شریک غیرے مالک بن کر کوس آنا و لا غیر ی جارہا تھا لیکن حکومت پر

فاتر ہونے کے بعد اس میں وہ پہلی سی تواضع و منکسر المزاجی باقی نہ رہی تھی۔ غرور و انانیت نے حلم و خاکساری کی جگہ لے لی تھی اور ہر وقت فرعونیت کا تاج پہنے یکتائی اور بے ہمتائی کے نشہ میں سرشار تھا۔ گو قیس بن عبد یغوث سپہ سالار نہایت صبر و سکون کے ساتھ اسود کے تمام نرم و گرم حکام کی تعمیل کرتا تھا لیکن اسود کی نخوت اور فرعون مزاجی نے اس کو سخت کبیدہ خاطر اور متنفر کر دیا تھا۔ اسود نے شمر بن باذان کی جان ستانی کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبر اپنے گھر میں ڈال لیا تھا اور آزاد کا عم زاد بھائی فیروز دیلمی جو شاہ حبشہ کا بھانجا تھا آزاد کو اس کے بیچہ میداد سے نجات دلانے اور اس کا قرار واقعی انتقام لینے کیلئے بری طرح دانت پس رہا تھا۔ اتنے میں ویر بن یخسنس ازدی کے ہاتھ سکون اور یم کے مسلمانوں کے نام حضرت فخر کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان آیا جس میں اسود کی سرکوفی کا حکم تھا۔ ارباب ایمان اس فرمان سے نہایت قوی دل ہوئے اور اسود کو نچاؤ کھانے کا عزم صمیم کر لیا۔ اتنے میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیس بن عبد یغوث پر اسود کا کچھ عتاب نازل ہوا ہے اور قیس اسود سے سخت کشیدہ خاطر ہے۔ اس لئے قیس کو بھی اپنا رازدار اور شریک کار بنالیا۔

قتل کے مشورے :-

صنعاء کے بعض مسلمان اسود کی فوج گراں کے مقابلہ میں اپنے حرمی ضعف کو ٹھولی محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے جائے عسکری اجتماع کے رازدارانہ سرگرمیوں سے کام لینا چاہا۔ یہاں کے مسلمانوں نے قرب و جوار کے لوگوں سے نامہ و پیام کر کے اسود کے خلاف ناراضی کا ایک جال پھیلا دیا۔ اس اثنا میں اسود کو اس کے موکل نے بتا دیا کہ تمہارے قتل کی پخت و پز ہو رہی ہے۔ اسود قیس کو بلا کر کہنے لگا ”مجھے میرے موکل نے حکم دیا ہے کہ میں قیس کو چاہ ہلاکت میں ڈال دوں کیونکہ وہ اعداء سے مل گیا ہے“ قیس ہر طرف خطرہ کی آندھیوں کو محیط پا کر بطور دفع الوقتی قسم کھا کر کہنے لگا حضور کے تقدس اور عظمت کا سکہ میرے لوح دل پر اس درجہ منقوش ہے کہ اس قسم کے کافرانہ وسوسے میرے دل میں کبھی بار نہیں پاسکتے۔ یہ سن کر اسود قیس کے خون سے درگزر۔ اس کے بعد قیس موقع پا کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اسود سے جو باتیں ہوئی تھی وہ سب بالتفصیل بیان کیں۔ اب اسود نے فیروز دیلمی اور حشش دیلمی کو جو مسلمانوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے بلا کر دھمکایا مگر انہوں نے دفع الوقتی سے کام لیکر اپنا پیچھا چھڑایا۔ اسود مسلمانوں کی طرف سے ہنوز کھٹکا ہوا تھا اور ارباب ایمان بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے کہ اس اثنا میں عامر بن شمر، ذی زود و الکلاع اور ذی ظلم کی طرف سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ ہم تمہاری عون و نصرت کیلئے ہر طرح سے حاضر ہیں۔ بات یہ تھی کہ

سید خلق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس اس مضمون کے فرمان بھیجے تھے کہ وہ اسود کے خلاف حرب آزما ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے صنعاء کے مسلمانوں کو جہاد کی تحریک کی تھی۔ اسی طرح فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو بھی شریک جہاد ہونے کو لکھا تھا اور نجران والوں نے تعمیل ارشاد کا تہیہ کر کے صنعاء والوں کو اپنے عزم کی اطلاع دیدی تھی۔ جب اسود کو ان سب باتوں کی اطلاع ہوئی تو اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہو گیا۔

اسود کی جان ستانی میں آزاد کے شریک کار ہونے کی درخواست :-

اب حشش دیلمی فیروز دیلمی کی عم زاد بہن آزاد کو گانٹھنے کیلئے اسود کے محل سرائے میں گیا۔ جس پر اسود نے اس کے شوہر شہر بن باذان کے واقعہ شہادت کے بعد جبراً قبضہ کر رکھا تھا اور کہا تم جانتی ہو کہ یہ لعین تمہارے والد اور شوہر کا قاتل ہے اور اس نے تمہیں جبراً قہراً گھر میں ڈال رکھا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کی جان ستانی میں ہماری معاون اور شریک راز ہو۔ آزاد کہنے لگی ”واللہ میرے لئے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اس ناپکار سے بڑھ کر مکروہ اور قابل نفرت چیز کوئی نہیں۔ یہ کم نعت نبوت کا مدعی ہے مگر حالت یہ کہ نہ تو حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ اسے محرمات ہی سے پرہیز ہے۔ تمہارا جو کچھ ارادہ ہو اس کی مجھے برابر اطلاع دیتے رہو۔ میں اس کار خیر میں جان و دل سے تمہاری مدد کروں گی“ اس اثناء میں اسود نے ایک قاصد بھیج کر قیس کو بارادہ قتل اپنے پاس بلایا۔ قیس مذبح اور ہمدان کے دس مسلح جوان لیکر اسود کے پاس گیا۔ اسود کو دس محافظوں کی موجودگی میں یہ جرات نہ ہوئی کہ قیس کو قتل کرے۔ کہنے لگا: قیس! میں نے تجھ سے سچ سچ نہیں کہا دیا کہ تو میرے قتل کی سازش میں شریک ہے؟ مگر تو ہر مرتبہ جھوٹ بول کر دفع الوقتی کر رہا ہے چنانچہ میرے مؤکل نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ ”میں قیس کے ہاتھ قطع کر دوں ورنہ وہ ضرور میری گردن مار دے گا“ قیس نے کہا یہ قطعاً غلط ہے۔ میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوں اور حضور کے مؤکل کو بھی سچا پیامبر یقین کرتا ہوں لیکن وحی میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے اس لئے سازباز کا الزام بالکل بے جیاد ہے۔ آپ بدگمانی کو پاس نہ پھینکنے دیجئے۔ میں ہر طرح سے حضور کا غلام اور چاکر ہوں اور حضور کے ہر حکم کی تعمیل کو باعث سعادت یقین کرتا ہوں اور اگر آپ میری طرف نظر ترحم سے نہ دیکھیں گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا“ یہ باتیں سن کر اسود کا خیال بدل گیا اور قیس کو جانے کی اجازت دی۔ قیس وہاں سے نکل کر اپنے مسلمان دوستوں سے ملا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ بس اب اپنا کام پورا کر دو۔ اسود محل سرائے سے اٹھ کر باہر آیا۔ تمام لوگ اس کی تعظیم کیلئے سر و قد اٹھ کھڑے ہوئے۔ قصر کے باہر قریبا سو گائیں اور لونٹ بندھے تھے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہاں تینوں مسلمان بھی

موجود تھے۔ فیروز کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ فیروز! کیا وہ بات جو تیری نسبت مجھے بتائی گئی ہے غلط ہے؟ اور پھر تلوار دکھا کر کہنے لگا کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں“ فیروز نے کہا حضور والا! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ حضور کی حرم محترم میری عم زاد بہن ہے اور ہم اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ حضور نے ہمیں سرالی قرابت سے مشرف فرمایا۔ اگر حضرت اعلیٰ منصب نبوت پر فائز نہ ہوتے تو ہم کسی بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنی قسمت حضور کے ہاتھ میں فروخت نہیں کرتے۔ حضور کی اطاعت میں ہمیں ہر طرح دین و دنیا کی فلاح نصیب ہے“ اتنے میں ایک شخص نے اسود کے سامنے فیروز کی چغلی کھائی اور کہنے لگا کہ سرکار!“ میں سب کچھ جانتا ہوں اس لئے عزم مصمم کر چکا ہوں کہ کل کے روز فیروز اور اس کے رفقا کو ضرور موت کے گھاٹ اترا دوں گا“

نقب لگا کر محل میں گھس جانے کا مشورہ :-

اب یہ لوگ وہاں سے چلے آئے اور قیس کو بلا کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ حشش نے یہ رائے دی کہ میں آزاد کے پاس جا کر اس کی رائے معلوم کرتا ہوں۔ اگر وہ اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائے تو بس اسے ٹھکانے لگا دیں۔ حشش نے آزاد کے پاس جا کر اپنا خیال ظاہر کیا۔ آزاد کہنے لگی ”اسود آج کل نہایت چوکنا اور ہوشیار ہو گیا ہے۔ اس حصہ، مکان کے سوا محل میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں پہرہ کی چوکی نہ ہو البتہ اس مکان کے عقب سے نقب زنی کا موقع ہے اگر تم لوگ سرشام اس طرف جا کر نقب لگاؤ تو وہاں تمہیں کوئی آدمی نہ دیکھ سکے گا۔ اس وقت جو چاہو کر سکتے ہو۔ وہاں اسود کو کوئی معاون بھی نہ مل سکے گا۔ تمہیں اس جگہ شمعدان روشن ملے گا اور اسلحہ بھی موجود ہوں گے“ اتنے میں اسود بھی دیوان خانہ سے نکل کر حرم سرانے میں آیا اور حشش کو اپنی بیوی سے باتیں کرتے پایا۔ اسود نے سخت غضبناک ہو کر پوچھا تو یہاں کیوں آیا؟ یہ کہہ کر ایک گھونسا حشش کے اس زور سے رسید کیا کہ وہ نیچے گر پڑا۔ یہ دیکھ کر آزاد نے ایسی بری طرح چیخنا چلانا اور شور مچانا شروع کیا کہ اسود مبسوت رہ گیا۔ آزاد ناک بھون چڑھا کر اور اسود کو ڈانٹتا کہ کہنے لگی ”یہ میرا دودھ شریک بھائی مجھ سے ملنے کو آیا ہے اور تو سخت بے حیائی کے ساتھ اس سے ایسا وحشیانہ سلوک کرتا ہے“ یہ کہہ کر آزاد اسود کو سخت ست کہنے لگی۔ اسود حشش کو چھوڑ کر آزاد سے معذرت کرنے لگا اور اس سے بصد مشکل اپنا قصور معاف کر لیا۔ وہاں سے اٹھ کر حشش اپنے دوستوں کے پاس آیا اور اپنی سرگذشت بیان کی۔ یہ لوگ کہنے لگے اب ہم اسود کے شر سے مامون نہیں ہیں فوراً بھاگنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ ان لوگوں پر بدحواسی طاری تھی اور عالم اضطراب میں کہیں چمپت ہو جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اتنے میں آزاد کا غلام حشش کے پاس آیا اور پیغام دیا

کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان قرار پائی ہے اس میں تقاضا نہ کرنا،“ حشمن نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہماری طرف سے ان شاء اللہ اس کام میں ہرگز سستی نہ ہوگی اور غلام کو ہر طرح تشفی و بیکر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے فیروز سے کہا کہ تم بھی آزاد کے پاس جاؤ اور اس سے بالمشافہ گفتگو کر کے اس بات کو پکا کر لو چنانچہ فیروز نے جا کر بات چیت کی۔ آزاد نے فیروز سے بھی وہی باتیں کہیں جو اس سے پیشتر حشمن سے کہ چکی تھی۔ فیروز نے کہا ہم ان اندرونی کمروں میں نقب لگائیں گے۔ فیروز یہی باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں اسود بھی وہاں پہنچ گیا اور اجنبی مرد کو اپنی ہم نشین کے پاس بیٹھے دیکھ کر اس کی رگ غیرت جنبش میں آگئی۔ اس پر آزاد کہنے لگی۔ ”تم نے شاید اسے پہچانا نہیں یہ میرا عم زلو اور دودھ شریک بھائی ہے اور میرا قریب کار شہتہ دار اور محرم ہے“ اسود نے آزاد کے خوف سے لور تو کچھ نہیں کیا البتہ فیروز کو وہاں سے نکال دیا۔

اسود کی جان ستانی :-

جب شام کی سیاہ چادر فضائے عالم پر محیط ہو گئی تو ان لوگوں نے جا کر اپنا کام شروع کر دیا اور نقب لگا کر اندر گھس گئے۔ وہاں شمع دان روشن تھا۔ ان میں سے ہر شخص کو فیروز ہی کی قوت بازو پر زیادہ بھروسہ تھا کیونکہ وہ سب میں شہ زور اور قوی ہیکل تھا۔ ان لوگوں نے فیروز کو آگے کیا اور خود ایسے موقع پر ٹھہرے رہے جو پہرے داروں اور فیروز کے پیچ میں تھا۔ ان لوگوں کا یہ قیام اس پیش بندی پر مبنی تھا کہ اگر بالفرض پہرے دار فیروز پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ اس کے آڑے آئیں۔ جب فیروز دروازہ کے قریب پہنچا تو اس نے بڑے زور سے خراٹوں کی آواز سنی اور دیکھا کہ آزاد پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بوالعجبی دیکھو کہ جیسے ہی فیروز دروازہ میں جا کر کھڑا ہوا اس کے موکل نے اسود کو اٹھا کر بٹھادیا۔ اب اسود اپنے شیطان کی طرف سے یوں گویا ہوا کہ فیروز! تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے جو یہاں آیا ہے؟ فیروز کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس وقت لوٹنا اور موقع کو ہاتھ سے دیتا ہوں تو وہ اور اس کے ساتھی بھی مارے جائیں گے اور آزاد بھی زندہ نہ بچے گی اس لئے پھرتی کر کے اسود سے لپٹ گیا۔ فیروز بلند وبالا اور قوی الجھ جو ان تھا۔ اس نے اسود کی منڈی پکڑ کر اس طرح زور سے مروڑی جس طرح دھوئی کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیتا ہے اور معاً اس کی گردن توڑ ڈالی۔ جب فیروز نے اسود کو ہلاک کر کے باہر جانے کا قصد کیا تو آزاد نے لپک کر اس کا دامن پکڑ لیا اور کان میں کہنے لگی کہ اسے زندہ کیوں چھوڑے جاتا ہے۔

لگا نہ رہنے دے بھگڑے کو یار تو باقی

رکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

آزاد یہ سمجھ رہی تھی کہ اسود ہنوز زندہ سلامت ہے۔ فیروز نے کہا اطمینان رکھو میں نے

اسے ہلاک کر کے تمہیں اس کے بچہ جور سے نجات دلا دی۔ مرنے کے بعد اسود کے منہ سے اس طرح خرخر کی آواز آرہی تھی جیسے کوئی ہیل ڈکارتا ہو۔ یہ عجیب و غریب آواز سن کر محل کے پہرہ دار دوڑے اور دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ آزاد نے آگے بڑھ کر انہیں اندر آنے سے روک دیا اور کہنے لگی خاموش رہو۔ ہمارے پیغمبر پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ وہ خاموش ہو کر چلے گئے۔ فیروز باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے اسود کا کام تمام کر دیا۔ اس پر فیروز کے رفیق اندر کو دوڑے اور دیکھا کہ اسود کے منہ سے بدستور خرخر کی آواز آرہی ہے۔ حشش نے بڑھ کر پیش قبض سے اس کا سرتن سے الگ کر دیا۔ اب قاتلوں نے باہم مشورہ کیا کہ اپنے دوسرے ہم مشربوں کو اس سانحہ سے کیونکر مطلع کریں۔ آخر یہ تجویز قرار پائی کہ علی الصبح اس کی عام منادی کر دی جائے۔ جب صبح ہوئی تو اسود کے مارے جانے کی باقاعدہ منادی کی گئی۔ اس خبر کی اشاعت پر صنعا کے مسلمان اور کافروں میں متوحش ہوئے اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب حشش دیلمی نے اذان کہنی شروع کی جس میں اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰهَ کے بعد یہ الفاظ بھی تھے۔ اَشْهَدُ اَنْ عَيْهَلَه كَذَّاب اس ندا کے بعد مسلمانوں نے اسود کا سر کفار کی طرف پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اسود کے پیروؤں اور محافظوں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا اور مسلمان بچوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں ستر اسودی کافروں کو پکڑ کر ہمد کر دیا۔ آخر اعداء مرعوب ہو گئے۔ انظفائے فتنہ کے بعد کفار نے اپنے آدمیوں کا جائزہ لیا تو ستر آدمی مفقود پائے چنانچہ مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان کے آدمی رہا کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں نے کہا تم ہمارا لوٹنا ہوا مال واپس کرو اور ہمارے بچوں کو لاؤ ہم تمہارے آدمی چھوڑ دیں گے چنانچہ باہم مبادلہ کر لیا گیا۔

فضائے یمن پر اسلامی پرچم :-

اس کے بعد جب وہاں مسلمانوں کا قرار واقعی تسلط ہو گیا تو اسودی لوگ صنعا اور نجران کے درمیان صحرا نوردی اور باد یہ پہنائی کی نذر ہوئے۔ اس طرح صنعا و نجران اہل ارتداد کے خار وجود سے پاک ہو گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال اپنے اپنے علاقوں میں حال کئے گئے صنعا کی امارت کے متعلق تھوڑی دیر تک کچھ مناقشہ جاری رہا لیکن آخر کار سب نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی حکومت پر اتفاق کر لیا اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

اس قضیہ سے فارغ ہو کر ایک قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس وقت تک آفتاب رسالت سائے ہدایت پر برابر لمحہ انگن تھا اور حضور کو یہ تمام واقعہ بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا۔ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الصبح صحابہؓ سے فرمایا کہ آج رات اسود

مارا گیا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بلہ کت خاندان سے تعلق رکھتا ہے صحابہ نے عرض کیا اس کا نام کیا ہے؟ ”فرمایا فیروز“ چند روز کے بعد جب قاصد اسود کے مارے جانے کی خبر لیکر مدینہ الرسول میں پہنچا تو سرور کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام اس وقت رحمت الہی کے آغوش میں استراحت فرما چکے تھے اور امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے عمد حکومت میں سب سے پہلی جو بھارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مرثوہ جانفزا تھا۔ امیر المؤمنین نے اس نامہ کے جواب میں اہل یمن کو ایک مکتوب لکھا جس میں اسود کی ہلاکت پر بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔

فیروز کہتے ہیں کہ جب ہم اسود کو قعر عدم میں پہنچا چکے تو اسلامی عملداری حسب سابق عود کر آئی۔ صنعا میں مسلمانوں کے امیر حضرت معاذ بن جبلؓ تھے۔ ان ایام میں تمام مسلمان بڑی خوشیاں منا رہے تھے اور دنیا جہاں میں کوئی چیز ایسی دکھائی نہ دیتی تھی جو ہمارے آئینہ دل کو نہیں لگا سکتی۔ البتہ مضافات میں اسود کے تھوڑے سے سوار شرا انگیزی کرتے دکھائی دیتے تھے مگر ہمیں اطمینان تھا کہ ہماری ادنیٰ سی توجہ انہیں ٹھکانے لگا دے گی لیکن چشم فلک کو ہماری یہ خوشی ایک آنکھ نہ بھائی اور اچانک یہ خبر آئی کہ حضرت سید العرب و انجم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرانے فانی کو الوداع کہہ دیا۔ اس خبر کے پہنچتے ہی سارا معاملہ درہم برہم ہو گیا اور قبائل مرتدین نے تمام عرب کے اندر ہلچل مچادی۔ (لنن اشیر و لنن خلدون)

طلیحہ اسدی

طلیحہ بن خویلد اسدی قبیلہ ہو اسد کی طرف منسوب ہے جو نواح خیبر میں آباد تھا۔ اس شخص نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد سعادت میں مرتد ہو کر سمیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی دن میں ہزار ہا لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

طلیحہ کی شریعت :-

طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر ان کو مسیح کیا اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔ رکوع و سجود کو حذف کر دیا۔ رکوع و سجود کے متعلق کہا کرتا تھا کہ خدائے بے نیاز مومنوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ معبود برحق کو کھڑے ہو کر یاد کر لینا کافی ہے دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت سی باتیں اختراع کی تھیں۔ کہا کرتا تھا کہ جبریل امین ہر وقت میری مصاحبت میں رہتے ہیں اور وزیر کی حیثیت سے تمام امور مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

حضرت سید المرسلین کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر ”ایمان“ لانے کی دعوت :-

اب طلیحہ نے اپنے عم زاد بھائی یاہر اور زادہ کو جس کا نام حیال یا حبال تھا دنیا کے ہادی اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی نبوت کی دعوت کیلئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حیال بارگاہ نبویؐ میں پہنچا اور صور جمال بیان کر کے حضرت سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر ”ایمان“ لانے کی دعوت دی۔ حیال نے اپنے اثبات دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین) آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ”تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سن لیا ہے“ حیال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگا ”واہ صاحب! آپ کیا کہتے ہیں کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور نجات دہندہ یقین کرتی ہے؟“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا ”خدا تمہیں ہلاک کرے اور تمہارا خاتمہ ظہیر نہ ہو“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حیال حالت ارتداد ہی میں قتل ہو کر داخل جہنم ہوا اور دنیا سے نامراد گیا۔

طلیحہ کی پہلی جنگ اور اس کی ہزیمت و فرار :-

حیال کی مراجعت کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضرار بن ازدہ کو اپنے ان عمال اور قبائل کے پاس تحریک جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس ارشاد کو لبیک کہا اور حضرت ضراٹ کے ماتحت مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا۔ لشکر اسلام واردات کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ ادھر کفار نے بھی لاؤ لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی۔ دل دادگان توحید جان نثاران رسالت شیر غران کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے اور جو سامنے آیا گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر گرا دیا۔ پیروان طلیحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے زغہ کو روکنے کی بہتری کوشش کی لیکن شجاعان اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عمدہ برآمد نہ ہو سکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر اسلام مظفر و منصور واپس آیا لیکن ضرار ہنوز مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ حضرت مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی سرائے فانی سے رخصت ہو کر عالم عقبیٰ کے دارالخلد کو تشریف لے گئے۔

حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی میں التوا :-

معلوم ہوگا کہ حضرت زید بن حارثہ نے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام اور متبنی تھے۔ ملک شام میں موتہ کے مقام پر نصاریٰ کے ہاتھ سے شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس بنا پر محرم 11ھ میں حضرت خیر الوزی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر بھیجنے کا عزم فرمایا تھا۔ آپ نے اس مہم کی قیادت حضرت زید شہید کے فرزند گرامی حضرت اسمہ کو تفویض فرماتے ہوئے حکم دیا تھا کہ وہ شام جا کر بلقا اور داروم کی سرحد تک ترکتاز کریں اور اعدائے اسلام کو اپنے شہید باپ کے قتل کی قرار واقعی سزا دیں لیکن منافقوں نے ارباب ایمان کو بد دل کرنے کیلئے یہ بحث کھڑی کر دی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار پر ایک غلام کو امیر و سردار بنا دیا، اہل نفاق کی شرانگیزی کا حال حضور کے سمع مبارک تک پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سے پیشتر اسامہؓ کے باپ زید بن حارثہ کی لادت پر بھی طعن کیا تھا حالانکہ زیدؓ کی طرح اسامہؓ میں بھی لادت کی صلاحیت موجود ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا منشاء یہ تھا کہ اسلام اپنے تمام پیروؤں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ غلام ہو یا آقا ذاتی قابلیت و صلاحیت شرط ہے۔ اکثر اکابر صحابہ جن میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر مہاجر بھی داخل تھے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ہمرکاب ہوئے۔ یہ لشکر ابھی چلنے ہی کو تھا کہ حضور سیدالاکرامین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مرض سے دوچار ہونا پڑا جس میں آپ نے اس سرائے فانی کو الوداع کہا

تھاور چونکہ حضور کا مرض روز بروز شدید پکڑتا گیا اور اس قسم کی متوحش خبریں پیہم آنے لگیں کہ یمن میں اسود عسی نے، یمامہ بن مسيلمہ نے اور بنی اسد کے اندر طلحہ نے خروج کیا ہے جیسا اسامہ کی روانگی میں مزید التوا ہو گیا۔

قبائل عرب کا ارتداد :-

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قبائل کے ارتداد سے پہلے علام الغیوب کے علم محیط میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن سعادت میں اور نیز خلفائے راشدین کے عہد بابرکت میں کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد سعادت ایمانی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے پیشین گوئی کے طور پر اس آیت میں پہلے سے ان کے ارتداد کی اطلاع دیدی :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (۵۵:۵)

مسلمانو! یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا خدائے قادر و توانا (مرتد کی جگہ) جلد ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جو خدائے برتر کے محبوب ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو گی وہ اہل ایمان کے حق میں متواضع اور مہربان اور منکروں کے مقاصد میں تیز اور درشت طبع ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور امور خیر کے اجراء اور حسنات و مبرات پر عمل کرنے میں کسی کی ملامت (اور خندہ زنی) کی پروا نہیں کریں گے۔

چنانچہ اس آیت کی تنزیل کے کچھ عرصہ بعد اس پیشگوئی کا اس طرح ظہور ہوا کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہو گئے تین فرقے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام سعادت میں بدیں تفصیل مرتد ہوئے کہ قبیلہ مذحج اسود عسی کے ساتھ ایمان سے دست بردار ہوا دوسرا مرتد فرقہ بنی ضیفہ تھا جسے مسيلمہ کذاب کی رفاقت نے اسلام سے منحرف کیا تیسرا قبیلہ بنی اسد تھا جو طلحہ کی پیروی کر کے سعادت ایمان سے محروم ہوا اور انجام کار حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے شکست کھا کر از سر نو مشرف باسلام ہوا ان قبائل کے علاوہ سات اور فرقے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں زکوٰۃ کے منکر ہو کر فاقد الایمان ہوئے اسی طرح قبیلہ اغسان نے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین حق سے مفارقت اختیار کی۔

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اور اس کے دردناک نتائج و عواقب :-

جب آفتاب رسالت رحمت الہی کے شفق میں غروب ہوا تو اسلامیوں پر رنج و الم کے

پہاڑ ٹوٹ پڑے کوئی مومن قانت ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس واقعہ ہانکے کے ماتم میں خونناہہ فشانہ نہ کر رہی ہوں اس وقت نہ صرف عالم ارضی نیر ہدایت کی ضیا ہشٹیوں سے محروم رہ گیا بلکہ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا قومی نظام اور سیاسی اقتدار بھی زیر و زبر ہونے لگا یہ وقت صحابہ کرام کیلئے ابتلا و آزمائش کا ایک نیا دور تھا جو نبی وصال نبوی کی خبر انکاف ملک میں پھیلی اکثر قبائل عرب کا زورق ایمان متلاطم ہوا اور منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کی جرات ہوئی گویا حضور کا وصال لوگوں کیلئے ایک مقیاس الایمان تھا جو ان کے کفر و ایمان کی صحیح کیفیت بتا رہا تھا اس وقت نہ صرف منافقوں کو اپنا کفر بر ملا ظاہر کرنے کا حوصلہ ہو گیا بلکہ عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے اس پر مستزاد یہ کہ یہود و نصاریٰ بھی ہر طرح فساد و سرکشی پر آمادہ نظر آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل عاطفت کا فقدان مسلمانوں کی قلت تعداد اور اعداء کی کثرت وغیرہ وہ اسباب تھے جنہوں نے بقول ابن اشیر مسلمانوں کا وہی حال کر دیا جو بارش کی شب ظلام میں بحر یوں کا ہو جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کی کشتی خاطر اس عام شورش اور ہمہ گیر بغاوت کو دیکھ دیکھ کر گرداب تفکر میں ڈگمگاہی تھی اور ہر مومن قانت کا دل اس حادثہ فاجعہ سے داغ داغ ہو رہا تھا ایسے نازک وقت میں جناب ابو بکر صدیق کا دل گردہ تھا جس نے سفینہ ملی کو گرداب فنا سے بچایا ورنہ ناموس ملت بیضا پر ایک ناقابل تلافی چرکا لگنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

حضرت صدیق اکبر کو جیش اسامہ کی روانگی پر اصرار :-

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ امیر المومنین ابو بکر ایسے نازک اور پر آشوب دور میں بھی بدستور جیش اسامہ کی روانگی پر مصر ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ ”اے خلیفہ رسول اللہ! اس وقت میری لوگ یعنی اسامہ کا لشکر ہی اسلامی جمعیت کی کل کائنات ہے اور عرب کی جو حالت ہو رہی ہے اس نے لوگوں میں قلمزم غم کی طغیانی برپا کر رکھی ہے اس لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ موجودہ حالت میں مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کر کے مدینہ منورہ کو اعداء کے حملوں کا آماجگاہ بنایا جائے۔ امیر المومنین نے فرمایا ”واللہ اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہ کی روانگی سے باعث مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نکل جائے گی تو بھی اسے ضرور روانہ کرونگا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا اسے بہر حال پورا کر کے رہونگا۔ امیر المومنین نے ایک صحیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو شریک غزا ہونے کی تحریص فرمائی اور کہا کہ اسامہ کے لشکر والے اپنے لشکرگاہ کی طرف چلے جائیں۔ سب لوگ حسب فرمان لشکر میں شامل ہو گئے اور اس طرح مسلمان مدینہ منورہ میں خال خال رہ گئے۔

اب حضرت اسامہؓ نے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جوان کی فوج میں داخل تھے امیر المؤمنین ابو بکرؓ کی خدمت میں اس پیغام کیساتھ بھیجا کہ اگر حکم ہو تو میں لشکر کو آپ کے پاس واپس لے آؤں کیونکہ اسلام کی ساری جمعیت اور قوم کے تمام اکابر میرے لشکر میں شریک ہیں۔ اس لئے مجھے خلیفہ رسالت حرم رسول اللہ اور مسلمانان مدینہ کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے کہ مبادا مشرک حملہ آور ہو کر انہیں تباہ و برباد کر جائیں۔ اس کے علاوہ بعض انصار نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی کہا کہ آپ جا کر خلیفہ رسول اللہ کی خدمت میں ہماری طرف سے عرض کر دیجئے کہ گو اسامہؓ غلام اور غلام زادہ ہیں، فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے کسی دینی یا دنیاوی فضیلت میں برابری نہیں کر سکتے۔ اور عمر میں بھی چھوٹے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر ہے تہنم اتنی مہربانی فرمائی جائے کہ کسی ایسے شخص کو سر عسکر مقرر فرمایا جائے جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ عمرؓ کی کیا مجال ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا سردار تجویز فرمایا ہو اس کے حکم اور طاعت سے ذرا بھی سرتابی کرے۔ اور اسکی جگہ کسی اور شخص کا امیر بنایا جانا گوارا کرے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب اسامہؓ کے حکم سے امیر المؤمنین کے پاس گئے اور ان کا پیغام پہنچادیا۔ خلیفہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کا بھی خوف ہو کہ جیش اسامہؓ کی روانگی کے باعث مجھے بھیڑیے اور شیر پھاڑ کر کھا جائیں گے تب بھی میں اسامہؓ کو ضرور روانہ کروں گا۔ اور گو میرے پاس یہاں ایک آدمی بھی نہ رہ جائے مگر سردار دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلہ کو کبھی مسترد نہ کروں گا۔ پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انصار کی یہ خواہش ہے کہ آپ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر فرمائیں جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو۔ یہ سنکر امیر المؤمنین ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ حبیب کردگار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اسامہؓ کو لشکر کا سردار بنایا تھا مگر افسوس تم لوگ چاہتے ہو کہ میں انہیں معزول کر دوں۔ خدا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ تھا امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ کا بے نظیر استقلال اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقتی جذبہ کہ سارا عرب دشمن ہے اور ہر وقت دار الخلافہ پر حملوں اور یورشوں کا کھٹکا ہے مگر آپکی جبین استقلال پر شکن تک نہیں پڑی اور آپ کو اس بات پر بڑا اصرار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کا بہر حال احترام کیا جائے۔ یہی وہ صفات تھے جن کی بددلت آپ صدیق اکبرؓ اور افضل البشر بعد الانبیاء کھلائے۔

جیش اسامہؓ کی روانگی :-

اب امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ مدینہ سے نکل کر لشکر گاہ تشریف لے گئے اور اسامہؓ کی

مشابہت فرمائی۔ اس وقت حالت یہ تھی خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدل جا رہے تھے اور اسامہؓ سوار تھے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ گھوڑے سے اتر پڑوں۔ فرمایا اس کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں تو میرا سرفرازی ہے کہ ایک ساعت کے لئے اپنے قدموں کی فی سبیل اللہ گرد آلود کر لوں۔ جب امیر المؤمنین لوٹنے لگے تو اسامہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک نامناسب نہ ہو تو میری رفاقت و اعانت کے لئے میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ اسامہؓ نے انہی خوشی اجازت دی۔ امیر المؤمنین نے رخصت کے وقت حضرت اسامہؓ کو وصیت کی کہ کسی معاملہ میں کسی شخص سے خیانت نہ کرنا۔ کسی سے غدر و فریب سے پیش نہ آنا۔ افراط و تفریط سے چٹا۔ کسی کے ناک کا نہ کاٹنا۔ چوں بوڑھوں مریضوں اور عورتوں پر رحم کرنا کسی درخت کو نہ کاٹنا۔ بحری، گائے اور اونٹوں کی بلا ضرورت اکل ذبح کرنا۔ اور فرمایا عنقریب تمہارا گزرا ایسے لوگوں پر ہوگا جو صوامع و معابد میں عزت گزریں ہیں ان سے اور ان کے مال و اسباب سے تعرض نہ کرنا اور ان سب باتوں کے علاوہ ان جملہ ہدایات کو اپنے لئے چراغ راہ مانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تلقین فرمائی تھیں۔

حیال کا قاصد مدینہ منورہ میں :-

قبیلہ بنی اسد کی آبادی جنہوں نے طلحہ کا نیا دین قبول کیا تھا اتنی بڑھ گئی تھی کہ سیرا میں ان کی گنجائش نہ رہی اس لئے ان لوگوں کو دو فریق میں منقسم ہونا پڑا۔ ایک فریق ابرق میں اقامت گزریں ہو اور دوسرا ترک وطن کر کے ذی القصد کو چلا آیا۔ مؤخر الذکر فریق کی طلحہ نے امداد کی اور اپنے بھائی خیال کو ان لوگوں پر امیر بنا کر بھیج دیا۔ خیال ان لوگوں کا بھی حاکم تجویز ہوا جو قبائل دئل، لیث اور مذحج سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کی روانگی کے بعد جب اشرا مرتدین کو معلوم ہوا کہ مدینہ میں خلیفہ کے پاس کوئی جمعیت حفظ و دفاع کے لئے باقی نہیں رہی تو ان کی رگ شر و فساد جنبش میں آئی۔ اور غطفان کا ایک وفد اور خیال کا قاصد دار الخلافہ مدینہ کو آئے۔ اس سفارت سے حقیقی مقصد دو تھے ایک تو امیر المؤمنین کا آئندہ طرز عمل معلوم کرنا۔ دوسرے براہی العین یہ دیکھنا کہ دار الخلافہ میں مسلمانوں کی جمعیت کس قدر ہے۔

زکوٰۃ دینے سے انکار :-

ان لوگوں نے آتے ہی معافی زکوٰۃ کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہمارے قبائل حسب سابق نماز تو پڑھیں گے مگر آئندہ بیت المال میں زکوٰۃ بھجنے سے انہیں معاف رکھا

جائے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اس درخواست کو مسترد فرمادیا اور سمجھایا کہ احکام الہی میں کمی بیشی اور ترمیم و تہنیک ناممکن ہے امیر المؤمنین نے ہندو موغلطہ کی بہتری تبریدیں پلائیں مگر انہوں نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ آخر امیر المؤمنین نے فرمایا۔ واللہ اگر وہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹ کی ادنیٰ رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد و قتال کروں گا کیونکہ زکوٰۃ بھی اسلام کے فرائض پنجگانہ میں داخل ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کے دور حکومت میں اس کفر زار ہندوستان کے موجودہ انگریزی عہد کی طرح نہ تو مزار عین کے سے مفلوک الحال طبقہ کو مال گزاری کی اتنی گراں بار قمییں ادا کرنی پڑتی تھیں اور نہ لوگوں سے آجکل کے نام نہاد مذہب زمانہ کی طرح اس قدر گراں ٹیکس اور مہائیکس (سپر ٹیکس) وصول کئے جاتے تھے۔ موجودہ زر لگان کے بجائے بارانی زمینوں کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ مقرر تھا۔ اور جن اراضی کی آب رسانی کا شتکاروں کی ذاتی محنت و مشقت پر موقوف تھی ان کا لگان پیدائش کا بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ ارباب زر اور اہل نصاب ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھے۔ البتہ یتیموں اور یتیموں کی کفالت، مذہبی و تمدنی ضروریات، مصالح ملکی اور مہام سلطنت کے انصرام کے لئے ان سے ہر سال مال کا چالیسواں حصہ یعنی ایک سال گزر جانے کے بعد ڈھائی روپے سیکڑہ زر زکوٰۃ وصول کر کے خزانہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے عہد حاضر کی طرح کوئی شخص از خود جلیا بجا زر زکوٰۃ خرچ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ بلکہ عشر کی طرح زکوٰۃ کا مال بھی سرکاری خزانہ میں جس کو بیت المال کہتے تھے جمع کیا جاتا تھا۔ اور جس طرح غیر مسلم حکومتوں میں ٹیکس اور مال گزاری کے محکمے روپیہ وصول کرتے ہیں اس طرح اسلامی عملداری میں سرکاری عمال زکوٰۃ و عشر وصول کرتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ کا بے نظیر استقلال :-

جب قبائل کا وفد ناخوش ہو کر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو ایک جلیل القدر صحابیؓ نے امیر المؤمنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ قبائل عرب بے سرو پا وحشی ہیں۔ عرب کے مختلف حصوں میں طوفان معاندت اٹھ رہے ہیں خانہ ساز نبی اپنی اپنی جگہ پر شورش برپا کر رہے ہیں۔ یہود نصاریٰ فتنہ انگیزی کے لئے الگ گھات میں بیٹھے ہیں۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ بالفعل لوگوں کی تالیف قلوب کی جائے۔ اور جب تک اساس خلافت مستحکم نہ ہو جائے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ یہ سن کر ہر فرد خستہ ہوئے اور فرمایا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ نبوت منقطع ہو گئی۔ وحی الہی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ سارا عرب دشمنی پر آمادہ ہے۔ اور میں اپنی حرلی کمزوری کا بھی بخوبی احساس رکھتا

ہوں۔ لیکن بائیں ہمہ خدا کی قسم! جس قدر زر زکوٰۃ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھیجتے تھے اگر اس میں سے ایک حبہ بھی کم کریں گے تو میں ان کے خلاف رزم خواہ ہوں گا۔ اور اگر بالفرض تم لوگوں میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں ان سے تنہا مقابلہ کر کے چل پاری کا فرض ادا کروں گا۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں کہ اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے۔ شعائرِ نبویہ کی توہین ہو۔ ملت مصطفویٰ کے چراغِ ہدایت کو کفر کی آندھیاں گل کرنے میں ساعی ہوں۔ اور میں اسے گوارا کر لوں۔ کیا حال وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد اسلام یتیم ہو کر کس مپرسی کی حالت میں بیتلا ہو جائے گا؟ کیا فریضہ الہی کی بے کسی دیکھ کر ہم غاشیہ بردار ان ملت کی رگِ حمیت میں جنبش نہ پیدا ہوگی؟ صحابی مذکورہ نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین! آپ بجا فرماتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کفار سے اسی وقت تک مقاتلہ کرو جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں۔ مگر موجودہ صورت میں جب کہ وہ اقرار توحید و رسالت میں ہمارے شریک حال ہیں آپ ان کے خلاف کیونکر ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں پر جو کلمہ شہادت اور نماز و زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں ضرور لشکر کشی کروں گا۔ صحابی یہ سن کر لاجواب ہو گئے اور سمعنا و اطعنا کہہ کر جھکا دیا۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدائے قدوس نے امیر المؤمنین ابو بکرؓ کا انشراح صدر فرمادیا تھا اور آپ کے دل میں نور صداقت کا ایک روزن کھل گیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ رب العزۃ قیام حق کے لئے جن نفوس قدسیہ کا شرح صدر فرما دیتا ہے دنیا کی کوئی غیر اللہ طاقت ان کے قلعہ استقامت کی مضبوط دیواروں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ امیر المؤمنین کا عزم و ثبات دیکھ کر دوسرے صحابہؓ کے بھی جو صلب بڑھ گئے تھے بھی ہوئی طبیعتوں میں ولولہ پیدا ہوا۔ اور ہمت و جرات نے گویا سنبھالا لیا۔

اب ایٹلی بے نیل مرام مدینہ طیبہ سے رخصت ہوئے اور امیر المؤمنین کا جواب قبائل کو جاسنایا اور بیان کیا کہ اس وقت مدینہ میں بہت تھوڑے مسلمان موجود ہیں۔ امیر المؤمنین نے ان کی مراجعت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور جناب عبداللہ بن مسعودؓ کو انصار مدینہ کا افسر مقرر فرمایا اور چونکہ آپ کو یقین تھا کہ اعدائے اسلام بہت جلد مدینہ منورہ پر حمد آور ہوں گے۔ مسلمانان مدینہ کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت مسجد نبویؐ میں حاضر رہا کریں۔

مرکز خلافت پر خیال کا حملہ :-

دند کو واپس گئے ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ خیال سرشام مدینہ منورہ پر آچڑھا۔ نعیم کے سپاہی رات کے وقت انقباب مدینہ پر چڑھ آئے۔ وہاں مسلمان مجاہد موجود تھے انہوں نے مزاحمت کی۔ جب امیر المؤمنین کو اس حملہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اہل مسجد کو آب کش لوٹوں پر

سوار کر کے غنیم کے مقابلہ پر آئے اور منزم کر کے ذی حسنی کے مقام تک ان کا تعاقب کیا۔ خیال اپنی کچھ فوج ذی حسنی میں اس غرض سے چھوڑ آیا تھا کہ بوقت ضرورت اس سے مدد لے گا۔ ذی حسنی میں خیال کی وہ محفوظ فوج امیر المومنین کے مقابلہ میں نکل پڑی۔ ان لوگوں نے برآمد ہوتے ہی مسلمانوں کے سامنے خالی مشکیں کہ جن میں ہوا بھر کر ان کے منہ رسیوں سے مضبوط باندھ رکھے تھے۔ زمین پر لڑا دیں۔ اس سے وہ اونٹ جن پر مسلمان مجاہد سوار تھے بھڑک گئے اور وہ اپنے اپنے سواروں کو لئے ایسے بے لوسان ہو کر بھاگے کہ مدینہ ہی میں آدم لیا۔ اس واقعہ سے کسی مسلمان کو تو چشم زخم نہ پہنچا مگر اعداء کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی ہوا بھڑکی ہے۔

امیر المومنین ابو بکرؓ کی پہلی فتح :-

اب امیر المومنین وقت سحر تک مسلمانوں کو لڑائی کیلئے آراستہ کرتے رہے اور صبح صادق سے پہلے پیادہ پادشمن کے سر پر جا پہنچے۔ حریف کو مجاہدین اسلام کے پہنچنے کی اس وقت خبر ہوئی جب مسلمان اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں مرتدین نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر کفار کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اس اچانک تاخت سے اعداء بدحواس ہو گئے۔ مجاہدین ملت نے کفار کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بقیۃ السیف دشمن طلوع سے قبل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹ کر دشمن کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ ذی القصد سے بھی آگے تک بھاگا کر ایک مقام پر قیام کیا۔ اب امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نعمان بن مقرن کو کچھ آدمی دیکر خود وہاں سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہ کامیابی حضرت خلافت ماب کی سب سے پہلی فتح تھی اور اصل یہ ہے کہ امیر المومنین کی شجاعت، پاک نفسی اور قوت ربانی کے جذبے نے آشوب ایام کو فتح سے بدل دیا ورنہ مسلمانوں کی جمعیت اتنی قلیل تھی کہ وہ اعداء کے مقابلہ میں کسی طرح عمدہ برآئے ہو سکتے تھے اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ قدوسیوں کی ایک ایسی جاں سپار جماعت تھی جس نے وطن کی فانی الفتون اور خون کے رشتوں کو ایمان اور اخوت اسلامی کے پاک رشتہ پر قربان کر دیا تھا۔ اس لئے ان سے پیش پانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

امیر المومنین صدیق اکبرؓ کی فاتحانہ یلغار :-

اس وقت پیروان طلبیہ اپنی ہزیمت پر ماردم بریدہ کی طرح بچ و تاب کھا رہے تھے مگر کوئی بس نہ چلتا تھا آخر اپنے جوش انتقام کو تسکین دینے کیلئے بنی عیس اور ذہبان نے اپنے اپنے قبائل

کے مسلمانوں کو پکڑ کر شہید کر ڈالا۔ جب اس سانحہ جانگزا کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچی تو امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ ”جتنے مشرکوں نے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ہے میں بھی اتنے بلکہ ان سے بھی زیادہ کافروں کو خاک و خون میں ترپائے بغیر ہمیں نہ لوں گا“ دو مہینے اور تین روز کے بعد حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی مظفر و منصور شام سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ امیر المومنین نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب و خلیفہ مقرر کیا اور جو لشکر حضرت اسامہؓ کے ہمراہ گیا تھا اسے بھی دار الخلافہ میں چھوڑا تاکہ مجاہدین خود لور ان کی سواریاں چند روز تک سستائیں اور خود اپنی قلیل سی جمعیت کو لیکر کوچ کیا۔ اس وقت مسلمانوں نے بہتری مہتری کیں اور قسمیں دیں کہ آپ خود مشھت جہاد کو امانہ فرمائیں مگر آپ نے ایک نہ سنی اور فرمایا کہ میں اس مہم کو بہ نفس نفیس اس لئے انجام دینا چاہتا ہوں کہ مجھے ویکھ کر تمہارے اندر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن ہو۔

امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ اب اعداء کی سرکوفی کیلئے ذی حسنی اور ذی القصہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے منزل بہ منزل جا کر مقام ابرق میں ڈیرے ڈالے اور حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ محمدیوں کو دیکھ کر اعداء پر عالم مدوشی طاری ہو گیا۔ امیر المومنین نے میدان کارزار میں اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور جیش موحدین نے دھاوے کر کے سر زمین ارتداد میں بھونچال ڈال دیئے۔ اس رزم و پیکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنین اور بنی بصر نے میدان جان ستاں سے بھاگ کر اور نہایت عجلت کے ساتھ اہل و عیال کو ساتھ لے کر طلحہ کے پاس جا پناہ لی اور ان کی چراگاہوں میں مسلمانوں کے جانور چرنے لگے۔ اس شاندار فتح کے بعد بعض صحابہ نے عرض کیا کہ امیر المومنین اب آپ جلد مستقر خلافت کی طرف رجوع فرمائیں کیونکہ خوف ہے کہ مبادا منافق لوگ دار الخلافہ میں کوئی تازہ فتنہ کھڑا کر دیں۔ اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کو عود فرمایا۔

جیش اسلامی کی تقسیم گیارہ دستوں میں :-

جب حضرت اسامہ کے مراجعت فرما لشکر نے تھوڑے دن تک آرام کر لیا۔ تو اتنے میں زر زکوٰۃ کے پہنچنے سے بیت المال میں مال و زر کی اتنی فراوانی ہو گئی کہ تمام احتیاج و ضروریات پوری ہونے کے بعد بہت سازر نقد فاضل بچ رہا۔ اب امیر المومنین نے تمام فوج کو گیارہ دستوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک دستہ کیلئے الگ الگ یوٹیا کر ائے پہلا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کو دیا اور انہیں طلحہ کی سرکوفی پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ طلحہ کی مہم سے فارغ ہو کر مالک بن نویرہ کے طرز عمل کا مطالعہ کرو اگر وہ سرکشی پر آمادہ نظر آئے تو بطاح جا کر اس کو گوشال کرو۔ دوسرا

ابو حضرت عکرمہ بن ابوجہل کو دیکر میسلہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا جب قبیلہ غطفان اور ہواسد نے طلحہ کی پیروی اختیار کی تھی تو ان کی دیکھا دیکھی حاتم طائی کے خاندان بنی طے نے بھی اپنی قسمت طلحہ سے وابستہ کر دی تھی چونکہ قبیلہ طے کی گوشمالی بھی لابد تھی اس لئے امیر المؤمنین نے حضرت عدی بن حاتم طائی کو جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمایا۔ غرض ہر ایک دستہ، فوج پر ایک ایک والی مقرر رہا۔ جب سب لشکر مرتب ہو گیا تو سب گیارہ امیر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر المؤمنین نے ہر ایک امیر کو ہندو نصائح کر کے ہر ایک سے ان پر عملدرآمد کرنے کا وعدہ لیا اور تمام مرتدین کے نام خواہ وہ کسی قبیلہ اور ملک سے تعلق رکھتے تھے ایک ہی فرمان تحریر فرمایا جس میں اس بات کی تحریک تھی کہ وہ توبہ کر کے پھر اسلام کی طرف رجوع کریں ورنہ انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

طلحہ سے ہو طے کی علیحدگی اور قبول اسلام :-

امیر المؤمنین ابوجہر صدیق نے حضرت عدی بن حاتم طائی کو حضرت خالد بن ولید کی روانگی سے پیشتر ہی ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمادیا تھا اور حضرت خالد بن ولید کو طلحہ کے مقابلہ میں عدی بن حاتم کے پیچھے بھیج کر حکم دیا تھا کہ وہ جنگی کارروائی بنی طے ہی سے شروع کریں۔ ان سے فراغت حاصل کر کے بزازہ کی جانب جو طلحہ کا لشکر تھا تکتاز کریں۔ اس مقام پر جتنا دینا بھی ضرور ہے کہ جب عبس اور ذہیان نے تاب مقاومت نہ لاکر امیر المؤمنین کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کی تھی تو اس وقت وہ بزازہ کے مقام پر طلحہ کے پاس چلے گئے جو سمیرا سے نکل کر بزازہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس وقت طلحہ نے بنی طے کے بطون جذبہ اور غوث کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ اگر اس سے ملحق ہو جائیں چنانچہ وہ لوگ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ جب حضرت عدی بن حاتم طائی اپنے قبیلہ طے میں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی اور انحراف و رزی و سرکشی کے عواقب سے متنبہ کیا اتنے میں حضرت خالد بن ولید کا لشکر بھی بنی طے کے سر پہ پہنچ چکا تھا طے نے سرانقیاد جھکا دیا اور حضرت عدی سے استدعا کی کہ آپ خالد بن ولید کے پاس جا کر انہیں یہاں سے پیچھے ہٹنے کو کہیں تاکہ ہم طلحہ کے لشکر کی فوج سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیں گے تو طلحہ ہمیں زندہ چھوڑے گا۔ عدی حضرت خالد کے پاس گئے اور ان سے قبیلہ طے کی خواہش کا اظہار کیا حضرت خالد نے اپنا لشکر دور پیچھے ہٹا لیا۔ اب ہو طے نے اپنے ان بھائی بندوں کے پاس آدمی بھیجے جو طلحہ کی فوج میں شامل تھے اور انہیں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ پھر بنی طے مسلمان ہو کر حضرت خالد کے پاس چلے آئے۔

بنی طے کے قبول اسلام کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جذیلہ پر لشکر کشی کا عزم فرمایا۔ حضرت عدیؓ نے کہا ذرا ٹھہریے۔ ایک دفعہ جا کر انعام و تقسیم کا فرض دوبارہ ادا کر لوں۔ عدیؓ ان کے پاس پہنچے اور اسلام کے محاسن اور کفر کے معایب بیان کر کے انہیں دعوت اسلام دی۔ انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ عدیؓ نے وہاں سے آکر حضرت خالدؓ کو یہ مژدہ سنایا۔ جذیلہ والوں کے قبول حق کی استعداد کو دلو دینی چاہئے کہ وہ نہ صرف اسلام لا کر سعادت دہرین کے سرمایہ دہرنے۔ بلکہ ان کے ایک ہزار سوار بھی جہاد کی نیت سے لشکر اسلام میں داخل ہوئے۔

طلیحہ سے معرکہ اور حیاں کی ہلاکت :-

اب حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے عکاشہ بن محسن اور ثابت بن ارقم کو کچھ فوج دیکر طلیحہ کے طور پر طلیحہ کی طرف روانہ فرمایا۔ طلیحہ نے ان کے مقابلہ میں اپنے بھائی حیاں کو بھیجا۔ ایک جھڑپ ہوئی جس میں عکاشہ نے حیاں کے نقش وجود کو صفہ ہستی سے محو کر دیا۔ جب حیاں کے مارے جانے کی خبر طلیحہ کو پہنچی تو وہ خود فوج کو حرکت دیکر عکاشہ کے مقابلہ کو نکلا اور اپنے بھائی سلمہ کو بھی ساتھ لیا۔ اس معرکہ میں طلیحہ نے عکاشہ کو اور سلمہ نے ثابت کو شہید کر دیا اور پھر دونوں اپنے اپنے مستقر کو لوٹ گئے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی فوج کو لئے آگے بڑھے تو یہ متوحش خبر ملی کہ عکاشہ اور ثابت دونوں میدان جان ستان کی نذر ہوئے۔ مسلمانوں کو ان دونوں حضرات کے قتل کا بڑا قلق ہوا۔

قبیلہ بنی طے کی فوجی امداد :-

چونکہ اس حادثہ سے لشکر اسلام میں کسی حد تک بد دلی پھیل گئی تھی۔ حضرت خالدؓ نے فوراً نبرد آزما ہونا خلاف مصلحت سمجھا بلکہ وہیں ٹھہر کر اپنے لشکر کی تجبیز و ترتیب میں مصروف رہے۔ اسی سلسلہ میں قبیلہ بنی طے سے جو مسلمان ہو چکے تھے کمک بھی طلب کی۔ بنی طے نے جو عدی بن حاتم طائی کے ہم قوم تھے جواب دیا کہ بنی قیس کے مقابل کیلئے تو ہم کافی ہیں اور ان سے ضرور معرکہ آراء ہوں گے مگر بنی اسد جو طلیحہ کے ساتھ ہیں وہ ہمارے حلیف ہیں ہم ان سے کسی طرح جنگ آزما نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالدؓ نے کہا بہتر ہے تم جس فریق سے چاہو مقابلہ کر لو۔ میں تمہیں تمہاری مرضی و اختیار پر چھوڑتا ہوں لیکن حضرت عدیؓ نے اپنی قوم کا یہ عذر قبول نہ کیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ لشکر ان لوگوں کے مقابلہ پر جائے جو قریب کے رشتہ دہر ہیں تو میں اپنے قریب ہی کے رشتہ دہروں پر جہاد کروں گا اور میں تمہارے حلف و معاہدہ کی بناء پر بنی

اسد کے جملہ سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا لیکن حضرت خالدؓ نے جو ہر بات کی تمہ کہ پہنچتے تھے اور سہ سالہ ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کے مدد اور عالی حوصلہ بھی تھے حضرت عدیؓ سے فرمایا کہ کسی فریق سے بھی لڑو۔ جہاد دونوں قبیلوں پر ہوگا۔ اس لئے یہ بات کسی طرح قرین صواب نہیں کہ اپنی قوم سے اختلاف رائے کر کے انہیں پریشانی اور آزمائش میں ڈالو۔ وہ جس فریق سے بھی مبارزہ خواہ ہوں اسی سے مقابلہ کرو۔ اب خالدؓ نے طلحہ کے خلاف جنگ آزما ہونے کی تیاریاں کر کے اس کے لشکر گاہ کا رخ کیا۔ براخہ کے مقام پر فریقین میں ٹڈ بھید ہوئی۔ اس وقت بنی عامر وہیں قریب بیٹھے اس بات کے منتظر تھے کہ کس فریق کو فتح ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے یہ قرار دیا تھا کہ جس فریق کا پہلہ بھاری ہوگا اپنی قسمت اسی کے دامن دولت سے وابستہ کر دیں گے۔ اس وقت بنی غزارہ کا سردار عینہ بن حصن اپنی قوم کے ساتھ سو آدمی لئے طلحہ کا حق رفاقت ادا کر رہا تھا۔

آتشکدہٴ حرب کی شعلہ زنی اور طلحہ کا انتظارِ وحی :-

جب طلحہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی قیامت خیز آتش حرب پوری طرح شعلہ زن ہوئی تو طلحہ اپنے شیطانی القا کے انتظار میں میدان کارزار کی ایک طرف چادر لوزہ کر بیٹھ گیا اور بولا اب مجھ پر وحی نازل ہوگی۔ حضرت خالدؓ نے اس شدت سے حملہ کئے کہ غنیم کے منہ پھیر دیئے۔ جب عینہ کو اپنی شکست کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ طلحہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کہ جبریلؑ نے کوئی مرثدہ فتح سلایا نہیں؟ طلحہ نے کہا جبریلؑ ہنوز تشریف نہیں لائے۔ عینہ کہنے لگا جبریلؑ کب آئیں گے؟ اور بولا: واللہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہماری طاقت جواب دے رہی ہے اور بری طرح کچھ مر نکل رہا ہے۔ عینہ لوٹ گیا اور میدان جنگ میں کمال شجاعت اور جان بازی سے لڑنے لگا پھر دوسری اور تیسری مرتبہ طلحہ سے جا کر دریافت کرنے لگا کہ کئے جبریل تشریف لائے یا نہیں؟ طلحہ نے کہا ہاں جبریل آئے تھے۔ عینہ نے دریافت کیا۔ پھر وہ کیا کہہ کر گئے؟ طلحہ نے کہا جبریلؑ رب جلیل کا یہ پیغام پہنچائے ہیں۔

ان لک رحیٰ کر حاہ و حدیثا لا تحسأہ :-

تیرے لئے بھی شدت جنگ ایسی ہی ہوگی جیسی خالدؓ نے لے لی ہے اور ایک جھگڑا ایسا گزرتا ہے گا کہ تو اسے کبھی فراموش نہ کرے گا۔

لشکر اعداء کی ہزیمت و پسپائی :-

عینہ کو یہ سن کر اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ یہ شخص کاذب اور خانہ سازی ہے آخر

میدان جنگ میں آکر اپنے آدمیوں سے کہنے لگا کہ طلحہ پر دجی نازل ہوئی ہے کہ طلحہ اور اس کے پیروؤں پر ایک ایسا حادثہ گزرے گا جو کبھی فراموش نہ ہوگا یعنی ہم لوگ ذلت آفرین شکست کھائیں گے۔ اس لئے اے بنی فزارہ مفت میں اپنی جانیں برباد نہ کرو اور اپنے گھروں کو لوٹ چلو کیونکہ طلحہ بڑا دجال کذاب ہے۔ وہ لوگ سنتے ہی میدان جان ستل سے منہ موڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ طلحہ کے دوسرے پیروؤں نے بھی فرار کو رزم پیکار پر ترجیح دی۔ غرض طلحہ کو فیصلہ کن ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کے ساتھ طلحہ کی تمام تر امیدیں لور آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور اس کی ملامت نبوت ہمیشہ کیلئے الٹ گئی۔ طلحہ نے ایک گھوڑا اپنے لئے اور ایک اونٹنی اپنی بیوی توہر کے واسطے پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ جب مسلمان سوار طلحہ کو گرفتار کرنے کے قصد سے بلائے تو وہ جھٹ گھوڑے پر سوار ہو لور بیوی کو ساتھ لے بڑی تیزی سے بھاگا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ بھاگتے وقت بنی فزارہ سے کہہ گیا کہ جس کسی سے ممکن ہو وہ بھی اسی طرح اپنی جلیس کو لیکر اڑ جائے۔ یہاں سے وہ شام کی طرف گیا اور قبیلہ کلب میں جا کر رہنے لگا۔

طلحہ کی ہزیمت و فرار کے بعد عینہ بن حصن گرفتار ہو گیا۔ وہ امیر المؤمنین ابو بکر صدیق کے پاس پکڑا گیا۔ جب مدینہ کے چوں نے اسے دیکھا کہ مشکیں بدھمی ہوئی ہیں اور مرتد ہونے سے قبل وہ اس کی بڑی عزت و اکرام دیکھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اے دشمن خدا! تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ یہ کیا غضب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں مسلمان کب ہوا تھا جو بعد کو مرتد ہوا؟ امیر المؤمنین نے اس کی جان بخشی فرمادی۔ مرتد کی سزا قتل ہے لیکن چونکہ اس نے یقین دلایا کہ وہ شروع ہی سے مسلمان نہیں تھا اس لئے چھوڑ دیا گیا۔

طلحہ کا کلام وحی

طلحہ کا ایک اور رفیق کار بھی گرفتار ہوا تھا۔ جو طلحہ کا محرم راز تھا حضرت خالدؓ نے اس سے پوچھا کہ طلحہ اپنی نبوت کی کیا کیا باتیں کرتا تھا؟ اس نے کہا اس کے کلام وحی میں سے یہ بھی تھا:-
والحمام والبعائم والصر والصوام قد ضمن قبلکم بالحوام لیبغض ملکنا العراق والشام
قسم ہے اہلی پرندوں، جنگلی پرندوں اور ترمتی کی جو خشک زمین میں رہتی ہے کہ زمانہ ماضی

میں سالہا سال سے یہ قرار پا چکا ہے کہ ہمارا ملک عراق اور شام تک وسعت پذیر ہوگا
اس جنگ میں غنیمت کا کوئی آدمی قید نہ ہوا کیونکہ انہوں نے پہلے ہی اپنے حریم کی حفاظت کر لی تھی چونکہ باقی سب کے سب مسلمان ہو گئے اس لئے ہر قسم کے آفات سے معصون رہے۔ گو مسلمانوں کو اس معرکہ میں دشمن کے زیر ہو جانے کی وجہ سے کوئی مال غنیمت نہ ملا لیکن ان کے

قبول اسلام کی کامیابی بزار غمخواروں سے بہتر تھی۔

طلیحہ کا قبول اسلام :-

اس کے بعد بنی اسد اور غطفان خلعتِ اسلام سے مشرف ہوئے تو طلیحہ بھی مسلمان ہو کر امیر المومنین عمرؓ کے عمد حکومت میں شام سے حج کو آیا اور مدینہ پہنچ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر المومنین عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ تم نے ان من گھڑت الفاظ کو وحی الہی سے تعبیر کر کے خدا پر افترا کیا کہ ”خدا نے برتر تمہارے مومنوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی نمیدگی سے بھی بے نیاز ہے اور جھاگ دودھ کے اوپر ہی رہتا ہے“۔ طلیحہ نے کہا ”امیر المومنین یہ بھی کفر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ تھا جسے اسلام نے بالکلیہ معدوم کر دیا۔ پس اب مجھ پر ان باتوں کا کوئی الزام نہیں“ یہ سن کر امیر المومنین عمرؓ خاموش ہو گئے۔

میسلمہ کذاب

فصل 1- میسلمہ کی خانہ ساز نبوت

اسلام کے قرن اول میں جن گم کردگان روم نے خانہ ساز نبوت کا لباس فریب پہن کر غلط خدا کو خسران لہدی کی لعنت میں گرفتار کیا ان میں میسلمہ بن کبیر بن حبیب سب سے زیادہ کامیاب اور سرسبز گوردہ بنتی تھا۔ یہ شخص کذاب پیامہ کے قلب سے بھی مشہور ہے۔ ابو ثمامہ اور ابو ہریرہ اس کی کنیتیں تھیں۔ میسلمہ نے حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عمد رحمت میں ایسے وقت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا جبکہ اس کا سن سو سال سے بھی متجاوز تھا۔ وہ عمر میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبد اللہ سے بھی بڑا تھا۔ جناب عبد اللہ کی ولادت سے پہلے یہ شخص عام طور پر رحمان پیامہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر قرآن نازل ہوا اور قریش نے حضور کی زبان سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سنی تو قریش کا ایک آدمی بے ساختہ بول اٹھا کہ اس میں رحمان پیامہ کا ذکر ہے۔

میسلمہ دربار نبوی میں :-

جب فخر بنی آدم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا غلغلہ اقصائے عالم میں بلند ہوا اور اہل آفاق سرچشمہ نبوت سے سیراب ہونے کیلئے اکنواف ملک سے امنڈ آئے تو میسلمہ نے بھی وفد بنی حنیفہ کی معیت میں آستانہ نبوی میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کر دی کہ حضور اسے اپنا جانشین مقرر فرمادیں۔ یہ عرضداشت لغویت میں کچھ ایسی خفیف نہ تھی کہ مزاج اقدس پر گراں نہ گزرتی اور آپ اس کو نظر انداز فرمادیتے۔ اس وقت آپ کے سامنے کھجور کی ایک ٹہنی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا ”اے میسلمہ! اگر تم امر خلافت میں مجھ سے یہ شاخ خرکما بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں“ مگر بعض صحیح تر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے حضور سے بیعت نہ کی تھی بلکہ بیعت کو مشروط ٹھہرایا تھا اور کہا تھا کہ ”مگر مجھے اپنا جانشین متعین فرمائیں یا اپنی نبوت میں شریک کریں۔ تو میں بھی حضور سے بیعت کرتا ہوں“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میسلمہ منصب نبوت کو عطائے الہی کے بجائے ایک دنیوی اعزاز سمجھتا تھا اور شاید اسی زعم فاسد کی بنا پر وہ متمنی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اسے نبوت میں شریک و ہم نامیں لیکن حضور کے اس حق پر وہ نہ جواب نے اس کے محل آرزو کو بالکل خشک کر دیا۔

دعوئی نبوت کا محرک اور اس کا آغاز

جب میسلہ اوھر سے مایوس ہوا تو اس کے دل و دماغ میں از خود نبوت کی دکان کھول دینے کے خیالات موجزن ہوئے۔ وہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے اپنائے وطن میں ممتاز اور طلاقت لسانی اور فصاحت و انشاء پر دازی میں اقران و ماثل میں ضرب المثل تھا اور یہی وہ چیز تھی کہ اسے ہر کن انبجاق مقصد کا یقین دلارہی تھی۔ مدینہ منورہ سے وہ انہی خیالات کی پختہ و پز کرتے ہوئے یمامہ گیا۔ وہاں پہنچ کر دعوئی نبوت کی ٹھان لی اور اہل یمامہ کو یقین دلایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ اب اس نے اپنی من گھڑت وحی والہام کے افسانے سنانا کر اپنی قوم (ہو حنیفہ) کو راہ حق سے منحرف کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ”خوش اعتقاد“ لوگ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ساتھ اس کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔ جب مسکلی اغواء کو شیوں کی اطلاع آستانہ نبوت میں پہنچی تو حضور خواجه دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہو حنیفہ کے ایک ممتاز رکن زحال بن عنفوہ نام کو جو نہاد کے نام سے بھی مشہور تھا اور چند روز پیشتر یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تھا اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ میسلہ کو سمجھا چھا کر راہ راست پر لائے مگر یہ شخص بنی حنیفہ کیلئے خمیر مایہ فساد ثابت ہوا اس نے یمامہ پہنچ کر الٹا میسلہ کا اثر قبول کر لیا اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میسلہ کی نبوت کا بھی اقرار کیا اور اپنی قوم سے میان کیا کہ خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ”میسلہ نبوت میں میرا شریک ہے“ ہو حنیفہ نے اس کی شہادت پر وثوق کر کے میسلہ کی نبوت مان لی اور ساری قوم اس کے دام ارادت میں پھنس کر مرتد ہو گئی۔ اب میسلہ نے اپنی دکان خدع کو پوری سرگرمی سے چلانا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ دجالی ارواح ہر طرف سے ہجوم کر کے میسلہ کے دل و دماغ پر مسلط ہونے لگے اور اس کے باطن میں القائے شیطانی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا۔ مسیلت کی ترقی و اشاعت میں نہاد (رحال بن عنفوہ) کا ہاتھ بہت کام کبے رہا تھا اور اس جدید مسلک کے نشر و ترویج میں اس کی وہی حیثیت تھی جو حکیم نور الدین صاحب بھیروی کو مرزاہیت کی ترقی میں حاصل تھی۔ نہاد نے میسلہ کی بساط ”نبوت“ کو انجام کار ایسے لوج رفعت پر جا بھلیا کہ کسی دوسرے جہنمی کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ یہی وجہ تھی کہ میسلہ اس کی حد سے زیادہ خاطر مدارات کرتا تھا۔

بعض لوگ میسلہ کو کذاب یقین کرنے کے باوجود محض قومی عصبیت کی بنا پر اس کے پیرو

ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ طلحہ نمری یمامہ گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مسیلمہ کہاں رہتا ہے؟ وہ لوگ بھوکے کہنے لگے ”خبر دلہ!“ آئندہ سرکار عالم کا نام کبھی زبان پر نہ لانا بلکہ رسول اللہ کہہ کر پکھنا“ طلحہ نے کہا ”میں اسے دیکھے اور اس سے کلام کئے بغیر رسول اللہ نہیں مان سکتا۔ آخر مسیلمہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کیا تم ہی مسیلمہ ہو؟ اس نے کہا ہاں“ پوچھا ”تمہارے پاس کون آتا ہے؟“ کہنے لگا ”رحمان“۔ طلحہ نے پوچھا ”روشنی کے وقت آتا ہے یا تاریکی میں؟“ کہا ”تاریکی میں“ طلحہ بولا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انبیاء سلف کی طرح دن کی روشنی میں وحی نازل ہوتی ہے۔ تاہم میرے لئے رعبہ کا جھوٹا نبی قبیلہ معز کے بچے نبی سے بہر حال عزیز و محبوب ہے۔ یہ طلحہ مسیلمہ کے ساتھ جنگ عقباء میں حالت کفر ہلاک ہوا۔

تیس میں سے ایک دجال :-

اس کے توڑے دن بعد ہو حنیفہ کا ایک اور وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان لوگوں کو مسیلمہ کی تعریف و تقدیس میں بڑا غلو تھا۔ یہ لوگ اس کے اقوال کے لوگوں کے سامنے وحی آسمانی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ جب حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا حال معلوم ہوا اور آپ نے یہ بھی سنا کہ ہو حنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضور نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ کیا جس میں حمد و ثنائے الہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ ان تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے۔ جو دجال اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں، اس دن سے مسلمان مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد کرنے لگے۔

مسیلمہ کا مکتوب حضرت سید المرسلینؐ کے نام اور اس کا جواب :-

کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ ”دروغ گور احافظہ نباشد“ اور علم النفس کا یہ ایک مسلم اصول ہے کہ جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا رہے وہ آخر کار اپنے شیئیں سچا سمجھنے لگتا ہے اور یہ بات اس کے ذہن میں اتر جاتی ہے کہ یہ محض اس کا داغی اختراع تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی اصول کے ماتحت مسیلمہ بھی اپنے آپ کو رسول برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شریک سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے کمال جسارت و بے باکی کے ساتھ فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

مسیلمہ رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ معلوم ہوا کہ میں امر نبوت میں آپ کا شریک کار ہوں (عرب کی) سر زمین نصف ہماری اور نصف قریش کی ہے لیکن قریش کی قوم

زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے“

لور یہ خط اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان سے فرمایا ”میسلمہ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا ”ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر قاصد کا قتل کرنا جائز ہوتا تو میں دونوں کی گردن مار دیتا“ اس دن سے دنیا میں یہ اصول مسلم اور زبان زد خاص و عام ہو گیا کہ قاصد کا قتل جائز نہیں۔ میسلمہ کے خط کے جواب میں حضرت صادق مصدوق علیہ التحیۃ والسلام نے لکھوا بھیجا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ منجانب محمد رسول اللہ۔ ہمام میسلمہ کذاب۔ سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کیلئے ہے“

میسلمہ کے اخلاق و عادات :-

میسلمہ نہایت متواضع اور متحمل مزاج تھا۔ لوگوں کی زشت خوئی اور بد سگالی پر صبر کرتا۔ اپنے مخالفوں سے بھی درگزر کرتا۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف ستیزہ جوئی سے کام لیتا تو انتقام لینے کے بجائے اسے نرمی سے سمجھاتا اور یہ وہ صفات ہیں جو کسی مدعی کاذب کو اس کے بام مقصد تک پہنچانے میں بہت کچھ معین ثابت ہوتے ہیں۔ میسلمہ کے مؤذن کا نام عبد اللہ بن نواحہ تھا اور جو شخص اس کی اقامت کرتا تھا اس کو حیر بن عمیر کہتے تھے۔ حیر کہا کرتا تھا (میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ میسلمہ رسول اللہ ہونے کا مدعی ہے) ایک دن میسلمہ اس سے کہنے لگا (حیر بات صاف صاف کہو کیونکہ بات کے اول بدل کرنے میں کوئی خوبی نہیں)

مسلمی عقاید

مرزا غلام احمد کے اصول و عقاید کی طرح متنبی یمامہ کے بھی بہت سے عقاید و احکام اسلام سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں نے اسلام ہی کے بہت سے اصول لیکر ان میں الحاد و زندقہ کی آمیزش کر لی اور اپنے اپنے پنتھ بنائے۔ جن مسائل میں مسلمی یا بقول ان کے ”صادقی“ اسلام سے مختلف ہیں ان میں سے بعض ہدیہ قارئین کرام ہیں: کہتے ہیں کہ عامۃ المسلمین کا خیال ہے کہ ”رب کردگار نے ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا مگر اس نے انکار کیا اور وہ راندہ درگاہ ہو گیا“ یہ مقولہ کفر ہے کیونکہ حق تعالیٰ سجدہ غیر کا حکم نہیں فرماتا چنانچہ ”فاروق ثانی“ میں لکھا ہے کہ ”ابلیس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ رب قدر نے آدم علیہ السلام کو عمل نیک و بد

کا پورا اختیار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مدعوں کے نیک و بد اعمال کا محاسبہ فرمائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ”مبوء توفی الحقیقت رب کر دگار تھا لیکن آدم علیہ السلام محض جنت قبلہ کا حکم رکھتے تھے یعنی جس طرح کعبہ معلیٰ کی طرف منہ کر کے رب جلیل کو سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی طرف رخ کر کے معبود حق کو سجدہ کیا تھا“ مسکلی کہتے ہیں کہ یوں نہ کہو کہ خدا کا جسم نہیں۔ ممکن ہے کہ جسم ہو اور اجسام مخلوق سے مماثلت نہ رکھتا ہو اور کہتے ہیں کہ یہ، بھر اور سمع کے الفاظ جو محمد علیہ السلام پر قرآن میں نازل ہوئے اور کچھ کہ میسلّمہ رسول کی سبب ”قاروق لول“ میں وارد ہوا ہے سب حق ہے لیکن رب قدیر کا ہاتھ کان آنکھ مخلوق کے ہاتھ پاؤں چشم و گوش کی مانند نہیں کسی اور وضع و ہیئت کے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ لقاد رویت باری تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ ہر چیز جو موجود ہے سر کی آنکھوں سے دنیا میں دیکھی جاسکتی ہے اور رویت بصر یا رویت بلا بصر کی قید لگانا فضول ہے کہتے ہیں کہ عالم کے قدم و حدود نور اس کی لدیت و عدم کی حث میں نہیں پڑنا چاہئے اور کہتے ہیں کہ یہ خدائے واہب کی نوازش اور مہبت کبریٰ ہے کہ میسلّمہ رسول کو ہم نشین (سجاح مدعیہ انبوت) بھی مرسلہ ہی عطا ہوئی حالانکہ کسی دوسرے نبی کی بیوی نبیہ نہیں ہوئی اور کہتے ہیں کہ چونکہ میسلّمہ نبی کو ابو بکر صدیقؓ کے حکم سے شہید کیا گیا اور عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ بھی ان کے اس فعل کے محرک و موید تھے اس لئے خدائے شدید العقاب نے غضبناک ہو کر خلفائے اربعہ کو لعن خلاق میں اسی طرح مبتلا کر دیا۔ جس طرح یسود کو قتل مسیح علیہ السلام کی وجہ سے ذلت و خواری میں مبتلا کیا۔ دیکھ لو کہ شیعہ لوگ کس طرح ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کو گالیاں دے رہے ہیں اور خارجیوں اور ناصبیوں نے حضرت علیؓ کے خلاف دشنام گوئی کا طوفان برپا کر رکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرات خلفائے اربعہ کے خلاف روافض یا خوارج نے اس بناء پر دشنام گوئی اور سب و شتم کا ناپاک شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ میسلّمہ کے قتل کے ذمہ دار یا موید تھے تو پھر جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ) کون سا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں یسود انہیں دو ہزار سال سے گالیاں دیتے چلے آ رہے ہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو مسکلی بیان بھی سخت لغو اور ناقابل التفات ہے اور کہتے ہیں کہ محمد علیہ السلام کے وقت میں جنت قبلہ معین نہ تھی کبھی آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے کبھی استقبال کعبہ کرتے تھے اور کبھی کسی تیسری جانب توجہ فرماتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جنت معین یعنی ہمیشہ کعبہ کی طرف منہ کرنا (معاذ اللہ) اصحاب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ بدعت ہے اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت میسلّمہ رسول کو حکم ہوا کہ محراب کی طرف منہ کرنا اور جنت معین کی طرف متوجہ ہونا کفر اور شرک کی علامت ہے کیونکہ ایسی حالت میں کہ پیکر

انسانی اور جانور وغیرہ قبلہ بنائے جانے کے قابل نہیں ہیں کسی گھر کو قبلہ بنانا کہاں تک روا ہے؟ پس نماز کے وقت جدھر چاہیں منہ کر لیا کریں اور نیت کریں کہ میں بے جہت نماز ادا کرتا ہوں اور متعدد آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیلہ کو مخبر صادق اور خدا کا برگزیدہ پیغمبر یقین کرے۔ ورنہ اس کا اسلام مسلم نہ ہوگا اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیلہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں اسی طرح شریک تھے جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں ان کے ساجھی تھے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک ہی پیغمبر ہادی و رہنما ہے لیکن ہمارے دو پیغمبر ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ اور دوسرے مسیلہ رسول اللہ اور ہر امت کے کم از کم دو پیغمبر چاہئیں کیونکہ پیغمبر قیامت کے دن شاہد ہوں گے اور دو شاہدوں سے کم کی شہادت معتبر نہیں۔ بلکہ دو سے جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر بہتر ہوگا۔ بیروان مسیلہ اپنے تین رحمانیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مسیلہ کو رحمان کے لقب سے یاد کرتے ہیں ان کا گمان ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بسم اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مسیلہ رحیم ہے اور کہتے ہیں کہ فرقان محمدی حضرت مسیلہ ہی کا معجزہ ہے۔ قرآن نے فصحاء عرب کی زبان مد کر دی تھی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے مسیلہ پر ایک صحیفہ نازل فرمایا جو ”فاروق“ اول کے نام سے موسوم ہے اس نے بھی فصحاء کا مطلقہ مد کر دیا تھا اور ان دونوں صحیفوں یعنی قرآن اور فاروق اول کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیلہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان دونوں آسمانی کتابوں کی قراۃ دنیا اور آخرت میں سود مند ہے لیکن ان کی تفسیر کرنا ذنب عظیم ہے اور کہتے ہیں کہ ایزمتعال نے حضرت مسیلہ کو ایک اور واجب التعظیم کتاب بھی عطا فرمائی تھی جس کا نام ”فاروق ثانی“ ہے اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیلہ کی تعلیمات میں کوئی خلاف و تضاد نہیں اور اگر کہیں مسیلہ کا کلام اور ان کی آسمانی کتاب اقوال محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک زندہ رہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بعض احکام قرآن فرمان ایزدی سے اسی طرح منسوخ ہو گئے جس طرح خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات میں بعض آیتیں دوسری آیات کی ناسخ ہوئیں۔

مسیلہ کی شریعت کے احکام

مسیلہ جیسے کار آگاہ فرزانہ روزگار مدعی سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ استمالت قلوب کیلئے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہما التحیہ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا بایر العمل آئین پیش کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندی احکام کی ”تسخیر کامیوں“ سے آزاد ہوتا ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک

ایسے عامیانه اور رندانہ مذہب و مسلک کی بیاد ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے جس و احتراز سے اصلا بے نیاز تھا۔ سب سے پہلے اس نے حرمت خمر سے انکار کر کے عمد جاہلیت کی رسم کمن کا اعلاہ کیا۔ اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ چارپاؤں کی طرح انسان بھی تو ولد و تاس میں فطرتاً آزلو ہے۔ ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کیلئے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مرد و زن عقد مناکت کے دائرہ میں محصور و مجبور ہیں چنانچہ اس کی کتاب ”فاروق ثانی“ میں زنا و مہنہ کھاجے جو تکہ میسلہ کے نزدیک وہ بھی ایک لذت ہے۔ اس مطلق العنانی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے شر لڑے بند ہوئے اور فسق اور ہوا ہو س کے پرستار جوق در جوق اس کے صفحہ مروت و نیر مندی میں داخل ہونے لگے۔ مسکلی شریعت کے ماتحت لباحث پسند طبائع کو بوس راتوں اور نیشط فہائیوں کا اچھا خاصہ حیلہ مل گیا۔ شراب خواری تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال ر دی گئی تھی۔ ان فواحش نے ملک کو فسق و فجور کا گوارہ بنا دیا اور لطف یہ ہے کہ باوجود ان فاسقہ تعلیمات کے ”خوش عقیدہ“ لوگ اسے نبی اور رسول برحق ہی یقین کرتے تھے۔ لوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کوئی قیود عائد نہ کئے لیکن اس کے بعد زنا کو تو علیٰ حالہ جائز رکھا البتہ شادی پر بہت سے قیود عائد کر دیئے لیکن ان قیود کا منشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سوتلیں بہم پہنچائی جائیں۔ مطلق العنانی کے پہلے دور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے وہ بیوی سے اس وقت تک قربت نہ کرے جب تک یہ لڑکا زندہ ہو ہاں اگر مر جائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک اس سے مباشرت کرے۔ امت میسلہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے روبرو ایجاب و قبول کی حاجت نہیں۔ بلکہ زن و مرد کا خلوت میں ایجاب و قبول کر لینا کافی ہے۔ ہنود کی طرح مسلیوں کے نزدیک بھی اقرباء میں شادی کرنا مذموم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عمد مبارک میں پچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن آپ کی رحلت کے بعد بقول ان کے حرام ہو گیا۔ اس حرمت کی مثال وہی ہے جس طرح کہ ایام سلف میں دو بہوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا جناب محمد علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا چنانچہ حضرت میسلہ کے پاس فرمان ایزوی پہنچا کہ عقد ہمیشہ اس شخص کی دختر سے کیا جائے جس کے ساتھ پہلے کوئی قرابت نہ ہو۔ مسکلی لوگ نصاریٰ کی طرح تعدد ازدواج کو جائز سمجھتے۔ اگر تعدد کی خواہش ہو تو شیعوں کی طرح ان کے نزدیک متعدد کے طریق پر تعدد ازدواج جائز ہے اور کہتے ہیں کہ ختنہ کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے مگر عقل کے اندھوں نے یہ نہ خیال کیا کہ اگر ختنہ کرنے میں یہود کی مشابہت ہے تو ترک ختنہ میں نصاریٰ و مشرکین کی۔

مسکلی صومہ و صلوة :-

مسکلی صومہ اور رمضان کے روزے نہیں رکھتے بلکہ اس کی ممانعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کی جگہ شبہ رکھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ غروب سے لیکر طلوع آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کریں۔ مسیلمہ نے تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب مقرر کی تھیں اور حکم دیا تھا کہ تینوں نمازیں مختلف جہات میں ادا کی جائیں۔ مثلاً نماز ظہر مشرق کی طرف منہ کر کے ادا کی ہے تو عصر کے وقت مغرب کا رخ کرے۔ وہ چکڑالویوں اور شیعوں کی طرح نماز سنت ادا نہیں کرتے کیونکہ ان کے زعم میں نماز تو وہی ہو سکتی ہے جس کیلئے معبود برحق نے حکم دیا ہو۔ نہ یہ کہ پیغمبر خود ہی اپنی مرضی سے ادا کرنے لگے ہاں اگر فرض نماز کے بعد چاہیں تو کلام الہی قرآن یا فاروق اول پڑھیں اور اذکار و اوراد میں مصروف رہیں۔ چکڑالویوں کی طرح ان کے نزدیک نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بلکہ آپ کا نام ہی نہ لینا چاہئے کیونکہ ان کے زعم باطل میں اس طرح عبادت الہی کے اندر مخلوق کی عبادت شامل ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت مسیلمہ پر بھی نمازیں تو شروع میں پانچ ہی فرض ہوئی تھیں لیکن اوقات پنجگانہ میں صبح اور عشاء کی دو نمازیں حضرت مسیلمہ نے حکم الہی اپنی منکوہہ سباح کے مہر میں جو وہ بھی ایک مرسلہ تھیں بخش دی۔

مسکلی لوگ نماز میں قرآن نہیں پڑھتے بلکہ اس کی جگہ کتاب ”فاروق اول“ کے کچھ اناپ شاپ فقرے یا اشعار پڑھ لیتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اعرابی کے پاس قیام کیا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہوا۔ پہلی رکعت میں اس نے پڑھا (اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنی نماز پست آواز میں پڑھی اور اپنے تھیلے میں سے مسکین کو کھانا کھلایا اور اپنے اونٹوں اور بخیوں کو منزل گاہ پر لے گیا) پھر رکوع اور سجدہ کر کے دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا اور اس میں قرآۃ کی جگہ پڑھا (ہمارے بیٹے، ہمارے پوتے، ہماری بیٹیاں، ہمارے نواسے اور ہمارے دور کے قرابت دار مردوں کی اولاد) پھر رکوع دمجود کر کے تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا اور اس میں یہ شعر پڑھا۔ (جب سوکن کے بیٹے یوسف کے قریب ہوئے تو یوسف پانی والے کنوئیں کی تہ میں پہنچ گئے) جب وہ تینوں رکعتیں پڑھ کر فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ تم نے قرآۃ کی جگہ یہ سب کیا پڑھا ہے؟ اس کو تو قرآن پاک سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کہنے لگا ”اصمعی! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آج سے چالیس سال پیشتر میری پھوپھی نے اس کو مسیلمہ رسول اللہ سے سیکھا تھا“ (الدعاء ص 93)

مسیلمہ کا کلام وحی :-

تقدس کے دکاندار اور خانہ ساز نبی اپنے سلسلہ تزویر میں کلام الہی کو بھی نفس و شیطان کا بازیچہ لہو و لعب بنا چاہتے ہیں اور کلام خداوندی جو دنیا میں قیام صداقت کیلئے نازل ہوا تھا اس کے نام سے مکر و فریب کا کاروبار جلدی کرتے ہوئے ذرا بھی خدا سے نہیں شرماتے۔ مسیلمہ نے قرآن پاک کے مقابلہ میں بعض مبیع عبرتیں لکھ کر ان کو کلام الہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا مگر اہل علم اور اصحاب بصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوالن کی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام خرافات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الہی کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے۔ مسیلمہ ”کلام وحی“ ایسا مضحکہ خیز ہے کہ لرباب ذوق تسلیم کی محفلیں مارے ہنسی کے لوٹ جاتی ہیں اس نے سورۃ والعاذیات کے مقابلہ میں لکھا تھا۔

قسم ہے کھیتی کرنے والوں کی اور قسم ہے کھیتی کاٹنے والوں کی اور قسم ہے بھوسہ صاف کرنے کیلئے گیہوں کو ہوا میں اڑانے والوں کی اور قسم ہے آٹا پینے والوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والوں کی اور قسم ہے سالن پکانے والوں کی اور قسم ہے تیل اور گھی کے لقمے کھانے والوں کی کہ تم کو صوف والے (بادیہ نشین) عربوں پر فضیلت دی گئی ہے اور مٹی سے مکان بنانے والے شہری عرب بھی تم سے بڑھ کر نہیں ہیں تم اپنی روکھی سوکھی روٹی کی حفاظت کرو۔ عاجز و در ماندہ کو پناہ دو اور طلب اور مانگنے والے کو اپنے پاس ٹھہراؤ۔

سورۃ نیل کے جواب میں لکھا تھا :-

ہاتھی! اور وہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی بد نما دم لور لمبی سونڈ ہے۔ یہ ہمارے رب جلیل کی مخلوق

ہے۔

ان الفاظ کو بھی وحی الہی کی طرف منسوب کیا تھا :-

اے مینڈکی۔ مینڈکی کی بھی! اے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے۔ نہ تو تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔ رسالہ ”الدعاة“ میں جو جھوٹے مدعیوں کے حالات میں مصر سے شائع ہوا ہے مسیلمہ کذاب کا یہ ”کلام وحی“ بھی درج ہے۔

سبح اسم ربك الاعلى الذى يسر على الجبلى فاخرج منها نسمة تسعى من بين اضلاع وحشى فمهم من يموت ويدس فى الثرى و منهم من يعيش و يبقى الى الجمل و متهى و لله يعلم السر و اخفى و لا تخفى عليه الاخرة و الاولى اذكروا نعمت الله عليكم و شكروها د جعل الشمس سراجا و الغيث نجاجا و جعل لكه كباثا و نجاجا و فضا

وزجاجاً وذهباً وبياجاً من نعمته عليكم ان اخرج لكم من الارض رُمَانًا وعباوريحاناً و
حنطةً و زوانا۔ واللبل الداسس والنائب الهمامس ما قطعت اسيد من رطب ولايابس۔
والليل الاسحم والدبا لادللم والجدع الازلم ما انتهكت اسيد من محرم۔ و كان يقصد
بذلك نصره اسيد على خصومة لهم۔ والشاء والوانها واجبها السود والبانها والشاة اسوداء
السن الابيض يعجب محض۔ انا عصيناك الحواهر فصل لربك وهاجران مبغضك لفاجر۔
والمبيدات زرغاً والحاصدات حصداً والدارسات قمحاً والطاحنات ملحناً والخا بزات
خبزاً والثاردات ثرداً واللاقمات لقمأ لحماد سمنأ لقد فضلتمكم على اهلنا لوبر و ماسبقكم
اهلنا المدرفيكم فامنوه والمعترفأ ووه والباغى فنا ونوه۔ والشمس وضحاها فى ضونها
ومجلاها والليلا ذا ازدعادهم بطلها ليغشاها ادر كها حتى اتاها واطقأ نور هانحاهـ۔ وقد
حرم المذوق نقاله مالك لاتمعون“

علامہ خیر الدین آفندی الوسی سابق وزیر تونس نے کتاب ”الجواب الفصح“ میں عبد المسیح
نصرانی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے مسیلمہ کا پورا مصحف پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
اس نے ایک ضخیم کتاب ہی تیار کر ڈالی تھی اور دعویٰ یہ تھا کہ وہ ”الہامی“ کتاب ہے
مسیلمہ کے ”معجزات باہرہ“ :-

مسکلی خصائص نبوت میں سے ایک نہایت دلچسپ اور مستہم بالشان یہ امر تھا کہ اعجاز نبوی
کے طور پر وہ جو کچھ کہتا ہے اور جس بات کا بھی ارادہ کرتا اس کے برعکس اور خلاف مدعی ظاہر
ہوتا تھا اور یہ بات اس زمانہ کے عجائبات قدرت میں شمار کی جاتی تھی اور سنت اللہ اس طرح
جاری ہے کہ جھوٹے مدعیوں کو دنیاوی حیثیت سے جس درجہ وقار بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے وہ
دینی عزت اور عظمت کے لحاظ سے کبھی سرفراز و کامگار نہیں ہو سکتے۔ ان کی غرض مندانہ تعلقی
اور دروغ بانی ان کی دعاؤں کو شرف استجاب و قبول سے محروم رکھتی ہے اور غیر خداوندی ان کی
خود غرضانہ گویوں کے پورا ہونے میں ہمیشہ مزاحم رہتی ہے۔ خصوصاً مسیلمہ کے بارے میں تو
یہ کلمہ کچھ ایسی غیر متعارف قوت و سرعت کے ساتھ نمایاں ہوتا تھا کہ ان واقعات کو جناب
سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجازی..... کار فرمائی کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ایک
عورت مسیلمہ کے پاس آئی اور کہنے لگی ہمارا نخلستان سرسبزی سے محروم ہے اور کنوئیں بھی خشک
ہو گئے ہیں۔ آپ حضرت مجیب الدعوات سے ہمارے لئے پانی اور نخلستان کی شادابی کی اسی طرح
دعا کیجئے جس طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساکنان ہرمان کیلئے دعا فرمائی
تھی۔ مسیلمہ نے نہار سے پوچھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہرمان کے واسطے کس طرح دعا

کی تھی؟ منہ نے کہا جناب خیر الامام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کنوؤں کا پانی لیا اور اس سے غرغره کر کے انہی کنوؤں میں ڈال دیا۔ اس سے کنوئیں کا پانی متلاطم ہو کر چشمہ کی طرح اہل بڑا تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی دعا سے خرما کے درختوں میں شاخیں پھوٹ آئیں اور تمام چھوٹے چھوٹے پودوں میں کلیں نکل پڑیں۔ مسیلمہ نے بھی اسوۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کر کے اپنا لعاب دہن کنوؤں میں ڈلو لویا لیکن قدرت الہی نے اس کا الٹا اثر یہ دکھایا کہ کنوؤں کا پانی نور بھی نیچے اتر گیا۔ خرما کے درخت پہلے سے زیادہ سوکھ گئے اور دعا کرانے والے مدت العمر مسیلمہ کی جان کو روٹے رہے۔

ایک دفعہ منہ نے مسیلمہ سے ذکر کیا کہ حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چوں کے سر پر مدت کے ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ مسیلمہ نے بھی معجزہ نمائی کے طور پر بنی حنیفہ کے چند اطفال کے سروں اور ان کی ٹھوڑیوں پر ہاتھ پھیرا مگر اس کا یہ مکسوس اثر ظاہر ہوا کہ تمام لڑکے مہجے ہو گئے اور تسمانے لگے۔

ایک مرتبہ مسیلمہ نے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے آشوب چشم اچھا ہو گیا۔ مسیلمہ نے بھی کسی مریض کی آنکھ پر لعاب دہن لگا دیا مگر وہ بے چارہ ہمیشہ کیلئے بصارت سے ہی محروم ہو گیا۔ ایک دفعہ کسی شیردار بکری کے تھن پر افزونی شیر کی غرض سے ہاتھ پھیرا اور برکت کی وعادی تو معاً اس کا سارا دودھ خشک ہو گیا۔ ایک مسیلمی بیوہ نے درخواست کی کہ میرے بہت سے فرزندان عزیز و حشمت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر خلد گلاب عاقبت کو چلے گئے۔ اب صرف دو باقی ہیں حق تعالیٰ سے ان کی بقا اور درازی عمر کیلئے دعا فرمائیے۔ اس نے دعا کی اور فرزند کلاں کی کبر سنی کا مژدہ سنا کر پسر خورد کی مدت عمر چالیس سال بتائی۔ جب وہ غم نصیب شادان و فرحان مکان پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ بڑا لڑکا کنوئیں میں گر کر مر گیا اور چھوٹا فرزند جس کے سنن عمر چالیس سال بتائے تھے حالت نزع میں دم توڑ رہا ہے۔ غرض تھوڑی دیر میں وہ بھی اپنی دکھیا ماں کو دلغ مفارقت دیکر رہ گیا۔ عالم آخرت ہوا۔

مسیلمہ کذاب کا ایک عقلی معجزہ :-

چونکہ مسیلمہ خوارق عادات دکھانے سے قاصر تھا اور لوگوں کو معجزات کی قسم سے نبوت کی کوئی علامت ضرور چاہنے اسلئے اس نے اپنی جودت طبع سے بعض ”عقلی معجزے“ تجویز کر لئے تھے اور بوقت ضرورت انہی سے اعجاز نمائی کا کام لیتا تھا ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اس نے ٹھک منہ والی بوتل میں بیڑے مرغ ڈال رکھا تھا اور جب کبھی کسی طرف سے اعجاز نمائی کا مطالبہ ہوتا تو اسی انڈے کو پیش کر دیتا اور کہتا تھا کہ ٹھک منہ والی بوتل میں انڈے کو داخل کرنا قوت

بحری کے حیطہ امکان سے خارج ہے اور کسی کو دعویٰ ہو تو ایسا کر دکھائے حالانکہ اس نے انڈے کو چند روز تک سر کے میں رکھ کر نرم کر لیا تھا اس طرح انڈا بوتل میں باسانی داخل ہو گیا تھا اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہی شخص ہے جس نے بیٹھ کو بوتل میں داخل کیا۔

فصل 2- محاربات میسلّمہ کذاب

جس وقت امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ نے مرتدین عرب کی سرکوبی کیلئے لشکر روانہ فرمایا اسی وقت ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر میسلّمہ کذاب سے لڑنے کو یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا پھر ان کے بعد شرجیل بن حسنه کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمایا لیکن عکرمہؓ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرجیل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہؓ کو ہزیمت ہوئی میسلّمہ اور اس کے پیرو فتح کے شادیاں جاتے میدان جنگ سے واپس ہوئے جب شرجیل کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ وہیں ٹھہر گئے حضرت عکرمہؓ نے اپنی ہزیمت کا حال امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو یہ جواب دیا کہ تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا میں نے کہہ دیا تھا کہ شرجیل کو تمہارے پیچھے روانہ کرتا ہوں جب وہ پہنچ جائیں تو اس وقت لڑائی شروع کرنا لیکن افسوس ہے کہ تم خود تو استلوی شاگردی کو عیب سمجھتے ہو تمہیں شرجیل کے پہنچنے بغیر ہرگز حملہ میں اقدام نہ کرنا چاہئے تھا خیر جو کچھ ہو اسو ہو اب مدینہ کی طرف نہ رخ کرنا کیونکہ یہاں آکر لوگوں کو پست ہمت اور شکستہ دل کر دو گے البتہ آگے جا کر حذیفہ اور عرقبہ سے مل جاؤ اور ان کے ماتحت رہ کر عمان اور مرہ والوں کا مقابلہ کرو اور عمرو بن عاصؓ کے ساتھ مل کر مرتدین قضاغہ سے جہاد کرو

اس اثناء میں خالد بن ولیدؓ بطاح سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور امیر المؤمنین کو تمام واقعات زبانی کہہ سنایا۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو میسلّمہ کے خلاف معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا۔ پر حضرت ابو حذیفہؓ اور حضرت زید بن خطابؓ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کو انصار کی قیادت عطا فرمائی۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے نکل کر براق وباد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے۔ گو اس وقت میسلّمہ اور بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور میسلّمہ کے چالیس ہزار جنگ آزما سپاہی یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے تاہم باوجود قلت تعداد مسلمانوں کا جوش جہاد اور ولولہ شہادت اہل رہا تھا اور وہ مسکلی مرتدین سے جنگ آزما ہونے کیلئے پتھر رہے تھے۔

بنی حنیفہ کی دوسری کامیابی :-

حضرت عکرمہ کی طرح شرجیل نے بھی مجت کر کے جناب خالد بن ولیدؓ کی آمد سے پہلے میسلہ کی حریفی قوت کا اندازہ کئے بغیر جنگ کی طرح ڈال دی جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جب مسلمانوں کی مکرر ہزیمت کا علم ہوا تو شرجیل کو سخت ملامت کی اور کہا کہ ہماری آمد کا انتظار کئے بغیر پیش دستی کی تمہاری شتاب زدگی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے سے بھی فزوں تر ہو گئی ہے اور اے حوصلے بڑھ گئے ہیں ایک تو خود میسلہ کے پاس پہلے ہی سے جمعیت کثیر تھی جس میں یونانیوں مارتی ہو رہی تھی دوسرے سجاج کی باقی ماندہ فوج بھی میسلہ سے مل گئی تھی (جس کا تذکرہ سجاج کے حالات میں قلمبند ہو گا) اس لئے میسلہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔

اصحاب بدرؓ کی شرکت جہاد :-

اس اثناء میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی کمک کیلئے ایک دستہ فوج بھی روانہ فرما دیا جس کے سرعصر سلیط تھے امیر المؤمنین نے سلیط کو حکم دیا تھا کہ وہ خالد کی امداد کیلئے ان کے عقب میں رہیں تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے اس موقع پر حضرت شیخینؓ یعنی امیر المؤمنین ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما میں اس بارے میں اختلاف رائے تھا کہ غازیان بدر کو بھی لڑائی میں بھجنا چاہئے یا نہیں حضرت صدیقؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے کیونکہ ان پاک بازوں کی برکت سے رب ذی السنہی اکثر آفات و بلیات کو رفع فرما دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرت کو کم از کم فوجوں کی امداد پر ضرور مقرر کیا جائے آخر امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوئے۔

مجاہد کی گرفتاری :-

جب میسلہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی کیلئے آئے تو اس نے بھی اپنے لشکر کو یامامہ سے حرکت دی اور عقبراء کے مقام پر لاجع کیا۔ میسلہ کی طرف سے مجاہد بن مرارہ ایک جداگانہ سر یہ لیکر مسلمانوں کے مقابلوں پر آیا لیکن میسلہ تک پہنچنے میں صرف ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے شرجیل بن حسنہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے رات کے وقت مجاہد سے ڈبھیز ہو گئی۔ شرجیل نے نصیحت بے جگری کے ساتھ مجاہد پر ہلہ بول دیا اور مجاہد کے آدمیوں کو مارتے مارتے ان کا کلیان

کر دیا۔ مجاہد تن تنہا موت کا شکار ہونے سے چاگر گرفتار کر لیا گیا۔

اسلام اور کفر کی آویزش:

اس واقعہ کے بعد حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور عقرباء کے میدان میں ڈیرے ڈال کر حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے دوسرے دن آتش حرب شعلہ زن ہوئی لشکر میں مہاجرین کا رایت سالم مولے ابو حذیفہؓ کے ہاتھ میں تھا انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیسؓ اٹھائے تھے دوسرے قبائل عرب کے علم اپنے اپنے سرداران قبیلہ کے ہاتھ میں تھے میسلہ اپنا خیمہ و خرگاہ اپنی پشت پر چھوڑ آیا تھا ہمارا حال بن عوفہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے میسلہ کا مشیر خاص اور سرعسکر تھا اس معرکہ میں میسلہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا میسلہ کا بیٹا شریل رجز خوانی کر کے بے حنیفہ کو جوش دلانے لگا۔ اس نے کہا ”اے بنی حنیفہ“ آج تم اپنی شرم و غیرت کیلئے لڑو کیونکہ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی۔ اس لئے چاہئے کہ تم اپنے ننگ و ناموس پر اپنی جانیں قربان کر دو۔ حضرت خالدؓ نے پہلے اتمام حجت کیلئے میسلہ اور اس کے پیروؤں کو دین حق کی دعوت دی مگر انہوں نے گوش قبول سے نہ سنا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی پند و موعظ کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن ان کے والمانہ یقین و اعتقاد کی گرجوشی میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ اب دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ مرتدین کی طرف سے سب سے پہلے ہمارا مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوا اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ سے جو امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے بھائی تھے مارا گیا۔ اس وقت گھمسان کارن پڑا۔ دونوں طرف کے دلاور داد شجاعت دے رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا۔ اسلام اور کفر کی یہ ایسی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی سابقہ نہ پڑا ہوگا۔

لشکر اعداء نے سپہ سالار کی اہلیہ محترمہ سے تعرض نہ کیا:-

لشکر اسلام نے لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ کا حکم پا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بنی حنیفہ کو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ جہاں مجاہد قید تھا۔ مسلکی فوج حضرت خالدؓ کے خیمہ میں داخل ہوئی۔ اس وقت خیمہ میں حضرت خالدؓ کی اہلیہ محترمہ موجود تھیں۔ خیمہ میں ایک طرف مجاہد زنجیروں سے جکڑا تھا۔ جسے حضرت خالدؓ پیچھے ہٹتے وقت اپنی دھم صاحبہ کی نگرانی میں دے آئے تھے۔ بنی حنیفہ نے حضرت خالدؓ کی حرم محترمہ کو قتل کرنا چاہا مگر

مجاہد اس میں مزاحم ہوا اور کہا کہ عورت ذات سے تعرض کرنا شیوۂ مردانگی نہیں ہے اس کے علاوہ یہ اس وقت میری ہمسایہ اور مگرمان حال ہیں اس لئے بہتر ہے کہ عورت کا خیال چھوڑ کر مردوں کی جا خبر لو۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ اسلامی سپہ سالار کی حرم ہیں ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فتح ہو۔ اس صورت میں معلوم نہیں کہ مسلمان اس کا کس شدت سے انتقام لیں۔ آپ کی حرم محترم سے کوئی تعرض نہ کیا۔ البتہ خیمہ کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

حضرات ثناءت زید اور ابو حذیفہؓ کی رجز خوانی :-

اب ہو ضیفہ آگے بلاہ کر مسلمانوں سے از سر نو مبارزت خواہ ہوئے۔ اس وقت مسلمان نشہ شہادت و جان بازی میں سرشار تھے۔ جناب ثناءت بن قیسؓ نے لشکر اسلام کو مخاطب کر کے کہا ”اے ملت موحدین کے بہادر! اپنی جانوں پر کھیل جاؤ اور دشمن کی کثرت تعداد سے مرعوب ہو کر پست بہمتی سے کام نہ لو۔ الہی میں اہل یمانہ کے ارتداد سے بیزار اور اہل ایمان کی کم بہمتی سے عذر خواہ ہوں، یہ کہہ کر وہ نہایت بے جگری سے غنیم کے قلب لشکر میں جا گھسے اور داد شجاعت دیکر جام شہادت پی لیا۔ اس کے بعد امیر المؤمنین عمر بن خطاب کے برادر معظم حضرت زید بن خطابؓ نے ماجرین و انصار کو مخاطب کر کے کہا ”اے ارباب ایمان! میں نے نہار کی زندگی کا چراغ گل کیا لیکن اب میں اس وقت تک کسی سے ہمکلام نہ ہوں گا جب تک کہ اعداء کو منہزم نہ کر لوں۔ یا خود ہی جرعہ شہادت نہ پی لوں۔ اے توحید کے علمبردارو! توحید کی امانت تمہارے سینوں میں ودیعت ہے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تمہیں کوئی غیر اللہ طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔ اعداء کی کثرت اور اپنی قلت تعداد سے خالی الذہن ہو کر دشمن کا صفایا کر دو“ حضرت ابو حذیفہ نے کہا ”اے شمع جمال احمدی کے پروانو! آج رسول اللہ کے دین پر کٹ مرو۔ اے توحید کے جان نثارو! تم اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دنیا میں بھگے گئے ہو۔ آج توحید کی لاج رکھ لینا اے حاملان قرآن! قرآن اور اس کے آسمانی احکام دنیا سے منہ نہ پائیں“

حضرت خالدؓ نے ہلہ بول دیا :-

اب حضرت خالدؓ نے ایک ہیک ہلہ بول دیا اور لشکر اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے بنو ضیفہ پر اس طرح ٹوٹ پڑا۔ جس طرح گرسنہ شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ اہل ارتداد اس حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ آتش حرب جوش و خروش کے ساتھ شعلہ زن ہوئی۔ اس وقت کبھی تو مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی مرتدوں کا۔ انہی معرکوں میں سالم مونی ابو حذیفہؓ اور زید بن خطابؓ وغیرہ بڑے بڑے اکابر ملت شہادت سے سیراب

ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ کوئی ایسا نشان قائم کرو۔ جس سے فوراً معلوم ہو سکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس حصہ فوج کو کتنا نقصان پہنچا ہے تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جاسکے۔ آخر نشان قائم کئے گئے لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصان جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ مہاجرین، انصار اور اہل قرئی کی بہت بڑی تعداد میدان جانشان کی نذر ہو گئی۔

مسیلمہ کی ہمت مردانہ :-

مسلمانوں کے مسلسل جدوجہد اور ولولہ انگیز یورشوں کے باوجود مسیلمہ میدان کارزار میں اس طرح جم کر لڑ رہا تھا کہ گویا کوئی آہنی برج قائم ہے۔ باوجود ضعف پیری کے اس نے ذرہ بھر بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بنی حنیفہ اس کے ارد گرد خوب داد شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت خالد سیف اللہ نے یہ محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ کو موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے دشمن پر غلبہ پانا محال ہے اس لئے آپ اس کوشش میں سرگرم عمل ہوئے کہ کوئی موقع ملے تو خود مسیلمہ پر چرکا لگایا جائے۔ بنی حنیفہ کے مقتولوں کی تعداد گو شہدائے مسلمین سے بہت زیادہ تھی مگر انہیں اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے اتنے مقتولوں کی کچھ زیادہ پرواہ نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جوش میں کسی طرح کمی نہ آئی تھی اور ان کے اندر اسلامی حملوں سے کسی خاص ضعف کے آثار نمایاں نہ ہوئے تھے۔

خالدی کارنامے

اب حضرت خالدؓ تنہا میدان کارزار میں نکلے۔ اس وقت ”کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے؟“ کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے تھا حضرت خالدؓ نے اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کیا۔ اب دو دو سو ما حریفوں کا سامنا ہونے لگا۔ حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر جو مسیلمی آیا آپ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ غرض حضرت خالدؓ نے تنہا مسیلمی لشکر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی سوماؤں کو قعر عدم میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ لشکر اعداء میں ہلچل مچ گئی اور نسیم فتح مسلمانوں کے راہت اقبال پر چلنے لگی۔ اب حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کو پکارا اور چند دوسرے مطالبات کے علاوہ از سر نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے۔ جناب خالدؓ گھوڑا دوڑا کر اس کی طرف لپکے اور اسے لڑائی پر مجبور کرنا چاہا مگر وہ طرح دیکر دور نکل گیا اور اس کا لشکر بھی تاب مقاومت نہ لاکر منتشر ہو گیا اب بنی حنیفہ نے مسیلمہ سے کہا کہ عون و نصرت الہی کے جو وعدے تم کیا کرتے تھے وہ عون خداوندی کیا ہوئی؟

کہنے لگا ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے اہل و عیال اور نیک و ناموس کیلئے لڑے یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔

براء بن مالک کی شجاعت و جانبازی :-

محکم بن طفیل نے جو مسیلی لشکر کے سینہ پر تھا اب مسیلی لشکر کو ایک نہایت وسیع و عریض باغ میں جو وہاں سے قریب واقع تھا۔ گھس جانے کو کہا۔ بنی حنیفہ جھٹ باغ میں پناہ گزین ہوئے اور محکم بن طفیل کو ایک ساعت تک مصروف پیکار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے اسے قتل کیا۔ جناب عبدالرحمن نے ایسے وقت میں اس کی گردن میں نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا جبکہ وہ اپنی قوم کو خطبہ دیتا اور بنی حنیفہ کو لڑائی کیلئے براہیختہ کر رہا تھا۔ بنی حنیفہ نے باغ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں براء بن مالک ایک نہایت سورا بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے درخواست کی کہ مجھے خدا کیلئے اس باغ میں ڈال دو انہوں نے فرمایا کہ ہم تمہیں دشمن کے ہاتھوں میں کیونکر دے دیں؟ براء نے قسم دلائی کہ مجھے ضرور اندر ڈال دو۔ ان کے اصرار و الحاج پر انہیں حدیقہ کی دیوار پر چڑھا دیا گیا۔ وہ اندر کو دے اور حدیقہ کے دروازہ پر جا کر کمال شجاعت کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں دشمنوں سے لڑنے لگے اور نہایت بہادری کے ساتھ دروازہ پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے داخلہ کیلئے کھول دیا۔ اسلامی لشکر فوراً اندر داخل ہونے لگا۔ باغ میں نہایت خونریزی لڑائی ہوئی جس میں جاہلین کا سخت نقصان ہوا۔ بنی حنیفہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور اس وقت تک کمزوری کا اظہار نہ کیا جب تک کہ مسیلمہ کا نقش وجود صغیٰ حسی سے محو نہ ہو گیا یہ باغ جس میں مسیلمہ اور اس کے ہزار ہا پیرو بھید بھری کی طرح ذبح کئے گئے، بلاض کے نام سے موسوم تھا لیکن بعد کو کثرت موت کے باعث حدیقہ الموت کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آخر جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا تو اسحاق بن ابی تمیص نے اس جگہ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

مسیلمہ کا قتل :-

جب مسیلمہ کو فلاح و زشتگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو زورہ اور خود پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک دستہ فوج کو ساتھ لیکر لڑاتا بھڑاتا باغ سے باہر نکلا۔ جو بنی باغ سے باہر آیا سید اشہداء حمزہ کے قاتل وحشی نے جو اس سے پیشتر مسلمان ہو چکا تھا اور لشکر اسلام میں شامل تھا اسے ایسا نیزہ مارا کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ معاویہ بن ثعلبہؓ ہو گیا اور حضرت زید بن خطابؓ نے رحال بن عنقوہ کو جرم مرگ چکھا کر واصل جہنم کیا۔ مسیلمہ کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں

نے حصہ لیا تھا۔ ایک وحشی نے اور دوسرا ایک انصاری نے۔ پہلے وحشی نے ایک نیزہ رسید کیا۔ جو نہی اس پر نیزہ پڑا انصاری اسے اپنی تلوار پر لے لیا۔ وحشی نے میسلہ کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا اور ایک عیار و فتنہ گر متنبی جس نے زمانے میں پہلچ ڈال رکھی تھی اس حسرت آباد دنیا سے بصد حسرت و اندوہ کوچ کر گیا۔ وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالت کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقہ اسفل کا مستحق ہو چکا تھا لیکن اس منعم لایزال کا شکر و احسان ہے جس نے دین اسلام کا رقبہ سعادت میری گردن میں ڈالا اور تائید الہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کرا کے کسی حد تک میرے جرم کی تلافی کرا دی۔

لشکر اسلام کی فتح :-

جب میسلہ مارا گیا تو بنی حنیفہ سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے جن پر چاروں طرف سے تلوار پڑنے لگی۔ بنی حنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانہ رکھی مگر قدوسیوں نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پر نچے اڑا دیئے۔ آخر قصر ارداد کو پیوند خاک ہونا پڑا اور مسیلی اقبال آنا فانا دامن اوبار میں روپوش ہو گیا۔ ان معرکوں میں بنی حنیفہ کے اکیس ہزار اور اہل اسلام کے چھ سو ساٹھ آدمی کام آئے تھے۔ ایک مسکنی نے حضرت ثلث بن قیس کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی لیکن ان کی شجاعت دیکھئے کہ انہوں نے اس کو ہی ٹانگ اس زور سے ماری کہ معاطار روح قفسِ غضری سے پرواز کر گیا۔ مگر اس صدمہ کی وجہ سے انہوں نے خود بھی عنانِ حیات دار آخرت کو پھیر دی۔

حضرت سیف اللہ کفار مقتولین کی لاشوں پر :-

اختتامِ جنگ پر حضرت خالد بن ولیدؓ مجامعہ کو اپنے ساتھ لئے ہوئے مقتولین اعداء کی طرف گزرے اور حکم دیا کہ میسلہ کی لاش تلاش کی جائے چنانچہ مقتولوں کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ خالد رفتہ رفتہ محکم ایمامہ کی لاش پر پہنچے جو ایک وجیہ آدمی تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا یہی میسلہ ہے؟ مجامعہ نے کہا یہ وجیہ دُخور و آدمی تو محکم بن طفیل ہے۔ پھر ایک کم روز رو فام چھٹی ناک والے آدمی کی لاش پر سے گزرے۔ مجامعہ کہنے لگا جس لاش کی آپ کو تلاش ہے وہ یہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فرمایا اچھا وہی یہ شخص ہے جس نے تم لوگوں کو گمراہ کر کے دنیا اور عقبیٰ میں زوسیاہ کیا؟ اس کے بعد رو جیل، دمیم اور انخیس کی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ کیا یہی تمہارے سردار تھے اور یہی تم پر حکومت کرتے تھے؟

مجامعہ کی حیرت انگیز فریب کاری :-

مجامعہ انتہائی عیاری اور فریب کاری سے کام لیکر کہنے لگا کہ یہی لوگ میرے سردار تھے لیکن آپ ان لوگوں کے قتل پر نازاں نہ ہوں کیونکہ جن لوگوں سے آپ کو اب تک ساہقہ پڑا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ لڑائی کیلئے پھڑ پھڑ رہے تھے اور دوسروں پر سبقت کر کے طرح جنگ ڈال دی تھی حالانکہ بنسی حنیفہ کی فوجوں کی فوجیں اور ان سے زیادہ جنگ آزمایا بہادر نبرد آزما ہونے کیلئے ہنوز پیچھے ہیں جن سے قلعے اور حصون بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کے پاس جلد سے جلد صلح کا پیغام بھیجئے اور اپنے تحفظ و بقاء کیلئے مصالحت و آشتی کا شیوہ اختیار کیجئے اور اگر آپ مصالحت پر آمادہ ہوں تو مجھے رہا کر دیجئے تاکہ اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی طرف سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی کروں چونکہ لشکر اسلام کو بہت بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور حضرت خالد لشکر کو کمر کھول دینے کا حکم دے چکے تھے اس وجہ سے مجامعہ سے کہنے لگے کہ میں تجھے قید سے رہا کئے دیتا ہوں تو اپنی قوم میں جا اور ان کو اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ کر۔ میں ان سے صرف ان کی جانوں کے متعلق صلح کر لوں گا۔

عورتوں اور بچوں کو مسلح کر کے فسیلوں پر کھڑا کر دیا :-

مجامعہ یہاں سے اہل یمامہ کے پاس گیا۔ اس وقت قلعوں میں عورتوں، بچوں، یماروں اور شیوخ فانیہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مجامعہ نے انہی کو ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ عورتوں سے کہا کہ وہ اپنے سر کے بال کھول کر چھاتی پر ڈال دیں اور اسلحہ لیکر شہر پناہ کی فسیل پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ حضرت خالدؓ کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا کہ قلعہ والے تو آپ کے شرائط صلح کو ہرگز منظور نہیں کرتے۔ خالد نے یمامہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی فسیلیں ہتھیاروں سے چمکتی نظر آئیں۔ حضرت خالد کو یہ دیکھ کر یقین آگیا کہ غنیم کے قلعے فوجوں سے معمور ہیں اور مسلمان لڑتے لڑتے بہت تھک گئے تھے اور لڑائی شروع ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لئے جناب خالدؓ نے مجامعہ سے ان کا نصف مال و اسباب اور زمین مزروعہ و غیر مزروعہ اور باغات اور قیدی لیکر صلح کر لینے پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ مجامعہ نے اس سے انکار کیا۔ آخر خالدؓ نے جو تھائی مال و اسباب وغیرہ منظور کر کے صلح کر لی

مجامعہ نے حیلہ گری کو قومی خدمت سے تعبیر کیا :-

جب معاہدہ صلح لکھا جا چکا اور حضرت خالدؓ قلعہ کھول کر ان میں داخل ہوئے تو یہ معلوم کرے ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے سوا اور کوئی نہیں

ہے۔ خالد نے مجاہد سے کہا کم خفت! تو نے میرے ساتھ دغا کی اور فریب سے صلح نامہ لکھوایا۔ مجاہد نے عرض کیا ”اے امیر المسلمین! اگر میں حیلہ نہ کرتا تو میری قوم میں کسی قسم کی استطاعت باقی نہ رہتی۔ میرا قصور معاف فرمائیے۔ میں نے ان کی رسوائی کے خوف سے حیلہ سازی کی اور اپنی قوم کی جس قدر خدمت مجھ سے ہو سکی میں نے کی“ افسوس ہے کہ ہوتے وقت قوم مسلم میں ہزاروں تنگ اسلام افراد ایسے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد اور حصول عز و جاہ کیلئے اسلام کو زخمی کرتے ہوئے اغیار کا دست جوڑا استبداد مضبوط کر رہے ہیں۔ ایسے بدعتوں کو مجاہد کے طریق عمل سے سبق آزما ہونا چاہئے۔ حضرت خالدؓ مجاہد کا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور بلا وجودیکہ یہ معاہدہ دغا اور فریب سے کر دیا تھا اس کو قائم رکھا۔ مجاہد کی تحریک سے بنی حنیفہ کے ساتھ ممتاز افراد منتخب ہوئے جنہوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسیلمی عقائد سے توبہ کر کے از سر نو حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یاد رہے کہ یمامہ کی جنگ اور فتح 12ھ کا واقعہ ہے۔

امیر المومنین کا فرمان کہ تمام بالغ مسیلمی بہ جرم ارتداد قتل کئے جائیں :-

اس اثناء میں امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے مسلمہ بن وقش کے ہاتھ حضرت خالدؓ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیز و دتر مرتدین پر فتح یاب کرے تو بنی حنیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہوں وہ سب بہ جرم ارتداد قتل کئے جائیں اور عورتیں کم سن لڑکے حراست میں لے لئے جائیں لیکن امیر المومنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالدؓ معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس مجبوری سے اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔ چند سال پیشتر مرزائیوں نے افغانستان میں نعمت اللہ مرتد کے سنگسار پر یہ کہتے ہوئے بڑا اودھم مچایا تھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں لیکن اگر مرزائی لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ آپ کے اس حکم کو دلیل راہ بنائیں۔ اگر امیر المومنین کا یہ حکم منشاء شریعت کے مطابق تھا کہ موجب یقیناً منہاج شریعت کے عین مطابق اور واجب الاتباع ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جن لوگوں نے اسلام کے طریق تویم کو چھوڑ کر کسی متنبی کا مسلک ضلال اختیار کیا وہ وقت کے مسلمان حاکم کے حکم سے واجب القتل نہ قرار پائیں۔

مفتوح نو مسلموں کا وفد مدینہ منورہ کو :-

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی حنیفہ کے ایک گروہ کو وفد کی حیثیت سے امیر المومنین کے

حضور میں اپنے عریضہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا جس میں مسیلمہ کے مارے جانے اہل یمامہ پر فتح پانے، معاہدہ صلح حرت ہونے اور بنی حنیفہ کے از سر نو اسلام لانے کا مفصل حال درج تھا۔ امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ یہ اہل وفد کو بحال عزت باریاب فرمایا اور ان لوگوں سے مسیلمہ کی من گھڑت وحی کا کلام سنا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا واللہ یہ خالق ارض و سماء کا کلام نہیں ہو سکتا وہ ذات بے ہمتاہم قسم کے عیوب سے پاک و منزہ ہے اس کے بعد امیر المؤمنین نے اہل وفد سے فرمایا جو اپنی قوم میں رہو اور اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دو۔ جس سے اللہ اور اس کا رسول برحق خوش ہوں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا عتاب فرزند گرامی پر :-

اس معرکہ میں جس طرح خلیفہ لول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فرزند گرامی حضرت عبدالرحمن شریک ہوئے اسی طرح خلیفہ ثانی امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ جناب عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک غزا تھے۔ جب لشکر اسلام مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبداللہ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا ”یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا (حضرت زید بن خطابؓ) تو شہید ہو اور تم زندہ رہو؟ تم زیدؓ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے؟ کیا تمہیں شہادت کا شوق نہ تھا؟“ جناب عبداللہ نے عرض کیا اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی ان کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی تمنائے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا۔

صحابہ کرامؓ جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے :-

جنگ یمامہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے۔ لکن اثیر نے ان میں سے مندرجہ ذیل انتالیس حضرات کے اسمائے گرامی قلمبند کئے ہیں (1) حضرت عباد بن بشر انصاری اشہلی جو غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے۔ (2) عباد بن حارث انصاری جو جنگ احد میں شریک تھے۔ (3) عمیر ابن اوس شریک احد۔ (4) عامر بن ثعلبہ بن سلمہ انصاری (5) عمارہ ابن حزم انصاری جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ (6) علی بن عبید اللہ بن حارث۔ (7) عائد بن ماعص انصاری۔ (8) فروہ بن نعمان جو جنگ احد میں شریک تھے۔ (9) قیس بن حارث بن عدی انصاری شریک جنگ احد۔ (10) سعد بن جہاز انصاری شریک غزوہ احد۔ (11) ابو دجانہ انصاری بدری۔ (12) سلمہ بن مسعود ابن سنان انصاری۔ (13) سائب

بن عثمان ابن مظعون جو ماجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے۔ (14) سائب ابن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹی بھائی تھے۔ (15) طفل ابن عمرو الدوسی شریک غزوہ خیبر۔ (16) زرارہ ابن قیس انصاری۔ (17) مالک ابن عمرو سلمی بدری۔ (18) مالک ابن اُمیہ سلمی بدری۔ (19) مالک ابن عوس ابن عتیک انصاری جو احد میں شریک تھے۔ (20) معن ابن عدی جو عقبہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (21) مسعود ابن سنان اسود شریک غزوہ احد۔ (22) نعمان ابن عصر بدری۔ (23) صفوان۔ (24) اور مالک عمرو سلمی کے بیٹے جو بدری تھے۔ (25) ضرار ابن ازور اسدی جنہوں نے خالدؓ کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ (26) عبد اللہ بن حارث سمی۔ (27) عبد اللہ ابن مخرمہ بن عبد العزی جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (28) عبد اللہ ابن عبد اللہ بن ابی ابن سلول (مشہور منافق کے بیٹے) جو بدری تھے۔ (29) عبد اللہ ابن عتیک انصاری بدری۔ (30) شجاع بن ابی وہب اسدی بدری۔ (31) ہریم ابن عبد اللہ مطہلی قرشی اور (32) ان کے بھائی جناہ۔ (33) ولید ابن عبد شمس بن مغیرہ مخزومی جو خالدؓ کے عم زاد بھائی تھے۔ (34) ورقہ ابن لیاث بن عمرو انصاری بدری۔ (35) یزید ابن اوس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ (36) ابو حبہ ابن غزیہ انصاری جو احد میں موجود تھے۔ (37) عقیل بلوی بدری۔ (38) ابو قیس ابن حارث سمی جو ماجرین حبش میں داخل اور جنگ احد میں شریک تھے۔ (39) یزید بن ثابت جو زید ابن ثابت انصاری کے بھائی تھے رضی اللہ عنہم۔

علامہ بلاذری نے جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہؓ کے ماموں اور بدری صحابی ہیں اور ان کے غلام ابو عبد اللہ سالم اور بعض دوسرے حضرات کے نام بھی پائے جاتے ہیں اسی طرح بعض مورخین نے چند اور نام بھی بتائے ہیں۔

سجاح بنت حارث تمیمیہ

جس طرح موسم برسات کے آغاز میں بسیلہ مرض پر طرح طرح کی نئی مخلوق ظاہر ہونے لگتی ہے، سیکڑوں قسم کے کبڑے، کھوڑے، بوہر، ٹوہر، ریگلتے دکھائی دیتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں پتھے فحشے محیطہ پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم جب قصر نبوت کی تکمیل فرما کر اس خراب کلبہ عالم صوری سے لو جھل ہوئے، بیسیوں، ہوا پرست مدعی اٹھ کھڑے ہوئے اور بہوں نے خود ساختہ نبوت کی دکانیں کھول کر اپنے تقدس کی ذلتی جہنی شروع کر دی۔ سجاح بھی انہی برساتی نیوں میں سے ایک نبیہ تھی جسے مسیلمہ کذاب کی دیکھا دیکھی نبوت کی دکان آرائی کا حوصلہ ہوا۔ بعض مؤرخوں نے اسے سجاح بنت حارث بن ضوید بن حصان لکھا ہے دوسروں نے اسے سوید بن ربیع کی دختر قرار دیا ہے۔ اہواز کے قبیلہ بنی تمیم میں پیدا ہوئی اور اس کا نشوونما عرب کے شمال مشرق میں اس سر زمین میں ہوا جو آجکل عراق عرب کہلاتا ہے اور شاید اسی کو دو دریاؤں دجلہ و فرات کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے الجزیرہ بھی کہتے ہیں۔ سجاح مذہباً عیسائی اور نہایت فصیحہ و بلیغہ اور بلند حوصلہ عورت تھی۔ اسے تقریر و گویائی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا اور جدتِ فہم، جودتِ طبع اور صلاحاتِ رائے میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے زمانہ کی مشہور کاہنہ تھی اور کہا کرتی تھی کہ میری اور سلح کی ایک ہی رائے ہے اور ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ ابھی شباب کا عالم اور دل ربائی کا زمانہ تھا اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ صفات ایسے نہ تھے جو کسی کی صید انگلی ناکام و بے مراد رہتے۔

دعویٰ نبوت :-

جب سجاح نے اپنی ہونہار فطرت پر نظر کی اور دیکھا کہ مسیلمہ نے ہستر پیری پر دعویٰ نبوت کر کے اتنا عروج و اقتدار حاصل کر لیا ہے اسے بھی اپنے جوہر خدا داد سے فائدہ اٹھا کر کچھ کرنا چاہئے تو مسیلمہ کی طرح نبوت کا کاروبار جاری کرنے کے قضیہ پر غور کرنے لگی۔ آخر جو نبی سید العرب و الخیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر وفات سنی نبوت اور وحی الہی کی دعویٰ دار بن بیٹھی۔ سب سے پہلے بنی تغلب نے اس کی نبوت کو تسلیم کیا جن کی وجہ سے اس میں ایک گونہ قوت آگئی۔ بذیل بن عمران جو بنو تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا۔ دین مسیحی چھوڑ کر سجاح پر ایمان لے لیا۔ سجاح کو جب اتنی قوت حاصل ہو گئی تو اس نے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ

سمیع و متعابرتوں میں خطوط لکھ لکھ کر تمام قبائل عرب کو اپنے کیش جدید کی دعوت دی۔ جن کی وجہ سے صد ہا عرب نعمت اسلام سے محروم ہو کر ہادیہ جہالت و ہادیہ ضلالت میں سرگردان ہونے لگے۔ مالک ابن ہبیرہ رئیس بنی تمیم کے نام بھی ایک خط لکھا تھا۔ وہ اس مکتوب کی فصاحت و بلاغت سن کر اس کا گرویدہ ہو گیا۔ سر آنکھوں پر چل کر جبہ سا ہوا اور ترک اسلام کر کے مرتد ہو گیا۔ بہت سے دوسرے قبائل بھی ترک اسلام کر کے سجاح کے حلقہ بگوش ہو گئے جن میں احصاء بن قیس اور حارث بن بدر جیسے معزز شرفاء اس کی حمایت میں نمایاں سرگرمی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد زیادہ لن ہلال بنی لیاد کے لوگوں کے ساتھ، عقدہ ابن ہلال، بنی نمر کے ساتھ سلیم بن قیس لن شیبان کی معیت میں اس کے لشکر میں شامل ہوئے اور سجاح کے جھنڈے تلے ایک لشکر جہاد جمع ہو گیا اس لئے اب وہ اپنے سب سے بڑے دشمن یعنی اسلام کے (معاذ اللہ) قلع قح کی تدبیریں سوچنے لگی۔ حضرت سید العرب و انجم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت قبیلہ بنی تمیم کے اندر اسلامی عمال اس تفصیل سے تھے۔ قبائل رباب، عوف اور انباء میں زہر قان بن بدر قبائل معاص اور بطلون میں قیس بن عاصم، عمرو بن صفوان بن صفوان، ہوا مالک میں وکیع بن مالک اور حظلہ میں مالک بن نویرہ۔ جب خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو صفوان صدقات بنی عمرو اور زہر قان رباب، انباء اور عوف کے صدقات لیکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے لیکن قیس ابن عاصم معاص و بطلون کے صدقات وصول کر کے مستقبل کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ باقی رہے وہ لوگ جو اسلام پر ثبات قدم تھے وہ ان لوگوں کے فتنہ و فساد میں الجھ گئے جو عواقب امور کا انتظار کر رہے تھے یا علانیہ مرتد ہو گئے تھے۔ اس اثناء میں سجاح بنت حارث نے بھی دعویٰ نبوت کے ساتھ خردی کیا اور اپنے پیروؤں کو لئے ہوئے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کو چلی۔

عروج و اقبال کا دور :-

بنی تمیم میں اختلاف تو پہلے ہی تھا سجاح کے خروج نے آگ پر تیل کا کام دیا۔ مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کر لی اور اسے مدینہ پر فوج کشی کرنے سے روکا اور کہا کہ آپ سر دست مسلمانوں سے کسی طرح عہدہ نہ آئیں ہو سکتیں۔ اس لئے سجاح نے مسلمانوں سے الجھنے سے پیشتر عربوں کو باہم لڑانے اور غیر مسلم اعداء سے نمٹنے کی صلاح ٹھہرائی۔ مالک بن نویرہ نے اسے بنی تمیم پر حملہ کرنے کی تحریک کی۔ سجاح کا لشکر سیل کی طرح بنی تمیم پر پڑا۔ بنی تمیم سجاح کے حملہ کی تاب نہ لا کر بے اوسان بھاگے اور وکیع بن مالک سجاح سے مل گیا۔ البتہ

قبائل بنی رباب اور ضبہ نے متفق ہو کر سباج کا خوب جم کر مقابلہ کیا۔ ایک گھسان کارن پڑا جس میں سباج کو ہزیمت ہوئی اور اس کے کئی زبردست اور کار آزمودہ افسر گرفتار ہو گئے لیکن اس کے بعد دونوں قبیلوں نے سباج سے مصالحت کر لی۔ اب سباج اپنی سابق قرارداد کے بموجب اپنا لاؤ لشکر لئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ جب نباح کے مقام پر پہنچی تو اس بن خزیمہ نے بنی عمرو کو لیکر راستہ ہی میں اس پر حملہ کر دیا۔ فریقین میں بڑا بھاری رن پڑا۔ سباج کے پیروؤں میں سے ہذیل اور عقبہ گرفتار ہو گئے لیکن پر فن سباج کی حکمت عملی کامیاب ہوئی اور فریقین نے ان شرفیلا پر کہ لوس بن خزیمہ سباج کے قیدیوں کو چھوڑ دے اور سباج بلاد اوس میں کسی قسم کی دست درازی نہ کرے مصالحت کر لی۔ اس واقعہ کے بعد مالک بن نویرہ اور وکیع بن مالک اس سے علیحدہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے۔ سباج نے انہیں باز رکھنے کی بہتری کوششیں کیں لیکن بلاآخر ان کی لات سے دست بردار ہونا پڑا۔

سباج کی فوج کشی یمامہ پر :-

سباج نے اسی رات ایک مجمع عبارت تید کی اور صبح کے وقت فوج کے سرداروں کو جمع کر کے کہنے لگی کہ اب میں وحی الہی کی ہدایت کے بموجب یمامہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں۔ یمامہ وہ جگہ تھی جہاں مسلمانوں کا مشہور مدعی نبوت کو سنا دلا غیر جارہا تھا۔ سباج فوج کثیر کے ساتھ ارض یمامہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر امیر المؤمنین ابو بکر صدیق نے حضرت خالد بن ولید کو ایک لشکر جبار کے ساتھ سباج کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ شرجیل بن حسنہ اور حضرت عکرمہ بن ابیل جمل بھی ساتھ تھے۔ خالد آگے بڑھے تو خبر ملی کہ اسلام کے دو مشترکہ دشمن باہم نبرد آزما ہونے کو ہیں تو وہاں سے پیچھے ہٹ آئے۔

جب مسلمانوں کو سباج کے دعویٰ نبوت اور اس کے لشکر کے سر پر آپہنچنے کی اطلاع ملی تو اس کی کشتی خاطر دریائے اضطراب میں ہچکولے کھانے لگی۔ مسلمانوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر سباج سے تعرض کیا جائے گا اور اس سے ٹڈبھیرا کی ٹوٹ آئے گی تو ادھر ثمامہ بن اثال یمامہ میں اس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرے گا اور دوسری طرف شرجیل بن حسنہ بھی عساکر اسلام کو لیکر شیخون اور عہد عمری پر آمادہ ہو جائیں گے اس لئے اس نے آج کل یورپین قوموں کی طرح حرب و پیکار کے بجائے عیاری و کیادی سے کام لینا چاہا چنانچہ سباج کے پاس ہدایا و نفائیس بھیج کر اس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا اور کہلوا بھیجا کہ پہلے عرب کے کل بلاد نصف ہمارے تھے اور نصف قریش کے لیکن چونکہ قریش نے بد عمدی کی اس لئے وہ نصف تمہیں دیتا ہوں اور یہ بھی پیغام دیا کہ مجھے آپ کی ملاقات کا کمال اشتیاق ہے اگر حاضری کی اجازت ہو تو بخودی ذرہ نوازی ہوگی۔

سبحان نے ملاقات کی اجازت دی۔

عشق و محبت کی کمند میں پھانسنے کی تدبیر :-

میسلمہ بنی حنیفہ کے چالیس ہوشیار پیردوں کو ساتھ لیکر سبحان کے پاس پہنچا اور بڑے تپاک اور الفت سے ملا اس کی صورت و سیرت اور صحبت و ملاحظت کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اور حالات گرد و پیش کا اندازہ کر کے یقین ہو گیا کہ اس سے جنگ و جدال کے ذریعے سے پیش پانا دشوار ہے عورت ذات عشق و محبت کے کمند میں پھنسا کر ہی رام کی جاسکے گی میسلمہ نے سبحان سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں اور میرے خیمہ تک تشریف لے جا کر مجھے سرفراز فرمائیں وہیں پہنچ کر میں آپ کی رنگین بیانی سے فائدہ اٹھاؤں گا اور اسی مقام پر ہم دونوں اپنی اپنی نبوت کا تذکرہ درمیان میں لائیں گے۔ سبحان جو پیر ایہ حزم و دور اندیشی سے بالکل عاری تھی فوراً رضامند ہو گئی اور یہ بھی وعدہ کر لیا کہ دونوں کے آدمی خیمہ سے دور رہیں گے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کامیابی پر اس پیر فرتوت کی باچھیں کھل گئیں اور چشم دل حصول مقصد کے نور سے روشن ہو گئی۔ میسلمہ ملاقات کر کے واپس آیا اور جوش مسرت اور فرط انبساط سے پھولا جامے میں نہ سماتا تھا۔ حکم دیا کہ ایک نہایت خوش نما اور پر تکلف خیمہ فوراً نصب کیا جائے۔ اس حکم کی آناً فاناً تعمیل ہوئی۔ میسلمہ نے اس محبوب دنواز کا کشور دل فتح کرنے کے لئے اسے اعلیٰ قسم کے اسباب عشرت اور سامان زینت سے آراستہ کیا۔ انواع و اقسام کے عطریات مہیا کئے اور خیمہ کو ہر طرح سے ہنا چنا کے جملہ عروسی بنا دیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو حور طلعت سبحان بن سنور کے اور جو بن کعبہ کے حسن و لطافت کے پھول برساتی معشوقانہ انداز کے ساتھ خراماں خراماں آ پہنچی۔ میسلمہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا نہایت نرم اور گدگدے ریشمین گدیے پر بٹھایا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں شروع کیں۔ خوشبو کی لپٹوں نے سبحان کو مست و سرور کر دیا تھا۔ میسلمہ جانتا تھا کہ جب عورت خوشبو سے مست ہوتی ہے تو وہ مرد کی طرف جلد مائل ہوتی ہے اور گو میسلمہ اس وقت نہایت سن رسیدہ تھا لیکن اس کے قوی کچھ زیادہ مضحکہ نہ ہوئے تھے۔ میسلمہ نے کہا اگر جناب پر حال ہی میں کوئی وحی نازل ہوئی ہو تو سنائیے۔ سبحان بولی نہیں پہلے آپ اپنی وحی کے الفاظ سنائیں کیونکہ میں پھر بھی عورت ذات ہوں۔ اس جواب سے میسلمہ بھانپ گیا کہ سبحان میں نبوت کا حوصلہ اس کی نسبت بہت بہت ہے اور سبحان کی پیغمبری بھی اس کے دعوائے نبوت کی طرح محض ہٹلائی اور خانہ ساز ہے۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ :-

اب میسلہ اپنی نبوت سے محبت و عشق بازی کا کام لینے لگا اور بولا مجھ پر یہ وحی اتری ہے۔ ترجمہ :- کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ ان سے چلے پھرتے جاندار نکالتا ہے جو نکلنے وقت پردوں اور جھلیوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں چونکہ یہ وحی بہ مختصائے جولنی سبحاح کی نفسانی خواہشوں سے مطابقت رکھتی تھی شباب کی امتگوں نے گدگدانا شروع کیا۔ اور بولی اچھا کوئی لور وحی بھی سنائے۔ جب میسلہ نے دیکھا کہ اس نازنین نے اتنی نوک جھونک کو گولہ کر لیا لور بر اماننے کے جائے، خوش ہوئی تو اس کا حوصلہ لور بوحلہ تکلف، شرم لور جھک کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا اور کہنے لگا حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھی نازل فرمائی ہیں۔ اس شرمناک لور شہوت انگیز ایلٹسی وحی نے سبحاح پر پورا پورا اثر کیا۔ اب کیا تھا میسلہ کی منہ مانگی مراد پوری ہوئی۔ کہنے لگا سنو خدائے بر تر نے نصف زمین مجھے دی تھی اور نصف قریش کو مگر قریش نے نا انصافی کی جس کی وجہ سے رب العزت نے قریش سے ان کا نصف حصہ چھین کر تمہیں عطا کر دیا۔ لیکن کمال صدق و اخلاص سے کہتا ہوں کہ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ تم مجھے اپنی ہم نشینی کے لئے قبول کرو اور ہم تم دونوں باہم عقد کر لیں کیونکہ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے۔ اب اس کمزور ذل عورت پر میسلہ کا جادو پوری طرح چل چکا تھا۔ بولی مجھے منظور ہے۔ یہ حوصلہ افزا جواب سن کر میسلہ کے دل کا کنول کھل گیا اور دفور مسرت سے کہنے لگا پھر دیر کا ہے؟ آؤ ذرا گلے لگ جاؤ۔ اب گستاخی و بے حیائی کا حصول اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ میسلہ مندرجہ ذیل نشاط انگیز مسیح اور نہایت فحش اشعار زبان پر لایا۔ اس کے بعد چند ان سے بھی زیادہ فحش اشعار زبان پر لایا۔ سبحاح خوشبوؤں سے پہلے ہی بر ایجنٹ ہو چکی تھی۔ فواہشات نے اسے اور بھی دد آتشہ کر دیا۔ چنانچہ نظام حواس در ہم بر ہم ہو گیا اور شرم کی آنکھیں ہمہ ہو گئیں ہوائے دل ہوس راشد عتال گیر تھکیب از سینہ سردوں جست چوں تیر۔ آخر بے حیائی کا منہ کھول کر بے خود وار کہنے لگی اچھا اپنی خواہش جس طرح چاہو پوری کر لو۔ یہ سن کر میسلہ کا نخل امید بارور ہو اور نہایت مسرت کے لہجہ میں مسکرا کر کہنے لگا ہاں مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم ملا ہے۔ الغرض ہر دو شیخگان محبت نے ”میاں ہیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی“ کے مشہور مقولہ پر عمل کر کے باہمی رضامندی سے چٹ منگنی پٹ بیاہ کی مثل پوری کر دکھائی لور بغیر کسی کو اطلاع کئے اندر ہی اندر باہم عقد کر لیا۔

دلہاد لہن بساط عیش پر :-

باہر دونوں مدعیان نبوت کے پیر و انجام ملاقات معلوم کرنے کیلئے چشم بہ راہ لور گوش بر گواز
نے ہوئے تھے لور خوش اعتقاد امتی یہ گمان کر رہے تھے کہ ہر مسئلہ پر بہت کچھ ردو قدح ہو رہی
ہوگی لور عث و اختلاف کے تصفیہ کے لئے وحی خداوندی کا انتظار کیا جاتا ہوگا مگر یہاں دونوں پر
شوق دلہاد لہن بساط نشاط لور سریر طرب پر بیٹھے بہار کامرانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ شوق وصال
اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک باہر نہ نکلے خصوصاً مسیلمہ کی بلند طالعی کا کیا کہنا ہے کہ جسے
آفتاب حیات کے لب بام آنے پر بھی سجاج جیسی ہمایہ محبوبہ گلغذاری کی دولت وصل میسر ہوئی لور
جس نے اس پیر فرتوت کے مردہ دل کو حیات تازہ حش دی لور اس نیرنگ ساز کی قدرت کے
کرشمے دیکھو کہ جس نے دشمن خونخوار کو محبوب دلنواز کی حیثیت سے پہلو میں لائے تھلایا۔

سجاج کا مہر

جب تین روز کے بعد ارمان مہرے دلوں کی آرزوئیں پوری ہو گئیں تو سجاج اپنی نبوت کو
خاک میں ملا کر اور مسیلمہ سے شکست کھا کر عرق انفعال میں ڈوبی اپنے لشکر میں واپس آئی۔ اس
کے سرداروں لور فوجیوں نے جن کے صبر و انتظار کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا صورت دیکھتے ہی پوچھا
کہ مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بھی نبی برحق ہے۔ میں نے اس کی نبوت تسلیم
کر کے اس سے نکاح کر لیا کیونکہ تمہاری مرسلہ کو ایک مرسل کی اشد ضرورت تھی۔ انہوں
نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ مہر کیا قرار پایا! سجاج نے شرمگین آنکھیں نیچی کر لیں۔ نادم چہرہ
زمین کی طرف جھک گیا اور نہایت سادگی کے عالم میں کہنے لگی کہ میں مسیلمہ سے یہ بات پوچھنا تو
بھول ہی گئی۔ مقتدوں نے بصد نیاز عرض کیا حضور بہتر ہے کہ آپ اسی وقت تشریف لے جا کر
اپنے مہر کا تصفیہ کر لیجئے کیونکہ کوئی عورت مہر کے بغیر اپنے آپ کو کسی کی زوجیت میں نہیں
دیتی۔ سجاج جو اپنا جوہر عصمت بے داموں بیچ چکی تھی ان کے بھجور کرنے سے اسی وقت نخلت
زدہ پٹی لیکن اس اثناء میں مسیلمہ نہایت شتاب زدگی کے ساتھ رخصت ہو کر اپنے قلعہ میں
متحصن ہو چکا تھا لور دروازے بند کر لئے تھے۔ وہ دل میں اس بات پہ سما ہوا تھا کہ مبادا سجاج کے
پیر و اس عقد کو اپنی توہین خیال کر کے اس پر یورش کر دیں۔ سجاج قلعہ پر پہنچی۔ جب دروازے
پر پہنچ کر اطلاع کرائی تو مسیلمہ کو اس قدر خوف و داعبیر ہو رہا تھا کہ اسے باہر آنے کی جرات نہ
ہوئی۔ چھت پر آکر سامنے کھڑا ہوا لور پوچھا اب کس لئے آنا ہوا؟ سجاج کہنے لگی مجھ سے نکاح تو
ہوا مگر میرا مہر تو ہتاؤ۔ مسیلمہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ منادی کر دو کہ محمد (صلی اللہ علیہ

و سلم) خدا کے پاس سے پانچ نمازیں لائے تھے رب العزت نے ان میں سے عشاء اور صبح کی دو نمازیں مومنوں کو سجاہ کے مہر میں معاف کر دیں۔

سجاہ یہ مہر پا کر واپس چلی تو اس کے اصحاب کبلا میں سے عطاء لن حاجب، عمرو لن ابہم، غیلان لن خرشہ اور اس کا موذن شیت بن ربیع نہایت خاموش اور شرمسرا کے ہمراہ رکاب جا رہے تھے۔ عطاءن حاجب نے اپنی حالت پر غور کیا تو اسے استعجاب سا معلوم ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔

بہدی پیغمبر عورت ہے جسے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں حالانکہ اور لوگوں کے پیغمبر مرد ہوتے ہیں۔
شرائط صلح :-

مسلّم سے صلح تو ہو گئی تھی۔ دوسرے دن شرائط صلح کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ مسلّم نے کہا میں تمہیں علاقہ یمامہ کے ایک سال کے محاصل دیتا ہوں۔ نصف تواب لے لو اور باقی نصف کیلئے اپنا کوئی عمدہ چھوڑ جاؤ۔ سجاہ نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنے معتمدین میں سے ذیل، عقبہ اور زیاد کو یمامہ میں چھوڑ کر اپنا لاؤ لشکر لئے جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہو گئی۔ اتفاق سے حضرت خالد بن ولیدؓ اسلامی لشکر لئے ہوئے اس سے سر راہ ملائی ہوئے۔ سجاہ کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی بدحواس ہو کر بھاگی اور خود سجاہ جزیرہ میں جا کر مقیم ہو گئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ علم اسلامی لئے ہوئے یمامہ پہنچے۔ مسلّم قتل ہوا جن لوگوں کو سجاہ ملک کی نصف آمدنی وصول کرنے کیلئے یمامہ چھوڑ گئی تھی وہ پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

سجاہ کا قبول اسلام :-

سجاہ کے بہت سے سمجھ دار امتی نکاح کے واقع سے بد اعتقاد ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے۔ اس دن سے اس کی جمعیت میں جائے ترقی کے انحطاط شروع ہو چلا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے دار الخلافہ مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال ہمیشہ کیلئے دل سے نکال دیا۔ آخر کار وہ قبیلہ بنی تغلب میں جس سے وہ نامتاس قرابت رکھتی تھی رہ کر امن و امان اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ یہاں تک کہ جب حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا جس میں انہوں نے بنی تغلب کو بصرہ میں آباد کر لیا۔ سجاہ بھی ان کے ہمراہ بصرہ میں آگئی اور اس نے اور اس کی ساری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ سجاہ سے مسلمان ہونے کے بعد پوری دینداری اور پرہیزگاری ظاہر ہو گئی اور اس نے اسی حالت میں تو سن حیات کی باگ ملک آخرت کو پھیر دی۔ حضرت سرہ لن جنابؓ نے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم تھے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (ابن اثیر، لکن خلدون الدعاة 12)

مختار ابن ابو عبید ثقفی

فصل 1- خارجی سے شیعہ بننے کے اسباب

(مختار کے والد حضرت ابو عبید لکن مسعود ثقفی جلیل القدر صحابہ میں سے تھے مگر یہ خود فیض یاب خدمت نہ تھا لیکن اس کا ظاہر باطن سے متعارف اور افعال و اعمال تقویٰ سے عاری تھے۔ اوائل میں خارجی المذہب تھا اور اسے اہل بیعت نبوت سے جو بغض و عناد تھا اس کا اندازہ اس تحریک و تجویز سے ہو سکتا ہے جو اس نے حضرت امام حسن مجتبیٰ عنہ کے خلاف اپنے چچا کے سامنے پیش کی تھی)

امام حسن مجتبیٰ پر قاتلانہ حملہ :-

اس جمال کی تفصیل یہ ہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ صغیر سے مراجعت فرمائے۔ بعد از سر نو تجمیر لشکر میں مصروف ہو گئے تھے اور چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عہد کیا تھا کہ تادمت العمر حضرت خلافت مآب کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ بعد میں یہ لوگ شیعان علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت امیر المومنین علی شام کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ کو کوفہ میں جبرہ شہادت پلا کر ردضہ رضوان میں پہنچا دیا گیا۔ جناب علی مرتضیٰ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت حسن مجتبیٰ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس وقت جناب حسن مجتبیٰ نے بیعت کرنے والوں سے یہ شرط کی کہ وہ لوگ ہر حالت میں اطاعت پذیر رہیں گے جس سے صلح کروں اس سے صلح کریں گے اور جس سے جنگ کروں اس سے جنگ آزما ہوں گے۔ اس شرط پر شیعان علی آپ کی طرف سے بدگمان ہو گئے اور کہنے لگے ”یہ ہمارے مفید مطلب نہیں ہیں کیونکہ ان کا ارادہ جنگ آزما ہونے کا ہی معلوم نہیں ہوتا“ حضرت حسن کی بیعت کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک شیعہ صاحب نے آپ پر برہمی کا وار کر دیا جو اوچھا پڑا۔ آپ زخمی ہوئے مگر چل گئے۔ حضرت امام حسن شیعان علی کی اس شقاوت پسندی پر سخت ملول ہوئے لیکن ضبط و تحمل سے کام لیکر خاموش ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد 6 ص 3)

حضرت حسن مجتبیٰ کا مال و اسباب لوٹ لیا :-

اس اثناء میں آپ کو اطلاع ملی کہ امیر معاویہ فوج گراں کے ساتھ دار الخلافہ کوفہ پر حملہ آور ہونے کیلئے شام سے چل پڑے ہیں۔ یہ سنتے ہی امام حسن مجتبیٰ بھی اس لشکر کی معیت میں جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر معاویہ کے مقابلے کیلئے روانہ ہو گئے۔ جب امیر معاویہ کی فوج مسکن کے مقام پر پہنچی تو امام حسن نے اس وقت مدائن میں نزول اجلال فرمایا۔ جناب حسن نے حضرت سعد بن عبدوہ انصاریؓ کے صاحبزادہ قیسؓ کو بارہ ہزار فوج کے مقدمہ انگیز کا سردار بنا کر لشکر شام کے مقابلے میں روانہ فرمایا۔ خود امام حسنؓ ابھی مدائن ہی میں اقامت گزیرے تھے کہ کسی نے بکولہ بلبلہ پکھڑ دیا کہ ”قیسؓ لکن شہید ہو گئے یہاں سے بھاگ چلو“ یہ سنتے ہی شیعان علیؓ جناب حسن مجتبیٰ کے خیمہ میں گھس گئے اور آپ کا مال و اسباب لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اسے بھی آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔ حضرت حسن مجتبیٰ بے یار و مددگار مدائن کے منصورہ بیضاء میں جا پہنچے گزیرے ہوئے۔

امام حسنؓ کو گرفتار کر کے امیر معاویہؓ کے حوالے کر نیکی ترغیب :-

ان دنوں حضرت ابو عبیدہ ابن مسعود ثقفی کے بھائی سعد ابن مسعود ثقفی مدائن کے حاکم تھے اور مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی بھی جس کا نام زیب عنوان ہے، مدائن میں تھا۔ حضرت حسنؓ کو عالم بے کسی میں دیکھ کر اپنے چچا سعد ابن مسعود ثقفی سے کہنے لگا کہ چچا صاحب! اگر آپ کو ترقی جاہ و اقتدار کی خواہش ہو تو میں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ جناب سعد نے کہا وہ کیا ہے؟ بولا حسن بن علیؓ تنہا ہیں۔ ان کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ چچا نے کہا ”خدا تجھ پر لعنت کرے کیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند پر حملہ کروں اور ان کو گرفتار کر لوں؟ بہت ہی برا آدمی ہے جب جگر گوشہ رسولؐ نے حضرات شیعہ کی ”شفقتیں“ دیکھیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پایا تو مجبوراً امیر معاویہؓ سے مصالحت کر کے ان کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے“

مختار کی تبدیلی مذہب :-

جن ایام میں مختار نے اپنے چچا کو حضرت حسن مجتبیٰ کی گرفتاری کا شرمناک مشورہ دیکر اپنی مکارانہ ذہنیت کا ثبوت دیا تھا۔ ان دنوں وہ خارجی مذہب کا پیرو تھا اور اہل بیت نبوت سے سخت عناد رکھتا تھا لیکن امام حسینؓ کی شہادت کے واقعہ ہائلہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مسلمان کربلا کے قیامت خیز واقعات سے سخت سینہ ریش ہو رہے ہیں اور استمالت قلوب کا یہ

بہترین موقع ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ اہل بیت کا بغض و عناد اس کے بام ترقی پر پہنچنے میں سخت حائل ہے تو اس نے خارجی پنہ سے دست بردار ہو کر حب اہل بیت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔ ان ایام میں وہ نفعاً نام ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھا۔ جب سنا کہ امام حسینؑ کے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو فہ میں آئے ہیں تو وہ اپنے ہوا خواہوں کو لیکر کوفہ پہنچا۔ عبید اللہ ابن زیاد نے جو زید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا عمرو ابن حریث نامی ایک شخص کو جھنڈا دیکر کوفہ کی جامع مسجد میں بٹھار کھا تھا۔ مسجد میں پہنچ کر مختار پر کچھ بدحواسی سی طاری ہو گئی اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے یہ دیکھ کر عمرو ابن حریث نے اس کو اپنے پاس بلایا اور امان دی۔ جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی تھی کہ مختار مسلم بن عقیل کی مدد کیلئے آیا ہے۔ اس نے مختار کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو کہنے لگا کہ کیا تم وہی شخص ہو جو ابن عقیل کیلئے جماعتیں لیکر آئے ہو؟ مختار نے کہا ہرگز نہیں میں تو یہاں آکر عمرو کے جھنڈے تلے مقیم ہوں۔ گو عمرو ابن حریث نے اس کی تصدیق کی مگر ابن زیاد نے اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ اس کی آنکھ زخمی ہو گئی اور کہنے لگا اگر عمرو کی شہادت نہ ہوتی تو میں تم کو خنجر خونخوار کی نذر کر دیتا اس کے بعد مختار کو قید کر دیا۔ اس سے پیشتر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مختار کی بہن صفیہ بنت ابو عبیدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ مختار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی طرح میری رہائی کی کوشش فرمائیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کے پاس اس کی سفارش کی۔ یزید نے عبید اللہ کے نام فرمان بھیجا کہ مختار کو چھوڑ دیا جائے۔ عبید اللہ ابن زیاد نے اسے چھوڑ دیا مگر یہ حکم کہ تین دن کے اندر کوفہ سے چل دو۔ مختار کوفہ سے بڑی ہو کر حجاز کی طرف چلا گیا۔

ابن زیاد سے انتقام لینے کا عہد :-

جب مختار واقعہ سے آگے بڑھا تو ابن عرق سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے آنکھ کا حال دریافت کیا۔ مختار نے کہا کہ ایک زانیہ کے بچے نے اس کو مجروح کر دیا ہے پھر قسم کھائی کہ خدا مجھے ہلاک کرے اگر میں ابن زیاد کے جسم کے تمام جوڑ الگ الگ نہ کر دوں۔ اس کے بعد کہنے لگا تم عنقریب سن لو گے کہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں اور شہید مظلوم سید المسلمین، ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حسینؑ ابن علیؑ کے خون کا انتقام طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد کہنے لگا ”خدا کی قسم! میں حسینؑ مظلوم کے بدلے میں اتنے ہی آدمیوں کی جانیں لوں گا۔ جس قدر کہ بچی ابن زکریا علیہا السلام کے خون کے بدلے قتل ہوئے تھے“ یہ کہہ کر مختار دہاں سے چل دیا اور ابن عرق جو حیرت رہ گیا یہاں سے مختار نے مکہ معظمہ جا کر کچھ عرصہ تک اقامت کی اور یزید کی موت کے بعد جب اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے

ہاتھ پر بیعت کی تو لکن زبیرؓ کے پاس مزید پانچ مہینہ تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا اور جب دیکھا کہ لکن زبیرؓ اس سے کسی کام میں اعانت نہیں چاہتے تو اس نے یہ کارروائی شروع کی کہ اہل کوفہ میں جو کوئی لکن زبیرؓ کے پاس آتا اس سے اہل کوفہ کے خیالات و اسیال کا حال دریافت کرنے لگتا چنانچہ ایک دن وہاں کے ایک سربرآوردہ شخص نے بتایا کہ گو اہل کوفہ حضرت لکن زبیرؓ کی اطاعت میں راسخ قدم ہیں لیکن ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے اگر کوئی شخص ان کی رائے کے مطابق ان کو مجتمع کرے تو تھوڑے ہی عرصہ میں روئے زمین کو فوج کر سکتا ہے۔ مختار نے کہا خدا کی قسم! میں اس کام کیلئے موزوں ترین شخص ہوں ان کے ذریعہ شہسوار ابن بطل کو مغلوب کروں گا اور ہر گردن فراز سرکش کی گردن توڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کوفہ کی راہ لی۔ اثناے سفر میں جن جن لوگوں میں سے گزرتا ان کو سلام کر کے کہتا کہ تم کو نصرت و کشتائش کار مبارک ہو۔ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تمہیں مل گیا ہے۔ ہو کندہ، ہو ہند، ہو ہمدان وغیرہ قبائل میں جا کر بیان کیا کہ ”مجھے وصی کے بیٹے مہدی نے (یعنی حضرت محمد بن حنفیہؓ نے جو امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادہ تھے) تم لوگوں کے پاس امین، وزیر، شیخ اور امیر بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا کہ ملحدین کو قتل کروں اہل بیت اطہار کے خون کا انتقام لوں اور ضعفاء کو جاہلوں کے پنجہ ظلم سے نجات دلاؤں لہذا تم لوگوں کا فرض ہے کہ قبول دعوت کا شرف اولیت حاصل کرو۔ ان قبائل نے اس دعوت کو لبیک کہا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

فصل 2- ولایت کوفہ کو زیر نگین کر نیکی جوڑ توڑ

کربلا کے خونین حوادث کے بعد عمرو لکن حریت کوفہ میں لکن زیاد کا قاتل تھا اور خود لکن زیاد بصرہ میں رہتا تھا۔ جب 64ھ میں یزید اور اموی حکومت کا ڈھچکا پڑ گیا تو اہل کوفہ نے عمرو لکن حریت کوفہ کی حکومت سے برطرف کر کے حضرت عبداللہ لکن زبیرؓ سے بیعت کر لی۔ جنہوں نے یزید کے بعد حجاز اور عراق کی عنان فرما کر والی اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ جب یزید کو طعمہ اجل ہوئے چھ مہینے کا عرصہ گزر گیا تو وسط رمضان میں مختار کوفہ پہنچا۔ اس کے ایک ہفتے بعد حضرت عبداللہ لکن زبیرؓ کی طرف سے عبداللہ لکن یزید انصاری کوفہ کے امیر اور ابراہیم لکن محمد لکن طلحہ خراج کوفہ کے والی مقرر ہو کر کوفہ پہنچے۔ مختار نے اہل کوفہ کو قاتلین امام حسینؓ سے جنگ آزما ہونے کی دعوت دینی شروع کی اور کہا کہ میں محمد بن حنفیہؓ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ مختار کوفہ کے محلوں اور مسجدوں میں جاتا اور امام حسینؓ اور دوسرے اہل بیت اطہار کے مصائب ذکر کر کے سوسے بہانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک جڑ پکڑنے لگی اور رجوع خلائق شروع ہوا عبداللہ بن یزید انصاری حاکم کوفہ کو بتایا گیا کہ مختار ایک بڑی جمعیت

بہم پہنچا کر کوفہ پر قبضہ کیا چاہتا ہے عبد اللہ نے کہا کہ یہ خیال محض سوء ظن پر مبنی ہے۔ مختار امام حسینؑ کے خون کا مطالبہ کرتا ہے خدا اس پر رحم کرے اس کو چاہئے کہ علانیہ اپنی جمعیت کے ساتھ نکلے اور انہن زیاد اور دوسرے قاتلین حسینؑ کا قلع قمع کر دے اور اگر انہن زیاد مختار سے برسرِ مقابلہ ہوا تو میں مختار کی ہر طرح سے امداد کروں گا۔

مختار کی اسیری و رہائی :-

چند روز کے بعد بعض اشراف کوفہ نے عبد اللہ ابن یزید انصاری اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ کو بتایا کہ مختار خود تم لوگوں پر شہر ہی کے اندر حملہ کرنا چاہتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دو اور ساتھ ہی مجبوس نہ کرنے کے انجام بد سے متنبہ کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے مختار کو مجلس میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد مختار نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے پاس جن کے گھر میں اس کی ہمیشہ تھی پیغام بھیجا کہ میں مظلوم اور مقید ہوں۔ عبد اللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن طلحہ سے سفارش کر کے مجھے نجس سے نکلو ایسے حضرت ابن عمرؓ نے ان دونوں کو اس کیلئے لکھ دیا اور انہوں نے ان کی سفارش قبول کر کے مختار کو قید سے مخلصی بخشی لیکن رہا کرتے وقت اس سے حلف لے لیا کہ پھر کبھی حیلہ جوئی اور بغاوت نہ کروں گا اور اگر ایسا کروں تو مجھ پر لازم ہو گا کہ بعبہ معلیٰ کے پاس جا کر ایک ہزار لونٹوں کی قربانی کروں اور اپنے تمام غلاموں اور لونٹوں کو آزاد کر دوں۔

حلف کی خلاف ورزی کا عزم صمیم :-

قید سے رہا ہونے کے بعد مختار اپنے ایک دوست سے کہنے لگا۔ ”ان کو خدا کی مار! یہ لوگ کیسے احمق ہیں وہ اپنی حماقت سے سمجھ رہے ہیں کہ میں ان سے وفا کروں گا۔ انہوں نے مجھ سے حلف اٹھوایا ہے لیکن اس حلف کو میں کبھی پورا نہ کروں گا۔ چنانچہ جب میں نے قسم کھائی تھی تو اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے پورا کرنے کی نسبت اس کا توڑنا صد ہزار درجہ بہتر ہے اور ان لوگوں سے تعرض نہ کرنے کے بجائے ان پر حملہ کرنا اشد ضروری ہے۔ رہا اونٹوں کی قربانی اور غلاموں کی آزادی کا مسئلہ، سو یہ میرے لئے تھوکنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ میری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ کسی طرح یہ کارِ عظیم و خطیر پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔ پھر خواہ میرے پاس ایک غلام بھی نہ رہے مجھے اس کی پروا نہیں۔ مختار کے پیروؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ جناب عبد اللہ ابن زبیرؓ نے عبد اللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد کو معزول کر کے ان کی جگہ عبد اللہ ابن مطہر کو عامل کوفہ مقرر کر دیا جیسے ہی عبد اللہ ابن مطہر نے کوفہ میں قدم رکھا

اسے کہا گیا کہ مختار کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ کوفہ پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ مختار کو قید کر کے اس کے فتنہ کا سدباب کر دیجئے۔“

ابن مطیع نے مختار کو بلا بھیجا مگر وہ ہماری کا حیلہ کر کے اس کی گرفت سے بچ گیا لیکن بے چارے ابن مطیع کو کیا معلوم تھا کہ یہ شخص تھوڑے ہی روز میں اس کے پرچم اقبال کو پامال کر دے گا۔

امام محمد ابن حنیفہؒ کے جعلی خط سے مطلب براری :-

ایک شخص نے مختار سے کہا کہ شرفائے کوفہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ ابن مطیع کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں۔ البتہ اگر ابراہیم ابن اشتر ہماری دعوت قبول کر لے تو اس کی وجہ سے ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ ایک بہادر سردار اور ایک شریف النفس باپ کا فرزند ہے اور اس کا قبیلہ بھی کثیر التعداد ہے۔ یہ سن کر مختار نے چند آدمی بھیج کر اس سے شریک کار ہونے کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے جا کر اس تعلق اور اُنس کو بھی کھول کر بیان کیا جو ابراہیم کے والد کو حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ میں امام حسینؑ اور ان کے اہل بیت کے خون کا انتقام لینے میں اس شرط پر تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں کہ مجھے ہی والی امر بنایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ آپ اس منصب کے اہل ہیں لیکن اس لحاظ سے کہ مختار ممدی (حضرت محمد بن حنیفہؒ) کی طرف سے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے اور وہی اس رزم و پیکار پر مامور ہوا ہے اور ہمیں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، تمہارے والی امر بنائے جانے کی کوئی سبیل نہیں۔ ابراہیم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔ اب مختار نے ابراہیم کے نام ایک جعلی خط لکھا اور تین دن کے توقف کے بعد خود دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لیکر ابراہیم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ دیکھئے! یہ امیر المؤمنین محمد بن علی (امام محمد بن حنیفہؒ) کا خط ہے۔ وہی ممدی جو خدا کے انبیاء و رسل کے بعد آج روئے زمین میں افضل ترین خلق ہیں اور اس جلیل القدر انسان کے صاحبزادہ ہیں جو کچھ عرصہ پیشتر صلیبی ہستی کا بہترین آدمی تھا۔ وہ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس کام میں مدد فرمائی جائے۔ ابراہیم نے وہ جعلی خط لیکر پڑھا اس میں لکھا تھا۔ منجانب محمد الممدی بنام محمد ابیہن مالک اشتر۔ سلام علیک۔ میں نے تم لوگوں کے پاس اپنا وزیر اور امین بھیج کر اس کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمن سے جنگ کرے اور میرے اہل بیت کے خون کا بدلہ لے۔ تم خود بھی اس کے ساتھ ہو جاؤ اور اپنے قبیلہ اور دوسرے اطاعت کیش لوگوں کو بھی لے جاؤ۔ اگر تم نے میری دعوت کو قبول کیا تو تم کو بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔ ابراہیم نے اس خط کو

پڑھ کر کہا کہ محمد ابن حنفیہ نے بارہا میرے پاس خط لکھے ہیں اور میں بھی ان کو خطوط لکھے ہیں۔ ان خطوط میں وہ ہمیشہ اپنا اور اپنے والد بنی کا نام (محمد بن علی) لکھتے رہے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس خط میں اپنی عادت مستمرہ کے خلاف اپنے والد محترم کے اسم گرامی کی جگہ اپنا لقب مہدی کیوں زیب رقم فرمایا؟ مختار کہنے لگا وہ زمانہ اور تھا یہ اور ہے۔ ابراہیم نے کہا پھر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ خط انہوں نے لکھوایا ہے؟ مختار کے تمام ساتھیوں نے اس کی شہادت دی کہ واقعی یہ خط حضرت محمد مہدی بنی نے بھیجا ہے۔ گو ان گواہوں کی وہی حیثیت تھی جو قادیانی ”معجزات“ کے شاہدان ”عدل“ کی ہوا کرتی تھی۔ تاہم ابراہیم کو انکار و استرداد کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ صدر فرس سے ہٹ کر مودب ہو بیٹھا اور مختار کو صدر جن کر اس سے بیعت کر لی۔ اب ابراہیم نے اپنے قبیلہ کے لوگوں اور دوسرے متعلقین کو بلایا۔ جب سب جمع ہو چکے، لائحہ عمل پر بحث ہوئی آخر قرار پایا کہ تاریخ 4 ربیع الاول 66ھ بمخشبہ کی رات کو خروج کریں۔

فصل 3: کوفہ کی تسخیر اور ولایتوں میں عمال کا تقرر

عبداللہ ابن مطیع کو معلوم ہو چکا تھا کہ مختار عنقریب حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے شرفائے شہر کی قیادت میں فوج اور پولیس کے آدمی بھیج کر شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اس انتظام کا مقصد یہ تھا کہ مختار اور اس کے پیرو خوف زدہ ہو کر خروج سے باز رہیں لیکن جو لوگ مکمل تیاریوں کے بعد رزم و پیکار کیلئے پھر رہے تھے وہ بھلا اس انتظام سے کیونکر مرعوب ہو سکتے تھے؟ اس اثناء میں مختار نے نواح کوفہ کے ایک مقام پر تمام حربی تیاریاں مکمل کر لیں۔ یوم معمود کو مختار طلوع فجر تک فوج کی ترتیب و آراستگی سے فارغ ہو گیا اور تڑکے ہی دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ دن بھر تلوار چلائی۔ آخر سرکاری فوج کو ہزیمت ہوئی اور مختار نے قصر لمارت کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین دن تک جاری رہا۔ جب ابن مطیع کی قوت مدافعت بالکل جواب دے بیٹھی تو اس کے ایک فوجی افسر شیش ابن ربیع نے اس سے کہا کہ اب اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خیر منائیے۔ اس وقت نہ آپ اوروں کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اپنے تئیں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ابن مطیع نے کہا اچھا بتاؤ کیا کیا جائے۔ شیش نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اور ہمارے لئے امان طلب کیجئے۔ ابن مطیع نے جواب دیا کہ مجھے اس شخص (مختار) سے امان مانگتے ہوئے نفرت ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ حجاز اور بصرہ ہنوز امیر المومنین (عبداللہ ابن زبیر) کے زیر نگیں ہیں۔ شیش نے کہا اگر یہی خیال ہے تو پھر آپ نہایت رازداری کے ساتھ کہیں نکل جائیے۔ بالفعل آپ کوفہ ہی میں کسی قابل اعتماد آدمی کے ہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ اس کے بعد موقع پا کر اپنے آقا کے پاس مکہ معظمہ چلے جائیے گا۔ دوسرے اشراف کوفہ نے بھی عبداللہ بن مطیع کو یہی رائے دی۔ ابن مطیع

قصر امدت سے نکل کر ابو موسیٰ کے مکان میں جا چھپا۔ اس کی روانگی کے بعد ابن مطیع کے کومیوں نے دروازہ کھول دیا اور اہل بیت سے کہا کہ ہم امان چاہتے ہیں۔ اس نے کہا تمہیں امان ہے۔ یہ لوگ قصر سے نکلے اور مختار سے بیعت کر لی۔ مختار قصر میں داخل ہوا اور وہیں رات بسر کی۔ صبح کو شرفائے کوفہ اس سے مسجد اور قصر کے دروازہ پر ملاقی ہوئے اور کتاب سنت رسول اللہ اور اہل بیت کے خون کی انتقام جوئی پر بیعت کی۔ اس کے بعد مختار اشرف کوفہ سے حسن سلوک کرتا رہا۔

ہزیمت خوردہ دشمن سے حسن سلوک :-

اس اثناء میں اسے بتایا گیا کہ ابن مطیع ابو موسیٰ کے مکان میں ہے۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا مگر اس کی بلند ہمتی دیکھو کہ شام کے وقت ایک لاکھ درہم ابن مطیع کے پاس بھیج دیئے اور کلاما بھیجا کہ اس کو ضروریات پر خرچ کرو۔ مجھے معلوم ہے جہاں تم اقامت گزین ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ بے زری اور تمہی دستی نے تمہیں گوشہ نشینی چھوڑنے سے روک رکھا ہے لیکن اس حسن سلوک کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی زمانہ میں ان دونوں میں بڑی دوستی رہ چکی ہے مختار نے کوفہ کے بیت المال میں نوے لاکھ کی رقم پائی جس میں اس نے ان پانچ سو تین بہادروں میں جو ابن مطیع کے محاصرہ قصر کے دوران میں لڑے پانچ پانچ سو درہم اور ان چھ ہزار مختارین کو جو محاصرہ کے بعد ایک رات اور تین دن تک اس کے ساتھ رہے تھے دو سو سو درہم فی کس تقسیم کر دیئے۔

کون کون سے ملک مختار کے حیطہ اقتدار میں آئے :-

اس فتح سے مختار حجاز مقدس اور بصرہ کی ولایت کو چھوڑ کر باقی ان تمام ممالک پر قابض ہو گیا جو حضرت عبداللہ بن زہرہ کے زیر نگیں تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اس نے اپنے اعلیٰ مرتبہ و عروج کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور نظر کیا کہ اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے علم قبیل کے آگے سر نیاز جھکا ہے۔ اب اس نے اہل بیت سے پچھا عبداللہ ابن حارث کو آرمینیا کی حکومت تفویض کی۔ عبدالرحمن بن سعید کو موصل گورنر بنایا۔ اسحاق ابن مسعود کو مدائن کی سرنہج دی۔ اسی طرح دوسرے علاقے بھی ممتاز سرداروں کے زیر فرمان کر کے سب کو اپنی حکومت پر راجع کر دیا۔

یاد رہے کہ یہ عبداللہ بن مطیع جسے مختار نے مغلوب کیا وہی عبداللہ بن مطیع ہے جس سے ہم حسین کی کوفہ جاتے ہوئے ایک چشمہ پر ملاقات ہوئی تھی اور اس نے کہا تھا "اے ابن

رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے ان اطراف میں کس طرح قدم رنجہ فرمایا؟ یہ کہہ کر آپ کو اپنے مکان پر لے گیا اور نہایت خاطر مدارات سے پیش آیا تھا اور جب امام حسینؑ نے اس کو اپنے وجہ قدم سے مطلع کیا تو کہنے لگا اے فرزند رسول اللہ! میں آپ کو حرمت اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس خیال سے باز آئیے۔ میں آپ کو حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس عزم سے درگزر فرمائیے۔ خدا کی قسم! اگر آپ وہ چیز طلب فرمائیں گے جو ہوا میں ہے تو وہ آپ کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے۔ آپ کو خدائے یگانہ کا واسطہ کوفہ جا کر اپنے آپ کو ہوا میں نہ دیتے۔“ غرض بہت منت سماجت کی تھی۔ مگر امام حسینؑ نے بعض مجبوریوں کی بنا پر اس مخلصانہ درخواست کو مسترد فرمایا تھا۔

فصل 4: شہدائے کربلا کے قتل و استہلاک کا انتقام

کوفہ اور اس کے صوجات پر عمل و دخل کرنے کے بعد مختار نے ان لوگوں کے خلاف واروگیر کا سلسلہ شروع کیا جو امام حسینؑ اور خاندان نبوت کے دوسرے ارکان کے قتل و استہلاک میں شریک تھے یا اس کے ذمہ دار تھے۔ اب ہر ایک کے واقع ہلاک درج کئے جاتے ہیں۔

عبید اللہ ابن زیاد کی ہلاکت :-

عبید اللہ ابن زیاد وہی شقی ازلی ہے جس نے حضرت امام حسینؑ کا اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ اس کی خون آشامی نے انہیں ریاض فردوس میں نہ بھیج دیا۔ اس نے اہل بیت اطہار پر جن کی محبت جزء ایمان ہے وہ ظلم توڑے کہ جن کو سن کر دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ یزیدی عمد بے دولت کے آغاز میں یہ شخص بصرہ کا حاکم تھا اور چونکہ یزید اس سے ناخوش تھا اور اس کو بصرہ کی حکومت سے برطرف کر دینا چاہتا تھا لیکن جب امام حسینؑ نے اپنے عم زاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ فرمایا ہزار ہا آدمیوں نے مسلمؑ کے ہاتھ پر امام حسینؑ کی بیعت کی تو یزید نے جناب مسلمؑ کی سرگرمیوں کی روک تھام کیلئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی ابن زیاد کو تفویض کر دی اور لکھا کہ میں تم سے خوش ہوں۔ تم کوفہ جا کر وہاں کے حالات کی اصلاح کرو اس شخص نے کوفہ جا کر حضرت مسلم بن عقیلؑ کا نقش وجود جس بے دردی اور شقاوت کے ساتھ صفحہ ہستی سے محو کیا اور جس سفاکی کے ساتھ حضرت مسلمؑ کے میزبان ہانی بن عروہ کی جان لی اس کے بیان سے تاریخ کی روح لرز جاتی ہے۔ اسی شخص نے اپنے سپہ سالار ابن سعد کو لکھا تھا کہ حسینؑ اور ان کے اہل بیت کے پاس دریائے فرات کا پانی نہ پہنچنے دو۔ چنانچہ اس نے اس

حکم کے موجب پانسو سواروں کی ایک جمعیت دریا اور امام حسینؑ کے قیام گاہ کے درمیان حائل کر کے پانی پینے میں مزاحمت کی۔ یہی وہ ظالم تھا جس نے عمر بن سعد کو حضرت امام حسینؑ اور اس کے اہل بیت کی جان ستانی کا حکم دیا تھا۔

بلندی سے گرا کر قاصدوں کی جان ستانی :-

یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت امام حسینؑ کے قاصدوں کی نہایت سنگ دلی کے ساتھ جان لی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی اطلاع ملنے سے پہلے امام حسینؑ نے کوفہ جاتے ہوئے قیس بن مسر صیدلوی کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام ایک خط روانہ فرمایا تھا۔ قیس یہ پہنچے تو حمین بن نمیر نے جو راستہ میں امام حسینؑ کی مزاحمت کیلئے یزیدی فوجیت تھے پڑا تھا ان کو رُفد کر کے کوفہ بھیج دیا۔ اب زیاد کی ہٹاپاکی سیرت اور خبث ضمیر سے بھلا کسی نحو درگذر کی کہاں امید ہو سکتی تھی اس نے قیس کو حکم دیا کہ قصر لمارت کی بلندی چھت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب لئن کذاب حسینؑ لئن علیؑ پر سب دشمن کرو۔ "قیس اوپر چڑھ گئے اور خالق کردگار کی حمد و ثنا کے بعد کہا خدا کی قسم! حسینؑ لئن علیؑ روئے زمین کی تمام مخلوق میں بہترین اور افضل ترین انسان ہیں۔ آپ مخدومہ جہاں حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کی دعوت حق کو لبیک کہو۔ میں ان سے حاجر کے مقام پر جدا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت حسینؑ کی جگہ لئن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علی مرتضیٰؑ کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ لئن زیاد نے حکم دیا کہ اس شخص کو قصر کے نیچے پھینک دو۔ قصر لدت نہایت بلند تھا۔ ان کو نیچے دھکیل دیا گیا۔ زمین پر پہنچ کر جسم پاش پاش ہو گیا۔ اور آنکھیں بند کرتے ہی حور ان جنت کی گود میں پہنچ گئے۔ حضرت امام حسینؑ کو ہنوز اس سانحہ کا علم نہیں تھا کہ قیس کی روائی کے بعد اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن بظھر کو حضرت مسلم بن عقیل کے پاس روانہ فرمادیا۔ امام ہمام کو اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مسلم شہید ہو کر جنت الفردوس میں پہنچ چکے ہیں۔ حمین لئن نمیر نے عبداللہ کو بھی گرفتار کر کے لئن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ لئن زیاد نے قیس کی طرح ان کو بھی حکم دیا کہ قصر لمارت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب لئن کذاب پر لعنت کرو۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہئے۔ وہ اوپر چڑھ گئے اور حسینؑ کے قدم کا اعلان کر کے لئن زیاد پر لعنت کرنے لگے۔ وہ بھی لئن زیاد کے حکم سے قصر سے اُتر آئے۔ ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ ابھی کچھ ربق باقی تھی کہ ایک یزیدی آگے بڑھا اور ان کو زخم کر کے واصل حق کر دیا۔

لئن زیاد کی سیاہ دلی کا اندازہ ان جاں غسل واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جو حضرت امام حسینؑ

کی شہادت کے بعد رونما ہوئے۔

حضرت زینبؓ کا درد انگیز نوحہ و فغاں :-

جب شہدائے کربلا کی جاں ستانی کے بعد عمر بن سعد حضرت امام حسینؓ کے اہلبیت کو امن زیاد کے پاس کوفہ لے چلا تو ان کو امام حسینؓ اور دوسرے شہداء کی پامال لاشوں کے پاس سے لے گذرا خواتین اہل بیت اس دردناک منظر کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدا میں بلند ہو گئیں۔ حضرت امام حسینؓ کی خواہر محترمہ جناب زینبؓ نے رو کر کہا۔ ”اے محمد! آپ پر آسمان کے فرشتوں کا درد و سلام! دیکھئے بے چارے حسینؓ اس چٹیل میدان میں خون میں لتھڑے ہوئے اعضاء بریدہ پڑے ہیں۔ ہند ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ کی اولاد مقتول بے کفن پڑی ہے۔ تیز ہوائیں ان پر خاک اڑا رہی ہیں۔“ راوی کہتا ہے کہ دو سو ست دشمن کوئی نہ تھا جو ان درد انگیز نوحہ سے اشکبار نہ ہو گیا ہو۔

حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک امن زیاد کے سامنے :-

اس کے بعد تمام شہدا کے سر کاٹے گئے۔ کل بھر سر تھے شمر بن ذی الجوشن عمرو ابن حجاج اور قیس بن اشعث یہ تمام سر امن زیاد کے پاس لے گئے۔ حمید بن مسلم روایت کرتا ہے کہ حسینؓ کا سر امن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ امن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپ کے لب مبارک پر مارنے لگا جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو حضرت زینبؓ امن ار تم صحابی چلا اٹھے! ”ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لب مبارک ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔“ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ امن زیاد ججو کر کہنے لگا ”خدا تیری آنکھوں کو لائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر شہیانہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا“ حضرت زینبؓ امن ار تم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے۔ ”اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو۔ تم نے امن فاطمہؓ کو قتل کیا۔ امن مرجانہ (امن زیاد) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا رہا اور تمہارے شریروں کو مقرب بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں“ بعض روایات میں یہ واقعہ خود زینبؓ کی طرف سے منسوب ہے مگر صحیح یہی ہے کہ امن زیاد نے چھڑی لگائی تھی۔

اہل بیت نبوت کی شان میں شرمناک دریدہ دہنی :-

جب اہل بیت کا تباہ حال قافلہ امن زیاد کے سامنے پیش ہوا تو اس وقت حضرت زینبؓ نے

نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے پیچ میں لئے تھیں۔ لکن زیاد نے پوچھا یہ کون بیٹھی ہے؟ حضرت زینبؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا کہ یہ جناب زینبؓ بنت فاطمہؓ ہیں۔ لکن زیاد کہنے لگا کہ ”اس خدانے دودھ کا شکر ہے جس نے تمہیں رسول اور غارت کر کے تمہارے خاندان کو بھلے لگایا“ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ تمام تر حمد و ستائش اس ذات پر ترک کیلئے ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں عزت بخشی اور ہمیں پاک و صاف کیا۔ نہ کہ تو جیسا کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاسق رسول ہوتے ہیں اور فاجروں کے نام کو بھلے لگتا ہے۔ لکن زیاد نے کہا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ ”علم خداوندی میں ان کی شہادت مقدر تھی اس لئے وہ اپنے مقتل میں پہنچے لیکن عنقریب رب جلیل تجھے اور انہیں ایک جگہ مجتمع کر کے انصاف کرے گا“ یہ سن کر لکن زیاد برافروختہ ہو گیا اور عالم غیظ میں کہنے لگا کہ ”خدانے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا“ یہ سن کر حضرت زینبؓ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں بے اختیار رو پڑیں اور کہا تو نے میرے بھائی اور دوسرے قرابت داروں کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹیں اور میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر انہی باتوں سے تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو واقعی تو اپنی مراد پائی۔ لکن زیاد نے مسکرا کر کہا ”یہ شجاعت ہے! تیرے باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ حضرت زینبؓ نے کہا ”عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ رنج و غم کی آگ ہے جو میرے مجروح دل میں سلگ رہی ہے۔ حضرت زین العابدین علیؓ بن حسینؓ علیل ہونے کی وجہ سے قتل سے بچ گئے تھے۔ جب لکن زیاد نے ان کو دیکھا تو پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا علی بن حسینؓ۔ کہنے لگا کیا اللہ نے علی بن حسینؓ کو ہلاک نہیں کیا؟ جناب زین العابدینؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ لکن زیاد نے کہا تم بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرا ایک بڑا بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علی تھا (علی اکبر) لوگوں نے اسے شہید کر ڈالا۔ لکن زیاد بولا! نہیں یوں کہو کہ خدانے اسے ہلاک کیا۔ علی خاموش ہو گئے۔ لکن زیاد نے کہا، کیوں نہیں بولتے؟ اس پر زین العابدینؓ نے یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ :- خدایا موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کے لڑن کے مر نہیں

اس پر لکن زیاد چلایا۔ ”خدا مارے تو بھی انہی میں سے ہے“ پھر اس کے بعد لکن زیاد نے چاہا انہیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینبؓ بیقرار ہو کر چیخ اٹھی ”میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال۔ امام زین

العبدین نے بلند آواز سے کہا ”اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کو کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے“ ابن زیاد دیر تک زینبؓ کو دیکھتا رہا پھر خود سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ”رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل چاہتی ہے۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے“

ابن عقیف کا واقعہ شہادت :-

اس کے بعد اجتماع کیلئے منادی کرائی گئی۔ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ ابن زیاد نے منبر پر چڑھ کر ”گوہر افشانی کی“ ہر قسم کی حمد و ثناء کا مستحق وہ پروردگار عالم ہے جس نے حق اور اہل حق کو زبردست کیا۔ اور امیر المؤمنین یزید اور اس کی جماعت کی عون و نصرت فرمائی۔ اور کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ (معاذ اللہ) کی جماعت کو عارت کیا“ یہ سن کر ایک نیک نہاد مسلمان عبداللہ ابن عقیف ازدی نام اٹھے اور اس بد نہاد کو مخاطب کر کے کہنے لگے ”اے ابن مرجانہ (مرجانہ ابن زیاد کی ماں کا نام تھا) کذاب ابن کذاب تو تو ہے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے بنایا اے ابن مرجانہ کیا تو انبیاء کی لولاد کو قتل کرتا ہے اور ساتھ ہی صدیقیوں کا ساکلام کرتا ہے؟ ابن زیاد نے کہا اسے میرے پاس پکڑ لاؤ۔ ابن زیاد نے اس جرم نا آشنا کو جرم حق گوئی میں ننگ شمشیر کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی نعش کو لٹکا دیا جائے چنانچہ نعش اطہر کو وہیں محسن مسجد میں لٹکا دیا گیا پھر امام حسینؓ کے سر مبارک کی تمام شہر میں تشیر کی گئی اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں اس کو پھر لیا نہ گیا ہو۔

ابن زیادہ کو بھائی اور ماں کی لعنت ملامت :-

جب عمر ابن سعد نے حضرت امام حسینؓ کے حادثہ شہادت کے بعد کوفہ کو مراجعت کیا تو ابن زیاد نے اس سے کہا کہ عمر مجھے وہ خط دے دو جو میں نے تم کو حسینؓ کے قتل کے متعلق لکھا تھا۔ اس نے کہا ”میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ اس نے کہا وہ چشمی واپس دے دو۔ عمر نے کہا وہ گم ہو چکی ہے۔ ابن زیاد نے کہا نہیں ضرور دے دو۔ کلاہ کف ہو گئی تھی۔ ابن زیاد نے کہا وہ تمہیں ضرور دینی پڑے گی۔ عمر نے کہا وہ کربلا ہی میں چھوٹ گئی تھی۔ اور اگر وہ چشمی مدینے پہنچ گئی تو کم از کم میں تو معذور سمجھا جاؤں گا۔“ اس کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد سے کہا۔ ”خدا کی قسم میں نے تم کو حسینؓ کے بارے میں بہت سمجھایا تھا اور نصیحت کی تھی لیکن تم نے میری ایک نہ سنی۔“ اس گفتگو کے وقت عبید اللہ بن زیاد کا بھائی عثمان بن زیاد بھی موجود

تھا۔ وہ کہنے لگا کہ قتل سے تو کہیں یہ بہتر تھا کہ زیادہ کی نسل کے ہر مرد کی ناک میں قیامت تک غلامی کی نکیل پڑی رہتی۔“ اور مغیرہ کی روایت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے اپنے بیٹے عبید اللہ سے کہا۔ ”او خبیث! تو نے ابن وصی اللہ کو قتل کر دیا ہے تجھے جہنم سے نکل کر کبھی جنت کی شکل تک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگی۔“

شہدا کے سرہائے مبارک اور پسماندگان اہل بیت کی دمشق کو روانگی :-

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؑ کا سر بانس پر چڑھا کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ عازن بن ربیعہ کہتا ہے کہ جس وقت زخون قیس پہنچا۔ میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اس سے سوال کیا۔ ”کیا خبر ہے؟“ قاصد نے جواب دیا۔ ”فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں! حسین بن علیؑ اپنے اٹھارہ اہل بیت اور 60 حملاتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں اور لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر بلہ بول دیا اب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھازیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں تریز ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں، ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گدوں کی خوراک بن گئے۔“

یزید کے تاثرات :-

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ کہنے لگا ”بغیر قتل حسینؑ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؑ سے ضرور درگزر کر جاتا خدا حسینؑ کو اپنے جو ارحمت میں جگہ دے۔“ قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؑ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا۔ (تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے) پھر کہا ”واللہ اے حسینؑ! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہر گز قتل نہ کرتا!“

حضرت حسینؑ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر ابن ذی

الجوشن اور محضر المن ثلثہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثلثہ چلایا۔ ”میں امیر المؤمنین کے پاس (معاذ اللہ) فاجر کمینوں کو لایا ہوں۔“ یزید یہ سن کر خفا ہوا کہنے لگا محضر کی ماں سے زیادہ کینہ اور شریر چہ کسی عورت نے نہیں جتا۔

پھر یزید نے شام کو سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھلایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا اے علی! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا میری حکومت چھیننا چاہی اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔ امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ ترجمہ :- تمہارے لئے کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا: ”کتا کیوں نہیں“ جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔

حضرت زینبؓ کی بیباکانہ گفتگو :-

حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ سے مروی ہے کہ ”جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا سیاہ دل شامی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ”امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے۔“ اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینبؓ کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں۔ انہوں نے پکار کر کہا ”تو کینہ ہے نہ اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے۔“ اس جرات پر یزید کو غصہ آ گیا کہنے لگا تو جھوٹ بکتی ہے واللہ مجھے یہ اختیار حاصل ہے۔ اگر چاہوں۔“ زینبؓ نے کہا ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔“ یزید اور بھی زیادہ برا فروختہ ہوا۔ کہنے لگا دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے! زینبؓ نے جواب دیا ”کیا اللہ کے دین سے میرے نانا کے دین سے، میرے باپ کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے تیرے دادا نے ہدایت نہیں پائی؟“ یزید چلایا ”اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے! حضرت زینبؓ بولیں: ”تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے ظلم سے گالیاں دیتا ہے اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔“ حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ کہتی ہیں یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ

ہو گیا کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ خدا ترس شامی پھر کھڑا ہوا۔ اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک گواہ میں اس ڈانٹ پلائی۔ ”دور ہو کم خت! خدا تجھے ہلاک کرے۔“ اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی روساد امراء کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ ”ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟“ بھٹوں نے سخت کلامی کے ساتھ بد سلوکی کا مشورہ دیا۔ مگر نعمان بن بعیر نے کہا ”ان کے ساتھ وہی کیجئے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔“ حضرت فاطمہ بنت حسینؑ نے سکر کہا اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں! اس نسبت کے ذکر سے یزید کے طبیعت بھی متاثر ہو گئی۔ اور اس کے دربان اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بلاخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

ملکہ کی غمگساری :-

اس اثنا میں اس حادثہ فاجحہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی ہند بن عبد اللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا ”امیر المؤمنین! کیا حسین ابن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر گیا ہے؟“ یزید نے کہا ”ہاں! تم خوب روؤ۔“ بین کر رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا خدا سے بھی قتل کرے۔“ اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا ”تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسینؑ کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہے انہوں نے سوچا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا ٹھہری یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔“ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں علیٰ اور معاویہؓ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی۔ تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے تو قسم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل نہیں بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا، حسینؑ کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے

ترجمہ :- پھر اہل بیت کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندان معاویہؓ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پٹینے لگیں۔

یزید کی زود پشیمانی اور سعی تلافی :-

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسینؑ نے جو جناب سیکنہؑ سے بڑی تھیں اس سے کہا ”اے یزید کیا رسول اللہؐ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟ یزید نے کہا ”اے میرے بھائی کی بیٹی ایسا کیوں ہونے لگا؟ فاطمہؑ نے کہا خدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی۔“ یزید نے کہا ”تم لوگوں کا جتنا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دوں گا۔ چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دو گنا سحنا دے دیا گیا یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں زین العابدین علی بن حسینؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا ایک دن حضرت حسنؑ کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا ”تو اس سے لڑے گا؟“ اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا عمرو بن حسنؑ نے اپنے چھپنے کے بھولے پن میں جواب دیا ”یوں نہیں ایک چھری مجھے دو اور ایک چھری اسے دو پھر ہماری لڑائی دیکھو!“ یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسنؑ کو گود میں اٹھا کر سینے سے چٹا لیا اور کہا ”سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے“ یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا ”کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا حسینؑ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا ان کے مطالبہ پر غور کرتا اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی لیکن اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی خدا کی لعنت لمن مر جانہ (ان زیاد) پر جس نے حسینؑ کو لڑائی پر مجبور کیا حسینؑ نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے مگر ان زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور قتل کر ڈالا ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا خدا کی لعنت لمن مر جانہ پر! خدا کا غضب ان مر جانہ پر!“

اہل بیت کی مدینہ منورہ کو مراجعت :-

پھر جب اہل بیت کو مدینہ پہنچنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا ”ان مر جانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسینؑ کے ساتھ ہوتا تو وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے چھاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا جو ضرورت بھی پیش آئے مجھے خبر دینا“ بعد میں حضرت سیکنہؑ برابر کہا کرتی تھیں۔ ”میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا“ یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر

ان مصیبت زدوں سے اچھا ہر تاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینبؓ بہت علیٰ اور حضرت فاطمہؓ بہت حسینؓ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بچھے اور کہا ”یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دیں۔ اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہا ”بھیا“ واللہ میرا یہ بڑا سوکھی دنیوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے تھا“ اہل بیت کی آمد سے بیتِ پہلے مدینہ میں یہ جائگاہ خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گمروں سے چلائی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں۔ اور یہ شعر پڑھتی جا رہی تھیں۔

ترجمہ :- کیا کھوئے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت

ہو۔

ترجمہ :- تم نے میری لولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے

بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نمائے پڑے ہیں۔

لنن زیاد نے کہا ”انشاء اللہ اب ہم ضرور نجات پا جائیں گے“ ہونا جیہ نے پوچھا تم کون ہو؟ حادث نے کہا میں حادث بن قیس ہوں۔ ہونا جیہ کا ایک شخص لنن زیاد کو پہچانتا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی لنن ”مرجانہ“ اور جھٹ ایک تیر مارا جو لنن زیاد کے عمامہ میں لگا۔ حادث نے سواری کو زیادہ تیز کر دیا اور دونوں بچ کر نکل گئے۔ الغرض لنن زیاد اسی طرح ہزار خرابی و رسوائی شام پہنچا جمال ابھی تک ہوامیہ کی حکومت کا چراغ ٹٹنارہا تھا۔

لنن زیاد کی ہلاکت :-

جب 66ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت ہوئی تو انہوں نے بعض ہوامیہ کو ارض حجاز سے شام کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ انہی مخزجین میں عبدالملک کا بیٹا مروان لنن حکم بھی تھا۔ مروان کی یہ خواہش تھی کہ وہ جا کر عبداللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرے۔ لنن زیاد کو مروان کے عزم بیعت کی اطلاع ہوئی تو مروان سے کہنے لگا میں تمہارے اس لرلوے پر سخت شرم محسوس کر رہا ہوں۔ مروان نے کہا کہ ابھی تک تو کچھ نہیں جڑا ہے۔ غرض 66ھ میں مروان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ اس کے بعد مروان نے لنن زیاد کو ایک لشکر دیکر موصل کی طرف روانہ کیا۔ موصل میں اس وقت مختار کا عامل عبدالرحمن ابن سعید تھا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر شرمیت چلا گیا اور مختار کو اپنی ہزیمت و پشیمانی کی اطلاع دیدی۔ مختار نے یزید ابن اسد کی کوتاہی پر منتخب و جنگ آزمودہ فوج کے ساتھ لنن زیاد کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس نے تو بہت کی باگ اٹھائی اور بلو درق کی طرح موصل جا پہنچا۔ جب لنن زیاد کو اس کی آمد کا علم ہوا

اس نے تین ہزار کے مقابلہ میں چھ ہزار فوج بھیج دی لیکن یزید بن انس یہاں پہنچتے ہی ناگماں مرض موت میں گرفتار ہوا اور اس کا مرض دم بدم ترقی کرنے لگا۔ جب نقارہ جنگ پر چوٹ پڑی تو یزید شدت مرض کے باوجود ایسی حالت میں گدھے پر سوار ہو کر نکلا کہ اسے آدمی تھامے ہوئے تھے۔ یزید نے اپنی فوج کو آراستہ کیا اور ساتھ ہی وصیت کر دی کہ اگر میں مر جاؤں تو در قاء ابن عذب تمہارا امیر ہوگا۔ لڑائی کے دوران میں کبھی تو وہ شدت مرض کی وجہ سے غش کھا جاتا تھا اور کبھی ہوش میں آجاتا تھا۔ بالآخر ہمہ اہل شام کو ہزیمت ہوئی اور مختار کی فوج نے اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ یزید بن انس اسی روز بوقت مغرب اس سرارے فانی سے کوچ کر گیا۔ اس ہزیمت کے بعد ابن زیاد اسی ہزار فوج لیکر مقابلہ کیلئے بڑھا۔ یہ دیکھ کر مختار کی فتح مند فوج نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ کوفہ کو واپس چلی جائے۔ جب مختار کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو سات ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ موصل روانہ کیا اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر یزید ابن انس کی فوج کو دیکھو تو اسے اپنی قیادت میں واپس لے جانا۔ ابراہیم اپنی فوج کو یہ واقعات ذہن نشین کراتے ہوئے روانہ ہوا کہ ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کے ساتھ کیا برتاؤ؟ ان کو کس طرح قتل کیا اور ان کا پانی بہا کیا؟ یہ درد انگیز حالات سنانا کر اپنے آدمیوں کو ابن زیاد کے خلاف جوش دلاتا رہا۔ جب وہاں پہنچے اور مقابلہ ہوا تو ابن زیاد کو باوجود ہشت چند فوج رکھنے کے ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عمیر بن حباب نام ابن زیاد کا ایک فوجی سردار جو درپردہ ابن زیاد کا دشمن تھا اپنی سپاہ کو بد دل کرنے کیلئے لڑتے لڑتے بھاگ کھڑا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شامی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ مختار کی فوج نے شامیوں کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ بھاگتے وقت عالم بدحواسی میں اس کثرت سے نہر میں غرق ہو گئے کہ مغرقین کی تعداد مقبولین سے بڑھ گئی۔ فاتحین نے مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے۔ اور اپنے مستقر کو واپس آئے ابراہیم ابن اشتر اپنے فوجی افسروں سے کہنے لگا کہ میں نے ابھی ایک شخص کو ایک جھنڈے کے نیچے نہر خازر کے کنارے اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے اس کا پتہ لگاؤ۔ اس کے پڑے بہت معطر پاؤں گئے۔ دونوں ہاتھ مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی جانب ہوں گے۔ اسے تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابن زیاد بد نہاد تھا جس نے ابراہیم کی ضرب سے ہلاک ہو کر زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔ اس کا سر کاٹ کر باقی جسم کو نذر آتش کر دیا گیا۔ ابراہیم نے نامہ فتح کے ساتھ ابن زیاد اور اس کے روسا کے سر مختار کے پاس بھیج دیئے جب یہ کوفہ کے قصر امارت میں پڑے تھے تو ایک پتلا ساسنپ وہاں آیا اس نے گھوم گھوم کر سروں کو دیکھا۔ آخر ابن زیاد کے منہ میں گھس کر ناک میں نکلا۔ پھر ناک سے داخل ہو کر منہ میں جاسر نکلا۔ اس نے کئی مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ کو محدث ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں نقل کیا ہے۔

عمر ابن سعد کا قتل :-

یہ عمر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا ناخلف بیٹا تھا۔ جو حضرت سرور انبیاء ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ وہی بزرگ ہیں جنہیں فخر کوین سیدنا محمد ﷺ ماموں کے معزز لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی مادر محترمہ قبیلہ ہوزہرہ سے تھیں اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ جلد سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب سعد ابن ابی وقاصؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خیر الانام ﷺ نے فرمایا کہ سعد میرے ماموں ہیں اور پھر حضرت سعدؓ کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت اور مابہ الخیر چیز ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہاں تک فرمادیا کہ اگر کسی دوسرے شخص کا ماموں بھی ایسا (بلند پایہ) ہو جیسا کہ میرا ہے تو وہ اسے پیش کرے (ترمذی) اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں سے تیسرے تھے (صحیح بخاری) یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو چھوڑ کر ان سے پہلے صرف ایک ہی صحابی شرف ایمان سے مشرف ہوئے تھے لیکن خدائے برتر کی شان بے نیازی ملاحظہ ہو کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی عاشق رسول اکرم ﷺ کا بیٹا کربلاء کے معرکہ میں حضور سرور عالم کے فرزند کے قاتلوں کا قائد رہنا تھا۔

قتل حسینؓ سے اعراض یارے کی حکومت :-

عمر بن سعد کربلا کی یزیدی فوج کا قائد اعظم تھا۔ اس تقرر کا باعث یہ ہوا کہ ابن زیاد نے اسے چھبتر فوج کی کمان دیکر کوہ مستحبی کی طرف روانہ کیا تھا جس پر ولیم نے حملہ کر کے عمل دخل کر لیا تھا۔ تین زینے سعد کو قیادت لشکر کے ساتھ رے کی حکومت کا فرمان بھی لکھ دیا تھا۔ چنانچہ عمر نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے حمام امین کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے تھے لیکن حملت تھمسی کا ممل دیکھو کہ جب امام حسینؓ کی تشریف آوری کا غلغلے بلند ہوا تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو بلا کر کہا کہ ”بالفضل تم حسینؓ کا قضیہ بنالو۔ اس کو سرانجام دینے کے بعد خدمت مفوضہ جیسے چمے جانا“ عمر نے امام حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کی معافی چاہی۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ ”معافی تین صورت میں ممکن ہے کہ رے کی حکومت کا فرمان واپس کر دو“ عمر نے کہا اچھا مجھے غور کرنے سے ایک دن کی حمت دو چنانچہ اس نے اپنے اعزہ واقارب اور ہوا خواہوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسول خدا ﷺ کے فرزند گرامی کی تباہی و استیصال کی طرف قدم اٹھانا ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ لہذا سعد کا ہاتھ بچاؤ وغیرہ کہنے لگا ”ماموں! میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا

ہوں کہ امام حسینؑ کے مقابلہ پر نہ جانا۔ خدا کی قسم! اگر بالفرض تمہیں ساری کائنات کے اموال و خزانوں اور ربح سکون کی بادشاہت سے بھی دست بردار ہونا پڑے تو بھی ابن رسولؐ کے خون کا دھبا اپنے دامن عمل پر نہ لگاتا۔ اس سے قطع نظر حضرت حسینؑ تمہارے ہم جد قرشی ہیں اور صلہ رحمی کا اقتضایہ یہ ہے کہ حقوق قرابت پر چند روزہ دنیاوی اقدار کو قربان کر دو“ عمر نے کہا!

”اچھا میں ایسا ہی کروں گا“ اب وہ رات بھر اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہا کہ دو باتوں میں سے کس کو اختیار کروں؟ اس وقت مضمون کے اشعار اس کی زبان پر تھے۔ ”کیا میں رے کی رغبت دل سے نکال دوں یا حسینؑ کے قتل میں شرکت کروں؟ حسینؑ کے قتل کی سزا تو ایسی آگ ہے جس سے بچنے کیلئے کوئی حجاب نہیں ہے اور رے کی حکومت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے“ آخر صبح کو ابن زیاد کے پاس جا کر کہا کہ ”لوگوں نے سن لیا ہے کہ تم نے مجھے دلایت رے کا عامل مقرر کیا ہے۔ اگر اس کا نفاذ کر دو تو بہتر ہے اور حسینؑ کے مقابلہ پر جانے کیلئے اشراف کوفہ میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب مناسب ہے جو فن محاربہ میں مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو“ یہ کہہ کر چند آدمیوں کے نام لئے۔ ابن زیاد بولا ”میں نے اس بارے میں تم سے کوئی مشورہ نہیں طلب کیا تھا۔ اگر لشکر لے کر جاتے ہو تو جاؤ ورنہ رے کی حکومت کا فرمان واپس کر دو“ عمر کہنے لگا ”اچھا میں جاتا ہوں۔ غرض عمر فوج لیکر حضرت حسینؑ کے مقابلہ میں روانہ ہوا اور امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی ایک مشہور پیشین گوئی پوری کر دی چنانچہ ابن سیرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے عمر ابن سعد سے کہا تھا کہ اگر تم کبھی ایسے مقام میں ہو کہ تمہیں جنت اور دوزخ میں سے کسی ایک کو اختیار و انتخاب کرنے کی نوبت آئے تو تم ضرور دوزخ ہی کو ترجیح دو گے“

ابن سعد کا افتخار کہ سب پہلے میں نے امام حسینؑ پر تیر چلایا :-

جب عمر ابن سعد نے یزیدی افواج کی عنان قیادت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے بعد اس نے اپنی باطل پرستی اور حق فراموشی کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا چنانچہ معرکہ کربلا کے آغاز میں سب سے پہلے اسی نے چلے میں تیر جوڑ کر چلایا اور کہا ”سب لوگ گواہ رہنا کہ سب سے پہلے میں نے ہی تیر چلایا ہے“ مقام عبرت ہے کہ عمر کے باپ حضرت سعد بن ابوقاصؓ تو حسب روایت قیس ابن ابو حادام تاہی ہمیشہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلایا۔ (بخاری و مسلم) لیکن ابن کے نابکار بیٹے کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے فرزند رسولؐ پر تیر چلانے میں سب پر سبقت کی۔ عمر نے اسی باطل بازی پر اکتفا نہیں کیا کہ تیر چلا کر لڑائی کا آغاز کر دیا ہو۔ بلکہ اس کی قیادت قلبی کے اس وقت اور بھی زیادہ جوہر کھلے تھے۔ جب اس نے حضرت امام مظلوم کی جان ستانی کے بعد

لین زیاد کے حکم کی تعمیل میں اپنے لشکر کو خطاب کر کے بلاواز بلند کہا ”کون اس بات پر آمادہ ہے کہ حسینؑ کی طرف جائے اور اپنے گھوڑے سے اس کی لاش کو روند ڈالے“ چنانچہ دس سوار گئے اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کے پاؤں سے آپ کی نعش اطہر کو بہت بڑی طرح روندنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کے جسد مبارک کی ہڈیاں اور پسلیاں اور اعضاء بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ) کاش ظالموں کے بہیمانہ جذبات تسکین محض امام ہمام کی جان لینے سے ہی ہو جاتی اور انہیں دردِ ندگی اور خباثِ نفس کے اس مظاہرہ عظیم کی ضرورت نہ پڑتی۔ تعجب ہے کہ ان نابھدوں کو اسلامی گھرنوں میں پیدا ہونے کے باوجود کس قانون، کس اخلاق اور کون سی تہذیب نے اس کی اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سید الشہداء کے جسد اطہر کو اپنی سبعیت کا تختہ مشق بناتے؟

حضرت زینبؑ کا عبرتِ ناک استفسار اور عمر کی اشکبازی :-

اس میں شبہ نہیں کہ جاہِ طلبی کی شدت انہماک نے عمر کے دل و دماغ پر جمود و بے حسیتی کی موٹی جہیں چڑھا رکھی تھیں تاہم اس لحاظ سے کہ اس نے ایک جلیل القدر صحابی کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی تھی اس کا دل اہل بیت اطہار کی مصیبت پر کسی نہ کسی وقت ضرور لہجنا تھا چنانچہ جب حضرت حسینؑ میدانِ دعا میں تمہارہ گئے اور اعدائے نافر جام آپ پر چاروں طرف سے حملے کر رہے تھے تو حضرت زینبؑ خیمہ سے باہر نکلیں اور کہنے لگیں ”اے کاش! آسمان ٹوٹ پڑتا اور زمین کو ڈھانپ لیتا“ اتنے میں عمر ابن سعد ان کے قریب آیا۔ حضرت زینبؑ نے اس سے کہا کہ ”اے عمر! کیا ابو عبد اللہ (یعنی امام حسینؑ) شہید ہو جائیں گے اور تم دیکھتے رہو گے؟ یہ سن کر عمر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس کے رخساروں اور داڑھی پر گرنے لگے اور اس نے جناب زینبؑ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ یہ اشک باری زبانِ حال سے اس حقیقت کا اظہار کر رہی تھی کہ گو جب جاہ و ریاست نے مجھے گروہِ اشرار میں داخل کر رکھا ہے لیکن میرا دل آپ حضرات کی ہمدردی سے بیگانہ نہیں“ عمر نے اس ہمدردی اور انصاف پسندی کا اس وقت بھی ثبوت دیا تھا جبکہ شمر امام زین العابدین علی بن حسینؑ کو حالتِ رنجوری و علات جرحہ شلالت پلانا چاہتا تھا اور عمر بن سعد نے وہاں آکر حکم دیا تھا کہ عورتوں کے خیمہ میں کوئی نہ جائے اور نہ کوئی شخص اس مریض لڑکے سے کسی قسم کا تعرض کرے اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی نے ان کے مال و متاع میں کچھ لیا ہو تو وہ واپس کر دے۔

عمر بن سعد اور اس کے بیٹے کا قتل :-

ان زیاد کی ہلاکت کے بعد ایک دن مختار نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو ہلاک کروں گا جس کے بڑے پاؤں، گڑی ہوئی آنکھیں اور گھنی بھوئیں ہیں اور جس کے قتل سے اہل ایمان اور ملائکہ مقربین خوش ہوں گے۔ حاضرین مجلس میں سے یثیم بن اسود تھی کے نام ایک کوئی تاڑ گیا کہ مختار کی مراد عمر بن سعد سے ہے یثیم نے گھر جا کر اپنے بیٹے کو یہ اطلاع دینے کیلئے ابن سعد کے پاس بھیجا کہ ”مختار نے تمہارے استہلاک کا تہیہ کر لیا ہے“ یہ دیکھ کر عمر نے عبد اللہ بن جعدہ بن ہبیرہ کے پاس جا کر منہج سماجت کی کہ مختار سے اسے امان دلا لو۔ مختار عبد اللہ بن جعدہ کا اس بنا پر بہت احترام کرتا تھا کہ انہیں امیر المؤمنین علیؑ سے قرابت تھی یعنی وہ حضرت علیؑ کی خواہر محترمہ حضرت ام ہانئ کے پوتے تھے۔ عبد اللہ نے مختار کے پاس سفارش لکھ کر بھیجی۔ مختار کی عادت تھی کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح ایسی چک دار اور گول مول بات لکھا کرتا تھا کہ جس میں بوقت ضرورت انکار کرنے اور دوسرا مفہوم مراد لینے کی بہت گنجائش رہتی تھی۔ مختار نے بدیں الفاظ وعدہ امان لکھ دیا۔ یہ وعدہ امان مختار ابن ابو عبید ثقفی کی جانب سے عمر بن سعد کیلئے لکھا جاتا ہے۔ تمہاری جان، تمہارے مال، اعزہ، اقرباء اور اولاد کو امان دی جاتی ہے۔ تم سے تمہارے سابقہ اعمال کا اس وقت تک کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا جب تک تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو گے۔ مختار ابن ابو عبید نے اللہ کے سامنے یہ عہد واثق کیا ہے کہ وہ اس عہد امان کا ایفا کرے گا۔ جزا اس صورت کے کہ کوئی حدیث (نیا واقعہ) رونما ہو“ استثناء کے عربی الفاظ یہ تھے اِنْ حَدَّثْنَا اِنْ حَدَّثْنَا ان الفاظ کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ ”میں اس امان بخشی کے عہد کو نہیں توڑوں گا“ لیکن چونکہ ”حَدَّثْنَا“ عربی زبان میں خروج ریح اور بے وضو ہونے کو بھی کہتے ہیں۔ مختار نے متذکرہ صدر تحریر میں ”حَدَّثْنَا“ سے بے وضو ہونا مراد لیا تھا۔ یعنی اس نے دل میں امان نامہ کو اس امر کے ساتھ مشروط کیا تھا کہ وہ بے وضو نہ ہو لیکن چونکہ وہ اس کے بعد بارہا بے وضو ہوتا رہا۔ اس لئے وعدہ امان حالت ربود ہو گیا۔

دوسری صبح کو مختار نے عمر کو ابو عمرہ نام ایک شخص کے ہاتھ بلا بھیجا۔ مختار نے جاگتے وقت ابو عمرہ کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی موقع ملے تو اس کو ٹھکانے لگا دینا۔ عمر اٹھا۔ مگر چلتے ہوئے اپنے جیبے میں انک کر گر پڑا۔ ابو عمرہ نے اسی وقت تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر دارالامارت کو فہ میں مختار کے پاس بھیج دیا۔ جب عمر کا سر مختار کے سامنے رکھا گیا۔ تو اس وقت عمر بن سعد کا بیٹا حفص بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مختار نے حفص سے پوچھا پچھانتے ہو کہ یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا ”ہاں مگر باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب زندگی بے لطف

ہے“ یہ سن کر مختار نے اس کی بھی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس کے مقطوع سر کو بھی عمر کے سر کے ساتھ رکھوا دیا۔ مختار عمر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا ”یہ حسینؑ کے بدلے میں“ اور پھر حفص کے سر کی طرف اشارہ کر کے بولا ”یہ علیؑ بن حسینؑ کے بدلے میں گو ان دونوں کو ان دونوں سے کوئی نسبت نہیں“ اس کے بعد مختار قسم کھا کر کہنے لگا کہ اگر میں ہو قریش کے ٹلٹ آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دوں تو وہ سب ملکر امام حسینؑ کی ایک پور کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ اب مختار نے عمر اور اس کے بیٹے کا سر حضرت محمد بن حنفیہؑ کے پاس مکہ معظمہ بھجوا دیا جو امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی تھے۔ اور لکھا کہ ”میں امام حسینؑ کے قاتلوں کی فکر میں ہوں۔ بعض کو قتل کر چکا ہوں اور دوسروں کی تلاش میں ہوں“

شمر بن ذی الجوشن کی جاں ستانی :-

امام حسینؑ کو مختلف مہم میں شمر کی وہی حیثیت تھی جو فخر بنی آدم سیدنا احمد مجتبیٰ علیہ السلام کی عدوت و ایذا رسانی میں ابو جہل کی تھی۔ ان دونوں کے حالات پڑھ جاؤ۔ قسوت و تیرہ دلی میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکو گے۔ اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہو گا تو صرف کفر اور دعوائے اسلام کا فرق ہو گا۔ باطن کا حال بجز علامہ الغیوب عزاسمہ کے کوئی نہیں جان سکتا لیکن شمر کا ظاہر قطعاً اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کچھ بھی حصہ ملا تھا۔ ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے بسہولت اندازہ ہو سکے گا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کہاں تک تعلق تھا؟

امام حسینؑ کے شرائط صلح کو مسترد کر دیا :-

آغاز جنگ کربلا سے پہلے حضرت امام حسینؑ نے عمر ابن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو اپنے اور میرے لشکر کے درمیان مجھ سے ملو۔ عمر حسب الارشاد وہاں آیا اور دونوں میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ابن سعد اور امام حسینؑ میں تین چار اور طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ انجام کار امام حسینؑ نے تین شرطیں پیش کیں۔ یا تو مجھے حجاز واپس جانے دو یا مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دو جس کو تم پسند کرو یا یزید کے پاس دمشق روانہ کر دو تاکہ میں اور وہ ہر بات کا خود ہی تصفیہ کر لیں۔ یہ وہ آخری شرائط تھے جو چار پانچ دن کی بحث و تمحیص کے بعد امام حسینؑ نے منظور کئے تھے عمر کو اس بات کا یقین تھا کہ ابن زیاد ان میں سے کسی نہ کسی شرط کو ضرور منظور کر لے گا چنانچہ عمر نے ابن زیاد کو لکھا کہ ”خدا نے آگ بھجادی ہے اور اتفاق کی صورت پیدا کر دی ہے۔ حسینؑ نے انجام کار یہ تین شرطیں پیش کی ہیں۔ اب ان

شرائط میں تمہارے لئے وجہ رضامندی اور امت کیلئے وجوہ صلاح و فلاح موجود ہیں“ انن زیاد یہ خط پڑھ کر خوش ہوا اور عمر کی نسبت کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا بھی خواہ اور اپنی قوم کا شفیق ہے۔ میں ان شرائط کو قبول کرتا ہوں“ بد قسمتی سے شمر انن ذی الجوشن ایسا تیرہ دل شخص بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ وہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور انن زیاد سے کہنے لگا ”جب حسینؑ تمہاری سر زمین میں اور بالکل تمہارے پہلو میں اترا ہوا ہے تو آپ یہ شرطیں کیوں منظور کرتے ہیں؟ اس کے بعد شمر کہنے لگا خدا کی قسم! اگر وہ تمہارے بلاوے سے واپس چلا گیا اور اس نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دیا تو وہ جا کر بڑی قوت حاصل کر لے گا اور تم لوگ کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے“ اس کے بعد بولا ”خدا کی قسم! حسینؑ اور عمر ساری ساری رات اپنے لشکروں کے مابین باہم دوستانہ گفتگو کرتے رہتے ہیں“ یہ سن کر انن زیاد کا خیال بدل گیا اور شمر سے کہنے لگا ”اچھا تم میرا خط لیکر عمر کے پاس جاؤ۔ اگر عمر میرے حکم کی تعمیل کرے تو اس کی اطاعت کرو اور اگر اعراض کرے تو تم ہی اس فوج کے امیر بن جاؤ اور عمر کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو“ اس کے بعد عمر انن سعد کے نام یہ خط لکھ کر شمر کو دیا کہ ”میں نے تم کو حسینؑ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو امیدیں دلاؤ یا اس پر مہربانی کرو یا مجھ سے اس کی سفارش کرو دیکھو اگر حسینؑ اور اس کے ساتھی میرے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو میرے پاس بھیج دو لیکن اگر اس سے یا مجھ سے انکار کریں تو ان پر حملہ کر کے قتل کر دو جب حسینؑ قتل ہو جائے تو گھوڑوں سے اس کے سینے اور پشت کو روند ڈالو کیونکہ وہ عاق، شاق، قاطع اور ظالم ہے اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہیں اطاعت شعاروں کی سی جزا دیں گے اور اگر سر تالی کرتے ہو تو ہماری فوج سے علیحدہ ہو کر اس کو شمر کے حوالے کر دو“ جب شمر عبید اللہ انن زیاد کا خط لے کر عمر کے پاس پہنچا تو عمر کہنے لگا خدا تجھے عارت کرے یہ میرے پاس کیا لے آیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ تو نے ہی انن زیاد کو شرائط صلح کے قبول کرنے سے باز رکھا ہے افسوس! تو نے سارا معاملہ جس کے سدھر جانے کی پوری امید تھی درہم برہم کر دیا واللہ حسینؑ کبھی اطاعت نہ کریں گے کیونکہ ان کے پہلو میں ان کے باپ کا سادل ہے شمر نے کہا اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟ عمر نے جس پر جاہ طلبی کا بھوت سوار تھا جواب دیا کہ میں حکم کی تعمیل کروں گا۔

حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائیوں کی امان :-

جس وقت انن زیاد نے عمر کے نام خط لکھ کر شمر کو دیا تھا اس وقت کوفہ کا ایک رئیس عبداللہ انن ابو محل نام انن زیاد کے پاس بیٹھا تھا جن ایام میں امیر المومنین علیؑ نے کوفہ کو اپنا

دار الخلاف ملایا تھا آپ عبد اللہ بن ابی مہل کی پھوپھی ام العیْن بنت حزام کو اپنے حوالہ نکاح میں لائے تھے جن کے بہن سے امیر المؤمنین علیؑ کے صاحبزادے عباس عبد اللہ جعفر اور عثمانؓ پیدا ہوئے تھے عبد اللہ بن ابی مہل نے بن زیاد سے کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو ہماری پھوپھی کے بیٹوں کو لمان دے دو لمان زیاد نے لمان کا حکم لکھ کر شمر کو دیدیا جب شمر کوفہ سے کربلا آیا تو امام حسینؑ کے قیام گاہ کے پاس جا کر عباس بن علیؑ اور بن کے بھائیوں کو بلایا وہ آئے تو شمر کہنے لگا اے میری بہن کے بیٹے! تم چلو دو لمان ہے انہوں نے جواب دیا ”خدا تم پر اور تمہاری امان پر لعنت کرے۔ اگر تم ہمدے ماموں ہو تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو تو امان دیتے ہو حسینؑ رسول خدا ﷺ کے فرزند کیلئے لمان نہیں ہے؟“ شمر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور واپس چلا گیا چونکہ امام حسینؑ نے بن زیاد کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا اس لئے شمر فوج لئے ہوئے عقبہ کیلئے نکلا۔ امام حسینؑ کے لشکر میں سے زہیر بن قین گھوڑے پر سوار شمشیر بھٹ آگے بڑھے اور کہا اے لیل کوفہ! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اس وقت تک ہم بھائی بھائی ہیں۔ دین پر تیرے پورے گھوکے۔ حضرت قاطرہؓ کا فرزند سمیہ کے چچے کی نسبت دوستی اور معاونت کا زیادہ حق دار ہے۔“ سمیہ جو عام طور پر سمیہ زانیہ کے نام سے مشہور ہے لمان زیاد کی دادی تھی۔ یزید کے دادا ابو سفیان بن حرب نے اس سے عمد جاہلیت میں زنا کیا تھا اور اس ناجائز تعلق سے عبید اللہ کا باپ زیادہ پیدا ہوا تھا۔ جناب زہیر نے کہا ”اگر تم اپنے نبی کے نواسے کی امداد نہیں کرتے، نہ سہی۔ لیکن تم خدا سے پناہ مانگو کہ تم ان کے قتل کے مجرم ہو۔ میری رائے میں سب سے بہتر یہ ہوگا کہ تم لوگ امام حسینؑ اور ان کے عم زاد بھائی یزید بن معاویہ کو خود ہی آپس میں تصفیہ کر لینے دو۔ یقین ہے کہ یزید تم سے امام حسینؑ کے قتل کئے بغیر بھی خوش ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں شمر نے ان پر ایک تیر چلا دیا۔ اور کہنے لگا ”بس چپ رہ خدا تجھے عارت کرے۔ تو تو بک بک کر کے ہمارا دماغ چاٹ گیا“ زہیر نے یزید کو امام حسینؑ کا عم زاد بھائی اس لئے بتایا کہ دونوں

قریبی تھے

شمر کی دریدہ دہنی :-

عاشورہ کے دن امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو لڑائی کیلئے تیار کر کے نماز صبح ادا کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ بیس سو اور چالیس پیادے تھے۔ عمر بن سعد بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ امام حسینؑ نے زہیر بن قین کو مینہ پر اور حبیب بن مظہر کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور جھنڈا اپنے بھائی عباس بن علیؑ کو دیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ لیل بیت کے خیمے ان کے عقب میں تھے۔ حضرت امامؑ نے رات ہی کو خیموں کے

پچھے کی زمین کھدو کر ایک طویل خندق بھی ہوا دی تھی۔ جو تیاری کے بعد ایک چھوٹی سی خشک نہر بن گئی تھی۔ یہ تدبیر اس لئے کی گئی کہ عقب سے حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے حکم دیا کہ لکڑیاں اور شاخیں جمع کر کے اس گہرائی میں بھر دیں اور ان کو آگ لگا دیں۔ جب لشکر اعداء نے لکڑیوں کو سلگتے اور شعلے بلند ہوتے دیکھا تو شمر لعین نے پکار کر امام حسینؑ سے کہا کہ ”تم نے تو قیامت سے پہلے ہی دوزخ میں پڑنے کا سامان کر لیا“ آپ نے فرمایا کہ ”اس میں جلنے کا تو توبہ سے زیادہ مستحق ہے!“

بیت کے پتھروں اور مخدرات عالیہ کو آگ میں جلادینے کا اقدام :-

اہل حق کی طرف سے کلبی نام ایک بزرگ نے نہایت شجاعت کے ساتھ لڑ کر ایک کاری زخم کھایا۔ جب وہ دم توڑ رہے تھے تو ان کی بیوی باہر نکل کر اپنے شوہر کے پاس آئیں ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کر کے کہنے لگیں ”آپ کو جنت مبارک ہو“ یہ دیکھ کر شمر نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ جا کر اس عورت کو بھی اس کے شوہر کے پاس پہنچا دو۔ اس نابکار نے آتے ہی کلبی شہید کے بیوی کے سر پر اس زور سے ڈنکار سید کیا کہ وہ بے چاری آنا فانا اپنی مظلومیت کی چادر بوڑھے عالم بالا کو چلی گئیں۔ پھر شمر حملہ کرتے کرتے اس غرض سے حضرت امام حسینؑ کے خیموں تک پہنچ گیا کہ ان کو کینوں سمیت جلادے۔ مخدرات اہل بیت چیخنے اور نکل نکل کر بھاگنے لگیں۔ امام حسینؑ نے بکواز بلند کہا کہ اے شمر! تو میرے اہل بیت کو جلاتا ہے خدا تجھے آگ میں جلائے۔ حمید ابن مسلم جو کوئی فوج ایک رکن رکن تھا۔ شمر سے کہنے لگا کہ ”یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ تم انہیں خدا کا عذاب دو۔ (یعنی آتش سوزاں میں جلاؤ)۔ مومنوں کی جان اور ریاض ملت کے نود میدہ غنچوں کو قطع کرو حالانکہ تم مردوں ہی کے قتل سے اپنے امیر کو خوش کر سکتے ہو“ مگر وہ ناخبر نہ مانا۔ آخر شیت ابن ابی رئیس کو فہ نے اسے اس حرکت سے منع کیا تو بہ مشکل باز آیا۔

جب امام حسینؑ کے تمام اقرباء اور جان نثار امروی ستم آرائی کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت ممدوح یکہ و تمام میدان کارزار میں رہ گئے تو اعدائے نافر جام نے ان پر چپ و راست سے حملے شروع کر دیئے۔ حضرت حسینؑ نے اپنے تحفظ و دفاع کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک مرتبہ تو داہنی طرف کے اشیاء پر حملہ کر کے ان کو بھگا دیتے اور پھر بائیں طرف کے دشمنوں کو جا کر پامال کرنے کی کوشش فرماتے۔ خود یزیدی لشکر کے مقابل لوگوں کو اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ کسی فرد واحد کو جو بالکل بے یار و مددگار ہو ان سے زیادہ مربوط، پر جوش، قوی دل اور باہمت شخص نہیں دیکھا گیا کیونکہ ان کے حملہ آور چپ و راست سے اس طرح چھٹ چھٹ

کر انگ ہو جاتے تھے جس طرح کوئی شیر بھیدوں کے ریوڑ پر جا پڑے اور وہ بد حواس ہو کر چاروں طرف بھاگیں۔ حضرت حسینؑ اس وقت میلاد شہسوہر کی طرح پاپیادہ ہی لڑ رہے تھے۔ آپ تیروں کے دلوں کو روکتے جاتے تھے اور اعداء کی صفوں میں جہاں کہیں تخلل پیدا ہوتا تھا اسی جگہ حملہ کور ہو کر کتے جاتے تھے۔ ”خدا کی قسم! تم میرے بعد خدا کے کسی ایسے بندے کو نہ قتل کرو گے جس کا قتل میری جہاں ستانی سے زیادہ تم پر قہر الہی نازل کرے۔ منتقم حقیقی تم سے میرا یہاں انتقام لے گا کہ جس کا تم لوگوں کو سان گمان نہ ہو گا“ امام حسینؑ اسی طرح بہت دیر تک تابو توڑ حملے کرتے اور حفا و دقہ کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ آخر نہایت تھک کر سستانے کیلئے وہیں چھ گئے۔ اس وقت آپ کے جسد اطہر پر گولوں، نیزوں اور تیروں کے 67 زخم تھے۔ اس حالت میں اعداء چاہتے تو کاہلہ حملہ کر کے آپ کو رفتی ازلی کے پاس پہنچا سکتے تھے مگر ان کی یہ حالت تھی کہ ہر کوئی ایک دوسرے کی ہتھ لیتا پھرتا تھا اور چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ اس کا انجام دیں اور وہ خود نہ کرے یہ کیفیت دیکھ کر شمر نے لوگوں کو لٹکا کر کہا ”تم لوگ کس انتظار میں ہو۔ اس شخص کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتے“ یہ سن کر چاروں طرف سے حملے ہوئے اور آپ کو آنا فانیاریض فردوس میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے تیرہ دل ساتھیوں کو لے حضرت امام زین العابدین علی بن حسینؑ کی طرف چلا جو علیل تھے اور علالت ہی کی وجہ سے شریک کارزار نہ ہو سکے تھے۔ شمر نے ان کو شہادت پلا کر خاندان نبوت کی آخری زندہ یادگار کو بھی دنیا سے معدوم کرنا چاہا لیکن ایک کوئی رئیس حمید بن مسلم نے کہا ”کیا تم چوں کو بھی قتل کرو گے؟“ وہ رک گیا۔ اتنے میں عمر ابن سعد نے آکر اسے وہاں سے ہٹا دیا۔

شمر کی ہلاکت :-

مختار نے اپنے غلام ذریٰ کو شمر ابن ذی الجوشن کی تلاش میں روانہ کیا۔ شمر کے ایک رفیق کار مسلم ابن ضیالی کا بیان ہے کہ مختار کے غلام ذریٰ نے ہمارا تعاقب کیا اور ہمیں آلیا۔ ہم اپنے دہلے پتلے تیز رو گھوڑوں پر کوفہ سے نکل چکے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ اپنا گھوڑا اڑاتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ جب وہ قریب آیا تو شمر ہم سے کہنے لگا کہ ”تم اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاؤ اور مجھ سے دور چلے جاؤ۔ غالباً یہ غلام میری تاک میں آیا ہے“ ہم نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ دی اتنے میں غلام نے تلوار نکال کر شمر پر حملہ کر دیا۔ ذریٰ کو قتل کر کے وہ کلتانیہ نام ایک گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا اور گاؤں سے باہر ایک ٹیلے کے پاس فردکش ہوا۔ ہم بھی ساتھ تھے اس کے بعد شمر نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر پہلے تو اسے مرعوب کرنے کیلئے پیٹا۔ پھر کہا کہ میرا یہ خط مصعب ابن زہیرؓ کے پاس بصرہ لے جاؤ۔ مصعب ابن زہیرؓ حضرت امام حسینؑ کے دلدل یعنی سیکڑ کے شوہر

اور اپنے بھائی عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ شمر نے اس خط میں درخواست کی تھی کہ مجھے اپنی حفاظت میں لے لیں۔ دیرسائی یہ خط لیکر بصرہ روانہ ہوا۔ راستہ میں وہ ایک ایسے گاؤں میں پہنچا جہاں ابو عمرہ نام مختار کا ایک اہلکار رہتا تھا اسے اس گاؤں کا ایک اور کسان ملا جس سے اس کی پرانی ملاقات تھی۔ وہ اس سے شمر کی بدسلوکی اور ایذا رسانی کا شکوہ کرنے لگا۔ یہ دونوں کھڑے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ ابو عمرہ کا ایک سپاہی ان کے پاس سے گذرا۔ جس کا نام عبدالرحمن ابن ابونکود تھا۔ اس نے کسان کی باتیں سن کر خط لے لیا اور پڑھ کر پوچھنے لگا۔ شمر کہاں ہے؟ اس نے اس کا پتہ بتایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس جگہ سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ اب یہ لوگ شمر کی طرف چلے۔ میں اس وقت شمر ہی کے ہمراہ تھا۔ ہم لوگوں نے شمر سے کہا "کاش تم ہمیں اس گاؤں سے لے چلتے" ہم یہاں سخت خوف زدہ ہیں" شمر نے کہا "یہ خوف اسی کذاب (مختار) کی چیرہ دستیوں کا نتیجہ ہے" اس مقام پر ریچھوں کی بڑی کثرت تھی۔ میں نیم بیدار تھا۔ اتنے میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ریچھ ہوں گے۔ مگر جب آواز زیادہ شدید ہوئی تو میں جاگ اٹھا اور یقین ہوا کہ یہ ریچھوں کی آواز نہیں ہے۔ اتنے میں گھوڑوں کے سوار نیلے سے اتر کر ہمارے پاس پہنچ گئے اور آتے ہی صدائے تکبیر بلند کی۔ ہم اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ سب شمر پر ٹوٹ پڑے۔ شمر نے بڑی پھرتی سے نیزہ اٹھلایا اور ہر طرف وار کرنے لگا۔ وہ اس وقت یہ رجز یہ اشعار پڑھ کر مقابلہ کر رہا تھا (ترجمہ) "تم نے کھار کے ایک دلیر اور خون آشام شیر کو براہیخت کیا ہے جو مضبوط اور توانا ہے کندھے توڑتا ہے۔ وہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں عاجز و کمزور ہو کر نہیں سوتا بلکہ لڑتا اور لڑاتا رہتا ہے۔ ان کو تلوار کی ضرب سے جدا کرتا اور اپنے نیزے کو سیراب کرتا" اب شمر نے نیزہ چھوڑ کر تلوار اٹھائی اور اس سے لڑتا رہا۔ آخر عبدالرحمن بن ابونکود نے اس کے ایک ایسی تلوار ماری کہ لڑکھڑا کر گر اور جان دیدی۔ جب وہ ہلاک ہو گیا تو یہ لوگ اس کی نجس لاش کو کتوں کی غذا بننے کیلئے ایک گڑھے میں پھینک کر اپنے گاؤں کو واپس چلے آئے۔

دوسرے اشقیاء کی ہلاکت

خولی ابن یزید کا قتل اور شان ابن انس کا فرار :-

جب ارباب زبغ کی برق جو دستم حضرت حسینؓ کے اقرباء اور اعموان و انصار پر گر کر ان کو بے جان کر چکی اور حضرت امام حسینؓ بے یار و مددگار رہ گئے تو اعداء نے اپنے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زخموں سے تو پہلے یہ ٹڈال ہو رہے تھے۔ زرعہ ابن شریک کبھی نے آپ

کے بائیں ہاتھ اور دوش مبارک پر تلوار وار کیا۔ اس کے بعد سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت جناب ممدوح کی یہ حالت تھی کہ کبھی تو کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ ایسی حالت میں سنان لکن انس غمی نے آپ پر نیزے کا وار کیا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اب سنان نے اپنے رفیق کار خولی لکن یزید سے کہا کہ اب تم وار کر کے سر کو تن سے جدا کر دو۔ اس نے چاہا کہ ایسا کرے مگر ضعف اور کچھلی کی وجہ سے اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر سنان نے خود گھوڑے سے اتر کر آپ کو شرمٹ شہادت پلایا اور آپ کا سر مبارک کاٹ کر خولی کے ہاتھ میں دیدیا۔ حضرت امام حسینؑ کی جان لینے میں جن اشقیاء نے سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی وہ سب کے سب شمر لھمن کے کوئی چیلے چائے تھے۔ اس قیامت خیز حادثہ کے بعد یزیدی سپاہیوں نے سنان سے کہا ”تم نے حسینؑ کی جان لیکر سب سے بڑے ”خطرناک“ عرب کو قتل کیا ہے۔ اب تم اپنے امیر کے پاس جا کر انعام طلب کرو“ وہ جا کر عمر ابن سعد کے خیمہ کے دروازے پر بلند گوازے یہ شعر پڑھنے لگا۔ (ترجمہ) ”میری رکاب کو سونے اور چاندی سے بھر دو کیونکہ میں نے ایک نامور سردار کو قتل کیا ہے۔ میں نے ایسے شخص کی جان لی ہے جو لمحاظ مادر و پدر اور بہ اعتبار حسب و نسب بہترین شخص تھا“ عمر ابن سعد نے پہرہ داروں سے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ عمر کے سامنے گیا تو عمر نے اسے ایک لکڑی مار کر ٹھٹھا دیا اور کہا ”تو دیوانہ ہے جو ایسی بےجی ہوئی باتیں کرتا ہے“ آخر جب مختار نے مقاتلین امام حسینؑ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا تو یہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا۔ پھر معلوم نہیں اس کا کیا حشر ہوا؟ مختار نے اس کے مکان کو منہدم کرادیا۔

خولی لکن یزید حضرت امام حسینؑ پر قاتلانہ حملے کرنے سے پہلے آپ کے تین بھائیوں جعفر ابن علی، عبد اللہ بن علی اور عثمان بن علی کو جرحہ شہادت پلا چکا تھا۔ ان تینوں کی والدہ ام العین کوفہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ یہی خولی امام حسینؑ کا سر مبارک کربلا سے اپنے ہمراہ کوفہ لایا تھا۔ خولی سر مبارک کو لئے ہوئے قصر امارت میں پہنچا تو قصر کو بند پا کر اپنے گھر چلا گیا اور سر کو ایک بلند مقام پر رکھ کر اپنی خواہگاہ میں داخل ہوا اور اپنی بیوی عیوف بنت مالک سے جو حضر موت کی رہنے والی تھی کہنے لگا ”میں تیرے لئے ہمیشہ کی دولت مندی لایا ہوں یہ دیکھ حسینؑ کا سر تیرے گھر میں رکھا ہوا ہے“ اس نے کہا بدخت ڈوب مر! لوگ تو سونا چاندی لائے ہیں اور تو لکن رسول اللہ ﷺ کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب میرا اور تیرا سر دونوں ایک مکان میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس نیک سرشت خاتون کا بیان ہے کہ ”اس وقت ایک نور آسمان کی طرف سے امام حسینؑ کے سر مبارک کی طرف آ رہا تھا اور ایک سفید پرندا اس کے گرد منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا“ جب محمد نے اپنے سلسلہ دلدرد گیر میں اپنے آدمی خولی لکن یزید کے پکڑنے کو بھیجے تو وہ ردپوش

ہو گیا۔ مختار کے آدمی اس کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچے۔ اس کی بیوی جو اسی وقت سے اس کی دشمن ہو گئی تھی جبکہ وہ حضرت حسینؑ کا سر مبارک اپنے گھر میں لایا تھا ان سے پوچھے لگی تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے زبان سے تو لاعلمی ظاہر کی مگر ہاتھ کے اشارے سے اس کے چھینے کی جگہ بتادی۔ یہ اس جگہ پہنچے اور دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ایک ٹوکرا رکھے بیٹھا ہے۔ یہ اسے باہر کھینچ لائے۔ مختار اس وقت کوفہ میں ایک جگہ چل قدمی کر رہا تھا اس وقت ابن کامل بھی اس کے ساتھ تھا۔ اتنے میں ایک قاصد نے آکر اطلاع دی کہ خولی گرفتار ہو گیا ہے مختار وہاں پہنچا اور حکم دیا کہ اس کو اس کے گھر والوں کے سامنے لا کر قتل کر دو اور پھر آگ میں جلا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور جب تک اس کی لاش جل کر خاکستر نہ ہو گئی مختار وہیں ٹھہرا رہا۔

حسین ابن نمیر کا قتل :-

حسین ابن نمیر کوفہ کے محکمہ پولس کا افسر اعلیٰ تھا۔ جب حضرت امام حسینؑ کی آمد آمد تھی تو ابن زیاد نے اسے کربلا کی یزیدی فوج کے زرہ پوش سواروں کا بھی افسر بنا دیا۔ اس کی شقاوت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت قریب آیا تو ابو ثمامہ صائدی امام حسینؑ کی خدمت میں عرض پیرا ہوئے۔ ”میری جان آپ پر قربان ہو، اے ابن رسول میری خواہش ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملوں کہ میں نے اس وقت کی نماز ادا کر لی ہو“ امام حسینؑ نے فرمایا ”تم نے خدا کو یاد کیا ہے خدا تم کو مصلیوں اور ذاکروں کے زمرہ میں داخل کرے۔ ہاں اب نماز کا وقت شروع ہے مگر ذرا جا کر فریق مقابل سے کہہ دو کہ تھوڑی دیر کیلئے حملہ آوری سے رک جائیں تاکہ ہم نماز ادا کر لیں“ حسین ابن نمیر نے پکار کر کہا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب ابن مظاہر نے جو امام حسینؑ کے جاں نثاروں میں تھے جواب دیا ”لو گدھے! تو سمجھتا ہے کہ آل رسول ﷺ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری قبول ہو جائے گی“ یہ سن کر حسین نے ابن پر حملہ کیا۔ حبیب نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے سم پر تلوار مار دی۔ حسین لڑکھڑا کر گر کر اس کے ساتھیوں نے اسے چالیا اور شاید اسی روز کا واقعہ ہے کہ امام حسینؑ پر نعلنی نے غلبہ کیا۔ کپ پانی پینے کیلئے دریائے فرات پر گئے اور خدائے قدوس کی حمد و ثناء کے بعد کہا ”اٹھی! میں تیرے پاس اس سلوک کی شکایت کرتا ہوں جو تیرے نبی کے نواسے سے روا رکھا جا رہا ہے۔ اٹھی! ابن خالموں کو جن جن کر ہلاک کر“ لیکن ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے کپ کے چرہ منور پر تیرہا تھا وہ حسین ابن نمیر نہ تھا بلکہ قبیلہ بن لبان کا ایک شخص تھا۔ خدائے شہید اللہ نے اسے پیاس کے مرض میں مبتلا کر دیا کہ کبھی پانی سے

میرے ہی نہ ہوتا تھا۔ ہر چند اس کیلئے پکھے جھلے جاتے تھے اور سرد پانی اور شربت دیا جاتا تھا مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ ہر وقت یہی کہتا تھا کہ ”مجھے پانی دو، پانی دو۔ پیاس نے مجھے مار ڈالا“ کچھ عرصہ تک اسی عذاب میں مبتلا رہا۔ آخر اس کا پیٹ اونٹ کے شکم کی طرح پھول گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ حسینؑ لنن نمبر بھی لنن زیاد کے ساتھ جنگ موصل میں قتل ہوا تھا۔ اس کا حملہ کور شریک لنن جدیر تغلبی تھا۔ وہ اس کو لنن زیاد سمجھ کر چٹ گیا اور آواز دی کہ ”جلد آؤ اور لنن زانیہ (لنن زیاد) کو ہلاک کر دو“ چنانچہ مختار کی فوج کے آدمی پہنچے اور لنن نمبر پر حملہ کر کے اسے خاک ہلاک پر لٹا دیا۔

مرہ لنن منقذ پر حملہ اور اس کا فرار :-

مرہ لنن منقذ عبدی نے امام حسینؑ کے صاحبزادہ علی اکبرؑ کو جام شہادت پلایا تھا۔ علی اکبرؑ کی والدہ لیلی بنت ابو مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ جناب علی اکبرؑ نے میدان جانشان میں آکر بھی رجزیہ اشعار ہی شروع کئے تھے کہ مرہ نے ان پر نیزے کا وار کیا وہ گر گئے اور اعداء نے بڑھ کر ان کو تلواروں سے نکلے نکلے کر ڈالا۔ امام حسینؑ ان کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے ”اے میرے بچے! جن لوگوں نے تجھے قتل کیا ہے خدا ان کو قتل کرے اف! یہ لوگ خدائے عزیز و جبار کا مقابلہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی آمد و ریزی میں کس قدر بیباک ہیں؟ بیٹا! تیرے بعد دنیا ایک چھیل میدان ہے“ پھر امام حسینؑ اپنے چند جان نثاروں کو ساتھ لے کر ان کی طرف گئے اور فرمایا کہ اپنے بھائی کو اٹھالے چلو حکیم ابن طفیل کی جاں ستانی کے بعد مختار نے حضرت علی اکبرؑ کے قاتل مرہ لنن منقذ کی طلب میں آدمی بھجے یہ بڑا جنگجو آدمی تھا مختار کے آدمیوں نے جا کر اس کا مکان گھیر لیا وہ اپنے تیز رو گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے ان کا مقابلہ کرنے کیلئے برآمد ہوا اور حملہ آوروں پر نیزہ زنی کرتا رہا مگر اس کے نیزے سے کسی کو گزند نہ پہنچا لنن کامل نے تلوار سے اس پر وار کئے وہ ان کو اپنے بائیں ہاتھ سے روکتا گیا اس طرح تلوار اس کے ہاتھ میں اتر گئی یہ دیکھ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی گھوڑا اسے اس تیزی سے لے اڑا کہ یہ لوگ اسے کسی طرح نہ پاسکے یہاں سے وہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا مگر اس کے بعد اس کا ہاتھ ہمیشہ کیلئے شل اور پیکار ہو گیا۔

زید بن رقاد جبانی کی ہلاکت :-

حضرت مسلم لنن عقیل کو جو جناب امام حسینؑ کے عم زولو بھائی تھے کربلا کے قیامت خیز خونین حولوت سے تھوڑے ہی دن پہلے لنن زیاد نے کوفہ کے قصر لادت کی چمت پر قتل کر دیا۔

تھان کے دوخورد سال فرزند تو انہی کے ساتھ کوفہ میں ان زیاد کے تیر جفا کا نشانہ بن کر دنیا سے گزر گئے تھے تیسرے صاحبزادے عبد اللہ جو ان دونوں سے بڑے تھے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آئے ہوئے تھے زید ان رقاد جبانی نے ان کی جان لے کر دنیا اور عقبیٰ کی رسوائی خرید لی یہ تابکار خود ازراہ نعر اس بات کا مدعی تھا کہ میں نے عبد اللہ ان مسلم کو جرد امرگ پلایا تھا یہ شخص کہا کرتا تھا کہ جب میں نے عبد اللہ کے تیر مارا تو اس نوجوان نے اپنی پیشانی کو پیکان سے محفوظ رکھنے کیلئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا مگر میرے تیر نے اس ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ ایسا پیوست کر دیا کہ وہ اسے پیشانی سے ہٹانہ سکا جب اس کا ہاتھ پیشانی سے کسی طرح علیحدہ نہ ہو سکا تو اس نے دعا کی الہی جس طرح ہمارے دشمنوں نے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسا ہی ذلیل کر اور جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے اسی طرح تو بھی انہیں ہلاک کر اس کے بعد میں نے ایک لور تیر چلایا جس نے اس لڑکے کا خاتمہ کر دیا اس کے بعد میں اپنے مقتول کے پاس آیا جس تیر سے اس کی ہلاکت واقع ہوئی تھی وہ تو میں آسانی سے اس کے شکم میں سے نکال لیا مگر دوسرے تیر کو جو پیشانی پر لگا تھا نکالنے کی بہت جدوجہد کی اس کی لکڑی تو میرے ہاتھ میں آگئی مگر پیکان پیشانی ہی میں پیوست رہا اور اسے میں نہ نکال سکا مگر نے اس کی تلاش کیلئے پولیس روانہ کی جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو وہ گھوم لے کر ان کی طرف بڑھا ان کا دل پوکیس افسر تھا اپنے آدمیوں سے کہا کہ کوئی شخص اس پر تلوار یا نیزہ نہ چلائے بلکہ تیروں اور پتھروں سے ہی اس کا کام تمام کر دو چنانچہ اس پر پتھروں اور تیروں کا سینہ بربٹے لگا وہ زخمی ہو کر گر پڑا ان کا دل نے کہا کہ اگر کچھ رمت باقی ہو تو اسے باہر لے آؤ وہ باہر لائے تو ابھی زندہ تھا ان کا دل نے آگ منگو کر اسے زعمہ ہی آگ میں جمو تک دیا۔

عمر ولین حجاج زیدی کی ہلاکت :-

جس طرح بہت سے نوذی لوگ اپنی سرکار پرستی پر فخر کرتے ہیں اسی طرح عمر ولین حجاج کو بھی امیر المومنین (یزید) کی وفادار رعایا ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا کربلا کے ایک معرکہ میں اعداء دست بدست لڑائی کرنے کی غرض سے آگے بڑھے لیکن ان کا جو آدمی بھی مقابلہ پر آیا وہ وہیں کھیت رہا یہ دیکھ کر عمرو ان حجاج نے جو ان کا افسر تھا چلا کر یزیدی فوج سے کہا کہ ”اے شہسوارو! کیا تمہیں معلوم ہے کس سے لڑ رہے ہو؟“ تم ایسے لوگوں سے برتری چاہتے ہو جو موت کے خواہاں ہیں۔ خبردار آئندہ کوئی شخص ان سے دست بدست مبارزہ کرنے کیلئے نہ نکلے کیونکہ یہ مٹھی بھر ہیں۔ ان میں سے جج کر کوئی مشکل ہی جاسکے گا۔ تم تو ان پر سنگباری ہی کرتے تو بھی ان کو متاعل و معدوم کر سکتے تھے۔ اہل کوفہ! اپنی اطاعت اور جماعت کا التزام

رکھو اور اس شخص (امام حسینؑ) کے قتل میں مطلق تردد نہ کرو۔ جس نے دین میں رخنہ اندازی کی۔ اور امام (یزید) سے برسرِ خلاف ہوا۔ امام حسینؑ نے اس کا بیان سن کر فرمایا۔ ”اے عمرو! حجاج! کیا تم لوگوں کو میرے خلاف مشتعل و براہیختہ کرتے ہو؟ کیا ہم نے دین میں رخنہ اندازی کی ہے۔ یا تم نے؟ واللہ! جب تمہاری رو میں قبض کی جائیں گی۔ دنیا سے بصد حسرت و یاس کوچ کرو گے تب تم پر حقیقت حال کھلے گی“ جو اشقیاءِ پانی کی ہدش پر متعین تھے عمرو! حجاج! ان کا افسر تھا۔ جب امام حسینؑ کو آپ کے انصار پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی میں عباسؑ کو بلایا۔ تمیں سوار تیس پیادے اور تیس مٹکیں ان کے ساتھ کر دیں اور پانی کیلئے روانہ کیا یہ لوگ رات کے وقت دریا پر پہنچے۔ جناب نافع ابن ہلال چلتے ہوئے سب سے آگے بڑھ گئے۔ عمرو! حجاج پکارا کون ہے؟ کیوں آئے ہو؟ نافع نے کہا ”پانی پینے آئے ہیں“ ان حجاج نے کہا ”تم لوگوں کو پانی پینے کی اجازت نہیں ہم یہاں اسی لئے متعین ہیں کہ پانی نہ لینے دیں“ نافع نے پیادوں سے کہا کہ جا کر پانی مہر دو۔ پیادے دوڑ پڑے اور سب نے اپنی اپنی مٹکیں بھر لیں۔ عمرو! حجاج نے اپنی جمعیت کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ جناب عباسؑ ابن علیؑ اور ان کے ہمراہ سواروں نے جو اہلی حملہ کر کے سب کا منہ پھیر دیا۔ اب عباسؑ نے پیادوں سے کہا کہ تم لوگ جلدی سے نکل جاؤ اور خود دشمنوں کو روکنے کیلئے ٹھہرے رہے۔ اتنے میں عمرو پھر پلٹ پڑا اور مقابلہ شروع کر دیا۔ بلال نے ایک یزیدی پر نیزہ وار کر کے اس کو ہلاک کر دیا اور انصار حسینؑ مہری ہوئی مٹکیں لیکر صحیح و سلامت اپنے خیموں میں پہنچ گئے۔ مختار نے عمرو کی گرفتاری کیلئے آدمی بھیجے۔ اس کے کان میں بھٹک پڑ گئی۔ جھٹ اسپ باو پیا پر سوار ہو کر نصہ کی راہ لی اور قیامت تک کیلئے مفقود ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مختار کے آدمیوں نے اسے ایسے حال میں جا پکڑا وہ شدتِ تنگی سے جان بلب تھا۔ انہوں نے ہلاک کر کے اس کا سر اتار لیا۔

عبدالرحمنِ حلی کا قتل :-

عبدالرحمنِ حلی جناب مسلم بن عوسجہ کا قاتل ہے جو کوفہ میں جناب مسلم ابن عقیلؑ کے سب سے بڑے معاون تھے جناب مسلم ابن عقیلؑ کی شہادت کے بعد مسلم ابن عوسجہ نے جیسے ہی سنا کہ امام حسینؑ تشریف لارہے ہیں تو یہ اگر ان کے شریک کار ہو گئے۔ امام حسینؑ کے اعموان و انصار میں مسلم ابن عوسجہ اسدی سب سے پہلے زخمی ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ عمرو بن حجاج نے حضرت امام حسینؑ پر فرات کی طرف سے حملہ کیا۔ تھوڑی دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ جب عمرو بن حجاج حملہ کر کے پلانا تو معلوم ہوا۔ مسلم ابن عوسجہ زخم خوردہ زمین پر پڑے جب۔ ابھی کچھ رفق باقی تھے کہ حضرت امام حسینؑ ان کے پاس آئے اور کہا ”مسلم! خدا تجھ پر رحم

کرے“ پھر حبیب اللہ مظاہر نے ان کے قریب آکر کہا ”اے ابن عوجہ! مجھے تمہارے قتل کا بڑا قلق ہے لیکن تمہیں بہشت مبارک ہو“ ابن عوجہ نے نہایت آہستگی سے جواب دیا ”خدا تم کو بھی خیر و خوبی مبارک کرے“ حبیب نے کہا ”میں بھی ابھی تمہارے پاس آنے کو ہوں ورنہ تم سے کتا کہ کچھ وصیت کر جاؤ“ مسلم ابن عوجہ نے امام حسین کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ ”بس ان پر اپنی جان فدا کرنا“ حبیب نے کہا ”واللہ! میں ایسا ہی کروں گا“ جب مسلم ابن عوجہ کی روح نے تن سے مفارقت اختیار کی تو ان کی کینز ان کا نام لے لے کر بین کرنے لگی۔ عمروان جہانج کے لشکر میں خوشی کے شادیاں بچنے لگے کہ ہم نے مسلم ابن عوجہ کو شہید کر دیا۔ شہادت ابن ربیعہ کوئی پر جو یزیدی لشکر میں ایک سربر آوردہ رئیس تھا۔ اپنے آدمیوں سے کہنے لگا ”خدا تمہیں غارت کرے اپنے عزیزوں کو اپنے ہی ہاتھ سے قتل کرتے ہو اور پھر خوشیاں مناتے ہو اور عزیز بھی مسلم ابن عوجہ ایسا شخص جو کوفہ کا مایہ ناز فرزند تھا“ اس کے بعد کہنے لگا ”واللہ میں نے آذربجان کے معرکہ میں چشم خود دیکھا تھا کہ ابھی مسلمانوں کے سوار کافروں کے مقابلہ میں آ بھی نہیں پائے تھے کہ مسلم ابن عوجہ چھ کافروں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ افسوس تم ایسے مجاہد فی سبیل اللہ کی جان لیکر خوش ہو رہے ہو“ مسلم ابن عوجہ کو عبداللہ ضیائی نے قتل کیا تھا۔ مختار نے حکم دیا کہ عبدالرحمن بن بوخشاہ جھلی لور کوفہ کے فلاں فلاں یزیدی اشتیاء حاضر کئے جائیں۔ پولیس عبدالرحمن جھلی کے ساتھ زیاد اللہ مالک صبیعی، عمران خالد قسیری لور عبداللہ ابن قیس خولانی کو بھی پکڑ لائی۔ مختار نے ان سے کہا ”اے صالحین امت کے قتل کرنے والو! اور سید شباب اہل البیت کی جان لینے والے بھیڑیو! آج خدا نے تم سے خوب انتقام لیا ہے“ یہ کہہ کر حکم دیا کہ سب کی گردنیں مادی جائیں چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اپنے سینہ پر رنج و عناء کے صد بزم داغ لیکر اس عبرت کدہ ہستی سے چلے گئے۔

مالک ابن نسر بدی کی جانتانی :-

مالک ابن نسر بدی وہی شقی ہے جس کے پاس حضرت امام حسینؑ کی نوہی تھی۔ شہادت ہی کے روز کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ تن تنہا مدینہ کا دروازہ سے گزرے رہے کسی نے تعرض نہ کیا اور صبح کا سمت سادقت اسی حالت میں گزر گیا۔ جب کبھی کوئی کوئی آپ کی طرف آتا تو جھجک کر وہیں چلا جاتا۔ لور آپ کو ضرر پہنچا کر اپنے سر پر گندہ عظیم لینے کی جلدت نہ کرتا۔ آخر قبیلہ ہو کندہ کا ایک شخص مالک ابن نسر بدی آپ کی طرف بوجہ اور کولہ سے آپ کے سر مبارک پر وار کیا جس سے آپ کی نوہی کٹ گئی۔ سر خون آلودہ ہو گیا اور نوہی خون سے بھر گئی۔ امام حسینؑ نے اس سے کہا ”خدا ظالموں کے ساتھ تیرا حشر کرے“ پھر امام حسینؑ نے اس خون سے تھڑی

ہوئی ٹوپی کو سر سے اتار کر پھینک دیا۔ اور دوسری ٹوپی پہن لی۔ بدی نے پہلی ٹوپی اٹھالی اور اپنے اہل و عیال میں لا کر اسے دھونے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے کہا ”کیا ابن رسول اللہؐ کا چھیننا ہو الباس تو میرے گھر میں لاتا ہے؟ میرے پاس سے چلا جا“ یہ شخص اس کے بعد سخت مفلس و قلاش ہو گیا اور ساری عمر فقر و فاقہ میں گزاری۔ انجام کار جب عتقاد نے پکڑ دھکڑ شروع کی تو بدی اور چند دوسرے اشیاء کو فہ سے قادیہ کو بھاگ گئے۔ عتقاد نے مالک ابن عمرو ہندی نام ایک افران کو ان کی گرفتاری کیلئے بھیجا۔ اس نے انہیں جا پکڑا اور عشاء کے وقت عتقاد کے پاس لے آیا۔ عتقاد نے ان سے کہا ”اے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب اور آل رسول کے دشمنو! حسینؑ ابن علیؑ کہاں ہیں؟ میرے پاس حسینؑ کو لاؤ۔ تم نے اس بزرگ ہستی کو قتل کیا جس پر نماز میں درود و سلام بھیجنے کا تم کو حکم دیا گیا تھا“ انہوں نے کہا ”اللہ امیر پر رحم کرے۔ ہمیں جبراً ان کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا آپ ہم پر احسان کریں اور چھوڑ دیں“ عتقاد نے کہا ”تم نے اپنے نبی کے نواسے پر کیوں احسان نہ کیا؟ اس پر تم کو کیوں رحم نہ آیا؟ انہیں کیوں پانی نہ پینے دیا؟“ اس کے بعد بدی سے خطاب کر کے کہا ”کیوں بے بدی کے بچے! تو نے جناب امام حسینؑ کی ٹوپی اتاری تھی؟“ عبد اللہ ابن کامل نے کہا ”ہاں جناب! یہی وہ شخص ہے“ عتقاد نے حکم دیا کہ ”بدی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قطع کر کے چھوڑ دو تاکہ یہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اسی طرح خون نکلنے نکلنے ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دونوں سامنے بھی ننگ شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔

حکیم لن طفیل طائی کا قتل

عتقاد نے اپنے افر پورس عبد اللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ حکیم لن طفیل طائی کو بھی گرفتار کیا جائے۔ اس نے قتل کر بلا میں حضرت عباس علم بردار کے لباس و اسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت امام حسینؑ کے تیرہ ہاتھ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ ”میرا تیرہ حسینؑ کے پاجامے میں انک کر رہ گیا تھا اور اس سے ان کو کوئی گزند نہ پہنچا تھا“ لن کامل نے اس کو گرفتار کیا اور عتقاد کے پاس لے چلا۔ ان دنوں حضرت عدی لن حاتم طائی جو پیغمبر خدا ﷺ کے صحابی تھے کو فہ میں تشریف فرما تھے چونکہ یہ شخص حضرت عدیؑ کا ہم قوم تھا۔ حکیم لن طفیل کے اقرباء روتے پیتے ان کے پاس فریاد رسی کیلئے پہنچے اور جناب عدیؑ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ ”حکیم بالکل بے گناہ ہے۔ اس نے اہل بیت نبوت کے خلاف کسی کام میں حصہ نہیں لیا“ حضرت عدیؑ سفارش کرنے پر گماہ ہو گئے حضرت عدیؑ نے پہلے عبد اللہ ابن کامل سے مل کر سفارش کی اس نے کہا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا امیر عتقاد حاکم مجاز ہیں حضرت عدیؑ نے کہا کہ میں عتقاد کے پاس بھی جاتا ہوں اس سے

پیشتر محمد نے بہت سے ملاموں کو حضرت عدیؓ کی سفارش پر چھوڑ دیا تھا مگر ان لوگوں میں سے کسی پر آل رسولؐ کے قتل کا الزام نہیں تھا جب حضرت عدیؓ قصر لادت کی طرف روانہ ہوئے تو شیعوں نے لنن کامل سے کہا کہ ہمیں خوف ہے کہ امیر محمد اس خبیث کے متعلق حضرت عدیؓ کی سفارش قبول کر لیں گے حالانکہ اس کا جرم ثابت ہے اس لئے اگر اجازت دو تو ہم حکم رہائی سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیں لنن کامل نے انہیں اجازت دے دی انہوں نے حکیم کو جس کی مشکلیں ہمہ ہی ہوئی تھیں ایک جگہ نشانہ بنا کر کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباسؓ کے کپڑے اتارے تھے ہم تیرے کپڑے اتارتے ہیں چنانچہ اس کو ہر ہند کر دیا پھر اس سے کہا کہ تو نے امام حسینؑ کو صرف ایک تیر کا نشانہ بنایا تھا ہم بھی تجھے ایک ہی تیر کا نشانہ بناتے ہیں چنانچہ اس کے ایک ایسا تیر مارا جو پیام مرگ ثابت ہوا کہتے ہیں کہ گو تیر ایک ہی تھا لیکن اس کی ساخت اس قسم کی تھی کہ اس میں سے بہت سے پیکان نکل کر آگے جب حضرت عدیؓ محمد کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی آؤ بھکت کی اور اپنے پاس بٹھلایا عدیؓ نے اپنے آنے کی غرض بیان کی محمد نے کہا کیا آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہو کر اس امر کو روارکتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قاتلوں کو مجھ سے طلب فرمائیں؟ حضرت عدیؓ نے کہا کہ آپ کو اس کے متعلق غلط اطلاعات پہنچی ہیں مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ وہ بالکل بے گناہ ہے "محمد نے کہا "اچھا میں آپ کی خاطر اسے چھوڑ دیتا ہوں اتنے میں لنن کامل بھی وہاں پہنچ گیا محمد نے پوچھا کہ حکیم کیا ہوا؟ لنن کامل نے کہا شیعوں نے اسے قتل کر ڈالا محمد نے کہا میرے پاس لائے بغیر اس کے قتل میں کیوں اتنی جلدی کی؟ دیکھو جناب عدیؓ اس کی سفارش کو تشریف لائے ہوئے ہیں اور یہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی سفارش قبول کی جائے "لنن کامل نے کہا میں مجبور تھا شیعوں نے کسی طرح نہ مانا یاد رہے کہ اس باب میں جہاں کہیں شیعہ کا لفظ آیا ہے اس سے آج کل کے رافضی مراد نہیں ہیں جو حضرت سید الاولین و الاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہلو کو گالیاں دیتے ہیں بلکہ شیعان علیؑ سے مراد صرف حامیان علیؑ ہیں یعنی وہ لوگ جو علیؑ ر غم اہل شام حضرت امیر المومنین علیؑ کے معاون و ناصر تھے۔

عثمان ابن خالد جہنی کا قتل :-

ایک دن محمد نے عبد اللہ لنن کامل کو حکم دیا کہ عثمان لنن خالد جہنی اور بخر ابن سوط قاصی کو گرفتار کر لاؤ یہ دونوں اشخاص حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ برسر پیکار تھے اور جناب عبد الرحمن ابن عقیل لنن ابی طالب کو شہید کر کے ان کے لباس اور اسلحہ قبضہ کر لیا تھا عبد اللہ لنن کامل عصر کے وقت ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بنی وہان کی مسجد میں پہنچا اور لنن لوگوں سے کہا کہ اگر عثمان لنن خالد میرے پاس نہ لایا گیا تو میں تم سب کی گردن مار دوں گا وہ وہان نے

کہا ”ہمیں مہلت دیجئے ہم اسے تلاش کرتے ہیں“ چنانچہ اس کی تلاش شروع ہوئی چونکہ مختار کی طرف سے قاتلان اہل بیعت کے خلاف داروگیر کا سلسلہ زور شور سے جاری تھا یہ دونوں کوفہ سے اس کوشش میں نکلے تھے کہ جزیرہ کو بھاگ جائیں بنی وجمان نے ان دونوں کو ایک احاطہ میں پایا اور انہیں اپنے ساتھ عبداللہ ابن کامل کے پاس لے آئے اس نے انہیں دیکھ کر کہا خدا کا شکر ہے کہ مجھے تم پر قابو ملا ”لکن کامل انہیں لے کر روانہ ہوا جب ہوجعد کے کنوئیں پر آیا تو دونوں کی گردن ماردی اور دار الامارت پہنچ کر مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دی مختار نے حکم دیا کہ واپس جاؤ اور ان کی لاشوں کو نذر آتش کر دو اور جب تک لاشیں جل نہ جائیں ان کے دفن کرنے کی ممانعت کر دو چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔“

عمر و لکن صبح صید لوی کی ہلاکت :-

عمر و لکن صبح صید لوی نے حضرت عبداللہ لکن اہل طالب کو شہید کیا تھا جب رات کا زیادہ حصہ گزر چکا اور سب لوگ سو گئے تو پولیس گرفتاری کیلئے اس کے مکان پر پہنچی یہ اس وقت مکان کی چھت پر بے خبر سو رہا تھا کھوار اس کے سر ہانے رکھی تھی پولیس نے اچانک سر پر پہنچ کر پہلے کھوار پر قبضہ کیا پھر اس کو گرفتار کر لیا جب اس نے اپنے تئیں پولیس کی گرفت میں دیکھا تو کہنے لگا ”اللہ اس کھوار کا برا کرے یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی لیکن اب کتنی دور ہو گئی“ یہ لا کر عتد کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت عتد نے اسے اپنے قصر ہی میں قید کر دیا اور صبح کو دربار عام کیا جب بیعت سے لوگ جمع ہو گئے اور یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہوا اس کے سامنے حاضر کیا گیا تو عتد کو خطاب کر کے نہایت ہنسنائی سے کہنے لگا ”اے کافر دغا جبر! اگر میرے ہاتھ میں کھوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں کمزور اور پست ہمت نہیں ہوں میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں تمہارے جائے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے مارا جاتا کیونکہ میں تمہیں بدترین خلائق سمجھتا ہوں کاش! اس وقت کھوار میرے ہاتھ میں ہوتی تو تجھے مزا چکھادیتا اس کے بعد اسے نے پولیس افسر عبداللہ لکن کامل کی آنکھ پر زور سے طمانچہ رسید کیا لکن کامل ہنسنا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر عتد سے کہنے لگا ”یہ شخص کتا ہے کہ میں نے آل محمد کو زخمی کیا اور ان پر نیزہ بازی کی اب آپ اس کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں؟ مختار نے کہا نیزے مار مار کر اس کا کام تمام کر دو چنانچہ اس حکم کی فورا تعمیل کر دی گئی۔

اسی طرح عتد نے بہت سے دوسرے دشمنان آل رسول کا بھی قلع قمع کیا لیکن خوف طوالت اس پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حضرات اخذ و بطلش کے مزید عتد کی کارنامے معلوم کرنا چاہیں وہ مدنی لکن جریہ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل 5: دعوای نبوت وحی

شیعہ بننے کی غرض و غایت :-

() اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مختار کو ابتدا میں اہل بیت نبوت سے کوئی محبت و ہمدردی نہ تھی بلکہ خارجی المذہب ہونے کے باعث آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض و عناد رکھتا تھا لیکن اس کے بعد مصلحتاً اپنے تئیں شیعہ اور محبت اہل بیت ظاہر کر کے مقابلین امام حسینؑ کے درپے انتقام ہو اسی یزید یوں کا قلع قمع جو اس سے صورت پزیر ہو اس کی تہ میں دراصل استمالت قلوب اور حب جاہ و ریاست کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے اس سے کہا ”اے لبا اسحاق! تم کس طرح اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے لگے تمہیں تو ان حضرات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا کہنے لگا کہ جب میں نے دیکھا کہ مروان نے شام پر تسلط جمایا ہے عبد اللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں حکومت قائم کر لی ہے نجدہ یمامہ پر قابض ہو گیا ہے اور ابن حازم نے خراسان دبا لیا ہے تو میں کسی عرب سے بیٹا نہیں تھا کہ چپ چاپ بیٹھا رہتا اور حصول مملکت کیلئے ہاتھ پاؤں نہ مارتا میں نے جد و جہد کی اور ان بلاد پر عمل و دخل کر کے ان کا ہم پایہ ہو گیا۔

مختار مجاہد اہل بیت اور شیعان علیؑ کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے نہ صرف خود فاتر المرام ہوا بلکہ دشمنان اہل بیت سے مظلومین کربلاء کا انتقام لے کر اہل بیت کی مقتدر ہستیوں کو بھی اپنا ممنون احسان بنا لیا چنانچہ جب مختار کوفہ میں قتل ہوا تو جناب عبد اللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا ”کیا آپ نے اس کذاب کا حال سنا ہے؟“ حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا ”کذاب کون؟“ ”ابن زبیرؓ نے کہا مختار۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”ہاں میں مختار کے قتل کا حال سن چکا ہوں“ ”ابن زبیرؓ کہنے لگے ”معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کو کذاب کہنا پسند نہیں کرتے اور آپ کو اس کی ہلاکت کا صدمہ ہے“ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ”ہاں۔ مختار وہ شخص تھا جس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا ہمارے خونوں کا انتقام لیا اور ہمارے سینوں کی آگ بجھائی اس کی خدمت کا صلہ یہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اسے گالیاں دیں یا اس کی موت پر اظہار مسرت کریں۔“

دعوای نبوت کی بنا:

() جب مختار نے قاتلین امام حسینؑ کے تہس نہس کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اس قسم کی بھت افزا خبریں فضائے عالم میں گونج رہی تھیں کہ دشمنان اہل بیت کے گلے پر چھری رکھ کر مجاہد آل عبا کے زخم ہائے دل پر ہمدردی تسکین کا مرہم رکھا ہے پیروان ابن سبا و غلاۃ شیعہ نے اطراف و اکناف ملک سے سمٹ کر کوفہ کا رخ کیا اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے تعلق و

چالیسی کے انبیاؑ سے شروع کر دیئے بات بات میں مدح و ستائش کے پھول برسائے جاتے اور محمدؐ کو آسمانِ تعالیٰ پر چڑھایا جاتا بعض خوشامد پسندوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا محمدؐ عظیم و خلیفہ جو اعلیٰ حضرت کی ذاتِ قدسی صفات سے ظہور میں آیا نبیِ یاصی کے بغیر کسی مہر سے ممکن الوقوع نہیں اس تملقِ شعاری کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا مختار کے دل و دماغ میں انانیت و پندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو دن بدن بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے سلسلہ جرات پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا اس دن سے اس نے مکاتبات و مراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہؐ لکھنا شروع کر دیا دعوائے نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے اور جبریل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں جب حضرت عبد اللہ ابن زہیرؓ کے بھائی مصعب ابن زہیرؓ عامل بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کو قتل کیا ہے اس سے پہلے مختار نے بصرہ پر تسلط جمانے کیلئے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور وہاں کی مقتدر ہستیوں کو گانٹھنے میں کوشاں تھا اس سلسلہ میں اس نے بصرہ کے رؤسا مالک ازراہ مذاق زیاد سے کہنے لگا کہ مختار دنیا و عقبیٰ کی نعمتیں تم کو بخش رہا ہے بس اب کس چیز کی کمی ہے؟ زیاد ہنس پڑا اور ازراہ مذاق کہنے لگا ”بھائی میں تو وعدوں پر کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا جو کوئی ہمارے سامنے سونے چاندی کا ڈھیر لگالے گا اسی کی رفاقت اختیار کریں گے“ مختار نے احصاف ابن قیس نام ایک رئیس کو جو یہ خط لکھا تھا ”السلام علیکم۔ بنی مضر اور بنی ربیعہ کا برا ہو۔ احصاف اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہا ہے کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو مجھ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا میں ان میں سے اکثر سے فائق و برتر نہیں ہوں اس لئے اگر مجھے کاذب سمجھا گیا تو کیا ہو ایک مرتبہ کسی نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ مختار نزولِ وحی کا مدعی ہے انہوں نے فرمایا مختار سچ کہتا ہے خود خدائے برتر نے اس وحی کی اطلاع اس آیت میں دی ہے“

ترجمہ :- (شیاطین اپنے دوستوں پر وحی نازل کیا کرتے ہیں)۔

مختار کی دعاوی و اکاذیب کے متعلق مخبر صادقؐ کی پیش گوئی :-

مختار کی کذب آفرینیوں کے متعلق خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی بھی کتب حدیث میں مروی ہے چنانچہ ترمذی نے عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ترجمہ :- (قوم بنی مقیث میں ایک کذاب پیدا ہو گا اور ایک مفسد (ہلاک) شخص ہے) نے کذاب کو مختار پر لور میر کو حجاج بن یوسف پر محمول کیا ہے) چنانچہ مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء (ذات العلقین بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ) نے حجاج بن یوسف

سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ قبیلہ سقیف میں ایک کذاب ظاہر ہو گا اور ایک میر۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار ثقفی اور میر تو ہے۔ اسی طرح عدی بن خالد سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اطلاع دی تھی اب یہ تیسرا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک فتنہ گر ہو گا جسے لوگ عارف باللہ کہیں گے حالانکہ وہ ایک ایسا دجال ہو گا جو سیاہ بھیڑیے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا آل محمد کی محبت ظاہر کر کے ہمدگان خدا کو کھا جائے گا حالانکہ اسے میری سنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہو گا رواہ ابن خزیمہ والحاکم والبطرانی۔

دوسرے کا گھر جلا کر پیش گوئی پوری کر لی :-

جھوٹے مدعی تائید ربانی اور نصرت الہی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اس لئے نقل کو اصل ظاہر کرنے کیلئے انہیں حیلہ جوئیوں اور ناجائز تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے مختار بھی اسی اصول کے ماتحت اپنی من گھڑت وحی، معجزات اور پیش گوئیوں کے پورا کرنے کیلئے عجیب و غریب چالاکیاں کیا کرتا تھا مثلاً ایک مرتبہ لباجوزاعری الہام تالیف کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے: ترجمہ :- (آسمان کے رب کی قسم! ضرور آگ آسمان سے نازل ہو گی اور اسماء کا گھر جلا دے گی) جب اسماء بن خارجہ کو اس مختاری الہام کی اطلاع ہوئی تو اپنے گھر کا تمام مال و اسباب نکال کر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا لوگوں نے نقل مکانی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ مختار نے میرا گھر جلنے کی پیش گوئی کی ہے اس لئے اب وہ اپنا الہام پورا کرنے کیلئے ضرور میرا مکان نذر آتش کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کی تاریکی میں ایک شخص کو بھیج کر آگ لگوا دی اور اپنے حلقہ مریدین میں ڈینگلیں مارنے لگا میری پیش گوئی پوری ہوئی۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح آگ آسمان سے اتر کر مکان کو بھسم کر گئی۔

خیالی فرشتوں کی طرف سے مختاری فوج کی امداد :-

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ غزوات بدر و حنین میں خدائے قادر و توانا نے قلیل التعداد بے سرو سامان مسلمانوں کی اعانت کیلئے ملائکہ مقررین روانہ فرمائے یہ فقط صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا ایک مرتبہ مختار نے بھی عجیب ہنر مندی کے ساتھ یہ معجزہ اپنے پیروؤں کو دکھایا چنانچہ جب اس نے ابراہیم بن اشتر کو ابن زیاد کے محاربہ کیلئے موصل روانہ کیا تو اس کی مشابعت کیلئے پیدل چلنے لگا ابراہیم نے کہا ”ابو اسحاق! سوار ہو جاؤ“ کہنے لگا نہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے قدم آل محمد کی عون و نصرت میں غبار آلود ہوں۔ اس طرح دو

فرسنگ تک چلا گیا۔ وداع کے وقت لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا خدائے قدوس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں کبوتروں کی شکل میں فرشتے بھیج کر تمہاری امداد کروں گا اب اس نے اپنے بعض خاص مقرب و رازدار غلاموں کو چند کبوتر دے کر حکم دیا کہ تم لوگ لشکر کے پیچھے چلے جاؤ جب لڑائی شروع ہو جائے تو کبوتروں کو پیچھے سے لشکر کے اوپر کی طرف ازا دینا چنانچہ غلاموں نے ایسا ہی کیا فوج میں شور مچ گیا کہ فرشتے آگئے اس آسانی امداد کے بعد مختاری لشکر کے حوصلے بڑھ گئے انہوں نے اپنی فتح کا یقین کرتے ہوئے دشمن پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ اس کے چمکے چمڑا دیئے یہاں تک کہ لشکر شام منہزم ہو کر رہ گیا۔

جس طرح مختار نے کبوتر بھیج کر اپنی فوج کو جل دیا اسی طرح ایک خارجی قیدی بھی اس قسم کی حیلہ گری سے مختار کو چکمہ دے کر رہا ہوا تھا ایک دفعہ خارجیوں سے اس کی مذہمیز ہوئی مختار کو فتح ہوئی بہت سے خارجی قتل ہوئے اور بہت سے قید کر لئے گئے انہی قیدیوں میں ایک شخص کو سراقہ بن مرد اس بارتی کہتے تھے اس شخص کو یقین تھا کہ مختار اس کے دیکھتے ہی قتل کا حکم دے گا۔ اب یہ سوچنے لگا کہ قتل سے بچنے کیلئے کسی حیلہ گری سے کام لینا چاہئے چنانچہ جب پہرہ دار اس کو مختار کے سامنے پیش کرنے لگے تو ان سے کہنے لگا کہ نہ تم لوگوں نے ہمیں ہزیمت دی اور نہ قید کیا بلکہ منہزم اور اسیر کرنے والے دراصل وہ ملائکہ آسانی تھے اہل بق گھوڑوں پر سوار ہو کر تمہاری سپاہ کے اوپر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے۔ یہ سن کر مختار کی باچھیں کھل گئیں عالم مسرت میں مست ہو کر جھومنے لگا اور بارتی کو رہائی کا حکم دے کر کہا کہ تم منبر پر چڑھ کر تمام لوگوں کے سامنے اپنا مشاہدہ بیان کر دو اس نے منبر پر چڑھ کر وہی مقولہ دہرا دیا۔ مختار کہنے لگا۔ ”واقعی ملائکہ میری نصرت کیلئے بھیجے گئے تھے“ کوفہ سے نکل کر بارتی بھرہ گیا اور مصعب بن زبیرؓ کی فوج میں جا شامل ہوا اس کے بعد مختار کو یہ تین بیت لکھ بھیجے۔

ترجمہ :- ہاں ذرا ابو سلتح (مختار) کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں بکرینگ سفید اور سیاہ گھوڑے دیکھے تھے میں اپنی آنکھوں کو ایسی چیز دکھاتا ہوں جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ ان خرافات کو ہم دونوں خوب سمجھتے ہیں میں نے تمہاری وحی سے انکار کیا اور منت مان لی کہ جب تک دم میں دم ہے تم سے عہدہ خواہ رہوں گا۔

جھوٹی پیش گوئی پر تاویل کاری کا ملمع :-

جس طرح مرزائی لوگ اپنے مقتدا کی جھوٹی پیش گوئیوں پر سخن سازی کا ملمع کر کے اس کو سچا سمجھتے کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں اسی طرح مختاری گر گے بھی اپنے پیرو مرشد کے اسراروں پر تاویل سازی کا ملمع چڑھایا کرتے تھے جب مختار ان زیاد کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر

کی قیادت میں لشکر بھیج کر واپس آیا تو اب اس نے الہامات اور پیش گوئیوں کا منہ چڑانا شروع کیا۔ چنانچہ اپنے سحر زدگان باطل سے کہنے لگا۔ ”حزب اللہ نے نصیبین میں یا اس کے قریب ہی دشمن سے اس کے قیام گاہ کے پاس سداون شمشیر زنی کی ہے اور دشمن کی بڑی تعداد اس وقت نصیبین میں محصور ہے“ اس کے بعد جب محمدؐ کا مدد لینے زیادہ کے قتل اور لشکر شام کی ہزیمت کی بھارت لے کر آئے تو مختار کہنے ”اللہ والو! کیا میں نے قتل از وقوع اس فتح کی بھارت نہیں دی تھی سب نے کہا واقعی آپ نے پہلے سے کہہ رکھا تھا“ راوی کہتا ہے مژدہ فتح کی آمد پر مجھ سے میرے ایک ہمدانی ہمسایہ نے کہا کہ ”اے شعبی! کیا تم اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے؟“ میں نے کہا ”کس بات پر ایمان لاؤں؟“ کیا میں اس بات پر ایمان لاؤں کہ مختار عالم الغیب ہے اس پر تو میں ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا۔ ہدانی کہنے لگا کیا ہمارے نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے دشمنوں کو شکست فاش نصیب ہوگی؟ میں نے جواب دیا کہ اس نے تو کہا تھا کہ دشمن کو نصیبین کے مقام پر شکست ہوئی حالانکہ یہ واقعہ دریائے خازر علاقہ موصل میں پیش آیا ہدانی بولا اے شعبی! خدا کی قسم! جب تک تم دروناک عذاب کا مشاہدہ نہ کر لو گے ایمان نہ لاؤ گے اس ہدانی کا نام سلمان بن عمیر تھا یہ بھی جنگ حوراء میں مختار کے ساتھ کام آیا جس طرح شاہ نصیب اللہ ولی کی پیشین گوئی کے ایک شعر میں لفظی تحریف کر کے ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیان نے منہ کی کھائی تھی۔ اسی طرح مختار کو بھی ایک بزرگ کی پیشین گوئی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی پاداش میں ذلت سے ہمکنار ہونا پڑا تھا۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ ہستی نے پیشین گوئی کے رنگ میں کہا تھا کہ نزار کے مقام پر بنی ثقیف کے ایک شخص کو عظیم الشان فتح نصیب ہوگی۔ یہ پیشین گوئی ہر وقت مختار کے دماغ میں گونج رہی تھی چونکہ مختار خاندان بنی ثقیف میں سے تھا اس کو رہ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ پیشین گوئی میری ہی نسبت کی گئی ہے حالانکہ اس کا اشارہ حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف تھا جس نے عبدالرحمن بن اشعث کو مختار کے قتل کے کچھ عرصہ بعد نزار کے مقام پر ہزیمت دی۔ بہر حال اس پیشین گوئی کے بل بوتے پر مختار نے اپنی فتح کی پیشین گوئی کر دی اور اپنے سہ سالار احمر بن حنیط کو مصعب کی فوج کا مقابلہ کرنے کیلئے نزار بھیج دیا وہاں لڑائی ہوئی۔ لیکن حنیط مارا گیا اور مختار کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

مختار کا تابوت سیکھتے :-

ہو اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا جسے تابوت سیکھتے کہتے تھے۔ یہ صندوق بعض انبیاء سلف کے تبرکات کا حامل تھا جب کبھی بنی اسرائیل کو کسی دشمن کا مقابلہ درپیش ہوتا تو اس صندوق کو اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں لے جاتے حق تعالیٰ اس کی برکت سے فتح دیتا

مختار نے بھی تابوت سیکڑے کی حیثیت سے ایک کرسی اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی جسے وہ لڑائی کے موقع پر لشکر کے ساتھ بھجا کرتا تھا اور اس کے پیروؤں کو یقین تھا کہ یہ حضرت علیؑ کی کرسی ہے کہ ایک مرتبہ آشوب روزگار نے مجھے اس بری طرح تعزیرت وادبار میں ڈالا کہ اہل مکہ نے کوئی تدبیر بردنے کا نہ آئی جتن کئے مگر شومنی قسمت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر صبر کی باگ ہاتھ سے نکل گئی اور میں عالم اضطراب میں اس بات پر غور کرنے لگا کہ کوئی حیلہ بنا کر کسی بڑے سرمایہ دار سے کوئی رقم ایضاح چاہئے۔ نیرنگی فلک کے کرشمے دیکھئے کہ اسی دماغی کدو کاوش کے دنوں میں مجھے اپنے تلی مسایہ کے پاس ایک بہت پرانی کرسی پڑی دکھائی دی جس پر اس قدر روغن جم گیا تھا کہ گلوئی بالکل نظر نہیں آتی تھی میں نے دل میں خیال کیا کہ چلو اسی کرسی سے کچھ مطلب بر لری کریں چنانچہ میں نے وہ کرسی تلی کے ہاں سے منگالی اور مختار کے پاس جا کر کہا کہ ایک بات در سکون کی طرح میرے صدف دل میں پنہاں تھی اور میں آپ سے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پھر یہی مناسب سمجھا کہ بیان کر دوں مختار نے کہا ہاں ضرور بیان کرو ”میں نے کہا حضرت علیؑ مر قرضی کی کرسی ہمارے گمرانے میں چلی آتی ہے اور اس کرسی میں ایک خاص اثر و تصرف ہے۔“ مختار نے کہا سبحان اللہ! آج تک تم نے اس کا تذکرہ کیوں نہ کیا؟ اچھا ابھی جا کر میرے پاس لاؤ میں نے گھر جا کر اس کا جما ہوا تیل کھر چا اور گرم پانی سے دھو کر خوب صاف کیا تو بہت خوبصورت نکل آئی اس نے خوب روغن زیتون پیا تھا اس لئے اب بہت چمک دار ہو گئی تھی اب یہ کپڑے سے ڈھانپ کر مختار کے پاس لائی گئی مختار نے مجھے بارہ ہزار درہم (قریباً تین ہزار روپے) انعام دیے اس فتوح نے میرے مصائب کی زنجیر کاٹ دی اور شاہد کامرانی و مقصدوری نے اپنا جمال جہاں آرا دکھا کر خوش حال کر دیا طفیل بن جعدہ کہتے ہیں کہ مختارؑ ”اس نعمت غیر مترقبہ“ پر جامے میں پھولا نہیں ساتا تھا اس نے منادی کرائی کہ سب آدمی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں لوگ جوق در جوق جامع کوفہ میں آنے لگے مختار نے سب لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں بیان کیا کہ ملل سابقہ میں کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جس کا نمونہ اور تمثیل اس امت مرحومہ میں موجود نہ ہو۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت تھا جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کا ہتھیہ موجود تھا اسی طرح ہمارے پاس بھی ایک تحفہ موجود ہے یہ کہہ کر مختار نے کرسی برداران کو حکم دیا کہ اسے کھول دو اور کرسی منظر عام پر لائی گئی۔ سبائی فرقہ کے لوگ جوش مسرت میں کھڑے ہو گئے انہوں نے ہاتھ اٹھا کر نہایت گرم جوشی سے تین تکبیریں کہیں یہ دیکھ کر شبث بن ربیع کوفہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے مضر کے گروہ! در طہ زلف و کفر میں مت پڑو۔“ ان الفاظ سے شبث کا یہ مقصد تھا کہ اگر بالفرض یہ کرسی حضرت علیؑ ہی کی یادگار ہے تاہم اس میں اتنا تقدس سرایت نہیں کر گیا۔ کہ اس کی عظمت تمہارے حق میں بنی

اسرائیل کے پھڑے کی حیثیت اختیار کر لے یہ سن کر خوش عقیدہ سبائی جوش غضب میں بھر گئے مسجد میں خلفشار مچ گیا، اور شبث کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا گیا۔
 کرسی کی عظمت کا غلو حد کفر تک پہنچ گیا :-

جب خبر آئی کہ عبید اللہ بن زیاد شامیوں کی فوج کے ساتھ موصل کی طرف بڑھا ہے اور مختار نے اس کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کو روانہ کیا تو شیعان کوفہ نے اس کرسی پر حریر و دیباچ لپیٹ کر اس کا جلوس نکالا۔ سات آدمی داہنی طرف سے اور سات بائیں جانب سے اس کو تھامے ہوئے تھے۔ تابوت سکینے کی طرح یہ کرسی لشکر کے ساتھ بھیجی گئی۔ قضائے کردگار سے اس لڑائی میں شامیوں کی ایسی درگت ہوئی کہ اس سے پیشتر انہیں کبھی ایسا روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ اس بنا پر شیعہ حضرات اس ”تابوت سکینے“ کے حصول پر حد سے گزری ہوئی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتوں کا اظہار کرنے لگے اور ان کی نظر میں کرسی کا تقدس کائنات کی ہر چیز سے بڑھ گیا۔ کوئی شیعہ ایسا نہ تھا جو آپے سے باہر اور طفلانہ مزاجی کی خوشیوں میں غرق نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق ان کا افراط کفر بواح کی حد تک پہنچ گیا۔ طفیل کہتے ہیں کہ یہ افسوسناک حالت دیکھ کر میں اپنی حرکت پر سخت نادم ہوا کہ میں نے یہ کیا فتنہ کھڑا کر دیا؟ اس کرسی کے سب سے پہلے محافظ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیٹے موسیٰ تھے جو مختار کے ساتھ رہا کرتے تھے چونکہ ان کی والدہ ام کلثوم جناب پیغمبر خدا ﷺ کے عم زاد بھائی حضرت فضل بن عباسؓ کی صاحبزادی تھیں اس لئے مختار موسیٰ سے بہت کچھ حسن سلوک کرتا تھا۔ آخر جب کرسی کی تولیت کے متعلق موسیٰ پر طعن و تشنیع کی گرم بازاری ہوئی تو انہوں نے یہ کرسی حوشب برسی کی تحویل میں دیدی اور پھر مختار کی وفات تک وہی اس کا متولی رہا اس کرسی کے متعلق اعمشؓ ہمدانی نے چند اشعار کہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ”میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم سب عبد اللہ بن سبا کی امت ہو۔ اے شرک کے پاسبانو! میں تم سے خوب واقف ہوں۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوت سکینے نہیں ہے گو اس پر کئی کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور شام، نجد اور خارف اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں تاہم یہ تابوت سکینے سے کوئی نسبت نہیں رکھتی میں تو وہ شخص ہوں جسے آل محمد ﷺ سے محبت و شغف ہے اور اس وحی الہی کا پیرو ہوں جو مصاحب میں درج ہے۔“ مورخین نے لکھا ہے کہ مختار ہی نے شیعوں میں رسم تعزیہ داری جاری کی تھی۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ یہی کرسی تعزیہ داری اور کاغذی تابوت سازی کی اصل بنا تھی۔

جناب محمد بن حنفیہ کا خط شیعان کوفہ کے نام :

شیعہ عربی میں گروہ جماعت کو کہتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ اور شامیوں کے مقابلہ میں جو لوگ امیر المومنین علی مرتضیٰ کے حامی و ناصر تھے وہ شیعان علیؑ کے نام سے مشہور تھے۔ مگر اس کے بعد جب عبداللہ بن سبا یہودی نے ایک ایسے عذوت آمیز مسلک کی بنیاد ڈالی جس میں پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صلحائے امت کی دشنام دہی کو جزء عبادت ٹھہرایا تھا تو سبائی پنتھ کے خلاف مسلمانوں میں ایک عام ہیبت اور جذبہ نفرت پیدا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پیروان ابن سبائے شیعان علیؑ کا روپ دھارن کر لیا اور تشیع کے لباس میں مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے لگے۔ اب سبائی مذہب کے اختلاط سے شیعان علیؑ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ شیعہ اور غالی شیعہ گو تھوڑے عرصہ میں تمام شیعان علیؑ غالی شیعہ بن کر شیعان ابن سبائے گئے لیکن مختار کے عہد حکومت تک کوفہ میں غالی اور غیر غالی دونوں گروہ پائے جاتے تھے اور غلو آمیز شیعیت مختار کی سرپرستی میں ترقی کر رہی تھی۔ اس وقت حسب میان علامہ ابن جریر طبری کوفہ میں ہند بنت مکلفہ نام ایک عورت تھی جس کے مکان میں تمام غالی شیعہ جمع ہو کر باہم صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک اور عورت لیلیٰ بنت قمامہ کے مکان میں بھی غالی شیعہ جمع ہوتے تھے۔ لیلیٰ کا بھائی رفاعہ بن قمامہ گو شیعان علیؑ میں سے تھا لیکن غالی نہ تھا اسی وجہ سے لیلیٰ کو اس سے نفرت تھی۔ اسی طرح کوفہ میں ابو احراس اور ابو حارث کندی دومر د بھی ایسے تھے جو غالی شیعوں کا بچاؤ و ملائی بنے ہوئے تھے۔ ابو عبداللہ جدلی اور یزید بن شراحیل نے ان دونوں عورتوں اور دومردوں کے غلو کی حالت دیکھی تو ان کے متعلق حضرت محمد بن حنفیہ کو مکہ معظمہ لکھ بھیجا جو امیر المومنین علیؑ کے صاحبزادہ تھے اور جنہیں مختار اور شیعان کوفہ نے ”مدی موعود“ قرار دے رکھا تھا۔ جناب محمد بن علیؑ محمد بن حنفیہ کے نام سے اس لئے مشہور ہو گئے تھے کہ ان کی والدہ قبیلہ مو حنیفہ میں سے تھیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے یزید بن شراحیل کے ہاتھ ایک خط شیعان علیؑ کے نام لکھا جس میں انہوں نے ان کو اہل غلو کے شر سے چھنے کی ہدایت کی۔ خط کا مضمون یہ تھا ”یہ خط محمد بن علیؑ کی طرف سے ہمارے ان شیعوں کیلئے ہے جو کوفہ میں ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ مجالس اور مساجد میں جمع ہو کر حنفیہ اور علانیہ اللہ کو یاد کرو۔ اہل ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا امام نہ بناؤ اور جھوٹے مدعیوں سے اپنا دامن چھاؤ۔ صوم و صلوة کی مدح و ترویج کرو اور یقین جانو کہ مخلوقات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو سوا حکم ربانی کے کسی کو کا عیباً تصحیح پہنچا سکے“ حضرت ابن حنفیہ نے اس خط میں رفض سے پہلو تھی کرنے کے علاوہ شدائد کے جھوٹے مدعوں سے چھنے کی بھی ہدایت فرمادی۔

ابن حنفیہؒ کو مختار کی طرف سے جان ستانی کا خطرہ :-

جب مکہ معظمہ میں حضرت محمد بن حنفیہؒ کے پاس متواتر اس قسم کی افسوسناک خبریں پہنچنے لگیں کہ مختار دین حنیف میں روز افزوں رخنہ اندازیاں کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے فتنہ رفس ترقی پذیر ہے تو انہوں نے بذات خود عراق تشریف لے جانے کا عزم فرمایا۔ جب مختار نے یہ خبر سنی تو اسے خوف ہوا کہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کے قدم پر شیعہ لوگ جو اس کے دام تزییر میں پھنسے ہیں اس سے الگ ہو جائیں گے اور اس کی ریاست و سیادت مودت زوال میں آجائے گی۔ یہ سوچ کر وہ حضرت ابن حنفیہؒ کے قدم میں مزاحمت پیدا کرنے کیلئے ایک عجیب و غریب چال چلی مجالس میں علامیہ کہنا شروع کیا کہ ”ہم مہدی کی بیعت میں داخل ہیں لیکن سچے مہدی کی ایک علامت ہے جس کسی میں ایسی علامت پائی جائے گی وہی پیغمبر علیہ السلام کی پیشین گوئی کا مصداق ہوگا“ لوگوں نے دریافت کیا کہ ”وہ علامت کیا ہے“ کہنے لگا کہ ”اس پر تلوار کا ایک وار کیا جائے۔ اگر تلوار کاٹ نہ کرے تو وہ مہدی ہے“ مختار کا یہ مقولہ حضرت ابن حنفیہؒ کے سمع مبارک تک پہنچا تو انہوں نے عراق آنے کا ارادہ فریج کر دیا کیونکہ انہیں یقین ہو گیا کہ مختار انہیں کوفہ میں قتل کر لوے گا۔ (کتاب الفرق بین الفرق ص 33)

ابن زبیرؒ کو چکمہ دیکر حجاز مقدس پر قبضہ جمانے کی تا مراد کوشش :-

جب ابن زیاد نے مختار کی آنکھ زخمی کر کے اسے کوفہ سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا تو مختار نے مکہ معظمہ جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ان کی طرف سے اس شامی فوج کا مقابلہ کیا تھا جو یزید (بن معاویہ) نے حصین بن نمیر سکوتی کے زیر قیادت دمشق سے حضرت عبداللہ بن زبیرؒ کے خلاف مکہ معظمہ روانہ کی تھی اور یزید کی موت کے بعد محاصرہ انکار دمشق واپس چلی گئی تھی لیکن اس بیعت و اطاعت پذیرگی کے باوجود مختار نے اپنے مطاع کے خلاف یہ غداری کی کہ کوفہ آکر حضرت عبداللہ بن زبیرؒ کے عامل عبداللہ بن مطیع کو کوفہ سے نکال دیا اور ولایت کوفہ کی حکومت اپنے عنان اختیار میں لے لی۔ مختار جس طرح غدار اور بے وفا تھا اسی طرح پر لے درجہ کا فریب کار اور حیلہ ساز بھی تھا اور دعویٰ نبوت کے باوجود ایسی ایسی شطرنجی چالیں چلتا تھا کہ مغرب کے شیاطین سیاست کو بھی شاید ایسی روہا بازیایں نہ سوچتی ہوں گی۔ اس کی حیلہ سازیوں کی ایک آدھ مثال مشتے نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہے۔ جب مختار کوفہ پر اچھی طرح دخیل ہو چکا تو حضرت ابن زبیرؒ کو لکھا کہ ”اگر آپ مجھے دس لاکھ درہم عطا فرمائیں تو میں عبدالملک بن مروان پر حملہ کر کے آپ کو شامیوں کی مصیبت جنگ سے

مجادوں“ حضرت ابن زبیرؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ”ثقیف کا یہ مکار مجھ سے کب تک مکرو فریب کرتا رہے گا؟“ جب یہ حیلہ کارگر نہ ہوا تو مختار نے حضرت ابن زبیرؓ کو ایک اور چکمہ دیکر حجاز مقدس پر قبضہ جمانا چاہا۔ واقعہ یہ تھا کہ یزید (بن معاویہ) کے مرنے کے بعد شام میں مروان بن حکم کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مروان کی ہلاکت کے بعد جب اس کا بیٹا عبد الملک سریر سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ارادہ کیا کہ تخییر مکہ معظمہ کا جو کام یزید کی موت کے باعث تعویق میں پڑ گیا تھا۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جائے چنانچہ اس غرض کیلئے اس نے ایک لشکر جرار حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا جو بہت دن تک وادی القرئی میں ڈیرے ڈالے پڑا رہا۔ یہ دیکھ کر مختار نے بہت کچھ اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو لکھا۔ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبد الملک بن مروان نے آپ کے خلاف عربہ جوئی کی خواہش کی ہے اور اس غرض کیلئے ایک فوج بھیجی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی امداد کیلئے ملک بھیجوں“ جناب عبد اللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ ”اگر تمہیں میری اطاعت منظور ہے تو کونہ میں لوگوں سے میری بیعت لو اور میری امداد میں اپنی فوج بھیج کر اس کو حکم دو کہ وادی القرئی میں عبد الملک کی فرستادہ فوج کے مقابلہ میں جا کر لڑے“ یہ خط پا کر مختار نے شرجیل بن دوس ہدانی کو تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ ”مدینہ پہنچتے ہی اپنی رسید سے مطلع کرنا اور مزید ہدایات کا انتظار کرنا“۔

مختار کا اصل مدعا یہ تھا کہ ”جب یہ فوج جا کر مدینہ منورہ پر قابض ہو جائے تو مدینہ کی حکومت کیلئے کسی کو کونہ سے عامل بنا کر بھیج دے اور پھر شرجیل اپنی فوج لئے ہوئے ابن زبیرؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو محصور کر لے“ شرجیل تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ اب حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ مبادہ مختار نے کوئی فریب کیا ہو۔ اس لئے انہوں نے مکہ معظمہ سے عباس بن سہل بن سعدؓ کو دو ہزار فوج کی قیادت میں مدینہ طیبہ روانہ فرمایا۔ جب عباس مدینہ پہنچا تو اتنے میں عراقی لشکر بھی آئمودار ہوا۔ شرجیل نے آتے ہی اپنی فوج کی جنگی ترتیب قائم کر دی۔ مینہ میرہ مضبوط کر لئے اور پانی پر قبضہ کر لیا۔ عباس ایسی حالت میں ان کے پاس پہنچا کہ اس کی سپاہ میں کوئی جنگی نظام قائم نہ تھا۔ تمام سپاہی علیحدہ علیحدہ جگہ بے تہہ تھے۔ عباس نے رقیم میں شرجیل سے ملاقات کی اور دیکھا کہ شرجیل پانی پر پوری جنگی ترتیب کے ساتھ فروکش ہے۔ عباس نے شرجیل کو سلام کیا اور کہا کہ میں تم سے تخیلہ میں کچھ کما چاہتا ہوں۔ شرجیل تمنائی میں اس سے ملا۔ عباس نے پوچھا کہ ”کیا تم عبد اللہ بن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو؟“ اس نے کہا ”ہاں میں ان کی اطاعت میں ہوں“ عباس نے کہا کہ ”ہوئی اطاعت میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا دشمن فروکش ہے تم ہماری رفاقت میں اس کے

مقابلہ پر چلو“ شرجیل نے کہا مجھے تمہارے احکام جلالانے کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ مدینہ پہنچ کر ٹھہرو اور پھر جو مناسب سمجھو کروں“ عباس نے کہا اگر تم امن زہرہ کی اطاعت میں ہو تو انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم کو اور تمہاری فوج کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں وادی القریٰ لے جاؤں۔ شرجیل نے مکرر یہی جواب دیا کہ مجھے تمہاری اطاعت کا کوئی حکم نہیں دیا گیا اس مدور منطق پر عباس کو یقین ہو گیا کہ شرجیل یہاں کسی فاسد ارادہ سے آیا ہے مگر عباس نے اس گفتگو کو اس خوبی سے بنایا کہ شرجیل کو اس بات کا مطلق احساس نہ ہوا کہ عباس اس کے مخالفانہ رویہ کو بھانپ گیا ہے۔ خاتمہ سخن پر عباس نے شرجیل سے کہا اچھا جو قرین مصلحت ہو کر دیں تو عنقریب اپنی فوج لئے وادی القریٰ کو چلا جاؤں گا۔

اس ملاقات کے بعد عباس بھی اپنی کے ایک مقام پر آکر اقامت گزریں ہوا۔ اور پھر چند قیمتی اشیاء جو مکہ معظمہ سے ساتھ لے گیا تھا، تحفہ شرجیل کو بھیجیں اس کے علاوہ آٹے کی بوریاں اور چرم کشیدہ بھیدیں بطور ضیافت روانہ کیں۔ اس وقت شرجیل کی فوج کے پاس سامان رسد تھڑ گیا تھا۔ انہوں نے اس ضیافت کو نعمت سمجھا۔ آنا اور گوشت کے چبختے ہی اہل لشکر پانی لانے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی جنگی ترتیب باقی نہ رہی۔ جب عباس مختار کے لشکر کو غافل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تو اب اس نے اپنی فوج میں سے ایک ہزار جوانمرد جو نہایت بہادر و جنگ آزمودہ تھے منتخب کئے اور انہیں لے کر شرجیل کے خیمہ کی طرف بڑھا۔ شرجیل نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر خطرہ کا احساس کیا اور جھٹ اپنی فوج کو لٹکارا۔ لیکن ابھی ایک سو جوان بھی اس کے پاس جمع نہ ہوئے تھے کہ عباس اس کے سر پر پہنچ گیا اس وقت شرجیل بکا از بلند چیخنے لگا کہ ”اے حزب اللہ! میرے پاس آؤ۔ اور ان ظالموں سے جو شیطان طلحوں کے پیرو ہیں لڑو“ عباس رجز خوانی کرتا ہوا عراقیوں پر ٹوٹ پڑا۔ شرجیل اپنے ستر جوانوں کے ساتھ طعمہ اجل ہو گیا۔ اب عباس کی فوج نے مار مار کر عراقیوں کے پر نچے اڑا دیئے اور تین ہزار آدمیوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر آنا فنا نذر اجل کر دیا۔ البتہ دو سو جوان اس طرح چم گئے کہ جن لوگوں کو ان کے قتل کا کام سپرد ہوا تھا۔ ان میں سے بعض آدمیوں نے رحم کھا کر ان کو چھوڑ دیا۔ یہ دو سو آدمی عراق کی طرف منہ کر کے بھاگے لیکن ان کی بھی اکثریت راستہ میں ہلاک ہو گئی۔ جب مختار کو اس لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ ”نا بکار فاجروں نے خدا کے برگزیدہ بندوں کو قتل کر دیا ہے۔ مگر یہ مقدر ہو چکا تھا اور وہ پورا ہوا۔“

مختار کا فرقہ کیسانیہ :-

مختار کے مرنے کے بعد مختار کا مستقل گروہ کیسانیہ کے نام سے دنیا کے سامنے آیا۔ کیسانیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ خود مختار کا اصل نام کیسان تھا اور بعض کا خیال ہے کہ کیسان حضرت علیؑ کے غلام کا نام تھا چونکہ اسی کے زیر ہدایت مختار نے قاتلین حسین علیہ السلام کو کیفر کردار تک پہنچایا اس لئے اس کے فرقہ کو کیسانیہ کہنے لگے پھر کیسانیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں لیکن یہ تمام فرقے دو مسکلوں میں باہم متفق ہیں ایک تو سب کے سب ابن حنفیہؒ کو امام مانتے ہیں چنانچہ مختار بھی انہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ دوسرے ان کے زعم میں خدائے پچوں ازلی نہیں بلکہ اس کیلئے بھی بدرو آغاز ہے چنانچہ یہ لوگ ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو خدائے عزوجل کیلئے امداء تسلیم نہ کرے۔ کیسانیہ میں محمد بن حنفیہؒ کے متعلق ایک اور اختلاف بھی پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد وہی امام تھے چنانچہ جنگ جمل میں امیر المؤمنین علیؑ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسن مجتبیٰ امام تھے۔ ان کے بعد منصب امامت حضرت حسینؒ کو تفویض ہوا لیکن جب امام حسینؒ یزید کی طلب بیعت کے وقت مدینہ سے مکہ گئے تو امامت اپنے بھائی محمد بن حنفیہؒ کو سپرد کر گئے۔ کیسانیہ کی ایک شاخ کریبیہ ہے جو ابو کرب ضریر کے پیرو ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ”امام محمد بن حنفیہؒ زندہ ہیں۔ ان پر آج تک مرگ طاری نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت جبل رضوی میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے آگے دو چشمے بہ رہے ہیں ایک پانی کا ہے دوسرا شہد کا۔ وہ انہی چشموں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ ان کی داہنی جانب ایک شیر بیٹھا ہے اور بائیں طرف چیتا۔ یہ دونوں جانور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں اور اس وقت تک بڑھ حفاظت کرتے رہیں گے جب تک کہ آپ کو خروج و ظہور کا حکم نہ ہو“ ان کے خیال میں حضرت محمد بن حنفیہؒ ہی مہدی موعود ہیں۔ دوسرے کیسانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہؒ انتقال فرما گئے۔ پھر اس بدے میں بھی اختلاف ہے کہ ان کے بعد کون امام ہوا۔ بعض کے خیال میں ان کے بعد علی بن حسینؒ زین العابدینؒ امام ہوئے اور بعض کے نزدیک ان کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبد اللہ کو منصب امامت ملا تھا۔ ان میں سے رولونڈی گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابو ہاشم کے بعد ان کی وصیت کے بموجب امامت محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب کی طرف منتقل ہو گئی۔ (الفرق بین الفرق ص 27، 28)

چونکہ مختار کے حالات و واقعات نے غیر معمولی طوالت اختیار کر لی ہے اس لئے فرض اختصار کا وہ سہمی کلام ”قلم انداز کیا جاتا ہے جو اس نے مسزولہ قرآن کے پیش کیا۔ جو

حضرات اس مقفی و مسیح خطامت کے مطالبہ کا اشتیاق رکھتے ہوں وہ علامہ عبدالقاہر کی کتاب "الفرق بین الفرق" (ص 34-35) اور کتاب الدعاء (ص 64-65) کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل 6- مصعب بن زبیر کا کوفہ پر حملہ اور مختار کا قتل

ابراہیم بن اشتر کو فی مختار کا دست راست تھا۔ مختار کو جس قدر ترقی و عروج نصیب ہوا وہ سب ابراہیم بن اشتر کی شجاعت، لولوا العزیز اور حسن تدبیر ہی کا رہن منت تھا۔ ابراہیم جدھر گیا شجاعت و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا گیا اور جس میدان کا رخ کیا۔ فتح و ظفر ہاتھ باندھے سامنے آ موجود ہوئی۔ ابراہیم ہر میدان میں مختار کے دشمنوں سے لڑا اور اس کے علم اقبال کو شریا تک بلند کر دیا۔ البتہ ایک موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم نے اسے تنہا چھوڑ دیا اور یہی وہ وقت ہے جبکہ مختار کا کوب اقبال زوال و فنا کی شفق میں غروب ہو گیا ہے جس محارہ میں مصعب بن زبیر والی بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کے شجرہ حیات کو متاصل کیا ہے اس میں ابراہیم نے مختار کا ساتھ نہ دیا بلکہ موصل میں الگ بیٹھا مختار کی ذلت و مبادی کا تماشا دیکھا۔

لنن جریر طبری، لنن اشیر وغیرہ مورخوں نے اس عقدہ کا کوئی حل پیش نہیں کیا کہ ابراہیم نے اس موقع پر اس سے کیوں بے اعتنائی برتی۔ البتہ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے حقیقت حال کے چہرہ کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ مختار نے علی الاعلان نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے تو وہ نہ صرف اس کی اعانت سے دست کش ہو گیا بلکہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے بلاد جزیرہ پر بھی قبضہ جمالیا۔ (الفرق ص 35)

مصعب لنن زبیر کو ان حالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ اس سے پیشتر رؤسائے کوفہ اور مختار کے تعلقات سخت کشیدہ ہو چکے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں خدا اور اس کے برگزیدہ رسول کی محبت کا نور ضیا اقلن ہے مختار کی ان سرگرمیوں کو نظر استحسان سے دیکھے گا جو اس نے دشمنان آل رسول کی تخریب و استیصال کیلئے شروع کر رکھی تھیں اور رؤسائے کوفہ بھی اس کام میں اس کے قدر شناس اور موید تھے لیکن اہل کوفہ کو انہی ایام سے جبکہ ابراہیم بن اشتر ہنوز مختار کا رفیق کار تھا۔ مختار کے خلاف کچھ شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے انہوں نے اس کے خلاف علم مبارزت بلند کر دیا تھا اور مختار نے ابراہیم کی مدد سے ان کو سرکوب کر دیا تھا۔ اس وقت تو یہ لوگ زک پاکر خاموش ہو گئے اور نفرت و عناد کی چنگاری دب گئی لیکن جب ابراہیم نے مختار کا ساتھ چھوڑ دیا تو رؤسائے کوفہ کی رگ انتقام جنبش میں آئی اور انہوں نے چاہا کہ جس طرح بن پڑے مختار کو کچل کر خاک فنا میں ملا دیا جائے۔

رؤسائے کوفہ کا ورد بصرہ اور حملہ آور ہونے کی اشتعال انگیزی :-

اس قرار داد کے بموجب شبث بن رہبی، محمد بن اشعث اور بعض دوسرے ہزیمت خوردہ رؤساء نے بصرہ جا کر مصعب بن زبیر کو برا بھانتہ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ سب سے پہلے شبث بصرہ پہنچا۔ اس وقت وہ ایک خنجر پر سوار تھا۔ جس کی دم اور کان کے کنارے قطع کر دیئے تھے۔ اس نے اپنی قبا کو بھی چاک کر دیا تھا اور باواز بلند بپکار رہا تھا یا غواہ یا غواہ (داور سی کیجئے۔ فریاد کو پہنچئے) حاضرین مجلس نے مصعب کو بتایا کہ ایک شخص دروازے پر فریاد سی کیلئے کھڑا ہے اور اس کی یہ حالت ہے کہ قبا پھٹی ہوئی ہے اور خنجر کی دم اور کان کٹے ہیں۔ مصعب سمجھ گیا کہ شبث ہو گا اور حکم دیا کہ اندر بلاؤ۔ شبث نے دربار میں پہنچ کر صورتحال عرض کی۔ دوسرے سربراہ آوردہ کو فی بھی مصعب کے پاس پہنچے اور مختاری چیرہ دستیوں کی داستانیں سنا کر کہا کہ ”ہم انتادرجہ کے مظلوم ہیں یہاں تک کہ ہمارے بی غلام اور آزاد غلام ہم پر چڑھ آئے ہیں آپ ہماری اعانت کیجئے اور ہمارے ساتھ ملکر مختار پر فوج کشی فرمائیے۔“

مصعب کی یلغار کوفہ پر :-

مختار نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عمال سے کوفہ اور اس کے ملحققات کی حکومت چھین کر خود سری اختیار کر لی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف بہت سی دوسری کینہ جوئیوں اور خون آشامیوں کا بھی مرتکب ہوا۔ اس بنا پر ان کے بھائی مصعب بن زبیر انتقام کیلئے بہت دن سے دانت پیس رہے تھے۔ جب رؤسائے کوفہ نے آکر حملہ آور ہونے کی تحریک کی تو مصعب ایک لشکر جرائے کر کوفہ کی طرف بڑھے اور مختار کو معلوم ہوا تو اس نے بھی احمر بن شمیم اور عبداللہ بن کامل کے زیر قیادت اپنی سپاہ کو حرکت دی جب لشکروں کی ٹڈ بھیز ہوئی تو احمر بن شمیم اور عبداللہ بن کامل دونوں میدان کی نذر ہو گئے اور بھریوں نے مختار کی فوج کو مار مار کر اس کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ اب مصعب نے عباد بن حصین کو رسالہ دے کر مختار کی ہزیمت خوردہ فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو قیدی بھی تمہارے ہاتھ لگے اس کی گردن مار دو۔ اسی طرح مصعب نے محمد بن اشعث کو فی کو بھی اہل کوفہ کے رسالہ کے ساتھ ابن شمیم کی منزہم فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور کہا اب موقع ہے کہ تم دل کھول کر اپنا بدلہ لے لو۔ ہزیمت خوردہ کو فی فوج کے لئے کو فی لوگ بھریوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ جس شخص کو پکڑتے بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیتے اور کوئی قیدی ایسا نہ تھا جسے انہوں نے معاف کیا ہو۔ جب مختار کو اپنے سپہ سالاروں کی ہلاکت اور اپنے لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے

لگا کہ ”موت کا لازمی امر ہے اور جس موت میں مرنا چاہتا ہوں وہ وہی موت ہے جس پر ان شیط کا جاتمہ ہوا“۔

جب مختار کو معلوم ہوا کہ مصعب کی فوج خشکی اور تری کے دونوں راستے عبور کر کے اس کے قریب پہنچ گئی ہے تو اس نے بھی کوفہ سے جنش کی اور مقام سلیمان پر آکر ڈیرے ڈال دیئے۔ سلیمان مختلف دریاؤں کا سنگم ہے۔ اس مقام پر دریائے حیرہ دریائے سلیمان، دریائے قادسیہ اور دریائے پرسف فرات سے نکلتے ہیں۔ مختار نے اس سنگم پر ایک بند ہوا کر دریائے فرات کا پانی روک دیا۔ اس طرح فرات کا تمام پانی معاون دریاؤں میں چڑھ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصری فوج جو کشتیوں میں بیٹھی چلی آرہی تھی ان کی کشتیاں کچھڑ میں پھنس گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر بصریوں نے کشتیاں چھوڑ دیں اور پاپیادہ کوچ کرنا شروع کیا۔ ان کا رسالہ ان کے آگے دریائے فرات کے بند تک پہنچ گیا۔ اور اس کو مندم کر کے کوفہ کی طرف باگیں اٹھائیں۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور مقام حرور میں پہنچ کر مورچے تیار کرائے۔ قصر اور مسجد کو مستحکم کیا اور قصر میں بڑی عجلت کیساتھ وہ تمام سامان فراہم کیا جس کی حالت محاصرہ میں ضرورت پیش آتی ہے اتنے میں مصعب بھی حروراء پہنچ گئے جو ولایات بصرہ و کوفہ جدا فاصل ہے۔ آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مصعب کی فوج میں سے محمد بن اشعث رئیس کوفہ جس نے دوسرے کوئی ردسء کے ساتھ بصرہ جا کر مصعب کو حملہ گور ہونے کی ترغیب دی تھی اپنے تمام دستہ فوج کے ساتھ کام آیا تاہم مختار کی فوج کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر سخت بد حالی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جتنی دیر تک فوج برسر مقابلہ رہی۔ مختار نہایت بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کی ہزیمت نے اس کو بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ اب وہ پسپا ہو کر کوفہ پہنچا اور قصر لمارت میں قلعہ بند ہو گیا۔ دوسرے دن مختار کی ہزیمت خوردہ سپاہ بھی کوفہ پہنچ گئی۔ ہزیمت و پسپائی کے وقت مختار کا ایک افسر اس سے کہنے لگا کہ کیا آپ نے (وحی آسانی سے اطلاع پا کر) ہم سے فتح و ظفر کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ اور یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دشمن کو مار بھگائیں گے؟ مختار نے کہا ”کیا تم نے کتاب اللہ میں یہ آیت نہیں پڑھی“

ترجمہ :- (حق تعالیٰ جس قوم کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے حال رکھتا ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں لوح محفوظ ہے)۔

قصر کا محاصرہ اور محصورین کی بد حالی :-

مختار قریباً تیس ہزار فوج حروراء لے گیا تھا ان میں سے کچھ آدمی تو مارے گئے کچھ کوفہ پہنچ کر اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اور آٹھ ہزار آدمی مختار کے پاس قصر میں جا داخل ہوئے

اب مصعب کی فوج کو ذہن پہنچی قصر کا محاصرہ کر لیا محاصرہ چار مہینہ تک جاری رہا مختار ہر روز اپنے رسالہ کے ساتھ قصر میں سے برآمد ہو کر کوفہ کے بازاروں میں جا کر دشمن سے دود و ہاتھ کرتا اور کچھ زیادہ نقصان پہنچائے بغیر واپس آجاتا۔ محصورین کی حالت دن بدن نازک ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر اہل شہر بھی جو مختار کے مخالف تھے دلیر ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب کبھی مختار کا رسالہ حملہ کرنے کیلئے قصر سے نکلتا تو مکانات کی چھتوں پر سے ان پر اینٹیں پتھر، کچھڑ اور غلیظ پانی ڈالا جاتا۔ محاصرین نے سامانِ رسد کی آمد بالکل مسدود کر رکھی تھی اس وقت محصورین کی بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ بہت سی عورتیں اپنے اپنے مکانات سے اشیاء خورد و نوش کسی چیز سے ڈھانک کر لے چلتیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا کہ وہ نماز کیلئے جامع مسجد جارہی ہیں یا کسی عزیز و یگانہ سے ملنے جاتی ہیں اور جب قصر امارت کے پاس پہنچتیں تو مختار کے آدمی ان کیلئے دروازہ کھول دیتے اور اس طرح کھانا پانی ان کو فیوں کے پاس پہنچ پاتا جو مختار کی فوج میں تھے جب مصعب کو اس کی اطلاع ہوئی تو شہر کے تمام چور راستوں پر پھرے بٹھادیئے اور کوشش کی کہ کوئی شخص محل تک نہ پہنچ سکے تاکہ محصورین بھوکے پیاسے ہی ہلاک ہو جائیں اس وقت ان کی یہ حالت میں یہی پانی پینے لگے بیت المال میں شد بھرت موجود تھا۔ پانی کی تکلیف دیکھ کر مختار نے حکم دیا کہ کنوئیں میں شد ڈال دیا جائے۔ تاکہ پانی کا مزاج بدل کر پینے کے قابل ہو جائے اس طرح اکثر لوگ سیراب ہو جاتے تھے۔ اب مصعب نے محاصرین کو قصر امارت سے اور قریب رہنے کا حکم دیا۔ بعض اوقات مصعب کے فوجی دستے محل کے اس قدر قریب پہنچ جاتے تھے کہ مختار نے ان آدمیوں پر جو قصر میں دکھائی دیتے مہولت تیر اندازی کی جاتی۔ اب یہاں تک دیکھ بھال کی جانے لگی کہ محل کے ارد گرد جو عورت بھی کسی طرح سے آتی دکھائی دیتی اس کا نام و پتہ منزل مقصود اور آمد رفت کی غرض و غایت دریافت کی جاتی۔ ایک دن دو تین عورتیں گرفتار کی گئیں یہ اپنے خاندانوں کے پاس جو قصر میں محصور تھے کھانالے جا رہی تھیں۔ جب مصعب کے سامنے پیش کی گئیں تو انہیں باحسرت واپس بھیج دیا۔ ایک مرتبہ مصعب کی فوج کے کچھ بھری اور کوئی نوجوان جو جنگ کی اقدوں سے بے خبر تھے۔ بغیر سردار کے بڑے بازر میں نکل پڑے اور مختار کو ”انہن ہوتے“ کے خطاب سے پکارتے گئے۔ مختار قصر کی چھت پر برآمد ہوا اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوفہ یا بصرہ کا کوئی سحر سردار نہیں ہے ورنہ یہ کبھی مجھے اس نام سے نہ پکارتے۔ مختار نے ان کو مختصم حالت میں دیکھ کر چہا کہ تمس خنس کر دے چنانچہ قصر سے باہر نکل کر ان پر سخت کرنے کا لہوہ آیا اور دو سو کوئیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ قریباً سو تو وہیں کھیت رہے اور باقی اس طرح بے لوسان بھاگے کہ ایک پر ایک گرا پڑا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر پہنچے پہنچے مختار کے دستے انہیں بھی جالی اور ملہ مار کر ان کا کلیان کر دیا۔

فوج کی دون ہمتی اور بے وفائی اور مختار کا قتل :-

جب محاصرہ کی سختی روز افزوں ناقابل برداشت ہونے لگی تو ایک دن مختار نے اپنے لشکر کو جمع کر کے کہنے لگا ”یاد رکھو کہ جس قدر محاصرہ طویل ہوگا تمہاری طاقت جواب دیتی جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ باہر نکل کر کھلے میدان میں داد شجاعت دیں اور لڑتے لڑتے عزت سے جانیں دے دیں۔ اگر تم بہادری سے لڑے تو میں اب بھی فتح کی طرف سے مایوس نہیں ہوں“ مگر انہیں اس کی ہمت نہ پڑی اور جنگ کیلئے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ البتہ صرف انہیں آدمیوں نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی۔ مختار مخالفین سے کہنے لگا ”خدا کی قسم! میں کسی کو اپنا ہاتھ نہ دوں گا۔ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا اور میں نے باہر نکل کر جنگ شروع کی اور مارا گیا تو تم اور بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اپنے تئیں دشمن کے حوالے کر دیا اور اعداء نے قابو پا کر تم کو قتل کرنا شروع کیا تو یاد رکھو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے منہ نہ لگو گے اور کہو گے اے کاش! ہم نے مختار کا کمانا ہوتا۔ اگر اس وقت میرا ساتھ دو اور بالفرض تم کو فتح نہ ہو تو بھی شرافت اور عزت کے ساتھ تو مرو گے“ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ آخر محمّد خوشبو اور عطر لگا کر انہیں آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے برآمد ہوا۔ باہر نکل کر ایک شخص سائب لن مالک نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اب اس نے باقی ماندہ اٹھارہ آدمیوں کی رفاقت میں مقابلہ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام ساتھی نذر اجل ہو گئے۔ آخر محمّد خود بھی ان مقتولوں کے ڈھیر پر ڈھیر ہو رہا۔ یہ حادثہ 14 رمضان 67ھ کو رونما ہوا اس وقت محمّد کی عمر 67 سال کی تھی۔ مختار کے قتل کے دوسرے دن اس کے ایک افسر حمیر بن عبد اللہ سکی نے مختار کی قلعہ گیر فوج سے کہا کہ ”سب آدمی باہر نکلو اور لڑ کر عزت کی موت مر جاؤ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے دون ہمتی کا ثبوت دیکر اپنے تئیں دشمن کے حوالے کیا تو بھی اعداء تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے“ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور اپنے تئیں بھری فوج کے سپرد کر دیا۔ بھریوں نے ان کو پابہ جولال باہر نکالا۔ آخر مصعب نے روسائے لشکر کی خواہش اور رائے عامہ کے بموجب مختار کی فوج کے تمام آدمیوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ اب حمیر بن عبد اللہ سکی کو مصعب کے سامنے پیش کیا گیا۔ حمیر کہنے لگا ”تمام حمد و ثنا کا مستحق وہی خالق کردگار ہے جو اس وقت تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ ہمیں معاف کرتے ہو یا نہیں؟ اے امیر! اس وقت دو امور آپ کے سامنے ہیں۔ رضائے الہی اور اس کی ناراضی۔ جو شخص معاف کرتا ہے خدا سے معاف کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس کو عزت عشتا ہے لیکن جو شخص سزا دیتا ہے وہ قصاص سے مامون و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اے ابن زبیر! ہم تمہارے اہل قبیلہ اور مسلمان ہیں۔ ترک یا دلیلی نہیں ہیں مناسب یہ ہے کہ تم صاحب قدرت ہو کر معاف کر دو“ یہ باتیں سن کر

مصعب اور تمام حاضرین کو اس پر رحم آگیا اور مصعب نے اسے رہا کر دینے کا ارادہ کیا لیکن عبدالرحمن بن محمد جس کا باپ محمد بن اشعث اسی لڑائی کی بھینٹ چڑھ چکا تھا اور دوسرے کوئی رؤساء جو اس لڑائی کے اصل متحرک و بانی تھے انھہ کھڑے ہوئے اور بولے کہ ”آپ لوگ یا تو ان لوگوں پر رحم کیجئے یا ہم پر“ یہ دیکھ کر مصعب نے ان سب کے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔
مقتولین کی تعداد چھ ہزار تھی۔

مختار کی ایک بیوی کا قتل بجرم ارتداد :-

مصعب کے حکم سے مختار کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے اور مسجد کے پاس کیلوں سے ٹھونک کر نصب کر دیئے گئے۔ اب مختار کی بیویاں مصعب کے سامنے پیش کی گئیں۔ ایک کو ام ثات بنت سرہ کہتے تھے اور دوسری کا نام عمرہ بنت نعمان تھا۔ مصعب نے ان سے پوچھا کہ مختار کے دعویٰ نبوت و وحی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ ام ثات نے جواب دیا کہ ”جس معاملہ میں ہمدی رائے دریافت کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم آپ کی رائے کی تائید کریں“ یہ سن کر مصعب نے اسے رہائی دیدی مگر عمرہ نے کہا ”مختار خدا کے نیک بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنا مخصوص رحم و کرم ان کے شامل حال کرے“ اس جواب پر مصعب نے اسے مجلس میں بھیج دیا اور اس کے متعلق اپنے بھائی جناب عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا کہ ”یہ عورت اس بات کی مدعی ہے کہ مختار نبی تھا۔ اس سے کیا سلوک کیا جائے؟ جناب عبداللہ بن زبیرؓ حضرت سید الاولین و الاخرین ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے فرزند اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خواہر زادہ تھے۔ انہوں نے لکھ بھیجا کہ ”اگر اس کا یہی عقیدہ ہے تو (وہ ختم نبوت کی منکر اور مرتدہ ہے)“ اسے (بوجہ ارتداد) قتل کیا جائے“ چنانچہ رات کی سحر کی میں اسے مجلس سے نکال کر حیرہ اور کوفہ کے درمیان لائے۔ پولیس کے ایک آدمی نے جس کا نام مطر تھا تلوار کے تین ہاتھ رسید کئے۔ عمرہ نے عرب کے دستور کے بموجب اپنے اعزاز و اہمیت کو مد کیلئے پکارا۔ عمرہ کے بھائی بلان بن نعمان نے یہ فریاد سنی۔ فوراً مطر کی طرف جھپٹا اور زور سے ایک تھپڑ اس کے رسید کر کے کہنے لگا۔ ”حرام زادے! تو نے اسے قتل کیا ہے خدا تیرے ہاتھ کو قطع کرے“ مطر نے بلان کو پکڑ لیا اور اسے مصعب کے پاس لے آیا۔ مصعب نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ یہ اپنی ہمشیر کے قتل کا وحشت انگیز اور جانناہ منظر دیکھ کر کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

حارث کذاب دمشقی

حارث بن عبدالرحمن بن سعید حسنتی دمشقی پہلے ابو جلاس عبدی قریشی کا مملوک تھا۔ حصول آزادی کے بعد اس کے دل میں یاد الہی کا شوق سرسرایا۔ چنانچہ بعض اہل اللہ کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الہی میں مصروف رہنے لگا۔ سد رزق سے زیادہ غذا کو نہ کھاتا، کم سوتا، کم بولتا اور اس قدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر عورت کیلئے ضروری تھی۔ یہاں تک کہ تفتش اور قتل و انقطاع کو غایت قصویٰ تک پہنچا دیا۔ اگر یہ زہد و ورع، ریاضتیں اور مجاہدے کسی مرشد کامل کے ارشاد و افادہ کے ماتحت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہنچا دیتے اور معرفت الہی کا نور مبین اس کے کشور دل کو جگمگاتا لیکن اس غریب کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ کسی رہبر کامل کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کرنے کے جائے از خود ریاضت و انزوا کا طریقہ اختیار کرتے ہیں شیطان ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ اور اس وقت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ انہیں ضلالت و ہلاک لہدی کے تحت المرنیٰ تک نہ پہنچا دے۔

شیطان کے طریق اغوا و تضلیل :-

شیطان کا معمول ہے کہ وہ طرح طرح کی نورانی مشکلیں اختیار کر کے بے مرشد ریاضت کشوں کے پاس آتا ہے۔ انہیں انواع و اقسام کے سبز باغ دکھاتا ہے کسی سے کہتا ہے کہ تو ہی مددی موعود ہے کسی کے کان میں یہ پھونک دیتا ہے کہ آنے والا مسیح تو ہی ہے کسی کو حلال و حرام کی پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ کسی کو اپنی طرف ”نبوت و رسالت“ کا منصب بخش جاتا ہے۔ لیکن حرمان نصیبی اور حق فراموشی کا کمال دیکھو کہ عبد اس نورانی شکل کو شیطان نہیں سمجھتا بلکہ اپنی حماقت سے یقین کرتا ہے کہ خود خداوند عالم نے اپنا جمال مبارک دکھایا ہے اسی نے ہم کلامی کا شرف عطا ہے اسی نے اسے مہدویت یا مسیحیت یا نبوت کے منصب جلیل پر سرفراز فرمایا ہے۔ ذیل میں صلحائے امت کے چند ذاتی تجربے اور مشاہدات سپرد قلم کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ جنود ابلیس عباد و زہاد کو راہ حق سے منحرف کرنے کیلئے خدع و دجل کے کیسے کیسے سنری رو پہلی جال بچھاتا ہے؟

حضرت غوث الاعظم اور شیطان کی آواز :-

امام عبدالوہاب شعرانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ناقل ہیں۔ سید ضیاء الدین ابو نصر موسیٰ کہتے ہیں کہ میرے والد امجد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ میرا گذر ایک دشت میں ہوا جہاں پانی ناپید تھا۔ میں چند روز وہاں رہا مگر پانی پر دسترس نہ پاسکا جب تشنگی نے حد سے زیادہ غلبہ کیا تو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے امیر کا ایک ٹکڑا متعین فرمادیا۔ جس سے وقتاً فوقتاً پانی کے قطرے گرتے اور میں تسکین پاتا۔ انہی ایام میں ایک رات ایسا نور بلند ہوا کہ جس نے شب و بجور میں آفاق عالم کو منور کر دیا۔ نور میں سے ایک عجیب و غریب صورت نمودار ہوئی۔ اس نے آواز دی ”اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں۔ میں نے تجھ پر وہ سب کچھ حلال کیا جو دوسروں کیلئے حرام و ناجائز قرار دے رکھا ہے جو کچھ تو چاہے اختیار کر اور ہر وہ فعل کر لے جس کی طرف تیری طبیعت کا میلان ہو“ میں سوچنے لگا کہ الہی! یہ کیا جبر ہے۔ مجھ سے پیشتر نبوت و ولایت کے لاکھوں شہباز فضا نے قرب میں پرواز کرتے رہے ان میں سے کسی کو اتنے بلند نشین آزادی میں جگہ نہ دی گئی اور کسی سے حلال و حرام کا تقید دور نہ ہوا۔ آخر میں کون ہوں کہ مجھے ایسا نادر و عدیم المثال حکم سنایا جاتا ہے؟ میں نے معافراست سے محسوس کیا کہ یہ صدا انخوانے شیطان ہے میں نے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھ کر کہا اے ملعون! دور ہو کیا بھتا ہے؟ ناگاہ وہ نور ظلمت سے بدل گیا اور اس نورانی صورت کا بھی نام و نشان باقی نہ رہا۔ پھر کو آواز آئی ”اے عبدالقادر! آج تو اپنے علم کی بدولت مجھ سے حج گیلہ ورنہ میں نے اسی طرح ستر سالکان طریقت کو رلو حق سے ایسا پھیر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے مقام قرب پر قائم نہ رہ سکا۔ یہ کیسا علم ہے جو تجھے حاصل ہے اور کیسی ہدایت ہے جس سے تو مستعد ہے“ میں نے کہا ترجمہ :- (اللہ ہی کا فضل و احسان ہے۔ وہی سرچشمہ رشد و صحت ہے اور لہذا وہ انتہا میں اسی سے توفیق ہدایت ملتی ہے)

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جس نورانی پیکر نے حضرت غوث الاعظمین سے حلال و حرام کی قید اٹھائی تھی اسی ”ذات شریف“ نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بھی کربوی نور مطلق العینی کا تمتع عطا کیا تھا چونکہ حضرت محبوب سبحانی اپنے علم و عمل میں کامل و یکساں تھے بلکہ کمال پر کوئی مس نہ چلا لیکن بے چارے مرزا غلام احمد جیسے شخص سے اس بات کی کوئی امید نہیں ہو سکتی کہ وہ شیطان کے بیچ انخوانے سے بچ رہتا۔ بہر حال معلم الملوک نے مرزا صاحب سے قریب ہو کر کسی قدر پردہ اپنے ”پاک“ نور روشن چہرہ پر سے جو ”نور“ محض ہے اٹھ کر مرزا صاحب کو الہام کیا :- ترجمہ :- ”اے مرزا تو چاہے سو کر لیا کر کیونکہ میں نے تیرے

تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں“

سید الطائفہ کا شاگرد سلطان کی کمند خدع میں :-

سید الطائفہ حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہ کا ایک ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے صحبت شیخ کی احتیاج نہیں۔ اسی خیال خام کو دل میں طے کر کے اس نے حضرت جنید کی صحبت ترک کر دی اور عزت نشینی اختیار کر کے ذکر و فکر میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی روز بعد وہ ہر شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اسے اونٹ پر سوار کر کے عالم بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاض کے گلستان کی سیر کراتے ہیں۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بعض مخلص احباب سے ذکر کیا کہ میں بارگاہ رب العزت میں اس درجہ رفیعہ پر پہنچا ہوں کہ ملائکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے مجھے گلستان بہشت کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنید کی سمع مبارک تک پہنچی۔ آپ بر خود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی زبان سے عروج و صعود کی کیفیت سن کر کہ ”الح رات کو جب جنت میں پہنچو تو ذرا لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ دینا“ اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے تمام شیاطین بھاگ رہے ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور مردوں کی ہڈیاں سامنے پڑی ہیں، یہ شخص چونکا اپنی کوتاہی و گمراہی سے توبہ کر کے حضرت جنید کے کاشانہ زہد پر حاضر ہوا۔ اور تجدید بیعت کر کے پیر کے برکت انفا سے درجہ کمال کو پہنچا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ جب تک مرید درجہ کمال تک نہ پہنچ جائے اس کا شیاطین کی مغویانہ دست برد سے محفوظ رہنا محال ہے۔ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ کوئی شخص دار دنیا میں خالق پچوں عزاسمہ کو ظاہری آنکھوں سے جو سر میں ہیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام طالب دیدار ہوئے تو انہیں بھی ”لن ترانی“ ہی جواب ملا تھا۔ البتہ عالم آخرت میں اہل جنت کو ایسی آنکھیں عطا کی جائیں گی جو بے کیف و غیر مرئی خدا کو دیکھ سکیں گی۔

شیطان کا تخت :-

مولانا عبدالرحمن جامی نے لحات الانس میں ابو محمد خفاف کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک جگہ مشائخ شیراز کا مجمع تھا جس میں ابو محمد خفاف بھی موجود تھے۔ گفتگو مشاہدہ کے بارہ میں شروع ہوئی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے معلومات پیش کئے۔ ابو محمد خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے لیکن خود کچھ بیان نہ کیا۔ حصاص نے کہا کہ ”پہلے کچھ فرمائیے“ انہوں نے کہا یہی تحقیقات کافی ہیں۔ حصاص نے اصرار کیا تو ابو محمد خفاف کہنے لگے کہ ”یہ جس قدر گفتگو تھی حد علم میں تھی

لیکن مشاہدہ کی حقیقت کچھ اور ہی ہے "حاضرین نے کہا: ذرا اس کی وضاحت فرمادیتے؟" بولے "مشاہدہ یہ ہے کہ حجاب اٹھ کر معائنہ ہو جائے" علماء نے پوچھا یہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا؟ کہا کہ "ایک مرتبہ میں تبوک میں فقر و فاقہ اختیار کئے ہوئے مناجات میں مشغول تھا کہ ایک بیک حجاب اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ عرش پر حق تعالیٰ جلوہ افروز ہے۔ میں دیکھتے ہی سجدے میں جا پڑا اور عرض کیا ترجمہ :- (الہی تو نے مجھے اپنی رحمت سے کیسے ہی بلند درجہ پر پہنچایا ہے؟) یہ سن کر سب لوگ گرداب و رع میں غوطے کھانے لگے۔ جصاص ابو محمد سے کہے لگے چلے ایک بزرگ کی ملاقات کر آئیں اور انہیں لندن سعدان محدث کے پاس لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو شیخ لندن سعدان سے تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ جصاص نے ان سے کہا کہ حضرت جو حدیث آپ نے بیان فرمائی تھی۔

ترجمہ :- حضرت سید العرب والعمم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کے درمیان شیطان کا ایک تخت ہے جب کسی انسان کو فتنہ میں ڈالنا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ تخت دکھا کر اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

ابو محمد کہنے لگے کہ ذرا ایک دفعہ پڑھئے۔ انہوں نے حدیث کا اعادہ کیا۔ ابو محمد یہ سن کر زار زار رونے لگے۔ دیوانہ وار بھاگے اور کئی روز تک غائب رہے۔ جصاص کہتے ہیں کہ جب تھوڑے روز کے بعد ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ آپ اتنے روز تک کہاں تھے؟ کہا اس کشف و مشاہدہ کے وقت سے جتنی نمازیں پڑی تھیں ان سب کی قضا کی وہ سب طہس کی پرستش کی تھی اور کہا اب اس کی ضرورت ہے کہ جہاں شیطان کو سجدہ کیا تھا وہیں جا کر اس پر لعنت کروں پھر چلے گئے اور دوبارہ ملاقات نہ ہوئی۔

یہاں موقع کی مناسبت سے یہ بیان کر دینا بھی ضرور ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب دہلوی بھی ایک شیطان کی "شرف زیارت" سے مشرف ہوا کرتے تھے بلکہ اس سے درجہ انس اور بے تکلفی ہو گئی تھی کہ مذاق اور دل لگی تک پہنچتی تھی۔ آخر شیطان بھی تو اپنا معبود نما جلوہ ہر کس ہوا کس کو نہیں دکھاتا۔ اس "چشمہ سعادت" سے سیراب ہونے کیلئے بھی کچھ صلاحیت درکار ہے۔ صید لیا ہوا جس کے ساتھ لاکھوں دوسرے شکار بھی خود خود کھینچ چلے آئیں۔ وہ شکار ہی کیا جو ایک دم میں پھنس کر رہ جائے۔ اور دوسروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہو۔ بہر حال مرزا صاحب "مصر صہ صحابہ" میں لام الزمان کی چھٹی علامت میں رقم فرما ہیں۔ "امام الزمان کا ایسا اللہام نہیں ہوتا کہ جیسے کلون ائمہ پر وہ ایک کلون پینک جائے اور بھاگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا۔ لہذا کہا گیا؟ بلکہ خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پر وہ اپنے پاک و پیر سے جو نور محض ہے اہم دیتا ہے اور وہ اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں کہ گویا ان سے

کوئی ٹھٹھا کر رہا ہے اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔ پس میں اس وقت بے دھڑک کھتا ہوں کہ خدا کے فضل سے وہ امام الزمان میں ہوں۔

شیخ ابن عربی کے پیر طریقت اور تلبیس ابلیس :-

ابلیس اہل خلوت کو راہ راست سے منحرف کرنے میں ایسے ایسے کمال رکھتا ہے کہ انسانی علم و عمل کے بڑے بڑے قلعے اس کی ادنیٰ فسوں طرازیوں سے آنا فنا زیر و زبر ہو جاتے ہیں۔ اگر توفیق الہی اور ہدایت ازلی رفیق حال ہو تو انسان میں اس کی مغویانہ دست برد سے ہر وقت محفوظ ہے ورنہ جو سخت خفتہ اور طالع گم گشتہ اپنی قسمت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں وہ ان کو ایسی بری طرح پھکتا ہے کہ جس کا جھکا مشرق و مغرب تک محسوس بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا لیکن آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ اس منصب کے اور بھی دعویدار گزر چکے ہیں۔ جس طرح شیطان مع اپنی ذریعات کے بد و آفرینش سے ایک حالت پر چلا آتا ہے۔ اس کے طرق اضلال میں بھی یک رنگی اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ فتوحات مکیہ باب 81 میں فرماتے ہیں کہ ”ہمارے پیر طریقت سے بھی لوائل میں کہا گیا تھا کہ تم مسیح موعود ہو“ لیکن چونکہ وہ ہر چیز کو کتاب و سنت کی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے حق تعالیٰ نے انہیں شیطان کے دام تزویر سے محفوظ رکھا۔

حادثہ پر جنود ابلیس کی نگاہ التفات :-

جب جنود ابلیس نے حادثہ کو اپنی نگاہ التفات سے مخصوص کر کے اس پر القوا لہام کے دروازے کھولے تو اس کو عجیب قسم کی چیزیں دکھائی دینے لگیں جو پہلے کبھی مشاہدہ سے نہیں گزرتی تھیں۔ اس کے سر پر کسی عیسیٰ نفس شیخ طریقت کا ظل سعادت لہذا اقلن نہیں تھا۔ جس کی طرف یہ رجوع کرتا اور وہ اسے شیطانی انواء کو شیوں سے متنبہ کر کے صرصر ضلالت سے چاتا۔ اس کا باپ موضع حولہ میں رہتا تھا۔ اس کو لکھ بھجیا کہ ”جلدی سے میری خبر لو۔ مجھے بعض ایسی چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جن کے متعلق خوف ہے کہ مبادا شیطان کی طرف سے ہوں“ یہ پڑھ کر گم کردہ راہ باپ نے اس کو درطہ ہلاک سے نکالنے کے جائے التناگر ہی کے جال میں پھنسا دیا اور لکھ بھجیا ”پڑنا! تو اس کام کو بے خطر کر گزر جس کے کرنے کا تجھے حکم ہوا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے“

ترجمہ :- کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟ وہ ایسے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں

جو دروغ گو بد کردہ ہیں۔

”تو نہ دروغ گو ہے اور نہ بد کردہ۔ اس لئے تو اس قسم کے لوہام کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دے اور بلا تامل اس کی تعمیل کر جس کیلئے تجھے لڑنا ہوتا ہے۔“ لیکن حادث کے باپ کا یہ استدلال بالکل باطل تھا کیونکہ اس سے اگلی آیت۔ ترجمہ :- (شیاطین کی اطاعتیں سننے کیلئے کان لگائے رہتے ہیں) سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کانہوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے غیب دہانی کے دعویٰ کے ساتھ تھوس مہلی کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ وہی لوگ شیاطین سے رو بہ پیدا کرتے اور ان سے غیب کی باتیں سننے کیلئے کان لگائے رکھتے تھے۔ غرض آیت کے مفہوم میں قطعاً یہ چیز داخل نہیں کہ شیاطین کانہوں کے سوا کسی دوسرے شخص سے تعرض نہیں کرتے۔ بلکہ اگر تو فرض منہی ہی یہ ہے کہ بنی آدم کو دروغ ہلاک میں ڈالے۔ وہ کفار فجار اور عوام کو تو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ان کے مساعی ترویج کے بغیر ہی ان کی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ البتہ خواص پر اپنا بیچہ اغواء مارنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ لیکن بے مرشد لوگ کٹ پٹی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کرنے لگتے ہیں۔

حادث کے استدر راجی تصرفات :-

وہ شخص جو سدر متغذی پر اکتفا کرے، کم سوائے، کم بولے، ہر وقت عبادت الہی یا پوجا پاٹ میں مصروف رہے اور نفس کشی کا شیوہ اختیار کر کے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے اس سے عادت مستمرہ کے خلاف ایسے محیر العقول افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسروں سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ اگر مل اللہ میں سے ہوں تو ان کے خرق عادت کو کرامت کہتے ہیں اور اگر عقل کفر اور اسباب زنج ہوں تو ہمیں عقل استدر لاج کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تصرفات محض یہ وقت اور نفس کشی کا ثمرہ ہیں۔ ان کو تعلق باللہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی بزرگ شریعت اور طریقت کا جامع ہو۔ اتباع سنت اور اقتداء سلف صالح کے ساتھ ریاضت اور نفس کشی کا مسلک اختیار کر رکھی تھی اور دائم العبادت، معمور الاوقات تھا۔ اس سے بھی ماوراء عقل افعال صادر ہوتے تھے۔ چنانچہ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا۔ موسم گرما میں لوگوں کو سرما کے فوٹا کت اور پھل کھلاتا۔ جاڑوں میں تابستان کے میوے پیش کرتا اور کھا کرتا۔ یہ تو میں تمہیں موضع دیر مراں (مضافات دمشق سے فرشتے نکلتے دکھاؤں چنانچہ حاضری محسوس کرتے کہ نہایت حسی و جمیل فرشتے بصورت انسان گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مرزا غلام احمد جیسے شخص کو بیرونی کی ایک بڑی جامعت مل گئی جس کی ذات میں نہ کوئی بھی اور عملی خوبی و بدیعت تھی اور نہ کوئی دوسرا امتیازی وصف ہی پایا جاتا تھا تو پھر عوام کا لانا عام

حادث جیسے شخص کی عقیدت اور پیروی سے کیونکر مختلف کر سکتے تھے۔ جس کے خوارق و کرامات کی جلوہ نمایاں عوام کو خیرہ چشم کر رہی تھیں۔ ہزار ہا سرعشقان بادیہ ضلالت آئے اور اس کے آستانہ زہد کی جبہ سائی کرنے لگے۔

بیت المقدس کو فرار :-

جب حادث کے استدرابی کمالات نے دور رس شہرت اختیار کی تو ایک دمشق رہنما قاسم بن بخیم نام اس کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ تم کس بات کے مدعی ہو؟ کہنے لگا ”میں نبی اللہ ہوں“ قاسم کہنے لگا اے عدو اللہ تو نہیں ہے۔ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ قطعاً بند ہو چکا ہے۔ ان دنوں عبد الملک بن مروان خلافت اسلامیہ کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ قاسم نے جا کر خلیفہ عبد الملک سے ملاقات کی اور حادث کی فتنہ انگیزیوں کا حال مشرح بیان کیا عبد الملک نے حکم دیا کہ حادث کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔“ جب پولیس گرفتاری کے لئے مکان پر پہنچی تو اس کا کوئی کھوج نہ مل سکا۔ حادث دمشق سے بھاگ کر بیت المقدس پہنچا اور نہایت رازداری کے ساتھ اپنی فتنہ انگیزیوں میں مصروف ہو گیا۔ یہاں اس کے مرید ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو باخدا لوگوں کی ملاقات کے شائق ہوں۔ انہیں جہاں کہیں اس ذہنیت کا آدمی نظر آتا اس کو ساتھ لے جاتے اور حادث سے ملاقات کرا کے اپنی جماعت میں داخل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ ایک بصری کو اپنے ساتھ لے گئے جو بیت المقدس میں نووارد تھا۔ جب اس نے توحید الہی کے متعلق حادث کی نکتہ آفرینیاں سنیں تو اس کے حقائق و معارف پر عیش عیش کر گیا لیکن جب حادث نے بتایا کہ میں نبی مبعوث ہوا ہوں تو کہنے لگا کہ آپ کی ہر بات پسندیدہ اور خوشگوار ہے لیکن آپ کے دعوے نبوت کے ماننے میں مجھے تامل ہے۔“ حادث نے کہا ”نہیں نہیں تم سوچو اور غور کرو۔“ اس وقت تو بصری بلا تسلیم دعویٰ مجلس سے اٹھ کر چلا گیا لیکن دوسرے دن پھر آیا اور کہنے لگا کہ آپ کا کلام نہایت مرغوب ہے۔ آپ کی باتیں خوب دل نشین ہوئی ہیں۔ میں آپ پر اور آپ کے دین مستقیم پر ایمان لاتا ہوں۔ غرض بلادی النظر میں وہ حادث کی جماعت میں داخل ہو گیا اور شب و روز دین رہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حادث کے مخصوص مریدوں میں شمار کیا جانے لگا۔

جب بصری نے حادث کے تمام جزئی و کلی حالات معلوم کر لئے تو ایک دن کہنے لگایا نبی اللہ! میں بصرہ کا رہنے والا ہوں اتفاق سے بیت المقدس آیا اور سعادت ایمان نصیب ہوئی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ بصرہ واپس جا کر لوگوں کو آپ کی نبوت کی دعوت دوں۔ حادث نے کہا ”ہاں تم ضرور اپنے وطن میں رہ کر اس خدمت کو انجام دو۔“ اب اس نے پتہ لگایا کہ خلیفہ عبد الملک

کہاں ہے؟ معلوم ہوا کہ اس وقت وہ صبرہ میں فروکش ہے۔ وہاں جا کر خلیفہ سے ملاقات کی اور حارث کی شرانگیزیوں کا تذکرہ کیا۔ عبدالملک نے کہا وہ کہاں ہے؟ بھری نے کہا کہ وہ بیت المقدس میں فلاں جگہ چھپا ہوا ہے اور کہا کہ اگر کچھ آدمی میرے ساتھ کر دیئے جائیں تو میں اسے گرفتار کر کے بارگاہ خسروی میں پیش کر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے چالیس فرغانی سپاہی اس کی تحویل میں دے دیئے اور ان کو حکم دیا کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ اس کے بعد اپنے عامل بیت المقدس کے نام بھی ایک فرمان لکھوایا جس میں بھری کو حسب ضرورت ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کی تاکید کی۔

سلاسل کا از خود کٹ کر گرنا حارث کی گرفتاری اور ہلاکت :-

بھری ان پیادوں کو لیکر بیت المقدس آیا اور رات کے وقت حارث کے قیام گاہ پر پہنچا۔ یہ شخص سپاہیوں کو ایک آڑ میں کھڑا کر کے پہلے خود گیا لیکن دربان نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور بولا کہ گو تم حضرت کے خدام میں داخل ہو تاہم اتنی رات گئے کسی کے لئے داخلہ کی اجازت نہیں۔ لیکن بھری نے سخن طرازی اور فسوں افسانہ سے رام کر کے اسے دروازہ کھولنے پر رضامند کر لیا۔ جب دروازہ کھلا تو بھری نے معاً سپاہیوں کو بھی بلا لیا یہ دیکھ کر دربان اور دوسرے عیروان حارث کے ہوش اڑ گئے اور عالم سرا سیمسگی میں پینچنے چلانے لگے اور بولے افسوس تم لوگ ایک نبی اللہ کو قتل کرنا چاہتے ہو جسے خدا نے آسمان پر اٹھا لیا ہے۔ “جب بھری اور اس کے رفقاء کا راندہ گئے تو حارث مقتود تھا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ حدیث اس وقت خطرے کا احساس کر کے ایک طاق میں چھپ گیا تھا جو مریدوں نے اس کے ہتھکے لئے بنا رکھا تھا۔ بھری سے تو کوئی بات مخفی نہیں تھی۔ اس نے حق میں ہاتھ ڈال کر تولا شروع کیا تو ہاتھ حارث کے کپڑے سے چھو گیا۔ اس نے حارث کو پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور فرغانیوں کو حکم دیا کہ اس کو جکڑ لو۔ انہوں نے زنجیر گردن میں ڈال کر دونوں ہاتھ گردن سے باندھے اور لے چلے۔ جب درہ بیت المقدس میں پہنچے تو حارث نے قرعہ کی یہ آیت پڑھی۔ ترجمہ :- (اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (بہر ض محال) راہ رست کو چھوڑ دوں تو یہ حق فراموشی بھی پر وہاں ہوگی اور اگر راہ ہدایت پر مستقیم رہوں تو یہ اس کا سپاگ کی بدولت ہے جس کو میرا رب مجھ پر نازل فرما رہا ہے۔ اس آیت کا پڑھنا تھا کہ گلے اور ہاتھ کی زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ یہ دیکھ کر پیادوں نے زنجیر اٹھا کر پھر ہاتھ گلے سے باندھے اپنے ساتھ لے چلے۔ جب دوسرے درہ پر پہنچے تو حارث نے مکر یہ آیت پڑھی اور زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جاری۔ پیادوں نے پھر سلاسل کو اٹھایا اور سہ بدہ جکڑ کر لے چلے۔ آخر

د مشق پہنچ کر خلیفہ عبد الملک کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ کیا واقعی تم مدعی نبوت ہو؟ حارث نے کہا کہ ہاں لیکن یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہوں وحی الہی کے بموجب کہتا ہوں۔ خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا کہ اس کو نیزہ مار کر ہلاک کرو۔ نیزہ مارا گیا لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا یہ دیکھ کر حارث کے مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ انبیاء اللہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ “خلیفہ نے محافظ سے کہا ”شاید تم نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا؟“ اب کہ مرتبہ بسم اللہ پڑھ کر وار کیا تو وہ بری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دیدی۔ یہ ۲۹ ہجری کا واقعہ ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے کتاب ”الفرقان بین لولیاء الرحمن واولیاء الشیطان“ میں لکھا ہے کہ حارث کی ہتکڑیاں اتارنے والا اس کا کوئی شیطان دوست تھا اور اس نے گھوڑوں کے جو سوار دکھائے تھے وہ ملائکہ نہیں بلکہ جنات تھے۔

منغیرہ بن سعید عجمی

منغیرہ بن سعید عجمی فرقہ منغیرہ کا بانی ہے جو غلاۃ روافض کا ایک گروہ تھا۔ یہ شخص خالد بن عبد اللہ قرظی دہلی کو فتح کا کٹر لڑاکو اور بڑا عالی رافضی تھا۔ حضرت امام محمد باقرؑ کی رحلت کے بعد پہلے لاسٹ کالور پھر نبوت کا مدعی ہوا۔

احیاء موتی اور غیب دانی کا دعویٰ :-

منغیرہ کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں۔ اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ فکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ کہا کرتا تھا کہ اگر میں قوم عاد ثمود اور ان کے درمیان عہد کے قوموں کو زندہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ یہ شخص مقابر میں جا کر بعض ساحرانہ کلمات پڑھتا تھا تو نڈیوں کی وضع کے چھوٹے چھوٹے جانور قبروں پر اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ محمد بن عبدالرحمن بن ابولہیلا کا بیان ہے کہ بصرہ کے ایک صاحب طلب علم کے لئے آ کر ہمارے ہاں ٹھہرے ایک دن میں نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ دو درہم لے جا اور ان کی مچھلی خرید لا۔ یہ حکم دے کر میں اور بھری طالب العلم منغیرہ بن سعید عجمی کے پاس گئے۔ منغیرہ مجھ سے کہنے لگا اگر چاہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے اپنی خادمہ کو کس طرح کام کیلئے بھیجا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگا ”اگر چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے والدین نے تمہارا نام محمد کیوں رکھا تھا؟“ ”میں نے کہا نہیں“ پھر خود ہی کہنے لگا کہ تم نے اپنی خادمہ کو دو درہم کی مچھلی خریدنے کیلئے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم دونوں اس کے پاس اٹھ کر چلے آئے۔ غرض منغیرہ کو سحر میں کامل دستگاہ حاصل تھی اور اس نے یہ نجات و سلامت دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

حکایت و تعلیمات :-

منغیرہ کہتا تھا کہ سعید حقیقی نور کا ایک پیکر انسانی صورت پر ہے۔ الف اس کے دونوں قدموں کی مانند ہے۔ میں اس کی دونوں آنکھوں کے مشابہ ہے کہتا تھا کہ اللہ کے سر پر نور کا تاج رکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی آفرینش کا قصد کیا تو اپنے اسم اعظم سے معاً اس اسم نے پرواز کر لور تاج کی شکل اختیار کر کے اس کے فرقہ مبارک پر اکیلا چنانچہ کہتا تھا کہ آیے

سَبَّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ میں اسمِ اعلیٰ سے یہی تاج مراد ہے اور کہتا تھا کہ جب رب العزت نے کائنات عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اعمالِ عباد کو اپنی انگلیوں سے لکھا جب رب الارباب نے اپنے بندوں کے ذنوب و معاصی پر غضبناک ہوا تو اس کا جسم عرق آلود ہو گیا جس سے دو دریا بہ نکلے۔ ایک شیریں ہے۔ پھر خدائے قدوس نے دریائے شیریں کی طرف نظر کی تو اس کی شکل و صورت دریا میں منعکس ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اپنے پر تو اعمال کا کچھ حصہ لے کر اس سے سورج اور چاند بنائے اور باقی ماندہ عکس کو فنا کر دیا۔ تاکہ اس کا کوئی شریک باقی نہ رہے۔ پھر دریائی شیریں سے شیعہ پیدا کئے اور دریائے تلخ سے کفار (یعنی غیر شیعہ) کی تخلیق فرمائی۔ (کتاب الخطاط مقریر یعنی ج 4 ص 176)

پھر اس نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن انہوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کیا۔ یہ امانت کیا تھی؟ اس بات کا عہد تھا کہ وہ سب علیؑ کی خلافت میں مزاحم نہ ہوں گے۔ لیکن انسان نے اس امانت کو اٹھالیا۔ چنانچہ عمر بن خطابؓ نے ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ وہ اس بار امانت کو اٹھا کر علیؑ کو اس سے روک دیں اور عمرؓ نے اس شرط پر معاونت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے بعد انہیں خلیفہ مانگیے۔ ابو بکرؓ نے اس امانت کو اٹھا لیا اور ان دونوں نے غلبہ پا کر علیؑ کو اٹھانے سے روک دیا یہ شخص تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باستثناء ان حضرات کے جنہوں نے حضرت علیؑ کی رفاقت اختیار کی (معاذ اللہ) تکفیر کرتا تھا۔“ (الفرق بین الفرق ص 229، 231)

مغیرہ کی جھوٹی پیش گوئی اور مریدوں کا ”نذرانہ“ لعنت :-

مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ حضرات علیؑ، حسنؓ، حسینؓ کے بعد امامت جناب محمد بن عبد اللہ بن حسن ثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منتقل ہو گئی جو نفسِ زکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اس شخص کا استدلال اس حدیثِ نبوی سے تھا جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کا لور ان کے والد کا نام میرے لور والد کے نام کے موافق ہو گا۔ یہ وہی محمد بن عبد اللہ حسنی ہیں جنہوں نے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عہدِ خلافت میں خروج کر کے حجاز مقدس پر قبضہ کر لیا تھا۔ لور خلیفہ منصور نے ان کے مقابلہ میں عیسیٰ بن موسیٰ کے زیرِ قیادت مدینہ منورہ فوج بھیجی تھی لور جناب نفسِ زکیہؒ اس معرکہ میں جرحہ مرگ پی کر دار الحکد چلے گئے تھے۔ یہ 145ھ کا واقعہ ہے لیکن مغیرہ اس سے چھبیس سال پہلے خلیفہ ہشام بن عبد الملک ابوی کے عہدِ خلافت میں حلفِ بن چکا تھا جناب نفسِ زکیہ کو مہدی آخر الزمان قرار دے کر لور یہ کہہ کر جھوٹ بولا تھا کہ یہی روئے زمین کے مالک ہوں گے۔

حالانکہ نفس زکیہ سپاہ منصوری کے ہاتھ سے قتل ہو گئے اور نہ صرف روئے زمین کے بلکہ اس کے بیسویں تیسویں حصہ کے بھی مالک نہ ہو سکے۔ ”البتہ ایک گروہ بدستور اپنی خوش اعتقادی پر ثبات قدم رہا۔ مؤخر الذکر جماعت نے مرزائیوں کی طرح سخن سازی سے کام لے کر اپنے دل کو بہلایا اور یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ کوہ حاجر میں جا کر مستور ہو گئے ہیں اور جب انہیں حکم ہو گا تو ظاہر ہو کر رکن اور مقام ہداجیم کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے اور مختلف احزاب و جیوش کو منہزم کر کے روئے زمین پر اپنا عمل و دخل کر لیں گے۔“ جب ان لوگوں سے سوال کیا جاتا کہ پھر وہ شخص کون تھا جسے خلیفہ ابو جعفر منصور کے لشکر نے نذرا جل کیا تو اس کا وہ یہ معطلہ خیز جواب دیتے کہ وہ ایک شیطان تھا کہ جس نے محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی شکل و صورت اختیار کر لی تھی۔ غرض روافض کی مؤخر الذکر جماعت اس بناء پر محمدیہ کے نام سے موسوم ہے کہ لوگ محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی آمد کے منتظر ہیں۔ (الفرق ص 132)

منغیرہ کے زندہ نذر آتش کئے جانے کا ہولناک منظر :-

جب خالد بن عبد اللہ قمری کو جو خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی طرف سے عراق کا امیر تھا معلوم ہوا کہ منغیرہ مدعی نبوت ہے اور اس نے طرح طرح کی شائستگیں جاری کر رکھی ہیں۔ تو اس نے 119ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے چھ مرید بھی پکڑے آئے۔ خالد نے منغیرہ سے دریافت کیا کہ تمہیں نبوت کا دعویٰ ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم اس کو نبی یقین کرتے ہو؟ انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ خالد نے منغیرہ کو ارتداد کی وہ بڑی سے بڑی سزا دینی چاہی جو اس کے خیال میں ساسکی۔ اس نے سرکنڈوں کے گٹھے اور نکلے منگوایا خالد نے منغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو اٹھالے۔ منغیرہ اس سے رکا اور ہچکچایا خالد نے حکم دیا کہ مارو۔ معاً اس کے سر پر کوڑے پڑنے لگے۔ منغیرہ تھوڑی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ (الن جریر طبری ج 8 ص 241)

اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے انتطاع نبوت کے بعد کسی کا ادعائے نبوت کوئی عیا معمولی سا جرم نہیں جس کی سزا قتل سے کم تجویز کی جاسکے۔ لیکن جان ستانی کا جو طریقہ خالد نے اختیار کیا وہ کسی طرح مستحسن نہ تھا۔ قتل کے موزوں طریقے بھی تھے جو اختیار کئے جا سکتے تھے کسی کو آگ میں زندہ جلا دینا ایک وحشیانہ فعل ہے۔ جو جاہلیت کے عند مظالم کی یادگار ہے چنانچہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ارشاد سے اس کی ممانعت فرمادی ہے۔ کہ ”کسی کو عذاب اللہ کے معذب نہ کرو۔“ عذاب اللہ سے یہی اخاق فی النار کا عذاب مر لو ہے۔ خداوند عالم کے سوا کسی کو اس کا استحقاق نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ میں جلائے۔

بیان بن سمعان تمیمی

بیان بن سمعان تمیمی مغیرہ بن سعید عجمی کا معاصر تھا۔ فرقہ بیانیہ جو غلامہ و انفس کی ایک شاخ ہے اسی بیان کا پیرو ہے بیان نبوت کا مدعی تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم کے ذریعہ سے زہرہ کو بلا لیتا ہوں۔ ہزار ہالوگ حسن ظن کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہو گئے بیان حضرت امام زین العابدینؑ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقرؑ جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دی تھی اور اپنے خط میں جو عمر بن عقیف کے ہاتھ امام مدوح کے پاس بھیجا لکھا تھا۔ ترجمہ :- (تم میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گے اور ترقی کرو گے۔ تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبی بناتا ہے) کہتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ یہ خط پڑھ کر بہت خشمناک ہوئے اور قاصد سے فرمایا کہ اس خط کو نکل جاؤ۔ وہ بے تامل نکل گیا اور معاذ رب کر جان دے دی۔ اس کے بعد امام نے بیان کے حق میں بھی بددعا کی چنانچہ چند ہی روز میں خالد قسری کے ہاتھوں قتل ہو کر طعمہ اجل ہو گیا کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے بھی بیان پر لعنت کی ہے

عقیدہ تناخ و حلول میں ہنود کا اتباع :-

بیان ہنود کی طرح تناخ و رجعت اور حلول کا قائل تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میرے جسم میں خدائے کردگار کی روح حلول کر گئی ہے اور اس کے متبعین اس کو اسی طرح خدا کا اوتار یقین کرتے تھے جس طرح ہنود رام چند رجبی اور کرشن جی کو خدائے برتر کا اوتار گمان کرتے ہیں بیان اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں کہ ذات خداوندی ہر چیز میں حلول کرتی ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیتیں پیش کرتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ آیات قرآنی سے اس قسم کا استدلال ایسا ہی انوکھا اور عجیب و غریب ہو گا جس طرح کہ آج کل کے گم کردگان راہ مرزائی بعض آیات قرآنی سے اپنا عقیدہ جریان نبوت ثابت کرنے کی مضحکہ خیز کوشش کیا کرتے ہیں۔ بیان کا دعویٰ تھا کہ مجھے قرآن کا صحیح بیان سمجھایا گیا ہے۔ اور آیات قرآنی کا وہ مطلب و مفہوم نہیں سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اس کو بیان کہتے تھے ظاہر ہے کہ عوام نے اس کی مراد علمائے امت کی جماعت تھی۔ ورنہ عامۃ الناس تو قرآن پاک کا مطلب و مفہوم اور اس کے حقائق و معارف سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں اور یہ کچھ بیان پر موقوف نہیں بلکہ ہر جھوٹا مدعی ازراہ خود غرضی ہمیشہ حاملین شریعت ہی کو خطاکار

بتایا کرتا ہے۔ اس فریب کاری کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انتادرجہ کا جاہل کندہ ناتراش یہ کہنے لگے کہ دنیا بھر کے نامی گرامی ڈاکٹر اور حکیم خواص ادویہ اور تشخیص امراض سے نابلد ہیں۔ البتہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کو علم طب میں کامل بصیرت حاصل ہے۔ ”دور نہ جاؤ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی کو دیکھ لو۔ علماء تو درکنار اس شخص نے تو خود حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کو (معاذ اللہ) خطا کار بتایا اور یہاں تک لکھ مارا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیح بن مریم علیہ السلام اور دجال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کی حقیقت منکشف نہ ہوئی“ اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس چیز تک (معاذ اللہ) حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فہم کی رسائی نہ ہوئی تھی وہ قادیانی پر منکشف ہو گئی۔

فرقہ بیانہ کا خیال ہے کہ امامت محمد بن حنفیہ سے ان کے فرزند ابوہاشم سے ایک وصیت کی بناء پر بیان بن سمعان کی طرف منتقل ہو گئی۔ بیانہ اپنے زعم و مقتداء کے حقیقی منصب و مقام کے متعلق مختلف بیان ہیں۔ بعض تو اس کو نبی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بیان نے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہ الہیۃ والسلام) کا ایک حصہ منسوخ کر دیا اور بعض اسے معبود برحق خیال کرتے ہیں بیان نے ان سے کہا تھا کہ خدا کی روح انبیاء اور آئمہ کے اجساد میں منتقل ہوتی ہوتی ابوہاشم عبد اللہ بن حنفیہ میں پہنچی۔ وہاں سے میری طرف منتقل ہوئی۔ یعنی حلولی مذہب کے بموجب خود ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ ترجمہ :- (یہ لوگوں کیلئے بیان اور متقین کے لئے ہدایت و موعظتہ ہے) چنانچہ خود بیان نے بھی کہا ہے۔ ترجمہ :- (میں ہی بیان ہوں اور میں ہی ہدایت و موعظہ ہوں)۔

امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کی خدائی کا اعتقاد :-

میان کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اسم اعظم کے ذریعہ سے لشکر کو ہزیمت دے سکتا ہوں اور زہرہ کو بلاتا ہوں اور وہ میرے پکارنے پر جواب دیتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ معبود تبارک و تعالیٰ ایک نوری شخص ہے کہ چہرہ کے سوا جس کا تمام بدن فنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک نے فرمایا کہ اپنے بیان کی تائید میں کرتا تھا۔ ترجمہ :- (مگر ان کو زعم باطل ہے) کیونکہ وجہ امتہ کے حق ذات خود دعویٰ ہے اور بلفرض محال خدا نے ہر ترکے دوسرے اعضائے جسم کو فنا پذیر بنا دیا ہے۔ چنانچہ چہرہ کے قافی اور زوال پذیر ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ بیان حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کی خدائی کا اعتقاد رکھتا تھا۔ اور احمقوں کا قائل تھا یعنی کہتا تھا کہ خالق راض و سہ کا ایک جود علی علیہ السلام کے جسد مبارک میں طول کر کے ان سے حقد ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے حقد و ہی قوت الہی تھی جس کی بدولت انہوں نے درۃ خیر اعدا تھا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہ جزو الہی جناب محمد بن حنفیہ کی ذات میں پیوست ہوا۔ ان کے بعد ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد کے جسم میں جلوہ گر ہوا۔ جب وہ بھی دار الجلد کو رخصت ہو گئے تو وہ بیان سمعان یعنی خود اس کی ذات کے ساتھ متحد ہو گیا میان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ آسمان اور زمین کے معبود الگ الگ ہیں۔ ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ میان ایضاً وعلو الذی فی السماء الہؑ و فی الارض الہؑ کی یہ تاویل کرتا ہے آسمان کا اللہ اور ہے اور زمین کا اور۔ اور آسمان کا اللہ زمین کے معبود سے افضل ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کا معبود ایک ہی خدائے واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیان دجال کذاب ہے۔ اور کتاب منج المقال میں ہے کہ امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ ارشاد خداوندی: ترجمہ :- (کیا میں بتلا دوں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ دروغ گو بد کردگار پر) میں شیاطین سے مراد سات اشخاص ہیں منیرہ بن سعید عجمی اور بیان بن سمعان تمیمی اور اسی قماش کے پانچ اور اشخاص۔ علامہ عبد القاہر بغدادی کتاب ”الفرق بین الفرق میں لکھتے ہیں کہ فرقہ بیانیہ ملت اسلام سے خارج ہے کیونکہ یہ لوگ میان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد میان کو نبی سمجھتے ہیں وہ بھی اسی شخص کی مانند ہیں جو مسیلمہ کذاب کو نبی ممان کرتا ہے اور یہ دونوں فریق اسلامی فرقوں سے خارج ہیں“ (الفرق ص 228)

اسی پر مرزائیوں کو قیاس کر لینا چاہئے جو مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔

ہلاکت کا بھیانک نظارہ :-

باب سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ خالد بن عبد اللہ قسری عامل کوفہ نے منیرہ بن سعید عجمی کو زندہ جلا دیا تھا۔ بیان بھی اسی وقت گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب منیرہ جل کر خاک سیاہ ہو چکا تو خالد نے بیان کو حکم دیا کہ سر کندوں کا ایک گٹھا بغل میں لے لیا یہ دیکھ کر خالد نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم ہر کام میں حماقت اور تعجیل سے کام لیتے ہو۔ کیا تم نے منیرہ کا حشر نہیں دیکھا؟ اس کے بعد خالد کہنے لگا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو۔ ”اب یہ کام کرو کہ مجھے اور میرے عملہ کو جو تیرے درپے جان ہیں ہزیمت دے کر اپنے آپ کو چالو“ مگر وہ جھوٹا قالب کشائی نہ کر سکا۔ آخر منیرہ کی طرح اس کو بھی زندہ جلا کر بے نشان کر دیا گیا۔ (تاریخ طبری ج 8 ص 241)

ابو منصور عجمی

یہ شخص لہذا امیر حضرت امام جعفر صادقؑ کا معتقد اور رافضی غالی تھا۔ جب امام ہمام نے اسے صحید رقصیہ کے باعث اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے کبیدہ خاطر ہو کر خود دعوائے لہمت کی نمان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند ہی روز بعد یہ دعویٰ کر دیا کہ میں امام محمد باقر کا خلیفہ و جانشین ہوں اور ان کا درجہ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے یہ شخص اپنے تئیں خالق کردگار کی شکل بناتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام محمد باقر کی رحلت کے بعد میں آسمان پر بلایا گیا اور مجھ کو حق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ”اے بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے“ اے امامت سے پہلے تو کہا کرتا تھا کہ قرآن کی آیہ میں جو کسف کا لفظ ہے اس سے امیر المؤمنین علیؑ مراد ہیں لیکن اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ اس لفظ سے میری ذات مقصود ہے۔ مرزائیوں کی طرح نصوص صریحہ کی عجیب و غریب تاویلیں کیا کرتا تھا مثلاً قیامت اور جنت و دوزخ کا منکر تھا اور اس کی تاویل میں کبھی تو یہ کہتا کہ جنت سے نعیم دنیا اور دوزخ سے مصائب دنیا مراد ہیں اور کبھی یوں ”گوہر افشانی“ کرتا کہ جنت سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہیں جن کی محبت و دوستی واجب ہے اور وہ آئمہ اہل بیت ہیں اور دوزخ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عدولت فرض و واجب ہے۔ مثلاً ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، معاویہؓ اسی طرح کہتا تھا کہ قرآن حکیم میں فرائض سے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد مراد ہے اور محرمات سے حضرت ابو بکرؓ وغیرہ مقصود ہیں۔ ابو منصور اس بات کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ اور عجب نہیں کہ مرزائیوں کے معتدائے نبوت کے جاری رہنے کا عقیدہ اسی شخص سے حاصل کیا ہو ابو منصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے اس سے تمام تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں اور اس کیلئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی اس کی تعلیمات شنید میں یہ چیز بھی داخل تھی کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کر دے جو عقاید میں ابو منصور سے مختلف خیال ہوں تو اسے قرب خداوندی میں جگہ مل جاتی ہے۔ ابو منصور کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جبریل امین نے پیغام رسائی میں خطا کی انہیں حضرت علیؑ کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن وہ غلطی سے جناب محمد ﷺ کو پیغام الہی پہنچا گئے (غیۃ الطالبین) ان کے کسی شاعر نے کہا ہے۔

جبریل کی آمد زہد خالق پھوں
درپیش محمدؐ شہد مقصود علیؑ بود

علامہ عبدالقاہر نے لکھا ہے کہ ابو منصور اور اس کا گروہ قیامت اور جنت و دوزخ کا انکار کرنے کے باعث دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالقاہر کو منصور عجمی کے اس عقیدہ کا علم نہیں ہوا کہ اس کے نزدیک نبوت جاری ہے ورنہ وہ اس کے عقیدہ کو بھی ان عقاید کفریہ میں شامل کرتے جن کی وجہ سے ابو منصور اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی تھا ابو منصور عجمی کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا تو اس نے اسے گرفتار کر کے کوفہ میں دار پر چڑھا دیا۔ (الفرق ص 214، 234)

نمائیاں ملاحظہ ہوں۔ کتاب القرطاس میں لکھا ہے کہ ”صالح کے مذہب میں حکم ہے رمضان کے چائے رجب کے روزے رکھیں۔ اس نے اپنے پیروؤں پر دس نمازیں فرض کی تھیں۔ پانچ دن میں اور پانچ رات میں۔ 21 محرم کے دن ہر شخص پر قربانی واجب کی۔ وضو میں ناف اور کمر کا دھونا بھی مشروع کیا۔ حکم دیا کہ کوئی شخص غسل جنات نہ کرے۔ البتہ جو کوئی زنا کا مرتکب ہو وہ زنا کے بعد ضرور غسل کرے۔ اس کے پیرو صرف اشاروں سے نماز پڑھتے ہیں۔ البتہ آخری رکعت کے اخیر میں پانچ سجدے کر لیتے ہیں۔ کھانے پینے کے وقت ”یاسمک یا کنسانی“ کہتے ہیں۔ ان کے زعم میں اس کی تعریف بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ صالح نے حکم دیا کہ جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کریں۔ البتہ چچا کی بیٹی سے عقد ازدواج نہ کریں“ کاش اس کا فلسفہ ہمیں بھی معلوم ہو جاتا۔ ان کے ہاں طلاق کی کوئی حد نہیں۔ یہ لوگ دن میں ہزار مرتبہ طلاق دیکر رجوع کر سکتے ہیں۔ بیوی ان باتوں سے ان پر حرام نہیں ہوتی۔ صالح نے حکم دیا تھا کہ چور کو جہاں دیکھو قتل کر دو کیونکہ اس کے خیال میں چور تلوار کی دھار کے سوا گناہ سے کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا۔ اس کی شریعت میں ہر حلال جانور کا سر کھانا حرام تھا اور مرغی کا گوشت مکروہ تھا۔ مرغ کا ذبح کرنا اور کھانا حرام قرار دیا اور حکم دیا کہ جو کوئی مرغ ذبح کرے یا کھائے وہ ایک غلام آزاد کرے اور حکم دیا کہ اس کے پیرو اپنے حکام کا لعاب دہن (تھوک) ہمہ سبیل تھوک چاٹ لیا کریں۔ چنانچہ صالح لوگوں کے ہاتھوں پر تھوکا کرنا اور وہ اسے خود چاٹ لیتے یا مریضوں کے پاس حصول شفا کی غرض سے لے جاتے۔

صالح سینتالیس سال تک دعویٰ نبوت کے ساتھ اپنی قوم کے دینی اور دنیاوی امور کا کفیل و مگر ان حال رہا۔ آخر میں تبتل و انتطاع کا اشتیاق پیدا ہوا اور اپنے کفریات کے باوجود بزرگ عم خود کاملہ ذہاب الی اللہ کا سودا سر میں سما۔ 174ھ میں تاج و تخت سے دستبردار ہو کر پایہ تخت سے کہیں مشرق کی طرف جا کر عزت گزین ہو گیا۔ جاتے وقت اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی کہ میرے دین پر قائم رہنا چنانچہ نہ صرف الیاس بلکہ صالح کے تمام جانشین پانچویں صدی ہجری کے اواسط تک ارث تاج و تخت کے علاوہ اس کی مصلحت اور خانہ ساز نبوت کے بھی وارث رہے۔

الیاس بن صالح وصیت کے بموجب اس کے تمام کفریات پر عامل و مضر رہا۔ یہاں تک کہ پانچواں سالہ حکومت داغواکوشی کے بعد 224ھ میں طعمہ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد الیاس کا بیٹا یونس مسند حکومت پر بیٹھا۔ یہ شخص نہ صرف اپنے باپ دادا کے کفریات پر عمل پیرا بلکہ دوسروں کو بھی جبراً و قہراً ان کا پابند بنانے کی کوشش کی۔ یونس کا ظلم و عدوان یہاں تک بڑھا کہ اس نے تمہنہ سوا سی قصبات و دیہات کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا۔ اور اس کے جرم پاشا باشندوں کو

محض اس "قصور" پر موت کے گھاٹ اسی دیا کہ وہ اس کا اور اس کے کباؤ کا مسلک اختیار نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اس کی تیج جانے قریباً آٹھ ہزار کلمہ گوؤں کو ننگ اجل کے حوالے کر کے دہرا ملک میں پناہ دینا حکم کرائیوں کے بعد یونس نے حج کا قصد کیا اور اس پر یہ مثل صدق مکی حوسوچ ہے کما کے بی حج کو چلی۔ اس سے پیشتر اس کے خاندان کے کسی شخص نے حج نہیں کیا تھا آخر چوالیس سال کی خالاند حکومت کر کے 268ھ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد ابو خنیر محمد بن محمد کعبہ خولہ کا بدشاہ ہوا۔ اس نے بھی اپنے کبا کی رسم کمن کے بموجب دعویٰ نبوت کیا۔

ابو خنیر کی چوالیس بیویاں تھیں اور شاید اتنی ہی یا اس سے کسی قدر زیادہ اولاد تھی۔ یہ شخص تیسری صدی کے اخیر میں اسیس سال حکومت کر کے ہلاک ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو الانصاف عبداللہ تخت نشین ہوا۔ اور اپنے کباؤ کا طریقہ رائج کیا۔ آخر چوالیس سال حکومت کر کے راسی ملک عدم ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور عیسیٰ بائیس سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہو کر آسمان شہرت پر نمودار ہوا۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کی نبوت کو بوا عروج نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ ملک مغرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے اس کی عظمت و شوکت کے سامنے سر انقیاد خم نہ کیا ہو۔ اس کو ایک غنیم بلکنین بن زیری بن مناد صہناجی سے جنگ آزما ہونا پڑا۔ جس میں اس کو ہزیمت ہوئی اور 369ھ میں اٹھائیس سال تک دعویٰ نبوت کے ساتھ کوس لعین الملک الیوم بجہ میدان جان ستان کی نذر ہو گیا۔ اس کے بے شمار پیرو قید ہو کر قیروان لائے گئے۔ ابو منصور عیسیٰ کے بعد غالباً ابو حفص عبداللہ ابو منصور عیسیٰ کی اولاد میں سے تھا۔ وارث تاج و تخت ہوا شاید یہی وہ بادشاہ ہے کہ صالح نے جس کے عہد سلطنت میں ظہور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر صالح نے نہ تو اس کے زمانہ حکومت میں کبھی اپنا جلوہ دکھایا اور نہ اس کے بعد ہی کسی کو اس کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ مگر ظاہر ہے کہ صالح کی گمراہ امت نے بھی آجکل کے مرزائیوں کی طرح شرمسار ہونے کے جائے سخن سازی اور سبیل کاری کے ہتھیار تیز کر لئے ہوں گے۔ ابو منصور عیسیٰ کی ہلاکت کے بعد بر غواط کے اقبال نے دامن اوبار میں منہ چھپایا۔ چنانچہ ابو منصور عیسیٰ کے بعد تارستا لگاتار اسی سال تک شجاعان اسلام کی یورشوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ یہاں تک کہ مرابطون نے 451ھ میں تسلط کر کے وہاں فرقہ احمد لیل سنت و جماعت کی حکومت قائم کر دی۔ (الاستقصاء جلد اول ص 103)

بر غواطی حکمران جو مرزا غلام احمد سے زیادہ عرصہ تک دعویٰ نبوت پر قائم رہے :-

مرزائی لوگ یہ کہہ کر ہوا قنوں کو مخاطبہ دیا کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا مغتری نہیں

گزار جو مرزا صاحب کی طرح تیس سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر رہا ہو اور جلد ہلاک نہ ہو گیا ہو۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب بچے نبی تھے۔ اگرچہ مرزائی لوگ اپنے پیش کردہ دعویٰ حق و باطل کو کلام الہی اور ارشادات نبویہ کی روشنی میں ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ اور صادق کے صدق اور کاذب کے کذب میں کسی مدت دعویٰ کو قطعاً کوئی دخل نہیں تاہم میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر مرزائیوں کی ضد پوری کر دوں۔ متذکرہ صدر وار سے جو کتاب ”الاستقصاء لاختبار دول المغرب الاقصیٰ“ (جلد اول ص 51-103) سے ماخوذ ہیں قارئین کرام اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ کم از کم مندرجہ ذیل بادشاہ مرزا غلام احمد کی مدت دعویٰ سے بھی زیادہ عرصہ تک دعویٰ نبوت کے ساتھ اپنی قوم میں رہے۔ ملاحظہ ہو :-

نام مدعی نبوت	آغاز و انتہائے دعویٰ	مدت دعویٰ
صالح بن طریف	127ھ سے 174ھ تک	47 سال
ابو غنفر محمد بن معاذ	268ھ سے 297ھ تک	29 سال
ابو منصور عیسیٰ	341ھ سے 369ھ تک	28 سال

بہا فرید زوزانی نیشاپوری

ابو مسلم خراسانی کے عہد دولت میں جو خلافت کل عباس کا بیٹی تھا۔ بہا فرید بن ماہ فروزین نام ایک محوسی جو زوزان کا رہنے والا تھا۔ خوفِ خلق نیشاپور کے قریب سیر و اند نام ایک قصبہ میں ظاہر ہوا۔ یہ بھی نبوتِ دو جی کا مدعی تھا۔

بلدیک قمیض سے اعجاز نمائی کا کام :-

بہا فرید لوائل عہد میں زوزان سے چین کی طرف گیلہ وہاں سات سال تک قیام کیا۔ مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت بلدیک قمیض بھی ساتھ لایا۔ بہا فرید نے اس قمیض سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے واپس آکر رات کے وقت وطن پہنچا کسی سے ملاقات کئے بغیر رات کی تلہ کی میں سیدحاتِ خاند کا رخ کیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جب صبح کے وقت پچھلیوں کی آمد وقت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کس طرح آ رہا ہے؟ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا حیرت کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔ میں بلکہ سات سال تک آسمانوں کی سیر و سیاحت میں مصروف رہا۔ وہاں مجھے جنت اور دوزخ کی سیر کرائی۔ آخر رب کریم نے مجھے شرفِ نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ قمیض پہنا کر زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں ابھی ابھی آسمان سے نازل ہو رہا ہوں۔ اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے خود اسے آسمان سے نازل ہوتے دیکھا ہے پچھلیوں نے بھی اس کے اترنے کی شہادت دی۔ بہا فرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے عنایت ہوا زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ کہیں دنیا میں بھی ایسا بلدیک اور نفیس کپڑا تیار ہو سکتا ہے؟ لوگ اس قمیض کو دیکھ دیکھ کر محو حیرت تھے۔ غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کر کے بزمِ ہا مجوس اس کے پیرو ہو گئے۔ اب اس نے لوہائے نبوت کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے نئے دین کا خون و عوت پھیلایا اور لوگ دھڑا دھڑا دم تڑویر میں پھنسنے لگے جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کی تھیلینی نے از لہ مال اندیشی حضرت سید الانبیاء ﷺ کی نبوت کی بھی تصدیق کی اسی طرح بہا فرید نے مجوس کے مقتداء زر تشت کو سچا پیغمبر تسلیم کیا اور جس طرح مرزا غلام احمد صاحب نے دین اسلام میں سیکڑوں قسم کی رخنہ اندازیاں کیں اسی طرح اس نے مجوس کے اکثر شرائع و احکام

پر خط تنبیخ کھینچ ڈالا اور لوگوں سے بیان کیا زرتشت کے تمام پیروؤں پر میری اطاعت فرض ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس نہایت رازداری کے ساتھ احکام الہی پہنچا کرتے ہیں۔

بہا فریدی شریعت کی بوالعجبیاں :-

بہا فرید نے بیسیوں خرافات جاری کئے تھے۔ اس نے اپنی امت پر سات نمازیں فرض کیں۔ پہلی نماز خدائے برتر کی حمد و ستائش کو متضمن تھی۔ دوسری آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے متعلق تھی۔ تیسری حیوانات اور ان کے رزق کی طرف منسوب تھی۔ چوتھی دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد و تذکیر پر مشتمل تھی۔ پانچویں کا تعلق بعثت اور یوم عدالت سے تھا۔ چھٹی میں لرباب جنت کی راحت اور اہل دوزخ کے مصائب کی یاد تازہ کی جاتی تھی۔ ساتویں نماز میں صرف اہل جنت کی چھوڑی اور اقبال مندی کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا تھا۔ بہا فرید نے اپنے پیروؤں کیلئے ایک فارسی کتاب بھی مدون کی اور حکم دیا کہ تمام لوگ آفتاب کو سجدہ کریں لیکن سجدہ کے وقت دونوں گھٹنے زمین پر نہ لگیں بلکہ ایک زانو سے سجدہ جلا لیا جائے۔ استقبال قبلہ کے جائے حکم تھا کہ آفتاب کی طرف منہ کر کے نمازیں لوائی جائیں۔ سورج جس رخ پر ہوتا تھا اسی طرف منہ کیا جاتا تھا۔ بال کاٹنے یا مونڈنے کی ممانعت تھی بلکہ حکم تھا کہ سب لوگ اپنے گیسو اور کاکل چھوڑ دیں۔ اس کی شریعت کا ایک یہ بھی حکم تھا کہ جب تک موٹی بڑھا اور لاغر نہ ہو جائے اس کی قربانی نہ دیں۔ شرب خمر کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ چار سو درہم سے زیادہ کسی عورت کا مہر نہ باندھا جائے۔

بہا فرید کا قتل

جب ابو مسلم خراسانی نیشاپور آیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک وفد اس کے پاس پہنچا اور شکایت کی بہا فرید نے دین اسلام اور کیش مجوس میں فساد و رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابو مسلم نے عبد اللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا اور بہا فرید کو معلوم ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا ہے۔ فوراً نیشاپور سے بھاگ نکلا۔ عبد اللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے جبل بادغیس پر جا لیا۔ اور گرفتار کر کے ابو مسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابو مسلم نے دیکھتے ہی خنجر خد اشکاف کا وار کیا اور سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے گم کردگان راہ پیرو بھی قعر ہلاک میں ڈالے جائیں۔ وہ بہا فرید کی گرفتاری سے پہلے ہی بھاگ چکے تھے اس لئے بہت تھوڑے آدمی ابو مسلم کی فوج کے ہاتھ آئے۔ اس کے پیرو بہا فرید کہلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ان کے نبی کے خاص خادم نے انہیں اطلاع دی تھی کہ بہا فرید ایک مشکلیں گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان پر چڑھ گیا تھا اور وہ کسی مستقبل زمانہ میں آسمان سے نازل ہو کر اپنے اعداء سے انتقام لے گا۔

اسحاق اخرس مغربی

اسحاق اخرس ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ تل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصہ کا نام ہے جس میں مراکش، تونس، الجزائر وغیرہ ممالک داخل ہیں۔ اسحاق 135ھ میں اصفہان میں ظاہر ہوا۔ وہ یسوع میں ممالک اسلامیہ پر خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا۔ تل سیر نے اس کی دکان کر لئی کی کیفیت اس طرح لکھی ہے کہ پہلے اس نے صحف آہنی قرآن، تورات، انجیل اور زیور کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جمیع علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ زمانہ دور تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف اقسام کی صنایعوں اور شعبہ ہاویوں میں مہارت پیدا کی۔ اور ہر طرح سے باکمال اور بالغ الشکر ہو کر اصفہان آیا۔

کامل دس سال تک گونگا بنا رہا :-

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسہ میں قیام کیا اور یہیں کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں کامل دس سال تک کنج عزلت میں گزارا۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس شخص نے اپنی نام نہاد جہالت و بے علمی اور تصنع آمیز عدم گویائی کو اس ثبات و استقلال کے ساتھ بنایا کہ دس سال کی طویل مدت میں کسی کو وہم و گمان تک نہ ہوا کہ اس کی زبان کو بھی قوت گویائی سے کچھ حصہ ملا ہے۔ یا یہ شخص ایک علامہ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بنا پر یہ اخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ ہمیشہ اشعاروں سے اظہار مدعا کرتا۔ ہر شخص سے اس کا رابطہ مؤدت و شناسائی قائم تھا۔ کوئی بڑا چھوٹا ایسا نہ ہوگا جو اس کے ساتھ اشاروں کنایوں سے تھوڑا بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔ اتنی صبر آزمائی گزار لینے کے بعد آخر وہ وقت آگیا جبکہ مہر سکوت توڑ دے اور کشور قلوب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا سکہ بٹھادے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن پیدا کیا۔ اس روغن میں یہ صنعت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلی پیدا ہو کہ کوئی شخص شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کے دیکھنے کی تاب نہ لاسکے۔ اسی طرح اس نے خاص قسم کی دورنگ دار شمعیں بھی تیار کر لیں اور اس کے بعد ایک رات جبکہ تمام لوگ محو خواب و استراحت تھے، اس نے وہ روغن اپنے چہرہ پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں۔ ان کی روشنی میں چہرہ میں ایسی رعنائی اور دل فریبی اور چمک دمک پیدا

ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اس زور سے چیخنا شروع کیا کہ مدرسہ کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ جب لوگ اس کے پاس آئے تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گیا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ کہ کواز بلند قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی عیش عرش کر گئے۔

صدر المدرسین اور قاضی شہر کی بدحواسی :-

جب مدرسہ کے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ مادر زاد گونگابا تیں کر رہا ہے۔ اور قوت گویائی کیسی ہے کہ اسے اعلیٰ درجے کی فصاحت اور فنِ قرآۃ تجوید کا کمال بھی عشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے۔ خصوصاً مدرس صاحب تو بالکل قوائے عظیمہ کھو بیٹھے۔ صدر صاحب جس درجہ علم و عمل اور صلاح و تقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ اسی قدر اہل زمانہ کی عیاریوں سے نا آشنا اور نہایت سادہ لوح واقع ہوئے تھے۔ وہ بڑی خوش اعتقادی سے فرمانے لگے ”کیا اچھا ہو اگر عمائد شہر بھی خدا سے قادر و توانا کے اس کرشمہ قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔ اب اہل مدرسہ نے صدر مدرس صاحب کی قیادت میں اس غرض سے شہر کا رخ کیا کہ اعیان شہر کو بھی خلدوند عالم کی قدرت قاہرہ کا یہ جلوہ دکھائیں۔ شہر پنہا کے دروازہ پر آئے تو اس کو مقفل پایا۔ چاہی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ان لوگوں پر خوش اعتقادی اور گرجوشی کا بھوت اس درجہ سوار تھا کہ شہر کا مقفل دروازہ اور اس کی سنگین دیواریں بھی ان کی راہ میں حائل نہ رہ سکیں۔ کسی نہ کسی تدبیر سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اب صدر مدرس صاحب تو آگے آگے جا رہے تھے اور دوسرے مولوی صاحبان اور ان کے تلامذہ پیچھے پیچھے سب سے پہلے قاضی شہر کے مکان پر پہنچے۔ قاضی صاحب رات کے وقت اس غیر معمولی ازدحام اور اس کی شور و پکار سن کر مضطربانہ گھر سے نکلے اور ماجرا دریافت فرمایا۔ بد نصیبی سے قاضی صاحب بھی پیرایہ حزم و دور اندیشی سے عاری تھے۔ انہوں نے آؤ دیکھانہ تاؤ سب مجمع کو ساتھ لیکر وزیر اعظم کے در دولت پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ وزیر باندھیر نے ان کی رام کہانی سن کر کہا کہ ابھی رات کا وقت ہے۔ آپ لوگ جا کر اپنی اپنی جگہ آرام کریں۔ دن کو دیکھا جائے گا کہ ایسی بزرگ ہستی کی عظمت شان کے مطابق کیا کارروائی مناسب ہوگی؟“ غرض شہر میں ہلچل مچ گیا۔ باوجود ظلمت شب کے لوگ جوق در جوق چلے آ رہے تھے اور خوش اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ قاضی صاحب چند روز سائے شہر کو ساتھ لیکر اس ”بزرگ ہستی“ کا ”جمال مبارک“ دیکھنے کیلئے مدرسہ میں آئے مگر دروازہ کو مقفل پایا۔ اسحاق اندر ہی براجمان تھا۔ قاضی صاحب نے نیچے سے پکار کر کہا ”حضرت والا! آپ کو اسی خدائے ذوالجلال کی قسم! جس نے آپ کو اس کرامت اور منصبِ جلیل سے نوازا۔ ذرا دروازہ

کھولنے اور مشتاقانِ جمال کو شرف دیدار سے شرف فرمائیے۔ یہ سن کر اسحاق بول اٹھا۔ ”اے نقل! کھل جا“ اور ساتھ ہی کسی حکمت عملی سے کنجی کے بغیر نقل کھول دیا۔ نقل کے گرنے کی آواز سن کر لوگوں کی خوش اعتقادی اور بھی دو آئندہ ہو گئی۔ لوگ ”بزرگ“ کے رعب سے ترساں و لرزاں تھے۔ دروازہ کھلنے پر سب لوگ اسحاق کے روم و نہایت مؤدب ہو کر جا بیٹھے۔ قاضی صاحب نے نیت مندانہ لہجہ میں التماس کی کہ ”حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے اگر حقیقت حال کا چہرہ کسی قدر بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہوگی۔“

اسحاق کی ظلی بروزی نبوت :-

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے بختر تھانہایت ریاکارانہ لہجہ میں بولا کہ چالیس روز پیشتر ہی فیضان کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ آخر دن بدن القائے ربانی کا سرچشمہ دل میں موجیں مہلنے لگی۔ حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروان منزل اس کے خیال اور تصور سے بھی محروم رہے تھے اور وہ اسرار و حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے۔ البتہ مختصر اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر کا پانی لیکر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کہنے لگے السلام علیک یا نبی اللہ! مجھے جواب میں تامل ہوا۔ اور گہبر لیا کہ یا عظیم یہ کیا اہتلا ہے؟ ایک فرشتہ بزبان فصیح یوں گویا ہوا۔ ترجمہ :- ”اے اللہ کے نبی بسم اللہ کہہ کر ذرا منہ تو کھولے“ میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ورد کرتا رہا۔ فرشتہ نے ایک نہایت لذیذ چیز منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ چیز کیا تھی؟ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ شہد سے زیادہ شیریں، مشک سے زیادہ خوشبو اور عرف سے زیادہ سرد تھی۔ اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترتا تھا کہ میری زبان گویا ہو گئی اور میرے منہ سے یہ کلمہ نکلا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ“ یہ سن کر فرشتوں نے کہا ”محمد ﷺ کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو“ میں نے کہا ”میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے سخت حیرت ہے بچو میں تو عرق خیالت میں ڈوبا جاتا ہوں۔“ فرشتے کہنے لگے ”خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کیلئے نبی مبعوث فرمایا ہے۔“ میں نے کہا کہ جناب بادی نے تو سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام روحی فدو کو خاتم الانبیاء قرار دیا اور آپ کی ذلت اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب میری نبوت کیا محسوس رکھتی ہے؟ کہنے لگے درست ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری باقیچہ اور ظلی بروزی ہے“ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا یوں نے لفظ نبوت کے بعد ظلی بروزی نبوت کا ڈھکوسلا اسی اسحاق سے اڑایا

ہے ورنہ قرآن و حدیث اور اقوال سلف صالح میں اس چیز کا کبھی وجود نہیں بلکہ خود شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو امر خلافت میں جناب ہارون علیہ السلام سے جو ایک غیر شرعی اور تابع نبی تھے تشبیہ دے کر آئندہ کے لئے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ کر دیا اب ظلی بروزی نبوتوں کا افسانہ محض شیطانی انخواسے۔

اسحاق کے ”معجزات باہرہ“ :-

اس کے بعد اسحاق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلی بروزی نبوت کا منصب تفویض فرمایا تو میں اپنی معذوری ظاہر کرنے لگا اور کہا دوستو! میرے لئے تو نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات سے لبریز ہے کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق کا جذبہ پیدا کرے گا یہاں تک کہ زمین و آسمان تمہاری تصدیق کے لئے کھڑے ہو جائیں گے لیکن میں نے ایسی خشک نبوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس بات پر مصر ہوا کہ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور چاہئے جب میرا امر لوحہ سے گزر گیا تو فرشتے کہنے لگے۔ ”اچھا معجزہ بھی لیجئے جتنی آسمانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں تمہیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید براں کئی ایک زبانیں اور کئی قسم کے رسم الخط تمہیں عطا کئے اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو میں نے جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا تھا پڑھ کر سنا دیا۔ انجیل پڑھو اسی وہ بھی سنا دی پھر تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا۔ وہ بھی سب سنا دیئے مگر میرے قلب منور پر جو ان کتب مقدسہ کا القاء ہوا تو اس میں کسی تحریف، تصحیف اور اختلاف قراءہ کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ جس طرح ان کی تنزیل ہوئی تھی اسی طرح یہ بے کم و کاست میرے دل پر القاء کی گئیں چنانچہ فرشتوں نے فوراً تصدیق کر دی۔ ملائکہ نے صحف سلاویہ کی قراءت سن کر مجھ سے کہا۔ ترجمہ :- (اب کمر ہمت باندھ لو اور لوگوں کو غضب الہی سے ڈراؤ) یہ کہ کر فرشتے رخصت ہو گئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الہی میں مصروف ہو گیا آج رات جن انوار و تجلیات کا میرے دل پر ہجوم ہے زبان اس کی شرح سے قاصر ہے۔ غالباً ان انوار کے کچھ آثار میرے چہرے پر بھی نمایاں ہو گئے ہوں گے یہ تو میری سرگزشت تھی۔ اب میں تم لوگوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص خدا، محمدؐ اور مجھ پر ایمان لایا۔ اس نے فلاح و دستگاری پائی۔ اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا اس نے محمدؐ کی شریعت کو بیکار کر دیا ایسا منکر لبد الآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔“

عسا کر خلافت سے معرکہ آرائیاں :-

عوام کا معمول ہے کہ جو نبی نفس مارہ کے کسی پوجاری نے اپنے دجالی تقدس کی ڈفلی جانی

شروع کی اس پر پروانہ دلا دیا۔ اسحاق کی تقریر سن کر عوام کا پائے ایمان ڈگر گا گیا اور ہزار ہادی نقد ایمان اس کی نذر کر بیٹھے اور جس لوگوں کا دل نور ایمان سے متجلی تھا وہ بیزار ہو کر چلے گئے۔ لیکن عقیدت مندوں کی ”خوش اعتقادی“ میں ذرا فرق نہ آیا بلکہ جوں جوں علمائے حق انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے ان کا جنون ”خوش اعتقادی“ اور زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ آخر اس شخص کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی چنانچہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عمال کو مقمور و مغلوب کر کے بصرہ عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے آخر عساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور اسحاق مارا گیا کہتے ہیں کہ اس کے پیرواب تک عمان میں پائے جاتے ہیں۔

استاد سیس خراسانی

جن ایام میں اسلامی سیاسیات کی باگ ڈور خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے ہاتھ میں تھی، استاد سیس نام ایک مدعی نبوت ہرات، مزٹیس سجستان وغیرہ اطراف خراسان میں ظاہر ہوا دعویٰ نبوت کے بعد عامۃ الناس اس کثرت سے اس کے دام تزویر میں پھنسے کہ چند ہی سال میں اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر اس کے دل میں استعمار اور ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور وہ خراسان کے اکثر علاقے دبا بیٹھایا دیکھ کر اجتم عامل مروردز نے ایک لشکر مرتب کیا اور استاد سیس سے جا بھڑا۔ استاد کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اس نے اجتم کے لشکر کا بیشتر حصہ بالکل غارت کر دیا اور خود اجتم بھی میدان جانستان کی نذر ہو گیا اجتم کے مارے جانے کے بعد خلیفہ نے اور بھی سپہ سالار فوجیں دے کر روانہ کئے مگر یا تو وہ مارے گئے یا سرکوب ہو کر واپس آئے۔ جب استاد سیس نے خلیفہ کے آخری سپہ سالار کو پسپا کیا ہے تو اس وقت خلیفہ منصور مروان کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عسا کر خلافت کی پیہم ہزیموں اور پامالیوں پر خلیفہ سخت پریشان تھا۔ آخر خازم بن خزیمہ نام ایک نہایت جنگ آزمودہ فوجی افسر کو اس غرض سے ولی عہد سلطنت مدی کے پاس نیشاپور بھیجا کہ اس کی صولبدید کے بموجب استاد کے مقابلہ پر جائے۔ مدی نے اسے تمام نشیب و فراز سمجھا کر چالیس ہزار کی جمعیت سے روانہ کیا۔ خازم کی اعانت کیلئے اور بھی آزمودہ کار افسر روانہ کئے گئے۔ بکار بن مسلم عقیلی نام کے مشہور سپہ سالار بھی خازم کے ماتحت روانہ کیا گیا۔ اس وقت خازم کے میمنہ پر یثیم بن شعبہ میسرہ پر نہار بن حصین اور مقدمہ پر بکار بن مسلم عقیلی متعین تھا۔ جھنڈا زہر قان کے ہاتھ میں تھا۔ خازم نے میدان کارزار میں جا کر اچھی طرح کچھ بھال کی اور غنیم کو دھوکا دینے کی غرض سے بہت سی خندقیں ہوائیں اور مورچے قائم کئے۔ اور ہر ایک خندق کو بذریعہ سرنگ ملا دیا۔ ان سب کے علاوہ ایک خندق اتنی بڑی کھدوائی جس میں خازم کا سارا لشکر سما سکتا تھا اور خندق کے چار دروازے ہوائے۔ ہر دروازہ پر ایک ایک ہزار چیدہ سپاہی کارآزمودہ سرداروں کی قیادت میں متعین کئے۔ سیس کے پیرو بھی ساز و سامان سے لیس ہو کر مقابلہ کو آئے۔ ان کے ساتھ بھی پھاوڑے، کدال اور ٹوکریاں تھیں۔ انہوں نے پہلے اس دروازہ سے جنگ شروع کی۔ جس طرح بکار بن مسلم تھا۔ بکار اور اس کی فوج اس بے جگری سے لڑی کہ سیس کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ادھر سے ہٹ کر وہ اس طرح کو جھکا جس دروازہ پر خود خازم مستعد جنگ کھڑا تھا۔ اسی طرح

ہیروان سیس میں سے حریش نام ایک فوجی سردار بھی اہل جستان کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے بقصد جنگ خازم کی طرف بوجہلا خازم نے حریش کو اپنی طرف آتے دیکھ کر یتیم بن شعبہ کو بھاری کی طرف سے نکل کر حریش پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود خازم سینہ سپر ہو کر حریش کے مقابلہ پر گیا اور نہایت پامردی سے تور حرب گرم کیا۔ اس اثنا میں حریش کے پیچھے سے لشکر یتیم کے پھریرے ہو ا میں اترتے دکھائی دیئے۔ خازم کے لشکریوں نے جوش جہاد میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اسی طرح خازم نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنی اجتماعی قوت سے یکبارگی ہلہ بول دید۔ جونہی سیس اور حریش کی ہرکاب فوجیں بقصد فرار پیچھے ہٹیں۔ یتیم کی سپاہ نے انہیں کولہوں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اتنے میں نہدیں حصین اپنی فوج کے ساتھ میسرہ سے اور بھاریں مسلم اپنی جمعیت کے ساتھ اگلی جانب سے نکل کر نعیم پر حملہ آور ہوئے اور بہت دیر تک قتل اور خوزیری کا باہر گرم رہا۔ عساکر خلافت نے دشمن پر اتنی کولہ چلائی کہ میدان جنگ میں ہر طرف مرتدین کی لاشوں کے انبار لگ گئے اس معرکہ میں سیس کے قریبا سترہ ہزار آدمی کام آئے اور چودہ ہزار قید کر لئے گئے۔ سیس بقیۃ السیف تیس ہزار فوج کو پہاڑ کی طرف لے بھاگا اور وہاں اس طرح جا چھپا جس طرح خرگوش شکار یوں کے خوف سے کھیٹوں میں جا چھپتا ہے۔ خازم فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا پہاڑ پر پہنچا اور محاصرہ ڈال دیا۔ اتنے میں شاہزادہ ممدی نے ابو عون کی قیادت میں بہت سی کمک بھیج دی۔ ابو عون اپنی فوج لیکر اس وقت پہنچا جب استاد سیس محصور ہو چکا تھا۔ آخر سیس نے محاصرہ سے تنگ آ کر اپنے تئیں خازم کے سپرد کر دیا۔ استاد سیس اپنے بیٹوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ خازم نے ممدی کے پاس فوراً فتح کا مژدہ لکھ بھیجا۔ جونہی یہ بہت افزاء خبر ممدی کے پاس پہنچی اس نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے پاس فتح و نصرت کا تمینت کا پیغام بھیجا۔

یاد رہے کہ یہی ممدی خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا۔ کہتے ہیں کہ استاد سیس خلیفہ مامون کا دادا یعنی مراجل مادر مامون کا باپ تھا اور اس کا بیٹا غالب جس نے فضل بن سل برکی کو قتل کیا تھا۔ خلیفہ مامون (ہارون رشید) کا مامون تھا۔

ابو عیسیٰ اسحاق اصفہانی

ابو عیسیٰ اسحاق بن یعقوب اصفہان کا ایک یہودی تھا۔ جو الوہیم (عبد اللہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ یہود کا ایک مذہبی گروہ جسے عیسویہ کہتے ہیں یہود حضرت عیسیٰ لئن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ وہ آج تک اس مسیح کی آمد کے منتظر چلے آتے ہیں جس کے ظہور کی بھارت جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام نے دی تھی۔ ابو عیسیٰ نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح منتظر کا رسول ہوں۔ اس کا بیان تھا کہ مسیح منتظر سے پہلے کیے بد دیگرے پانچ رسول مبعوث ہوں گے۔ جن کی حیثیت جناب مسیح موعود کی سی ہوگی۔ یہ اس بات کا مدعی تھا کہ خالق کردگار مجھ سے ہم کلام ہوا ہے اور مجھے اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ میں بنی اسرائیل کو غاصب قوموں اور ظالم حکمرانوں کے پنجہ ہیدلو سے مخلصی بخشوں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مسیح بنی آدم میں سب سے افضل ہے۔ اسے تمام انبیائے ماضیین پر شرف و برتری حاصل ہے اور اس کی تصدیق ہر شخص پر واجب ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میں مسیح موعود کا داعی ہوں اور داعی بھی مسیح ہوتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیروؤں کیلئے ایک کتاب مدون کر کے اس کو منزل من اللہ بتایا۔ اس میں اس نے تمام ذبائح کو حرام قرار دیا ہے اور طہور ہوں یا بہائم علی الاطلاق ہر ذی روح کے کھانے سے منع کیا ہے۔ اپنے پیروؤں پر دس نمازیں فرض کیں۔ ان کے اوقات معین کر دیئے اور ہر ایک کو قیام نماز کی سخت تاکید کی۔ اس نے یہود کے بہت سے احکام شریعت کی جو تورات میں مذکور ہیں مخالفت کی۔ بے شمار یہود نے اس کی متابعت اختیار کی اور حسب مصداق ”پیران نمی پرند مریداں می پرانند“ بے شمار آیات و معجزات کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ جب جمعیت بہت بڑھ چلی تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ رے میں خلیفہ ابو جعفر منصور کے لشکر سے اس کی ٹڈ بھیز ہوئی۔ لڑائی سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے زمین پر ایک خط کھینچ کر اپنے پیروؤں سے کہا کہ تم لوگ اس خط پر قائم رہو اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ دشمن کی مجال نہیں کہ اس خط سے آگے بڑھ کر تم پر حملہ آور ہو سکے۔ آخر جب رزم و پیکار کے وقت لشکر منصور ی پیش قدمی کرتا ہوا خط کے پاس پہنچا۔ اور اس نے دیکھا کہ اس کے جھوٹ کا پول کھلنے والا ہے تو جھٹ اپنے پیروؤں سے علیحدہ ہوا اور خط پر پہنچ کر لڑائی شروع کر دی اس کو دیکھ کر اس کے پیرو بھی خط پر آگئے اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مسلمان بھی بھرت شہید ہوئے لیکن انہوں نے مارتے مارتے دشمن کا بالکل ستمراؤ کر دیا۔ ابو عیسیٰ مارا گیا اور اس کے اکثر پیرو بھی علف تیغ ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے۔

حکیم مُقْتَعِ خراسانی

حکیم مُقْتَعِ خراسانی کے نام میں اختلاف ہے اکثر مؤرخین نے عطا لکھا ہے اور بعض نے بشام یا باشم علیا ہے کہ حکیم کے لقب سے مشہور تھا یہ مرو کے پاس ایک گاؤں میں جس کو ہندو کن دولت کہتے تھے ایک غریب دھوئی کے گھر پیدا ہوا اس کی پیدائش کے وقت کسی کو کیا خبر تھی۔ ایک دن ایک غریب دھوئی کا لڑکا تاریخ عالم کے صفحات پر شہرت دوام کا خلعت حاصل کرے گا۔ نہایت طبع و ذہین تھا اپنا لباکی پیشہ چھوڑ کر علم و فضل کی طرف متوجہ ہوا اپنی تمام بے سرو سامانوں کے بلجود اس نے علوم نظر یہ میں وہ درجہ حاصل کیا کہ نواح خراسان میں کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا خصوصاً علم بلاغت، حکمت و فلسفہ شعبہ و حیل طلسمات و سحر اور نیر نجات میں سرآمد روزگار تھا اس نے اپنی جودت طبع سے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کیں اور صنائع و بدائع کے ذریعہ سے بہت جلد آسمان شہرت و ناموری پر چپکنے لگا۔ لیکن اس کی خلقت میں ایک ایسا عیب تھا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں گونہ فرق پڑتا تھا۔ وہ یہ کہ نہایت کریمہ المنظر، پست قامت حقیر اور کم رو شخص تھا اور اس پر طرہ یہ کہ واحد العین تھا یعنی ایک آنکھ کافی تھی جسے دیکھ کر دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی تھی۔ اس عیب کے چھپانے کے لئے وہ ہر وقت سونے کا ایک خوبصورت اور چمکدار چہرہ طیار کر کے منہ پر چڑھائے رکھتا اور بغیر اس نقاب کے کسی کو اپنی شکل نہ دکھاتا تھا۔ علامہ عبدالقادر بغدادی نے طلائی کی جگہ ریشمین چہرہ لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ زر روزی کی قسم کا کوئی ریشمین نقاب ہو۔ میر حال اس تدبیر سے اس نے لوگوں کی نفرت کو گرویدگی سے بدل دیا۔ اور اسی نقاب کی وجہ سے لوگوں میں مُقْتَعِ (نقاب پوش) مشہور ہو گیا۔ چہرہ چھپائے رکھنے کی اصل بنا تو یہ تھی لیکن جب کبھی کوئی شخص اس سے نقاب کی وجہ دریافت کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اپنی شکل و صورت اس لئے تبدیل کر رکھی ہے کہ لوگ میری رویت ضیاء پاش کی تاب نہیں لاسکتے اور اگر میں اپنا چہرہ کھول دوں تو میرا نور دنیا و مافیہا کو جلا کر خاکستر کر دے۔

مُقْتَعِ کا چاند :-

لن غلدون، لن جریر طبری اور دوسرے قابل اعتماد مؤرخین اسلام نے اپنی تاریخوں میں مُقْتَعِ کے چاند کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن ”ماہ خشب“ کو دنیائے ادب میں جو غیر قافی شہرت

حاصل ہے اور بعض اسلامی تاریخوں میں اس کا جس شد و مد سے تذکرہ موجود ہے۔ اس کی بناء پر اس کے چاند کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہتے ہیں کہ اس نے سمرقند کے قریب علاقہ نخشب میں گو سیام کے پیچھے کنوئیں کے اندر یہ چاند پارے اور دوسرے کیمیائی اجزاء سے تیار کیا تھا۔ یہ چاند غروب آفتاب کے بعد پہاڑ کے عقب سے طلوع کر کے آسمان پر روشن رہتا اور صبح صادق سے پہلے غروب ہو جاتا۔ اس طرح چاندنی راتوں میں دو چاند دوسرے کے مقابل آسمان پر پرتو انگن رہتے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کی روشنی پندرہ میل تک پہنچتی تھی اور بقول مؤرخین وہ ایک مہینہ کی مسافت سے نظر آتا تھا۔ یہ چاند اسی طرح دو مہینہ تک طلوع و غروب ہوتا رہا۔ لوگ آکناف و اطراف سے اس کے دیکھنے کو آتے اور دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ خصوصاً خوش اعتقاد مرید تو اسے اپنے مقتداء کی ربانی قوت، تصرف اور بہت بڑا معجزہ یقین کرتے تھے۔ حالانکہ اس نے یہ عمل ہندسہ اور انعکاس شعاع قمر کے طریق پر کیا تھا چنانچہ مفتح کی ہلاکت کے بعد لوگوں نے اس کنوئیں کی تہ میں ایک بڑا طاس پارے سے بھرا ہوا پایا۔ گو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کونسا ایسا عمل کام میں لاتا تھا اور اس ماہتاب میں اس نے کس طرح برقی روشنی پیدا کر دی تھی۔ لیکن عہد حاضر کے بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ ماہ نخشب کا یہ طلوع و غروب مبالغہ آمیز ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتح نے اس برقی چاند کو کسی بلند چوٹی پر قائم کیا ہوگا۔ جو کئی منزلوں سے نظر آتی ہوگی۔ وہ چاند اس چوٹی سے ذرا بلند ہو کر ٹھہر جاتا ہوگا۔ جس میں اس قدر روشنی ہوگی جو چند منزلوں سے نظر آسکے۔ یہ چاند رات بھر یا جب تک وہ چاہتا کلمہ کوہ پر طلوع کر کے قائم رہتا ہوگا۔ بہر حال ادب میں ”ماہ نخشب“ یا ”بدر مفتح“ کا بہت تذکرہ پایا جاتا ہے اور شعراء نے اس سے تشبیہات کا کام لیا ہے۔ حسب ذیل اشعار خلیکان ابو العلاء مصری نے ماہ نخشب کے موضوع پر ایک طویل قصیدہ لکھا تھا۔

اس شعر میں شاعر ناصح سے کہتا ہے کہ جا اور اپنا کام کر۔ کیونکہ مفتح کا چاند بھی طلوع کے وقت میرے دستار بند محبوب کی نگاہ ناز سے زیادہ سحر آفرینی نہیں کر سکتا۔

مفتح کا دعویٰ الوہیت اور اس کی مشرکانہ تعلیمات :-

دوسرے ملاحظہ زماں کی طرح مفتح کے ہنوت کی بیادیں بھی زر تیشتی عقاید اور بت پرست فلسفیوں کے خیالات پر قائم کی گئیں تھیں۔ اس کا بدترین مذہبی اصول مسئلہ تناخ تھا۔ جسکی بنا پر اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ میرے پیکر میں ظاہر ہوا ہے یا یوں کہئے کہ میں خدا کا اوتار ہوں چونکہ مدعی الوہیت کے لئے تصرف فی الاکوان کی حاجت ہے۔ اس ضرورت کے لئے اس نے چاند کی کرشمہ سازی دکھائی تھی لیکن مفتح نے خدائی کی مسند صرف

اپنے لئے ہی خلی نہیں رکھی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مظہر خداوندی قرار دیا اور کہا کہ خدائے قدوس سب سے پہلے کوم (علیہ السلام) کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ لاکھوں کو جن کے بچہ کرنے کا حکم ہوا اور نہ کیوں کر جائز اور ممکن تھا کہ ملائکہ غیر اللہ کے بچے کے لئے مامور ہوتے اور انہیں اس سے انکار کرنے کی وجہ سے مستوجب عذاب اور مردود یعنی ہو جاتا؟ لیکن یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ بنا پر تحقیق آدم علیہ السلام فی الحقیقت مسجود نہیں تھے بلکہ محض رحمت بچہ تھے۔ متفق تھا تھا کہ کوم (علیہ السلام) کے بعد حق تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کی صورت میں طول کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ذات خداوندی تمام انبیاء کی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ انجام بچہ خدائے رب صاحب الدولۃ ابو مسلم خراسانی کی صورت میں نمایاں ہوا۔ اور اب رب احقرہ اسی شان سے میرے پیکر میں جلوہ فرما ہے۔ میں اس زمانہ کا بوجہ ہوں اس لئے ہر فرد بحر کا فرض ہے کہ مجھے بچہ کرے اور میری پرستش کرے تاکہ فلاح لہی کا مستحق ہو۔ ہزار باضدات پسند لوگ اس کے دعوائے الوہیت کو صحیح جان کر اس کے سامنے سر بسجود ہونے لگے۔ یہ شخص ابو مسلم خراسانی کو جسے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے اس کی شوریہ سری کی بنا پر قتل کروایا تھا حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے (معاذ اللہ) افضل بتاتا تھا۔ یہ تو اس کی زندگہ شعاری کا حال تھا۔ اب اس کی تعلیمات کا اخلاقی پہلو ملاحظہ ہو۔ اس نے تمام محرمات کو مباح کر دیا۔ اس کے پیرو بے تکلف پرانی پرانی عورتوں سے متمتع ہوتے تھے۔ اس کے مذہب میں مردار اور خنزیر حلال تھا۔ متفق نے صوم صلوٰۃ اور تمام دوسری عبادتیں بر طرف کر دیں اس کے پیرو مسجدیں ہواتے اور ان میں مؤذن نوکر رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص وہاں نماز نہیں پڑھتا۔ البتہ اگر کوئی بھولا بھلا پر دیسی مسلمان ان کی مسجد میں چلا جائے تو مؤذن اور متفق کے دوسرے پیرو موقع ملنے پر اس کے خون سے ہاتھ رنگیں کر کے اس کی نعش کو مستور کر دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسلامی حکمرانوں کی طرف سے ان پر بڑی سختیاں ہوئیں۔ اس لئے اب وہ ایسا کرنے کی جرأت ہیں کرتے۔

متفق کا ہوس استعمار اور قلعوں کی تعمیر :-

جب متفق کا حلقہ مریدین بہت وسیع ہو گیا تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کیں چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے دوزبردست قلعے تیار کرائے۔ ایک کو دمشق کہتے تھے اور دوسرے کا نام سیام تھا۔ جو پہاڑ میں واقع تھا۔ قلعہ سیام مضبوطی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی فصیل کا اندازہ اس سے ہو سکتا کہ سو سے زیادہ بڑی اینٹیں جو اس زمانہ میں قلعوں کی تعمیر کے لئے طیار کی جاتی تھیں دیوار کے عرض میں لگی تھیں۔ اس کے علاوہ

قلعہ کے اردگرد ایک نہایت عریض خندق تھی اور قلعہ کی قوت مدافعت کا یہ عالم تھا کہ اس میں کئی سال کا سامان رسد اور اسلحہ جنگ کا بھرتا بڑا ذخیرہ ہر وقت مہیا رہتا تھا۔ مقنع نے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کرائے اور ان میں مضبوطی سے قدم جمائے اور نہایت بے ہیاکی سے خراسان کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف دھاچہ کڑی مچادی اسی اثنا میں خزار اور صغد میں باغیوں اور دوسرے شوریدہ سروں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی جن کو پیچھے کتے تھے۔ گو ان لوگوں کو مقنع کی من گھڑت خدائی سے تو کوئی سروکار نہ تھا لیکن اپنے سیاسی مصالحت کا خیال کر کے مقنع کے ساتھ ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں ترکوں سے بھی مقنع کو بڑی تقویت پہنچی۔ جو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اکثر اوقات خلافت اسلامیہ کے سرحدی علاقوں میں تاخت و تاراج کر کے بھاگ جایا کرتے تھے۔ اب مقنع اور اس کی اتحادی جماعتوں کا یہ معمول ہو گیا کہ جہاں موقع پایا مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل و غارت کا میدان گرم کیا اور روفو چکر ہو گئے۔

پیر وان مقنع سے عساکر خلافت کی مصاف آریاں :-

خلیفہ مہدی نے ابو نعمان جنید اور لیث بن نضر کو فوج دے کر پیر وان مقنع کے مقابلہ پر بھیجا لیکن اسلامی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ لیث کا بھائی محمد بن نضر اور اس کا بھائی زادہ حسان اس معرکہ میں کام آئے۔ جب خلیفہ کو اس ناکامی کا علم ہوا تو اس نے ان کی کمک پر جبریل بن یحییٰ کو روانہ کیا اور باغیان خزار اور صغد کے مقابلہ میں اس کے بھائی یزید بن یحییٰ کو مامور فرمایا۔ چار مہینہ تک خزار بعض قلعوں پر لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر عساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور بہ نوک شمشیر اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مقنع کے سات سو پیر و ننگ شمشیر کا لقمہ بن گئے ہزیمت خوردہ لوگوں میں سے جو زندہ بچے وہ بھاگ کر قلعہ سیام میں چلے گئے جہاں خود مقنع موجود تھا۔ مگر جبریل نے بھی جان نہ چھوڑی۔ اعداء کا تعاقب کرتا اور بھٹوڑوں کو مارتا کائنا قلعہ سیام پر چلی کی طرح جا کڑکا اور اس وقت تک ان کا پیچھانہ چھوڑا جب تک وہ قلعہ میں نہ جا چھے۔ اب خلیفہ نے ابو عون نام ایک سپہ سالار کو مقنع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر جب اس نے کچھ زیادہ مستعدی اور اولوالعزمی کا ثبوت نہ دیا تو معاذ بن مسلم کو ستر ہزار فوج اور چند آرمودہ کار سپہ سالاروں کے ساتھ مقابلہ کی غرض سے روانہ کیا۔ معاذ بن مسلم کے مقدمۃ الجیش کا افسر اعلیٰ سعید بن عمرو حریشی تھا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان سپہ سالار عقبہ بن مسلم بھی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ حبش موحدین میں آشغال ہوا۔ ان دونوں نے اتفاق رائے سے طواریس کے مقام پر مقنع کے لشکر پر حملہ کیا۔ مقنع کی جمعیت پہلے ہی حملہ میں ٹوٹ گئی اور اس کے جنگ آور نہایت

بے ترتیبی سے بھاگ نکلے اور سیکڑوں کھینٹ رہے۔ ہزیمت خوردہ فوج نے قلعہ سیام میں مقنع کے پاس جاوم لیا۔ یہ دیکھ کر مقنع نے فوراً قلعہ ہمدی کی اور تمام مورچوں کو مضبوط کیا۔ معاذ بن مسلم نے پانچویں محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس کے بعد خود معاذ بن مسلم اور سعید بن عمرو حریشی میں باہم سخت کشیدگی ہو گئی۔ سعید نے خلیفہ کے پاس معاذ کی شکایت لکھ بھیجی اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر مجھے تنہا مقنع کے مقابلہ پر مامور فرمایا جائے تو میں اس کا فوراً قلع قمع کر سکتا ہوں۔ خلیفہ ہمدی نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ سعید بن عمرو حریشی مشارکت معاذ مقنع کے مقابلہ پر مستعد ہوا۔ لیکن معاذ نے پھر بھی بے نفسی سے کام لیا اور اسلامی عزت و ناموس کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو سعید کی مدد پر بھیج دیا۔ کاش ہمارے مسلمان لیڈر معاذ کی مثال سے سبق آموز ہو کر اسلامی مفاد کو دلتیات پر قربان کرنے کی عادت مذموم چھوڑ دیں۔

ملتان سے دس ہزار کھالوں کی روانگی :-

سعید حریشی زمانہ دراز تک اس کوشش میں منہمک رہا کہ کسی طرح اسلامی لشکر خندق کو عبور کر کے فنیصل قلعہ تک پہنچے لیکن کوئی تدبیر ساز گار نہ ہوئی۔ مساعی تخییر کو شروع ہوئے متعدد سال گئے لیکن ہنوز روز اول تھا۔ اس اثنا میں اسلامی لشکر کو بہت ساجانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ اور خرابیوں کے علاوہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ مقنع کے پیرو اسلامی لشکر پر جو کھلے میدان میں محاصرہ کئے پڑا تھا ہر وقت قلعہ سے تیر چلاتے اور سنگ باری کرتے رہتے تھے لیکن باایں ہجوم مشکلات سعید نے ہمت نہ ہاری اور اپنی جدو جہد کو نہایت لولوالعزمی کے ساتھ جاری رکھا اب اس نے لوہے اور لکڑی کی بہت لمبی لمبی سیرھیال ہوانے کا انتظام کیا تاکہ سیرھیوں کو خندق کے دونوں سروں پر رکھ کر پار ہو جائیں لیکن کامیابی نہ ہوئی کیونکہ خندق کی چوڑائی مسلمان انجینئروں کے اندازہ سے زیادہ نکلی۔ اب سعید نے خلیفہ ہمدی کو لکھا کہ ہزار جتن کئے لیکن قلعہ تک رسائی نہیں ہو سکی اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی طرح خندق کو پاٹ دیا جائے ان دنوں ہندوستان میں صوبہ سندھ اور پنجاب کا جنوبی حصہ خلافت بغداد کے زیر نگیں تھا۔ خلیفہ نے اپنے عامل سندھ کو لکھا کہ گائے ہیل اور بھینس کی جس قدر کھالیں فراہم ہو سکیں جلد ان کے بھجوانے کا انتظام کیا جائے شاید اس زمانہ میں یا اسلامی قلمرو میں بوریال نہ ملتی ہوں گی۔ ورنہ ریت بھر نے کیلئے بوریال کھالوں سے زیادہ کار آمد تھیں۔ فرمان خلافت کے بموجب ملتان سے گائے ہیل اور بھینس کی دس ہزار کھالیں بھیج دی گئیں۔ سعید نے ان کھالوں میں ریت بھرا کر ان کو خندق میں ڈلوانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد خندق پت گئی اور محاصرین قلعہ کے پاس پہنچ گئے۔ اب حصار شکن آلات سے کام لیا جانے لگا اور

اس کے ساتھ ہی قلعہ پر حملے شروع کر دیئے گئے۔ مقنع کے پیروؤں نے گھبرا کر مخفی طور پر امان طلب کی سعید نے امان دے دی چنانچہ تیس ہزار آدمی قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے اب مقنع کے پاس صرف دو ہزار جنگ آور باقی رہ گئے۔

مقنع کی ”خدائی“ کا خاتمہ :-

جب سعید نے محاصرہ میں زیادہ سختی کی تو مقنع نے اپنی ہلاکت کا یقین کر کے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا اور بقول بعض مؤرخین جام زہر پلا پلا کر سب کو نذر اجل کر دیا اور انجام کار خود بھی زہر کا پیالہ پی لیا مرتے وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ بعد از مرگ مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میری لاش دشمن کے ہاتھ میں نہ جائے لشکر اسلام نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کا سر کاٹ لیا اور خلیفہ کے پاس حلب بھیج دیا اور بعض کہتے ہیں کہ قلعہ میں جس قدر چوپائے اور مال و اسباب تھا پہلے اس کو جلانے کا حکم دیا پھر ساتھیوں سے کہا کہ جس شخص کو اس بات کی خواہش ہو کہ میرے ساتھ خلد بریں پر پہنچ جائے وہ اس آگ میں میرے ساتھ کود پڑے۔ سب خوش اعتقادوں نے حکم کی تعمیل کی اور آگ میں کود کے خاک سیاہ ہو گئے جب لشکر اسلام قلعہ میں داخل ہوا تو کسی انسان یا چارپایہ کا نام و نشان نہ پایا۔ یہ 163ھ کا واقعہ ہے اس کے اکثر پیرو جو اکناف ملک میں زندہ رہ گئے۔ مقنع کی بتائی اور فقدان سے اور زیادہ فتنے میں پڑے اور یہ اعتقاد کر بیٹھے کہ مقنع آسمانوں پر چلا گیا ہے ملاراء النہر میں مقنع کے پیروؤں کو میٹھ کہتے تھے۔ امید نہیں کہ آج تک ان کا کوئی اثر باقی ہوگا۔

کتاب ”صواعق محرقة“ میں مقنع کے ہلاک ہونے کی ایک اور دلآویز حکایت لکھی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ جب مقنع محاصرے سے تنگ آ گیا تو بہت سی آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں کو خوب شراب پلائی جب وہ نشے میں مدہوش ہو گئے تو انہیں موت کے گھاٹ اتار کر آگ کے بلند شعلوں میں جھونکتا گیا پھر خود ایک بڑی دیگ میں تیزاب بھر کر اس میں بیٹھ گیا اور تیزاب کی تاثیر سے تحلیل ہو کر بے نام و نشان ہو گیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ گمان تھا کہ تمام محصورین قلعہ میں موجود ہیں ایک عورت بھاری کی وجہ سے قلعہ کے ایک کونے میں دبکی پڑی تھی اس افتاد سے گھبرائی اور دیوار قلعہ پر چڑھ کر محاصرین کو پکارا کہ قلعہ میں میرے سوا کوئی نہیں ہے سہا ہی بیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قلعے کے دروازے کھول دیئے لشکر اسلام قلعے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ واقعی قلعہ خالی ہے مقنع کے بعض معتقد جو پہلی لڑائیوں میں اس سے علیحدہ ہو گئے تھے سن کر نہایت تاسف کرنے لگے کہ وہ فی الحقیقت خدا تھا افسوس کہ ہم نے آخر تک اس کا ساتھ نہ دیا ورنہ ہم بھی اسی کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جاتے مقنع کے آتش فتنہ چودہ سال تک شعلہ زن رہا کہ 163ھ میں منطفی ہوئی۔ (تاریخ ابن خلکان، الفرق، تاریخ کامل)

عبداللہ بن میمون اہوازی

عبداللہ بن میمون اہواز کا رہنے والا تھا جو مضائقہ کوفہ میں ہے۔ فنون شعبہ سحر و طلسمت میں یہ طوفی رحمت تھا۔ نبوت اور مہدویت کا مدعی تھا لہذا اس میں حضرت امام جعفر صادقؑ اور ان کے صاحبزادہ اسماعیل کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اسماعیل کی رحلت کے بعد ان کے فرزند محمد کے پاس رہنے لگا۔ چنانچہ ان کے ساتھ مصر بھی گیا تھا۔ اس نے محمد کے انتقال کے بعد ان کے غلام مہدک ہم کو اس غرض سے کوفہ بھیجا کہ لوگوں کو مذہب اسماعیلیہ کی دعوت دے وہاں وہ مذہب اسماعیلی کے داعی کی حیثیت سے مدت تک کام کرتا رہا۔ اسی اثنا میں عبداللہ بھی پہلے کوہستان عراق میں اور پھر شہر ہرمہ میں جا کر اسماعیلی مذہب کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہا۔

اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف :-

موقع کی رعایت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف امامت بھی بیان کر دیا جائے۔ امام جعفر صادقؑ کے دو صاحبزادہ تھے۔ بڑے اسماعیل جنہوں نے پدربزرگوار کی زندگی میں امامت حیات ملک الموت کے سپرد کی۔ دوسرے امام موسیٰ کاظمؑ جو اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادقؑ کے بعد امام ہوئے اور جن کی نسل سے شیعہ لوگ بارہ اماموں کا سلسلہ پورا کرتے ہیں لیکن اسماعیلیہ امام جعفر صادقؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کو امام برحق تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کو اپنے والد امجد کے عین حیات رحمت الہی کے جوار میں چلے گئے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی جانشینی بالکل بے معنی ہے۔ ”تو انہوں نے جواب دیا کہ امامت پہلے امام کی زندگی میں بھی دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔“ اسماعیلیہ اسماعیل کے بعد محمد بن اسماعیل کو امام برحق مانتے ہیں اور امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے منکر ہیں۔ عبداللہ اہوازی پہلے تو کچھ مدت تک لوگوں کو کہ خالص اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا لیکن بعد کو اس نے اس مسلک میں کچھ ترمیمیں کر کے اس میں الحاد و زندقہ کے جراثیم داخل کر دیئے۔ اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی نبوت و مہدویت کا بھی ڈھنڈورہ پیٹنے لگا۔

باطنی طریقہ کی بنا و تاسیس :-

مشہور یہ ہے کہ عبد اللہ بن میمون ہی باطنی فرقہ کا بانی ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں باطنی کفریات کا بانی و مؤسس دراصل عبد اللہ کا باپ میمون بن ویصان معروف بہ قداح اہوازی مجوسی تھا۔ جو امام صادقؑ کا آزاد غلام تھا۔ یہ شخص درپردہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ جب اسے والی عراق نے کسی جرم میں قید کیا تو اس نے غزم صمیم کر لیا کہ جس طرح پولس نے مسیحیت میں کفر و شرک کی آمیزش کر کے اس کو بگاڑ دیا تھا۔ اسی طرح اسلام میں بھی الحاد و زندقہ کے جراثیم داخل کر کے اس کو بگاڑ دیا جائے چنانچہ اس جذبہ کے ماتحت اس نے قید خانہ ہی میں باطنی مسلک کے اصول قائم کئے قید سے رہا ہونے کے بعد میمون نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو پہلے تو شعبدہ بازی اور ڈھٹ ہدی کی اور پھر اپنے لہدانہ مسلک کی تعلیم دی۔ اس سے پیشتر عبد اللہ نے مسلمان ہو کر اسماعیلی مذہب اختیار کر رکھا تھا اور اسماعیلی مذہب کو خیر باد کہہ کر باپ کا طریقہ اختیار کر لیا اور باطنی مسلک کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی۔ اب عبد اللہ نے اپنے باطنی پیروؤں کو باپ کی نسبت سے میمون یہ کہنا شروع کیا لیکن وہ باطنیہ کے نام سے موسوم کئے جانے لگے۔ اور اسی نام سے دنیا میں مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد عراق میں ان کو قرامطہ اور مزدکیہ اور خراسان میں مزدکیہ اور لحدہ بھی کہنے لگے۔ عبد اللہ نے باطنی مذہب کی ترویج کے لئے خلف نام ایک زیرک و لسان شخص کو اپنے نائب کی حیثیت سے خراسان کا شان طبرستان اور قم کی طرف روانہ کیا۔ خلف نے وہاں کے لوگوں کو مذہب میمون یہ کی دعوت دی۔ اور کہا کہ ”اہل بیت اظہار کا یہی مسلک ہے۔ نام نہاد مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب تراش لئے ہیں، تکلفات اور تشریحات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں اور لذائذ و نفاکس سے محروم ہو رہے ہیں۔“ جب رؤسائے اہل سنت کو اس کی مغویانہ سرگرمیوں کا علم ہوا تو اسے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ رے کی طرف بھاگ نکلا۔ لیکن وہاں کچھ مدت تک بے تعرض اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہ کر موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ احمد اس کا جانشین مقرر ہوا۔ احمد بن خلف نے اس زمانہ کے ایک مشہور شاعر غیاث نام کو جو علوم عقلیہ اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ چالاکی اور غداری میں بھی سرآمد روزگار تھا 202ھ میں باطنی مذہب کا داعی مقرر کر کے عراق کی طرف بھیجا غیاث نے پہلے پہل اصول مذہب باطنیہ میں ایک کتاب تصنیف کر کے اس کا نام البیان رکھا۔ اس کتاب میں باطنی مذہب کے مطابق صوم، صلوة، وضو، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام کے معانی بیان کر کے ان پر بزرگ خود شواہد لغت قائم کئے۔ البیان میں لکھتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی مراد وہی ہے جو باطنی بیان کرتے ہیں۔ مولویوں نے جو کچھ سمجھا ہے غلط محض ہے۔ غیاث کی کوششوں سے باطنی مذہب کو بڑی رونق

نصیب ہوئی۔ آزلو خیال لوگوں کو یہ نیا طریقہ جو کمال درجہ کی آزادی اور بے باکی سے ہم کنار تھا بہت پسند گیا۔ ہزر ہا کو می اس کے معتقد ہو گئے۔ اور اطراف و اکناف ملک میں اس کی دعوت کا غلطہ بلبہ ہوا۔ اس وقت سے تشیع میں الحادہ فلسفہ کی مزید آمیزش شروع ہوئی۔ سینکڑوں ”خوش اعتقاد“ اس کے حلقہ درس میں روزانہ شامل ہوتے تھے اس نے علماء اہل سنت سے مناظرے کئے مگر ہر میدان میں شکست کھائی تاہم اس کی مفسدہ انگیزی روز افزوں ترقی پذیر رہی۔ اس اثنا میں کسی نے اس سے کہہ دیا کہ ”رؤسائے اہل سنت تجھے گرفتار کرنے کی فکر میں ہیں۔“ یہ سن کر وہ مرد کی طرف بھاگ گیا۔ اور مخفی طور پر اشاعت مذہب میں سرگرم رہا۔ مدت کے بعد پھر رے کا قصد کیا لیکن راستے ہی میں سر گیا۔ عبداللہ بن میمون اس کے مرنے کی خبر سن کر ایسا مغموم ہوا کہ بیمار ہو گیا آخر جانبر نہ ہو سکا اور تو سن حیات کی باگ عالم آخرت کی طرف پھیر دی۔

باطنی فرقہ کے اصول و عقاید

اسماعیلی مذہب چھوڑنے کے بعد عبداللہ بن میمون نے جس باطنی طریقہ کی دعوت کی طرح ڈالی اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ نصوص کے ظاہر الفاظ پر عمل کرنا حرام اور ان کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے چونکہ تمام نصوص میں تحریف کرتا تھا۔ اس لئے حشر و نشر اور جزاء و سزا کا بھی منکر ہو گیا۔ باطنیہ کے نزدیک شرائع اسلام کے جس قدر احکام وارد ہوئے ہیں ان کے ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں بلکہ وہ ہر آیت قرآنی کی اپنی مرضی کے مطابق ایسی بے ہودہ اور لچر تہویل کرتے تھے جسے ظاہری الفاظ سے کوئی لگاؤ نہ ہوتا تھا۔ باطنیوں کی زندہ مثال آجکل کے مرزائی ہیں لیکن مرزائیوں اور باطنیوں میں یہ فرق ہے کہ مرزائی تو عموماً انہی آیتوں اور روایتوں میں تحریف و تبدیل کرتے ہیں جو مرزائی ہفوات کے خلاف ہیں بالخصوص مرزا غلام احمد صاحب کاویانی کی خانہ ساز مسیحیت پر پانی پھیرنے والی ہیں اور دوسرے مرویات کو انہوں نے عموماً بے تعرض علیٰ حالہا چھوڑ دیا اور اہل سنت و جماعت کی طرح ان کے ظاہری الفاظ سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں زیادہ تر انہی کو واجب العمل ٹھہرایا ہے لیکن باطنیوں کے نزدیک تمام احکام ماوّل ہیں اور کسی آیت و روایت سے وہ مطلب مراد نہیں جو ظاہری الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ ان باطنی رموز و اشارات مراد ہیں جو امام معصوم کی تعلیم ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں باطنیہ کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے تنزیل کہتے ہیں اور ایک باطن ہے جو تاویل کہلاتا ہے۔ ظاہر باطن کا منظر اور باطن ظاہر کا مصدر ہے اور کوئی ظاہر ایسا نہیں جس کا باطن نہ ہو۔ ورنہ وہ فی الحقیقت لاشے محض ہے اور کوئی باطن نہیں جس کا ظاہر نہیں ورنہ وہ محض خیالی ہے۔ چنانچہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ مگر ظاہر جو نعت سے مفہوم ہوتا ہے ہرگز قابل اعتقاد عمل

نہیں۔ بلکہ حقیقی مقصود اور قابل عمل وہی ہے جو اس کا باطن ہے۔ مثلاً نماز کا باطن امام وقت کی اطاعت ہے۔ روزہ کا باطن یہ ہے کہ اپنے مذہب و مسلک کو دوسروں سے مخفی رکھا جائے اور حج کا باطن امام کے حضور میں پہنچنا ہے۔ باطنیہ نے احکام شرعی میں جو جو تحریفیں کیں وہ ان کی کتابوں میں بطور مصطلحات فقہ شرح و بسط سے مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے	الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے
ملائکہ	باطنی فرقہ کے داعی و مناد	میتقات	وقت اجابت
جبریلہ	محمدؐ کی عقل و فراست	صفا	محمدؐ
شیاطین	ظاہر پر عمل کرنے والا	مردہ	وصی
جن	گنوار لوگ	نار برہ ایتم	نمرود کے غصہ کی آگ
نبی	ناطق حق	روح اسماعیلہ	اسماعیلؑ سے جدید عہد لیا گیا
وحی	اساس حق کوئی	یا جوج ماجوج	علمائے ظاہر
قیامت	کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف عود کرنا	طوقان نوع کشتی نوع	جزیرہ جس میں امت نوع محصور ہوں
جنت	جسمانی راحت	عصائے موسیٰ	موسیٰؑ کی دلیل و حجت
دوزخ	جسمانی تکلیف	اذان	لوگوں کو امام کی اطاعت پر آبادہ کرنا
کعبہ	محمدؐ	نماز	امام سے سوالات کرنا
باب	علیؑ	نماز باجماعت	متابعیت امام معصوم
طواف	آئمہ طاہرین کے گھر	حج	امام کی زیارت کے لئے جانا
تبلیہ	اجتہاد مدعو	تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے آئین مذہب حاصل کرنا
روزہ	امام کا راز افشاء نہ کرنا	زنا	جلا عہد بیثاق افشائے سر امام باطنیہ

زکوٰۃ	دل کی صفائی اور پاکیزگی	احتمام	ناوانستہ اغیڈ سے افشائے راز کرنا
عسل	توبہ کر کے امام سے دو بارہ عمد کرنا	جنامت	بھید ظاہر کرنا
وضو	امام سے آئین مذہب حاصل کرنا۔	مسح کامر دے زندہ کرنا	دلوں کو علم و ہدایت سے زندہ کیا

بابک بن عبد اللہ حرمی

پیدائش اور طفولیت :-

بابک کا باپ جسے عبد اللہ کہتے تھے مدائن کا ایک تیلی تھا۔ اس نے آذربجان کی سر زمین پر ایک گاؤں میں جو بلال الباز کے نام سے موسوم ہے سکونت اختیار کر لی تھی بابک کا باپ عالم شباب میں اپنی پیٹھ پر تیل کا برتن رکھ کر رستاق کے دیہات میں تیل بچا کرتا تھا۔ اس اثنا میں ایک عورت سے اس کی آشنائی ہو گئی اور ناجائز تعلق عرصہ دراز تک قائم رہا۔ ایک مرتبہ اس عورت کے گاؤں کی چند عورتیں اپنی بستمی سے نکل کر کسی طرف جا رہی تھیں راستہ میں انہیں پیاس لگی تو پانی پینے کیلئے ایک چشمہ پر گئیں۔ وہاں پہنچ کر کچھ ترنم کی سی آواز سنائی دی۔ یہ عورتیں اس آواز پر گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہی تیلی ان کے گاؤں کی عورت سے رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ لور پیاس شراب رکھی ہے۔ یہ دفعتاً ان کے سر پر جا پھینچیں تیلی بھاگ گیا۔ اس عورت کو انہوں نے بالوں سے پکڑ لیا۔ کھینچی ہوئی اپنے گاؤں کو لائیں اور اسے بستمی والوں سے بری طرح ذلیل کر لیا۔ اس کے بعد تیلی نے اس کے باپ سے عقد ترویج کی درخواست کی۔ چنانچہ اس عورت سے اس کا باقاعدہ نکاح ہو گیا اور اس کے بعد بابک متولا ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ جن مورخوں نے بابک کو ولد الزنا لکھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے کیونکہ بابک کا تولد نکاح سے پہلے تعلقات کا نتیجہ نہ تھا۔ بابک کی پیدائش کے تھوڑے ہی دن بعد اس کا باپ کوہ سلان کو گیا اور وہیں مارا گیا۔ اب بابک کی ماں دایہ گری کا کام کرنے لگی۔ بابک نے ہوش سنبھالا تو گائیں چرانے پر نوکر ہو گیا۔ جب دس سال کا تھا تو ایک مرتبہ اس کی ماں دوپہر کے وقت اس کے پاس چراگاہ میں گئی اور دیکھا کہ بابک درخت کے نیچے سویا ہے لیکن کپڑا کھل جانے سے برہنہ ہو رہا ہے۔ جب اس کی ماں قریب گئی تو اس کے سینہ و سر کے ہر بن مو کو خون آلود پایا۔ اس نے بابک کو بیدار کیا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ماں نے جو خون دیکھا تھا اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن اب اس کے بالوں میں خون کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ اس کی ماں کا بیان ہے کہ میں نے اسی واقعہ سے جان لیا تھا کہ میرا بیٹا بہت کچھ عروج حاصل کرے گا۔ چند سال تک موٹھی چرانے کے بعد بابک برستاق کے ایک رئیس ہبل بن منقی ازدی کے پاس ملازم رہا۔ اس عرصہ میں اس نے ہبل کے غلاموں سے ظنورہ جانا بھی سیکھا۔ برستاق کو الوداع کہہ کر تمبریز پہنچا اور وہاں دو سال تک محمد بن رواد ازدی نام

ایک رئیس کے پاس نوکری کرتا رہا وہاں سے اپنی ماں کے پاس بلال لہذا میں چلا آیا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھدہ سال کی تھی۔

چتر حکومت کی سایہ افگنی اور آقا کی بیوی سے شادنی :-

گورنمنٹ کے پتھروں میں ایک قصبہ بڈ کے نام سے موسوم تھا۔ اس سلسلہ کوہ میں دور نہیں برسرِ اقتدار تھے۔ جن میں باہم رکھت تھی۔ ایک کو ابو عمران کہتے تھے اور دوسرے کا نام جاویدان بن سربک تھا۔ کوہ بڈ کی ملکیت کے متعلق ان میں ہمیشہ جھگڑے قصبے برپا رہتے تھے۔ ہر ایک کی یکساں تھی کہ اس سرزمین کو اپنے حریف کے خنود وجود سے پاک کر کے بلا شرکت غیرے ریاست کا مالک ہو جائے۔ ایسے برسوں میں دونوں برسوں میں ہر سال ہر سر پر پیکار رہتے لیکن موسم سرما کے شروع میں جب برف پڑنے لگتی تو مجبوراً عریضہ جوگی سے دست بردار ہو جاتے۔ ایک سال جاویدان دو ہزار ہجریوں کا ریورٹ لیکر بڈ سے شہر زنجان کی طرف روانہ ہوا۔ جو قزوین کی سرحد پر ہے۔ وہاں بحریاں فروخت کر کے بڈ کی طرف مراجعت کی۔ راستہ میں جب موضع بلال لہذا پہنچا تو شدید برف باری شروع ہو گئی جس کے باعث انقطاع سفر ناگزیر تھا۔ موضع بلال لہذا کے ایک آدمی سے کہا کہ کوئی ایسا مکان بتاؤ جہاں ہم چند روز قیام کر سکیں۔ وہ شخص اسے باہک کی ماں کے پاس لے گیا۔ باہک اور اس کی ماں نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ جاویدان جتنے دن وہاں رہا۔ باہک نے اپنی خدمت گزاری سے اس کو بہت خوش کیا۔ جاتے وقت جاویدان باہک کی ماں سے کہنے لگا کہ اگر تم اپنا بیٹا میری ملازمت میں دے تو میں پچاس درہم ماہانہ تنخواہ دوں گا۔ اور یہ رقم ہر مہینے تمہارے پاس پہنچایا کرے گی۔ (درہم قریباً چار آنے کا ہوتا تھا) باہک کی ماں رضامند ہو گئی اور باہک جاویدان کے ساتھ کوہ بڈ میں چلا گیا۔ تھوڑے روز میں جاویدان اور ابو عمران میں پھر سلسلہ رزم و پیکار شروع ہوا۔ ابو عمران مارا گیا اور جاویدان نے اس کے تمام املاک پر قبضہ کر لیا۔

باہک ایک جوان رعنا تھا۔ جاویدان کی عورت اس پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں میں فاسقانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ تھوڑے عرصے میں جاویدان مر گیا اور قبل اس سے کہ کسی کو جاویدان کے مرنے کی اطلاع ہو اس کی بیوی رات کے وقت باہک سے کہنے لگی کہ جاویدان مر گیا ہے اور میری خواہش ہے کہ ”تمہیں برسرِ حکومت کر کے تم سے باقاعدہ شادی کر لوں“۔ باہک کہنے لگا میں تمہارے شوہر کا ایک ادنیٰ خادم تھا۔ لوگ میری متابعت پر کس طرح رضامند ہوں گے؟ اور تمہاری قوم میرے ساتھ تمہارے عقد ازدواج کو کیونکر گوارا کرے گی؟ عورت نے کہا کہ ”میں نے ایک حیلہ تجویز کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں ان لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی“ باہک نے کہا تم نے کیا حیلہ تراشا ہے؟ بولی ”میں کل تمام قوم

کو جمع کر کے ان سے کہوں گی کہ ”جاوید ان نے اپنی وفات سے پہلے کہا تھا کہ آج رات میں نے مرنے کا قصد کیا ہے لیکن میری روح میرے بدن سے نکلے ہی باپک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور اس کی روح سے متحہ ہو جائے گی۔ میرے بعد باپک ہی میری قوم کا سردار ہوگا۔ وہ جبکہ وہ کو ہلاک کر کے مزدکیہ کو از سر نو عروج بخشے گا اور قوم کے پسماندہ لوگوں کو آسمان عزت پر بٹھائے گا“ یہ سن کر باپک کا ساغر دل خوشی سے پھلک گیا اور کہنے لگا ”ہاں ہاں کوئی ایسی ہی تدبیر کرو“ دوسرے دن عورت نے جاوید ان کے لشکر کو جمع کر کے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ عمائد سپاہ پوچھنے لگے کہ اس نے رحلت سے پہلے ہم کو بلا کر کیوں وصیت نہ کی؟ عورت بولی کہ ”تم لوگ دیہات میں متفرق ہو رہے تھے اگر تم کو طلب کر کے اجتماع عام کا انتظام کرتا تو خوف تھا کہ عربوں کی طرف سے کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اب جو کچھ وہ وصیت کر گیا ہے اس کو سن لو۔ میں دیکھوں کہ تم اس کی وصیت جلاتے ہو یا نہیں؟“ سردار ان لشکر کہنے لگے کہ ”جب ہم نے زندگی میں کبھی مخالفت نہ کی تو اب اس کے مرنے کے بعد کیا خلاف کریں گے؟ کہنے لگی کہ جاوید ان کل بالکل صحیح و سالم تھا۔ اچانک کہنے لگا کہ ”میں نے دنیا کو الوداع کہنے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لئے آج ہی رات اس سرائے فانی سے کوچ کر جاؤں گا لیکن میری روح نکل کر اس نوجوان خادم باپک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور یہی نوجوان اس سر زمین کا مالک ہوگا“ اور مجھے تاکید کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری قوم کو اس کی اطلاع کر دینا اور یہ بھی جتلا دینا کہ جو شخص میری وصیت سے اعراض کرے گا اور میری عزیز و محبوب خواہش پر اپنی رائے اور مرضی کو ترجیح دے گا۔ وہ ہمارے دین سے خارج ہو جائے گا“ یہ سن کر سب قائدین لشکر نے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہہ کر گردنیں جھکا دیں اور بولے ”ہمیں حسب وصیت اس نوجوان کی متابعت منظور ہے“ اب اس عورت نے ایک ہیل منگولیا اور اس کو ذبح کر کے اس کی کھال کو پھیلانے کا حکم دیا۔ اس کی کھال پر ایک تشت رکھا گیا جو شراب سے لبریز تھا۔ اس کے بعد روٹیاں منگوائی گئیں اور ان کے ٹکڑے تشت کے گرد جمع کر دیئے گئے۔ اب عورت نے حکم دیا کہ ایک ایک آدمی آئے اور کھال پر پاؤں رکھ کر روٹی کا ٹکڑا اٹھائے اور شراب میں ڈبو کر کھالے۔ پھر کہے کہ اے باپک کی روح! میں تجھ پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح اس سے پیشتر جاوید ان کی روح پر ایمان لایا تھا۔ اس کے بعد باپک کے سامنے حاضر ہو اور اس کا ہاتھ چوم کر اس سے بیعت کرے۔“ تمام حاضرین نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پھر سب کو کھانا کھلایا گیا۔ فراغت کے بعد باد ٹھل ٹھل کا دور چلا۔ اب صرف باپک سے نکاح کئے جانے کی رسم باقی تھی۔ یہ اس طرح انجام دی گئی کہ عورت نے باپک کو اپنے فرش پر بٹھایا۔ اپنا پیش قیمت لباس منگوا کر زیب تن کیا اور دلہن بن کے خود ہی رسوم نکاح ادا کرنے لگی۔ اس کی شراب

وصل نے باپک کو پہلے ہی بخود اور سرمست بنا رکھا تھا۔ جو بن کے نکھار نے اس کی آتش عشق کو لور بھی بھڑکا دیا۔ عقد نکاح یوں انجام پایا کہ عورت نے ایک گلدستہ منگولیا اور اٹھا کر باپک کے ہاتھ میں دیدیا۔ بس یہی ترویج تھی۔ (کتاب اللہم ست لائن ندیم)

معلوم ہوتا ہے کہ جاوید ان اور اس کے پیروین مزدک (بجوس) کے پیرو تھے۔

شرمناک اخلاقی تعلیمات :-

اب وہ وقت تھا جبکہ باپک کا گلشن آرزو پوری بہار پر تھا اور اقبال کی کامرانی دیکھو کہ کس طرح ایک ادنیٰ سا چاکر آسمان عزت پر نمودار ہوا۔ اور اس کا رایت عروج آنا فانا سپر بریس سے باتیں کرنے لگا۔ وہ پہلے اسماعیلی تھا۔ پھر مزدکی بنا۔ پھر خود ایک فرقہ کی بنا ڈالی ہے جسے بابجیہ، خرمیہ، سیعہ اور حرمیہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے تو یہی کہتا رہا کہ مجھ میں جاوید ان کی روح ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ خدا کی روح نے بھی میرے اندر حلول کیا ہے۔ اس نے اپنے پیروؤں کو عقیدہ تناخ کی تعلیم دی اور ہنود کی طرح کہتا تھا کہ روہیں انسانوں اور حیوانوں میں منتقل ہوتی ہیں چونکہ باپک نے ہر قسم کے مذہبی اور اخلاقی قیود اٹھا کر عیش و عشرت کا بازار گرم کیا۔ پیروؤں کو حرام کاری، شراب خوری اور دوسرے فواحشات کی اجازت دی یہاں تک کہ ماں، بہن بیٹی اور دوسرے محرمات لہدیہ سے بھی عقد مناکحت جائز کر دیا۔ اس لئے اس کے پیروؤں کو خرمیہ بھی کہنے لگے۔ کیونکہ خرم عیش و فرح کو کہتے ہیں۔ باپک کا معمول تھا کہ جب اسے معلوم ہوتا کہ کسی شخص کی بیٹی یا بہن نہایت حسین ہے تو اس کے پاس طلبی کا پیغام بھیجتا۔ اگر اس نے بھیج دی تو خیر ورنہ اس کو گرفتار کر کے شمشیر کے حوالے کر دیتا اور اس حسینہ پر جبراً قبضہ کر لیتا۔ (تلبیس ابلیس)

ظاہر ہے کہ باپک کی اخلاقی تعلیم دنیا بھر کے فواحش کا مجموعہ اور قابل نفرت تھی تاہم جو یہ ان کی قوم کے علاوہ دہلم اور اہل ہمدان و اصفہان نے بھی اپنی قسمت اس سے وابستہ کر دی۔

باپک کی پہلی مہم اور حامل موصل کی شہادت :-

جب باپک کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے 201ھ میں خلافت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت و خود سری بلند کر دیا۔ ان دونوں خلیفہ مامون عباسی بغداد کے تحت خلافت پر جلوہ افروز تھا۔ تین سال تک تو بعض داخلی جھلمیوں نے باپک کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ اس کے بعد 204ھ میں خلیفہ مامون نے عیسیٰ بن محمد عامل آرمینیا و تورانیان کو حکم دیا کہ باپک کے قلع قمع کا انتظام کرے لیکن بعض مجبور یوں کی بناء پر عیسیٰ محمد

اس مہم کو سرانجام دینے سے قاصر رہا۔ 209ھ میں خلیفہ نے علی بن صدقہ معروف بہ زریق کو آرمینیا کو بائیں جمعیت کے توڑنے اور بائیں کو اسیر کر لانے پر متعین کیا۔ لیکن ابن جنید بائیں کو قید کرنے کے بجائے خود ہی شکست کھا کر قید ہو گیا۔ چونکہ زریق گورنری کے فرائض انجام دینے کا اہل ثابت نہ ہوا۔ اس لئے مامون نے اس کی جگہ ابراہیم بن لیث کو آرمینیا اور آذربائیجان کے عمل پر بھیج دیا۔ زریق نے خلیفہ کے مقابلہ میں علم خود سری بلند کر کے موصل اور آذربائیجان کے درمیان تمام پہاڑی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ موصل پر بھی چڑھائی کر دی۔ اس معرکہ میں سید بن انس گورنر موصل مارا گیا اور زریق نے موصل پر عمل و دخل کر لیا۔ خلیفہ مامون اس خبر و حشت اثر کے سننے سے سخت برہم ہوا اور 212ھ میں محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت پر فائز کر کے بائیں خرمی اور زریق سے جنگ آزما ہونے کا حکم صادر فرمایا چنانچہ محمد طوسی نے موصل کی طرف نہفت کی اور زریق کو نچاد کھا کر موصل واپس لے لیا۔ مہم موصل سے فارغ ہو کر محمد طوسی نے بائیں خرمی پر چڑھائی کی اور نہایت مستعدی اور ہوشیاری سے اس کو ہزیمت دیتا ہوا اور مضافات مقبوضہ کا انتظام کرتا ہوا دامن کوہ تک جا پہنچا۔ بائیں تھوڑی دیر تک دامن کوہ میں لڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ محمد بن حمید سوطی نے جوش کامیابی میں اس کا تعاقب کیا۔ جب کوئی تین کوس تک چڑھ گیا تو بائیںوں نے کین گاہ سے نکل کر محمد پر دفعۃً حملہ کیا اور بائیں بھی لوٹ کر معا محمد پر ٹوٹ پڑا۔ محمد بن حمید کا لشکر گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر خود اس کے قدم ثبات کو ذرا جنبش نہ ہوئی اور وہ نہایت ثابت قدمی و استقلال سے لڑتا ہوا پیچھے کو ہٹا اور اتفاق سے بائیںوں کے ایک گروہ نے محمد بن حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ محمد زخمی ہو کر گرا اور تڑپ کر دم توڑ دیا۔ جب یہ خبر بارگاہ خلافت میں پہنچی تو خلیفہ مامون کو سخت صدمہ ہوا۔ خلیفہ مامون بائیں کی سرکشی اور اس کی فتوحات سے آگ بگولا ہو گیا تھا اور انتقام کیلئے ہر وقت دانت پیتا تھا لیکن اتفاقات ایسے پیش آئے کہ اس کے بعد کوئی اور مہم بائیں کی گوشمالی کیلئے نہ بھیج سکا اور فرشتہ موت نے پیام اجل سنایا۔

بائیں کی پہلی ہزیمتیں :-

بائیں نے شہر بڈ کو اپنا بٹا دامن بنا رکھا تھا۔ اور اس نے اکثر شاہی قلعہ جات کو جو اردبیل اور آذربائیجان کے مابین واقع تھے ویران و مسمار کر دیا تھا۔ جب خلیفہ معتمد نے 218ھ میں اپنے بھائی خلیفہ مامون کے انتقال پر تخت خلافت کو زینت دی۔ تو ابو سعید محمد بن یوسف کو اس مہم پر مامور کیا چنانچہ ابو سعید نے ان قلعہ جات کو جنہیں بائیں نے ویران و برباد کر دیا تھا از سر نو تعمیر کرایا اور انہیں فوج، آلات حرب اور غلہ کی کافی مقدار سے مضبوط و مستحکم کیا۔ اس اثنا میں بائیں

کے کسی سر یہ نے ان بلاد پر شب خون ملا۔ ابو سعید نے اس کا تعاقب کیا اور نہایت اولوالعزمی سے لوٹ کا تمام مل واپس لیا اور بے شہر بچیوں کو قتل اور اکثر کو گرفتار کیا اور مقتولوں کے سر اور نیشہ جتھہ لو قیدی ایک عرضداشت کے ساتھ خلیفہ معصم کے پاس بھیج دیئے۔ یہ پہلی ہزیمت تھی جو بچیوں کو عساکر خلافت سے نصیب ہوئی۔ دوسری ہزیمت محمد بن عبید کے ذریعہ سے ہوئی۔ جو بابک کا معین و مددگار تھا۔ یہ شخص گزربلتان کے ایک قلعہ میں فروکش تھا اور بابک کے سر لے کر خونخوار سرد پھیل کر تاقہ افتخ سے واقعہ مذکورہ کے بعد بابک کا ایک سپہ سالار صحت چہرہ سے قتل کر دیا۔ جو گزرا۔ محمد بن عبید نے اس کی دعوت کی اور اسے عزت و حریم سے غصہ لیا۔ عین رات کے وقت حالت غفلت میں اس کو گرفتار کر کے خلیفہ معصم کے پاس بھیج دیا۔ اس کے تہہ رتہ، کو قتل کر ڈالا۔ خلیفہ نے عصمت سے بابک کے بلاد اور قلعوں کے سر بروخصیہ دریافت کئے۔ عصمت نے تمام امر اور جنگی مواقع ظاہر کر دیئے۔ تاہم معصم نے سے رہنا نہ کیا۔ اور افشین حیدر کو جہاں کی عملداری مرحمت فرما کر بابک کے مقابلہ میں بھیجا۔ افشین نے میدان کارزار میں پہنچ کر پہلے رسد کا انتظام کیا اور راستوں کو خطرات سے پاک کرنے کے خیال سے تموزی تموزی مسافت پر چوکیاں بٹھائیں اور کار آزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کو گشت اور دیکھ بھال پر متعین کیا۔ یہ لوگ اردبیل سے اس کے لشکر گاہ تک شب و روز گشت کیا کرتے اور رسد اور کل ماتحتوں کو حفاظت تمام معسکر میں پہنچاتے۔ اور جب بابک کا کوئی جاسوس گرفتار ہوتا تو افشین اس سے بابک کے اخلاق برتاؤ اور احسانات کو دریافت کرتا۔ اور اس سے دو چند احسانات سے گرانبار کر کے اسے رہا کر دیتا۔

بابک کی پیہم کامیابیاں :-

اس کے بعد خلیفہ نے بغا کبیر کو کثیر فوج اور مال و اسباب کے ساتھ افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ بابک یہ سن کر بغا کبیر پر شبنون مارنے کے ارادہ سے چلا۔ جاسوسوں نے افشین تک یہ خبر پہنچا دی۔ افشین نے بغا کو لکھ بھیجا کہ تم قافلہ کے ساتھ قلعہ نہر تک آؤ۔ اور قافلہ کی روانگی کے بعد پھر اردبیل کو مراجعت کرو۔ بغا نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ بابک پھر یہ خبر پا کر کہ بغا کا قافلہ قلعہ نہر کی طرف روانہ ہو گیا ہے، اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ جس دن بغا سے ملنے کا وعدہ تھا افشین اس روز چپکے سے نکل کر اردبیل کو چلا گیا اور بغا کو حفاظت تمام ابو سعید کے مورچہ میں لے آیا۔ اس اثنا میں بابک قافلہ تک پہنچ گیا۔ والی قلعہ نہر بھی قافلہ کے ہمراہ تھا بغا سے تو ڈھبھیڑ نہ ہوئی البتہ والی قلعہ نہر سے مقابلہ ہوا۔ بابک نے اس لشکر کو جو قافلہ کے ساتھ تھے یہ تیغ کر کے تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ انشاء راہ میں افشین کے سپہ سالاروں

میں سے بیٹم نام ایک افسر سے دو چار ہو گیا اور اس کو بھی زک دی۔ بیٹم ایک قلعہ میں جا چھا۔ بابک نے وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس اثناء میں افشین اپنا لشکر لئے ہوئے آ پہنچا اور بابکوں پر حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے بابکوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ نہایت بے سروسامانی سے بھاگ کھڑے ہوئے ان کا بیشتر حصہ اس معرکہ میں کام آیا۔ بابک بقیہ السیف کے ہمراہ بھاگ کر ہو قان پہنچا لیکن بابک وہاں سے پلٹ کر ایسی چال چلا کر افشین کے لشکر کا راستہ کاٹ لیا۔ رسد و غلہ کا آنا موقوف ہو گیا۔ اب افشین کا لشکر رسد کے نہ آنے سے بھوکوں مرنے لگا۔ افشین نے حاکم مرانہ سے رسد طلب کی۔ لیکن بد قسمتی سے اثناء راہ میں بابکوں نے اس کو لوٹ لیا۔ یہ خبر پا کر بغا اپنا تمام مال و اسباب کسی طور بابک کے ہاتھوں سے چا کر افشین کے لشکر گاہ میں لایا اور لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

عسا کر کے خلافت کی ہزیمتیں :-

اب افشین نے مطمئن ہو کر اپنے سپہ سالاروں کو بابک پر حصار ڈالنے کی غرض سے بڑھنے کا حکم دیا چنانچہ قلعہ بڈ سے 6 میل کے فاصلہ پر پہنچ کر مورچے قائم کئے اور بغا نے قریہ بڈ میں داخل ہو کر لڑائی چھیڑی اور سخت کشت و خون کے بعد اپنے لشکر کا بڑا حصہ اس معرکہ کی نذر کر کے محمد بن حمید سپہ سالار کے مورچہ میں واپس آیا۔ اس کے امداد طلب کرنے پر اپنے بھائی فضل ابو جوش، احمد بن خلیل اور جناح الاحور کو بغا کی کمک پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ فلاں روز فلاں وقت بابک پر یکبارگی حملہ کرنا۔ میں بھی اس دن وقت معوودہ پر اس سمت سے حملہ آور ہوں گا۔ سوا اتفاق سے بغا وغیرہ برسات اور شدت سرما کی وجہ سے یوم مقرر پر حملہ نہ کر سکے اور افشین نئے نئے حملہ کر دیا۔ تاہم بابک تاب مقاومت نہ لاکر پیچھے ہٹا۔ افشین نے بڑھ کر اس کے مورچہ پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے دن بغا وغیرہ کثرت باران اور شدت سرما سے تنگ آ کر کسی قائمہ کی رہبری سے ایک پہاڑی پر جو افشین کے لشکر گاہ کے قریب تھی چڑھ گئے۔ یہاں بھی انہیں اسی سردی اور بارش سے سابقہ پڑا۔ مزید برآں برف بھی پڑ گئی۔ ہاتھ پاؤں جواب دے بیٹھے۔ دو دن اسی حالت میں گزرے۔ ادھر بابک نے موقع پا کر افشین پر شبخون مارا اور اسے لڑکر پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ دوسری طرف بغا کی فوج نے غلہ و رسد کی تھڑ جانے کی وجہ سے شور و غل مچانا شروع کیا۔ بغا نے مجبور ہو کر قلعہ بڈ کے عزم سے اور نیز بغرض دریافت حال افشین وہاں سے کوچ کیا اور نکل آنے پر افشین کا حال معلوم ہوا۔ اب بغا بابک کے خوف سے پھر اسی پہاڑی کی طرف لوٹا۔ اور کثرت فوج اور تنگی راہ کی وجہ سے دوسری راہ اختیار کی۔ بابک کے بتجسس سپاہیوں نے تعاقب کیا۔ بغا نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا اور نہایت سرعت سے اس تنگ و دشوار گزار

راستہ کو طے کیا۔ اس اثناء میں رات کی سیاہ چادر عالم کائنات پر محیط ہو گئی۔ بغا نے مال اسباب کی حفاظت کے خیال سے دامن کوہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور چاروں طرف سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کیا۔ کھگے ماندے تو تھے ہی سب کے سب سو گئے۔ بابک نے موقع پا کر چھاپہ مارا اور تمام مل و اسباب لوٹ لیا۔ بغا حالت جہ خندق لول میں چلا آیا جو اسل کوہ میں واقع تھی۔

دلر الخفاف سے مزید افواج کی روانگی :-

جب خلیفہ کو عساکر خلافت کی متواتر بزمسوں اور ناکامیوں کا علم ہوا تو اس نے جعفر خلیفہ کی سرکردگی میں ایک فوج رُفہ افشین قوی دل ہو گیا۔ اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ فصل ربیع کے لوہاں میں بابک سے معرکہ کراہونے کی غرض سے آہستہ آہستہ قلعہ بڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ رات کے وقت سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کرتا۔ اور رات ہی کے وقت گشت کرنے کیلئے فوج کو بھیجا جس کے ساتھ خود بھی جاتا۔ رفتہ رفتہ قلعہ بڈ کے بالمقابل ایسے مقام پر پہنچے جہاں تین پہاڑیاں ایک دوسری سے متصل واقع تھیں۔ ان تینوں پہاڑیوں کے مابین ایک وسیع میدان تھا۔ افشین نے یہیں مقام کیا اور ایک راستے کو چھوڑ کر باقی تمام راہوں کو پتھروں سے چن دیا۔ انہی پہاڑیوں کے قریب بابک کا لشکر بھی موجود تھا۔ افشین روزانہ نور کے تڑکے نماز صبح ادا کر کے نفاہہ جو اتنا۔ لشکری اس نفاہہ کی آواز سن کے طیار ہو جاتے۔ پھر مقابلہ شروع ہوتا۔ جب تک جدال و قتال میں مصروف رہتا نفاہہ جتا رہتا اور جب جنگ کو روکنا مقصود ہوتا نفاہہ بند کر دیتے اور جب پیش قدمی کا ارادہ ہوتا تو درہ کوہ پر ایک لشکر متعین کیا جاتا جو اس قدر قوی قلعہ کی محافظت کرتا اور بابک نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ جب افشین حملہ آور ہوتا تو چند آدمیوں کو افشین عموماً جعفر خیاط احمد بن خلیل اور ابو سعید کو تین تین دستہ فوج کے ساتھ یکے بعد دیگرے میدان کارزار بھیجا اور خود ایک بلند مقام پر بیٹھ کر لڑائی کا منظر دیکھتا۔ اس مقام سے بابک کا قلعہ نور محل سرانے بھی دکھائی دیتا تھا۔ افشین نماز ظہر ادا کر کے مراجعت کرتا۔ اور اس کے واپس ہوتے ہی اس کی فوجیں بھی یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے ترتیب وار ہٹ جاتیں۔ بابک اس طولانی جنگ سے گھبرا گیا۔ ایک روز حسب معمول لشکر اسلام واپس ہوا۔ اتفاق سے جعفر خلیفہ پیچھے رہ گیا بابک کا لشکر میدان خالی سمجھ کر قلعہ بڈ سے نکل پڑا۔ جعفر خیاط نے حملہ کر کے اور بکواز بلند اپنے لشکریوں کو پکارا۔ جعفر کی فوج غنیم پر ٹوٹ پڑی۔ اور لڑائی بعدہ چمک گئی۔ جعفر کی فوج میں سے ابو دلف کے ساتھ ایک گروہ مطوعہ یعنی رضا کاروں کا تھا۔ و رضا کاروں نے افشین کی مرضی پائے بغیر اس شدت کا دھاوا کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھ رہے

تھے کہ یہ لوگ کمندیں ڈال کر قلعہ پر چڑھ جائیں گے۔ جعفر نے افشین سے پانچ سو تیر اندازوں کی امداد طلب کی۔ افشین نے کہلا بھیجا کہ تم امدادی فوج کا انتظار نہ کرو اور جہاں تک ممکن ہو آہستہ آہستہ حکمت عملی سے واپس چلے آؤ۔ کیونکہ جنگ کا عنوان خطرناک ہو رہا ہے اس عرصہ میں رضا کار مجاہد حملے کرتے ہوئے قلعہ بذ تک پہنچ گئے۔ میدان جنگ فریقین کے شور و غل سے گونج رہا تھا۔ بابک کے وہ سپاہی جو کمین گاہ میں تھے یہ جان کر کہ دشمن قلعہ تک پہنچ گیا کمین گاہ سے نکل آئے۔ افشین پر اس قلعہ کا سارا راز اور کمین گاہ کا حال کھل گیا۔ چونکہ لڑائی میں طول آگیا تھا۔ فریقین لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور آفتاب بھی گوشہ مغرب میں پہنچ گیا تھا۔ جعفر نے آہستہ آہستہ لڑتے لڑتے اپنے مورچہ کی طرف واپس آنا شروع کیا مغرب تک لڑائی بالکل بند ہو گئی دونوں حریف اپنی اپنی قیام گاہ تک لوٹ آئے۔

رضا کار مجاہدین کی شجاعت :-

جعفر نماز مغرب ادا کر کے افشین کے پاس گیا۔ افشین نے عدول حکمی اور خلاف مرضی جنگ میں اقدامات کرنے سے ناراضی کا اظہار کیا۔ جعفر اپنے قائد اعظم کے امداد نہ بھیجنے پر اظہار ملال کرنے لگا۔ غرض دونوں نے معقول وجوہ پیش کئے۔ صفائی ہو گئی۔ اب رضا کاروں نے حاضر خدمت ہو کر قلت رسد و مصارف کی شکایت کی افشین نے جواب دیا کہ جو شخص قلت مصارف اور گرسلی کی تکالیف پر صبر کر سکے وہ ہمارے ساتھ رہے ورنہ اپنا راستہ لے۔ امیر المؤمنین کے لشکر میں بفضلہ تعالیٰ جنگ آوروں کی کمی نہیں۔ رضا کار مجاہد یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ہم تو قلعہ بذ کو بات کی بات میں فتح کر لیتے مگر عسکرناحق التواء ڈال کر ہم لوگوں کو ثواب جہاد سے محروم کرتا ہے اگر ہم کو اب بھی حملہ کا حکم دے تو ہم دشمن کو اپنی تلوار کے جوہر دکھادیں۔ جاسوسوں نے یہ باتیں افشین کے کانوں تک پہنچائیں۔ اس نے مجاہدوں کو طلب کر کے تسلی دی اور علی الصباح جنگ کا حکم دیا۔ جس وقت رضا کاروں نے دھاوا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا خود بھی اسی وقت حملہ کرنے کا وعدہ کیا۔ افشین نے ان لوگوں کو مال و اسباب، پانی، خوراک اور آلات حرب خاطر خواہ دیا۔ زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھا کر لانے کے لئے نچروں پر مہملیں رکھوا دیں۔ اور جعفر کو اسی مورچہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا جہاں تک کل بڑھ گیا تھا۔

دوسرے روز علی الصباح تیر اندازوں، نفاطوں اور نامی گرامی جنگ آزماؤں کو منتخب کر کے ایک لشکر مرتب کیا اور رضا کار مجاہدوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے میدان جنگ میں آیا۔ بابک کے لشکر نے قلعہ سے تیر باری شروع کی۔ جعفر کی فوج خود کو بابک کے حملوں سے چھائی ہوئی قلعہ بذ کی فصیلوں تک پہنچ گئی۔ اب جعفر کمال مرادگی و استقلال سے دروازہ بذ پر پہنچ کر لڑنے لگا۔

یہاں تک کہ دوپہر ڈھل گئی۔ افشین نے حسب ضرورت ان لوگوں کے لئے کھانا اور پانی روانہ کیا اور سفرینا کو بھی بذکی فصیلوں کے توڑنے کے لئے پھاڑے اور کدالوں کے ساتھ بھیجا۔ بابک یہ دیکھ کر قلعہ کا دروازہ کھول کر نکل آیا اور رضا اور رضا کاروں کو کاروں کو اپنے پر زور حملہ سے قلعہ بذکی فصیل سے پیچھے ہٹا دیا۔ حالت جنگ نہایت خطرناک تھی کبھی تو بابک کا لشکر رضا کاروں کی قلعہ کی فصیل سے پسپا کر دیتا تھا۔ اور کبھی رضا کار باجیوں کو مار مار کر قلعہ میں بھاڑ دیتے تھے۔ غرض اس کش مکش میں شام ہو گئی اور رات نے اپنے سیاہ دہان سے آفتاب عالتاب کو چھپا لیا۔ افشین نے اپنے لشکر کو مراجعت کا حکم دید۔ دونوں حریف اپنے اپنے قیام گاہ پر آئے اور لطف یہ ہے۔ اس جنگ کے بعد ہر فریق کو اپنی کامیابی کی طرف سے ناامیدی سی ہو گئی اور بہت سے رضا کاروں نے اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے۔

قلعہ بذکی پر لشکر اسلام کا قبضہ :-

دو ہفتہ کے بعد افشین نے پھر جنگ کی تیاری کی۔ لشکر کو چار حصوں پر منقسم کیا۔ ایک حصہ کو جس میں ایک ہزار تیر انداز تھے۔ آدھی رات کے وقت اس پہاڑ کی طرف روانہ کیا جو قلعہ بذکی کے قریب تھا اور جس کے دامن میں بابک کا نامی سپہ سالار آذین صف آرا تھا اور ان کو یہ ہدایت کردی کہ جو نبی جعفر کو بذکی طرف بڑھتے ہوئے پاؤ۔ بابک کے لشکر پر حملہ کر دو۔ دوسرے حصہ کو اس ٹیلہ کے نیچے کمین گاہ میں چھپا دیا جس کی چوٹی پر بابک کے سپاہی کمین گاہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ تیسرے دستہ فوج کو محافظت کی غرض سے لشکر گاہ میں چھوڑا۔ اور چوتھے حصہ کو مسلح و مرتب کر کے علی الصبح اس مورچہ کی طرف آیا جہاں گذشتہ معرکوں میں ٹھہرا تھا۔ جعفر خیاط جنید نامی افسروں کے ساتھ اس پہاڑی کی طرف بڑھا جس کے دامن میں آذین سپہ سالار بابک نے صف آرائی کی تھی۔ آذین نے جعفر کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تیر چلانے شروع کئے۔ اور صبح سے جعفر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ دوسری طرف سے ان تیر اندازوں نے بھی آذین پر تیروں کی بارش کر دی جو نصف شب سے پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے تھے۔ آذین اس دو طرفہ مار سے بے حواس ہو گیا وہاں سے وادی کی طرف بھاگا تو دوسرے کمین گاہ والوں نے بھی اپنے خارا اشکاف تیروں سے اس کا خوب استقبال کیا بابک نے عنوان جنگ بجوتے دیکھا تو افشین سے درخواست کی کہ مجھے جنگ سے صرف اتنی مہلت دو کہ میں اپنے اہل و عیال کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر سکوں بعد ازاں قلعہ بذکی کنجیاں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ افشین نے ہنوز نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ عساکر اسلام نے قلعہ بذکی پر قبضہ کر لیا ہے اور خدا کے فضل سے اس کے بلند میناروں پر خلیفۃ المسلمین کا جھنڈا نصب ہو گیا ہے۔ افشین سجدہ شکر جلا کر

قلعہ بذ میں داخل ہوا۔ اور بہت سامانِ غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

بابک نے اپنے اہل و عیال کو دوسرے مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ بھاگتے وقت جس قدر ممکن تھا، مال و اسباب لے گیا۔ افسین نے ملوک آرمینیا کو بابک کے فرار کا حال لکھ کر اس کی گرفتاری کی تاکید کی۔ اور اس کے آدمیوں نے خبر دی کہ بابک اس وادی میں ہے جس کا ایک کنارہ آذر بایجان سے ملحق ہے اور دوسرا آرمینیا تک پھیلا ہوا ہے۔ افسین نے اسی وقت چند آدمی اس کی گرفتاری پر متعین کئے۔ مگر گنجان درختوں اور پہاڑیوں نے بابک کو ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا۔ اس اثناء میں خلیفہ معتمد نے بابک کو امان دینے کا حکم بھیج دیا۔ افسین نے اس فرمان کو بابک کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جو اس کے امن کا خواستگار تھا۔ حوالہ کر کے بابک کے پاس بھیجا۔ بابک جائے اس کے کہ پروانہ امان دیکھ کر خوش ہوتا لانا جو ش غضب میں آکر افسین کے دو سپاہیوں کو قتل کر ڈالا اور اس وادی سے اپنے بھائیوں اور معادیہ اور اپنی ماں کو ساتھ لے کر بہ عزم آرمینیا نکل کھڑا ہوا۔ اتفاق سے ان محافظین میں سے اس پر کسی کی نظر پڑ گئی جنہیں اس کی گرفتاری کے لئے متعین کئے گئے تھے۔ محافظ نے اپنے سردار ابوالمغاح سے جا کے کہہ دیا کہ بابک بھاگا جا رہا ہے۔ اس نے ایک چشمہ میں جا کے اسے گھیر لیا۔ بابک خود تو سوار ہو کر بھاگ گیا۔ مگر اس کی ماں اور اس کا بھائی ان کے پاس بھیج دیئے گئے۔

بابک کی گرفتاری اور ہلاکت :-

اب بابک جبال آرمینیا میں جا کر روپوش ہوا۔ جاسوس اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ زادراہ ختم ہو چکا تھا۔ ساتھیوں میں سے ایک شخص کو کچھ زر نقد دیکر کھانا لانے کو بھیجا۔ اتفاق سے کسی پولیس افسر کی اس پر نظر پڑی۔ چال ڈھال سے تاز گیا۔ سہل بن سباط پولیس کا افسر اعلیٰ اس شخص کو لئے ہوئے بابک کے پاس آیا۔ بابک کا چہرہ پولیس کو دیکھتے ہی فق ہو گیا۔ سہل بن سباط بابک کو بہ تملق و چالوسی دم پٹی دیکر اپنے قلعہ میں لایا اور چپکے سے افسین کو اس کی اطلاع کر دی۔ افسین نے دو فوجی افسروں کو بابک کی گرفتاری پر مامور کیا۔ جب یہ پہنچ گئے تو ان سباط نے ان لوگوں کو ایک جانب چھپا دیا اور بابک کو شکار کھیلنے کے حیلے سے میدان کی طرف لے چلا۔ ان افسروں نے موقع پا کر حالت غفلت میں بابک کو گرفتار کر لیا اور افسین کے پاس لائے۔ افسین نے اس حسن خدمت کے صلہ میں ان سباط کو ایک لاکھ درہم اور ایک خلعت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد افسین کی طلبی پر عیسیٰ بن یوسف بن اسطقانوس والی بلقان نے عبداللہ برادر بابک کو جو ایک مدت سے اس کے پاس پناہ گزین تھا، افسین کے پاس بھیج دیا۔ افسین نے دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ قید کر دیا۔ بابک کی گرفتاری کی ایک اطلاع بارگاہِ خلافت میں بھیج دی۔ خلیفہ نے ماہ

شوال 222ھ میں افشین کے نام حکم بھیجا کہ اپنے دونوں قیدیوں کو لیکر سامرہ آؤ۔ مرزند سے سامرہ تک ہر منزل پر خلیفہ معتمم کے حکم سے افشین کا انتہائی عزت و احترام سے استقبال کیا جاتا تھا اور خلیفہ کا خاص قاصد خلعت فاخرہ اور ایک راس عربی گھوڑا لئے ہوئے افشین سے ملتا تھا۔ جب کے قریب پہنچا خلیفہ معتمم کا بیٹا واثق باللہ اراکین سلطنت کو لئے ہوئے بغرض استقبال سامرہ سے باہر آئے۔ خلیفہ معتمم محل میں آیا اور بابک کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا رہا۔ دوسرے دن خلیفہ معتمم دربار عام میں رونق افروز ہوا لوگوں کو حسب مراتب دربار عام میں بٹھایا اور بابک کو بائیں پر سولہ کر کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کسی شخص نے بابک سے کہا کہ تم اپنی زندگی کے ایسے بد کرداروں کے مرتکب ہوئے جو تم سے پہلے شاید کسی انسان سے سرزد نہ ہوئی ہوں، اب ان کا خیمہ بھٹکنے کا وقت آگیا ہے لیکن اب تجھے مبر سے کام لینا چاہئے۔ ”بابک نے کہا تو عنقریب میرے ثبات و استعلا کو دیکھے گا۔“ خلیفہ نے اس کا ایک ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا اس حکم کی تعمیل ہوئی لیکن بابک نے جھٹ خون سے اپنا چہرہ رنگ لیا کسی نے پوچھا کہ خون لگانے کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگا ایسا نہ ہو کہ خون نکلنے سے چہرہ پیلا پڑ جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگیں کہ بابک اس سے ڈر گیا اس کے بعد اس کے دوسرے اعضاء قطع کئے گئے۔ اسی اثنا میں اس کی طرف سے اضطراب و بے چینی کی علامت بھی ظاہر نہ ہوئی۔

بابک کے مالی و جانی نقصانات :-

افشین آخری مہم میں بڑا مانہ حصار بابک غلہ اور مصارف سفر و قیام کے علاوہ جس روز میدان جنگ میں جاتا تھا دس ہزار درہم یومیہ صرف میں لاتا تھا۔ اور جس دن اپنے مورچے میں رہتا تھا پانچ ہزار خرچ کرتا تھا۔ بابک کا فتنہ بیس سال تک ممد رہا۔ ان معرکوں میں دو لاکھ ہجین ہزار پانسو اور دوسری روایت کے بموجب ایک لاکھ ہجین ہزار مسلمان جبراً شہادت سے سیراب ہوئے سات ہزار چھ سو مسلمان عورتیں اور چھ اس کے بچہ ظلم سے چھڑائے گئے۔ ان سب قیدیوں کو بغداد لاکر ایک وسیع احاطہ میں ٹھہرایا گیا ان میں سے جس کسی کا والی وارث آتا اس سے شہادت لی جاتی اور بعد ثبوت ولایت و وراثت اس کے حوالے کر دیا جاتا۔

بلجیہ کی ایک جماعت علامہ ابن جوزی کے زمانہ تک موجود تھی۔ کہتے ہیں کہ اس جماعت میں سال بھر میں خوشی کی ایک رات مقرر ہے۔ اس تقریب میں تمام مرد اور عورتیں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں پھر چراغ گل کر دیئے جاتے ہیں اور مرد اندھیرے میں دوڑ کر جس عورت پر قابو ملے اس کو پکڑ لیتے ہیں اور ان سے ناجائز مطمع حاصل کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فحش ہے اور مباح ہے۔ شاید یہ رات عید غدیر خم کے نام سے موسوم ہے۔

احمد بن کیال بلخی

احمد بن کیال بلخی فارسی اور عربی کا بہت بڑا مصنف گزرا ہے۔ بڑا فصیح و بلیغ اور بلند پایہ مقرر تھا۔ ابتدا میں لوگوں کو اہلیت نبوت کی طرف بلاتا تھا لیکن کچھ مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی امام زمان ہوں۔ جو نہی وہ دعوائے مہدویت کیا ارباب علم و فضل نے جن پر اس کی سحر نگاری، جادو بیانی اور منہ گویٰ کا جادو چل چکا تھا۔ اس کے دعوؤں کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ایک مرتبہ اپنے مزمومہ مقامات مہدویت سے ترقی کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں قائم ہوں اور میان کیا کہ جو شخص عالم آفاق (عالم علوی) اور عالم انفس (یعنی عالم سفلی) کے مناجح بیان کرنے پر قادر ہو اور انفس پر آفاق کی تطبیق کر سکے۔ وہ امام ہے اور قائم وہ شخص ہے جو کل کو اپنی ذات میں ثبات کرے اور ہر ایک کلمی کو اپنے معین جزئی شخص میں بیان کر سکے اور یاد رکھو کہ اس قسم کا مقرر سوائے احمد کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا۔ احمد اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل کہتا تھا اس کا بیان تھا کہ انبیاء و رسل اگرچہ پیشوا ہیں لیکن وہ اہل تقلید کے مقتداء ہیں۔ جو اندھوں سے مماثلت رکھتے ہیں۔ حالانکہ قائم (احمد) اہل بصیرت اور اصحاب دانش کہتا تھا کہ عالم تین ہیں۔ اعلیٰ اوتی، انسانی۔ عالم اعلیٰ میں پانچ مکان ہیں۔ ایک مکان الاماکن جو بالکل خالی ہے نہ اس میں کوئی رہتا ہے اور نہ اس کی کوئی روحانی تدبیر کرتا ہے اور شرع میں عرش سے مراد یہی مکان الاماکن ہے۔ اس سے نیچے مکان نفس اعلیٰ اور اس کے نیچے مکان نفس ناطقہ اور اس کے نیچے مکان نفس حیوانیہ ہے۔ سب کے نیچے نفس انسانی کا مکان ہے۔ نفس انسانی نے چاہا کہ عالم نفس اعلیٰ تک صعود کرے چنانچہ حیوانیت اور ناطقیت کو اس نے قطع کیا لیکن جب نفس انسانی نفس اعلیٰ کے قریب پہنچا تو وہاں تھک کر متحیر اور حسرت زدہ رہ گیا اور اس کے اجزاء متعفن ہو کر مستحیل ہو گئے۔ جس سے وہ عالم سفلی میں گر پڑا۔ پھر اسی حالت عفوئت اور استحالہ میں ایک مدت تک پڑا رہا۔ جس سے اس عالم کی ترائیکب حادث ہوئیں اور آسمان و زمین، مرکبات، معاون، نبات، حیوان اور انسان پیدا ہوا۔

کمالات سے بڑھ چڑھ کر احیائے اموات اور مادر زاد اندھے اور مجذوم و مبرہ ص کو صحیح و سالم کرنے کا معجزہ عطا ہوا۔ یہ ایسے لاعلاج مرض ہیں کہ جن پر آج تک کوئی طبیب قابو نہیں پاسکا۔ حکمائے یونان جناب مسیح علیہ السلام کے آیات و معجزات کے سامنے خائب و خاسر رہ گئے۔ معجزات سگانہ مذکورہ میں سے اعجاز اول کے متعلق التماس ہے کہ مسیح علیہ السلام نے چند مرتبہ

جو مٹی کے پرند بنائے وہ آپ کے عجاظی تصرف سے تھوڑی دور تک اڑے اور گر کر ہلاک ہو گئے۔ ان کو دوسرے پرندوں کی طرح پوری حیات دزیت نہیں بخشی گئی تھی۔ معجزہ ثانی کے متعلق گزارش ہے کہ آپ نے صرف تین چار مرتبہ مردوں کو ان کی قبروں میں سے زندہ برآمد کر دیا تھا۔ وہ ایک ایک دو دو دن یا چند گھنٹوں کے بعد طعمہ اجل ہو کر از سر نو زمرہ اموات میں جا شامل ہوئے تھے۔ غرض خالق کریم نے مسیح علیہ السلام کو تخلیق و آفرینش کی قدرت دیکر اپنی صفت خالقیت میں شریک نہیں کر لیا تھا بلکہ محض جزئی اور عارضی قدرت بخش کر اپنے برگزیدہ رسول کی عظمت و بزرگی کا اظہار مقصود تھا۔ پس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا یہ اعتراض سخت لغو و معطلہ خیز ہے کہ ”اگر خدا تعالیٰ اپنے لڑن اور ارادہ سے اپنی خدائی کی صفتیں مردوں کو دے سکتا ہے تو بلاشبہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک ہمدے کو دیکر پورا خدا بھی بنا سکتا ہے۔“ (ازالہ لوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد ص 125)

نصاری کا زعم باطل کہ مسیح کا احيائے اموات ان کی الوہیت کو مستلزم ہے :-

اسی طرح نصاریٰ کا مسیح علیہ السلام کے احيائے اموات اور دوسرے معجزات سے ان کی خدائی پر استدلال کرنا بھی باطل ہے چنانچہ رب جلیل نے فرمایا ہے :- ان لوگوں نے بلاشبہ کفر اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہیں۔ اے رسول ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر حق تعالیٰ مسیح اور ان کی والدہ اور تمام سكان ارض کو ہلاک و برباد کر دینا چاہے تو کوئی نہیں جو اسے اس ارادہ سے باز رکھ سکے۔ آسمان و زمین میں سب کچھ اللہ ہی کا ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے الوہیت مسیح کے عقیدہ فاسق کا تین دلائل سے رد فرمایا ہے۔ (1) ترجمہ :- حضرت مسیح کے واقعہ گرفتاری اور جن کی طرف اشارہ کر کے ان کا محکوم و منقاد الہی ہونا ظاہر کیا ہے جو سراسر خدائی کے خلاف ہے (2) ترجمہ :- میں رب العزت اپنے غنائے ذاتی کو ظاہر فرما کر اولاد سے استغناء و استبراء کا اظہار فرماتا ہے۔ (3) ترجمہ :- میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے جن لوگوں کے دل میں ان کی الوہیت کا واہمہ پیدا ہوتا تھا اس کو دور فرمایا یعنی یہ کوئی مشکل بات نہیں ہم جن طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ احيائے موتی سے جناب مسیح علیہ السلام کی خدائی پر استدلال کرنے کا اس آیت میں بھی رد فرمایا گیا ہے۔ ترجمہ :- (معبود حقیقی تو وہ ذات واحد ہے جو اپنی مشیت و ارادہ کے موافق تمہیں تمہاری ماؤں کے رحم میں شکل و صورت عطا ہے)

چنانچہ مسیح علیہ السلام چند مردوں کو زندہ کر کے کسی طرح معبود نہیں قرار دیئے جاسکتے

کیونکہ اس سے تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ حق تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی عزت افزائی کیلئے معجزہ کے طور پر انہیں چند مرتبہ یہ قدرت بخش دی اور یہ حقیقت کہ ان کے احياء اموات کو عالمگیر حیثیت حاصل نہ تھی اس بات پر صراحتاً دال ہے کہ وہ اللہ نہ تھے کیونکہ اللہ و معبود حقیقی کی تو یہ شان ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے قطرہ مٹی کو رحم مادر میں نہایت عجیب و غریب طریقہ سے انسان کی شکل میں شکل کر دیتا ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام کو موت و حیات پر پوری قدرت ہوتی تو وہ کم از کم ان اعداء ہی کو موت کے گھاٹ اتارتے یا کم از کم ان کا شردنغ کر سکتے جنہوں نے حسب اعتقاد نصرائی جناب مسیح کو گرفتار کر کے صلیب پر چڑھایا تھا۔

ایک اور مقام پر خدائے حکیم نے اپنے لئے حق و قیوم کے الفاظ سے بھی عیسائی عقیدہ کا بطلان فرمایا ہے یعنی سچا معبود وہی ہو سکتا ہے جو حق و قیوم ہو اور ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام ان صفات سے عاری تھے کیونکہ وہ شکم مادر سے پیدا ہوئے۔ اکل و شرب کے محتاج تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح بول و رماز اور حدیث میں مبتلا تھے اور نصرائی کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ بنی اسرائیل نے انہیں صلیب پر چڑھا کر قتل کیا اور آپ اپنے تئیں ان کے شر سے نہ بچا سکے پس ثابت ہوا کہ وہ حق و قیوم اور معبود برحق نہ تھے۔

فصل 2۔ مرزا غلام احمد سے مطالبہ کہ مسیح ہو تو کوئی مسیحائی دکھاؤ

اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ایک فرضی اور خیالی حمل کے ذریعہ سے عیسیٰ بن مریم بن گئے تھے چنانچہ انہوں نے کتاب ”کشتی نوح“ (ص 46-48) میں اپنے ابن مریم بن جانے کو نہایت مضحکہ خیز پیرایہ میں وضاحت فرمایا ہے۔ غرض جب انہوں نے اپنے عیسیٰ بن مریم بن جانے کا اعلان کیا تو بعض اہل علم حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اگر تم عیسیٰ بن مریم ہو تو وہ اعجازی کمالات بھی دکھاؤ جو جناب عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کی ذات اقدس میں ودیعت تھے۔ مرزا صاحب کے پاس بجز سخن سازی کے رکھائی کیا تھا؟ اس مطالبہ کے جواب میں بساط جرات پر قدم رکھ کر سرے سے معجزہ مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور جھٹ قرآن پاک کے ارشادات پر اپنی لہد نہ تحریف کاری کا روغن کاڑھنے لگے۔ چنانچہ لکھا کہ ”بعض لوگ حوالہ آیت قرآنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح بن مریم انواع و اقسام کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے تھے چنانچہ اسی بنا پر اس عاجز پر اعتراض کیا ہے کہ جس حالت میں ٹیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر آپ بھی کوئی مٹی کا پرندہ بنا کر دکھائیے۔“

(ازالہ اوہام)

سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر

اطلاع دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا پرواز نہیں تو پھروں سے چلتا ہو کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے معنوی بلب یوسفؑ ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ یوحناؑ کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں گلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں مشغول تیرا ہوتی ہے۔ پس اس سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح نے اپنے معنوی دلواکی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھایا ہو چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صنایع ایسی ایسی چیزیں بنالیتے ہیں وہ بولتی بھی ہیں اور ہلتی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں بلکہ جس چیز میں گل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں۔ عمل الترب جس کو زمانہ حال میں مسسریزم کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ذہل کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت مسیح ابن مریمؑ بقدر حکم انہی نبی کی طرح اس عمل الترب میں کمال رکھتے تھے۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمایوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ مسیح اپنی روح کے ذریعہ سے جس کو روح القدس کے فیضان سے برکت بخشی گئی تھی ایسے ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا اور قرآن کی آیات بھی باآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح نے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدائے تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر ایک فرد و ملکہ کی فطرت میں مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے بے رونق اور بے وزن تھے جو مسیح کی ولادت سے بھی پہلے منظر عجائبات تھا۔ جس میں ہر قسم کے ہمارے تمام مہزوم مفلوج مبروض وغیرہ ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہو جاتے تھے لیکن بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خوارق دکھائے اس وقت تو کوئی تالاب بھی موجود نہیں تھا۔

غرض اس لحاظ سے کہ اعجاز نمائی مرزا صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا۔ انہوں نے اس ”بکھیرے اور جنجال“ سے چنے کی یہ آسان ترکیب نکالی کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور آخر کار یہاں تک لکھ مارا کہ ”عیسائیوں نے آپ (یسوع مسیح) کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ آپ نے معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کوڑی وغیرہ کا علاج کیا ہو مگر بد قسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا۔ اسی تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے اور اسی تالاب نے فیصلہ کر دیا کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا تو آپ کا نہیں بلکہ اسی تالاب کا معجزہ ہے۔ آپ کے ہاتھ میں (معاذ اللہ) سوائے مکر اور فریب کے کچھ نہیں تھا لیکن بوالعجبی دیکھو کہ اس کے بعد

مرزا صاحب نے کتاب ”نصرۃ الملتق“ (ص 31) میں معجزات مسیح علیہ السلام کی تصدیق کر کے اور یہ لکھ کر اپنے بیانات کی خود ہی تردید کر دی کہ ”یہود نے مسیح علیہ السلام سے کئی معجزات دیکھے مگر ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا“ (محمدیہ پاکٹ بک 230)

فصل 3- یحییٰ سباطی کی ”اعجاز نمایاں“

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے تو معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کر کے معترضین سے پیچھا چمڑایا لیکن یحییٰ سباطی نے ایسا نہیں کیا تھا اور نہ مرزا صاحب کی طرح اس میں اتنی جرأت تھی کہ مصر میں رہ کر قرآن پاک کے نصوص صریحہ سے صاف انکار کرتا جہاں کے باشندوں مسٹر مارماڈیوک پتھمال کے انگریزی ترجمہ قرآن کا داخلہ مصر یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ عربی ہماری مادری زبان ہے ہمیں کسی ترجمہ قرآن کی ضرورت نہیں۔ ”یہ ملک جہاں معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کیا گیا خراب لہو بندوستان ہے جہاں کے بعض حلقوں میں کبھی سنگریزہ کیا اس سے بھی کیس ادنیٰ دارذل چیز لعل و گمر کی قیمت پائی جاتی ہے۔ یحییٰ بن فارس ایک حاذق طبیب اور فلاسفر تھا اس نے سمندر کے کنارے ایک صومعہ بنا رکھا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تم مسیح موعود ہو تو مسیح علیہ السلام کے سے معجزے بھی دکھاؤ۔“ تو اس نے علیٰ رطم قادیانی بانگِ دہل اس پر آمادگی ظاہر کی اور بر ملا دعویٰ کیا کہ میں حسب فرمائش مردہ زندہ کر سکتا ہوں۔ برص اور جذام کھو سکتا ہوں۔ پانی پر چل سکتا ہوں۔ چنانچہ حذامہ عبدالرحمن بن ابوجرد مشقی معروف بہ جوہری ”کتاب الخوار و کشف الاسرار“ میں لکھتے ہیں کہ اس نے شعبہ بازی کے ذریعہ سے لوگوں کو مردہ زندہ کر کے دکھادیا۔

مردہ قبر سے نکل کر باتیں کرنے لگا :-

چنانچہ ایک مرتبہ یحییٰ ایک شخص کے وارثوں سے جسے مرے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہنے لگا کہ چاہو تو میں تمہاری میت کو زندہ کر دے سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اگر ایسا کر دو تو آپ کی نوازش ہوگی اس نے کہا کفن کا ایک ٹکڑا کاٹ لاؤ وہ قبر کھول کر ایک ٹکڑا قطع کر لائے۔ یحییٰ نے اس کو وزن کیا پھر اس کا ہم وزن ناریل بید ستر لیا۔ سو خراذک اشیاء کو باریک کر کے ایک فٹیلہ بنایا اور قبر پر جا کر اہل میت کے سامنے اس کو سلگایا اور کچھ پڑھنا شروع کیا جب بتوں سے دھواں اٹھ کر چاروں طرف پھیلنے لگا۔ تو اہل میت کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا مردہ کفن پھاڑ کر قبر میں اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اب انہوں نے اس سے چند باتیں دریافت کیں جس کا اس نے صاف لفظوں میں جواب دیا۔ اس واقعہ کے بعد ہر جگہ یحییٰ کے مسیحا کے

چرچے ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ہر طرف سے اپنی اپنی بیویوں کو اٹھالے جانے کے لئے صومعہ کا رخ کیا اور آکر پھیل کرنے لگے کہ ہمارے مردہ کو بھی زندہ کر کے ہم سے مکالمہ کر دو۔“ مگر ایک مرتبہ کی کرشمہ سازی کے بعد اس نے دوبارہ ”احیائے میت سے انکار کر دیا۔“ لیکن یاد رہے کہ مردہ کا قبر سے اٹھ کر باتیں کرنا محض تخیل تھا کہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کی نظیر ساحرین فرعون کی رسیاں اور لائیاں ہیں حاضرین کو دوڑاتی دکھائی دی تھیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیہ میں اس کا ذکر ہے ترجمہ :- (ان کی نظر مہدی کے سبب ساحروں کی رسیاں کی رسیاں اور لائیاں موسیٰ (علیہ السلام) کو ایسی معلوم ہونے لگیں کہ گویا چلتی اور دوڑتی تیں)۔

میر و ص کو شفیلاب کرنے کا راز :-

یہی مہر ص کے مریض کو شفا بخشنے کا جو ”مجموعہ حکام میں لانا تھا۔ اس کی نوعیت کہ وہ پودینہ بڑھیل ورتی اور عجم کرفس کو ہوزن لے کر باریک کرتا تھا اور سفوف کو ترگوہر میں رکھ کر اتنے دن تک زمین میں گاڑ دیتا تھا کہ اس میں سفید کیزے پیدا ہو جاتے تھے۔ ان کیزوں کو کسی شیشی میں ڈال کر روغن مایا لیتا تھا۔ اس روغن کی طیاری کے بعد اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ شہر کے کسی سربراہ کو روہ آدمی کو مصنوعی طور پر برص میں مبتلا کر دے اس غرض سے وہ اپنے ایک رازدار ملازم کو حمام میں بھیج دیتا وہ بے خبری میں کسی رئیس کے جسم پر یہ روغن ڈرا سا لگا دیتا۔ رئیس جسم پر اسی دن برص کے سے داغ ظاہر ہو جاتے شہر میں یچی ہی مرجع خلافت طیب تھا جب مریض اس کی طرف رجوع کرتے۔ شیطرج ہندی نام ایک دوا جسے چیتا بھی کہتے ہیں باریک پیس کر اور تیز سرکہ میں حل کر کے ان داغوں پر لگا دیتا۔ چونکہ بالکل تازہ اور محض عارضی حیثیت رکھتے تھے شیطرج کے لگانے سے تھوڑی ہی دیر میں دور ہو جاتے۔

کوڑھیوں کو شفا بخشنے کی حیلہ گری :-

یچی نے جذامیوں کو شفیلاب کرنے کا یہ حیلہ بنا رکھا تھا کہ باوردج (جنگلی تمباکو) بیلا ڈونا (کھما بھمی) اور برگ عظیم (?) کو ہم وزن لے کر پانی میں جوش دیتا۔ جب ریح پانی جل جاتا تو اپنے چند رازدار آدمیوں کو اس سے وضو کرادیتا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں جذامیوں کے اعضاء کی طرح بد نما اور ماؤف سے نظر آنے لگتے۔ اب وہ دیار و امصار میں اپنے جذام کی خوب تشہیر کرتے۔ جب ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ یہ اہل بلا ہیں تو ایک دن بھرے مجمع میں یچی کے پاس آکر درخواست کرتے کہ آپ مسیح زمان ہیں۔ ہمارا جذام دور کر دیجئے۔ ”یچی

پانی گرم کر اگر اس میں جو زیاں ڈالتا اور ان کو اس پانی سے غسل کرنے کا حکم دیتا۔ چونکہ وہ جذام
تھخص نمائشی ہوتا تھا غسل سے دوا دھل کر ہاتھ پاؤں اور چہرہ صاف اور چمک دار نکل آتا۔ لوگ
یہ سمجھتے تھے کہ حضرت ”مسح موعود“ کی برکت و توجہ سے کوڑھی صحیح و سالم ہو گئے۔“

پانی پر چلنے کا ”معجزہ“ :-

حضرت مسح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانی پر چلنے کا معجزہ بھی عطا کیا گیا تھا۔ یہی پانی پر چلنے کا
معجزہ اس طرح دکھاتا تھا کہ اپنے کف ہائے پاؤں پر ایک مصالحہ لگا کر سمندر کے کنارے پانی میں
اترتا۔ بڑی بڑی مچھلیاں اس بو سے آکر اس کے پاؤں چاٹنا چاہتیں یہ اپنے دونوں پاؤں کبھی بڑی
مچھلی کی پیٹھ پر رکھ دیتا۔ اب مچھلی جہاں جہاں پانی میں جاتی وہ اس پر سوار رہ کر ساحل بحر کا چکر
لگاتا۔ قدم اٹھتے دکھائی نہ دیتے تھے۔ باہر کے لوگ یہی سمجھتے کہ اعجازی طاقت سے سطح آب پر
چل رہا ہے۔ اس دوا کے تین اجزاء میان کئے جاتے ہیں۔ بلوروج (جنگلی تلسی) سرکین آدمی اور
حب العنا؟ تینوں ہم وزن لے کر باریک کر تا اور روغن چنبیلی میں ملا لیتا

علی بن محمد خارجی

علی بن محمد بن عبد الرحیم بن عبد اللہ کا ایک شخص موضع وردیفین مضافات رے میں پیدا ہوا اور حج کے فرقہ رتو سے تعلق رکھتا تھا لہذا اس کی وجہ معاش یہ تھی کہ خلیفہ مستقر عجمی کے محلہ شہر نشینوں کی مدد و توصیف میں قصائد لکھ کر کچھ انعام حاصل کر لیا کرتا تھا جب ہر لوگ مجسوں میں آمد رفت کرنے سے کچھ رسوخ پیدا ہوا تو اس کے دل میں فرقہ ولری اور مروہ کی کے خیالات موجزن ہوئے۔ 249ھ میں بغداد سے بحرین چلا گیا اور دعوائے نبوت کر کے لوگوں کو اپنے اہلے کی دعوت دینے لگا۔ اس کا بیان تھا کہ مجھ پر بھی کلام الہی نازل ہوتا ہے۔ اس نے اپنا ایک "صحیفہ آملی" بنا رکھا تھا۔ جس کی بعض سورتوں کے نام سبحان کف اور ص تھے کہتا تھا کہ خدائے برتر نے میری نبوت و امامت کی بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں بعض حضرات نے علی بن محمد خارجی کی جگہ یہود زنگی کو مدعی نبوت قرار دیا ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں زنگیوں کا گمراہ کرنے والا یہی علی بن محمد مدعی نبوت تھا اور یہود زنگی اس کا امیر المذبح تھا۔ بحرین کے اکثر قبائل نے علی بن محمد خارجی کی مطاعت اختیار کر لی۔ وہاں اس نے ایک بڑی جمیعت بنیم پشپانی اور بحرین کے بعض عمائد اس کی فوج کے افسر مقرر ہوئے۔ قریبا پانچ سال تک بحرین میں امامت گزیر رہنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے پیروؤں سے کہنے لگا کہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے ہر وہ جاؤں اور وہاں کے لوگوں کو نجات اخروی کا راستہ دکھاؤں۔ چنانچہ 255ھ میں چند پیروؤں کی رفاقت میں ہرہ چلا گیا۔ ہرہ میں ہر صبیحہ کے بل فروکش ہوا۔ من دون محمد بن رجا ہرہ کا عامل تھا اور بلالیہ و سحیہ کے قبائل میں آتش فساد پھیل گیا۔ علی بن محمد خارجی نے فریقین میں سے ایک کے ملانے کی کوشش کی راز افشاء ہو گیا محمد رجا عامل ہرہ نے چند سپاہیوں کو اس کی گرفتاری پر متعین کیا۔ علی خارجی یہ خبر پا کر بھاگ کر ہوا اس کا پیمانہ بڑی اور چند ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ علی بہ ہزار خرابی بغداد پہنچا۔ ایک برس تک مقیم رہ کر پروپیگنڈا میں معروف رہا اس کے بعد رؤساء بلالیہ و سحیہ نے متفق ہو کر محمد بن رجا عامل ہرہ کو نکال دیا۔ اور ہرہ کے قید خانہ کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ رفتہ رفتہ واقعات کی خبر بغداد میں علی خارجی تک پہنچی۔ اس نے میدان خالی پا کر رمضان 255ھ میں ہرہ کی طرف مراجعت کی۔

جہشی غلاموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے کی عجیب و غریب چال :-

بصرہ پہنچ کر علی بن محمد نے قصر قرشی میں قیام کیا اور آتے ہی اعلان کر دیا کہ جو غلام میری پناہ میں آجائیں گے میں ان کو آزاد کر دوں گا۔ ”اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہشی اطراف و اکناف ملک سے بھاگ بھاگ کر اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ ایک جم غفیر جمع ہو گیا اس نے ایک پر جوش تقریر کر کے ان کو ملک و مال دینے کا وعدہ کیا حسن سلوک اور احسان کرنے کی قسم کھائی ایک ریشمین نکلے پر آخر آیتہ تک لکھ کر راہت بنایا اور ایک بلند مقام پر نصب کر دیا زنگی کے آقاؤں کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے علی کے پاس اپنے غلاموں کی نسبت کہنے سننے کو آئے علی نے اثر لینے سے انکار کر دیا۔ زنگی غلاموں نے اپنے آقاؤں کو مارنا اور قید کرنا شروع کیا۔ شرفاء بصرہ یہ رنگ دیکھ کر دم بخور رہ گئے آخر علی نے ان لوگوں کو جنہیں جہشی غلاموں نے قید کر رکھا تھا رہا کر دیا مغرض علی خارجی کا راہت اقبال کامیابی کی ہو اس میں لہرانے لگا ملک ہر چار طرف سے زنگی غلام جوق جوق اس کے جھنڈے تلے آکر اپنے کو غلامی سے آزاد کراتے جا رہے تھے۔ یہ شخص ہر وقت ان کو اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے ابھارتا اور ملک و مال پر قبضہ کرنے کی تحریص کر رہا تھا۔ جب جہشی غلاموں کی ایک بڑی جمعیت اس کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گئی تو ترکناز کرتے ہوئے سواد، دجلہ، ایلہ اور قادسیہ کو تاخت و تاراج کیا۔ جہاں کہیں حکام نے مقابلہ کیا ہزیمت اٹھائی۔ ان واقعات سے اس کی قوت اور بھی بڑھ گئی۔ اہل بصرہ آئندہ خطرات کا لحاظ کر کے چار دفعہ علی کے مقابلہ پر آئے مگر ہر مرتبہ ہزیمت اٹھائی۔ زنگیوں نے ہر دفعہ ان کے سامان جنگ اور آلات حرب چھینے۔ ان فتوحات سے زنگی غلاموں کی جرأت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طوفان بلا کے فرو کرنے کو دربار خلافت سے یکے بعد دیگرے سب سالار بھیجے گئے مگر دونوں ہزیمت کھا کے اور مال و اسباب چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ زنگی مال و دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اہل بصرہ نے پانچویں مرتبہ پھر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور ان کے ہزار ہا آدمی کام آئے۔ اہل بصرہ نے ان واقعات سے خلیفہ کو مطلع کیا۔ دربار خلافت نے ایک ترک افسر جحلان نام ایک فوج گراں کے ساتھ اہل بصرہ کی کمک کو گیا۔ چھ مہینہ تک جنگ و پیکار برپا رہی۔ آخر جحلان جنگ سے دست بردار ہو کر بصرہ چلا آیا۔ زنگیوں نے کامیابی کے ساتھ اس کے لشکر گاہ کو لوٹا۔

علی خارجی کے فتوحات :-

علی خارجی نے 252ھ میں بزور تیغ ایلہ میں گھس کر وہاں کے گورنر عبید اللہ بن حمید اور اس

کی مختصر سی فوج کو = تیغ کیا اور شہر کو آگ لگا دی۔ ایلہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اب اہواز تک سدا علاقہ علی کے زیر اقتدار میں آ گیا۔ زنگیوں نے اہواز کو خاطر خواہ لوٹا اور ابراہیم بن مدر وہاں سے عامل کو گرفتار کر لیا۔ اہل بصرہ زنگیوں کے خوف سے شہر خالی کر کے اطراف و جوانب بلاد میں بھاگ گئے۔ 257ھ میں خلیفہ معتمد نے سعید بن صالح ایک مشہور سپہ سالار کو زنگیوں کی گوشلی پر متعین کیا۔ سعید نے میدان جنگ میں پہنچ کر زنگیوں پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں انہیں میدان جنگ سے بھگا دیا۔ وہ دوبارہ اپنی قوت کو مجتمع کر کے لڑنے کو بڑھے۔ سعید کو اس سہرا میں ہکامی ہوئی اور اس کے اکثر ساتھی کام آگئے۔ سعید خائب و خاسر دار الخلافہ سامرا (متصل بغداد) واپس چلا آیا۔

اب خلیفہ معتمد نے جعفر بن منصور خیاط کو جو بڑے بڑے معرکوں میں نام پا چکا تھا متعین فرمایا۔ جعفر نے پہلے کشتیوں کی آمدورفت روک دی۔ جس سے زنگیوں کی رسد بند ہو گئی۔ اس کے بعد زنگیوں سے جنگ کرنے کو روانہ ہوا مگر شکست کھا کر بحرین چلا آیا۔ جس وقت سے جعفر دریائے زنگیوں سے شکست کھا کر واپس آیا تھا ان کے مقابلہ پر جانے سے جی چراتا اور کشتیوں کی اصلاح، خندقوں کی کھدائی اور مورچہ بندی پر اکتفا کرتا رہا تھا۔ اس اثنا میں علی بن ربیع نے جو زنگیوں کا ایک سپہ سالار تھا اس پر محاصرہ ڈالنے کی غرض سے بصرہ پر چڑھائی کر دی۔ آخر نصف شوال 257ھ میں بصرہ کو دور تیغ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو نہایت سفاکی سے قتل و غارت کر کے واپس آیا۔ اس پر بھی اس کے بے رحم دل کو تسکین نہ ہوئی۔ دوبارہ سربادہ قتل و غارت کرتا چلا گیا۔ یہ طے ہوا کہ بصرہ نے لاقطعاً علی بن ربیع نے لہان دیکھ لوگوں کو دلر الامارات میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام لوگ جمع ہوئے تو سب کو جرمہ شہادت پلا دیا اور مسجد جامع اور دیگر عمارتیں برباد کر دی۔

جب بصرہ کی چھ دیواریں کی خیمیں بھگو (سارہ) پہنچیں تو خلیفہ معتمد نے ایک سپہ سالار محمد سرہندی کو ایک لشکر جمع کر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ مولد رخصت ہو کر بصرہ آیا۔ لوگوں نے رو رو کر زنگیوں کے گھروں کی شکایت کی۔ مولد نے ان کو اور اپنے لشکر کو مرتب کر کے زنگیوں پر دھاوا کیا۔ علی خدیج نے اپنے جتنی لشکر بھیجی بن محمد کو مولد کے حصار پر بھجوا دیا۔ روز تک لڑائی ہوئی رہی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ علی خدیج نے ایویٹ اصفہانی کو یحییٰ بن محمد کی کمک پر بھجوا دیا۔ رات بھر لڑائی پھر صبح سے شام تک لڑائی ہوئی رہی۔ مغرب کے وقت مولد نے شکست کھائی۔ زنگیوں نے اس کے لشکر کا کھوکھوٹ لیا۔ زنگیوں نے جامدہ تک منہزم لشکر کا تعاقب کیا۔

شاہزادہ ابوالعباس کی روانگی اور اسلامی قشوں قاہرہ کے فتوحات :-

اس کے بعد مسلسل نو سال تک دارالخلافہ سے سپہ سالار فوجیں دیکر بھجے جاتے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی زنگیوں کی تاب مقاومت نہ لاسکا۔ سب کے سب تمام مال و اسباب اعداء کی نذر کر کے بھاگ آتے رہے۔ آخر خلیفہ نے زنگیوں کی سالہا سال کی کامیابی اور عساکر سلطانی کی ہزیمتوں سے طول ہو کر اپنے بچے ابوالعباس معتمد بن موفق کو زنگیوں کی مہم پر روانہ کیا۔ ابوالعباس وہ شخص ہے جو آئندہ چل کر خلیفہ معتمد کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہو اور معتقد باللہ کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ ابوالعباس ربیع الثانی 266ھ کو دس ہزار فوج پیادہ و سوار کی جمعیت سے زنگیوں کی طرف روانہ ہوا۔ علی خدیجی نے اس مہم کیلئے بے شمار فوجیں فراہم کی تھیں اس نے سن رکھا تھا کہ ابوالعباس ایک نوجوان شاہزادہ ہے جسے معرکہ آرائی میں مطلق دخل نہیں ہے۔ اس سے اس نے یہ خیال قائم کر رکھا تھا کہ لول تو ابوالعباس ہماری کثرت فوج سے خائف ہو کر بدمس مقابلہ نہ آئے گا اور اگر مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کی تو پہلے ہی حملہ میں اس کے دانت ایسے کھٹے کر دیئے جائیں گے کہ کبھی لڑائی کا نام نہ لے گا۔ ابوالعباس نے ایک قصبہ میں جس کا نام صلح تھا پہنچ کر فریق مقابل کی خبریں لانے کیلئے جاسوس دوڑائے۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ زنگیوں کا لشکر بھی کن پینچا ہے چنانچہ ان کے لشکر کا پہلا حصہ قصبہ صلح کے اس کنارے پر ہے اور آخری حصہ لشکر نشیبی واسط تک پھیلا ہوا ہے۔ ابوالعباس متعارف راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ سے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔ اٹارہ میں غنیم کے مقدمہ الجیش سے ٹڈ بھیز ہو گئی۔ ابوالعباس نے پہلے تو اپنے پر زور حملہ سے زنگیوں کو پیچھے ہٹا دیا مگر پھر مصلحاً خود پیچھے کو ہٹا۔ زنگی اس کی پسپائی سے قوی دل ہو کر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ ابوالعباس نے اس سے پیشتر دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا بھی روانہ کیا تھا جس کی قیادت ابو حمزہ نصیر کے سپرد تھی چنانچہ نصیر بھی ابوالعباس کے حسب ہدایت اپنی فوجوں کو ایک طرف لئے پڑا تھا۔ جب زنگی بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تو ابوالعباس نے لٹکار کر کہا ”نصیر! کیا دیکھتے ہو؟ یہ کتے اب آگے نہ بڑھنے پائیں۔“ نصیر یہ آواز سن کر ایک دوسری جانب سے جس طرف کہ زنگیوں کو کوئی وہم و گمان نہ تھا اپنا ٹڈی دل لئے ہوئے نکل پڑا۔ زنگی حواس باختہ ہو گئے کچھ سو جھائی نہ دیا کہ کیا کریں۔ عالم سرا سینگسی میں دریا کی طرف بھاگے۔ ابوالعباس نے رومال یا جھنڈی کے اشارہ سے جنگی کشتیوں کی فوج کو بھی معاً حملے کا حکم دیا۔ غرض حبشی چاروں طرف سے حملہ کی زد میں آگئے۔ آخر گھبرا کر جدھر راستہ پایا، بھاگ کھڑے ہوئے۔ عساکر خلافت نے چھ کوس تک تعاقب کیا اور جو کچھ غنیم کے لشکر گاہ میں تھا لوٹ لیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو شاہی فوج کو سالہا سال کی متواتر اور

مسئل ہزیموں کے بعد زنگیوں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔

ابو العباس نے واسط سے ایک کوس بہت کر پڑو کیا۔ اب دونوں فریق از سر نو اپنی اپنی فوج کی اصلاح اور ضروریات یا حرب کی ترتیت میں مصروف ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد زنگیوں کا ایک سپہ سالار سلیمان بن جاح اپنے لشکر کو تین حصوں پر منقسم کر کے تین طرف سے حملہ کرنے کی غرض سے ابو العباس کی طرف مدعا اور چند دستہ فوج کو کشتیوں پر سوار ہو کر براہ دریا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابو العباس اور نصیر نے اپنی بہت دینیٰ حملہ کی روک تھام پر مہذول کی اور اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو خشکی پر دست بہ بست کرنے کا ارشاد کیا۔ ہنگامہ کار زلم گرم ہوا۔ دو پہر جنگ آتش حرب شہ زور رہی۔ عمر کے قریب زنگی بہت بد بیٹھے اور نہایت افزائری اور بے تربیتی کے ساتھ خوف چاہ بھانٹے گئے۔ عمر کے بعد زنگیوں کے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی۔ ابو العباس لشکر ختم کو موت کے گھاٹ اتارنے اور قید کرنے میں مشغول ہوا اور زنگیوں کی جنگی کشتید گرفتار کرنی تھیں۔ ہزاروں زنگی موت کے گھاٹ اترے۔ ابو العباس مظفر و منصور اپنے لشکر گاہ پر واپس آیا۔

زنگیوں نے لشکر خلافت کے راستہ میں گڑھے کھود دیئے :-

زنگیوں نے اپنی ہزیمت و فرار کے بعد خلیفہ المسلمین کے لشکر کی ایذا رسانی کیلئے یہ شیطنیت کی کہ آئندہ جس طرف سے لشکر خلافت کا گزر ہونے والا تھا۔ اس راستے بڑے بڑے کنویں اور گڑھے کھود کر انہیں گھاس پھوس اور مٹی سے پاٹ دیا۔ ابو العباس کی فوج اپنی فتح کے نشہ میں سرشار دشمن کی چالوں سے غافل تھی۔ بوقت مراجعت اسی راستہ سے ہو کر گزری۔ مگر غنیمت ہے کہ ابھی دو چار ہی سوار ان گڑھوں میں گرے تھے کہ متنبہ ہو گئی۔ شاہی لشکر نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لی۔ ابو العباس کو زنگیوں کی اس کمینہ کی حرکت پر سخت طیش آیا اور نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام لینے لگا۔ پہلی فتح کے بعد عساکر خلافت کیلئے فتوحات کا دروازہ کھلا۔ تو اس کے بعد زنگیوں کو بہت سی اور ہزیمتیں ہوئیں جن کی تفصیل کو خوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔ جب علی خارجی کو اپنی ناکامیوں کا علم ہوا تو اپنے دونوں سپہ سالاروں علی بن لبان اور سلیمان بن جامع کو متفرق و منتشر ہو کر لڑنے پر ملامت کی اور دونوں کو جموعی قوت سے ابو العباس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ابو العباس تہما زنگیوں کے مقابلہ پر لڑ رہا تھا۔ اور اس نے نصرت الہی کے بل پر باوجود نو عمری اور ناتجربہ کاری کے نہایت نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ جب خلیفہ کے بھائی موفق کو عساکر خلافت کے فتوحات کا حال معلوم ہوا تو سجدہ شکر بجالایا اور جب یہ سنا کہ علی ابن لبان اور سلیمان کجا ہو کر اس کے چنے

ابو العباس پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں تو خلیفہ کے استصواب رائے سے بہ نفس نفیس 267ھ میں ایک بھاری فوج کے ساتھ بغداد سے کوچ کر دیا۔ جب واسط پہنچا تو اپنے ہونہار فرزند ابو العباس سے ملا۔ موفق نے ابو العباس کے فوجی افسروں کو خلعت گراں بہا اور فوج کو انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ابو العباس باپ سے رخصت ہو کر اپنے لشکر گاہ میں واپس آیا۔ دوسرے دن موفق نے نہر شداد پر جا کر قیام کیا۔ تیسرے روز ابو العباس نے محاصرہ کے قصد سے بیعت کی طرف کوچ کیا۔ موفق بھی دریا کی راہ سے بیعت کی طرف بڑھا اور 8 ربیع الثانی 267ھ کو دونوں باپ بیٹے نے دو طرف سے بیعت پر دھوا کیا۔ زنجیوں کو موفق کی خبر نہ تھی۔ دریا کی طرف سے حالت غفلت میں جہر مٹ باندھ کر ابو العباس کے مقابلہ پر جمع ہوئے۔ آتش جنگ شعلہ زن ہوئی۔ اس اثنا میں موفق نے دریا کی طرف سے حملہ کر دیا۔ زنگی فوجیں اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو کر جوں ہی حفاظت شہر کی طرف مائل ہوئیں ابو العباس کے سپاہی بھی انہی کے ساتھ شہر میں کھس پڑے۔ زنجیوں کا خوب قتل عام ہوا۔ ہزاروں زنگی قید ہوئے۔ موفق اس فتح کے بعد اپنے خیمے میں واپس آیا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلم خواتین زنجیوں کے پنجہ ظلم سے رہا کی گئیں۔ بے حساب رسد و غلہ ہاتھ آیا۔ زنجیوں کا پہلا سالار شعرانی اپنی جی بگھی بزیت خوردہ فوج کو لیکر جنگل میں جا چھا۔

منصورہ پر عساکر خلافت کا قبضہ :-

اس اثنا میں جاسوسوں نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر گوش گزار کیا کہ سلیمان ابن جامع اس وقت حیوانیت میں مقیم ہے۔ موفق یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ فوج کو فوراً تیاری کا حکم دیا۔ اپنے ہونہار فرزند ابو العباس کو دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کو لیکر بڑھنے کا اشارہ کیا اور خود خشکی کی راہ سے کوچ کر کے بیعت پہنچا۔ زنجیوں سے ٹڈ بھیز ہو گئی۔ شام تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ رات کے وقت ایک زنگی افسر نے ابو العباس کے پاس آکر لمان کی درخواست کی۔ ابو العباس نے لمان دیکر سلیمان ابن جامع کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ لمان جامع اس وقت اپنے شہر منصورہ میں مقیم ہے۔ لمان جامع نے طہہا کو منصورہ کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ ابو العباس یہ سن کر اپنے باپ موفق کی خدمت میں واپس آیا اور اسے ان واقعات سے مطلع کیا۔ موفق نے فوراً منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم صادر کیا اور خود بھی اس کے بعد ہی کوچ کر دیا۔ طہہا (منصورہ) کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر مورچہ بندی کی۔ دوسرے دن زنجیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مغرب کا وقت آ گیا۔ موفق اپنے کیمپ کو واپس آیا اور زنجیوں کا لشکر منصورہ واپس گیا۔

موفق نے آخر شب میں میدان ہو کر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور جنگی کشتیوں کو دریا سے منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس اثنا میں سپیدہ صبح نمودار ہوا۔ موفق نماز صبح باجماعت ادا کر کے دیر تک مالک الملک جل سلاطنت کی جناب میں حضور قلب سے دعا کرتا رہا۔ جوں ہی افق پر سرخی نمایاں ہوئی دھوا کا حکم دے دیا۔ عساکر خلافت کا ایک دستہ شیر غراں کی طرح ڈکارتا ہوا شہر پہنچا۔ قریب پہنچ گیا۔ ابو العباس اس دستہ کا قائد تھا۔ زنگیوں نے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ دوپہر تک بڑے زور شور سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر زنگیوں کے پیر اکھڑ گئے۔ عساکر خلافت نے تعاقب کیا۔ زنگیوں نے اپنی خندقوں کے پاس پہنچ کر پھر لڑائی شروع کر دی۔ اس اثنا میں جنگی کشتیوں کو دریا کی ریلوے سے شہر کے کنارے پر پہنچ گئیں۔ خلیفہ کی دریائی فوج نے خشکی پر اتر کر شہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں ابو العباس کا دستہ فوج خندق پر لکڑی کا مختصر سا پل بنا کر عبور کر گیا۔ زنگیوں نے گھبرا کر شہر میں داخل ہونے کا قصد کیا مگر ناکام رہے کیونکہ ایک حصہ پر اس سے قبل خلیفہ کی فوج قابض ہو چکی تھی اور لٹھ لٹھ بقیہ حصہ شہر بھی سپاہ خلیفہ کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ غرض زنگی بری طرح منزوم ہوئے ہزاروں قتل اور ہزار ہا قید کئے گئے۔ ابن جامع بقیہ السیف کو لیکر بھاگ گیا۔ فاتح فوج نے دشمن کا تعاقب کیا مگر ابن جامع نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ موفق نے کامیابی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ دس ہزار مسلمان عورتوں اور بچوں کو جن میں زیادہ تر سادات کے زن و فرزند تھے خار جیوں کی غلامی سے نجات دلائی گئی۔ سلیمان بن جامع کے اہل و عیال بھی گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد موفق اور زنگیوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں لشکر خلافت ہمیشہ مظفر و منصور رہا۔ موفق نے نعیم کے اکثر بلاد فتح کر لئے۔ 29 ذی الحجہ 267ھ کو زنگیوں کے مقابلہ میں جو فتح ہوئی اس کے بعد زنگیوں کے بعض منزومین نے امان اور جان بخشی کی درخواست کی۔ جس کو موفق نے بطیب خاطر منظور فرمایا۔ زنگیوں کا نامور سپہ سالار ریحان بن صالح مغربی بھی امان کا طالب ہوا۔

شہر مختارہ کا محاصرہ اور بہبود زنگی کی ہلاکت :-

اب عساکر خلافت نے شہر مختارہ کا محاصرہ کیا۔ موفق اور اس کے فرزند نے مختارہ کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ موفق نے رات کے وقت نقشہ جنگ اور فضیلتوں کی کیفیت کا معائنہ کرنے کیلئے شہر کے ارد گرد چکر لگایا۔ فضیلتیں نہایت مستحکم تھیں۔ چہرے کی طرف چوڑی خندقیں شہر کو اپنے آغوش حفاظت میں لئے ہوئے تھیں۔ موفق نے شہر پہنچنے سے پہلے ہی کو دیکھ کر امید و ہم کی شکست میں مراجعت کی۔ علی الصباح دریا کی راہ سے کشتیوں کے ساتھ ابو العباس کو بڑھنے کا حکم دیا اور خود فوج مرتب کر کے خشکی کی راہ سے مختارہ پر دھوا

کیا۔ ابو العباس نے نہایت چابکدستی سے اپنی جنگی کشتیوں کو شہر پناہ کی دیوار سے ملا دیا۔ قریب تھا کہ خشکی پر اتر پڑتا، زنجیوں نے دیکھ لیا۔ شور و غل مچاتے ہوئے دوڑ پڑے اور منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر ابو العباس کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ ابو العباس کی کشتیوں کے ساتھ زنجیوں کی دو کشتیاں بھی ملاحوں اور سپاہیوں سمیت چلی آئیں۔ ان لوگوں نے امان کی درخواست کی۔ موفق نے نہ صرف انہیں امان دی بلکہ انعام و اکرام سے بھی نوازا اور مرہون منت کیا۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ طالبان امان کی آمد شروع ہو گئی۔ علی خارجی نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً دہانہ دریا چند آدمیوں کو مامور کیا تاکہ اس کی جنگی کشتیاں حریف کے سایہ عافیت میں جا کر طالب امان نہ ہو سکیں۔ اب علی خارجی نے اپنے امیر البحر بہود زنگی کو دریا کی طرف سے حملہ کا حکم دیا۔ ابو العباس مقابلہ پر آیا۔ نہایت خون ریز جنگ کے بعد بہود کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد بہود نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ ایک جنگی کشتی پر تھوڑی سی فوج لئے ہوئے دریا میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو مخالفہ دینے کیلئے اپنی کشتی پر عباسی پھریرا نصب کر رکھا تھا، اسلامی جنگی کشتیوں کا بیڑا یہ خیال کر کے کہ یہ بھی کوئی اسلامی کشتی ہے معترض نہ ہو تاہم یہ موقع پا کر ان پر ہاتھ صاف کر جاتا تھا۔ ایک بار ابو العباس کے کان میں بہود کے کرتوت کی بھٹک پڑ گئی اور ابو العباس کے ہاتھ بھی لگ گیا مگر کسی طرح جگ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد حسب معمول ایک اسلامی کشتی پر حملہ آور ہوا۔ اہل کشتی نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ جس وقت دونوں کشتیاں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں موفق کے ایک غلام نے لپک کر اس کے پیٹ میں ایسا نیزہ مارا کہ جگر کے پار ہو گیا۔ بہود تڑپ کر دریا میں گر پڑا اور ہمیشہ کیلئے دریا کے جگر میں بسیرا کر لیا۔ موفق نے اہل کشتی اور اس غلام کو انعامات دیئے۔ جس طرح بہود کا مارا جانا موفق کے فتوحات کبریٰ کا پیش خیمہ تھا اسی طرح یہ زنجیوں کے ادبار کا بھی مقدمہ تھا۔ اس شخص کے مارے جانے سے عسکر اسلامی کو بہت بڑی راحت اور عافیت نصیب ہوئی۔

مختارہ کا محاصرہ اور پچاس ہزار زنجیوں کا حلفِ اطاعت :-

15 شعبان 267ھ کو موفق نے پھر اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ پچاس ہزار عباسی فوج کا سیلاب دریا اور خشکی کی طرف مختارہ کی طرف بڑھا۔ اس معرکہ میں زنجیوں کی تعداد تین لاکھ تھی مگر موفق نے باوجود قلت تعداد اس خوبی سے شہر کا محاصرہ کیا کہ حریف کے دانت کھٹے کر دیئے۔ موفق نے منادی کرادی کہ ”جس شخص کو اپنی جان عزیز ہو وہ ہم سے امن کا خواستگار ہو اور جس کو اپنی جان دو بھر ہونے والی مال و اسباب کو لاوارث چوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ کرنا ہو

وہ ہمدی شمشیر بائے خدا شخف کے مقابلہ پر آئے۔ یہ رعایت خاص و عام باشندگان مختارہ اور زنگی فوج کیلئے ہے خو لو سردار ہوں یا سپاہی اس مضمون کے رقعے بھی لکھ لکھ کر اور تیروں سے باندھ کر شہر میں بھٹکوائے چنانچہ اکثر زنگی سپاہیوں اور مختارہ کے باشندوں نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی۔ جنہیں موفق نے امان دینے کے ساتھ خلعت اور انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ان نودشت کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلا جدال و قتال علی خارجی کا جتھا نوبت یہاں اس کے اثر ساتھی اس سے علیحدہ ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آئے۔ مختارہ محصور تھے مگر موفق پھر بھی لوگوں کو اپنے احسان اور حسن سلوک سے گرانبار کر رہا تھا۔ اس حکمت عملی سے باز زنگی آئے دن گرویدہ احسان ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آ رہے تھے چنانچہ رمضان کے اخیر تک پچاس ہزار زنگیوں نے عباسی علم کے سایہ میں آکر حلف اطاعت اٹھایا۔

موفق مختارہ کو حالت محاصرہ میں چھوڑ کر وہاں سے قریب ایک مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں موخیرہ، ایک شہر لہا کرنے کا حکم دیا۔ شہر کا بیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا۔ فوجی چھاؤنی اور جسی کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ تھوڑے دنوں میں فوجیوں، سرداروں اور عوام کے بے شمار مکان تیار ہو گئے۔ جامع مسجد بن گئی اور دارالامارۃ کی تعمیر بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔ تمام ممالک محروسہ میں بلوی کیلئے تیار کے نام گشتی فرمان بھیج دیئے۔ بات کی بات میں ہر قسم کے سامان اور ماحتیاج کی دکانیں کھل گئیں۔ کھانے پینے کی ضرورتیں بھرت مہیا ہونے لگیں۔ موفق ایک مہینہ تک اسی انتظام میں مصروف رہا۔

لشکر اسلام پر حالت نماز میں حملہ کرنے کی سازش :-

شہر میں علی خارجی نے طول محاصرہ اور طوالت قیام بلا قتال سے مضطرب و پریشان ہو کر اپنے پہلے سالار علی بن لبان کو موفق پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کیا اور ہدایت کردی۔ رات کے وقت مدینہ کی میں بغیر روشنی کے دریا عبور کر دو اور نہایت تیزی سے چار پانچ کوس کا پھر کھٹ کر صفاق کے نمودار ہونے پر ایسے وقت میں کہ موفق کی فوج ادائے نماز میں مصروف ہو پس پشت حملہ کر دو اور جو نہی تم حملہ کرو گے میں بھی معاً مقابلہ پر آجاؤں گا۔ علی نے اس رائے کو نظر استحسان سے دیکھ کر تیار کر دی اور اس قرارداد کے بموجب آدمیوں سے پہلے دینہ معرکہ کر حید جاسوسوں نے یہ خبر موفق تک پہنچادی۔ موفق نے اس وقت ابو العباس کو علی بن لبان کے خلاف معرکہ کر لئی پر روانہ کیا۔ ابو العباس نے بیس جنگی جہاز اور پندرہ کشتیاں دریا کی حفاظت پر مامور کیں تاکہ علی بن لبان حالت ہزیمت دریا عبور نہ کر سکے اور خود ایک ہزار سپاہیوں کے ہمراہ تین راتوں کے بعد سے اس راستہ پر جا کر کمین گاہ میں جمع رہا جس طرف سے علی آنے والا تھا

جو نبی علی ابن لبان اس راہ سے گذرا ابو العباس نے حملہ کر دیا۔ زنگی اس اچانک و غیر متوقع حملے سے بے اوسان خطا ہو کر بھاگے۔ عباسی سواروں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں اور زنگیوں کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا۔ زنگی محبوط الحواس ہو کر دریا کی طرف بھاگے۔ بجزی فوج عبور کی راہ میں حائل ہوئی اکثر زنگی کام آئے۔ بہترے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور بے شمار قید کر لئے گئے۔ صبح ہوتے ہوتے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

طلوع آفتاب کے قریب ابو العباس نے میدان جنگ ہی میں نماز صبح ادا کی۔ پھر قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو لئے ہوئے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ موفق نے اسے فرط محبت سے گلے لگا لیا۔ دعائیں دیں۔ لڑائی کے حالات استفسار کئے اور دوپہر کے قریب حکم دیا کہ قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو کشتیوں میں بار کر کے علی خارجی کے محل سرا سامنے دکھلانے کی غرض سے لے جاؤ۔ علی خارجی اور اس کے پیروؤں کو اس واقعہ کی ہنوز کوئی اطلاع نہ تھی۔ تمسخر سے کہنے لگے موفق نے یہ رنگ اچھا جمایا ہے۔ زنگی دلاوروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں ان سیاہ خفت زنگیوں کو قیدی بنایا ہے جو شامت اعمال سے اس کے پاس جا کر امان کے خواہاں ہوئے اور یہ سر تمام مصنوعی ہیں انسانوں کے سر نہیں مگر خوب کام ہے۔ جاسوسوں نے خارجی کا یہ مقولہ موفق کے گوش گزار کیا۔ موفق نے حکم دیا کہ ان سروں کو منجیقوں (جنگلی گوبھنوں) میں ڈال کر محصوروں کے پاس پھینک دو۔ جب ایسا کیا گیا تو ایک جنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جو دیکھتا چلانے لگا۔ علی خارجی سروں کے دیکھنے کو آیا۔ ضبط نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے بعد ابو العباس اور زنگیوں میں متعدد دریائی لڑائیاں ہوئیں۔ سب میں ابو العباس فتح مند رہا حتیٰ کہ زنگیوں کی رسد بند ہو گئی۔ اتنے میں شہر کا غلہ بھی اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ زنگیوں کے بڑے بڑے سورا اور نامی سردار فاقہ کشی اور شدت حالات سے تنگ آکر شہر سے نکلے اور امان کی درخواست کی۔ موفق نے انہیں امان دیکر صلے دیئے اور اپنے خاص مصاحبین کے حلقے میں داخل کر لیا۔ علی خارجی نے اپنی روز افزوں ابتری کا احساس کر کے اپنے دو افسروں کو دس ہزار فوج کی جمعیت سے شہر کی جانب سے نکل کر تین طرف سے عساکر خلافت پر حملہ آور ہونے اور رسد کی آمد بند کرنے کا حکم دیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر موفق کے کانوں تک پہنچادی۔ جب زنگیوں نے دریا سے خشکی پر اترنے کا قصد کیا تو خلیفہ کے لشکر نے اچانک حملہ کر دیا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ سینکڑوں نے دامن دریا میں جاہیر کیا اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئے۔ زنگیوں کی چار سو کشتیاں گرفتار کر لیں۔ اس معرکہ سے زنگیوں کی رہی سہی قوت بھی ٹوٹی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ چونکہ موفق کے پاس پناہ گزینوں کی تعداد روز بروز کم ہوئی جاتی تھی۔ اس لئے محاصرین کی قوت ترقی پذیر اور محصورین کی جمعیت رو بہ زوال تھی۔ علی خارجی نے دوبارہ ناکہ بندی کا انتظام

کیا اور چیدہ چیدہ سردیوں کو راستہ کی محافظت پر مامور کیا اور دو افسروں کو حکم دیا کہ موفق کے لشکر میں لبان حاصل کر کے جاؤ اور کو طول حصار سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آؤ ہم تم کھلے میدان میں بڑکرائی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔

نہروں کا عبور اور فصیل پر محاصرین کا قبضہ :-

موفق نے اس پیام پر ابو العباس کو غریب نمر کی جانب حملہ کرنے کو روانہ کیا۔ شہر کی یہ سمت زنگی سردار علی بن لبان کے سپرد تھی۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ شور و غل سے کانوں کے پردے پھنے جاتے تھے۔ دوپہر ہوتے ہوتے ابو العباس کی فتح اور علی بن لبان کی شکست کے آثار ہو رہے۔ غریب نمر کے قریب علی بن لبان اپنے مورچہ کو بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے کو ہٹا۔ اس اثنا میں خدیجی نے سلیمان بن جامع کو ایک تازہ دم دستہ فوج کے ساتھ ابن لبان کی کمک پر روانہ کیا۔ جس سے علی کے قدم پھر جم گئے شام تک گھمسان لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر ابو العباس مظفر و منصور ہوا اور زنگی شہر کی طرف بھاگ نکلے۔

اب موفق نے نہر اتراک کی جانب سے عام حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ نہر کے عبور کرنے کا پورا سامان رات ہی کے وقت سے میاں رکھا جائے۔ موفق نے افسروں سے فرمایا خدا پر توکل رکھو۔ اسلام کی عزت رب العزت کے ہاتھ میں ہے وہ ہم کو ہمارے ارادوں میں کامیاب فرمائے گا۔ سرداران فوج حملہ کی تیاری میں مصروف ہوئے۔ علی الصباح تیار ہو کر موفق خیمہ کے پاس آئے اور سلامی دی۔ موفق نے لشکر کو مرتب کر کے نہر اتراک کے عبور کرنے کا حکم دیا اور خود بھی 26 ذی الحجہ 269ھ کو بسم اللہ پڑھتا ہوا لشکر کے ساتھ چلا۔ شہر کا یہ حصہ جس طرح موفق کا لشکر سیلاب کی طرح بڑھا جاتا تھا نہایت مضبوط تھا۔ موقع موقع پر خلیقیں نصب تھیں۔ آلات حرب بھی بھرت موجود تھے۔ علی خارجی سلیمان بن جامع اور ابن لبان بھی اسی طرح تھے اور بظاہر یہاں کی تسخیر بالکل محال نظر آتی تھی۔

علی خارجی نے موفق کے لشکر کو اس طرف بڑھتا دیکھ کر سنگ باری کا حکم دیا۔ خلیقیں نہایت تیزی سے چلنے لگیں۔ تڑا تڑ پتھر برسنے لگے۔ قدر اندازوں نے روح و تن کا فیصلہ کرنے کو تہہ کمانیں اٹھالیں۔ اسی حالت میں نہر کا عبور کرنا اور پھر عبور کے بعد شہر پناہ کی دیواروں کے قریب پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب موفق کا لشکر نہر کے قریب پہنچا تو اس جان لیوا دوزہ گداز منہ کو دیکھ کر آگے بڑھنے سے زک گیا۔ موفق نے لکار کے کہا میرے شیردا! کیا یہ خلیقیں جنسیں یہ سیاہ خست زنگی چلا رہے ہیں ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ یہ آواز نہ تھی بلکہ ایک برقی قوت تھی جو چشم زدن میں لشکر کی اس طرف سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ جاں نثاران

ملت بے تامل بات کی بات میں نمر عبور کر گئے نہ تیروں کی برسات کا خوف اور نہ سنگباری کی کچھ پروا کی۔ اب موفق کا لشکر شہر پناہ کی دیوار کے نیچے پہنچ کر اسے منہدم کرنے اور سیڑھیاں لگا کر اس پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خلیفہ کے بہادر سپاہی سیڑھیاں لگا کر فصیل شہر پر چڑھ گئے اور لڑ بھڑ کر اس پر قبضہ کر ہی لیا۔ دولت عباسیہ کا علم نصب کر دیا گیا۔ منجنیقوں اور آلات حصار شکنی میں آگ لگادی۔ زنگیوں کا ایک جم غفیر مارا گیا۔

زنگیوں کی مزید ہزیمتیں :-

دوسری طرف ابو العباس مصروف پیکار تھا۔ اس کے مقابلہ میں زنگی سپہ سالار علی بن لبان گیا تھا۔ ابو العباس نے اس کو پہلے ہی حملہ میں شکست دی اور ہزاروں زنگی بے تیغ ہوئے۔ علی بن لبان نے بھاگ کر شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ ابو العباس کا فتح مند لشکر جوش کامیابی میں دیواروں تک پہنچ گیا اور اس میں ایک روزن کر کے بدور تیغ گھس پڑا۔ سلیمان بن جامع سینہ سپر ہو کر مقابلہ پر آگیا۔ دیر تک گھمسان کارن رہا۔ آخر ابو العباس اپنی فوج لیکر واپس آگیا اور زنگی مزدوروں نے فوراً اس روزن کو بند کر دیا۔ مگر دوسری طرف موفق کی فوج نے شہر پناہ کی دیوار میں متعدد دروا کر لئے اور خندق پر ایک ہنگامی پل بھی بنالیا جس سے باسانی تمام لشکر شاہی عبور کر سکی۔ یہ دیکھ کر زنگیوں میں بھگ دڑ مچ گئی۔ شاہی فوج بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کرتی دیر این شمعان تک چلی گئی اور اس پر قبضہ کر کے آگ لگادی۔ اس مقام پر زنگی خوب جان توڑ کر لڑے مگر آخر کار شکست کھا کر اپنے مقتدا کے پاس جا دم لیا۔ خارجی خود سوار ہو کر میدان کارزار میں آیا اور اپنے لشکر کو جوش دلادلا کر لڑانے لگا مگر کسی کے قدم نہ تھمتے تھے۔ ہر شخص لڑنے پر بھاگنے کو ترجیح دیتا تھا حتیٰ کہ علی خارجی کے خاص خاص افسر بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں رات کی تاریکی نے فتح مند فوج کو حملہ سے روک دیا اور موفق اپنی فوج کو لیکر واپس آگیا۔

محرّم 268ھ میں زنگیوں کے ایک بہت بڑے معتمد علیہ اور نامور سپہ سالار جعفر بن ابراہیم معروف بہ سبحان نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت و انقیاد کی گردن جھکا دی اور لبان کا خواستگار ہوا۔ موفق نے اسے امان دیکر خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور انعام و اکرام سے گراںبار کیا۔ دوسرے دن خارجی کو دکھانے کی غرض سے اس کو ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار کر کر علی خارجی کے محل سرا کی طرف روانہ کیا۔ خارجی کے چند فوجی افسر محل سرا سے اس رنجیدہ منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جس وقت سبحان کی کشتی محل سرا کے قریب پہنچی سبحان نے ایک دلچسپ اور معنی خیز تقریر میں علی خارجی اور اس کے ساتھیوں کے معائب اور خلیفہ اور اس کے واستمکان دولت کے حسن اخلاق کو بالتفصیل بیان کیا اور واپس چلا آیا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ

زنگیوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بہت سے نامی رؤسا اور منتخب سردار مخفی طور پر موفق کے پاس طلب لائن کیلئے کشاں کشاں چلے آ رہے تھے۔

لب موفق نے انہدام شہر پناہ کی طرف عنان توجہ پورے طور پر منعطف کی اور راستہ کے فرخ کرنے میں سر توڑ کوشش کرنے لگا۔ اکثر خود بھی مزدوروں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار حدم کرنے میں شریک ہو جاتا تھا اور کبھی جوش میں آکر شمشیر بھت میدان جنگ میں جا پہنچتا۔ آخر کئی روز کی جنگ اور شبانہ روز جانکایوں کے بعد نہر سلطی کی جانب شہر پناہ کا بہت بڑا حصہ حدم ہو گیا۔ شہر کی شمالی جانب دو پہل تھے جن پر اس وقت تک محاصرین کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ محصورین اکثر انہی پلوں سے عبور کر کے شاہی لشکر پر آڑتے تھے اور نقصان کثیر پہنچا کر واپس چلے جاتے تھے۔ موفق نے ان پلوں کی حالت سے مطلع ہو کر ایسے وقت میں جبکہ زنگیوں سے مہمان کی لڑائی ہو رہی تھی ایک دستہ فوج مزدوروں کی معیت میں ان کے توڑنے کو بھیج دیا۔ زنگیوں نے مزاحمت کی مگر ناکام رہے۔ شاہی لشکر نے اسے دوپہر تک توڑ ڈالا۔ اس کے بعد موفق کی ہرکاب فوج ایک اور جانب سے شہر پناہ کی دیوار کو توڑ کر گھس پڑی اور قتل و غارت کرتی ہوئی لائن شمعان کے مکان تک بڑھ گئی جہاں علی خارجی کے خزانہ و دفاتر تھے۔ زنگیوں نے ہر چند مزاحمت کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد شہر پناہ کی دیوار منہدم ہو گئی اور فتح کے آثار نمایاں ہو چلے۔

موفق کا شدید مجروح ہونا اور معرکہ کارزار کا سہ ماہہ التواء :-

مکرماتق سے 25 جمادی الاول 269ھ کو ایک معرکہ میں موفق کے سینہ پر ایک تیر آگیا چونکہ زخم بہت گہرا تھا صاحب فراش ہو گیا۔ لڑائی ملتوی ہو گئی آخر تین مہینہ کے بعد زخم مندمل ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے غسل صحت کیا اور عساکر اسلامیہ میں پھر چل پل نظر آنے لگی۔ لشکریوں کے دل خوش اور چہرے بھاش ہو گئے لیکن زنگیوں نے اس مدت میں شہر پناہ کی منہدم دیواروں کو پھر درست کر لیا اور حفاظت کیلئے جاچا فوجیں متعین کر دیں۔ موفق نے حصول صحت کے بعد پھر دھلاو کیا اور شہر پناہ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح شہر پناہ کی دیواروں سے نہر سلطی کے قریب جا کر کھڑکھانے لگیں۔ جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ زنگی لشکر عازین اسلامی کی مدافعت پر کمر بستہ تھا اور مسلمان تھے کہ جان پر کھیل کر پہلے پڑتے تھے۔ ایک دن جبکہ اس طرف جنگ جانتان نمونہ قیامت پیش کر رہی تھی۔ موفق نے جنگی بیڑے کو نشی نہر لائن خصب کی جانب سے حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ امیر البحر نے حکم پاتے ہی اپنے بیڑہ کو اس تیزی سے وہاں پہنچا دیا کہ زنگیوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی وہ بے خبری میں اپنی پوری حرلی

طاقت سے نہر سلٹی کے قریب عساکر اسلامیہ سے مصروف پیکار رہے۔ ادھر بحری فوج نے زنگیوں کے ایک محل سرا کو جلا دیا۔ جو کچھ پایا لوٹ لیا اور سکان محل کو گرفتار کر لیا۔ غروب کے وقت عساکر خلافت مظفر و منصور میدان کارزار سے فروگاہ پر واپس آئے۔ اگلے دن نماز صبح ادا کر کے دھاوا کیا اسلامی مقدمہ الخیش انکلائن جنبیت کے محل تک قتل و غارت کرتا ہوا پہنچ گیا۔ علی بن ابان زنگی سپہ سالار نے نہروں میں جو محل سررائے کے چاروں طرف تھی، پانی جاری کرنے اور خلیفۃ المسلمین کے لشکر کے بالمقابل متعدد خندقیں کھودنے کا حکم دیا تاکہ وہ انکلا کے محل تک نہ پہنچے پائے۔

کشتیوں کی چھتوں پر مانع احراق ادویہ کا ضماو :-

موفق نے حریف کی اس کارروائی سے مطلع ہو کر فوراً اپنی ہمرکاب فوج کو چار دستوں میں تقسیم کر کے ایک کو خندق اور نہر کے پانے پر متعین فرمایا اور دوسرے دستہ فوج کو دجلہ کی جانب سے خارجی کے قصر پر حملہ کا اشارہ کیا۔ اسی تیسرے دستہ کو لٹاکر لٹاکر لڑا رہا تھا۔ جو نہی جنگی کشتیاں شہر پناہ کے قریب پہنچیں۔ اوپر سے سنگباری اور آتش بازی ہونے لگتی۔ مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ ایک شبانہ روز اس طرح تصادم رہا۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر کشتیوں کی چھتوں کو کلدی کے تختوں سے پاٹ کر انہیں ادویہ مانع احراق سے رنگنے کا حکم دیا۔ غاطسین اور نامی جنگ آوروں کی ایک جماعت کو اس بات پر متعین فرمایا جو تمام رات اہتمام جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہ سوئی۔ موفق فوج کو بڑھاوے دیتا اور اس سے انعامات کے وعدے کرتا رہا۔ اسی رات کو علی خارجی کے سیکرٹری محمد بن شمعان نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی۔ موفق نے اسے خلعت سے سرفراز فرمایا اور عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پر آگندہ پر ایسی ایسی دواؤں کا ضماو کر دیا گیا تھا جن پر آگ مطلقاً اثر نہ کرتی تھی چنانچہ یہ بڑھ قصر کی جانب دجلہ کی طرف سے بڑھا۔ زنگیوں نے آتش بازی شروع کی مگر بے نتیجہ رہی۔ جنگی بڑھ نہایت تیزی سے آتش بازی کرتا ہوا علی خارجی کے قصر کے نیچے جا لگا۔ نفاطوں نے روغن نفض کی پچکاریاں بھر بھر کر محل پر پھینکنی شروع کیں چنانچہ اس ترکیب سے قصر کی بیرونی عمارت جلا کر خاک سیاہ کر دی گئی۔ زنگی محل سرا کے اندر جا چھے۔ دجلہ کے کنارے پر جس قدر مکانات تھے اسلامی لشکر نے سب کو آگ لگا دی۔ بڑے بڑے عالیشان ایوان و قصور آگ کا ایندھن بن رہے تھے۔ کوئی فرو کرنے والا نہ تھا۔ تمام اسباب کو آگ نے چشم زدوں میں نیست و نابود کر دیا اور جو کچھ اس عام آتش زنی سے بچ رہا۔ اسلامی فوج نے پہنچ کر لوٹ لیا۔ قریش اور سادات کی بے شمار خواتین زنگیوں کے قبضہ سے واگزار کرائی گئیں۔ زنگی سرداروں

کے سر ہٹک محل جل کر تودہ خاک ہو گئے۔

محمورین کی بد حالی، انسان انسانوں کو کھانے لگے :-

علی خارجی اپنے اور اپنے سرداروں کے مکان جل جانے کے بعد نهرانی حصیب کی شرقی جانب چلا گیا۔ تاجر اور دکاندار بھی ادھر کو اٹھ گئے۔ رسد کی آمد بالکل مسدود ہو گئی۔ شہر کے ذخائر تمام ہو گئے اور ضعف و اضمحلال کے آثار نمایاں ہوئے۔ محصورین نے پہلے تو گھوڑوں اور گدھوں کا صفیا کیا پھر انسانوں نے انسانوں کو کھانا شروع کر دیا۔ مگر بائیں ہمہ علی خارجی کی جبین استقلال میں ذرا شکن نہ پڑی۔ موفق شرقی جانب کے منہدم کرنے میں اسی سرگرمی سے مصروف رہا جیسا کہ غربی جانب کے انہدام میں مشغول تھا۔ یہ سبت نہایت مستحکم بنی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے دھس اور نہایت بلند اور چوڑی دیواریں چاروں طرف محافظت کر رہی تھیں۔ آلات حصار شکن بھی بھرت موجود تھے۔ اسلامی لشکر اس کے قریب پہنچ کر زک گیا۔ موفق نے لکارا مگر بلدی کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ سیزھیاں لگائیں پھر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کبند ڈال کر دشمن کے پھریوں کو کھینچا۔ ان کا گرنا تھا کہ زنگی بھاگ کھڑے ہوئے۔ نفاطوں نے روغن لفظ کی ہزاروں پچکاریاں خالی کر دیں۔ سارا محل لحد بھر میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ فوج نے اس محل کو بھی خوب لوٹا۔ خارجی کے خاص خاص مصاحب امان کے خواستگار ہوئے۔ موفق نے نہایت سیر چشمی سے انہیں امان دی۔ انعام اور صلے عطا۔ ان لوگوں نے موفق کو ایک بہت بڑے بازار کا پتہ بتایا جو ہمار کے نام سے آباد تھا۔ اس بازار میں بڑے بڑے تاجر اور ساہوکار رہتے تھے زنگیوں کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی تھیں۔ موفق نے اس پر دھاوا کر دیا اور اسے جلادینے کے قصد سے خاٹوں کو لیکر بڑھا۔ زنگیوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ خلیفہ کے لشکر نے آگ لگادی۔ سارا دن جنگ اور آتش زنی کا بازار گرم رہا۔ فریقین کے ہزار ہا آدمی کھیت رہے۔ آخر موفق نے مختارہ کی شہر پتہ کو نسر غربی تک جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس سمت میں خارجی کے ممتاز فوجی افسر ایک چھوٹے سے قلعہ میں حفاظت کا سامان کئے پناہ گزین تھے۔ جب کبھی موفق کا لشکر مصروف جدال ہوتا تو یہ دائیں بائیں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور سخت نقصان پہنچاتے تھے۔ موفق نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے جم غفیر نے قید کی مصیبت سے نجات پائی۔

شہر پر قبضہ اور علی خارجی کا قتل :-

27 محرم 270ھ کو موفق نے شہر پر قبضہ کر لیا اور مسلم قیدیوں کی رہائی نصیب ہوئی۔ خلیفہ اور تن بدن گرفتار ہو گئے۔ علی خارجی چند فوجی افسروں کو ساتھ لیکر نسر سفیانی کی طرف

بھاگ گیا۔ اسلامی فوج تعاقب کرتی ہوئی نہایت تیزی سے اس کے سر جا پہنچی۔ گھمسان لڑائی شروع ہو گئی۔ بہت سے زنگی افر مارے گئے۔ کئی ایک بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ خارجی بھی تاب مقادمت نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر ہتھمائے نہراہی خصب تک بڑھتا چلا گیا چنانچہ عساکر اسلامی نے اس کا تعاقب کر کے اسے جالیا۔ اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا۔ موفق نے سجدہ شکر ادا کیا۔ ظفر و منصور اپنے خرگاہ میں لوٹ آیا۔ انکلا اور ہلسبی پانچ ہزار زنگیوں سمیت گرفتار ہوئے۔ موفق نے اس مہم کو سر کر کے اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور امن دینے کا گشتی فرمان نافذ کر دیا اور چند روز تک امن و امان قائم کرنے کے خیال سے موفقیہ میں مقیم رہا اور ابو العباس کو بغداد بھیج دیا۔ ابو العباس 11 جمادی الثانی 270ھ کو بغداد پہنچا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشیاں منائیں اور شہر میں چراغاں کیا گیا۔ زنگیوں کے خانہ ساز نبی نے آخر رمضان 255ھ میں خراج کیا تھا۔ انجام کار اپنی حکومت کے چودہ برس چار مہینے بعد یکم صفر 270ھ کو مارا گیا اور اس کے تمام مقبوضات از سر نو عباسی علم اقبال کے سایہ میں آگئے۔ ابن اشیر اور ابن خلدون نے اکثر جگہ زنگیوں کے سرور کا نام جنت لکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علی بن محمد ہی کا دوسرا نام یا لقب ہے۔ علی بن محمد اہل بیت نبوت کا بدترین دشمن تھا۔ خصوصاً امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے سخت عناد رکھتا تھا۔ اس عاقبت و اندیش نے ایک تخت ہوار کھا تھا جسے جامع مسجد کے صحن میں پھوٹا اور اس پر بیٹھ کر امیر المومنین علیؑ پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا۔ اس کے پیرو بھی اس شیطنت میں اس کے ہم صفیر ہوتے۔ اس نابکار نے ایک مرتبہ اپنے لشکر میں سادات عظام کی خواتین محترمہ کو دود تین تین دام میں بڑی بے نیلام عام فروخت کیا تھا اور ایک ایک زنگی نے دس دس سیدانیاں گھر میں ڈال رکھی تھیں۔

حمدان بن اشعث قرمط

حمدان بن اشعث معروف بہ قرمط سواد کوفہ کے ایک چاہ کن کا بیٹا تھا۔ بیل پر سوار ہوا کرتا تھا۔ اس بنا پر اس کو کرمط کہتے تھے۔ جس کا معرب قرمط ہے۔ شروع میں زہد و تقشف کی طرف مائل تھا لیکن ایک باطنی کے ہتے چڑھ کر سعادت ایمان سے محروم ہو گیا۔ ایک مرتبہ گاؤں کا ریوڑ دوسرے گاؤں کے لئے جا رہا تھا۔ راہ میں اس کو ایک باطنی فرقہ کا داعی ملا حمدان نے باطنی سے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟ داعی نے اسی گاؤں کا نام لیا جہاں حمدان کو جانا تھا۔ حمدان نے کہا آپ کسی بیل پر سوار ہو لیں۔ اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں دیا۔ حمدان نے پوچھا کیا آپ حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے؟ داعی نے جواب دیا۔ ”ہاں میرا ہر کام حکم کے ماتحت انجام پاتا ہے۔“

حمدان نے سوال کیا کہ آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں؟ کہنے لگا میں اپنے مالک اور تیرے اور دنیا و آخرت کے مالک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ حمدان نے کہا کہ وہ تو اللہ رب العالمین ہے۔ اس نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ حمدان پوچھنے لگا ”آپ وہاں کس غرض سے جا رہے ہیں؟“ بولا مجھے حکم ملا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو جہل سے علم، ضلالت سے ہدایت اور شقاوت سے سعادت کی طرف لاؤں، ان کو ذلت و ناداری کے گرداب سے نکالوں اور انہیں اتنا کچھ بخش دوں جس سے وہ تو نگر ہو جائیں۔“ حمدان نے کہا ”خدا آپ کا بھلا کرے مجھے بھی آپ جہالت اور ضلالت کے گرداب سے نکالے اور مجھ پر ایسے علم کا فیضان کیجئے جس سے میں زندہ جاوید ہو جاؤں۔ اور جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کی مجھے اشد ضرورت ہے۔“ باطنی فریب کار کہنے لگا مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ اپنا سر بستہ راز ہر شخص پر ظاہر کرتا پھروں۔ بجز اس شخص کے جس پر مجھے پورا اعتماد ہو اور پھر ایسے معتمد علیہ سے پوری طرح عہد نہ لے لوں۔“ حمدان نے کہا ”آپ اپنے عہد کی تو تشریح فرمائیے۔ میں دل و جان سے اس کی تعمیل اور پابندی کروں گا۔“ داعی نے کہا تو اس بات کا عہد کر کہ امام وقت کا ہمید جو تجھ پر ظاہر کروں کسی سے نہ کہے گا۔“ حمدان نے اسی طرح قسمیں کھائیں اور عہد و میثاق کو استوار کیا جس طرح اس لئے خواہش کی۔ اب داعی نے اس کو اپنے فنون و اعمال کی تعلیم دینی شروع کی یہاں تک کہ اس کو راہ سے بے راہ کر دیا۔ اس دن قرمطی الحاد کے سرخند اور باطنی فرقہ کے مناد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ انجام کار اس کے باطنی پیرواسی کی نسبت سے قرمطی یا قرمطی کہلانے لگا۔ (تلمیس..... ص 147)

قرمطی عقائد و احکام :-

حمدان بن اشعث حسب بیان مقریزی 264ھ اور حسب تحریر ابن خلدون 278ھ میں منصبہ شہود پر ظاہر ہوا۔ اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام باطنی فرقہ کے خلاف اس نے تاویل کاری کے اصول کے ساتھ بعض ظاہری احکام کو بھی اپنے مذہب میں داخل کر لیا تھا۔ یہ شخص امام محمد بن حنفیہؒ کی فرزند احمد کو رسول بتاتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا زلمہ وراز سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ چونکہ زہد و تقشف اور تقویٰ کا اظہار کرتا تھا اہل دیہات اس کے دعویٰ کو صحیح یقین کر کے اس کے گردیدہ ہو گئے۔ اور متابعت اختیار کی۔ ان کا خیال تھا کہ قرمط ہی وہ شخص ہے جس کی احمد بن محمد بن حنفیہؒ نے بھارت دی تھی۔ اس نے اپنے پیروؤں پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب انہوں نے شکوہ کیا کہ نمازوں کی کثرت نے انہیں دنیاوی اشغال اور کسب معاش سے روک دیا ہے۔ تو بولا ”اچھا میں اس کے متعلق ذات باری کی طرف رجوع کروں گا“۔ چنانچہ چند روز کے بعد لوگوں کو ایک نوشتہ دکھانے لگا۔ جس میں حمدان کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ تم ہی مسیح ہو، تم ہی عیسیٰ ہو۔ تم ہی کلمہ ہو۔ تم ہی مہدی ہو۔ تم ہی محمد بن حنفیہ کی بھارت اور تم ہی جبریل ہو“۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ جناب مسیح بن مریم (علیہا السلام) میرے پاس انسانی صورت میں آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تم ہی داعی ہو۔ تم ہی جتہ ہو۔ تم ہی ناقہ ہو۔ تم ہی دابہ ہو۔ تم ہی روح القدس ہو۔ اور تم ہی یحییٰ بن زکریا (علیہا السلام) ہو ایک دعویٰ یہ بھی کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ بھی فرمائے ہیں کہ نماز صرف چار رکعتیں ہیں۔ دو رکعت قبل از فجر اور دو رکعت قبل از غروب اور طریقہ نمازیوں ہے کہ پہلے چار دفعہ اللہ اکبر، پھر دو مرتبہ اشدان لا الہ الا اللہ اور پھر ایک مرتبہ یہ کلمات کہیں۔ اشدان کو رسول اللہ اشدان لو طار رسول اللہ۔ اشدان ابد الہم رسول اللہ۔ اشدان موسیٰ رسول اللہ۔ اشدان عیسیٰ رسول اللہ۔ اشدان محمد رسول اللہ اشدان احمد بن محمد بن حنفیہ رسول اللہ اس نے سال بھر میں صرف دو روزوں کا حکم دیا۔ ایک روزہ ماہ مرجان کا اور ایک نوروز کا۔ شراب کو حلال۔ عورتوں کو برائے جنابت کو بر طرف کر دیا۔ تمام درندوں اور بچے سے شکار کرنے والے جانوروں کو حلال ٹھہرایا۔ کعبہ معلیٰ کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ حکم دیا کہ مرد اور عورتیں مل جل کر تعقیب جماعت ادا کریں۔ جمعہ کی جگہ دو شنبہ کی تعطیل منانے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اس دن لوگ کام کاج سے قطعاً دست بردار رہیں۔ (کتاب الدعاء ص 111)

نماز پڑھنے کا طریقہ :-

جس طرح حدیثی مرزا غلام احمد صاحب کادیانی نے قرآن کی آیات اور ان کے بعض حصوں کا متن اپنا حکم دہی مایا ہے (دیکھو کتب حیدرآبادی مولفہ مرزا غلام احمد صاحب ص 102-70) اس طرح حدیث نے بھی آیت قرآنی اور حدیث نبویہ کے الفاظ میں قطع و برید کر کے ایک سورت طہیٰ قحیٰ اور حکم دیا تھا کہ اس کے بعد پہلے تو نماز میں تکبیر کے بعد وہ افتتاح پڑھیں جو اس کے بعد ہے۔ اور اس کے بعد قرآن کی پڑھیں اور پڑھا کریں۔ وہ خود ساختہ سورت یہ تھی۔

ترجمہ :- خدا ان حمد و شہادہ کے کلمہ کے ساتھ لو آرتا ہوں جس کا نام بلند و درتر ہے۔ وہ جو اپنے دو ستوں سے تعویذ دیتا ہے۔ کہو کہ تو گویا کیسے ہلال کے وقت مقرر کر دینے گئے ہیں تاکہ اسے ظاہر میں برسون کی تعدد اور حساب اور مینے اور دن معلوم ہوں اور ہلال کا باطن میرے دن دو ستوں کیلئے ہے جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ دکھائی۔ اے صاحبان عقل و خرد! مجھ سے ڈرو۔ میں وہ ہوں جس سے میرے فعل پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ میں جاننے والا اور بردبار ہوں۔ میں وہ ہوں جو اپنے بندوں کو جتلا کرتا ہوں اور اپنی مخلوق کا امتحان کرتا ہوں جو کوئی میری بلا، میری محنت اور میرے اختیار پر صبر کرے گا۔ اسے اپنی جنت میں داخل کروں گا اور اپنی نعمت جاوداں عطا کروں گا۔ جس نے میرے حکم سے سر تابی کی اور میرے رسولوں کو جھٹلایا۔ میں اس کو ذلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا رکھوں گا۔ میں نے اپنی حجت کا اہتمام کیا ہے اور میں نے اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر فرمادیا ہے۔ میں وہ ہوں کہ جب کوئی سرکش تعطل کرتا ہے تو اسے ہلاک کر دیتا ہوں اور کوئی جاہل اور گروں فرار ایسا شخص نہیں جسے میں ذلیل نہ کر دوں۔ وہ آدمی برا ہے جو اپنے فعل پر مصر رہے اور جمالت پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ ہم اس کام پر مصر رہیں گے۔ ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔ حمدان نے حکم دیا تھا کہ اس سورہ کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں دو تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ رَبِّ الْعِزَّةِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُصِفُ الْغَاطِبُونَ۔

پھر سجدہ میں جائیں اور پڑھیں۔ اَللّٰهُ اَعْلٰى اَللّٰهُ اَعْلٰى اَللّٰهُ اَعْلٰى اَللّٰهُ اَعْلٰى اَللّٰهُ اَعْلٰى

حمدان کی گرفتاری :-

جب حمدان کی جمعیت بڑھنے لگی تو اس نے اپنے پیروؤں میں سے بارہ آدمی عیثیت نقیب مقرر کئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مختلف بلاد میں پھیل کر اس کے مذہب کی تبلیغ کریں۔

دوسرے لوگوں سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کہ ”حاکم کوفہ نے تو آپ کو مقفل کر رکھا تھا۔ آپ کس طرح نکل آئے؟ بڑے ناز و غرور سے کہنے لگا کہ کوئی شخص میری آزار رسانی میں کامیاب نہیں ہو سکتا“ یہ سن کر ان کی عقیدت پہلے سے دوچند ہو گئی چونکہ اسے ہر دم یہ خطرہ رہتا تھا کہ دوبارہ گرفتار کر لیا جاؤں گا اس لئے نواح شام کی طرف بھاگ گیا۔ کہتے ہیں کہ قرمط نے علی بن محمد خارجی کے پاس جا کر کہا تھا کہ میں ایک مذہب کا بانی اور نہایت صاحب الرائے ہوں اور ایک مبارز میرے پیرو ہیں آؤ ہم اور تم مذہبی مناظرہ کر کے ایک خیال و مذہب پر متفق ہو جائیں تاکہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ علی بن محمد خارجی نے اس رائے کو پسند کیا چنانچہ بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی لیکن متفق الرائے نہ ہو سکے۔ اس لئے قرمط واپس آکر عزت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے مذہب کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ جو شخص قرمطی مذہب کا مخالف ہو اس کا قتل کرنا واجب ہے اور جو شخص مخالف ہو اور برسرِ اقتدار نہ ہو اس سے جزیہ لیا جائے۔ (تلمیس ص 148)

ابو سعید جہلی اور اس کا بیٹا ابو طاہر قرمطی، زکرویہ، یحییٰ بن زکرویہ اور علی بن فضل یمنی جنہوں نے عرصہ دراز تک عالم اسلام کے خلاف ہلچل مچائے رکھی اسی قرمط کے چیلے چاٹنے یا ماننے والے تھے۔ اسلام پر چند لوگوں پر صدیوں میں جو جو آفتیں نازل ہوئیں اور پیروان توحید کو جن مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا ان میں سے ایک فتنہ قرمط بھی ہے۔ ان ملاعنہ کی قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلفائے بنی عباس تک ان بھیڑیوں کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ آخر تو یہ مصر کے سلاطین بنی عبید کی گرفت سے بھی آزاد ہو گئے تھے اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چیخ اٹھا تھا۔ یہ لوگ یہاں تک کور باطن اور معاندین اسلام تھے کہ بیت اللہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے اور حجرِ اسود کو اکھاڑ کر عمان لے گئے۔ جو ان کا مستقر دولت تھا۔ اس حادثہ جانگداز کی تفصیل ابو طاہر قرمطی کے تذکرہ میں آئے گی۔

ہندوستان میں قرمطی مذہب کا حدوث :-

سلطان محمود غزنوی نے ملتان آکر باطنیوں کو خوب گوشمال کیا تھا لیکن تاریخ فرشتہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل باطنی نہیں تھے بلکہ قرمطی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یوں تو قرمطی فرقہ بھی باطنیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔

حمید امیر سبکتگین اور خود سلطان محمود سے ہمیشہ رابطہ، خلوص اور نیاز مندانہ طریق ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ ابوالفتح سلطان کی آمد کی خبر سن کر سخت سر اسہ اور بدحواس ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا

کہ سلطان فن حدود کو اسی کی بد اعمالیوں کی سزا دینے کیلئے آ رہا ہے۔ اب اس نے بجز اس کے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ راجہ اتھن پیل وائی لاہور کو سلطان کی پیش قدمی سے مطلع کر کے اس سے مدد مانگے۔ چنانچہ راجہ نے لڑو مو عاقبت پانڈیشی اپنے جذبات تعصب سے مغلوب ہو کر فوراً ابوالفتح کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ جسٹ ایوڈ لشکر لشکر عازم پشاور ہو اور راستہ ہی میں کسی جگہ سلطان کا سامنا ہو گیا۔ سلطان اتھن پیل کی یہ جلدت دیکھ کر سخت برہم ہوا اور حکم دیا کہ زنادقہ ملتان کی تو جہ سے تین تین جہتوں سے اتھن پیل کو اس جرات کی قدر واقعی سزا دی جائے غرض عساکر جمہور نے زنادقہ پھانسی ہو مدد کر کے پرچے لڑا دیئے اور میدان جنگ میں ہر طرف کشتوں کے پستے و خون دینے لگے۔ راجہ نے ہر طرف شکست کھائی اور پتہ سینف کو لیکر بھاگا۔ لشکر سلطان نے دیکھنے چاہئے کہ کس قدر قصبہ سو جا رہا تھا اس کا تعاقب کیا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ لشکر سلطان کی حالت پیچھے نہیں چھوڑتا تو لاہور کی سمت چھوڑ کر اسدہ دار کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ سلطان نے یہ حکم دیا کہ اب راجہ جہ جہ جاتا ہے جانے دو۔ ملتان کا رخ کیا۔ ابوالفتح کے سامان خدہ ہونے پر یہ دیکھ کر کہ آج تک جس کسی نے سلطان سے جنگ آزمائی کا حوصلہ کیا چاہے نہ انت میں گرا اور خاک نامرادی اپنے چہرہ سخت پر ڈالی، قلعہ بند ہو کر نہایت بجزواری کے ساتھ کھلا بھجھا کہ میں قرمطی مسلک سے تو بہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ ہر سال بیس ہزار درم سرخ بطور خراج بارگاہ سلطانی میں بھیجتا رہوں گا اور الحاد و زندقہ سے احتراز و اجتناب کر کے اپنی قلمرو میں احکام شرع جاری کروں گا۔ سلطان نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور سات روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر غزنی کی طرف مراجعت کی مگر ابوالفتح کی یہ پیشکش محض دفع الوقتی پر مبنی تھی سلطان کی مراجعت کے بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس لئے سلطان 400ھ میں فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا دوبارہ ملتان آیا اور قرمطی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا۔ بہت سے قرامطہ و ملاحہ سے تیغ ہوئے۔ سلطان ابوالفتح کو اس کی بد عمدی کی پاداش میں گرفتار کر کے نوآبی لے گیا اور غور کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ حالت جنن ہی میں بار حیات سے بعد و ش ہو گیا۔ سلطان کے جانشین مدت مدیر تک ملتان پر حکومت کرتے رہے لیکن جب دولت غزنویہ میں زوال و انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تو قرامطہ پھر ملتان پر چڑھ دوڑے اور وہاں از سر نو عمل و دخل کر لیا۔ آخر سلطان معز الدین محمد سام نے انہیں منہزم کر کے علاقہ ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ جب سلطان محاصرہ ملتان سے دست کش ہو کر غزنی کو واپس گیا تو راجہ اتھن پیل پھر لاہور آ گیا۔ اتھن پیل کو یقین تھا کہ اب کی مرتبہ سلطان کبھی جرم بخش نہ کرے گا۔ اس لئے جائے غفور جرم کے، ابھی سے حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف

ہو جب سلطان کو اس کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو راجہ اندپال کی گوشمالی کیلئے پھر عنان توجہ ہندوستان کی طرف پھیری۔ یہ خبر سن کر اندپال سخت بدحواس ہوا اور دھرم کا واسطہ دیکر ہندوستان مہر کے ہندو راجاؤں سے سلطان کے مقابلہ میں مدد مانگی چنانچہ او جن، گوالیار، کالج، قنوج، دہلی اور بہت سی دوسری ریاستوں کے راجے اپنا اپنا لاؤ لشکر لیکر سلطان سے دودو ہاتھ کرنے کیلئے پنجاب میں آ موجود ہوئے لیکن تائید ایزدی سلطان کی پشت پناہ تھی اس نے ہندوستان مہر کی متحدہ افواج کو فیصلہ کن شکست دی۔ اب راجہ اندپال کے حواس درست ہوئے اور نہایت تضرع و اہتمال کے ساتھ طالب غنودر گزر ہوا۔ سلطان بوارحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے راجہ کے تمام سابقہ جرائم پر خط غفو کھینچ کر اس کو پنجاب کی حکومت پر بحال کر دیا لیکن اب اندپال ایسا سیدھا ہوا کہ اس کے بعد اس سے کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی جو مزاج ہمایوں کے خلاف ہوتی چنانچہ جس سال سلطان نے تھانیہ کا عزم کر کے پنجاب میں سے گزرنے کا قصد کیا تو اس خیال سے کہ عبور راہ کے وقت راجہ کی مملکت کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اندپال کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تھانیہ کا عازم ہوں مناسب ہے کہ تمہارے چند امراء ہمارے موکب ہمایونی میں مشایعت کریں تاکہ تمہارا ملک ہماری فوج کی پامالی سے محفوظ رہے۔“ راجہ اندپال اطاعت پذیری کو بھائے دولت کا ذریعہ یقین کر کے جلت تمام اسباب ضیافت میا کرنے میں مصروف ہو اور اپنی مملکت کے تاجروں اور بقالوں کو حکم دیا کہ ہر قسم کی ضروریات اور اجناس لشکر سلطانی میں لے جا کر ایسا انتظام کریں کہ کسی چیز کی تھڑ نہ آنے پائے اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کے ہمراہ کر کے شہنشاہ کو اکب سپاہ کے حضور میں بھجے اور ہر طرح سے اظہار عجز و نیاز مندی کیا۔ (تاریخ فرشتہ ص 24)

ہندوستان میں بسبسسی، گجرات اور دکن کے بوہرے انہی قرامط کی یادگار ہیں جو ایران اور عراق سے سندھ اور ملتان میں آئے اور ان میں بعض حنر ان بھی رہے اور گوان کے اسلاف کے خیالات اور اسمعیل عقاید میں بعد المشرقین تھا تاہم مرور زمانہ کے ساتھ یہ لوگ آہستہ آہستہ اسماعیلی مذہب کی طرف مائل ہوتے گئے چنانچہ آجکل ان لوگوں نے راجخ الامتقاد اسماعیلیوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

ابو سعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی

281ھ میں ایک شخص یحییٰ بن ممدی نام قتیف مضافات بحرین میں وارد ہو کر علی بن معلیٰ بن حمد ان کے مکان میں فروکش ہوا اور بیان کیا کہ مجھے حضرت ممدی آخر الزمان علیہ السلام نے اپنا اٹھنی مقرر کر کے روانہ فرمایا ہے اور عنقریب وہ بھی خروج کیا چاہتے ہیں۔ مورخوں نے نہیں بتایا کہ یہ کس خانہ ساز ممدی کا داعی تھا لیکن غالبی یہ ہے کہ یہ عبید اللہ کا پیامبر ہو گا کیونکہ ان ایام میں اسماعیلی وعاۃ نے عبید اللہ کے حق میں نہایت زبردست پروپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا۔ یحییٰ کا امیر ابن علی بن معلیٰ نہایت عالی شیعہ تھا۔ اس نے شیخان قتیف کو جمع کر کے ممدی کا خط جس کو یحییٰ نے پیش کیا تھا۔ پڑھ کر سنایا تاکہ مضافات بحرین میں اس خبر کی شہرت ہو جائے۔ ہم اہل سنت و جماعت بھی حضرت محمد بن عبد اللہ معروف بہ ممدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے متوقع ہیں لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور مکہ معظمہ کے آشوب میں ہو گا جبکہ قیامت کی علامات قریبہ کا ظہور ہو چکا ہو گا۔ اس کے برخلاف شیعہ لوگ ہر زمانہ میں حضرت ممدی علیہ السلام کے کونکہ جلال کے منتظر رہے ہیں چنانچہ وہ رات دن حضرت ممدی علیہ السلام کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے ہیں۔ شیخان قتیف نے خانہ ساز نبی کے خط کو نہایت خلوص اور اطاعت شعاری کے ساتھ سنا اور سب نے حلف اٹھایا کہ جب حضرت ممدی علیہ السلام ظہور ہوں گے ہم ان کے ہمراہ رکاب اعداء سے لڑیں گے۔ ان شیخان قتیف کا سرگروہ ابو سعید جنابی تھا جو خروج کیلئے بٹھہر رہا تھا۔ یحییٰ اس واقعہ کے بعد تھوڑے دن کیلئے غائب ہو گیا۔ دوسری مرتبہ کہیں سے ایک اور خط لے آیا جس میں فرضی ممدی کی طرف سے اہل قتیف کی اطاعت پذیری اور اقرار رفاقت کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہر شیعہ چھتیس چھتیس دینار (قریباً ایک سو اسی روپیہ) یحییٰ کی نذر کرے۔ بو انہی دیکھو کہ شیخان قتیف نے اس حکم کی بطیب خاطر تعمیل کی اور جس کسی کو اتنا زر نقد میسر نہ تھا اس نے قرض دام لے کر جس طرح بھی من پڑا اس مطالبے کو پورا کیا۔ یحییٰ ہزار ہا روپیہ وصول کر کے پھر غائب ہو گیا۔ چند روز کے بعد تیسرا خط لایا جس کا یہ مضمون تھا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے مال کا خمس (پانچواں حصہ) امام الزمان کیلئے یحییٰ کے حوالے کرے۔ شیخان قتیف کی خوش اعتقادی اور نہایت جمعیت دیکھو کہ انہوں نے اس خواہش کا بھی نہایت خندہ پیشانی اور کمال مستعدی سے خیر مقدم کیا۔ فرض یحییٰ بن ممدی آئے دن قبائل قیس میں ایک نہ ایک خط یہ ظاہر کر کے کہ یہ

مہدی آخر الزمان کی جانب سے ہے بر ابر پیش کرتا رہا۔ انہی ایام میں حسب بیان ابراہیم صانع ایک مرتبہ یحییٰ بن مہدی ابو سعید جنابی کے گھر آیا اور سب نے ملکر کھانا کھایا کھانے سے فارغ ہو کر ابو سعید گھر سے نکلا اور اپنی بیوی سے کہتا گیا۔ وہ یحییٰ کے پاس جا کر اسے اپنی طرف مائل کرے اور اگر آمادہ ہو جائے تو انکار نہ کرے۔ جب اس شرمناک واقعہ کی اطلاع عالم قطیف کو ہوئی تو اس نے یحییٰ کو گرفتار کر کے بری طرح پینا اور اس کا سر اور داڑھی مونڈا دی۔ یہ دیکھ کر ابو سعید نے اپنے اصل وطن موضع جنابا کو بھاگ گیا اور یحییٰ بہزار ذلت و رسوائی قبائل بنی کلاب ثقیل و خریس کے پاس چلا گیا۔ یہ لوگ ابو سعید کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو سعید جنابی کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔

بصرہ اور ہجر کی تسخیر اور قیدیوں کا زندہ نڈز آتش کیا جانا :-

ظاہر ہے کہ حصول جمعیت کے بعد ابو سعید کا جذبہ خردج جو بہت دن سے عمال خلافت کے خلاف عربہ جوئی کیلئے بکھیر رہا تھا کسی ہنگامہ خیزی کے بغیر کسی طرح تسکین نہیں پاسکتا تھا۔ اس لئے وہ خردج مہدی علیہ السلام کی طرف سے خالی الذہن ہو کر خود ہی 286ھ میں دعویٰ مہدویت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے قرب و جوار کے قصبات و دیہات کو تاراج کیا پھر بصرہ کی تسخیر بصرہ کی طرف عنان عزیمت موڑ دی۔ احمد بن محمد بن یحییٰ دامغی والی بصرہ نے دربار خلافت میں اس قضیہ کی اطلاع کی۔ خلیفہ معتضد باللہ نے محافظت بصرہ کے خیال سے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا جس کی تعمیر پر چودہ ہزار دینار صرف ہوئے۔ جس وقت ابو سعید 287ھ میں بصرہ کے قریب پہنچا۔ بغداد سے بھی عباس بن عمر غنوی عامل فارس دو ہزار سوار لئے ہوئے بصرہ کی مدافعت کو آپہنچا۔ سواروں کے علاوہ متطوعہ اپنی رضا کار پیادوں اور غلاموں کا بھی جم غفیر تھا۔ بصرہ سے تھوڑے فاصلہ پر ابو سعید سے تصادم ہو گیا۔ صبح سے شام تک بڑے زور شور سے آتش جنگ شعلہ زن رہی۔ دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی..... ذی گرفتار ہو گیا۔ ابو سعید کی فوج نے شاہی لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر لوٹ لیا اور جس قدر مبارز ہاتھ آئے، قید کر لئے۔ اب ابو سعید نے سینکڑوں من لکڑی جمع کرائی اور اس کو آگ دکھادی۔ جب شعلے بلند ہوئے تو اس کی فوج ایک ایک قیدی کو اٹھا اٹھا کر زندہ آگ میں جھونکتی گئی۔ یہاں تک کہ تمام قیدی دنیاوی آگ میں جل کر باغ جنان کو چلے گئے۔ ابو سعید نے اس جنگ سے فراغت پا کر ہجر کا عزم کیا اور بلا مزاحمت وہاں قبضہ کر لیا۔

ابو سعید بڑے بڑے دعویٰ کے باوجود بزاز ندیق تھا۔ گو قمر مطلق مشہور تھا لیکن قرامطہ کے مسلک کے خلاف باطنی طریقہ کا دلدادہ تھا۔ کہتا تھا کہ حشر و نشر اور معاودہ حساب کے سارے قصے

فضول اور من گزرت ہیں اور جو شخص کسی کو صوم و صلوة وغیرہ ظاہری اعمال کی ترغیب دے اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ یہ شخص امتدادِ جہ کا سفاک تھا۔ اس نے بے شمار مسلمانوں کو جبراً شہادت پلایا۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں۔ سینکڑوں مصاحف مقدس نذر آتش کئے اور بے شمار عازمان حج کے قافلے لوٹنے ان تمام سفاکیوں کے باوجود وحی آسمانی کا مدعی تھا۔ جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ ”مجھے ابھی ابھی فتح و فخر کا وعدہ دیا گیا ہے۔“

ابو سعید کا قتل :-

301ھ میں ابو سعید اپنے خادم صقلی کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ اس کا کام تمام کر کے خادم ابو سعید کی قوم کے ایک رئیس کبیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ چلئے! میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے۔ وہ کیا تو اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ پھر ایک اور قرمطی رئیس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرے سردار نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ وہ کیا تو اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اسی طرح دو اور سردار اور دو قرمطیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی جان ستانی کے بعد پانچویں کے پاس جا کر اس کو بغرض قتل بلالایا لیکن وہ آتے ہی ان کو بھانپ گیا اور صقلی کے ہاتھ پکڑ کر چیخنے لگا۔ لوگ آ جمع ہوئے اور عورتیں رونے لگیں۔ صقلی اور اس پانچویں شخص میں تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر لوگوں نے آکر صقلی کی گردن ماری۔ ابو سعید نے اپنے بڑے بیٹے سعید کو اپنا ولی عہد بنا رکھا تھا لیکن اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب کر کے باپ کا جانشین ہو گیا۔ خلافت عباسیہ میں ان دنوں کوئی دم ختم باقی نہ تھا۔ خلیفہ بغداد میں اتنی سختی نہ تھی کہ اسے مغلوب و مقہور کر کے مسلمان قیدیوں کو چھڑالے۔ ناچار قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیجنے پر اکتفا کیا اور ان کو حکم دیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کی سلسلہ جنبانی کر کے اس سے مناظرہ کریں اور اس کے فساد مذہب کے دلائل پیش کریں۔ ابو سعید نے خلیفہ کی چشمی کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور چشمی قاصدوں کے ہاتھ واپس بھیج دی۔ جب قاصد ہجر سے لوٹ کر بصرہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ابو سعید مارا گیا ہے اور اس کا بیٹا ابو طاہر اس کا جانشین ہوا ہے۔ قاصدوں نے بغداد آکر خلیفہ کو اپنی ناکامی سفارت کی اطلاع دی۔ خلیفہ نے کہا کہ اب تم ابو طاہر کے پاس خط لے جاؤ چنانچہ قاصد دوبارہ ہجر گئے۔ ابو طاہر نے قاصدوں کا اعزاز و اکرام کیا۔ قیدیوں کو رہا کر کے بغداد بھیج دیا اور خط کا بھی جواب بھی دیا۔ ابو سعید کے مرنے کے بعد اس کے پیروؤں نے اس کی قبر پر بڑا گنبد تعمیر کر کے اس پر گچ کا ایک پرندہ بنایا اور مشہور کیا کہ جب یہ پرندہ پرواز کرے گا تو ابو سعید اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا۔ ان گم کردگان راہ نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا اور خلعت پہڑے اور ہتھیار رکھے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص مر جائے اور اس کی

قبر کے پاس گھوڑا باندھا جائے وہ جب کبھی اٹھے گا سوار ہوگا اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا ہوگا تو پامیادہ
 ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ابو سعید کے پیروؤں کے دلوں میں اس کی اتنی وقعت تھی کہ جب ان
 کے سامنے اس کا نام لیا جاتا تو اس پر درود بھیجتے لیکن حضرت سید الاولین والآخرین علیہ السلام
 والسلام کا ذکر مبارک آتا تو درود نہ بھیجتے اور کہتے کہ جب ہم رزق ابو سعید کا کھاتے ہیں تو ابو القاسم
 (سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیوں درود بھیجتے ہیں۔

زکرویہ بن ماہر و قرمطی

زکرویہ بن ماہر و قرمط کا ایک داعی تھا۔ حامل وحی اور حضرت مہدی علیہ السلام کے اہلچی ہونے کا مدعی تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میری سواری کا ناتہ مامور ہے جو شخص اس کے ہمراہ ہو گا وہ ہمیشہ فتح یاب ہو گا۔ یہ شخص اس امر کا احساس کر کے کہ قرمطہ کے نیست و نابود کر دینے کی کوشش میں خلیفہ المسلمین کی طرف سے فوجوں پر فوجیں سواد کوفہ کی طرف بھیجی جا رہی ہیں، دفاع کیلئے کھڑا ہوا۔ پہلے بنو اسد اور طے کے بادیہ نشینوں کے پاس گیا اور قرمطی مذہب کے نشرو توذیع کی کوشش کی ان لوگوں نے اس تحریک کو نفرت و استکراہ کے ساتھ ٹھکرادیا۔ اب اس نے اپنے بیٹوں کو قبیلہ کلب بن ودرہ میں بھیجا۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ البتہ اس قبیلہ کی ایک شاخ جسے قلیص بن تعصم بن عدی کہتے تھے اس مذہب کی طرف مائل ہو گئی اور زکرویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔ خلیفہ معتضد عباسی کا غلام ہبل نام رصافہ کی جانب سے زکرویہ پر حملہ آور ہوا لیکن زکرویہ فتح یاب ہوا اور ہبل شہید ہو گیا۔ زکرویہ فتح کے شادیا نے جانا ہوا واپس گیا۔ اب خلافت مآب کی طرف سے احمد بن محمد طائی کے غلام نے کہ اس کا نام بھی ہبل تھا فوج کشی کی۔ زکرویہ نے اس کے مقابلہ میں اپنے ایک فوجی سردار ابو الفوارس خلف بن عثمان کو فوج دیکر روانہ کیا۔ ہبل کو فتح نصیب ہوئی اور ابو الفوارس گرفتار کر لیا گیا۔ ہبل نے اسے بندہ لولا کر دربار خلافت میں پیش کیا۔

خلیفہ المسلمین کو قیدی کا طعنہ کہ آل عباس کو خلافت کا کوئی استحقاق نہیں :-

خلیفہ معتضد نے ابو الفوارس کو خطاب کر کے فرمایا کہ ”کیا تم لوگوں کا واقعی یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کی زوہیں تمہارے جسوں میں حلول کر گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے تم لوگ اپنے تئیں گناہوں اور لغزشوں سے معصوم سمجھتے ہو؟“ ابو الفوارس نے ناک بھونچا کر جواب دیا ”اگر ہم میں روح اللہ نے حلول کیا ہے تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور اگر روح اللہ میں حلول کر گئی ہے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ؟ اس کے بعد بولا اس لغویابی کو چھوڑو اور کوئی کتبایت کرو جو فائدہ بخش اور نتیجہ خیز ہو“ خلیفہ معتضد نے کہا کہ ”اچھا تم ہی ان باتوں کا تیرے جو جن سے فائدہ اور نفع کی امید ہو“ کہنے لگا ”جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہر حقیقی سے کوئی یہ تو تمہارے مورث اہل عباس بن عبدالمطلب بقید حیات موجود تھے مگر نہ تو

خود خلافت کے مستدعی ہوئے اور نہ لوگوں نے ان سے بیعت کی۔ ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی تو عمرؓ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس وقت بھی عباسؓ زندہ تھے اور عمرؓ کے پیش نظر تھے مگر عمرؓ نے نہ تو عباسؓ کو اپنا ولی عہد بنایا اور نہ انہیں ارباب حل و عقد کی جماعت میں جو چھ افراد پر مشتمل تھی داخل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مورث اعلیٰ امر خلافت کا مستحق نہ تھا۔ کم از کم ابو بکر اور عمرؓ نے تمہارے مورث کو اس مہتمم بالشان ذمہ داری کا اہل نہ سمجھا۔ پھر حیرت ہے کہ تم لوگ کس استحقاق پر داعی خلافت ہو اور خلیفہ بنے بیٹھے ہو؟“ خلیفہ معتضد سے اس اعتراض کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ جھلا اٹھا اور حکم دیا کہ ”اس کی کھال کھنچو اگر جوڑ الگ الگ کر دو“۔ اس فرمان کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس بد نصیب نے آنا فنا زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔

مجلس شوریٰ پر انتخاب خلیفہ کا انحصار :-

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ معتضد کے علمی اور تاریخی معلومات بہت محدود تھے۔ ابو الفوارس کے اعتراض کا یہ جواب تھا کہ خلفائے ہوامیہ (باستثنائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ) نہایت ظالم حکمران تھے۔ ہوا فاطمہؓ سے پہلے حضرت امام حسینؓ نے پھر ان کے پوتے جناب زید بن امام زین العابدینؓ نے پھر حضرت زیدؓ کے فرزند یحییٰ بن زیدؓ نے مختلف لوقات میں ہوامیہ سے استراخ خلافت کی کوششیں فرمائیں لیکن نہ صرف ناکام رہے بلکہ اپنی عزیز جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس عہد آشوب میں ضروریات ملی زبان حال سے پکار رہی تھیں کہ خدا کا کوئی ایسا بندہ یا جماعت میدان عمل میں نکلے جو اہل ایمان کو ہوامیہ کے دست بیداد سے نجات دلائے۔ ہوا عباس کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہوامیہ سے حکومت چھین کر ان سے بہتر خلافت قائم کی اور مسلمانوں کے جرات دل پر ہمدردی کا مرہم رکھا۔ گو آل عباس کی خلافت بھی علیٰ منہاج النبوة نہیں تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد عباسی سلطنت ہی ایک ایسی حکومت تھی جو ہر اعتبار سے دین حق اور پیروان ملتِ حلیٰ کی پشت پناہ ثابت ہوئی۔ خلافت راشدہ کے بعد جس قدر سلطنتیں بھی اسلامی حکومتوں کے نام سے عرصہ شہود میں جلوہ گر ہوئیں ان میں کوئی حکومت میں حیث انجموع عدل و انصاف، خدمات ملی، اعلاء کلمتہ اللہ، نفاذ شریعت مصطفویٰ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) خدمت حرمین شریفین، علم نوازی اور معارف پروری میں خلافت ہوا عباس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خصوصاً قرامطہ باطنیہ اور ہوا عبید تو اپنے بدعات و کفریات کی وجہ سے قطعات اس قابل نہ تھے کہ ان کی حکمتوں کو اسلامی حکومت قرار دیا جاسکے چہ جائیکہ ان کا کوئی فرمانروا خلیفہ المسلمین ہو سکتا۔ اگر حضرت شیخینؓ نے جناب عباسؓ کو بعض دوسرے جلیل القدر صاحب الرائے صحابہؓ کی موجودگی میں ارباب شوریٰ میں داخل نہ کیا یا ان کیلئے خلافت کی وصیت نہ

کی تو یہ ان کے نائل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آئندہ چل کر ان کی ولاد بھی اس صلاحیت سے عاری ہوگی۔ ابو عباس کے اخذ بیعت کے وقت مسلمانوں میں کوئی ایسی جماعت موجود نہ تھی جن میں آل عباس سے بڑھ کر یا کم از کم ان کے برابر ہی شرائط خلافت پائے جاتے ہوں اور وہ برسرِ اقتدار ہو کر مسلمانوں کے سیاہ و سپید کی مالک ہوئی ہو۔ پس خلفائے ابو عباس ہی عالم اسلام کے جائز اور صحیح خلفاء تھے اور یہ مسئلہ فرقہ حقد اہل سنت و جماعت اور شیعوں میں مختلف فیہ ہے کہ خلافت منصوص چیز ہے یا اس کا مدار مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر ہے؟ ہم لوگ مجلس شوریٰ کے فیصلہ یا مسلمانوں کے اتفاق رائے یا قوم کی اثر پذیری کو اس کا مدد حیدر نمراتے ہیں اور شیعہ اسے منصوص سمجھتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ نے اپنے مرض وصال میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اپنے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بھائی جناب عبداللہ بن ابو بکرؓ کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں تمہارے والد کیلئے ایک دستاویز لکھ دوں۔ مبادا کل کو کوئی اور شخص خلافت کا دعویٰ کرنے لگے یا اپنا استحقاق ظاہر کرے حالانکہ ابو بکر صدیقؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص مستحق خلافت نہ ہوگا پھر سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر اس عزیمت کو فسخ فرمادیا کہ خداوند عالم حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سوا دوسرا خلافت سے انکار کرے گا اور مومن بھی اس کو مسترد کر دیں گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رحمت عالم ﷺ جناب صدیق اکبرؓ کو اپنے زور و منصب خلافت تھی۔ تفویض چاہتے تھے لیکن چونکہ آپ انتخابِ امامت و امارت کا ایک مستقل اصول و آئین قائم کر جانا چاہتے تھے اس لئے آپ نے وصیت یا دستاویز کو غیر ضروری خیال فرمایا اور بوالعجبی دیکھو کہ شیعہ لوگ خلافت و امامت کو منصوص خیال کرتے ہیں حالانکہ خود امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کی حقیقت پر یہ دلیل پیش فرمائی تھی کہ حضرات ماجرین و انصار رضوان اللہ علیہم نے ان کو خلیفہ منتخب کیا چنانچہ شیعوں کے مشہور مجتہد رضی نے کتاب ”نہج البلاغہ“ میں امیر مہدیؑ کے نام امیر المومنین علیؑ کی مندرجہ ذیل چھٹی درج کی ہے۔

ترجمہ :- اے معاویہ! ملک شام میں میری بیعت تم پر لازم ہوگئی یہ تو نہ میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی امر پر بیعت کی جس پر ان سے کی تھی۔ پس نہ تو حاضر کو اپنی مرضی پر چلنے کا اختیار رہا اور نہ عاقب کیلئے مسترد کرنے کی گنجائش رہی بلاشبہ شوریٰ ماجرین و انصار کا معتبر ہے پس اگر یہ حضرات کسی شخص پر جمع ہو جائیں اور اس کو امام بنالیں تو خدا کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ ہوگا اور اگر کوئی شخص ان سے بہ سبب کسی طعن یا بدعت کے علیحدہ گی اختیار کرے تو اس کو راہ راست پر

لانے کی کوشش کی جائے اگر وہ قبول نہ کرے تو اس سے قتال کیا جائے کیونکہ اس نے مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور حق تعالیٰ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کو دوزخ میں ڈالے گا جو بڑی جگہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو بھی مسلمان اپنا امیر بنا لیں یا قوم اس کی اطاعت کر لے وہی عند اللہ جائز امام المسلمین ہوتا ہے۔ شیعہ حضرات امیر المؤمنین علیؑ کے متذکرہ صدر مکتوب کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ یہ الزامی دلیل ہے، مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ فان اجتمعون لارجل و سموہ اماماً الخ کو الزام سے کوئی تعلق نہیں۔

یحییٰ بن زکریا کا قتل :-

زکریا کے قریبی پیرو سواد کوفہ میں شہل سے شکست کھا کر 290ھ میں شام کی طرف بھاگ گئے اور دمشق میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ان ایام میں دمشق کی عنان حکومت احمد بن طولون کے غلام طغ کے ہاتھ میں تھی۔ قرامطہ سے اس کی کئی دفعہ معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن اسے ہر مرتبہ ہزیمت ہوئی۔ آخر طغ نے اپنے آقا احمد بن طولون و ولی مصر سے امداد طلب کی چنانچہ مصری سپاہ اس کی امداد کو پہنچی۔ میدان مبارزت از سر نو گرم ہوا۔ زکریا کا پوتا یحییٰ مدد گیا اور بقیۃ السیف نے اس کے بھائی حسین بن زکریا کے پاس جا پناہ لی۔ علی بن زکریا نے اپنے بھائی یحییٰ کے مارے جانے کے بعد فرات کی جانب بھاگ گیا تھا۔ تتر بتر منتشر جماعت اس کے پاس جمع ہونے لگی۔ جب قرامطہ کی جمعیت بڑھی تو علی نے زکریا کی طرف پیش قدمی شروع کی اور پہنچتے ہی اسے لوٹ لیا۔ حسین بن حمد ان سپہ سالار افواج بغداد نے یہ خبر پا کر علی کی گوشالی کی نیت باندھی۔ علی یمن کو بھاگ گیا اور وہیں اپنے دعا اور ہوا خواہوں کو جمع کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یمن کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا اور صنعا کی جانب بڑھا۔ جو یمن کا صدر مقام ہے۔ ولی صنعا شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ علی نے شہر کو خوب لوٹا۔ ان واقعات کے دوران زکریا نے بن قلیص کے پاس جنہوں نے سواد میں مدت سے بودباش اختیار کر لی تھی۔ عبد اللہ بن سعید کو خط دیکر بھیجا جس میں لکھا تھا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ صاحب الشامہ حسین موسوم بہ احمد اور اس کا بھائی موسوم بہ شیخ بہت جلد پھر آنے والے ہیں بعد ازاں امام زمان ظاہر ہوں گے اور تمام رونے زمین کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے چنانچہ ابو غانم نے قبیلہ کلب میں پہنچ کر ان خیالات کی اشاعت کی اور ان لوگوں کو مذہبی سپاہی بنا کر شام کا رخ کیا۔ بلاد شام کو پامال کرتا ہوا دمشق پر جا پڑا مگر اہل دمشق نے اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد اردن پر جا پڑھا۔ والی اردن مارا گیا اور یہ مظفر و منصور طبریہ کی طرف بڑھا اسے بھی خوب لوٹا۔ دربار خلافت میں ان واقعات کی خبر

پہنچی تو خلیفہ معتضی نے ایک لشکر جرار حسین بن حمدان کی سرکردگی میں بغداد سے روانہ کیا۔ ابو عنانم یہ خبر پا کر سدا کی طرف بھاگا۔ شاہ فوج نے تعاقب کیا۔ ہزار ہا قمرمطی شدت تشنگی سے ہلاک ہوئے۔ غرض خلیفہ کے سپہ سالار نے 293ھ میں اسے قتل کر ڈالا جس سے ان کی جمعیت منتشر ہو گئی۔

حجاج پر جور و تغلب کے طوفان اور ان کی جانستانی :-

ان واقعات کے بعد قمرمطی جمع ہو کر وہ یہ نام ایک موضع میں گئے جہاں زکرویہ کئی سال سے خوف جان چھپا ہوا تھا۔ قرامطہ نے یہاں اس کو ایک باؤلی میں مخفی کر رکھا تھا۔ جس کے کواڑ آہنی لور نہایت مضبوط تھے۔ قمرمطیوں نے باؤلی کے دروازے کے پاس ایک تنور بھی بنا رکھا تھا۔ جب کبھی اس کو گرفتاری کا خطرہ لاحق ہوتا تو جھٹ ایک عورت کھڑی ہو کر اس تنور میں ایندھن جلانے لگتی۔ اس تنور کو دیکھ کر لوگ اس جگہ سے واپس چلے آتے کہ زکرویہ یہاں نہیں ہوگا۔ اس انتظام کے علاوہ انہوں نے ایک کمرہ بھی بنا رکھا تھا۔ جس کے کواڑ کے پیچھے ایک بڑا سا طاق تھا۔ جب کمرے کا کواڑ کھلتا تو وہ طاق کے منہ کو ڈھک لیتا۔ اگر کوئی شخص زکرویہ کی تلاش میں اس کمرے میں آتا تو وہاں کسی شخص کو نہ پاتا حالانکہ زکرویہ بسا اوقات اس طاق میں چھپا ہوتا تھا۔ قرامطہ اس کے پاس پہنچے اور اس کو وہاں دیکھ کر سر بسجود ہو گئے اس کے بعد اسے ہاتھوں پر اٹھا کر باہر لائے اور اس کو ولی اللہ کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ اب اطراف و جوانب کے مناد بھی جو اس کے مذہب کی تعلیم و تلقین کرتے پھرتے تھے آ کر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ زکرویہ نے ان پر اپنی طرف سے قاسم بن احمد کو بحیثیت نائب مقرر کیا اور انہیں اپنے حقوق و فرائض بتلائے جو ان پر واجب تھے اور یہ بھی ہدایت کی کہ ان کی دینی اور دنیوی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنے امیر کے دائرہ اطاعت سے ذرا بھی قدم باہر نہ نکالیں۔ ان دعاؤں کے ثبوت میں زکرویہ نے لکیت قرآنی پیش کیں۔ جن کے معانی و مطالب میں آجکل کے مرزانیوں کی طرح من مانی جوہل و تحریف کی۔ خلیفہ معتضی نے ان کے سدباب کیلئے فوجیں روانہ کیں لیکن قرامطہ نے تیس سو کو فہ میں پسپا کر دیا اور ان کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد زکرویہ حجاج کا قافلہ نونے کو بڑھلا۔ حلوان کو تاخت و تاراج کرتا ہوا اقصہ کو جا گھیرا۔ وہاں ناکہ بندی کر لی۔ قرامطہ نے مضافات کے چشموں اور کنوؤں کا پانی خراب کر دیا۔ جب دربار خلافت میں یہ خبریں پہنچیں تو خلیفہ معتضی نے محمد بن اسحاق کے زیر قیادت قرامطہ کے استیصال کیلئے فوج روانہ کی مگر یہ فوج قرامطہ کو تیس سو پاسکی اس لئے بے نیل مرام واپس آئی۔ اب زکرویہ نے حاجیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ حجاج نے بلوچوں کو دیکھ کر تین دن کے بھگے کے پاس سے تھے پامردی سے مقابلہ کیا مگر اس کی

بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکے لہٰذا ان کے خواستگار ہوئے۔ زکرویہ نے پہلے تو جان بخشی کا وعدہ کر کے ان کے مال و اسباب کو لوٹا لیکن پھر بد عمدی کر کے ان کو یہ تیغ کر دیا۔ ان حاجیوں کے مال و اسباب کے ساتھ سوداگروں اور بنی طولون کے مال و اسباب بھی تھے۔ جن کو بنی طولون نے مصر سے مکہ معظمہ کو روانہ کیا تھا اور مکہ سے بغداد بھیج رہے تھے۔ اس کے بعد زکرویہ نے بقیۃ السیف حجاج کو حمص میں جاگھیرا۔ ہزار ہا بے گناہ حجاج شہید ہوئے۔

زکرویہ کی ہلاکت :-

خلیفہ معتزلی نے ایک فوج گراں و صیف بن صوار مہکن کے زیر قیادت روانہ کی۔ اس فوج میں نامی گرامی سپہ سالار بچھے گئے تھے۔ یہ فوج خفان کی راہ سے روانہ ہو کر قرامطہ تک پہنچی۔ دو روزہ جنگ کے بعد قرامطی شکست کھا گئے۔ زکرویہ کے سر پر زخم کاری لگا جس کی وجہ سے وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہو اور گرفتار ہو کر لشکر گاہ میں لایا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا نائب قاسم بن احمد اس کا بیٹا اور اس کا معتد سب گرفتار ہو گئے۔ زکرویہ زخموں سے جانبر نہ ہوا چھٹے روز مر گیا۔ و صیف نے اس کی نعش کو بعلات بلد فتح کے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ خلافت ماب کے حکم سے نعش تو صلیب پر چڑھائی گئی اور سرکات کر خراسان کے ان حاجیوں کے پاس بھیج دیا گیا جنہیں اس نے لوٹا اور قتل کیا تھا۔ اس واقعہ سے قرامطہ کا بل زور ٹوٹ گیا۔ بقیۃ السیف شام کی طرف بھاگے۔ حسین بن حمد ان کو اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ان جان باختوں پر یورش کی اور ان کو خوب سے تیغ کیا۔ اب تمام شام و عراق میں ان کے قتل و استہلاک کا بازار گرم ہو گیا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر ج 7 ص 179)

یحییٰ بن زکریہ قرمطی

ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آکر مدت تک ریاضات شاقہ میں مشغول رہا۔ لیکن یہاں تک کہ کثرت عبادت کی وجہ سے تمام، قرآن و لائٹل پر اس کی فوقیت مسلم ہو گئی۔ اس کے بعد زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بوریان کر گزر لوقات کرتا اور کسی سے کوئی نذرانہ و ہدیہ قبول نہ کرتا۔ اس پر مستزویہ کہ بڑا سچا گور شیریں بیان و اعظ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پند و نصائح سنگین دلوں کو پانی کر دیتے۔ جب کچھ عرصہ اسی حالت میں گزر گیا اور عقیدت مندوں کے دلوں کو اچھی طرح منہمی میں لے لیا اور ان کی خوش اعتقادی کا اندازہ کر کے دیکھ لیا کہ اب ہر بات چل جائے گی تو پہلے تمہیداً اقلید کا مسئلہ چھیڑ دیا کہ دین میں آئمہ و مجتہدین امت کی پیروی ضروری نہیں۔ جب عقیدت شعاروں نے اس کو تسلیم کر لیا تو ایک دن کہنے لگا کہ اجماع بھی بے اصل ہے۔ پھر احادیث صحیحہ کی این بن تاویلیں کرنے لگا جس میں آکل کے مرزائی کر رہے ہیں۔ جب لوگوں نے ان سب باتوں پر آمنا و صدقتا کہہ دیا تو بطور امتحان چند مسائل ایسے حل کئے جو اجماع امت اور احادیث نبویہ کے بالکل خلاف تھے۔ عقیدت مندوں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور اس امتحان کے بعد ایک دن یہ راز افشاء کیا کہ حدیث من لد بغرف امام زمانہ کے زو سے امام زماں کو معلوم کرنا نہایت ضروری امر ہے مگر یاد رکھو کہ امام زماں کا اہل بیت ہونا لازمی ہے اور وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں۔ لوگوں کو امام زمانہ کا مشتاق بنا کر ملک شام کو گیا۔

وہاں خوف جان مضافات کوفہ میں روپوش ہو گیا۔ مدثر اور مطوق بھی اس کے ساتھ تھے۔ آخر حسین بہ تبدیل ہیئت رحبہ پہنچا۔ جاسوسوں نے جو سایہ کی طرح ساتھ لگے تھے والی رحبہ کو اس کی آمد کی اطلاع کر دی۔ حاکم رحبہ نے ان کو گرفتار کر کے خلیفہ المسلمین کے پاس برقد بھیج دیا۔ خلیفہ نے حسین صاحب شامہ کو پہلے دو سو ذرے لگوائے اس کے بعد صلیب پر چڑھا دیا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی عفریت شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔ خلیفہ نے اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر ظفر پیکر کے ساتھ بغداد کو مراجعت کی۔

عبید اللہ ممدی

عبید اللہ کی جائے ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہی مصر کے عبیدی فرمانرواؤں کا مورث اعلیٰ ہے جنہیں ممدویہ، علویہ، فاطمیہ اور اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔

فصل 1- نسب، دعوائے ممدویت، بدعات و کفریات

نسب :-

عبید اللہ اپنے تئیں ہاشمی کہتا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد بتاتا تھا لیکن اکثر مورخوں نے اس کے فاطمی ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کے نسب پر طعن کیا اور لکھا ہے کہ وہ حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی کا بیٹا تھا اور میمون اہوازی مجوسی تھا۔ عبید اللہ نے جب ملک مغرب میں جا کر اپنے علوی ہونے کا دعویٰ کیا تو علماء سے نسب میں سے کسی نے اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا۔ البتہ جلاء نے اس کے خاندان کو فاطمی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ قرشی مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عہد کا پانچواں حکم ان عزیز باللہ منبر پر چڑھا تو اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھے دیکھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ میں نے ایک کمرہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو بتلا کہ ساتوں پشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بتلا۔ انساب بنی ہاشم تو اسے ہیں کہ بڑے بڑے طاہرین کا دست تصرف بھی ان سے قاصر ہی رہا۔ اسی عزیز نے ایک مرتبہ ایک خط اندلس (اسپین) کے اموی خلیفہ کے نام بکجو دشنام لکھا تھا۔ شاہ اسین نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ”حمد و صلوة کے بعد معلوم ہو کہ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا۔“

اس کے پیرو عبید اللہ کے ممدوی موعود ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ ترجمہ :- (کہ شروع میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا) اور کہتے تھے کہ ”اس حدیث میں آفتاب سے عبید اللہ ممدی کی ذات اور مغرب سے ملک مغرب مراد ہے۔“ حالانکہ یہ روایت قطعاً موضوع اور خود ساختہ ہے اور یہ تاویل بھی سخت مہمل اور ٹھنڈا ہے۔ اسماعیلیہ تو بتائے اسلام کے منہدم کرنے والے تھے۔ ان میں سے کسی کے حق میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام بھلا اس قسم کی پیشین گوئی کیوں فرمانے لگے تھے؟ عبید اللہ اپنے دعویٰ ممدویت پر بادوں سال یعنی 270ھ سے اپنی وفات یعنی 322ھ تک قائم رہا اور اس نے 24 سال ایک مہینہ بیس دن حکومت کی۔ ان اشیر نے تاریخ کامل میں اس کے دعویٰ

صدویت کی مدت 24 سال ایک مہینہ اور بیس روز کسی ہے لیکن فی الحقیقت یہ مدت اس کی عمر لئی کی ہے۔ سیمٹی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ عبید اللہ نے 270ھ میں دعویٰ صدویت کیا۔ اس حسب سے اس کی معیاد دعویٰ تقریباً یوں سال ہوتی ہے۔

عبید اللہ اور اس کے جانشینوں کا فرض اور علمائے اہل سنت کا قتل :-

عبید اللہ اور اس کے جانشین باطنی ملعون تھے لیکن رعایا کے تالیف قلوب کیلئے بعض طریقوں پر عمل کرتے تھے۔ یہ لوگ درپردہ اپنے عقائد قاسدہ کے شیوع میں ہر وقت مصروف رہتے تھے۔ معاویہ کے بعد اس میں مذہب عام طور پر پھیل گیا۔ قاضی مفتی سب اسماعیلی ہوتے تھے جو کوئی مذہب کے خلاف عمل کرتا۔ اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ عہدہ تہ صحابہ اور انوارِ نبویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمیشہ جہو کرتا۔ دوسرے یہ نفس کی طرح اس کا بھی مقور تھا۔ حضور سید عالم ﷺ کی رحلت کے بعد سوائے پانچ صحابہوں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر غفاری کے رسول خدا ﷺ کے تمام اصحاب (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے "حالانکہ دشمنان اہل بیت اطہار یعنی نواصب و خوارج (معاذ اللہ) ارتداد بعد رسول اللہ ﷺ کی یہی غلاظت جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں اچھالتے ہیں۔ افسوس رافضی خارجی اور ناصبی حرمان نصیب ان اخیار امت کے خلاف زبان طعن دراز کر کے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں۔ جن کیلئے امت مابعد اس ارشاد خداوندی میں دعا و استغفار کا حکم دیا گیا تھا۔

ترجمہ :- (وہ لوگ جو سابقین امت کے بعد عرصہ شہود میں آئے وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان اخوان ملت کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے خلاف غبار کدورت اور جذبہ مناد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! تو بڑا شفیق اور رحیم ہے)

لیکن یہ اعدائے دین توحید دعا و استغفار کی جگہ گالیوں کا "تحفہ" بھیجتے ہیں اور بوالعجبی دیکھو کہ اس دشنام دہی کو اپنی حماقت سے عبادت کی اطاعت خیال کر رکھا ہے۔

چونکہ علمائے اہل سنت و جماعت عبید اللہ اور اس کے اخلاف کے دجالی و مودوں کی تردید کرتے تھے۔ اس لئے حاملین شریعت کو جانوں کے لالے پڑتے رہتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ عبید اللہ اور اس کے جانشینوں نے بے شمار علماء کو محض اس "جرم" میں جرمہ شہادت پلا دیا کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن عقیدت رکھتے تھے لیکن آفرین ہے ان کی قوت ایمانی پر کہ کسی نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے تبرائے کیا اس کے داعی عبید اللہ کی نسبت آپس

میں کہا کرتے کہ مدی اہل رسول اللہ اور حجۃ اللہ ہیں اور یہ کہ یہی اللہ، یہی خالق اور یہی رازق ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان خاتون نے شاہ عزیز عبیدی کو لکھ بھیجا۔ ”تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے یہود کو میثا کے طفیل رقت دی۔ عیسائیوں کو ابنِ نظور کی ذات سے عزت بخشی اور اسلام کو تیری ذات سے ذلیل کیا اس معاملہ کی طرف توجہ کر“ میثا یہودی شام کا حاکم اور ابنِ ناطور مصر کا ایک عیسائی تھا۔ جو علمائے امت ہو عبید کی سلطنت میں قیام پذیر ہوئے وہ شروع میں تو اس عزم سے ٹھہر گئے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے عقائدِ شیعہ سے چپائیں گے لیکن بعد کو یا تو خود ان کے خدع و فریب کا شکار ہو گئے اور ان سے بیعت کر لی یا قتل ہو گئے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ کیا عبیدیوں کا خاندان اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک اور مضرت رساں ثابت ہوا۔ حسب بیان قاضی عیاض، ابو محمد قیروانی مالکی سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص شہابِ مصر کے عقائد اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو کیا وہ ان کے عقائد اختیار کر لے یا قتل ہو جائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قتل کو ترجیح دے کیونکہ اس میں حیاتِ ابدی ہے اور ان کے عقائد اختیار نہ کرے کیونکہ اس میں ہلاکت ہے اور فرمایا کہ اگر شروع میں ان کے عقائد معلوم نہ ہوں تو انسان معذور ہے لیکن ان کا علم ہو جانے پر ان کے ملک سے بھاگ جانا لازم و ضرور ہے۔ اگر کوئی شخص دین پر اتنا پھر خوف و اکراہ کا عذر قابلِ سماعت نہ ہوگا جو کہ جمل شریعتِ حرا کی توہین کی جاتی ہو وہاں قیام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

عبیدیوں کی بعض دوسری ضلالت پسندیاں :-

ہو عبید کے بعد دوسرے عقاید یہ تھے کہ ہر مرد کو اٹھارہ اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ وہ اس آیت سے تمسک کرتے تھے۔ ترجمہ :- (ان سے نکاح کرو جو تمہیں مرغوب ہوں۔ دو دو تین تین یا چار چار تک) غرض انہوں نے جمہورِ امت کے خلاف سب اعداء یعنی اٹھارہ عورتوں سے نکاح جائز کر لیا تھا۔ عبیدیوں میں سے بعض کا قول تھا کہ زمامِ حکومت و ولایت کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ گو اس سے پیشتر معصوم نہ ہو اور بعض کے نزدیک اس سے پیشتر بھی معصوم ہوتا ہے۔ عبیدیوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام کا حکم مومن اور مومنہ پر واجب الاتباع ہے۔ گو جائین کی مرضی کے خلاف ہو۔ پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتھ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے اور ان کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح تمام معاملاتِ حج و اجارہ میں ان کے امام کا حکم نافذ ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام کا خدائے بدتر کے ساتھ ہم کلام ہونا ضروری ہے۔ عبیدیوں کا عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے جسم میں پھر نوح علیہ السلام کے جسم میں پھر دوسرے انبیاء کے اجساد میں اور پھر علی ابن ابی

طالب کا جسم لیا۔

اسماعیلیوں کے نزدیک امام ظاہر بھی ہوتے ہیں اور باطن بھی۔ شیعہ اثناء عشریہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ بارہ اماموں کی کوئی قید نہیں۔ امام بے شمار ہو سکتے ہیں۔ اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ، امام حسن مجتبیٰ، امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے بعد جناب اسماعیل ساتویں امام تھے لیکن یہ ساتویں امام ظاہر تھے۔ پھر ان کے بعد تین امام باطن گزرے جو عالم کائنات میں نمودار نہیں ہوئے۔ اہل بیت ان کے قریب جو تعداد میں بارہ بارہ ہوتے تھے۔ علانیہ آنت خلق میں مصروف رہے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک یہ تین امام مخفی تھے۔ پہلے منشور بن محمد مکتوم، دوسرے جعفر مصدق، تیسرے قریب ان کے بعد سے پھر آئمہ ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلا عبید اللہ ممدی، دوسرا ابوالقاسم لقب بہ قائم اللہ۔ اس طرح بارہ دوسرے خلفاء کے نام گنوا کر چودہ عبیدی فرماؤں کو آئمہ دین کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں۔ عبید اللہ کے ایک جانشین معزز عبیدی نے حکم دیا تھا کہ خطیب خطبوں میں یہ الفاظ کہا کریں۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی عَلٰی مَرْتَضٰی بِي فَاطِمَةَ الْبَتُولِ وَعَلَى الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سِبْطَا الرَّسُولِ وَصَلِّ عَلٰی الْاَئِمَّةِ اَبَاءِ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ الْمُعْزَّزِ بِاللّٰهِ اَوْرِ اِذَانٍ مِّنْ حَيْثُ اَخْبَرَ الْعَمَلِ اِزَاوُ كَيَاغِيَا۔ عبیدیوں کی حکومت کے باعث مصر اور شام میں خوب رخص پھیلا، یہاں تک کہ منادی کی گئی کہ نماز تراویح کہیں نہ پڑھی جائے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کی خلافت صحیح نہ تھی۔ ان کی خلافت کے غیر صحیح ہونے کا سب سے پہلا ثبوت یہ ہے کہ وہ زندیق و ملحد تھے۔ انہی کے عہد حکومت میں انبیائے کرام کی شان میں دریدہ دہنی کی گئی۔ شراب مباح ہو گئی۔ سجدے کرائے گئے۔ عبیدی خاندان میں جو ماجرہ سب سے بہتر گزرا ہے وہ بھی ایسا رافضی تھا کہ جس نے پیغمبر خدا ﷺ اور اصحاب کو گالی دینے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ بیعت جائز تھی اور نہ امامت صحیح تھی اور اگر یہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوتے تو بھی ان کی خلافت صحیح نہیں تھی کیونکہ انہوں نے ایسے وقت میں لوگوں سے بیعت لی جبکہ ایک ایسا خلیفہ جس سے پہلے بیعت کی جا چکی تھی، موجود تھا۔ ایک وقت میں دو اماموں کی بیعت جائز نہیں۔ جس سے پہلے بیعت ہو چکی ہو وہی جائز خلیفہ سمجھا جائے گا۔

فصل 2۔ عبیدی سلطنت کا قیام

تیسری صدی کے اواخر میں اسماعیلی جماعت کا سب سے ممتاز رکن عبید اللہ کا باپ محمد صیب تھا۔ یہ خلیفہ مصر کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کی عزیز ترین خواہش یہ تھی کہ کسی طرح مسیحیت کو دین علی زلیٰ سے اس کا آفتاب حیات زوال پذیر تھا اور چاہتا تھا کہ دنیا سے رخصت

ہونے سے پہلے عبید اللہ کو آسمان عروج پر پہنچا جائے چنانچہ اس نے اسی غرض سے خطبوں میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ عبید اللہ ہمدی موعود ہے۔ محمد حبیب دیکھ رہا تھا کہ عرب، عراق یا وسط ایشیا کے دوسرے ممالک میں قیام سلطنت کا خواب کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کی نظریں بار بار افریقہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اسلامی تاریخوں میں افریقہ سے ہمیشہ شمالی افریقہ مراد ہوتا ہے۔ جس کے تین حصے ہیں۔ مغرب اونی جس میں تونس، قیروان اور طرابلس واقع ہیں۔ مغرب اوسط جس میں تلمسان وغیرہ امصار واقع الجزائر داخل ہیں۔ مغرب اقصیٰ جس میں فاس، مراکش، طوس وغیرہ علاقہ شامل ہے۔ محمد حبیب کو شمالی افریقہ میں قیام سلطنت کے کامیاب ہونے کی اس لئے زیادہ امید تھی کہ یہ خطہ ہمیشہ جھوٹے مدعیوں کا جلا، وادی لور مذہبی اختلافات کا گہوارہ رہا ہے۔ بربروں کا ضعیف الاعتقادی اور توہمات پسندی ہر قسم کے الحاد و زندقہ کے قبول کرنے کیلئے آمادہ پائی گئی ہے۔ تقدس و رہنمائی کے جس دکاندار کا اپنے وطن میں کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا، وہ شمالی افریقہ کے بربروں میں جا کر قسمت آزمائی کرتا۔ وہاں لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس کی تحریک جدید کا نہایت گرجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا۔ اس کے علاوہ بربر کا علاقہ مرکز خلافت بغداد سے بہت دور تھا اور یہاں کے باشندے جنگجوی اور شورہ پیشی میں شہرہ آفاق تھے۔ اس لئے خلفائے عباسیہ ان کی خود سری سے ہمیشہ اغماض فرماتے کیونکہ شمالی افریقہ کو پوری طرح زیر اقتدار رکھنے کا خرچ اور اتلاف نفوس وہاں کے مد اخل سے بدرجہا زائد رہتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر لوگوں نے باہر سے جا کر وہاں بڑی بڑی خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ محمد حبیب کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو افریقہ جا کر اس کے بیٹے عبید اللہ ہمدی کے حق میں پرچار کرے چنانچہ ایک دفعہ ایک نہایت ذہین اور ہوشیار و چالاک مرید ابو عبد اللہ حسن بن احمد اس سے ملنے آیا جو صنعا دار بننے والا تھا۔ ابو عبد اللہ تمام دوسرے صفات میں یکساں تھا البتہ مذہبی تعلیم کی اس میں کچھ کمی تھی۔ محمد حبیب کو یقین ہوا کہ اگر اس کی تربیت کی جائے تو اس سے مقصد براری ہو سکتی ہے چنانچہ اسے ایک اسماعیلی عالم ابو حوشب کے حوالے کیا۔ یہ شخص کچھ زمانہ اس کے زیر تربیت رہا۔ جب فارغ التحصیل ہو گیا تو محمد حبیب نے ابو حوشب کو حکم دیا کہ ابو عبد اللہ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر افریقہ روانہ کیا جائے تاکہ وہاں لوگوں کو عبید اللہ کی ہمدویت کی دعوت دے۔

ابو عبد اللہ کا عزم افریقہ :-

ابو حوشب نے ابو عبد اللہ کو یمنی حاجیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ کیا اور عبد اللہ بن ابوطا حصن بھی اس کے ساتھ کر دیا اور روانہ کرتے وقت بہت کچھ روپیہ پیسہ دیا۔ ابو عبد اللہ اور

عبداللہ نے موسم حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر افریقہ کے حجاج کا پتہ لگایا اور انہی میں جا کے ٹھہرے۔ یہ لوگ ابو عبداللہ کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اس کے گردیدہ ہو گئے۔ اس کی صحبت میں آ کر بیٹھنے لگے اور جو یائے حال ہوئے آخر انہوں نے پوچھا آپ کا ارادہ یہاں سے کہاں جانے کا ہے؟ اور ابو عبداللہ نے ان پر اپنا لملوہ ظاہر نہ کیا اور اپنی منزل مقصود کو مخفی رکھ کر کہنے لگا۔ ”مصر جاؤں گا“ یہ جواب سن کر وہ خوش ہوئے کہ خیر مصر تک تو ایسے نیک نفس اور زاہد شخص کا ساتھ رہے گا۔ اب ابو عبداللہ ان لوگوں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں برقیان سفر سے باتوں باتوں میں ان کے شہروں، ان کی سر زمین، ان کے قبائل اور ان کی حکومت کے حالات پوچھتا رہا۔ ایک سے پوچھنے لگا ”تعبدا سلطان کون ہے؟ اور اس کی حکومت کیسی ہے؟“ انہوں نے کہا ”ہمس سلطان کی اطاعت نہیں کرنی پڑتی اس لئے کہ وہ ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتا ہے۔“ پوچھا ”نور تمہارے لوگ اسلحہ سے بھی کام لیتے ہیں؟“ انہوں نے کہا ”اور اس کے سوا ہمارا مشغل ہی کیا ہے؟“ الغرض ابو عبداللہ ان کے حالات پوچھتا ہوا مصر پہنچا۔ یہاں ان عقیدت کیش ہمارہوں سے رخصت ہونے لگا۔ انہوں نے پوچھا ”آپ کس غرض سے مصر آئے ہیں؟“ کہا ”طلب علم کیلئے“ انہوں نے کہا ”اس کیلئے تو ملک مصر زیادہ موزوں ہے۔ آپ ذہین چلئے ہم آپ کی خدمت کریں گے“ الغرض ابو عبداللہ نے جب ان سے خوب اصرار کر لیا تو ساتھ جانے پر راضی ہو گیا اور ان کے ہمراہ کتامہ کی راہ لی۔

کتامہ میں ورود :-

یہ قافلہ 15 ربیع الاول 288ھ کو کتامہ پہنچا۔ اہل کتامہ نے اس کے آنے کا حال سنا تو مصر ہوئے کہ ”آپ ہماری ہی بستی میں اقامت گزریں ہوں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی رفاقت کریں گے اور جو آپ کا دشمن ہوگا اس سے لڑیں گے“ ابو عبداللہ نے کہا ”پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مقام ”فج الاخیار“ کہاں ہے؟“ یہ ایک غیر معروف بستی تھی جس کا کبھی کسی مغربی رقیق سفر نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کی زبان سے اس بستی کا نام سن کر لوگ دنگ رہ گئے اور اسے اس کے کشف باطنی پر محمول کیا اور بتایا کہ ”فج الاخیار قبیلہ بنی سلیمان کے علاقے میں ہے“ ابو عبداللہ نے کہا ”تو میں وہیں جا کے رہوں گا لیکن باری باری اور وقتاً فوقتاً تمہارے یہاں آ کے تم سے بھی مل جایا کروں گا“ سب نے منظور کر لیا اور وہ ان لوگوں سے رخصت ہو کر کوہ العجیان پر پہنچا۔ جس کی ایک واوی میں ”فج الاخیار“ کی بستی واقع تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں سے کہا ”اس مقام کا نام ”فج الاخیار“ ہے اور محض تمہاری خوبیوں کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے۔ اخیر و آہر میں گیا ہے کہ امام ممدی علیہ السلام کو حضرت رسول خدا ﷺ کی طرح اپنے وطن سے

ہجرت کرنی پڑے گی۔ اخیار لوگ ان حضرت کے ناصر و مددگار ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ ”تہمان“ سے نکلا ہوگا۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ انہی اخیار لوگوں کی بستنی ”نج الاخیار“ ہوگی اور وہ اس کے گرویدہ ہو گئے اور اس نے طرح طرح کے کرشمے اور شعبدے دکھا دکھا کر سب لوگوں کو اپنا فرمانبردار غلام بنا لیا اور چند روز میں اس کی دینداری، ایک نفسی اور اس کے مکاشفات و کرامات کی شہرت دُور دُور تک ہو گئی اور اطراف و جوانب سے اہل بر آ آ کے اس کے ہاتھ چومنے لگے۔ اب ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے لوگوں کو یہ تلقین شروع کی کہ رسول خدا ﷺ نے یہ نصوص جلیلہ و ارشادات حضرت علیؑ کے حق میں خلافت و امارت کی وصیت فرمائی تھی جس سے صحابہؓ نے (عیاذ باللہ) اغراض و عدول کر کے علیؑ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا لیا۔ اس بنا پر ان صحابہؓ سے تمراء کرنا واجب ہے جنہوں نے وصیت نبوی سے انحراف کیا حالانکہ صریح بہتان ہے اگر خدا کے برگزیدہ رسول نے حضرت علیؑ کے حق میں وصیت فرمائی ہوتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کی خلاف ورزی کرتا۔

”ابو عبد اللہ نے لوگوں کو بتایا کہ علیؑ نے اپنے بیٹے حسنؑ کو، پھر حسنؑ نے اپنے بھائی حسینؑ کو، حسینؑ نے اپنے فرزند علی معروف بہ زین العابدین کو، زین العابدین نے اپنے فرزند محمد باقرؑ کو، محمد باقرؑ نے اپنے بیٹے جعفر صادقؑ کو، جعفر صادقؑ نے اپنے بیٹے اسمعیلؑ کو، اسمعیلؑ نے اپنے بیٹے محمد مکتوم کو، محمد مکتوم نے اپنے بیٹے جعفر مصدقؑ کو، جعفر مصدقؑ نے اپنے بیٹے محمد حبیب کو اور محمد حبیب نے اپنے فرزند گرامی عبید اللہ مہدی کو اپنا وصی اور سریر خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا“ علمائے کتامہ جمع ہو کر ابو عبد اللہ سے مناظرہ کرنے کو آئے اس نے مناظرہ سے انکار کیا۔ اس کے باوجود زود اعتقاد عوام اس کے بھرے میں آگئے۔ آخر آتش فساد مشتعل ہوئی مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے وقت بے وقت لوگوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ ”حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ہم کو اسی جگہ قیام کرنے کی تلقین کی تھی اور وہ عنقریب خروج کیا چاہتے ہیں۔ ان کے معین انصار وہ لوگ ہوں گے جو اپنے زمانہ کے اخیار ہوں گے۔ ان کے انصار کا نام لفظ تہمان سے مشتق ہے جو صاف طور سے ظاہر نہیں فرمایا۔ مگر قرینہ یہ کہتا ہے کہ غالباً یہی اہل کتامہ ہوں گے“ اب ابو عبد اللہ کا اثر و بدن زیادہ بڑھنے لگا۔ جب اس کے اقتدار کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد بن اغلب کو ہوئی تو اس نے شہر میلہ کے عامل کو لکھ کر اس کی کیفیت دریافت کی۔ عامل نے لکھ بھیجا کہ ”وہ بالکل معمولی سا شخص ہے۔ اس قابل نہیں کہ حضور اس کا کچھ خیال فرمائیں۔ وہ موٹا جھوٹا لباس پہنتا ہے اور لوگوں کو نیکو کاری اور زہد و تقویٰ اور عبادت الہی کی تاکید کیا کرتا ہے“ یہ جواب سن کر فرمانروائے افریقہ مطمئن ہو گیا۔ اب ابو عبد اللہ اثر یہاں تک بڑھا کہ حاکم بربر کے احکام بے اثر ہونے لگے لیکن اس کے بعد ایسے

اسباب پیش آئے کہ اہل کتامہ میں ابو عبد اللہ کے خلاف سخت جذبہ عناد پیدا ہوا اور اکثر لوگ اس کے قتل پر متفق ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر ابو عبد اللہ روپوش ہو گیا مگر اس کے جانے کے بعد لوگوں میں باہم سر پھول ہونے لگا۔ اس شورش کی اطلاع حسن بن ہارون نام ایک شخص کو ہوئی جو کتامہ کے اکابر و معززین میں سے تھا اور ایک دو تہندہ شخص تھا۔ اس نے فوراً ابو عبد اللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور اس کی طرف دلمی میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب حسن بن ہارون اور ابو عبد اللہ دونوں جا کر شہر ناصرہ میں مقیم ہوئے۔ جہاں ہر طرف سے قبائل اس کی زیارت کو آنے لگے اور اس کی شان و شوکت دن بدن بڑھنے لگی۔ خصوصاً اس لئے کہ حسن بن ہارون کا سا رئیس اس کا انیس درختی تھا۔

ابو عبد اللہ کا عروج و اقبال :-

ابو عبد اللہ نے سب سے پہلے سواروں کا رسالہ بھرتی کرنا شروع کیا اور ان کی سپہ سالاری حسن بن ہارون کو دی۔ اب ابو عبد اللہ نے روپوشی کی نقاب الٹ دی۔ میدان میں سامنے آیا اور مخالفوں کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا۔ مختلف لڑائیاں ہوئیں جن میں ہمیشہ وہی فتح مند ہوتا رہا اور ان لڑائیوں میں لوٹ کا مال جمع کرتے کرتے ناصرہ میں بہت دولت جمع کر لی۔ اب اس نے مخالفوں کے آئندہ حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے ناصرہ کے گرد اگر د خندق کھودی اور پوری طرح جنگی تیاریاں کر لیں اور از روئے معاہدہ عام اہل کتامہ و یربر کا حاکم بن گیا۔ اب وہی ابو عبد اللہ اسماعیلی جو کہ اجنبی ملا اور شکستہ حال مسافر کی شان سے اس سر زمین میں وارد ہوا تھا۔ اپنی حکمت عملی سے ایک چھوٹا سا فرمانروا بن گیا۔ کامیلیوں سے اس کا ایسا حوصلہ بڑھا کہ شہر میلہ پر جو تاجدار افریقہ کے ایک نائب کا مستقر حکومت تھا حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ جب اس واقعہ کی خبر امیر افریقہ امیر ایم بن احمد کو ہوئی تو اپنے بھادر چنے احوال کو قیروان سے دس ہزار فوج کے ساتھ اس کی سرکوفی کیلئے روانہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور میدان چھوڑ کر بھاگا۔ احوال نے تعاقب کیا۔ ابو عبد اللہ نے یہاں سے بھاگ کر کوہ انجان کا راستہ لیا۔ شامی لشکر اس کے تعاقب میں چلا جاتا تھا کہ یکایک شدید برف باری شروع ہو گئی۔ جس کے باعث احوال کو تعاقب سے دستبردار ہونا پڑا۔ اس نے ابو عبد اللہ کو پہاڑوں میں چھوڑا اور خود ابو عبد اللہ کے مستقر شہر ناصرہ پر چڑھ گیا۔ اس کو فتح کر کے لوٹا اور آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اسی طرح اس کے شہر میلہ پر بھی دھوا کر کے اس کو غارت کیا اور جب دیکھا کہ ابو عبد اللہ کا کوئی رفیق اور طرف دلم نہیں ملا، قیروان واپس چلا گیا۔ اس معرکہ کے بعد ابو عبد اللہ نے کوہ انجان میں ایک شہر گلو کر کے اس کا نام دار الجبرۃ رکھا۔ اس اثنا میں امیر ایم بن احمد و ولی افریقہ نے وفات

پائی اور اس کی جگہ پر ابو العباس افریقہ کا فرمانروا ہوا مگر تھوڑے ہی روز میں اس نے بھی ملک عدم کی راہ لی۔ اب زیادۃ اللہ کو افریقہ کی گورنری مرحمت ہوئی۔ زیادۃ اللہ نہایت عیاش، ہوا پرست اور امور سلطنت سے غافل تھا۔ اس بد سخت نے احوال کو محض اس خیال پر کہ مبادا مغل عیش و راحت ہو قتل کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ جب احوال ایک بھاری لشکر مرتب کر کے ابو عبد اللہ کی گوشالی کیلئے اس کے قریب پڑا ہوا تھا تو زیادۃ اللہ نے اسے حیلہ و مکر سے طلب کر کے قتل کر ڈالا۔

ابو عبد اللہ کی طرف سے عبید اللہ کے قدم افریقہ کی درخواست :-

محمد حبیب نے اپنی وفات کے وقت امارت و امامت کی اپنے بیٹے عبید اللہ کے حق میں وصیت کی اور اس سے کہا ”میرے نور عین! تم ہی مہدی موعود ہو۔ میرے بعد تم ہجرت بعیدہ کرو گے۔ طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن صبر و استقلال کو اپنا رفیق راہ بنانا“ غرض محمد حبیب کے انتقال کے بعد عبید اللہ نے زمام امامت اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے داعیوں کو دور دور بھیجا۔ انہی ایام میں ابو عبد اللہ نے اہل کتامہ کا ایک خط عبید اللہ کے پاس روانہ کیا اور اپنے فتوحات کی اطلاع دیکر یہ ظاہر کیا کہ ہم لوگ آپ کے قدم صحت لزوم کیلئے چشم برہاہ ہیں۔ جلد تشریف لائیے۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بغداد پہنچیں۔ خلیفہ معتلی عباسی نے عبید اللہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عبید اللہ فرمان خلافت کی اطلاع پاتے ہی اپنے بیٹے نزار کو ساتھ لیکر بھاگ کھڑا ہوا۔ عبید اللہ نے سرزمین حمص سے نکل کر مغرب کا راستہ لیا۔ لڑکے کے علاوہ خدام و اصحاب کی بھی ایک جماعت ساتھ تھی۔ یہ لوگ طے منازل کر کے مصر پہنچے۔ عبد اللہ سوداگروں کا لباس پہنے، سرزمین مصر میں داخل ہوا۔ ان دنوں عیسیٰ نوشری خلیفہ بغداد کی طرف سے مصر کا گورنر تھا۔ اس اثناء میں خلیفہ معتلی باللہ عباسی کی طرف سے عبید اللہ کی گرفتاری کا فرمان بھی عامل مصر کے نام پہنچ گیا۔ عیسیٰ نوشری کے کسی مصاحب نے عبید اللہ کو اس سے مطلع کر دیا۔ عبید اللہ اپنے رفقاء و خدام کو لئے ہوئے وہاں سے نکلا مگر اتفاق سے خود نوشری سے ملاقات ہو گئی۔ نوشری اس کی صورت شکل چال ڈھال سے تازگیا کہ ہونہ ہو عبید اللہ یہی ہے فوراً گرفتار کر لیا۔ اتنے میں دوپہر ہو گئی۔ دسترخوان بچھا۔ نوشری نے عبید اللہ کو کھانے کیلئے کہا۔ اس نے روزہ کا عذر کیا۔ نوشری نے باتوں باتوں میں عبید اللہ سے حقیقت حال دریافت کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ عبید اللہ نے اسے ایسے فقرے دیئے کہ نوشری کو اس کے بے خطا ہونے کا یقین ہو گیا۔ نوشری نے ابھی عبید اللہ کو رہانہ کیا تھا کہ اس کا بیٹا ابو القاسم نزار اپنے شکاری کتے کو ڈھونڈتا ہوا آ پہنچا۔ نوشری نے دریافت کیا ”یہ کون ہے؟“ بتلایا گیا کہ ”یہ عبید اللہ کا بیٹا ہے۔“ نوشری نے اس سے یہ خیال قائم کیا کہ اگر یہ شخص خلافت کا امیدوار ہوتا تو اس کا بیٹا شکاری کتے

کی تلاش میں موت کے منہ میں نہ چلا آتا۔ عبید اللہ کو رہا کر دیا۔ عبید اللہ مصر سے بھجت تمام مسافت کرنے لگا۔ راہ میں طاہونہ کے مقام پر قزاقوں سے سہاگہ پڑ گیا۔ کل مال و اسباب لوٹ لئے گئے جن میں چند کتابیں ملاحم کے متعلق تھیں جو اس کو اباعن جد وراثت میں ملی تھیں۔ ان تابوں کے تلف ہونے کا عبید اللہ کو سخت صدمہ ہوا۔

عبید اللہ کوچ کر تا ہوا طرابلس پہنچا۔ عبید اللہ نے یہاں سے ابو العباس برادر ابو عبد اللہ کو کتامہ کی طرف روانہ کیا چنانچہ کتامہ جاتے ہوئے قیروان پہنچا۔ زیادۃ اللہ گورنر افریقہ کو ابو العباس کے پہنچنے سے قبل ہی ان واقعات کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اس نے دہقانوں کی وساطت سے اسے گرفتار کر لیا۔ اس سے عبید اللہ کے حالات دریافت کئے۔ ابو العباس نے بتلانے سے انکار کیا۔ زیادۃ اللہ نے اسے قید میں ڈال دیا۔ لورعال طرابلس کو عبید اللہ کی گرفتاری کا حکم بھیجا۔ یہ خبر کسی طرح عبید اللہ تک پہنچ گئی۔ طرابلس کو خبر یاد کہہ کر سلجماسہ کا قصد کیا۔ یہاں ابن مدوراکے گروہ والے تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کی بڑی آؤ بھمت کی اور عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ اس اثنا میں حاکم سلجماسہ کے نام زیادۃ اللہ کی وساطت سے خلیفہ معتزلی کا فرمان آپہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ ”یہ شخص مہدویت کا مدعی ہے۔ اسی کی طلبی کے خطوط کتامہ سے آرہے ہیں۔ اسے گرفتار کر کے فوراً قید خانہ میں ڈال دو“ والی سلجماسہ نے عبید اللہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

ابو عبد اللہ کا سلسلہ فتوحات :-

زیادۃ اللہ گورنر افریقہ نے پہلے تو کچھ خیال نہ کیا لیکن ابو عبد اللہ کی بڑھتی ہوئی جمعیت اور بلاد افریقہ کو اپنے حوزہ تصرف سے نکلنے دیکھ کر ذرا چونکا ہوا اور اپنے ایک عزیز ابراہیم بن خنیش کو امیر لشکر مقرر کر کے چالیس ہزار فوج کے ساتھ اس کی طرف روانہ کیا۔ اس مہم میں چیدہ چیدہ سپہ سالار لور نامور جنگجو سپاہی شامل تھے۔ یہ لشکر قسطنطنیہ پہنچ کر ٹھہر گیا۔ ابو عبد اللہ یہ خبر پا کر پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر چڑھ گیا اور اچھی طرح مورچہ بند ہو گیا۔ ابراہیم کامل چھ مہینے تک اپنا لشکر لئے ہوئے ابو عبد اللہ کے اترنے کے انتظار میں دامن کوہ میں پڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر ساتویں مہینہ شہر کرتہ پر حملہ کر دیا کیونکہ یہاں بھی ابو عبد اللہ کی تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ پرچہ نویسوں نے ابو عبد اللہ کو اس کی خبر کر دی۔ اس نے اپنے رسالہ کو ابراہیم کے لشکر پر شبخون مارنے کو بھیج دیا۔ ابراہیم ابھی کرتہ تک پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ ابو عبد اللہ کے سواروں نے چھاپہ مارا۔ ابراہیم کے ہوش و حواس جاتے رہے اور کمال بے سروسامانی سے ہزیمت اٹھا کر قیروان کی طرف بھاگا۔ ابو عبد اللہ نے مرثدہ فتح عبید اللہ کی خدمت میں روانہ کیا جو اس وقت سلجماسہ کے قید خانہ میں تھا۔ ابو عبد اللہ نے اس خط کو اپنے ایک معتبر دوست کے ذریعہ سے سلجماسہ روانہ کیا

تھا اور یہ ہدایت کردی تھی کہ جس طرح ممکن ہو یہ خط عبید اللہ مہدی تک پہنچاؤ۔ چنانچہ قاصد نے سلجماہ پہنچ کر قصابوں کا بھیس بدلا اور گوشت پھینے کے حیلہ سے قید خانہ میں داخل ہو کر اس کو ابو عبد اللہ کا خط دیا۔ ابو عبد اللہ اس مہم سے فارغ ہو کر شہر طیبہ کی طرف بڑھا اور ایک مدت تک اس کا محاصرہ رکھنے کے بعد اس کو فتح کر کے شہر بلزمہ کا رخ کیا۔ اہل بلزمہ نے مقابلہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے اس کو بھی مسخر کر لیا۔ زیادۃ اللہ والی افریقہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک جرار لشکر ہارون طنبی کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ طنبی نے شہر دار ملوک پر فوج کشی کی۔ دار ملوک کے باشندے اس سے پیشتر ابو عبد اللہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ طنبی نے دار ملوک کی شہر پناہ کو منہدم کیا اور بزور شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ابو عبد اللہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں ابو عبد اللہ کی گشتی فوج سے ٹڈ بھیز ہو گئی۔ عبد اللہ کی گشتی فوج مرغوب ہو کر بے ترتیبی اور ہتھیاری کے ساتھ بھاگنے لگی۔ جب ابو عبد اللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ خاص پیام اجل کی طرح طنبی کے سر پر آپڑا۔ طنبی کی فوج بے لڑے بھڑے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسی واروگیر میں طنبی نے غنیم کے ہاتھوں سے جام اجل پی لیا۔ ابو عبد اللہ نے کامیابی کے ساتھ شہر عینی پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ سے زیادۃ اللہ سانپ کی طرح بل کھانے لگا اور ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے 295ھ میں ابو عبد اللہ پر حملہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوا۔ جب اربس اور بعض مصاحبوں نے یہ رائے دی کہ آپ بذاتِ خاص ابو عبد اللہ کے مقابلہ پر نہ جائیے کیونکہ اگر خدا نخواستہ نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا تو ہم لوگوں کا کوئی ٹپا، دباؤئی نہ رہ جائے گا۔ زیادۃ اللہ نے اس رائے کو پسند کیا اور لشکر کو اپنے ایک عزیز ابراہیم بن ابوالغلب کے ماتحت ابو عبد اللہ کے مقابلہ میں بھیج کر خود دار الحکومت قیروان کو مراجعت کی۔

سلطنت بنی اغلب کا زوال :-

ابو عبد اللہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ فوراً باغیہ پر دھاوا کر دیا۔ عامل باغیہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر پر قبضہ کر کے اپنی کامیابی کا پرچم گاڑ دیا۔ اس کے بعد عنان توجہ شہر مراجنہ کی طرف پھیر دی۔ اہل مراجنہ نے قبضہ دینے سے اعراض کیا۔ آخر لڑائی تک نوبت پہنچی اور دلی مراجنہ مارا گیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر پر عمل و دخل کر کے نیقاش کی طرف قدم بڑھایا۔ اہل نیقاش نے اطاعت کر کے شہر سپرد کر دیا۔ نیقاش کے مفتوح ہونے پر ہر طرف سے امان کی درخواستیں آنے لگیں۔ بہت سے قبائل نے خوف جاں حاضر ہو کر گردن اطاعت جھکا دی۔ ابو عبد اللہ نے سب کو امان دی اور چند افسروں کو ان بلاد کا انتظام سپرد کر کے خود ایک دستہ فوج کے ساتھ مسکیانہ کا رخ کیا۔ یہاں سے تہ، مجانہ، قصرین اور رقادہ کا رخ کیا۔ یہ مقامات

کے بعد دیگرے بلاجنگ و قتل مفتوح ہوتے گئے۔ امیر ایبیم بن ابلی اغلب نے ان واقعات کی خبر لہرس میں سنی۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ رقادہ میں زیادۃ اللہ والی افریقہ اقامت گزین ہے لیکن اس کے پاس کوئی بلا لشکر نہیں ہے۔ لہرس سے رقادہ کی طرف رخ کر دیا۔ ابو عبد اللہ رقادہ سے رخ پھیر کر قسطلہ کی طرف بلا حائل وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ اہل قسطلہ نے لمان حاصل کر کے شہر حوالے کر دیا۔ ابو عبد اللہ نے قسطلہ پر عمل و دخل کر کے باغایہ کی طرف مراجعت کی اور لشکر کے پیشتر حصہ کو باغایہ میں چھوڑ کر کوہ اعجمان کی جانب مراجعت کی۔ امیر ایبیم بن اغلب جو ولای افریقہ کا افسر اعلیٰ تھا، میدان خلی پاکر باغایہ پہنچا اور ابو عبد اللہ کی فوج کو محاصرہ میں لے لیا۔ ابو عبد اللہ نے یہ خبر پا کر بدہ بزم کی جمعیت سے پھر باغایہ کی طرف کوچ کیا۔ امیر ایبیم اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر لہرس کی طرف لوٹ گیا۔ 296ھ میں ابو عبد اللہ نے ایک لاکھ فوج کی جمعیت سے امیر ایبیم پر لشکر کشی کی اور چند دستہ ہائے فوج کو امیر ایبیم پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لہرس کے قریب ایک میدان میں نہایت گھمسان لڑائی ہوئی۔ گو امیر ایبیم نے خوب داد شجاعت دی مگر اپنے افسروں کی دوں ہمت اور بزدلی سے ہزیمت اٹھائی آخر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ ابو عبد اللہ نے نہایت بے رحمی سے امیر ایبیم کے لشکر کو پامال کیا اور مال و اسباب جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر شہر لہرس میں داخل ہوا۔ اہل سنت و جماعت کی جان و مال اور ناموس کو لشکریوں پر مباح کر دیا اور وہاں ایک شبانہ روز قتل عام کا بازار گرم رہا۔

جب ان زہرہ گداز حوادث کی اطلاع زیادۃ اللہ والی افریقہ کو ہوئی تو وہ حواس باختہ رقادہ سے مصر کو بھاگا۔ اہل رقادہ نے اپنے حکمران کو بھاگتے ہوئے پایا تو انہوں نے بھی سر اسیمہ وار قیروان اور سوسہ کا رخ کیا۔ بد معاش اور گوارہ مزاج عوام نے بنی اغلب کے محل سرائے کو لوٹ لیا۔ امیر ایبیم بن ابلی اغلب نے قیروان پہنچ کر دار الامارۃ میں قیام کیا۔ رؤساء شہر اور امراء مملکت کو جمع کر کے انہیں ابو عبد اللہ کے خلاف اٹھانے کی کوشش کی اور ان سے مال و زر کی مدد مانگی۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ ہم عام تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اس قدر مال و زر کہاں ہے کہ آپ کی اطاعت کر سکیں؟ اس کے علاوہ ہم جنگ و جدل سے بھی مطلق بے بہرہ ہیں کہ دشمن سے لڑ کر ہی آپ کی مدد کر سکیں۔ امیر ایبیم یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ یہ لوگ دار الامارۃ سے اٹھ کر واپس آئے۔ جب اوباشوں اور بازاریوں کو اس گفتگو کا علم ہوا تو دار الامارۃ پر ٹوٹ پڑے اور امیر ایبیم کو بات کی بات میں وہاں سے نکال دیا۔ امیر ایبیم نے بہتیرے ہاتھ پیر ملے۔ مگر بنی اغلب کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا اس لئے تمام نقش آرزوین بن کر بجزو گئے اور جائے کامیابی کے ہر جگہ ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔ جو نبی ابو عبد اللہ نے زیادۃ اللہ کے فرار کی خبر سنی۔ رقادہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اہل قیروان ملنے کو بڑھے۔ ابو عبد اللہ نے سب کو امان دی اور عزت و

احترام سے پیش آیا۔ ابو عبد اللہ نے رقادہ کے محل اور امراء، دولت کے مکان اہل ضرورت پر تقسیم کر دیئے۔ لوگوں نے آتش جنگ کے فرو ہونے پر اپنے اپنے شہروں کو مراجعت کی۔ ابو عبد اللہ نے تمام شہروں میں عمال مقرر کئے۔ جدید سکے مسکوک کرانے جن کی ایک طرف بَلغَتُ حِجَّةُ اللّٰہِ اور دوسری طرف تَفَرَّقَ اَعْدَاءُ اللّٰہِ لکھوایا۔ آلات و حرب پر عِدَّةٌ فِی سَبِيلِ اللّٰہِ کندہ کرایا اور گھوڑوں کی رانوں پر الْمَلِکُ لِلّٰہِ۔

عبید اللہ محیثیت مہدی امیر المؤمنین :-

جب ابو عبد اللہ نے افریقہ پر کہیں تو یزور شمشیر اور کہیں حکمت عملی سے عمل و دخل کر لیا۔ تو اس کا بڑا بھائی العباس محمد اس کے پاس رقادہ آگیا۔ ابو عبد اللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ابو عبد اللہ نے اپنے بھائی ابو العباس اور ابازاکی کو افریقہ میں نائب مقرر کیا۔ اور خود فوج کو حرکت دے کر بلاد مغرب کا رخ کیا۔ ابو عبد اللہ کے خروج کرتے ہی ملک مغرب میں تہلکہ مچ گیا۔ بڑے بڑے قبائل جن کا دنیا لوہا مانتی تھی ان کے دل میں ابو عبد اللہ کا ایسا ہول سلایا کہ اس کے خوف سے ادھر ادھر سرک گئے اور اکثر نے طوعاً یا کرہاً اطاعت کی گردن جھکا دی۔ ابو عبد اللہ رفتہ رفتہ سلجماسہ کے قریب پہنچا جہاں عبید اللہ قید تھا۔ الیسع بن مدرار والی سلجماسہ کو ابو عبد اللہ کے قریب آجینچے کی خبر لگی تو قید خانہ میں جا کر عبید اللہ سے اس کے حالات دریافت کئے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ کیا ابو عبد اللہ تمہاری اعانت کے لئے آ رہا ہے؟ عبید اللہ نے قسم کھائی کہ میں ابو عبید اللہ کو نہیں جانتا۔ میں تو ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں۔ اس کے لڑکے ابو القاسم نزار سے استفادہ کیا۔ اس نے بھی اپنے حالات مخفی رکھے۔ ان کے ساتھیوں سے کشف حالی کی کوشش کی۔ انہوں نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھے۔ والی سلجماسہ نے جھنجلا کے سب کو پڑوایا۔

اس واقعہ کی خبر ابو عبد اللہ تک پہنچی اسے نہایت شاق گزرا۔ مگر چارہ کار ہی کیا تھا۔ ایک تلمطف آمیز خط مشتملہ اظہارِ ولئی محبت و عقیدت سلجماسہ کے نام روانہ کیا۔ الیسع تاز گیا کہ اس میں ضرور کوئی چال پنہاں ہے۔ خط کو چاک کر کے پھینک دیا اور مغلوب الغضب ہو کر قاصد کو قتل کر ڈالا۔ اس سے ابو عبد اللہ کو زیادہ اشتعال پیدا ہوا اور اس نے نہایت تیزی اور شتاب سے قطع منازل کرتے ہوئے سلجماسہ پہنچ کر شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ ولئی سلجماسہ ایک خفیف سی جھڑپ کے بعد ہی ناامید ہو گیا۔ اور اپنے اہل و عیال اور بنی اعمام کو بے کرات کے وقت شہر سے بھاگ گیا۔ صبح کو اہل سلجماسہ نے ابو عبد اللہ کے پاس حاضر ہو کر امان چاہی

ابو عبد اللہ ان کے ساتھ قید خانہ میں آیا۔ دروازہ کھول کر عبید اللہ اور اس کے بیٹے ابو القاسم کو رہا کر کے انہیں گھوڑوں پر سوار کرایا۔ آگے آگے ابو عبد اللہ تھا۔ اور پیچھے پیچھے قبائل سلجماسہ

کے امراء اور رؤساء تھے۔ ابو عبید اللہ بلوہ کو از سے پکارتا جاتا تھا ہذا امولٰی کُم هذا مولى کُم یعنی عبید اللہ تمہارا مولیٰ و مردہ ہے۔ یہی تمہارا آقا ہے۔ اور فرط مسرت سے روتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لشکر گاہ میں پہنچا۔ عبید اللہ کو خیمہ میں اتار اور ولی سلجماسہ کے تعاقب میں چند سواروں کو روانہ کیا۔ اگلے دن الیسع گر قذبو کر آیا۔ ابو عبید اللہ نے پہلے تو اسے کوڑوں سے پڑوایا۔ اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو عبید اللہ اور عبید اللہ مقصد براری کے بعد چالیس روز تک سلجماسہ میں خیمہ زن رہے۔ آٹالیسویں روز افریقہ کی طرف مراجعت کی۔ ابو عبید اللہ ماہ 297ھ میں رقادہ پہنچا اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی۔

انجمن میں اموال قیمت اور مغلوب حکومتوں کے خزانے پیش کئے گئے۔ عبید اللہ نے سب اپنی تحویل میں لے لئے اور ان میں سے کسی کو پھوٹی کوڑی تک نہ دی۔ ابو عبید اللہ عبید اللہ کو لئے ہوئے ماہ ربیع الآخر 297ھ میں رقادہ پہنچا۔ اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی تجدید کر کے اسے سعدی امیر المؤمنین کے لقب سے ملقب کیا۔ اس تاریخ سے بنی اغلب کی حکومت افریقہ اور دولت بنی مدرار کی سلجماسہ سے اور بنی رستم کی تاہرات سے اٹھ گئی اور عبید اللہ ان تمام ممالک کا فرمانروا بن گیا۔ عبید اللہ رقادہ کے ایک محل میں ٹھہرایا گیا اور ابو عبید اللہ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن تمام بلاد و امصار میں عبید اللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

ابو عبید اللہ کا عبرتناک انجام :-

جب تمام لوگ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کا نظام حکومت زور راہ ہو چکا تو اس نے سلطنت کے تمام کلی و جزئی امور کی باگ اپنے دست اختیار میں لے کر ابو عبید اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کو مسلوب و بے اختیار کر دیا۔ یہ دونوں بھائی جو تھوڑے ہی روز پیشتر سلطنت کے سیاہ سپید کے مالک اور خود اختیار فرمانروا تھے۔ اب ایسے بے دست و پا سے کہنے لگا کہ تم نے بلاد و امصار فتح کئے اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ لیکن اس کے بعد عنان فرمانروائی ایسے ناقدر شناس ہاتھوں میں دے دی جس نے تمہیں اور مجھے بالکل عضو معطل بنا دیا ہے حالانکہ عبید اللہ کا فرض تھا کہ تمہارا حق پہچانتا اور تمہارے پیر و ہودہ دھو کر پیتا۔ ابو عبید اللہ پہلے تو بھائی کو نالتا اور ایسی افتراق انگیز باتوں سے منع کرتا رہا لیکن انجام کار وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اب وہ دست حسرت و تاسف ملنے لگا کہ میں نے خود اپنے پاؤں کھماڑی ماری آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ شاید عبید اللہ ڈھب پر آجائے اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں کتامہ کا بڑا مزاج شناس ہوں۔ اس لئے اگر آپ قصر شاہی میں تشریف فرما رہیں اور کتامہ کے سیاہ و سپید کا اختیار بدستور میرے ہاتھ میں رہنے دیں تو اس میں آپ کا وقار بہت زیادہ ہوگا۔ مگر عبید اللہ

کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا کہ اس کے بھرے میں آجاتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسے دونوں بھائیوں کی مخالفانہ گفتگو کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے ابو عبداللہ کی ایک نہ سنی اور اسے بلطائف الحیل ٹال دیا لیکن یہ ابو عبداللہ کی مال نااندیشی تھی کہ اتنی بڑی سلطنت عبید اللہ کے حوالے کر دی۔ اور جب اس حماقت کا ارتکاب کر بیٹھا تھا تو اسے چاہئے تھا کہ یا تو تفویض حکومت کے بعد چپ چاپ اپنے وطن صنعاء کو واپس چلا آتا۔ یا اگر وہیں رہنا منظور تھا تو اپنے دل و دماغ کو جاہ و اقتدار کے جذبات سے یکسر خالی کر کے تادم واپس کنج عزالت میں بیٹھ رہتا۔ اب اس کے لئے صاحب اختیار رہ کر رقاہہ میں عافیت کے ساتھ بود و باش رکھنے کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں ساسکتیں۔

عبید اللہ سے مطالبہ کہ اپنی مہدویت کا کوئی ثبوت دو :-

اب ابو العباس نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ وہ مہدی نہیں جسے ہم واجب الاطاعت سمجھتے اور ان کے ہاتھ پر معجزات باہرہ اور آیات پیمات کا بھڑت ظہور ہوگا۔ اکثر لوگ ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ کتامہ کا ایک شخص جو شیخ المشائخ کے لقب سے مشہور تھا عبید اللہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر آپ واقعی مہدی آخر الزمان ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں تمہاری نسبت اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ عبید اللہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ کسی بھی ایک منظر کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس لئے ابو عبداللہ کو اپنی ہستی بھی خطرے میں نظر آئی۔ اب ابو عبداللہ نے اس صورت حالات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے ابو زاکری کے مکان پر ایک اجتماع عظیم کی دعوت دی۔ چند افراد کو چھوڑ کر کتامہ کے تمام قبائل اس میں شریک ہوئے۔ ابو العباس نے بہت سی دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ عبید اللہ وہ سب کچھ جو انجان میں اسے روبرو پیش کئے گئے تھے بے ڈکار ہضم کر گیا ہے۔ اس نے سپاہ اور فوجی عمدہ داروں کو اس میں سے ایک حصہ نہ دیا۔ غرض فیصلہ ہوا کہ عبید اللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ عبید اللہ کے جاسوس بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ اب عمائد سلطنت نے عبید اللہ کے دربار میں میں آئندہ کر دیا۔ عبید اللہ نے سب سے پہلے ابو زاکری کا قلع قمع ضروری خیال کیا چنانچہ اس کو طرابلس کا گورنر بھیج دیا اور عامل طرابلس کے نام حکم بھیجا کہ جو نہی ابو زاکری تمہارے پاس پہنچے اسے خواہ گاہ عدم میں سلا دو۔ عامل نے اس کو قتل کیا اور اس کا سر عبید اللہ کے پاس بھیج دیا۔ اس اثنا میں عبید اللہ نے ابو عبداللہ اور ابو العباس کو بھی ہلاک کے شر خوشاں بھجوا دیا۔ کتامہ میں عبید اللہ کے سلاف متعدد فتنے اٹھے لیکن اس نے تمامیت بردی سے ان کا مقابلہ کرنے سب کو شکست دی۔ معرکوں میں بہت سے اہل کتامہ اور اہل

قبروان مارے گئے۔ اب کتامہ نے ایک خورد سال لڑکے کو اپنا حکمران بنایا اور کتنا شروع کیا کہ یہی مہدی آخر الزمان ہے۔ پھر یہ کہنے لگے کہ یہ لڑکا نبی ہے اور اس کی طرف وحی ہوتی ہے اور ابو عبد اللہ کے متعلق یہ اعتقاد کر لیا کہ وہ مرانہیں۔ اب عبید اللہ کے مقابلہ کیلئے انہوں نے زبردست حرفی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب ان کو واقعات کا علم ہوا تو اپنے لڑکے ابو القاسم نزار کو اس نئے مہدی کے پیروؤں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے جا کر ان پر یورش کی اور ان کو ہزیمت دیکر سمندر کی طرف بھگا دیا اور وہ لڑکا بھی مارا گیا جسے مہدی بنایا گیا تھا۔

اسماعیلی مذہب کی جبری اشاعت اور علمائے اہل سنت کی جان ستانی :-

عبید اللہ نے اخذ بیعت کے بعد ہی اپنے منادوں اور مبلغوں کا جال افریقہ میں پھیلا دیا۔ یہ لوگ ہر طرف مذہب اسماعیلی کی تعلیم دے کر جسے برائے نام چند نفوس کے سوا کسی نے قبول نہ کیا۔ یہاں تک کہ بے شمار حاملان شریعت و علمبرداران رشد و ہدایت عبیدی تیغ جفا کی نذر ہو گئے۔ ان کے مال و اسباب اور اہل و عیال کتامہ پر تقسیم کر دیئے گئے اور جن لوگوں نے اسماعیلی مذہب قبول کی انہیں بڑی بڑی جاگیریں دیں اور زر مال سے نمال کر دیا۔ ان واقعات کے بعد عبید اللہ نے شہر مہدیہ کو بنایا جو تونس کے قریب ہے۔

مصر پر فوج کشی :-

302ھ میں عبید اللہ نے ایک لشکر جرار اپنے نامور سپہ سالار خفاشہ کتامی کی قیادت میں روانہ کیا۔ چنانچہ خفاشہ نے اسکندریہ پر قبضہ حاصل کر کے مصر کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ خبر دربار خلافت میں پہنچی۔ خلیفہ مقتدر نے مصر کی حفاظت کیلئے اپنے خادم مونس کو ایک فوج گراں کے ساتھ بغداد سے روانہ کیا۔ مونس کے قریب پہنچ کر خفاشہ سے معرکہ آراء ہوا۔ متعدد جنگوں اور خون ریزیوں کے بعد عبیدی لشکر کو شکست فاش ہوئی اور خفاشہ بقیۃ السیف کو لیکر مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ خلیفہ کے لشکر نے اسکندریہ پر ازسر نو قبضہ کر لیا۔ اس میں سات ہزار عبیدی مقتول و مجروح ہوئے۔

عبید اللہ نے اس کے بعد 307ھ میں پھر مصر فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے بیٹے ابو القاسم کو ایک لشکر کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کیا۔ ابو القاسم ربیع الثانی 307ھ میں اسکندریہ پہنچا اور اس پر تسلط کر کے مصر کی طرح حیرہ میں داخل ہو کر سعید پر بھی قابض ہو گیا اور اہل مکہ معظمہ کو اسماعیلی مذہب قبول کرنے کو لکھا۔ اہل مکہ نے اس کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ جب بغداد میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مقتدر نے مونس خادم کو ابو القاسم کی طرف

روانہ کیا۔ فریقین میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مونس کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد مونس کو دربار خلافت سے مظفر کا لقب دیا گیا۔ اثناء جنگ میں اسی جنگی جہاز ابو القاسم کی کمک کو پہنچ کر اسکندریہ کے قریب لشکر انداز ہوئے۔ خلیفہ مقتد نے طرابلس سے پچیس جہازوں کا ایک بیڑا ابوالسمن کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اسکندریہ کے قریب دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا۔ خلیفہ المسلمین کے بیڑے کو باوجود قلت تعداد سپاہ فتح نصیب ہوئی۔ بو عبید کے اکثر جہاز دوران جنگ میں جلادیئے گئے۔ یعقوب کتای اور سلیمان خادم جو عبیدی لشکر کے افسر تھے، گرفتار کر لئے گئے۔ سلیمان تو مصر کے قید خانہ میں ڈالا گیا اور یعقوب پاجولان بغداد بھیجا گیا۔ اس شکست سے عبیدیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور کمک کا آنا منقطع ہو گیا اور جو لشکر یہاں موجود تھا اس میں وبا پھوٹ پڑی۔ سینکڑوں انسان اور گھوڑے طعمہ اجل بن گئے۔ باقی ماندہ عبیدی لشکر نے افریقہ کو مراجعت کی۔ لشکر شاہی نے تعاقب کر کے اسے اپنے حدود سے نکال دیا لیکن اس واقعہ کے قریباً پچاس سال بعد یعنی 356ھ میں عبیدی سپہ سالار جوہر نے پھر مصر پر حملہ کیا اور وہاں کے کم سن خشید کی فرمانروا احمد بن علی کو مغلوب کر کے مصر پر قبضہ کر لیا اور شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شام بھی عبیدی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ عبید اللہ 322ھ میں مرا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں سے تیرہ فرمانروا 567ھ تک برسر حکومت رہے۔

علی بن فضل یمنی

293ھ میں علی بن فضل ہم ایک شخص جو ہمدان میں اسماعیلی فرقہ کا پیرو تھا۔ مضافات سے منہ میں اس دعوتی کے ساتھ آیا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ ان ایام میں یمن کا حاکم خلیفہ متکلی عباسی کی طرف سے مدینہ میں حضور تھا۔ علی بن فضل بہت دن تک اہل صنعاء کو اپنی خاندان ساز نبوت کی دعوت دیتا رہا لیکن کوئی شخص تصدیق پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں تو اس نے کسی عقلی تہمیر سے لوگوں کو رام کرنا چاہا چنانچہ ایک دوا جس کو بصرہ میں دانش ور مسہ میں نسما الدرفیس کہتے ہیں حاصل کر کے اس کا گودا لیا۔ اسی طرح چھ اور اجزاء چھپکلی کی چربی اور تخم جردون (جس کے خالص ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اسے آگ پر ڈالا جائے تو آگ فورا بجھ جاتی ہے اور کالج کا چونہ، شکر، پارہ اور زنگار فراہم کئے اور ان سب سے نصف وزن یعنی (سازھے تین جز) گائے کا گوبر، اور ان اجزاء کا زرع (پونے دو جز) گھوڑے کی پیشانی کے بال لیکر کوفتی دواؤں کو باریک کیا اور چربیوں کو ملا کر سر کے میں مجنون تیار کی پھر گولیاں بنا کر ان کو سایہ میں خشک کیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ رات کے وقت ایک بلند مکان پر چڑھ کر یہ گولیاں دکھتے ہوئے کونوں پر ڈال دیں۔ ان سے سرخ رنگ کا دھواں اٹھے گا۔ یہاں تک تمام فضائے بسط پر محیط ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کرہ ہوا کرہ تار بن گیا ہے پھر اس نے کوئی ایسا افسوں کیا کہ دھوئیں میں بے شمار ناری مخلوق دکھائی دینے لگی۔ یہ ناری آدمی آگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان سواروں کے ہاتھ میں نیزے تھے اور آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر لوگ گھبرا اٹھے اور ان پر یہ واہمہ سوار ہوا کہ انہوں نے ایک ”نبی اللہ“ کی دعوت حق کو ٹھکرادیا تھا اس لئے خدائے شدید العقاب کی طرف سے نزول عذاب کا منظر دکھایا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر ہزار ہا حماقت شعار تہی دستاں قسمت نے اپنی متاع ایمان اس کے سپرد کر دی۔ ان سرکشکان کوئے ضلالت میں بیخنے والوں میں لکھے پڑھے لوگ بھی تھے جنہیں علمی جہلا کتنا زیبا ہے۔ علمائے امت نے بہتیرا سمجھایا کہ اس شعبہ گر کے فقروں میں اگر دولت ایمان سے محروم نہ ہوں مگر کون سنتا تھا۔ ان پر اس عیار کا پوری طرح جادو چل چکا تھا۔ بجز قلیل ائمہ لوگوں کے کوئی شخص راہ راست پر نہ آیا لیکن عوام کا لانعام اور علمی جملاء کی یہ خوش اعتقادی کس قدر ماتم انگیز ہے کہ جو نئی کسی میلہ، زمان، سامری وقت نے بغرض زخارف دنیا کی تحصیل، ملت عقلی کی خانہ بر اندازی اور وحدت قومی کا شیرازہ بکھیرنے کیلئے اپنے الحاد و زندہ تو

کے طبل نوا پر چوب لگائی، زبوں طالع عقیدت کیش اپنے تمام قوائے عقلمیہ کھو کر پروانہ وار اس کی طرف دوڑتے اور دام تزدیر میں پھنسنے سے پہلے اتنی ”زحمت“ گوارا نہیں کرتے کہ وارثان علوم نبوت کے استصواب رائے سے کسی مدعی کے دعوؤں کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں بلکہ یہ ہندگان مسور اپنی نادانی سے خود ہی ایک طرفہ رائے قائم کر کے خسران لدی کے غاشیہ بردار بن جاتے ہیں اور حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ اگر کوئی انہیں تصویر کا دوسرا رخ دکھانا چاہے تو اس پر آمادہ نہیں ہوتے۔ میں نے ایک مرتبہ بڑی کوشش کی کہ ایک مرزائی ملاقاتی کو مقدمہ بہاولپور کا فیصلہ پڑھنے پر آگاہ کر لوں لیکن اس نے ایک نہ سنی اور یہ کہتا ہوا میرے پاس سے بھاگ گیا کہ ”میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا“ اس فیصلہ میں جج بہاولپور نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و ارتداد کے بہت سے وجوہ بیان کئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ مرزا غلام احمد کو اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

علی بن فضل کی مجلس میں ایک شخص پکار کر کہا کرتا تھا اَشْهَدُ اَنْ عَلِيَّ بْنَ الْفَضْلِ رَسُوْلُ اللّٰهِ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسے رسالت کے ساتھ اسے کسی حد تک خدائی کا دعویٰ بھی تھا چنانچہ جب کسی اندھے پیرو کے نام کوئی تحریر بھیجتا تو عنوان یوں ہوتا۔ من باسط الارض دواجها و منزلزل الحجاز و مرسئھا علی بن الفضل الی عبدہ فلاں بن فلاں (یہ تحریر زمین کے ٹھمرانے اور بانگنے والے اور پہاڑوں کے ہلانے اور ٹھمرانے والے علی بن فضل کی جانب سے اس کے بندہ فلاں بن فلاں کے نام ہے) اس نے بھی اپنے مذہب میں تمام محرمات کو حلال کر دیا تھا یہاں تک کہ آب حرام (شراب) اور بیٹیوں سے عقد نکاح جائز و روا تھا۔ انجام کار بعض شرفاء سے بغداد غیرت ملی اور ناموس اسلامی سے مجبور ہو کر اس کی ہلاکت کے ڈر پے ہوئے اور ایک دعوت میں اس کو جام زہر پلوا کر قعر عدم میں پہنچا دیا۔ علی بن فضل کا فتنہ انیس سال تک ممد رہا۔ لیکن تعجب ہے کہ صنعاء کے حکام نے انیس سال تک اس سے کیوں تعرض نہ کیا؟ اور لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالنے کیلئے اسے اتنا طویل عرصہ کیوں دیا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تو نصاریٰ کی عملداری میں تھے اس لئے ان کیلئے دار دنیا میں اپنے دعوؤں اور زندگی شعاری کا کوئی عاجل خمیازہ بھگتنے کا کوئی موقع نہ تھا لیکن جائے تعجب ہے کہ کوئی شخص اسلامی قلمرو میں رہ کر دس پندرہ روز سے ایک مدت تک ملت طحلی میں رننہ اندازیاں کرتا رہے اور خدا کی عاجز مخلوق پر رحم کر کے اس کو اس کے شر سے نہ چلایا جائے؟ جو نبی اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا حکام کا فرض تھا کہ اس کی رگ جان کاٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیتے۔

ابوطاہر قرمطی

جب ابو سعید جبلی 301ھ میں اپنے خادم کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سین قرمطی اپنے باپ کے جانشین ہو گیا اور مقامات بصرہ، قطیف، عسفان، بحرین کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ابو طاہر خدا کا لوہار ہونے کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ رب العالمین عزاسمہ کی روح میرے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ ابو طاہر نے عمان حکومت ہاتھ میں لینے کے دس سال بعد تسخیر بصرہ کا قصد کیا۔ ان دنوں خلیفہ المسلمین کی طرف سے سبک مغربی بصرہ کا امیر تھا۔ ابو طاہر نے ایک ہزار سات سو آدمیوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں بصرہ پر دھاوا کیا۔ سیزھیال لگا کر شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھ گیا اور محافظوں کو تہ تیغ کر کے شہر میں گھس پڑا۔ قرمطیوں نے ابو طاہر کے حکم سے شہر کے دروازے کھول کر قتل عام شروع کر دیا۔ بے چارہ سب نہایت افراتفری اور بے سرو سامانی کے عالم میں مقابلہ پر آیا لیکن عمدہ برآئے ہو سکا اور داد مراد آئی دے کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب قرمطیوں نے رعایا پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اہل شہر جان کے خوف سے بھاگے۔ سینکڑوں نے بوقت فرار ہمیشہ کیلئے قعر دریا میں بسیرا کر لیا اور ہزار ہا کلمہ گو قرمطی تیغ جفا کی نذر ہو کر دار آخرت میں چلے گئے۔ ابو طاہر بصرہ میں سترہ دن تک ٹھہرا۔ اس کے بعد جس قدر مال و اسباب اور عورتیں اور بچے قید کر کے لے جا سکا، ساتھ لے کر اپنے مستقر دولت بصرہ کی طرف عود کیا۔ خلیفہ مقتدر نے سبک شہید کی جگہ محمد بن عبداللہ فاروقی کو بصرہ کی امارت تفویض فرمائی۔

بے گناہ حاجیوں پر دست نطاول ہزار ہا حجاج کا مظلومانہ قتل :-

ابو طاہر اپنے قرمطی اور باطنی پیٹروؤں سے کہیں بڑھ کر اسلام کے درپے استیصال تھا چونکہ خلافت بغداد و ضعف و انحطاط کے ضغط میں مبتلا تھی اس لئے اس رباطن کو جسد اسلام پر چر کے لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ بصرہ کی غارت گری کے بعد اس نے مسلمانوں کی مقدس ترین جماعت یعنی حجاج کو قتل و غارت کر کے اسلام کے جگر میں ہاتھ ڈالا چنانچہ 312ھ میں حاجیوں کو ہن کی واپسی کے وقت لوٹنے اور قتل کرنے کی غرض سے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ ہجر کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر حاجیوں کے ایک قافلہ سے جو سب سے آگے تھا، مقابل ہوا۔

اہل قافلہ کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ حالت غفلت میں جا رہے تھے کہ دفعۃً ابو طاہر نے حملہ کر دیا۔ اہل قافلہ مدافعت نہ کر سکے۔ انہیں بری طرح لوٹا۔ جب پچھلے حاجیوں کو اس واقعہ ہانکھ کر اطلاع ہوئی تو انہوں نے قتل و غارت کے خوف سے فید میں قیام کر دیا لیکن زاد راہ ختم ہو گیا۔ ابو العجاء بن حمدانی والی طریق کوفہ بھی اسی قافلہ میں تھا۔ اس نے اہل قافلہ کو واوی القریٰ کی طرف مراجعت کرنے کی رائے دی مگر اہل قافلہ نے بہت دور نکل آنے کی وجہ سے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ آخر کوفہ کی راہ سے روانہ ہوئے۔ ابو طاہر نے یہ خبر پا کر ان پر حملہ کر دیا۔ ابو العجاء اور خلیفہ مقتدر کے ماموں احمد بن بدر کو گرفتار کر لیا۔ حاجیوں کا تمام مال و اسباب لوٹ کر ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور ہجر کی جانب مراجعت کی۔ حجاج کو اسی کف دست میدان میں عالم بے کسی میں چھوڑ دیا جن میں سے اکثر نے شدت تشنگی و گرسنگی اور تمازت آفتاب کی تاب نہ لا کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی اور باقی ماندہ حاجیوں کا اکثر حصہ بہزار خرابی و دشواری حجاز سے بغداد واپس آیا۔ بعد چندے ابو طاہر ابوہارہ پنچا اور احمد کو مع ان قیدیوں کے جو اس کے پاس تھے رہا کر دیا اور خلیفہ مقتدر کو لکھا کہ بھرہ اور ابو ہارہ مجھے دے دیئے جائیں۔ خلافت تاب نے منظور نہ فرمایا۔ اس مابہ پر ابو طاہر نے ہجر سے پھر بھعد تعرض حجاج کو بچ گیا۔ جعفر بن ورقاء شیبانی والی کوفہ و طریق مکہ اس کو پیش نظر رکھ کر ایک ہزار فوج سے جو اسی کی قوم سے مرتب کی گئی تھی۔ قافلہ حجاج سے پیشتر روانہ ہو گیا تھا اور اسی طرح تمام والی ہجر، جتا صفوانی اور طریف لشکری بھی چھ ہزار کی جمعیت سے حفاظت کیلئے قافلہ حجاج کے ساتھ تھے۔ ابو طاہر نے جعفر بن ورقاء کی مدد بھیڑ ہو گئی۔ بد نصیبی سے جعفر کو ہزیمت ہوئی۔ شاہی فوج بھی بھاگ کھڑی ہوئی اور ابو طاہر کوفہ تک حجاج اور شاہی فوج کا تعاقب کرتا چلا آیا۔ دروازہ کوفہ پر نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ ہزار ہا حاجی شہید ہوئے۔ شاہی لشکر کے چھکے چھوٹ گئے۔ اکثر لڑائی میں کام آئے۔ باقی ماندہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور جتا صفوانی گرفتار ہو گیا۔ ابو طاہر کوفہ پر تصرف کر کے چھ روز تک شہر کے باہر پڑا رہا۔ تمام دن جامع مسجد میں رہتا اور رات کو اپنے لشکر گاہ میں جا کر قیام کرتا۔ غرض مال و منال فراوان لیکر ہجر کی جانب لوٹ گیا۔ ہزیمت یافتہ گردہ بغداد پہنچا تو لوگوں میں سنسنی پھیل گئی چنانچہ اگلے سال کسی نے ابو طاہر کے خوف سے حج کا قصد نہ کیا۔

عسا کر خلافت کے مقابلہ میں ابو طاہر کی مزید کامیابیاں :-

314ھ میں خلیفہ مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو آذربائیجان سے دار الخلافہ بغداد میں طلب فرما کر بلاد شرقیہ کی حکومت تفویض کی اور ابو طاہر سے جنگ کرنے کی غرض سے واسط کی جانب روانہ کیا۔ جب یوسف واسط کے قریب پہنچا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ ابو طاہر اپنا لشکر

مرتب کر کے کوفہ چلا گیا ہے۔ چنانچہ یوسف واسط سے کوفہ چانے کیلئے روانہ ہوا۔ سوء اتفاق سے ابو طاہر یوسف سے ایک روز چھتر کوفہ کے شاہی عمال نجوف جان کوفہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ابو طاہر نے پہنچے ہی شہر کوفہ کے ساتھ ان علوفات اور ذخائر پر بھی قبضہ کر لیا جو حکام نے یوسف کیلئے چھتر سے فراہم کر رکھے تھے۔ دوسرے دن یوسف پہنچا تو شہر کی حالت نہایت ابتر پائی تو ابو طاہر سے نامہ و پیام شروع کیا۔ یوسف نے ابو طاہر کو عباسی علم کی اطاعت کا پیام دیا۔ ابو طاہر نے جواب میں کھلا بھجکا کہ ”ہم پر حق کے سوا کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے“ یوسف نے اعلان جنگ کر دیا۔ اگلے دن صبح سے رات تک فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر یوسف کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور یوسف مع اپنے چند فوجی افسروں کے گرفتار ہو گیا۔ یوسف لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا تھا۔ قرمطی اسے اپنے لشکر گاہ میں اٹھالائے۔ ابو طاہر نے یوسف کے معالجہ پر ایک طبیب کو مقرر کیا۔

شاہی فوج نے کوفہ سے بھاگ کر بغداد میں جا دم لیا۔ اب ایک سپہ سالار مونس مظفر نام علم خلافت کی حمایت لیکر ابو طاہر کی سرکوبی کیلئے کوفہ کو روانہ ہوا۔ اتنے میں یہ خبر آئی کہ قرمطہ کوفہ سے عین التمر کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ اس اثناء میں مونس کی خواہش کے بموجب بغداد سے پانسو جنگی کشتیاں روانہ کی گئیں۔ جن میں نامور اور کار آزمودہ سپاہی تھے تاکہ قرمطہ کی فوج کے فرات عبور کرنے سے مانع ہوں اور انبار کی حفاظت کیلئے ایک فوج خشکی کی طرف سے بھی روانہ کی گئی۔ قرمطہ نے کوفہ سے روانہ ہو کر انبار کا رخ کیا۔ اہل انبار نے یہ خبر پا کر پل توڑ دیا اور کشتیاں تباہ کر دیں۔ ابو طاہر نے فرات کے غری ساحل پر افواج سمیت قیام کیا۔ حدیث سے کشتیاں منگوائیں اور تین سو قرمطیوں کو انہی کشتیوں کے ذریعہ سے خشکی پر اتار دیا۔ شاہی فوج مزاحم آئی مگر پہلے ہی حملہ میں شکست کھا کر بھاگے۔ قرمطہ نے انبار پر قبضہ کر لیا۔ اس اندوہناک حادثہ کی خبر بخند ہو چکی۔ حنیف مقتدر نے حاجب کو ایک فوج تڑوں کے ساتھ قرمطہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ نصر منزلیں ملے کرتا ہوا مونس مظفر سے آ ملا۔ دونوں نے چالیس ہزار فوج سے قرمطہ پر دھوا کر کے یوسف کی مخلص کیلئے سخت جدوجہد کی۔ قرمطہ بھی ختم ٹھوٹک کر مقابلہ میں آئے۔ ٹھہرن ٹرائی ہوئی۔ بلا آخر شاہی لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ جب قرمطی اسی دارو گیر میں مصروف تھے تو یوسف محظوظوں کی نظر چا کر نکل بھاگنے کی فکر میں لگا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اشارہ کیا کہ یہاں سے بھاگ جانے کو کما مگر سوء اتفاق سے ابو طاہر اس کو بھانپ گیا۔ اس لئے یوسف کو بلا کر قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے تمام دوسرے قیدیوں کو بھی قید حیات سے سبکدوش کر دیا۔

ابو طاہر کی دوسری چیرہ دستیایں اور ظلم آرائیاں :-

316ھ میں ابو طاہر انبار سے کوچ کر کے رجبہ پہنچا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ یہاں بھی شبانہ روز قتل عام کیا۔ آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی جسے ابو طاہر نے منظور کر لیا۔ ابو طاہر نے ایک دستہ فوج عربوں پر شیخون مارنے کو جزیرہ کی طرف روانہ کیا۔ اہل جزیرہ جان کی خوف سے بھاگ گئے اور جو بھاگ نہ سکے وہ قرامطہ کی لوٹ مار کی نذر ہوئے۔ اس قتل و غصب کے بعد انہوں نے سالانہ خراج دینا منظور کیا جو ہر سال ہجر روانہ کیا جاتا تھا۔ تھوڑے دن کے بعد اہل رقبہ نے انحراف کیا۔ ابو طاہر نے یہ خبر پا کر لشکر کشی کر دی۔ مسلسل تین روز تک لڑائی ہوتی رہی آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی۔ ابو طاہر نے منظور کر لی۔ مونس مظفر نے خلیفہ کے حکم سے ازسر نو لشکر مرتب کر کے بغداد سے رقبہ کی طرف کوچ کیا۔ ابو طاہر رقبہ چھوڑ کر رجبہ چلا آیا اور جب مونس رقبہ پہنچا تو قرامطی رجبہ سے ہیت کو چلے آئے چونکہ اہل بیت نے قلعہ ہمدی کر لی تھی اور حفاظت کا انتظام مکمل ہو چکا تھا اس لئے قرامطہ کا دست تعدی اہل ہیت تک نہ پہنچ سکا اپنا سامنہ لیکر کوفہ کی طرف لوٹ آئے۔ جب ان واقعات کی دربار خلافت میں خبر پہنچی تو خلیفہ نے نصر حاجب، ہارون بن غریب اور لنن قیس کو بڑی فوج کے ساتھ قرامطہ کی سرکونی کیلئے روانہ فرمایا۔ اس اثنا میں قرامطی لشکر قصر بن بمرہ پہنچ گیا۔ نصر سپہ سالار لشکر علیل ہو گیا۔ اس لئے احمد بن کیغلیغ کو اپنا نائب مقرر کر کے واپس ہوا اور اثنا زراہ میں رجبہ اسے عالم آخرت ہو گیا۔ خلیفہ نے فوج کی قیادت، ہارون میں غریب کے سپرد کی لیکن اس اثنا میں ابو طاہر اپنے شہر کو واپس چلا گیا اور ہارون غریب نے 316ھ کو بغداد کی جانب معاودت کی۔ کچھ دن کے بعد قرامطہ، واسط، عین التمر اور سواد کوفہ میں جمع ہوئے اور ہر جماعت نے اپنے میں سے ایک ایک شخص کو سردار مقرر کیا۔ واسط کی جماعت پر حریش بن مسعود متعین ہوا۔ عین التمر کے گروہ پر عیسیٰ بن موسیٰ مامور ہوا۔ عیسیٰ نے کوفہ کی جانب کوچ کیا اور سواد پہنچ کر عمال خلافت کو نکال دیا اور خراج و مال گذاری خود وصول کرنے لگا اور حریت موفقی کے علاقہ کی طرف بڑھا اور اس پر قابض و متصرف ہو کر وہاں ایک مکان ہوایا جس کا نام دارالجزیرہ رکھا۔ اب قرامطی آئے دن لوٹ مار سے کام لیتے اور بلاد اسلامیہ کو تہہ و بالا کرتے جاتے تھے۔

قرامطہ کی پہلی ہزیمت :-

خلیفۃ المسلمین کی طرف سے واسط کی سپہ سالاری کا منصب ابن قیس کو مفوض تھا وہ لشکر آراستہ کر کے قرامطہ سے معرکہ آرا ہوا مگر ان کی ترقی پذیر قوت سے عمدہ برآنہ ہو سکا۔ شکست

کھا کر بھاگا۔ خلیفہ مقتدر نے ہارون بن غریب کو ایک لشکر جہاد کے ساتھ ابن قیس کی کمک پر بھیجا اور ابن قرامطہ کی سرکوبی کو جنہوں نے کوفہ کی طرف رخ کیا تھا۔ صافی بصری کو روانہ فرمایا چنانچہ ابن سپہ سالاروں نے قرامطہ کو بڑی طرف سے گھیر کر آتش حرب مشتعل کی۔ قرامطی شکست کھا کر بھاگے۔ لشکر شامی نے تھوڑی دور تک ابن کا تعاقب کیا۔ یہ پہلی شکست تھی جو ابو طاہر کے بیچ دوس کو تخت بغداد کے مقابلہ میں ہوئی۔ عساکر خلافت نے ان کے پھریرے چھین لئے۔ یہ پھریرے سفید رنگ کے تھے اور ان پر یہ آئی لکھی تھی :-

ترجمہ :- اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو سر زمین (مصر) میں ضعیف کیا جا رہا تھا ہم ان پر یہ احسان کریں کہ انہیں (دین کا) پیشوا اور (ملک کا) مالک بنادیں۔

جس وقت یہ لشکر ظفر پیکر مظفر و منصور ان پھریوں کو سرنگوں کئے ہوئے بغداد میں داخل ہوا تو وہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ خواص و عوام جوش مسرت سے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اس شکست کے بعد قرامطہ کا وہ پہلا سازور بل نہ رہا اور بصرہ و کوفہ سے ان کا عمل و دخل اٹھ گیا۔

مکہ معظمہ میں قتل عام :-

ابو طاہر نے شہر ہجر کو دار الحکومت بنانے کے بعد وہاں ایک نہایت عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کو اس نے دارالہجرت کے نام سے موسوم کیا۔ اب اس پر یہ خط سوار ہوا کہ لوگ کعبہ کا حج اور طواف چھوڑ کر اس کے دارالہجرت کا حج کیا کریں لیکن اس مقصد کے حصول کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے اس کے طاغوت آشیاں دماغ نے اسے ترکیب سوچائی کہ حجرہ اسود کو مکہ معظمہ سے منتقل کر کے دارالہجرت میں نصب کر دیا جائے چنانچہ اس غرض کی تکمیل کیلئے اس نے 319ھ میں مکہ معظمہ کی طرف کوچ کیا۔ اس سال منصور دہلیسی بغداد سے لوگوں کو حج کرانے کیلئے آیا تھا۔ حجاج کو لیکر صحیح و سلامت مکہ معظمہ پہنچ گیا لیکن یوم تردیہ کو ابو طاہر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ آپہنچا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیغ بہنہ مسجد میں داخل ہوا یہاں آکر شراب منگوا کر پی اور اپنے گھوڑے کے سامنے سیٹی جاتی تو اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اس وقت بعض حجاج بیت اللہ کے طواف میں اور بعض نماز میں مصروف تھے اور جامہ احرام کے سوا ان کے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ قرامطیوں نے ابو طاہر کے حکم سے زائرین کعبہ پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ جس کسی کا مال و اسباب پایا لوٹ لیا، جس کو دیکھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہر کے علاوہ مسجد حرام اور خانہ کعبہ میں بھی قتل عام ہوتا رہا۔ ہزار ہا جرم ناآشنا زائران حرم قرامطی تیغ جفا کا نشانہ بن گئے۔ شہر میں ہر طرف دجلہ

خون رواں تھا۔ خاص بیت اطہر میں ایک ہزار سات سو طائفہ محرم جام شہادت سے سیراب ہوئے۔ علی بن بابویہ بھی اس داروگیر میں موجود تھا۔ اس نے ہمہ گیر قتل و غارت کے باوجود طواف بیت اللہ قطع نہ کیا۔

علی بن بابویہ پر چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں اور اس کا طائر روح آنا فنا نفس عصری سے پرواز کر گیا۔ چاہ زمزم اور مکہ معظمہ کے متعدد دوسرے کنوئیں اور ندی نالے اور گڑھے شہداء کی لاشوں سے پٹ گئے۔ شہداء کی کوئی تجبیر و تکفین عمل میں نہ آئی۔ اس کے بعد ابو طاہر نے کعبہ معلیٰ کے دروازہ کو اکھڑا دیا اور نہایت متکبرانہ لہجہ میں جس سے اس کا دعویٰ خدائی بھی ثابت ہوتا تھا۔

اور حجاج کو پکار کر کہنے لگا ”اے گدھو! تم کہتے ہو مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اَمِنًا (جو کوئی بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامن ہو گیا)۔ اب وہ امن کیا ہوا؟ ہم نے جو چاہا کیا۔ جس کو چاہا زندہ رکھا جس کو چاہا ہست سے نیست کر دیا۔ ایک شخص نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا اس آیت شریفہ کا یہ منموم نہیں جو تم سمجھے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ”جو شخص اس میں داخل ہو جائے اسے امن مل جائے“ ابو طاہر نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور وہ اس کے فتنے سے مامون رہا۔ ابو حلب امیر مکہ نے دیکھا کہ قرمطی جو رو تغلب کا طوقان کسی طرح نہیں تھمتا تو وہ شرفائے مکہ کا ایک وفد لیکر حجاج لور اہل مکہ معظمہ کی سفارش کیلئے ابو طاہر کے پاس گیا۔ اس سیاہ رو نے قبول شفاعت کے جائے اپنی فوج کو ان پر اشارہ کر دیا۔ وہ ان ناکردہ گناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر ابو حلب نے بھی مقابلہ کیا مگر چند آدمیوں سے کیا ہو سکتا تھا۔ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ابو طاہر نے میزاب کو جو سونے سے مرصع تھا اکھڑا نا چاہا۔ اس غرض کیلئے اس نے ایک آدمی کو کعبہ معلیٰ پر چڑھایا۔ محمد بن ربیع بن سلیمان کا میان ہے کہ میں اس وقت تھوڑی دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ میرے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ میں نے کہا یارب ما احلمک ”الہی تیری بر دباری کی کوئی حد نہیں“ میرا یہ کہنا تھا کہ قرمطی سرگلوں گزار ہلاک ہو گیا۔ ابو طاہر نے اس کی جگہ دوسرے آدمی کو چڑھنے کا حکم دیا۔ وہ بھی گر کر طمہ اجل ہو گیا۔ اب تیسرے کو چڑھنے کیلئے کہا لیکن وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اسے اوپر چڑھنے کی کسی طرح جرأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر ابو طاہر ان سے علیحدہ ہو گیا۔ قرمطیوں نے غضب آلودہ ہو کر بیت اللہ کا دروازہ توڑ ڈالا۔ ابو طاہر نے غلاف کعبہ کو اتروا کر کلزے کلزے کر دیا اور اس کے پارچے لشکر میں تقسیم کر دیئے اور بیت اللہ کے خزانے پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس سال باستثنائے قدر حجاج عرفات میں نہ ٹھہرے اور بغیر امام کے ہی حج ادا کر لیا۔

حجر اسود کو مکہ مکرمہ سے منتقل کرنے کا خوفناک اقدام :-

ابو طاہر اس پتھر کو مکہ معظمہ سے ہجر لے جانا چاہتا تھا جس پر جناب امیر ایم خلیل اللہ کا نقش پاتا تھا لیکن خادمان کعبہ نے اسے مکہ معظمہ کی گھاٹیوں میں چھپا دیا۔ اس وجہ سے اس پر دسترس نہ پاسکا لیکن حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال لے گیا۔ یہ ہولناک واقعہ بروز دو شنبہ 14 ذی الحجہ 317ھ کو رونما ہوا چونکہ قرمطی طاعنہ صمم پرستوں سے بھی زیادہ بے دین تھے اور انہوں نے کعبہ اللہ سے منحرف ہو کر بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ابو طاہر کے دل میں بیت اللہ کی کوئی وقعت نہ ہو سکتی تھی بلکہ وہ اپنی شغلوں سے کعبہ معلیٰ کو بیت اللہ ہی نہ سمجھتا تھا۔

وہ اس حقیقت حال سے بے خبر تھا کہ خداے شدید العقاب ابو طاہر جیسے گردن فراز جہلہ کو عموماً سہلت دیتا اور ان کفر، طفیان اور حق فراموشی کی رسی کو دراز کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔
ترجمہ :- ”اے رسول! نزول عذاب کی تاریخ سے ملو نہ ہوئے اور تکذیب کرنے والوں کو ہمارے ذمے رہنے دیجئے ہم ان کو (ساعت بساعت جہنم کی طرف) اس طرح لئے جا رہے ہیں کہ ان کو اس کا کچھ احساس نہیں ہم ایسے لوگوں کو سہلت دیتے ہیں اور ہماری یہ تدبیر بڑی زبردست ہے۔“

ابو طاہر نے قبہ زمزم کو بھی مسمار کر دیا اور چھ یا گیارہ روز تک مکہ معظمہ میں اقامت کر کے ہجر کو لوٹ گیا۔ ابو طاہر نے حجر اسود کو ہجر کی جامع مسجد کی غریب جانب آویزاں کر دیا اور مکہ معظمہ میں حجر اسود کی جگہ خالی رہ گئی۔

عبید اللہ کا خط ابو طاہر کو :-

مکہ معظمہ سے مراجعت کرنے کے بعد ابو طاہر نے اپنی قلمرو میں حکم دیا کہ عبید اللہ السدی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور عبید اللہ کو اطلاع دی کہ ہم نے اپنی مملکت میں آپ کے نام کا خطبہ جاری کر دیا ہے اور بہت کچھ عقیدت و اخلاص کے بعد لکھا کہ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ میں نے مکہ میں (معاذ اللہ) ”بیروان ضلالت اور اہل فساد کا خوب قلع قمع کیا۔ یہاں تک کہ مکہ کی سر زمین ان کے خون سے لالہ زار بن گئی“ عبید اللہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہمیں خط بھیج کر اپنی بد اعمالیوں کی داغ چاہنا سخت حیرت انگیز ہے۔ بلکہ اللہ الامین میں تو نے کیا کچھ حرکتیں نہ کیں؟ تو نے اس بیت اللہ کی جو ازل سے جاہلیت و اسلام سے ہمیشہ محترم رہا بے حرمتی کی۔ اس جھوٹے مقدمہ میں مسلمانوں کے خون بہائے اس کے معترین کو ہلاک کیا اور خانہ خدا میں

اس قدر جسارت کا اظہار کیا۔ حجرہ اسود کو اکھاڑ لے گیا حالانکہ یہ ہبوطِ بسط ارض ہے اور لکھا کہ تمہاری اس حرکت کی وجہ سے ہماری جماعت اور ہماری سلطنت کے دعاۃ پر کفر و الحاد کا اطلاق متحقق ہو گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ان تمام شاعتوں اور بد کرداریوں کے باوجود تجھے اس بات کی توقع ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں پر خوشنودی خاطر کا تمغہ عطا کریں گے۔ ابو طاہر کو یہ خط ملا تو سانپ کی طرح بیچ و تاب کھانے لگا اور عبید اللہ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔

دہ سالہ انتظار کے بعد حج کا اجراء :-

معلوم ہوتا ہے کہ حج کعبہ 317ھ سے 327ھ تک یعنی دس سال تک موقوف و ملتوی رہا۔ امن طریق بھی فرضیت حج کی لازمی شرط ہے اور ابو طاہر کی وجہ سے امن طریق مفقود ہو گیا تھا اس لئے عازمین حج عالی امن کے خطر رہے۔ انہیں ہر سال مایوس ہونا پڑتا تھا۔ دس سال کی طویل مدت اسی انتظار میں گزر گئی۔ یہاں تک ابو علی عمر بن یحییٰ علوی نے جو ابو طاہر کا دوست تھا اس کو لکھا کہ ہر حاجی سے پانچ دینار فی شتر محصول لیکر حج کی اجازت دو چنانچہ اس نے اس کو منظور کر لیا اور لوگوں کو امن و اطمینان کے ساتھ حج کرنا نصیب ہوا اور یہ پہلا حج تھا جبکہ حاجیوں کو حج کا محصول ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد خلیفہ کے حاجب محمد بن یاقوت نے ابو طاہر کو ایک خط لکھا کہ حج سے تعرض کرنا چھوڑ دو اور حجر اسود واپس کر دو تو خلیفہ المسلمین وہ تمام بلاد جو تمہارے زیر نگیں ہیں تمہارے پاس برقرار رہنے دیں گے۔ ابو طاہر نے جواب دیا کہ آئندہ حج سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا لیکن حجر اسود کی واپسی کیلئے اس نے نئی یا اثباتاً کوئی جواب نہ دیا۔ اس دن سے قرامطہ نے حج سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

حجر اسود کی واپسی :-

ابو طاہر نے بہتری کو ششیں کیں کہ لوگ حجر کی بدولت ہجر کی طرف حج کو آئیں لیکن خدا نے اس کی کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔ کوئی شخص ہجر کی طرف مائل نہ ہوا تو تحویل حج سے مایوس ہو گیا۔ مقتدر باللہ نے پچاس ہزار درہم اس کے عوض میں پیش کئے تھے لیکن ابو طاہر نے دینے سے انکار کیا تھا۔ آخر جب اس سے کوئی مطلب براری نہ ہوئی تو خلیفہ مطیع اللہ کے عہد خلافت میں تیس ہزار دینار لے کر واپس کر دیا اور بھٹن کا کہنا یہ ہے کہ انہوں نے کچھ نہ لیا۔ کہنے لگے کہ ہم نے اسے خدا ہی کیلئے لیا اور خدا ہی کے نام پر واپس کرتے ہیں۔ حسین قرظی۔

شعبہ 10 محرم 339ھ کو حجر اسود لیکر مکہ معظمہ پہنچا اور کعبہ معلیٰ میں پھر اپنی جگہ پر نصب کیا گیا جہاں سے اکھاڑا تھا۔ حجر اسود کے گرد چاندی کا حلقہ جس کا وزن تین ہزار سات سو ستتر ہونے لگا۔

درم (قریبا چودہ سیر) تھا چڑھا دیا گیا۔ حجر اسود ابو طاہر کے قبضہ میں چار روز کم بائیس سال رہا کرتے ہیں کہ جب قرامطہ حجر اسود لے گئے تو بھر تک پہنچتے پہنچتے چالیس لوٹ بوجھ کے نیچے دب کر مر گئے اور جب واپس لائے تو ایک ہی لوٹ نے کہ معتلمہ تک پہنچا دیا۔ ابو طاہر اس واقعہ کے بعد مرض چچک میں مبتلا ہوا۔ اس مرض نے اس کا ایسا حال کر دیا کہ جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔ آخر گٹھر کے گٹھر گناہ لیکر بصد حسرت داندوہ اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔

حامیم بن من اللہ محکسی

313ھ میں ابو محمد حامیم بن من اللہ محکسی نے سرزمین ریف واقع ملک مغرب میں دعویٰ نبوت کیا اور اپنی فریب کاری کا جاہل پھیلا کر ہزار ہا زود اعتقاد بدمردی عوام کو اپنا پیروہ مالیا۔ اس نے اپنے پیرووں کیلئے ایک نیا آئین جاری کیا جو احکام شریعت سے بہت کچھ بُعد رکھتا تھا صرف دو نمازوں کا حکم دیا پہلی طلوع آفتاب کے وقت اور دوسری غروب آفتاب کی سرخی میں پڑھی جاتی تھی۔ اس نے ماہ رمضان کے روزے اڑائیے۔ ان کی جگہ رمضان کے آخری عشرہ کے تین شوال کے تین اور ہر بدھ اور جمعرات کو دوپہر تک کا روزہ متعین کیا۔ جو شخص اس آئین کی خلاف ورزی کرتا اس سے چھ راس مویشی کی قیمت وصول کر کے بیت المال میں داخل کیا جاتا۔ اس نے اپنی امت سے حج، زکوٰۃ اور وضو ساقط کر دیا۔ خنزیر کو حلال کر دیا پھلی حلال کی لیکن بدیں شرط کہ اس کے خندہ ساز شرعی طریقہ سے ذبح کی گئی ہو۔ تمام حلال جانوروں کے سر اور انڈے کھانے کی ممانعت کی چنانچہ اس علاقہ کے بدمرد قبائل آج تک انڈوں کو حرام سمجھ کر ان سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی پھوپھی جس کا نام تبخیث یا تابعتیت تھا کا ہنہ اور ساحرہ تھی۔ یہ بھی نبیہ منصور ہوتی تھی اور اس کا نام بھی نمازوں میں لیا جاتا تھا۔ اسی طرح اس کی بہن دو جوع جو کا ہنہ اور ساحرہ تھی خندہ ساز نبوت کے درجہ پر فائز تھی۔ اس نے اپنے پیرووں کی رہنمائی کیلئے بدمردی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جسے کلام الہی کی حیثیت سے پیش کیا کرتا تھا۔ اس کتاب کے جو الفاظ نماز میں پڑھے جاتے تھے ان کا مفہوم یہ تھا کہ توجو کہ آنکھوں سے پنہاں ہے مجھے گناہوں سے پاک کر دے۔ اے وہ جس نے موسیٰؑ کو دریا صحیح و سلامت پد کر لویا۔ میں حامیم پر اور اس کے باپ ابو خلف من اللہ پر ایمان لایا ہوں میرا سر، میری عقل، میرا سینہ، میرا خون اور میرا گوشت و پوست سب ایمان لائے ہیں۔ میں حامیم کی پھوپھی تابعتیت پر بھی جو ابو خلف من اللہ کی بہن ہے پر ایمان لایا ہوں۔ حامیم کے پیر بدلان کے وقت اور لیام قحط میں حامیم کی پھوپھی اور اس کی بہن کے توہل سے دعا کرتے تھے۔ حامیم ایک لڑائی میں مارا گیا جو 319ھ یا 320ھ میں تبخیر کے پاس احوال میں قبیلہ مضمودہ سے ہوئی لیکن جو مذہب قائم کر گیا وہ ایک زمانہ دراز تک عبرت کدہ عالم میں موجود رہا۔ حامیم ہی کے خاندان میں عاصم بن جمیل بھی ایک جھوٹا نبی گزرا ہے اس کے حالات غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کر دیئے گئے ہیں۔

محمد بن علی شلمغانی

یہ جعفر محمد بن علی موصوفہ ابن علی العزاقر شلمغانی کا رہنے والا تھا جو واسط کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ خود لکھتے ہیں۔ لہذا وہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں شمار کیا جاتا تھا اور اس مذہب کے اصول پر سختی لکھیں تھی لیکن ابو القاسم حسین بن روح سے جس کو شیعہ لوگ اس خیال سے باب کہتے تھے کہ وہ امام محمد بن حسن عسکریؑ کی طرف سے ان کی غیوریت صغریٰ کے زمانہ میں وکیل تھا اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تو اس نے خود امام غفلی کے ”باب“ ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعوں میں ایک ایسا مذہب و مسلک پیدا کیا جس کی بنیادیں غلو اور تباہ و حلول ذات باری کی سطح پر قائم تھیں۔ شیعیت سے ترقی کرنے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ عزوجل کی روح آدم علیہ السلام کے جسم میں حلول کر گئی۔ ان کے بعد شیث علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انبیاء اوصیاء اور آئمہ کے جسموں میں حلول کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے حسن بن علی عسکری کے جسم میں حلول کیا۔ ان کے بعد خود اس میں حلول کر گئی۔ 320ھ میں شلمغانی بغداد لوٹا۔ اس وقت خلیفہ قاہر باللہ آل عباس کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ شلمغانی لکھا تھا کہ میں بنی ظاہر باطن اول و آخر اور قدیم ہوں۔ رازق اور تام ہوں اور تام سے مراد وہ ذات ہے جو ہر صفت سے موصوف ہو سکے۔

سابق وزیر اعظم کو شلمغانی رومییت کا اعتراف :-

بغداد کے ہزار ہا گوی اس کے گردیدہ ہو گئے یہاں تک کہ کئی ایک ذی اقتدار اور صاحب اثر افراد نے بھی اس کی رومییت کا اقرار کر لیا جن میں حسن بن قاسم جیسا زریک و فرزانہ روزگار مدد بھی جو اس سے پیشتر خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیر اعظم رہ چکا تھا، داخل تھا۔ اسی طرح بطام کے دونوں بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امراء بغداد میں سے تھے وہ بھی (معاذ اللہ) اس کی خدائی پر ایمان لے آئے اگر کسی دور دست مقام پر یا کسی نصرانی حکومت کے زیر حکومت رہ کر خدائی کا یہ جال پھیلاتا تو اس سے کچھ تفرض نہ کیا جاتا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اسے یہ کہنے کا موقع ملتا کہ چونکہ تیس سال کی طویل مدت سے بلا مزاحمت اپنے دعویٰ خدائی پر قائم ہوں اس لئے سچا خدا ہوں مگر اسلامی سلطنت بالخصوص اسلامی دار الخلافہ میں اس کی ”خدائی“ دیرپا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب شلمغانی نے دعویٰ خدائی کیا تو لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت میں داخل

ہونے لگے تو حکومت کو اس کی طرف توجہ دینا پڑی اور حکومت نے اس فتنہ کو ختم کرنے کا ارادہ کیا مگر شلمانی کو اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ بغداد میں روپوش ہو کر خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ حکومت نے دیکھا کہ یہ فتنہ اب دب دبا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری کا کچھ اہتمام نہ کیا لیکن ڈیڑھ دو سال کے بعد اس نے پھر بغداد میں آکر سر اٹھایا۔ خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا اس کی گرفتاری کا موکد حکم جاری کر دیا۔ اس وقت ابن مقلہ وزیر اعظم تھا۔ اس نے ہیدار مغزی اور حکمت عملی سے کام لیکر اس نئے ”پروردگارِ عالم“ کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے موئین و معتقدین کے بہت سے خطوط اور رقعات برآمد ہوئے۔ جن میں شلمانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا جن کا اطلاق و استعمال بجز ذات رب العالمین کے بجز خاکی کی نسبت نہیں کیا جاسکتا۔ ابن مقلہ نے علماء کو جمع کیا اور شلمانی کے سامنے وہ خطوط پیش کئے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ تمام خطوط میرے ہی نام پر بھیجے گئے تھے لیکن تقیہ کر کے کہنے لگا کہ میں بالکل بے قصور ہوں میرے عقیدے وہی ہیں جو دوسرے شیعوں کے ہیں۔ میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب العالمین ہوں اور ان لوگوں نے جو میری نسبت ایسے الفاظ استعمال کئے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دوسروں کی غلطی کا الزام مجھ کو نہیں دیا جاسکتا۔ انہی خطوط کی بنا پر اس کے دو بھروسے بھی گرفتار کئے گئے جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون اور دوسرا ابن عبدوس۔

شلمانی اور اس کے غاشیہ بردار دربار خلافت میں :-

اب یہ دونوں غاشیہ بردار اور خود شلمانی خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ان دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ اگر تم شلمانی سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہو تو دونوں زور زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مارو۔ پہلے تو اس حکم کی تعمیل سے گریزاں رہے لیکن جب مجبور کئے گئے تو جبراً قہراً آمادہ ہوئے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر تھپڑ مار دیا مگر ابن ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ کانپ گیا اور ساتھ ہی وہی عقیدت کا جو جوش ہوا تو بڑھ کر شلمانی کے سر اور داڑھی کو بوسہ دیا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا۔ ترجمہ :- (اے میرے معبود! میرے سردار اور میرے رازق) اب کیا تھا خلیفہ کو ایک حجت و برہان ہاتھ آئی۔ بولا تم تو کہتے تھے کہ تو مدعی دعوائے الوہیت نہیں تو اس شخص نے تجھے ایسے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرآن میں ہے ترجمہ :- (حق تعالیٰ ایک کے گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا) میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود ہوں۔ دونوں میں سے ابن عبدوس جس نے تھپڑ مارا تھا۔ بولا ”ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں۔ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ

یہ رہنما ہیں اور لکن روح کی جگہ پر ہیں لیکن اس امر کی متعدد قابل وثوق شہادتیں پیش ہوئیں کہ ماخوذین کا اٹھ محض وضع الوقتی اور خوف قتل پر مبنی ہے ورنہ شلغمانی بالقطع خدائی کا مدعی ہے اور یہ کہ جب کبھی اس کے پیروں نے اسے ذات خد لوندی سے متصف و مخاطب کیا ہے اس سے اس نے اٹھ نہیں کیا۔ بائیں ہمہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے خیالات و عقاید کی مزید تفتیش کی جائے آخر معلوم ہوا کہ اس شخص نے ایک نیا دین اور نیا آئین بنا کر لوگوں کی متاع دین و ایمان پر بری طرح ڈاکہ ڈال رکھا ہے۔

مشرکانہ و ملحدانہ اصول و عقائد :-

اس کے دین کا پہلا اصول یہ تھا کہ شلغمانی ہی وہ الہ الہیت ہے جو حق کو ثابت کر سکا ہے۔ وہی ہے جس کی جانب الفاظ اول، قدیم، ظاہر، باطن سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف و تحمل کے بموجب حلول کرتا ہے اور جب کسی پیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس میں سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ الہی یہ تھا کہ اس نے ہر چیز کیلئے ایک ضد اس بنا پر ظاہر کی کہ جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ پس ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے اور ضد خود حق سے افضل و برتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق و مشابہ ہوتی ہیں۔ بمقابلہ ان کے یہ چیز زیادہ سے زیادہ قریب ہوتی ہے اسی کا مظہر یہ ہے کہ جب رب العالمین نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو جس طرح خدا آدم علیہ السلام میں حلول کر کے نمایاں ہوا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کے ابلیس یعنی ان کی ضد میں حلول کر کے بھی خود ہی نمودار ہوا، گو بظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے مگر دراصل دونوں پیکروں میں خود ہی تھا پھر جب آدم علیہ السلام صفحہ ہستی سے غائب ہو گئے تو لاہوت (خدائے برتر) متفرق و منتشر ہو کر پانچ ناسوتیوں میں جدا جدا ظاہر ہوا اور اسی طرح ابلیس پانچ ابلیسوں میں سمٹ گیا۔ اب لاہوتیت اور لیس علیہ السلام کے پیکر میں جمع ہو گئی یعنی کھل خدانے اور لیس علیہ السلام کو میں حلول کیا۔ اسی طرح وہ ضد بھی پانچوں ابلیسوں میں سے سمٹ کر اور لیس علیہ السلام کی ضد یعنی ان کے مخالف و معاصر میں مجتمع ہو گئی۔ اور لیس علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس کے بعد پھر الوہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتیوں میں منتشر ہوئی اور چند روز بعد نوح علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس میں جمع ہوئی پھر منتشر ہوئی۔ چند روز کے بعد ہود علیہ السلام اور ان کے ضد ابلیس میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد حسب معمول منتشر ہو کر صالح اور ان کے ابلیس یعنی حاقر ناقہ میں جمع ہوئی۔ بعد ازاں چند روز منتشر رہ کر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ابلیس (نمرود)

میں جمع ہوئی پھر منتشر ہو کر ہارون اور ان کے معاصر ابلیس (فرعون) میں جمع ہوئی۔ اب لاہوتیت داؤد علیہ السلام اور ان کے ابلیس جالوت میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد جو منتشر ہوئی تو اس نے سلیمان علیہ السلام اور ان کے ابلیس کے پیکروں کو حلول ہونے کیلئے منتخب کیا۔ اس کے بعد منتشر ہو کر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابلیس میں مجتعا ظاہر ہوئی۔ عیسیٰ کے بعد وہ حواریوں میں تقسیم ہو گئی اور چند روز گزار کر حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے معاصر ابلیس میں نمودار ہوئی اور اب وہی الوہیت خود شلمانی اور اس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔ شلمانی کی یہ بھی تعلیم تھی کہ خدائے برتر اپنے آپ کو ہر چیز، ہر پیکر اور ہر معنی میں ظاہر کرتا ہے اور ہر دل میں جو خیالات موجزن رہتے ہیں اور یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں، یہ وہی خدا ہے۔ خدا دراصل ایک معنی کا نام ہے اور لوگ جس کسی کے محتاج ہوں وہی اس کا الہ (خدا) ہے چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہنچے وہ اس کا رب ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔ وہ میرا رب ہے۔ فلاں فلاں کا رب ہے اور فلاں میرے رب کا رب ہے۔ یہاں تک کہ ربوبیت کا سلسلہ شلمانی تک پہنچ جاتا ہے اور وہ دعویٰ کرتا کہ میں رب الارباب ہوں کیونکہ اس کے زمانہ میں (معاذ اللہ) اس سے بڑی اور کوئی ربوبیت نہ تھی۔

بدترین رخص والحاد :-

شلمانی کا بدترین رخص اور حضرت علیؑ کی محبت کا غلو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) خائن بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہارون نے موسیٰ کو اور حضرت علیؑ نے جناب محمد ﷺ کو لوگوں کی طرف بھجا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو۔ مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی اور لوگوں کو غرض مفوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کی۔ اس کے ساتھ ایک عجیب بات یہ تھی کہ شلمانی کے نزدیک جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ حضرت علیؑ کے فرزند نہ تھے کیونکہ اس کے اعتقاد کے رو سے حضرت علیؑ الہ العالمین تھے اور اس کے زعم میں جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کر نمودار ہوتی ہے اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے اور خدا کی شان لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہے۔ شلمانی کی تعلیم کے بموجب جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں بلکہ اس کے مذہب کے ماننے اور اس کی معرفت کا نام جنت تھا اور اس کے مذہب سے انکار کرنے اور اس کے اصول سے جاہل رہنے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اس کے زعم میں ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ شلمانی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت

کرے نور بنی سے مقابلہ کرتا رہے وہ ماجور ہے کیونکہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی دشمن اس پر لعن طعن کرے چنانچہ جب ولی ہدف اعتراضات ملتا جاتا ہے اور لوگ ان اعتراضوں کو سنتے ہیں تو اس کے حالات کی جستجو کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہی مخالفت ظہور فضائل و کمالات کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے مخالف ولی سے افضل ہے۔ اسی بنا پر وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام سے فرعون کو اور حضرت سرور کائنات ﷺ سے (صحابہ کرام) کو اور حضرت علیؑ سے حضرت معاویہؓ کو افضل بتاتا تھا۔

شلفمانی شریعت کے شرمناک احکام :-

یہ تو صحنہ کے صحابہ تھے۔ اب ذرا اس کے آئین مذہب کی شان ملاحظہ ہو۔ اس کا اعتقاد تھا کہ جب محمد ﷺ کو رسول بنا کر کبریاہ قریش اور جہدہ عرب کے پاس بھیجا۔ ان کے دل بندھے تھے محمد ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں، نماز پڑھیں۔ علیؑ نے محمد ﷺ کو صاحب کعبہ کی مدت خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک سہمت دیدی اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ اتنا زمانہ تک محمد ﷺ کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے لیکن اس مدت کے گزرتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی شریعت عرصہ وجود میں آئے گی۔ مگر ساڑھے تین سو سال کی مدت کے پورے ہونے میں ابھی اٹھائیس سال باقی تھے کہ دربار خلافت نے الوہیت کا وہ سارا کھیل ہی ہکاڑ دیا جو شلفمانی صاحب کے پیکر ناسوت میں سے عجیب و غریب قسم کی ابلیسی صدائیں بلند کر رہی تھی۔ شلفمانی کے مسائل شریعت یہ تھے کہ غسل جنات اور نماز روزہ بالکل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تکلیف محمد ﷺ نے عربوں کو ان دنوں دی تھی لیکن عمد حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ موجودہ دور میں تو یہ تکلیف لوگوں کے مناسب حال ہے کہ اغیار کو اپنی بیوی سے ہم بستہ ہوتے دیکھیں اور غصہ نہ آئے چنانچہ عورتیں مطلقاً ہر شخص کیلئے حلال طیب ہیں۔ ہمدے پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کیلئے دو لڑتیں جمع کر دی۔ پس ہر انسان اپنے ذوی الارحام اور محرمات لہدیہ تک کے ساتھ مقاربت کر سکتا ہے بلکہ اہل حق (شلفمانی) کے پیروؤں کو چاہئے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والوں کی عورتوں سے جسے اللہ مقاربت کرے تاکہ ان میں اپنا نور پہنچائے اور کوئی اس سے انکار کرے گا وہ کسی آئندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا کیا جائے گا۔ شلفمانی نے اس شرمناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام ”کتاب الحساسہ السادہ“ رکھا تھا۔ غرض شلفمانی شہوت پرستی کے رواج دینے میں اپنے کسی پیٹرو سے کم نہیں تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس آئین کے رائج کرنے میں اس نے مزدکی

کے بھی کان کاٹ لئے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ناہنجار نے فضل خلاف وضع فطرت یعنی عمل قوم لوط کو بھی جائز رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہو گا کہ یہ شخص محض زندیق ہی نہیں تھا بلکہ اول درجہ کاشموت پرست اور بد معاش بھی تھا جس کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا شہوت پرستی، زنا کاری اور اغلام کا گوارا بن جائے۔ گو حضرت علیؓ خود بھی ابن ابی طالب تھے لیکن اس لحاظ سے کہ آل ابی طالب میں سے اکثر نے امامت کے دعویٰ کئے تھے۔ شلمانی کے نزدیک تمام طالبیوں اور عباسیوں کا قتل کرنا موجب ثواب تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے دین اسلام اور خلافت آل عباس کے استیصال کیلئے بارود بھجانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔

شلمانی کا قتل :-

شلمانی اور اس کے انص پیروؤں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں ہوئی تھی۔ ان صحبتوں میں فقہاء و قضات کے علاوہ بعض سپہ سالار بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہاء نے فتویٰ دیدیا کہ شلمانی اور اس کا رفیق لمن ابی عون مباح الدم ہیں اور ان کی فرد قتل و جرم میں براءت کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا چنانچہ شلمانی اور لمن ابی عون بروز سہ شنبہ 2 ذی قعدہ 322ھ کو مصلوب کئے گئے۔ جب صلیب پر دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو لاشیں جلادی گئیں۔ ان کے پیرو بجائے اس کے کہ اٹھائیس سال گزرنے کے بعد اس دن کا جلوہ دیکھیں جس دن (معاذ اللہ) شریعت مصطفویٰ علیٰ صاحبہا النبیہ والسلام کو مٹانے کا شلمانی خواب پورا ہوتا اور اس کی جگہ شلمانی شریعت جاری ہوتی۔ بھاگ بھاگ کر منہ چھپانے لگے لیکن باوجود اس کے ان کے یقین و اذعان میں کوئی فرق نہ آیا۔ شلمانی کے مصلوب ہوتے وقت اس کا معزز تبع حسن بن قاسم سابق وزیر اعظم شہر رقبہ میں تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم بھیج دیا اور اس کا سر عبرت نوردگار بننے کیلئے بغداد میں لایا گیا۔ ابن ابی عون جس نے تھپڑ مارنے کے عوض شلمانی کی واڑھی چوم کر اس کو اپنا خالق و رازق بتایا تھا، بہت بڑا اویب اور بلند پایہ مصنف تھا۔ کتاب النواجی، والبلدان، کتاب الجولات المسویة، کتاب التشیجات، کتاب بیت مال السرور، کتاب الدولین، کتاب الرسائل اس کی مشہور تصنیفیں ہیں۔

عبدالعزیز باسندی

عبدالعزیز موضع باسند علاقہ صفانیان کا رہنے والا تھا۔ اس نے 322ھ میں دعویٰ نبوت کر کے ایک پہاڑی مقام میں دام تزدیر چھلایا۔ یہ شخص بڑا شعبدہ باز تھا۔ پانی کے حوض میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتا تو مٹھی سرخ دیناروں سے بھری ہوتی تھی۔ اس قسم کی شعبہ بازیوں کو نظر بند یوں نے ہزار ہاتھی دستان قسمت کے زور قیامان کو متلاطم کر دیا۔ لوگ دیوانہ وار اس کی طرف دوڑے اور اس کی خاک پاک کو نرمہ چشم بنانے لگے۔ علماء امت صدائے انا لہ لحاظون کے بموجب لبیک کو دوڑے اور گم کردگان راہ میں سے ان لوگوں کو صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت واقع ہوئے تھے، گرداب سے باہر نکال لائے لیکن جو لوگ شقی القلب اور دلدادگان زلیغ و ضلال تھے وہ قبول ہدایت کے بجائے انہماک ربانی کو اسی طرح گالیاں دینے لگے جس طرح آج کل کے مرزائی حاملین شریعت اور دوسرے ارباب صدق و صفا کے خلاف زبان طعن و تشنیع دراز کیا کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت مخبر صادق علیہ السلام نے ان نفس پرست علماء مکرو خدیعہ شرتحت اذین السماء (زیر گردوں بدترین مخلوق) قرار دیا جو مرزائی مولویوں کی طرح دنیا کی خاطر لوگوں کے دین و ایمان پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ مرزائی علماء سونے ڈسٹرکٹ نجیہ پور کی عدالت میں بھی حسب متکون علمائے حق کی شان میں دریدہ دہنی کی جنموں نے ان کے مقتداء مرزا خدام احمد صاحب کے کفر و مرتدوں کی شہادت دی تھی اور انہماک انہماک اسوۃ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم شرتحت دیدہ سمعہ، بتیہ۔ اس کے متعلق ڈسٹرکٹ نجی نے اپنے فیصلہ مقدمہ میں کیا خوب لکھا کہ ”مگولان مدعیہ (علمائے اہل سنت و جماعت) پر مدعا علیہ (مرزائی) کی طرف سے کنایہ اور بھی کئی ذاتی حسد کئے گئے ہیں۔ مثلاً انہیں علمائے سوء کہا اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو ذریعہ البغایا میں مخاطب ہیں۔ بندر اور سور کا لقب دیا ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے لیکن ملاحظہ مسل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ طرفین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہے؟

باسندی کی صدائے دعوت اس نظام اور بلند آہنگی سے اٹھی کہ اہل شاش اور بہت سے دوسرے لوگوں نے متابعت اختیار کر کے اپنی قسمت اس کے ساتھ وابستہ کر دی۔ اب اس نے اہل حق کے خلاف ستیزہ کاری شروع کر دی جو اسے نبی نہ تسلیم کرتے تھے۔ ہزار ہا مسلمان اس کی قلم رانی کے قیاس ہو کر روضہ رضوان کو چلے گئے۔ جب حکومت کو اس کی کام جو بیوں

اور اس کی روز افزوں جمعیت کی طرف سے خطرہ پیدا ہو چلا تو وہاں کے حاکم ابو علی بن محمد بن مظفر نے اس کی سرکوفی کیلئے ایک جیش روانہ کیا۔ باسندی بلند پہاڑ پر چڑھ کر متحصن ہو گیا۔ لشکر اسلام نے محاصرہ ڈال دیا۔ کچھ مدت کے بعد جب سامان رسد اختتام کو پہنچ گیا تو محصورین کی حالت دن بدن ابتر ہونے لگی اور طاقت جسمانی جواب دے بیٹھی۔ آخر لشکر اسلام پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ باسندی کے ہزار ہا پیرو نذر اجل ہو گئے۔ باسندی بھی قعر ہلاکت میں پہنچ گیا۔ اسلامی سپہ سالار نے اس کا سر کاٹ کر ابو علی کے پاس بھیج دیا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ میں مرنے کے بعد لوٹ کر دنیا میں آؤں گا۔ مدت طویل تک اس کے پیرو مرزائیوں کی طرح اسلام کے شارع عام سے الگ ہو کر بیابان ضلالت میں سرگشتہ و حیران رہے آخر آہستہ آہستہ اسلام میں مدغم ہو گئے اور یہ فرقہ صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گیا۔

ابو الطیب احمد بن حسین متنبی

ابو الطیب احمد بن حسین لوہیل ریحان سے مدعی نبوت تھا۔ 303ھ میں کوفہ کے محلہ کھوہ میں پیدا ہوا۔ ابو الحسن محمد علی طوی کامیان ہے کہ ابو الطیب کا باپ سقا تاجو غیدان کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ محلہ کے علما و علموں کا پلنگا تھا۔

البتہ حتمی کی دہلوی صحیحہ المنسب بہ انیہ تھی۔ وہ ہماری ہمسایہ اور کوفہ کی صالحات میں سے تھی۔ حتمی ہمیشہ اپنے نسب کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا اور جب کبھی اس سے نسب کے متعلق سوال ہوتا تو کہہ دیتا کہ بھئی! میں ایک اخبط القب شخص ہوں اور اس سے مامن نہیں ہوں کہ کوئی شخص میری جان ستانی کا قصد کرے لیکن جب اسے قبیلہ کلب میں کچھ مدت رہنے کا اتفاق ہوا تو ان دنوں وہ علوی (امیر المؤمنین علیؑ کی اولاد) ہونے کا مدعی تھا۔ ابو الطیب آغاز جوانی میں وطن مالوف کو الوداع کہہ کر شام چلا آیا اور فنون ادب میں مشغول رہ کر درجہ کمال کو پہنچا۔ اسے لغات عرب پر پورا پورا عبور تھا۔ بالکل متروک اور غیر مانوس لغات بھی اذہر تھے۔ جب کبھی اس سے لغات کے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تو جواب میں کلام عرب کی بھرمار کر دیتا چنانچہ شیخ ابو علی فارسی صاحب الايضاح والتعمہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اس سے سوال کیا کہ فعلے کے وزن پر کتنی مضمیں آتی ہیں؟ حتمی نے معاجوب دیا کہ دو۔ حجلی اور ظربی! شیخ ابو علی کا بیان ہے کہ اس کے بعد مدہر تین دن تک کتب لغت کی ورق گردانی کرتا رہا۔ مگر مجھے ان دو کے سوا اس وزن کی کوئی اور جمع نہ مل سکی۔ حجلی کی جمع ہے جل عربی میں چکور کو کہتے ہیں اور ظربی ظریحان کی جمع ہے جو ملی کی قسم کے ایک سخت بدبودار جانور کا نام ہے۔

حلب میں ایک شخص نے غضبناک ہو کر اسے کنجی مار دی۔ یہ کنجی بہت بڑی تھی۔ کنجی نے سر پھوڑ دیا اور منہ بھی زخمی ہوا۔ ابو الطیب لہو لہان ہو گیا۔ کبیدہ خاطر ہو کر حلب کو الوداع کہا اور 346ھ میں مصر چلا آیا کیونکہ کافور اشیدی والی مصر نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں تمہیں کسی جگہ کا عامل بنا دوں گا۔ یہاں کافور اشیدی اور انوجور بن اشید کی مدح سرائی کا مشغلہ اختیار کیا۔ جب کافور نے اس کی تعلیم اور لہن ترانیاں سنیں تو ایقائے عمد سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ جس شخص نے جناب خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اس سے کچھ جزیہ نہیں کہ وہ کل کو کافور کی مملکت میں شریک و سہیم ہونے کا بھی دعویٰ کرے۔ جب کافور کی طرف سے نامید ہوا تو 350ھ کے لوآخر میں مصر سے فارس کا رخ کیا اور کافور کی بھجور کے اپنے

جذبہ انتقام کی تسکین کی اور پھر واپس پہنچ کر عضد اللہ بن بویہ ویلی کی عظمت اور جلالت قدر کا نغمہ چھیڑ دیا اور صلہ و انعام سے سرفراز ہوا اور آخر تک یہیں اقامت گزریں رہا۔

ابو الطیب کا قتل :-

لوگوں کی توہین و تظہیح کرنا شعراء کا عام شیوہ ہے۔ کسی کی طرف سے دل میں ذرا بھی غبہ کدورت پیدا ہوا جھٹ اس کو آسمان عزت سے اتار کر قعر مذلت میں گرانے کی سعی نامشکور میں منہمک ہوئے۔ ابو الطیب نے ایک قصیدہ میں ضبہ بن یزید یعنی نام ایک شخص کے خلاف دشنام طرازی کی غلاظت اچھالی تھی۔ اس قصیدہ کا ترجمہ یہ ہے :-

ترجمہ :- (قوم نے ضبہ سے اور اس کی ماں سے جو لٹکے ہوئے پستانِ ولی ہے انصاف نہیں کیا) یہ سارا قصیدہ بجز وہ دشنام کا طومار ہے۔ ابو الطیب نے اس میں اپنی گندہ ذہنی کا مظاہرہ کر کے ضبہ اور اس کے اقرباء کے دلوں میں ناسور ڈال دیئے جب ضبہ کے ماموں نے جس کی ہمیشہ کے خلاف دشنامِ دہی کی گندگی بھیری گئی تھی یہ قصیدہ سنا تو اس کا دل پڑہ پڑہ ہو گیا اور اس نے انتقام جوئی کا عزم مصمم کر لیا۔ ابو نصر محمد طلی کا بیان ہے کہ ضبہ کے ماموں کو ابو جہل فائک اُندی کہتے تھے۔ وہ میرا دوست تھا۔ ایک دن میرے پاس آکر ابو الطیب کا پتہ دریافت کرنے لگا۔ میں نے کہا تم اس کے متعلق بہت کچھ پوچھا پا چھی کر رہے ہو۔ آخر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگا کوئی برا ارادہ نہیں۔ میں نے کہا تم اس کے قتل کا قصد رکھتے ہو لیکن خون ریزانہ اقدام کسی طرح تمہاری شان کے لائق نہیں ہے۔ فائک کہنے لگا۔ واللہ! جس طرح ممکن ہو گا میں اس کا نقش ہستی مٹا کے رہوں گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی چیز درمیان میں حائل ہو جائے کہ جس کا دفعیہ میرے امکان سے خارج ہو تو پھر مجبوری ہے میں نے کہا اے خدا اس خیال کو جانے دو اور اس کا فیصلہ منتقمِ حقیقی کے عدل و انصاف پر چھوڑ دو کسی شعر کی بنا پر شاعر کی جان لینا کسی طرح روا نہیں عمد جاہلیت میں طوک کی اور اسلام میں خلفاء کی ہمیشہ بھوک کی جاتی رہی لیکن کبھی سننے میں نہ آیا کہ کوئی شاعر بھوک کی بنا پر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہو۔

کہنے لگا "اچھا جو خدا کو منظور ہو گا وہ ہو کے رہے گا" اب فائک ہر وقت ابو الطیب کی مراجعت کے انتظار میں چشم برہ تھا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ کوفہ کی طرف واپس آ رہا ہے تو فائک اسدی رمضان 354ھ میں اپنے بعض اقرباء کی رفاقت میں اس کی جان لینے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا۔ متبنتی کے ساتھ بھی بہت سے آدمی تھے۔ راستہ میں مذہبیز ہو گئی۔ فائک کی جماعت غالب رہی۔ جب ابو الطیب نے دیکھا کہ دشمن نے غلبہ پالیا اور اس کی جماعت منہزم ہو چلی تو بھاگ کر جانے پھانے کا قصد کیا۔ اس کے غلام نے کہا دیکھئے آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

ترجمہ :- (گھوڑے، رات، دشت و ہیلان، حرب و ضرب، کاغذ اور قلم سب مجھے پہچانتے ہیں) اور اب آپ بھاگ رہے ہیں لیکن اطمینان رکھئے میں کسی سے اس فرار کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ یہ سن کر ابو اعلیٰب فرار کا ارادہ فتح کر کے از سر نو مقابلہ پر آؤ گا اور زخمی ہو کر قید حیات سے آزاد ہو گیا۔ اس طرح اس کا شعر ہی اس کی ہلاک کا باعث بن گیا۔ اس کے بعد فاتک کی انتقام کی آگ نے اس کے چنے لور غلام کی زندگی کا چراغ بھی گل کر دیا۔

ابو علی منصور ملقب بہ الحاکم بامر اللہ

فصل 1- حاکم کے ذاتی حالات

ابو علی منصور ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں مصر کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور حاکم بامر اللہ کا خطاب اختیار کیا۔ یہ شخص ۷۰ عہد کا چھٹا فرمانروا تھا جو 386ھ سے 411ھ تک برسر حکومت رہا۔ علم نجوم میں اسے دخل تام تھا اور اس کے احکام و تاثیرات کو دل سے مانتا تھا۔ ظلم و جور کا خوگر تھا۔ سخت گیر اس درجہ کا تھا کہ ارکان سلطنت اس کی ہیت اور خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سے شرفاء داعیان نجوف جان و آبرو و شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیوطی نے اس کو ”سراج زندیقین“ کا خطاب دیا ہے اور بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے بعد مصر کے تخت حکومت پر حاکم سے بدتر کوئی فرمانروا نہیں بیٹھا۔ فرعون کی طرح اس نے بھی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنے تئیں سجدے کرائے۔ اس نے حکم دیا تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ بسم اللہ الحاکم الرحمن الرحیم لکھا کریں۔ حاکم نے بہت سے تملق حاشیہ نشین اپنے گرد جمع کر لئے تھے جو اسے خدا کہہ کر پکارتے تھے اور اس کی شان میں یا واجد یا أحد یا منحی یا مبینت چیتے۔ اس کے ایک خوشامدی محمد بن اسماعیل نے ایک کتاب تالیف کی جس میں بیان کیا کہ ابو البشر آدم علیہ السلام کی روح سب سے پہلے علی علیہ السلام کے جسد مبارک میں منتقل ہوئی۔ اس کے بعد حاکم کے جسم پاک میں داخل ہوئی چنانچہ شاہ حاکم خداوند جل و علاء کا ایک مظہر کامل ہے۔ یہ کتاب جامع قاہرہ میں پڑھی گئی اور ممالک محروسہ میں اس کی خوب اشاعت کی گئی۔ 396ھ میں حاکم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے بازار ہو یا کوئی اور مقام سننے والا کھڑا ہو کر سنے تو فوراً سر بسجود ہو جائے۔ اسی طرح حکم دیا کہ جب خطیب منبر پر میرا نام لے تو تمام لوگ میرے نام کی عظمت اور احترام کیلئے سر و قد کھڑے ہو جائیں اور صفیں باندھ کر سر سجدے میں رکھ دیں۔

صحابہ کرامؓ کو گالیاں اور علمائے اہل سنت و جماعت کی جانستانی ۵۔

حاکم کو رخصت میں بواغلو تھا۔ اس نے نماز تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مساجد کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں لکھوا کر آویزاں کر دیں۔ اپنے عمال کو حکم دیا کہ اصحاب رسول ﷺ کو علیؓ روں الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔ اس نے

402ھ میں طوخیہ نام ایک میوہ لور جرجیر (ترہ تیزک) کے کھانے کی ممانعت کردی اور اس نہی کی علت یہ قرار دی کہ امیر معاویہؓ کو طوخیہ کھانے کی رغبت تھی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا میلان طبع جرجیر کی طرف تھا۔ حاکم نے ان پھلیوں کے کھانے سے بھی لوگوں کو جبرا روک دیا جن پر چپکے نہ ہوں اور اس حکم کے بعد جن دکانداروں نے ایسی پھلیاں فروخت کیں انہیں قتل کر دیا۔ علمائے حق سے سخت عناد رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مکان آراستہ کر کے علمائے اہل سنت و جماعت کو مدعو کیا۔ جب تمام حضرات تشریف لے آئے تو مکان کو منہدم کر دیا۔ تمام فقہاء و محدثین (کثر اللہ امثالہم) دب کر روضہ رضوان کو چلے گئے۔ 393ھ میں حاکم کے عامل دمشق اسود نام نے اہل سنت و جماعت کے ایک نامور عالم کو جو مغربی کے لقب سے مشہور تھا گرفتار کیا اور انہیں گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا۔ ایک منادی ان کے آگے آگے ندا کرتا جا رہا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو ابو بکرؓ اور عمرؓ سے محبت رکھے۔ اس تشہیر کے بعد تیغ خون آشام سے ان کو بجزی کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ رب ذوالمنن شہید کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہمیں ان کے قدموں میں اٹھائے لیکن معلوم ہوتا ہے آغاز شباب کا عالم ہی اس ظلم آرائی اور خون آشامی کا جواب دہ تھا ورنہ اس کے بعد جنوں جنوں عمر اور تجربہ میں پختگی پیدا ہوتی گئی اس قسم کی بیدادگری اور خفیف الحرکتی میں انحطاط پیدا ہوتا گیا چنانچہ چند سال کے بعد جب ایک مرتبہ اس سے شکایت کی کہ روافض نے اہل سنت و جماعت سے نماز تراویح اور نماز جنازہ پڑھنے کی حالت میں تعرض کیا اور پتھر سائے تو اس نے اسی وقت ایک فرمان لکھوایا جو آئندہ جمعہ کو جامع مصر میں پڑھا گیا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے ”اے گروہ مسلمانان! ہم ائمہ ہیں اور تم امت ہو۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں سے میل جول کرو۔ جو لوگ رسالت کا اقرار کریں اور وہ شخصوں میں نفاق نہ ڈالیں وہ سب اسی اخوت اسلامی میں داخل ہیں۔ گزشتہ واقعات نسیا نہ کر دیا جائے۔ صائم اپنے حساب سے روزے رکھیں اور افطار کریں۔ اہل روایت روزہ دہر ہونے کی وجہ سے افطار کرنے والوں سے تعرض نہ کریں۔ نماز چاشت اور نماز تراویح سے کوئی مانع نہ ہوگا۔ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہنے والے کہیں اور چار تکبیریں کہنے والے چار سے نہ روکے جائیں۔ مؤذن اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل پکاریں اور جو مؤذن اذان میں یہ کلمہ نہ کہے اسے ستیانہ جائے۔ اصحاب کو گالیاں نہ دی جائیں اور ان کی تعریف کرنے والوں سے مواخذہ نہ کیا جائے اور اس بارہ میں جو شخص ان کا مخالف ہے وہ مخالف رہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے اعتقادات میں دخل اندازی نہ کرے۔“

ایک حق پرست عالم کی حق گوئی :-

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حاکم انتادارہ کا متکبر اور جاہد تھا لیکن عجائب روزگار دیکھو کہ پنجنگی عمر کے ساتھ ساتھ تکبر و جور کا دریائے جوش بھی سنجیدگی اور رواداری کے بہت سے نشان نیچے اتر آیا۔ ان خلکان ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حاکم اعیان دولت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک خوشامدی حاشیہ نشین نے قرآن پاک کی آیت۔ ترجمہ :- (مجھے اپنی ربوبیت کی قسم ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات و نزاعات میں آپ کو حکم نہ مانیں اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس میں کسی قسم کی ناگواری بھی محسوس نہ کریں بلکہ کما حقہ اس کو تسلیم کر لیں اور اس مجلس میں آیت کا پڑھنے والا حاکم کی طرف اشارہ کرتا جا رہا تھا جب وہ آیت پڑھ چکا تو ایک حق پرست عالم حق جنہیں ابن شجر کہتے تھے کھڑے ہو گئے اور اس خیال کی تردید میں یہ آیت پڑھنے لگے۔

ترجمہ :- (تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو وہ بلاشبہ اپنی اجتماعی قوت سے ایک ادنیٰ سی کھسی کو پیدا نہیں کر سکتے، وہ تو ایسے عاجز و در ماندہ ہیں کہ اگر کھسی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ ایسے عابد و معبود دونوں ہی ضعیف و بے بس ہیں۔ ان لوگوں نے خدائے ذوالجلال کا اجلال جلال ملحوظ نہیں رکھا حق تعالیٰ قوی اور سب پر غالب ہے) یہ سن کر حاکم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ابن مشجر کو انعام دینے کا حکم دیا اور خوشامدی کو چہ نہ دیا۔ اس کے بعد ابن مشجر کے ایک دوست نے اس کو رائے دی کہ تمہیں حاکم کے کینہ و عناد کا علم ہے گو اس وقت تم سے مواخذہ نہیں بلکہ الّا انعام دیا ہے لیکن اس کے دل میں تمہاری طرف سے بغض پیدا ہو گیا ہے اس لئے اغلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی حیلہ بنا کر تمہیں آزار پہنچائے گا۔ پس قرین صواب یہ ہے کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چل دو۔ ابن مشجر نے فوراً حج تیار کر دی۔ جب جہاز میں سوار ہو کر جا رہے تھے تو راستہ میں سو گئے۔ ان کے دوست نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کہا کہ خدائے غفار نے جمیل نیت اور حلال رزق کی برکت سے میری مغفرت فرمادی۔

حاکم کا فرقہ دُرُوز اور اس کے عقائد کفریہ :-

اوپر لکھا گیا ہے کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ شاہ کردگار کا ایک منظر کامل ہے اور اس کی ذات میں الوہیت کی شان پائی جاتی ہے۔ بدعت آمیز عقیدت حاکم کو کچھ ایسی پسند آئی کہ اپنی رعایا میں سے بعض لوگوں کو داد و دہش سے اور بعض کو

اپنے بادشاہی رعب سے اس مشرکانہ عقیدہ کا پابند بنانے لگا۔ اس طرح جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے ان کو دربار میں عمدہ دیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اسی عقیدے پر راسخ ہو گئے۔ ولوی تیم میں آج تک بہت سے ایسے دیہات پائے جاتے ہیں جو حاکم کی رجعت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ حاکم لوٹ کر آئے گا اور روئے زمین کی بادشاہت کرے گا۔ دروز اپنے لئے موحہ کا لقب زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ توحید کو ان کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ 408ھ میں حاکم کو حمزہ بن علی نامہ ایک اچھا ایرانی داعی مل گیا۔ یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ اور برونظر تھا۔ حاکم نے اس کی ذات میں غیر معمولی قابلیت کے جوہر دیکھ کر اس کو اپنا وزیر بنا لیا۔ اس نے حاکم کے دعوؤں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس طرح حاکم کے پیروکار اسے مظہر الہی یقین کرنے لگے۔ حمزہ کے کتبوبات کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپا ہوا ہے جو بہت مقبول ہوا۔ اس میں اس نے ذکر کیا ہے کہ خدا نے برگزیدہ ہستیوں کو اوتاروں کی صورت میں ظاہر کیا جن کی تعداد ستر ہے۔ ان میں علی مرتضیٰ افضل ہیں۔

ان ستر اوتاروں میں سے آخری اوتار حاکم بامر اللہ ہے۔ اب کوئی نیا اوتار ظاہر نہیں ہو سکتا کیونکہ ذات خداوندی نے حاکم کی صورت میں آخری مرتبہ دنیا میں اپنا جلوہ دکھایا لیکن جب اہل عالم کی پریشانیاں اور مشکلات غایت کو پہنچ جائیں گی تو حاکم دنیا پر حکومت کرنے اور اپنے مذہب کو رائج کرنے کیلئے دوبارہ ظاہر ہو گا اور ابد الآبائے تک فرمانروائی کرے گا۔ اس وقت تمام مذاہب کے پیرو اس کے تابع فرمان ہوں گے۔ مخالف طاقتیں پاجولاں حاضر کی جائیں گی اور ان کو جزیہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ دروز ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن عبد اللہ (حضور سید کائنات ﷺ) کے بعد ایمان کو اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب محمد ﷺ (معاذ اللہ) صرف قرآن کی تنزیل یعنی ظاہری اور لغوی معنی کو سمجھ سکے تھے اور اس کے حقیقی اور مرادوی معنی صرف حاکم بامر اللہ ہی سمجھا تھا۔ جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی گو دروز مسلمان کہلاتے ہیں لیکن اسلامی شعار سے ان کو بہت کم حصہ ملا ہے۔ وہ حضرت سید الاولین و الآخین ﷺ سے کچھ زیادہ حسن عقیدت نہیں رکھتے۔ صوم و صلوة سے نا آشنا ہیں۔ لحم خنزیر اور شراب بے تکلف کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے نکاح و ازدواج میں اسلامی رسوم کی کوئی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ البتہ غنہ کرنے کا رواج پایا جاتا ہے۔

حاکم کا قتل :-

حاکم کے قتل کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس نے اپنی بمشیرت الملک پر یہ الزام لگایا تھا کہ سہ سالار سے اس کی آشنائی ہے اور اس کو ڈانٹا اور گالیاں دیں بہن نے اس

کے قتل کا عزم مصمم کر لیا چنانچہ حاکم ایک رات سوار ہو کر ستاروں کی تحقیق و تشخیص کیلئے اور بقول خود احکام خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے کوہ مظلم پر گیا دفعتاً بنت الملک کے دو حبشی غلاموں نے وہاں پہنچ کر اسے قعر ہلاک میں ڈال دیا اور لاش بنت الملک کے پاس اٹھالائے اس نے لاش اپنے صحن خانہ میں گاڑ دی۔ ابن خلدون اور بعض دوسرے مورخوں نے اس کے حادثہ قتل کو یوں لکھا ہے۔ حاکم کے کانوں تک خبر پہنچی کہ اس کی بہن کے پاس اجنبی مرد آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اس بنا پر حاکم نے اپنی بہن کو دھمکایا اس نے ناراض ہو کر ابن دو اس سپہ سالار کو بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگی کہ میرا بھائی بد عقیدہ ہو گیا ہے اور اس کی بد اعتقادی سے مسلمانوں کے قدم ڈگر مارے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس کو ٹھکانے لگا دو لیکن خبر دار کہ یہ راز افشا نہ ہونے پائے ورنہ تیری اور میری دونوں کی خیر نہیں۔ اگر تم اس خدمت کو حسن اسلوب سے انجام دو گے تو تمہیں بوا عروج نصیب ہو گا اور ایک بڑی جاگیر کا مالک بنا دوں گی“ ابن دو اس جو پہلے ہی سے کھٹکا ہوا تھا بے تامل اس کام پر مستعد ہو گیا اور دو شخصوں کو اس کی جانستانی پر متعین کر دیا۔ حاکم عموماً رات کے وقت گدھے پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا کرتا تھا۔ اس نے کوہ مظلم پر ایک مکان ہوا رکھا تھا جہاں جا کر کو اکب کی روحانیت جذب کرنے کیلئے تنہا رہا کرتا تھا چنانچہ 17 شوال 111ھ کو حسب معمول رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا۔ دو سولہ ساتھ ہو لئے۔ اس نے دو لوگوں سواروں کو بھگا کر واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر تہجی لوٹ کر نہ آیا۔ چند روز تک اراہین سلطنت اس کی آمد کے منتظر رہے۔ بالآخر قاضی اور دوسرے مصاحب تلاش کو نکلے اور جب کوہ مظلم پر چڑھے تو اس کی سواری کے گدھے کو دیکھا، آگے بڑھے تو حاکم کا پشنا ہوا کپڑا ملا۔ جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ چھریوں کے زخم لگائے گئے ہیں۔ جب کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا تو ارکان دولت جمع ہو کر اس کی بہن بنت الملک کے پاس گئے۔ جو امور سلطنت میں یکتا تھی اس کے حکم پر ابن دو اس حاضر ہوا۔ بنت الملک کی رائے سے حاکم کے خور و سال پینے علی نام کو سریر سلطنت کیا گیا۔ نیت لینے کے بعد ”الظاہر لاعزاز دین اللہ“ کا خطاب اختیار کیا۔ بیعت کے دوسرے دن ہی سپہ سالار اور فوجی سرداروں کے ساتھ بنت الملک کے پاس حاضر ہوا۔ بنت الملک نے اپنے خادم کو اشارہ کیا۔ اس نے لپک کر ابن دو اس کو تلوار پر اٹھالیا اور انہیں عمیداروں کی موجودگی میں قعر عدم میں پہنچا دیا۔ بنت الملک نے کہا ”یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے کسی نے دم نہ مارا“۔

علامہ مقریزی نے بہن یا سپہ سالار کی شرکت قتل کو بالکل غلط اور بے بنیاد ٹھہرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”محرم میں ایک آدمی گرفتار ہوا۔ جس نے اقرار کیا کہ ہم چار آدمیوں نے جو مختلف بلاد میں منتشر ہو گئے تھے حاکم کو قتل کیا۔ اس نے حاکم کے جسم کے بعض خشک لوتھڑے بھی نکال کر دکھائے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے حاکم کو قتل کیوں کیا؟ تو کہنے لگا کہ اس کی بے دینی

کی بنا پر۔ مجھے اللہ اور اسلام کی خاطر غیرت آگئی۔ پھر پوچھا گیا کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا تھا تو اس نے ایک چھری نکالی اور کہنے لگا دیکھو میں نے اس کو یوں قتل کیا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے چھری اپنے سینے میں گھونپ لی۔ یوں خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ نقل کر کے مقریزی لکھتے ہیں کہ قتل حاکم کا صحیح واقعہ یہ ہے۔ یوں کہنا کہ اس کی بہن نے اسے قتل کر لیا بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ علی بن حاکم کی تخت نشینی کے بعد سلطنت کی نگران ہوئی اور چار برس تک زمام حکومت اپنے دست اختیار میں رکھ کر رجائے عالم آخرت ہو گئی۔

فصل 2- عبیدی قلمرو پر عباسی پرچم

عبید اللہ اور اس کی اولاد و احفاد میں سے تیرہ بادشاہ دو سو ستر سال 297ھ سے 567ھ تک شمالی افریقہ اور مصر کے فرمانروا رہے جن میں سے حاکم بامر اللہ چھٹا تھا۔ حاکم کے بعد آٹھ اور تاجدار بر سر حکومت رہے۔ خلیفہ مستعنی باللہ عباسی کے آغاز خلافت میں دولت بنو عبید کا ٹھنڈا ہوا چراغ ہمیشہ کیلئے گل ہو گیا اور 567ھ میں خلیفہ مستعنی کے نام کا خطبہ مصر کی جامع مسجد میں پڑھا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بنو عبید کے آخری تاجدار عاصد لدین اللہ کے عمد سلطنت میں تمام اختیارات جہانبانی وزیر شاد کے ہاتھ میں تھے اور بادشاہ وزیر کے ہاتھ کی کٹ چلی ماہوا تھا۔ اتفاق سے ضرغام نام ایک شخص ملنے آیا اور شاہ کو منہزم کر کے خود وزیر بن گیا۔ ضرغام نے عنان وزارت سنبھالتے ہی رعایا پر ظلم و ستم کرنا شروع کیا اور بہت سے امراء اعیان دولت کو اس خیال سے قعر ہلاکت میں ڈال دیا کہ کوئی شخص اس سے باز پرس کرنے والا باقی نہ رہے۔ شاہ ور مصر بھاگ کر شام پہنچا۔ ان دنوں سلطان نور الدین محمود زنگی خلافت ماب کی طرف سے شام و مصر کا حمران تھا۔ شاد سلطان نور الدین سے بصد منت التماس کرنے لگا کہ اگر آپ اپنے لشکر کی مدد سے مجھے مصر کی وزارت پر بحال کرا دیں تو میں فوجوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد مصر کے مدخل کا تیسرا حصہ آپ کی نذر کیا کروں گا اور آپ کے فوجی افسر سید الدین کوہ کو مصری افواج سپہ سالار بنا دوں گا۔ ان ایام میں اسد الدین شیر کوہ اور اس کا بھائی نجم الدین ایوب اور بھتیجا صلاح الدین ایوب سلطان نور الدین کی سرکار میں مختلف عہدوں پر ممتاز تھے۔ صلیبی لڑائیاں برپا تھیں اور فرنگیوں نے بلاد اسلامی میں سخت دہما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ سلطان نور الدین کی خواہش نہ تھی کہ مصری معاملات میں دخل دے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر شاہ ور کی درخواست مسترد کر دی تو یہ فرنگیوں سے مدد مانگے گا اور وہ جا کر مصر پر تسلط ہو جائیں گے۔ خون و نصرت کا وعدہ کر لیا چنانچہ جمادی الاولیٰ 559ھ میں اسد الدین شیر کوہ کو مصر روانہ کیا اور خود فوج لیکر اس احتمال پر دمشق کے مضافات میں روانہ کیا کہ اگر فرنگی شیر کوہ سے تعرض کریں تو ان کو مار بنائے۔

شاہ و رکی حلیٰ وزارت اور عہد شکنی :-

جب ضرغام کو معلوم ہوا کہ شاہ اور سلطان نور الدین کی فوج لارہا ہے تو اس نے اپنے والی ناصر الدین کو مصری فوج کے ساتھ مدافعت کیلئے روانہ کیا۔ شیر کوہ فوج لئے شہر بلیس پہنچا تو نوہر سے ناصر الدین آ موجود ہوا۔ دونوں فوجوں میں مڈ بھیڑ ہوئی اور ناصر الدین نے منزم ہو کر قاہرہ میں جاوم لیا۔ شیر کوہ نے قاہرہ پہنچ کر اس کی فوج کو دوبارہ ہزیمت دی اور شاہ کو کرسی وزارت پر متمکن کر دیا لیکن اس کے بعد شاہ نے بد عہدی اور بے وفائی کی اور جو وعدے سلطان نور الدین سے کر آیا تھا ان سے خلف کیا اور جب شیر کوہ نے وہ وعدے یاد دلائے تو جواب تک دینے سے پہلو تھی کی۔ اس وقت یورپ کے صلیبوں نے سواحل مصر و شام پر قبضہ جمار کھا تھا۔ اس کے قرب و جوار کے صوبوں کو دبا لیا تھا اور مصری مقبوضات میں بھی نفوذ کر رہے تھے جب شاہ نے دیکھا کہ شیر کوہ شام واپس جانے کیلئے تیار نہیں اور ان وعدوں کے ایفا پر مصر ہے جو اس نے سلطان نور الدین سے کئے تھے تو اب یہ احسان فراموش شخص فرنگیوں کے سامنے کچھ شرطیں پیش کر کے ان سے درخواست کرنے لگا کہ ”وہ آکر شیر کوہ کو مصر سے نکال دیں“ اہل یورپ جو مداخلت کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس درخواست پر بہت خوش ہوئے۔ اس سے قطع نظر فرنگیوں کو معلوم تھا کہ اگر شیر کوہ نے مصر میں قدم جمائے تو مصر پر عمل و دخل کرنے کے مسیحی منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ اس دعوت کو لبیک کہا اور جھٹ ایک جرار لیکر دمیاط سے آپہنچے۔ شیر کوہ کی جمعیت بہت قلیل تھی اس لئے وہ شہر بلیس چلا گیا۔ فرنگی اور مصری فوجیں بلیس پہنچیں اور جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا جو دیکہ نہ کوئی خندق تھی اور نہ شہر پناہ شیر کوہ نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ جب محاصرہ کو تین مہینے گزر گئے تو محاصرین کے پاس خبر آئی کہ حارم کے مقام پر سلطان نور الدین سے فرنگیوں نے معرکہ شروع کر رکھا تھا۔ اس میں فرنگیوں کو ہزیمت ہوئی اور سلطان حارم پر قبضہ کر کے قلعہ بانیاں کی طرف بڑھ رہا ہے فرنگیوں کو یقین ہوا کہ اب سلطان نور الدین ضرور کمک بھجے گا یا مدد کیلئے خود آئے گا۔ اس سے قطع نظر انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ سلطان نور الدین حارم کی لڑائی سے فارغ ہو کر کہیں فرنگی مقبوضات پر ہلہ نہ بول دے۔ ان وجوہ کی بنا پر انہوں نے واپس جانے کا قصد کیا اور شیر کوہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم اہل مصر سے کوئی تعرض نہ کرو اور چپ چاپ شام کو واپس چلے جاؤ۔ تو ہم محاصرہ اٹھا لیتے ہیں چونکہ سامان رسد اور ذخائر ختم ہو چکے تھے اور شیر کوہ کو معلوم نہ تھا کہ سلطان نور الدین نے فرنگیوں کو ہزیمت دی ہے اس لئے فرنگیوں کی یہ شرط منظور کر لی اور اسد الدین شیر کوہ نے شام کی طرف مراجعت کی۔

فرنگیوں کی ہزیمت :-

شام پہنچ کر اسد الدین شیر کوہ مراد مصر رہا کہ اس مصر پر تاخت کرنے کیلئے روانہ کیا جائے۔ نور الدین رضامند نہ ہوا تھا کیونکہ خود شام کے ارگرد میں صلیب سے معرکے مہم تھے۔ آخر 562ھ میں سلطان نے اسد الدین شیر کوہ کو دو ہزار سوار دیکر مصر آنے کی اجازت دی۔ شیر کوہ نے خشکی کا راستہ اختیار کیا اور فرنگی دیار کے داہنی طرف سے دریائے نیل کو عبور کیا۔ جب شاور کو معلوم ہوا کہ اسد الدین شیر کوہ آ رہا ہے تو اس نے فرنگیوں کو آگاہ کر دیا کہ مبادا شیر کوہ مصر پر قبضہ کر لے اور ان کی دیرینہ آرزوئیں طاق اہمال پر رکھی رہ جائیں، فوجیں لیکر ربیع الآخر 562ھ کو شیر کوہ کے سامنے منصف آراء ہوئے۔ شیر کوہ نے جاسوس بھیج کر دشمن کی جمعیت معلوم کی تو بتایا گیا کہ فرنگی افواج کی تعداد کا کوئی حد و حصر نہیں ہے۔ شیر کوہ اپنی قلت سپاہ کو دیکھ کر سوچنے لگا کہ مقابلہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ آخر اپنی فوج سے مشورہ کیا۔ اکثر نے یہ رائے دی کہ دریائے نیل کو شرقی جانب سے عبور کر کے شام واپس جائیں کیونکہ یہاں کسی کمک کے پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی اور اگر ہم مغلوب ہو گئے تو پھر بھاگ کر جان چمانے کی امید نہیں۔ یہ سن کر شرف الدین برغش نام ایک فوجی امیر جو سلطان نور الدین کا مملوک تھا کہنے لگا کہ جو شخص قتل یا قید سے ڈریا سے گھر میں بیوی کے پاس رہنا چاہئے۔ اس کے یہاں آنے کی قطعاً ضرور نہیں تھی۔ اس کے بعد اگر ہم واپس چلے گئے تو سلطان نور الدین کو کیا جواب دیں گے۔ وہ کہہ گا کہ تم مصر کو فرنگیوں کے ہاتھ میں چھوڑ آئے؟ شیر کوہ نے کہا یہی رائے صائب ہے اور میں اسی پر عمل کروں گا۔ شیر کوہ کے بھتیجے صلاح الدین نے بھی جو بعد میں صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے نام سے مشہور ہوا۔ شرف الدین کی رائے کو پسند کیا اور سب لوگ اسی رائے سے متفق ہو گئے کہ نبرد آزما ہوئے بغیر واپس نہ جانا چاہئے۔ شیر کوہ نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا۔ فوج میں جس قدر شجاع اور بہادر تھے ان کو اپنے لئے الگ کر لیا۔ صلاح الدین کو قلب لشکر پر متعین کیا اور اس کو سمجھادیا کہ مصری اور فرنگی یہ سمجھ کہ تم مقابلہ پر حملہ آور ہوں گے لیکن تم مقابلہ نہ کرنا اور ترتیب سے پیچھے ہٹنا شروع کر دینا۔ جب میں دیکھوں کہ فرنگی لشکر قابو میں آگیا تو کمین گاہ سے نکل کر ہلہ بول دوں گا۔ اس وقت تم بھی پلٹ کر دشمن پر حملہ کر دینا۔ یہ کہہ کر شیر کوہ کار آزمودہ جنگجوؤں کو ساتھ لیکر کمین گاہ میں چلا گیا۔ غرض لڑائی چھڑی۔ فرنگی اور مصری یہ یقین کر کے کہ شیر کوہ قلب لشکر میں ہو گا قلب ہی پر حملہ آور ہوئے۔ صلاح الدین نے برائے نام مقابلہ کر کے ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ فرنگی اس کے تعاقب میں بڑھے۔ یہ دیکھ کر اسد الدین شیر کوہ نے اچانک حملہ کر دیا۔ فرنگی اس غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو گئے۔

سلطان نورالدین سے شاہ مصر کی درخواست کہ مصر کو فرنگیوں سے بچائیے :-

فرنگی فوج 10 صفر 554ھ کو مصر پہنچی اور آتے ہی قاہرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس مرتبہ فرنگی شاور کی دعوت پر نہیں آئے تھے۔ بلکہ از خود مصر پر عمل و دخل کا تہیہ کر کے ادھر کا رخ کیا تھا۔ شاور نے فرنگیوں کے قابض ہو جانے کے خوف سے شہر مصر میں آگ لگادی اور اہل شہر کو حکم دیا کہ سب لوگوں قاہرہ کو منتقل ہو جائیں۔ شہر میں بھاگڑ مچ گئی اور لوٹ مار شروع ہو گئی۔ لوگ بالکل تباہ ہو گئے۔ جائیداد منقولہ لٹ گئی اور غیر منقولہ آگ کی نذر ہو گئی۔ ہزار ہا خانماں برباد کھلے میدانوں میں پڑے تھے۔ چون ہزار تک مصر کی عمارتیں نذر آتش رہیں۔

ان دردناک حالات کا مشاہدہ کر کے شاہ عاصد نے سلطان نورالدین کے نام پیغام بھیجا کہ مسلمانوں تباہ حال ہیں۔ ان میں فرنگیوں کے اندفاع کی طاقت نہیں ہے اور ساتھ ہی ایک چٹھی میں زمانہ بالملفوظ کر کے لکھا کہ یہ بال میری بیویوں کے ہیں جو حرم شاهی سے بچ گئے ہیں وہ آپ سے استعاذ کرتی ہیں کہ انہیں خدا ہمیں فرنگیوں کے دست میداد سے بچائیے۔ اب فرنگیوں نے محاصرہ میں ہی سختی کر دی۔ شاور نے فرنگی سپہ سالار کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے پیسے بھی آپ کی طرف دوختی کا ہاتھ دیا تھا اور اس دفعہ بھی میں آپ کا تابع فرمان اور ہر طرح کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میت مجھے نور محمد بن بوریہ کے طرف سے کھٹکا ہے اس لئے راہ کرم آپ میری خدمت میں آئی کا حقد کرتے ہوئے محاصرہ اٹھا لیجئے۔ فرنگیوں کو اس وقت روپیہ کی اشد ضرورت تھی اس کے علاوہ دیکھ رہے تھے کہ اہل مصر ان کے قبضہ مصر سے ناخوش ہیں اور اگر بالفرض جبراً تو اس کو قبول کر لیں تو بھی سلطان نورالدین انہیں مصر سے نکال دے گا۔ اس لئے مطالبہ کیا کہ یہ ایک حد دیدہ سونہ دو تو ہم محاصرہ اٹھا کر چلے جاتے ہیں شاور نے کہا ابھی کہ خزانہ بالکل خالی ہے اور اتنی بیوی رقم کا فوری انتظام قطعاً ممکن ہے اس لئے اگر آپ محاصرہ اٹھالیں تو میں اس رقم کی فراہمی کا انتظام کروں۔ فرنگی محاصرہ اٹھا کر شہر سے تھوڑے فاصلہ پر چلے گئے اور شاور نے اہل قاہرہ سے زر وصول کرنا شروع کیا۔ مگر اہل مصر میں سے جتنے سرمایہ دار اور آسودہ حال وہ تھے وہ سب لٹ چکے تھے اور جائیدادیں تباہ ہو گئیں تھیں یہاں تک کہ نان شبینہ تک بکے حتیٰ جو گئے تھے اور قاہرہ میں زیادہ تر اہل فوج اور غلام لوگ رہتے تھے

جن سے کچھ حاصل حصول کی امید نہ تھی۔ شاور نے فراہمی زر کی بہت کوشش کی مگر پانچ ہزار دینار بھی جمع نہ ہو سکا۔ اس سے پہلے عمائد اعیان مصر نے شاور کی بے خبری میں سلطان نور الدین کو لکھ بھیجا تھا کہ اگر آپ ہمیں نصاریٰ کی دستبرد سے چائیں تو مصر کے تمام محاصل آپ کی مژد کئے جائیں گے۔ اور شیر کوہ کو مصری افواج کا قائد اعظم بنا دیا جائے گا۔ سلطان نور الدین کو شاہ عاصد کی چھٹی مصر میں پہنچی۔ سلطان نے اسد الدین کو مصر آنے کا حکم دیا۔ اور فوجی ملبوسات، سواری اور اسلحہ کے علاوہ دو لاکھ دینار نقد عطا کیے اور چھ ہزار گھڑ چڑے بہادر ساتھ کئے اور اپنی طرف سے ہر سوار کو بیس بیس دینار انعام دیئے۔ اور اسد الدین شیر کوہ کے ہمراہ صلاح الدین یوسف بن ایوب اور بعض دوسرے نامی گرامی اعیان سلطنت کو بھی ساتھ کر دیا۔ شیر کوہ فتح و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا ہوا مصر کی طرف بڑھا۔ جب قریب پہنچا تو فرنگی اس کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیر کوہ 7 ہمدانی الآخر کو قاہرہ پہنچا۔ اور شاہ عاصد سے ملاقات کر کے ایک گراہیہ خلعت پیش کیا۔ شیر کوہ کی آمد پر اہل مصر نے بڑی خوشیاں منائیں اس نے اہل شہر کے زخمی دلوں پر ہمدردی کا مرحم رکھا اور مصری فوج کو انعام و اکرام سے نوازا۔ چونکہ شیر کوہ کے ساتھ بڑی جمعیت تھی شاور کسی طرح دم نہ مار سکا۔ اور جب اسے معلوم ہوا کہ شیر کوہ شاہ عاصد اور امراء دولت کی طلبی پر آیا ہے تو تملق و چاچوسی کا شیوہ اختیار کیا۔ ہر روز سوار ہو کر شیر کوہ کے پاس جاتا اور بہت دیر تک بیٹھا رہتا۔ اب شاور نے ارادہ کیا کہ اسد الدین شیر کوہ اور اس کے ساتھیوں کی دعوت کر کے ان کو اسیر کرے پھر شامی سپاہ کو مصری فوج میں شامل کر لے اور اس متحدہ سپاہ کی مدد سے فرنگیوں کو مار بھگائے۔ شاور کا بیٹا بڑا غیور مسلمان تھا۔ اس نے باپ کو سمجھایا کہ اس سوداے خام کو دل سے نکال دو شیر کوہ تمہارے دھوکے میں نہیں آئے گا۔ اور اگر وہ اس فریب میں آگیا اور تم نے اس پر قابو پا کر نذر اجل کر دیا تو پھر اہل فرنگ اگر مصر کی اینٹ سے اینٹ جادیں گے اور تمہیں بجائے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ شاور نے کہا یہاں! اگر میں ایسا نہ کروں تو شیر کوہ ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔ بیٹے نے کہا جہاں ہے لیکن اگر ہم مسلمان ہونے کے باوجود بلاد اسلامی میں قتل ہو جائیں تو یہ اس سے برا نہیں اچھا ہے کہ ہم شیر کوہ اور اس کے ساتھیوں کی جان لے کر فرنگیوں کو مصر کا مالک بنا دیں۔ جو نئی فرنگیوں کو خبر لگے گی کہ تم نے شیر کوہ کو قید کر لیا ہے تو وہ فوراً آدھمکیں گے۔ ایسی حالت میں اگر خود شاہ عاصد بھی جا کر نور الدین سے ہزار منت سماجت کرے تو وہ ایک سوار بھی بھیجنے پر رضا مند نہ ہو گا۔ غرض بیٹے کے سمجھانے سے شاور اس خیال خام سے درگزر۔ اب صلاح الدین یوسف اور بعض دوسرے شامی افسروں نے صلاح کی کہ شاور کا قصہ پاک کر دیا جائے لیکن شیر کوہ نے انہیں اس اقدام سے روک دیا ایک مرتبہ شاور حسب معمول اسد الدین کے لشکر میں گیا اور

دیکھا کہ شیر کوہ خیمہ میں نہیں ہے۔ شاور نے اس کے متعلق دریافت تو صلاح الدین یوسف اور محمد دوم سے مرہون نے بتایا کہ وہ امام شافعی کے مزار مبارک کی زیارت کرنے گیا ہے اور ہم بھی وہیں جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاور بھی ساتھ ہو لیا۔ ان لوگوں نے راستہ میں شاور کو قید کر لیا۔ شاور کے اردلی بھاگ گئے جب شاہ عاصد کو معلوم ہوا کہ شاور قید کر لیا گیا ہے تو بہت خوش ہوا اور شیر کوہ کے پاس پیغام بھیجا کہ شاور کو قتل کر کے اس کا سر مصر سے پتہ بھج دو۔ چنانچہ شاور ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد شیر کوہ قہر شاہی میں گیا۔ شاہ عاصد نے حلت اور قلعہ ان وزارت پیش کیا۔ اور الملک المنصور، امیر جیوش کا خطاب دے کر تمام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔

صلاح الدین یوسف کی وزارت مصر :-

مگر افسوس ہے کہ چشم فلک کو شیر کوہ کی یہ کامرانی ایک آنکھ نہ بھائی اور اس نے دو مہینہ نور پانچ دن کی وزارت کے بعد 22 جمادی الآخر 564ھ کو امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی شاہ عاصد نے اس حادثہ کے بعد اس کے لائق برادر زادہ صلاح الدین یوسف بن ایوب کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر مامور کیا اور ملک ناصر کا خطاب دیا۔ صلاح الدین اور اس کا چچا اسد الدین شیر کوہ اپنے تئیں سلطان نور الدین ہی کے نائب تصور کرتے تھے جس نے ان دونوں کو مصر بھیج کر یہیں اقامت گزین ہونے کی ہدایت کی تھی۔ صلاح الدین یوسف کا باپ نجم الدین اور اسد الدین شیر کوہ کر تھے۔ اوائل میں بغداد آکر مجاہد الدین ببرز کو تووال کے پاس نوکر ہوئے تھے۔ مجاہد الدین نے ابن ایوب کو فہم و ذکا اور حسن سیرت میں ممتاز پاکر قلعہ منکریت کا محافظ مقرر کر دیا اور شیر کوہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں بھائی سلطان نور الدین کے پاس آ ملازم ہوئے۔ یہاں تک کہ ترقی کرتے کرتے مقررین سلطانی میں داخل ہو گئے الغرض جب صلاح الدین کا قدم استقلال مصر میں اچھی طرح جم گیا تو مخالفوں کی کمر ہمت نوٹ گئی اور شاہ عاصد کے قوائے حکمرانی بالکل مضحمل ہو گئے۔ اس وقت صلاح الدین یوسف تو سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا اور اس کا نائب قرا قوش جو امرائے اسد یہ کے اعیان میں سے تھا۔ شاہ عاصد کے محل سرائے پر قابض و متصرف تھا۔ ان ایام میں سلطان نور الدین زنگی نے شام سے یہ پیغام بھیجا کہ شاہ عاصد کا خطبہ بر طرف کر کے دولت عباسیہ کے نامور تاجدار خلیفہ مستفی بالله کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ صلاح الدین یوسف اس خوف سے کہ مبادا اہل مصر سر تالی کریں اس حکم میں لیت و لعل کرنے لگا۔ لیکن جب سلطان نور الدین نے اسے ایک عتاب آمیز چٹھی لکھی تو صلاح الدین نے امتثال امر کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ حسن اتفاق سے

انہی دونوں عاصد کا مزاج اعتدال سے منحرف ہوا اور وہ یکبارگی صاحب فراش ہو گیا۔ صلاح الدین نے اس معاملہ میں اعیان دولت سے مشورہ کیا۔ بعض نے موافقت اور بعض نے مخالفت کی۔ اتفاق سے امیر العالم نام ایک عجمی شخص آیا۔ یہ لیت و لعل دیکھ کر کہنے لگا۔ لو سب سے پہلے میں ہی اس کار خیر کا افتتاح کرتا ہوں چنانچہ پہلے ہی جمعہ میں خطبہ سے پہلے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ مستعلی باللہ عباسی کے حق میں دعائے خیر کرنے لگا۔ کسی نے چون و چرا نہ کی۔ دوسرے جمعہ میں سلطان صلاح الدین نے خطیبوں کا حکم دیا کہ عاصد کے بجائے خلیفہ بغداد مستعلی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ کسی شخص نے مخالفت کی جرات نہ کیا۔ عاصد کا مرض دن بدن اشتداد پکڑتا گیا آخر عاشورہ کے دن داعی اجل کو لبیک کہہ کر راہی ملک بقا ہوا اور دولت، عبید معروض ہو گئی۔ سلطان صلاح الدین نے قصر شاہی اور اس کے تمام ذخائر و نفائس پر قبضہ کر لیا۔ شاہی خزانہ اور قصر شاہی میں اس قدر بیش قیمت اسباب تھا کہ بقول ابن خلدون نہ آج تک آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ یا قوت، زمرہ، طلائی زیورات، طلائی و نقرئی ظروف، بیش قیمت ملبوسات کی بڑی بہتات تھی۔ ان سب کے علاوہ ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں ملیں۔ خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا جانے کی دیر تھی کہ دولت عبید یہ کے آثار حکومت نیست و نابود کر دیئے گئے اور خلافت عباسیہ کا پرچم فضائے مصر پر لہرانے لگا اور اس زمانہ سے مصر میں حکومت ایوبیہ کی داغ بیل پڑی۔

نوید کامرانی

سلطان نور الدین کاتب کو حکم دیا کہ ایک تہیخت نامہ لکھے جو دار الخلافہ بغداد اور تمام دوسرے بلاد اسلامیہ میں پڑھا جائے۔ اس کا مضمون یہ تھا۔ ”وہ خداوند ذوالجلال جو حق کو سر بلند اور باطل کو سرنگوں فرماتا ہے۔ صد ہزار حمد و شکر کا مقام ہے کہ جس کے فضل و احسان نے ان بلاد میں اب کوئی ایسا منبر نہیں چھوڑا جس پر مولانا امام مستضی باللہ عباسی کے اسم گرامی کا خطبہ نہ پڑھا گیا ہو۔ تمام مسجدیں عبادت کرنے والوں کے لیے کھل گئیں۔ بدعت کے مرکز ٹوٹ گئے۔ کفر کے مستقر ویران ہو گئے اور جو مقامات قربانوحائی سو سال سے جھوٹے مدعیوں اور کفر پروردجالوں کے رخص و اخلاک کا جولا نگاہنے ہوئے تھے ان پر آل عباس کی خلافت حقہ قائم ہو گئی جو سنت نبوی کے سچے حامی اور رخص و بدعت کے دشمن ہیں۔ الغرض ہمارے پیشہ دووانے ظلم و ہیداد کی جڑیں کاٹ دیں اور انصاف و داد رسی کا پرچم فضائے مصر پر از سر نو لہرانے لگا۔ جب یہ پیام سعادت ایام مدینہ اسلام بغداد میں پہنچا تو لوگ جو ش انبساط سے پھولے جامہ میں نہ سماتے تھے۔ ہر طرف خوشی کے چھپے تھے۔ بڑا شاندار جشن مسرت منایا گیا۔ تمام بازار سجاے گئے۔ بغداد ایک طلسم حیرت بنا ہوا تھا۔ خلیفہ نے سلطان نور الدین کو خلعت و تشریفات اور صلاح الدین کو علم و پرچم سے سرفراز فرمایا اور خطیبوں کو بھی انعام و اکرام سے سربلند کیا۔ علامہ ابن جوزی نے ”النصر علی مصر“ اسی واقعہ کے متعلق ایک مستقل تصنیف کی ہے۔ تھوڑے دن کے بعد باطنیوں اور خاندان بنی عبید کے ہواخواہوں نے از سر نو عبیدی سلطنت کی داغ بیل ڈالنی چاہی اور مصر کے چند امراء بھی اس سازش میں شریک ہو گئے لیکن سلطان صلاح الدین کو اس سازش کی بروقت اطلاع ہو گئی۔ اس نے تمام بد سگال سازشیوں کو قصرین کے درمیان دار پر چڑھا دیا۔ اور اس طرح تمام خرخشے ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔

سلطان صلاح الدین کا عروج و اقبال اور سلسلہ فتوحات

یہاں ضمنیہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ شاہ عاضد کی موت کے بعد سلطان صلاح الدین کو خود مختار بادشاہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ جب اقبال یادری کرتا ہے تو ترقی کے اسباب خود بخود جمع ہو جاتے ہیں۔ چند ہی روز میں حجاز کے مقامات مقدسہ سلطنت مصر کے حیطہ اقتدار میں آ گئے۔ 68ھ میں سلطان صلاح الدین نے طرابلس کو نارسوں کے قبضہ سے چھوڑا۔ 569ھ میں اپنے بھائی توران شاہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد اپنے آقائے سابق سلطان نور الدین کے انتقال پر شام اور حلب پر بھی قبضہ کر لیا۔ 581ھ میں فتح کیا اور بہت سے چھوٹے چھوٹے تاجداروں نے

طوق اطاعت گلے میں ڈالا۔ اس طرح سلطان صلاح الدین ان ممالک کا دریائے فرات سے دریائے نیل تک پھیلے ہوئے ہیں باستانان قلعہ جات کے جو فرنگیوں کے ہاتھ میں تھے۔ فرمانروا بن گیا۔ 583ھ میں سلطان نے فرنگیوں کو بڑی بڑی ہزیمتیں دیں۔ بہت سے شہر جن پر انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا چھین لیے۔ خصوصاً بیت المقدس سے جو اکانوے سال سے فرنگیوں کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ ان کو بے دخل کر دیا۔ نصاریٰ نے بیت المقدس میں جو کھینے، بنا لئے تھے ان سب کو گرا دیا۔ اور ان کی جگہ دینی مدارس جاری کر دیئے۔ البتہ قمامہ کے گرجا کو محض امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے بحال رہنے دیا۔ دول یورپ کو بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نقصان کی تلافی کے لیے رچر ڈولول شاہ انگلستان اور فلپ اگمش شاہ فرانس بڑی زبردست تیاریاں کر کے بیت المقدس کے چھوڑانے کے لیے روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ سال تک بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ 589ھ میں سلطان صلاح الدین نے اپنی جان جمان آفرین کے سپرد کر دی۔ خدائے پاک نیک نمداد شاہ پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ باوجود عالمگیر بادشاہت و حکمرانی کے سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کے وقت ایک گھوڑا، ایک زرہ، ایک دینار اور 33 درم زر نقد چھوڑا۔ اس کے سوا اس سلطان البر والہمرا کا کوئی ترکہ نہیں تھا۔ سلطان کی رحلت پر ایک بیٹا عماد الدین عثمان مصر کا بادشاہ ہوا۔ دوسرا بیٹا نور الدین علی شام میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ تیسرے بیٹے غازی نے حلب کی عنان فرمانروائی ہاتھ میں لی۔ سلطان صلاح الدین یوسف ابن ایوب نے جس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی کہتے ہیں اس کے نوباد شاہ مصر میں، تیرہ فرمانروا شام میں اور تین تاجدار حلب میں بادشاہی کرتے رہے۔

بانی ر فض و شیعیت کی اغوا کو شیاں

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی بصیرت افروزی کے لیے رافضی فرقہ کے بانی و موسس عبد اللہ ابن سبا کے حالات و واقعات بھی مختصر ا عرض کر دیئے جائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے عمد سعادت میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور مت پرستوں کے بلاد و امصار عنایتِ آسمانی سے صحابہ کرامؓ اور ان کے تابعان عظام کے ہاتھوں فتح ہوئے اور کفار گمناہ کو قتلِ امیری اور مہم و تاراج کی ذلت میں گرفتار ہونا پڑا تو یہ لوگ غیظ و غضب کے عالم میں مار دم پریدہ کی طرح پیچ و تاب کھاتے تھے لیکن کوئی اس نہیں چلتا تھا۔ حضراتِ شیعین یعنی امیر المومنین ابو بکر صدیق اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے آواں سعید میں انہوں نے غلہ حمیت اور شدتِ عصبیت کی وجہ سے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ لڑائیاں کیں لیکن چونکہ نصرت

آسمانی ہر وقت ملت موحدین کی پشت پناہ تھی ذلت و خسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ناچار خلیفہ ثالث امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے ایام خلافت میں مکہ و حیلہ کے اسلحہ سے مسلح ہونے لگے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض اعدائے دین نے کلمہ اسلام سے گویا ہو کر منافقانہ اسلام قبول کیا اور مدائین بن کر مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور بغض و عناد کی آگ مشتعل کرنی شروع کی۔

اس فتنہ گر جماعت کا سرگروہ ایک نہایت عیار شخص عبد اللہ بن سبا نام کا یمن کا ایک یہودی تھا۔ اس کے سلسلہ تلمیذ کی سب سے پہلی کڑی یہ تھی کہ خاندان نبوت اور دو دمان مصطفوی (علیہ السلوٰۃ والسلام) سے انتہائی محبت کا اظہار کیا اور اپنی ساری ہمت اس کوشش میں صرف کر دی کہ لوگ اہلبیت اظہار سے محبت کریں۔ اور ان کی عون و نصرت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں۔ چونکہ یہ تحریک اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھی۔ اس لیے کاذب اہل اسلام میں بہت مقبول ہوئی اور ہر خاص و عام نے گمان کیا کہ جو کچھ یہ کہتا ہے خلوص اور خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہے۔ لیکن اہل حق کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام کا نہایت خطرناک دشمن ہے اور مسلمانوں کے خلاف نہایت خوفناک جال بچھا رہا ہے۔ جب عبد اللہ بن سبا لوگوں کو اس دام فریب میں گرفتار کر چکا تو اب اس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ جناب علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) افضل البشر بعد

الانبیاء ہیں۔ حضور سید عالم (ﷺ) کی جناب میں انہیں سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ اب وہ ان احادیث کے ساتھ جو امیر المومنین علی مرتضیٰ کی شان میں وارد ہیں اپنی طرف سے بہت سی موضوع و مخترع روایتیں شامل کر کے ان کو شہرت دینے لگا اور جب دیکھا کہ اس کے دام افتادہ لوگ خلفائے ملاحہ پر حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل ہو گئے تو اس نے اپنے احباب خاص کی ایک جماعت کو اپنے اس راز سر بستہ کی تعلیم دینی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰ پیغمبر خدا (ﷺ) کے وصی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں نبی صریح خلیفہ مقرر فرمایا تھا لیکن صحابہؓ نے غلبہ پا کر اور (معاذ اللہ) مکروہیہ سے وصیت نبوی ﷺ سے بے اعتنائی کی۔ خدا اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ کے علی مرتضیٰ کا حق غصب کر لیا اور طمع دنیاوی سے مغلوب ہو کر دین سے برگشتہ ہو گئے۔ اسی کے ساتھ اس نے فدک کے متعلق اس گفتگو میں جو امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور سیدۃ النساء جناب فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہما میں ہوئی اور انجام کار صفائی اور حسن اسلوب سے طے ہو گئی تھی۔ رنگ آمیزی شروع کی اور اپنے مخصوص احباب کو تاکید کر دی کہ اس راز کو فاش نہ ہونے دیں اور سمجھا دیا کہ اگر اہیانا لوگوں سے اس قسم کی گفتگو ہو تو میرا نام ہرگز ظاہر نہ کرنا کیونکہ اس جدو جہد سے میری غرض محض اظہار حق ہے نہ کہ نام و نمود۔

ان سب کا بصرہ سے اخراج

ان سب نے مدینہ منورہ میں اپنی حق فراموش جماعت تیار کرنے کے بعد دوسرے اسلامی بلاد میں جا کر فتنہ انگیزی اور فساد پروری کا قصد کیا۔ 33ھ میں بصرہ پہنچا اور مسلمانوں کو راہ حق سے منحرف کرنے کی جدو جہد میں مصروف ہوا۔ ان دنوں جناب عبداللہ بن عامر امیر المومنین عثمانؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے۔ انہوں نے سبائی فتنہ انگیزی کے حالات سنے تو ان سب کو بلا بھیجا اور پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگا میں یہودی تھا لیکن اب دین اسلام کو برحق یقین کر کے مسلمان ہو گیا ہوں۔ ان عامر نے کہا میں نے تمہاری نسبت ایسی ایسی باتیں سنی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بڑے مفسد اور عدوے اسلام ہو اس لیے مناسب ہے کہ میرے حدود عمل سے جلد نکل جاؤ۔ ورنہ تمہاری گردن مار دوں گا۔ اب ان سب نے بصرہ سے کوفہ کا عزم کیا۔ وہاں سے بھی اپنی مغویانہ سرگرمیوں کی وجہ سے نکالا گیا۔ کوفہ سے مصر کی راہ لی وہاں پہنچ کر اس نے ایک نیا مسئلہ یہ اختراع کیا کہ جناب مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح حضرت سرور دو جہان (علیہ التحیۃ والسلام) دوبارہ تشریف لانے والے ہیں اور کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں کی عقل و فہم پر حیرت ہے۔ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رجوع کرنے کو مانتے ہیں لیکن انہیں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی رجعت سے انکار ہے اور ساتھ ہی یہ کہنا شروع کیا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور محمد ﷺ کے وصی علی بن ابی طالب ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو پیغمبر خدا بنا دے۔

مانتا۔ اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نے (معاذ اللہ) بلا استحقاق خلافت رسول پر قبضہ جمار کھا ہے۔ دنیا میں بے وقوفوں اور شرارت پسند لوگوں کی کمی نہیں۔ مصر میں بھی اس نے لوہاش قسم کے لوگوں کو جمع کر کے ایک جماعت بنالی۔ خلیفہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف نشر یہ کرنے کے لیے مناد بھی تیار کئے اور ان کو مختلف دیار و امصار میں بھیجتے وقت ہدایت کی کہ جہاں جاؤ سب سے پہلے عامۃ الناس کا دل ہاتھ میں لینے کے لیے بظاہر امر معروف و نہی منکر کا طریقہ اختیار کرو۔ اور جب عوام کی ہمدردی حاصل کر چکو تو امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عمال کے خلاف بے پناہ پروپیگنڈا شروع کرو اور اس کے ضمن میں خلیفہ ثالث کے خلاف بھی عام جذبہ منافرت پیدا کرتے رہو۔ یہ مناد بصرہ کو فہ، شام، مصر ہر جگہ پھیل گئے اور امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں حکام کے خلاف منافرت پھیلانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بڑے بڑے شہروں کے باشندے 35ھ میں اپنے اپنے عمال کی شکایتیں لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور اہل مدینہ کے پاس اپنی نام نہاد مظلومی کے ٹسے بہانے لگے۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے تفتیش حالات کے لیے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بصرہ، حضرت عمار بن یاسرؓ کو مصر، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو شام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفہ روانہ فرمایا۔ یہ حضرات تحقیق حالات کے بعد مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے اور آکر بتایا کہ تمام شکایتیں بے بنیاد اور جھوٹی تھیں۔

علیؓ کی زبان مبارک سے حضرات شیخینؓ کی ثنا

قضائے کردگار سے امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے آخری دور خلافت میں مصر کی ایک شوریہ سرجماعت نے امیر المومنین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ابن سبائے اس موقع کو غیبت سمجھ کر آگ پر تیل ڈالنا شروع کیا اور دوسرے دشمنان ملت کو بھی جو کوفہ اور نواح عراق میں پھیلے ہوئے تھے مدینہ منورہ میں بلا لیا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے فتنہ انگیزی کے وہ ہتھیار جنہیں صولت اسلام کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتے تھے تیز کرنے شروع کئے اور خلیفہ برحق جناب عثمان ذوالنورینؓ کو جرحہ شہادت پلوا دیا۔ جب امیر المومنین علی مرتضیٰؓ نے اورنگ خلافت کو زینت بخشی تو ان منافقوں نے اپنے تئیں جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ٹھین ٹھلصین کی جماعت میں لاکھڑا کیا اور اپنے آپ کو شیعان علیؓ (گروہ علیؓ) کے نام سے ملقب کرنے لگے۔ اب ابن سبائے اپنے حبث باطن کو بے کھٹکے ظاہر کرنا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ امیر المومنین علیؓ نے کسی مصلحت سے اپنا دار الخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ کو منتقل کر لیا تھا۔ ابن سبائے کے واسطے دامن بھی عسکر خلافت میں شامل ہو کر کوفہ پہنچ گئے اور سبائی تعلیمات کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد خود لہن سبائی کوفہ پہنچ گیا۔ یہاں اس نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی تبلیغ شروع کی کہ صحابہؓ میں حضرت علی

مر تفضلیؒ سب سے افضل ہیں۔ جب ان سب نے دیکھا کہ کوفہ کے فوجی سپاہی اس مسئلہ کو سمجھ قبول سے سنے لگے ہیں تو اس نے امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ اور امیر المومنین عمر فاروقؓ کے خلاف دریدہ دہنی کا شیوہ اختیار کیا اور حضرات شیخینؓ اور دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے خلاف جذبہ نفرت پھیلانے لگا۔ حضرت سوید بن غفلہؓ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے لشکر گاہ میں چند آدمی دیکھے جو حضرات شیخینؓ پر طعن و تشنیع کر رہے تھے۔ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ ”امیر المومنین! میں آپ کی فوج میں گیا تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کے حق میں ایسی باتیں کہہ رہے تھے جو ان دونوں بزرگوں کے شایان شان نہیں اور عجب نہیں کہ ان کی یہ جسارت اس خیال پر مبنی ہو کہ آپ کے دل میں بھی شیخینؓ کی طرف سے کچھ غبار کدورت ہے ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ حضرات شیخینؓ کی شان میں یوں علانیہ دریدہ دہنی کی جاتی۔ حضرت علیؓ مر تفضلیؓ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان حضرات کی طرف سے میرے دل میں کدورت کا کوئی ادنیٰ شائبہ ہو۔ میرے باطن میں دونوں حضرات کا وہی جذبہ محبت موجود ہے جو خود سرور عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موج زن ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا اس پر لعنت کرے جس کے دل میں ان حضرات کے متعلق حسن ظن کے سوا کوئی اور جذبہ مخفی ہو۔ یہ دونوں تو پیغمبر خدا ﷺ کے بھائی اور ذریعہ تھے۔ خدا ان دونوں پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے۔ اس کے بعد امیر المومنین علیؓ نے پیروان ابن سبا کی فتنہ انگیزیوں کے خلاف متعدد خطبے دیئے اور اس جماعت کے خلاف ہر طرح سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا۔ باوجودیکہ آپ نے بعض فتنہ انگیزوں کو جسمانی سزائیں دیں اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو سبا کی فتنہ سے دامن کش رہنے کی تاکید فرمائی تاہم یہ مفسد جماعت اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی۔

ان سب کے پیروزندہ آگ میں جلا دیئے گئے

جب ان سب نے دیکھا کہ ہزار ہالگوں نے اس کی پیروی اختیار کی اور بہت سے مسلمان فاسد العقیدہ ہو چکے تو اب اس نے یہ کہہ کر فتنہ انگیزی شروع کی کہ جناب علیؓ مر تفضلیؓ سے ایسے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو مقدور بشری سے خارج ہیں اور بتایا کہ خوارق عادات، ’قلب اعیان‘ اخبار غیب، ’احیائے اموات‘ ایمان حقائق الہیہ و کونیہ، ’محاسبات دقیقہ‘ جو بات حاضرہ بلاغت عبارت، فصاحت الفاظ، زہد و تقویٰ، شجاعت مفرطہ وغیرہ امور آپ سے اس کثرت و تنوع سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا منبہی انسان کے مبلغ فہم سے بالاتر ہے۔ اس کے بعد ایک مجلس خاص میں جناب علیؓ مر تفضلیؓ کے مناقب میں بہت کچھ رنگ آمیزیاں کیں اور حفظ اسرار کی تاکید کرتے ہوئے اپنے دام افتادوں کو بتایا کہ یہ تمام باتیں جو آپ سے ظاہر ہوتی ہیں آپ کی الوہیت کے خواص ہیں اور لاہوت ناسوت کے لباس میں جلوہ فرما ہے۔ اس دن سے پیروان ابن سبا حضرت علیؓ مر تفضلیؓ کو (معاذ اللہ)

خدا کہنے لگے۔ جب امیر المؤمنین علیؑ کو اس سبائی شراکتی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سب اور اس کے پیروؤں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ کچھ تو بھاگ گئے اور جو مل سکے ان کو آپ نے عبرت روزگار بننے کے لیے زندہ آگ میں جلادیا۔

یہ حرمان نصیب کوفہ سے بھاگ کر مدائن پہنچے لیکن وہاں بھی اپنی مفسدہ پردازی سے باز نہ آئے۔ سبائی ساد آذربجان و عراق میں پھیل گئے۔ چونکہ امیر المؤمنین اس وقت مہمات خلافت کے علاوہ خوارج کی سرکوبی اور شامیوں کی لڑائی میں الجھے ہوئے تھے اس بنا پر ان اشراک کی طرف توجہ نہ فرما سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان سب کا مذہب ان علاقوں میں جڑ پکڑ گیا اور انجام کار اس نے شیعہ مذہب کے نام سے اپنے تئیں روشناس کرایا۔

لشکر مرتضوی کی چہارگانہ تقسیم

انجام کار امیر المؤمنین علیؑ کے لشکری سبائی تعلیمات کے رد و قبول کی وجہ سے چار فرقوں میں منقسم ہو گئے اول شیعہ مخلصین یعنی اہل سنت و جماعت جو تمام اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے محبت رکھتے اور ازواج طاہرات سے خلوص و عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کا آئینہ دل اکابر امت کے لیے کینہ سے بالکل پاک ہے۔ یہی لوگ جناب علی مرتضیٰ کی روش پر قائم اور ان کے سچے پیرو ہیں۔ ان کا دامن سبائی خبث و نجاست سے پاک رہا۔ جناب امیر المؤمنین علیؑ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح و تحسین فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔ دوسرے شیعہ تفضیلیہ جو جناب علی مرتضیٰ کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے تھے۔ گو اس فرقہ نے ان سب کا اثر پوری طرح قبول نہ کیا تاہم اس کی پیروی کر کے اہل حق کے زمرہ سے خارج ہو گئے۔ جناب علی مرتضیٰ نے ان کو ہمیشہ تنبیہ کی کہ اگر کسی شخص کی نسبت معلوم ہوگا کہ وہ مجھے تکلیں (یعنی امیر المؤمنین ابو بکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما) سے افضل کہتا ہے تو میں اسے افترا کی حد اسی کوڑے لگاؤں گا۔ تیسرا فرقہ شیعہ سیہ یعنی دشنام گو جنہیں تبرائی بھی کہتے ہیں۔ یہ بد نصیب فرقہ تمام صحابہ کو ظالم اور غاصب بلکہ کافر و منافق یقین کرتا ہے اور اس نے تمام اکابر صحابہ کو اپنے سام طعن کا ہدف بنا رکھا ہے۔ جب کبھی اس گروہ کے خیالات امیر المؤمنین کے سمع مبارک تک پہنچتے تو آپ خطبہ دیتے ایسے ناپاک خیالات سے تشبیح فرماتے اور ان لوگوں سے ریزاری کا اظہار کرتے۔ چوتھا فرقہ غلات شیعہ ہیں۔ یہی ان سب کے شاگرد و شید ہیں۔ لوگ امیر المؤمنین علیؑ کی خدائی کے قائل ہیں۔ جب مخلصین شیعہ یعنی اہل سنت و جماعت نے ان لوگوں پر بدلائل و براہین سے حملت کر دیا کہ جناب علی مرتضیٰ میں بے شمار ایسے آثار و دلائل موجود ہیں جو الوہیت کے منافی اور آپ کی معریت کو سلب ہیں تو بعض غلاة نے صریح الوہیت کے عقیدہ سے برگشتہ ہو کر یہ بے ہودہ خیال پیدا کر لیا کہ روح لاہوتی جناب علی مرتضیٰ کے بدن ناسوتی میں طول کیا ہے۔

اصفر بن ابوالحسین تغلبی

اصفر بن ابوالحسین تغلبی اس عین کارہنے والا تھا۔ جو حران اور نصیبین کے درمیان ایک شہر ہے۔ اس نے اس میں نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ کتابوں میں جس موعود کے آنے کی پیشین گوئی ہے وہ میں ہی ہوں۔ اس سے اس کی مراد غالباً مسیح موعود ہوگی۔ اصفر نے دعویٰ نبوت کے بعد طرح طرح کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا چاہا۔ بے شمار جہلا اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہو گئے۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو دل میں ملک گیری کا شوق سرسرایا اور حرب و ضرب کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ اصفر سے پہلے جتنے جھوٹے مدعی گزرے وہ اپنی جماعت کو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام ہی کے خلاف استعمال کرتے رہے۔ لیکن اصفر نے اپنے پیش روؤں کا طریقہ چھوڑ کر اپنا رخ نصاریٰ کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اس کا لشکر بڑے تزک و احتشام سے رومیوں کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ روم کی سرحد پر بڑی گھمسان لڑائی ہوئی جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اصفر بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ اور اس کی عظمت کا جھنڈا بڑی شان و شوکت سے اڑنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اصفر نے نصاریٰ کے خلاف پھر علم عربہ جوئی بلند کیا۔ جو رومیوں کو مجرم کر کے واپس آیا۔ کچھ دن کے فصل سے پھر عنان عزیمت روم کی طرف موڑی اور رومیوں کو پامال کر کے اتنے مال غنیمت کے ساتھ مراجعت کی کہ جس کی کوئی حد نہایت نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس کی فوج اس کثرت سے رومی عورتوں کو قید کر لائی کہ اس کے لشکر میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہوئیں۔ جب شاہ روم نے دیکھا کہ اصفر ہر مرتبہ چپ چاپ روم پر آچڑھتا ہے اور اس سے پیشتر کہ مدافعت کے لیے کوئی زبردست فوجی اجتماع عمل میں لایا جاسکے سرحدی شہروں کو تاخت و تاراج کر جاتا ہے تو اس نے نصر الدولہ بن مروان حاکم دیار بحر و سیافارقین کے پاس پیغام بھیجا کہ تم سے ہمارے مراسم اتحاد استوار تھے لیکن اصفر نے تمہاری مملکت میں رہ کر کئی مرتبہ خونریز اقدام کیا ہے اور جو جو ستیزہ کاریاں اور ظلم آریاں کی ہیں وہ تم سے مخفی نہیں ہیں۔ اگر تم بیان مسودت و اتحاد سے دست بردار ہو چکے ہو تو ہمیں اس سے مطلع کر دو تاکہ ہم بھی اپنی صولبدید پر عمل کریں۔ ورنہ اس شخص کا کچھ تدارک کرو۔ جس وقت شام روم کا ایلچی نصر الدولہ کے پاس پہنچا تو اتفاق سے ٹھیک اسی وقت اصفر کا قاصد بھی ایک خط لے کر نصر الدولہ کے پاس آیا۔ جس میں رومیوں کے خلاف اس کے ترک غزا پر اعتراض کیا تھا۔ نصر الدولہ نے دیکھا کہ اگر رومیوں کی شکایت کا کوئی مداوانہ ہوا تو وہ اس کی مملکت پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس کے علاوہ ازراہ مآل اندیشی اس مسئلہ پر بھی غور کرنے لگا کہ اگر ابھی سے اصفری فتنہ کا سدباب نہ کیا گیا تو یہی شخص

جو آج رومیوں کو پریشان کر رہا ہے کل کو ہمارے گلے کا ہار ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر بنو نمیر کے چند آدمیوں کو بلایا اور انعامات وافرہ سے ممنون احسان کر کے کہنے لگا کہ اصفہر نے رومیوں کو ہمارے خلاف براہینتہ کر دیا ہے اور ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان سے عمدہ برآہو سکیں۔ اس لیے جس طرح بن پڑے اس کو جا کر ٹھکانے لگا دو یا زندہ گرفتار کر لاؤ۔ بنو نمیر کے جوان اصفہر کے پاس جا کر اس کے مریدوں میں داخل ہو گئے۔ اور حاشیہ نشینی اختیار کر کے تھوڑی ہی مدت میں غیر معمولی تقرب حاصل کر لیا۔ ایک مرتبہ اصفہر سوار ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں بنو نمیر کے جوانوں کے سوا اس کے ساتھ کوئی اور شخص نہ تھا۔ انہوں نے موقع پا کر اس کو گرفتار کر لیا اور پانچو لال نصر الدولہ کے پاس لے آئے۔ نصر الدولہ نے اس کو زندان بلا میں ڈال کر شاہ روم کو اس کی اطلاع دے دی۔ اس کے بعد اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ قرنیہ یہ ہے کہ حالت حجن ہی میں اس سرائے قانی سے منقطع ہو کر دہر آخرت کو چلا گیا ہوگا۔

ابو عبد اللہ ابن شباس صیمری

453ھ میں ایک شخص جسے ابو عبد اللہ ابن شباس کہتے تھے قصبہ صمرہ میں ظاہر ہوا۔ جو ولایت بصرہ میں ہے۔ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس کے باطلیل نے نہ صرف عوام کا لانعام کو خیرہ سر کر دیا۔ بلکہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ اور صحیح العقول انسان بھی ماؤف الدماغ ہو گئے۔ خصوصاً اہل صمرہ تو اسی کو (معاذ اللہ) خالق کردگار سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ میں نے کتاب ”المبداء والائال“ میں ابن شباس کے حالات مفصل درج کئے ہیں۔ “لیکن افسوس ہے کہ خاکسار اتم الحروف اس کتاب پر دسترس نہ پاسکا۔ غالباً یہ کتاب آج کل بالکل ناپید ہے۔ ابن شباس کا باپ ابو محمد علی بن حسین بغدادی معروف بہ شباس ایک مشہور کبوتر باز تھا۔ ابن شباس کے آدمی بھی تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں موجود تھے۔ جو نامہ کبوتروں کے ذریعہ سے اپنے اپنے شہر کے واقعات لکھ کر ابن شباس کے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ مثلاً جو کوئی شخص ان کے پاس آیا تو انہوں نے جھٹ کاغذ کے ایک پرزہ پر یہ اطلاع لکھ کر فلاں شخص مجھ سے ملنے آیا ہے لکھ کر کبوتر کو اڑا دیا۔ اوہر صمرہ میں یہ انتظام تھا کہ نامہ بر کبوتر اپنے شہر سے اڑ کر ابن شباس کے مکان کی چھت پر آ بیٹھے۔ ابن شباس کا ایک خادم وہاں ہر وقت موجود رہتا وہ کبوتر کے پاؤں سے رقعہ کھولتا اور نیچے آ کر چپ چاپ ابن شباس کو دے جاتا۔ اسی طرح سارا دن کبوتروں کی ڈاک لگی رہتی تھی۔ اور ابن شباس دعویٰ غیب دانی کے ساتھ دن بھر حاضرین کو دیار و امصار کی خبریں سنایا کرتا۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اچانک پکار اٹھتا کہ فلاں شہر میں یہ حادثہ رونما ہوا۔ فلاں مقام پر یہ واقعہ پیش آیا۔ چونکہ بعد کو یہ اطلاعیں ہمیشہ صحیح ثابت ہوتی تھیں اس لیے لوگ اس کو علام الغیوب اور رب العلمین تصور کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ ابن شباس کے کسی نمائندہ نے اس کے پاس اپنے شہر سے اطلاع بھیجی کہ فلاں فلاں افراد میں نزاع ہو گئی ہے۔ ابن شباس متحاصمین کے نام ایک ایک جنبی لکھ کر نامہ بر کبوتر کے ذریعہ سے اپنے نمائندہ کے پاس بھیج دیتا ان چٹیوں میں لکھا ہوتا تھا کہ تم لوگ آپس میں مصالحت کر لو۔ ورنہ تم پر میرا صاعقہ عذاب نازل ہو گا۔“ ابن شباس کا نمائندہ یہ چٹیاں متحاصمین کے پاس پہنچا دیتا۔ وہ اپنے خانہ ساز خدا کا فرمان پڑھ کر مرعوب ہو جاتے اور یہ خیال کر کے کہ اپنے

”خالق ورازق“ کا اتہال امر نہ کریں گے تو ہلاک و برباد ہو جائیں گے آپس میں صفائی کر لیتے۔ مگر معلوم نہیں کہ کسی مسلمان حکمران کی شمشیر خارا شکاف نے اس کی خدائی کا خاتمہ کیا تھا یا نہیں؟

حسن ابن صباح حمیری

فصل 1۔ ابن صباح کے ابتدائی حالات

حسن بن صباح جو مہبط وحی ہونے اور خدائے برتر سے احکام پانے کا مدعی تھا ایک ایسے خونخوار فرقہ کا بانی ہے جس کی خفیہ سازشوں اور جاں ستانیوں کا تصور بدن پر روٹنے کھڑے کر دیتا ہے۔ یہ شخص شہر طوس میں جو علاقہ فرسان کا ہے میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ علی اسماعیلی مذہب کا پیرو اور شہر رے میں دو دو باش رکھتا تھا۔ جو عریق عجم کا ایک شہر ہے۔ علی کا نسب یہ ہے۔ علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح حمیری۔ چونکہ حسن کا مورث اعلیٰ صباح ایک مشہور آدمی ہو گزرا تھا۔ اس لیے اس نے حسن بن علی کملانے کے جائے حسن بن صباح کملانا پسند کیا۔ حسن کا باپ علی یوزار شہر یز اور عیار شخص تھا۔ ان دنوں رے کی حکومت ابو مسلم رازی کے ہاتھ میں تھی جو ایک نہایت سلیم الفطرت اور متدین حاکم تھا چونکہ علی اپنے رفیق و زندیقہ میں بدنام تھا۔ ابو مسلم رازی کو جو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا۔ اس سے نفرت تھی۔ اور علی ہر وقت اس کے سامنے اپنے عقائد کی صفائی ظاہر کرتا اور جھوٹی قسمیں کھا کر اسے یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتا کہ میں ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہوں اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا پیرو ہوں۔ ان ایام میں اہل سنت و جماعت کے ایک بڑے عالم امام موفق نیشاپور میں مسند درس و افاضہ پر متمکن تھے اور اطراف و اکناف ملک کے لوگ ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر چشمہ علوم و فنون سے سیراب ہو رہے تھے۔ علی نے اپنے رفیق و الخاد کا الزام دور کرنے کے لیے اپنے بیٹے حسن کو نیشاپور لے جا کر امام موفق کے درس میں داخل کرادیا۔ حسن اس سے پوچھ کر کئی سال تک عبد الملک بن عطاءش نام ایک اسماعیلی سے تحصیل علم کرتا رہا تھا۔ امام موفق کی تعلیم و تربیت میں خدائے برتر نے یہ خوبی رکھی تھی کہ ان کے شاگرد عموماً کسی نہ کسی درجہ پر پہنچ جایا کرتے تھے اور یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ امام موفق کا تلمذ جاہ و حشم کا ضامن ہے۔

مکتب کا معاہدہ

خواجہ حسن طوسی (جو بعد کو سلجوقی سلطنت کا وزیر اعظم ہو کر نظام الملک کے لقب سے

ممتاز ہوا) اور حکیم عمر خیام نیشاپوری بھی حسن بن صباح کے ہم درس تھے۔ ان تینوں میں باہم بڑی الفت تھی۔ تینوں ایک ساتھ رہتے اور باہم مل کر سبق کی تکرار کیا کرتے تھے۔ ایک دن حسن بن صباح اپنے دوستوں سے کہنے لگا یہ مشوربات ہے کہ امام موفقی کے شاگرد بڑے رتبہ پر پہنچتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہم تینوں جاہ و دولت کے مرتبہ پر نہ پہنچیں تو ہم میں سے ایک نہ ایک ضرور پہنچے گا۔ اس لیے آپس میں عہد کریں کہ ہم میں سے حق تعالیٰ جس کو معزز و بامراد کرے اور عزت و جاہ کے درجہ پر پہنچائے وہ اپنے دونوں رفیقوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی معاملہ میں اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح نہ دے۔ تینوں نے یہ معاہدہ بڑی گرمجوشی سے قبول کیا اور باہم عہد و پیمان ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد یہ رفقائے فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے چلے گئے۔ حسن بن صباح اپنے باپ کے پاس رہے پہنچا۔ تھوڑے دن کے بعد ابو مسلم کو معلوم ہوا کہ ابن صباح کے پاس مصر کے عبیدی فرمانبرداروں کے داعیوں کی ایک جماعت آئی تھی۔ ابو مسلم نے ابن صباح کی گرفتاری کا حکم دیا۔ پولیس نے بہتری تلاش کی لیکن اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ ابو مسلم نے بطریق فراسٹ فرمایا کہ یہ شخص عنقریب ضعفائے عوام کو گمراہ کرے گا۔ چنانچہ آگے چل کر قارئین کرام کو معلوم ہو گا کہ یہ پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ نیشاپور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہر شخص قسمت آزمائی کے میدان وسیع میں نکل کر سمند تدریر پر سوار ہوا۔ خواجہ حسن مقام مرو سلطان ملک شاہ کے دادا چتری ہیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا اور رسائی حاصل کر کے ترقی کے زینے طے کرتے کرتے سلجوقیوں کا وزیر اعظم ہو گیا۔ اس طرح دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ ہاتھ میں رکھ کر نظام الملک طوسی کے معزز لقب سے دنیا میں چمکا۔

حسن صباح اور نظام الملک

جب حسن صباح مدرسہ میں ہم مکتبوں سے عہد و پیمان کر کے باہر نکلا تو کچھ مدت تک معاش کی خاطر ملک کے مختلف مقامات میں غریب الوطنی کی خاک چھانتا پھرا مگر کسی جگہ کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور نہ کوئی ایسا مشغلہ سمجھ میں آیا جو اس کی اولوالعزمیوں کا کفیل ہو۔ آخر سخت حرمان و یاس کے عالم میں اپنے ہم مکتب نظام الملک کی نسبت سنا کہ وہ خلعت و وزارت سے آراستہ ہو کر سلجوقیوں کے سیاہ و سپید کا مالک ہو گیا ہے۔ فوراً وہاں پہنچ کر قسمت آزمائی کی ٹھان لی۔ چنانچہ حسن صباح خواجہ کے پاس 465ھ میں نیشاپور آیا۔ نظام الملک نے اس کی خاطر و مدارت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ اور بساط میزبانی کو اتنی بلندی پر جا بھٹھایا کہ اس سے رفیع تر مقام نہ تھا۔ ایک دن حسن صباح خواجہ سے کہنے لگا کہ آپ اصحاب یقین اور ارباب تحقیق میں سے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وذلرت ایک متاع قلیل ہے۔ اس لیے مجھے خوف ہے کہ آپ حظوظ فانیہ کے جال میں پھنس کر

وعدہ خلائی پر نہ اتر آئیں اور یینفوضون عہد اللہ کے مرتکب نہ ہوں۔ نظام الملک نے کہا حاشا دکلا میں نقص عمد نہ کروں گا۔ نہ صرف جاہ و منصب بلکہ میرے تمام املاک میں بھی تم برابر کے حصہ دار ہو۔ غرض نظام الملک نے اس کی بادشاہ سے ملاقات کرائی اور اس کی عقل و دانش فضل و کمال کی تعریفیں کر کے اسے سلطان ملک شاہ کا معتمد خاص مقرر کرادیا۔ نظام الملک کی نیک نفسی دیکھو کہ اس نے اپنے عمد کا کس قدر پاس کیا اور عمد بھی ایسا جو مذاق کے طور پر عالم طفلی میں ہم مکتبوں میں ہو گیا تھا جب کہ انسان پر کوئی تکلیف اور ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ نظام الملک نے جو عمدہ لکن صباح کو دلایا وہ اختیار و اعتبار میں وزارت سے کم نہ تھا لیکن حسن تو ایسے اختیارات چاہتا تھا جن میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ اس لیے اسے اس بات کی تمنا ہوئی کہ خواجہ نظام الملک اسے کسی طرح اپنی وزارت میں شریک کرے تاکہ موقع پا کر خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم بن جائے۔ لہذا یہ بدسرشت محسن کشی پر اتر آیا اور ہر وقت اسی اوہیڑ بن میں مصروف رہنے لگا کہ کسی طرح نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرا کر اوج حشم پر پہنچ جائے۔

حساب باربر داری

ایک مرتبہ سلطان حلب گیا وہاں ایک قسم کا سنگ رخام پیدا ہوا تھا جس کے برتن بنائے جاتے تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ پانسو من سنگ رخام اصفمان پہنچایا جائے۔ حلب کے افسر نقل و حمل نے دو عربوں سے کہ اونٹوں کے ساتھ اصفمان جا رہے تھے کہا کہ پانسو من سنگ رخام اصفمان لے جاؤ۔ ان میں سے ایک کے چھ اور دوسرے کے چار اونٹ تھے۔ انہوں نے پانسو من پتھر باہم تقسیم کر لیا۔ (وہاں کا من چالیس تولہ آٹھ ماشہ کا ہوتا ہے) لیکن ان دونوں کے اونٹوں پر پہلے بھی پان پانسو من اسباب لدا تھا۔ جب پتھر اصفمان آگیا تو سلطان نے اس بات پر خوش ہو کر کہ اونٹ والے بہت جلد پتھر لے آئے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیئے۔ انہوں نے نظام الملک سے درخواست کی کہ وہ دونوں میں انعام تقسیم کر دے۔ چنانچہ نظام الملک نے چھ اونٹ والے کو چھ سوار چار والے کو چار سو دینار دے دیئے۔ جب لکن صباح کو اس تقسیم کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگا کہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں سخت غلطی کی ہے۔ چھ اونٹ والے پر ظلم ہوا ہے۔ کیونکہ اسے آٹھ سوار چار اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیے تھا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر سلطان تک پہنچی۔ اس نے نظام الملک کو طلب کیا اور اسے دیکھ کر مسکرایا اور لکن صباح سے کہا کہ تقسیم انعام کی توجیہ کرو۔ لکن صباح نے کہا کہ جہاں پناہ کل اونٹ دس ہیں اور کل وزن پندرہ سو من ہے اس لیے ڈیڑھ ڈیڑھ سو من وزن ہر ایک اونٹ کے حصہ میں آیا۔ اب جس کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من لایا جس میں سے سو من اس کا ذاتی اور چار سو من سرکاری ہے اسی طرح جس شخص کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو من لایا۔ جس میں

سے پانچ سو من اس کا اپنا اور سو من سرکاری ہے۔ اور ہزار دینار پانسو من کے لیے دیا گیا ہے پس دو سو دینار فی سو من کا صلہ ہے۔ اس حساب سے چھ اونٹ والے کو آٹھ سو دینار اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیے۔ سلطان کے دل میں نظام الملک کی بڑی وقعت تھی اور نہ چاہتا تھا کہ وہ ملول اور کبیدہ خاطر ہو۔ اس لیے سلطان نے اس بات کو مذاق میں اڑا دیا۔ لیکن نظام الملک سمجھ گیا کہ ان صباح کی اس فتح نے سلطان کے دل پر کیا اثر ڈالا ہے؟

دربار شاہی سے اخراج

ایک مرتبہ تین صباح لڑکھن سہت کے درمیان بیٹھا ہوا مختلف امور پر تبادلہ خیالات کر رہا تھا۔ اس دور میں سننے لگا کہ حضرت سلطان المعظم تیس سال سے حکمران ہیں۔ انہیں چاہیے کہ مملکت محروسہ کے جمع و خرچ سے بھی واقف ہوں۔ یہ آواز شدہ شدہ سلطان ملک شاہ کے کان تک پہنچا۔ اس بنا پر سلطان نے ایک دن نظام الملک سے پوچھا کہ ایک ایسا مکمل چٹھا کتنے دن میں تیار ہو سکتا ہے جس سے تمام سلطنت کا تیس سالہ حساب معلوم ہو سکے؟ نظام الملک کہنے لگا۔ خداوند نعمت! حضور کی سلطنت کا شجر سے لے کر روم اور مصر تک پھیلی ہوئی ہے، اگر میں بڑی کوشش کروں تو دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں۔ حسن ابن صباح حصول نفوق کا یہ موقع ہاتھ سے کمال جانے دیتا۔ کہا جہاں پناہ میں ایسی فرست صرف چالیس روز میں پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت اور اس کا تمام عملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ ملک شاہ کو تعجب ہوا اور نظام الملک جس نے اس بار آستین کو خود اپنے آغوش عاطفت میں پالا تھا۔ ابن صباح کی اس مکرر محسن کشی اور غداری پر خون جگر کھاتے ہوئے خاموش رہ گیا۔ اور سلطان نے امتحاناً یہ خدمت ابن صباح کے سپرد کر دی۔ چالیس دن کے بعد حسن تمام مسودات لے کر حاضر دربار ہوا۔ نظام الملک بچہ اس وقت عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ ایک کونے میں سما ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ چٹھا پسند آ گیا تو میں عمدہ وزارت سے معزول کر دیا جاؤں گا۔ ملک شاہ نے مسودات کی ورق گردانی کر کے بعض جزئیات کے متعلق حسن سے سوالات کرنے شروع کئے اور ایسی ایسی موٹا گالیاں کیں کہ ابن صباح ان کا بالکل جواب نہ دے سکا اور مضطربانہ بادشاہ کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ خواجہ نظام الملک موقع کو غنیمت سمجھ کر آگے بڑھا۔ اس نے عرض کیا۔ خداوند عالم! انہی مشکلات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس خاکسار نے دو سال کی مدت مانگی تھی۔ اتنی بڑی وسیع و عریض شہنشاہی کا جمع و خرچ چالیس دن میں صحت کے ساتھ کیونکر مرتب ہو سکتا ہے؟ ملک شاہ جو پہلے بھی ابن صباح کے خلاف متعدد شکایتیں سن چکا تھا اور اس سے متغیر سا ہو رہا تھا سخت برہم ہوا اور ارادہ کیا کہ اسے زندان کے عبرت گاہ میں بھیج کر اس کی ناہنجاریوں کی قرار واقعی سزا دے مگر نظام الملک کی سفارش سے اتنے ہی پر اکتفا کیا کہ سخت بے

آبروئی کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا لیکن سلطان نہیں جانتا تھا کہ یہی شخص آئندہ چل کر اس کے حق میں کس قدر خوفناک دشمن ثابت ہو گا۔ ورنہ اسے مطلق العنان نہ چھوڑتا۔

”دستور انوراء“ میں خواجہ نظام الملک نے خود لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے حقیقت میں بڑا کمال کیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں تمام ممالک محروسہ کا حساب آمد و خرچ مرتب کر لیا۔ مگر چونکہ اس نے ازراہ حسد و نقض عمد یہ سب کارروائی کی تھی خدا کے فضل و کرم سے بادشاہ کے سامنے اسے غلٹ اٹھانی پڑی۔ اور اگر وہ خدا نخواستہ ملک شاہ کو مطمئن اور شاد روح کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو مجھے وزارت سے یقیناً جسکدوش کر دیا جاتا لیکن دبستان مذہب میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الملک نے کسی ترکیب سے حسن بن صباح کے یہاں سے کاغذات منگا کر اوراق کو بے ترتیب کر دیا تھا۔ اور صاحب تذکرہ دولت شاہاں کا بیان ہے کہ نظام الملک کے رکابدار نے حسن بن صباح کے نوکر کو گانٹھ کر حساب کے اوراق منتشر کر دیئے تھے یہی وجہ تھی کہ ابن صباح سلطان کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکا۔

ابن صباح مصر میں

حسن ابن صباح کا سلجوقی دربار سے ذلت آمیز اخراج کو اس کے لیے نہایت ہمت شکن تھا لیکن حقیقت میں یہی واقعہ اس کی آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ تھا۔ ہر چند کہ ابن صباح کی رقبیانہ حوصلہ مند یوں نے اسے نظام الملک کے مقابلہ میں سخت ذلیل کیا لیکن اس واقعہ نے اس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا۔ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور سلطان ملک شاہ اور نظام الملک کے خوف سے اپنے دوست ابو الفضل اصفہانی کے مکان پر پناہ گزین ہوا۔ ابو الفضل نے میزبانی کا حق ادا کیا اور اس کی دل جوئی اور مدارات میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو میں ابن صباح ابو الفضل سے کہنے لگا۔ اگر مجھے دو موافق دوست مل جائیں تو میں ابھی اس ترک (ملک شاہ) کو اس کی سلطنت اور اس کے وزیر کی وزارت کا خاتمہ کر دوں۔ ابو الفضل سمجھا کہ میرے دوست کو سفر کی صعوبتیں اٹھاتے کسی قسم کا مال بچو لیا ہو گیا ہے۔ دسترخوان پر ایسی غیر معمولی چرب غذائیں لانے کا حکم دیا کہ جن سے دل و دماغ کو تقویت پہنچے۔ ابن صباح اپنے دوست کا مطلب تازہ کیا اور اصفہان سے چلتا ہوا۔ حسن اصفہان سے نکل کر عازم رے ہوا۔ رے پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اسماعیلی مذہب کا داعی الکبیر یہیں رہتا ہے جو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مبلغ نوکر رکھتا ہے۔ اطراف و اکناف ملک میں بھیجتا ہے۔ داعی الکبیر سے مل کر درخواست کی کہ مجھے تبلیغ کی خدمت مفوض فرمائی جائے۔ داعی الکبیر نے اسے ذی استعداد دیکھ کر اس خدمت پر مامور کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد داعی الکبیر نے اس کو مصر بھیجا۔ وہاں ان دنوں امیر الجیوش کی سلطنت تھی جو بظاہر

اسماعیلی لور در پردہ باطنی تھے۔ حسن کی وہاں بہت قدر و منزلت ہوئی۔

مصر سے اخراج

لیکن کچھ دنوں بعد وہاں ایک سازش میں ملوث پایا گیا اس بنا پر امیر الجیوش نے اس کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اسی دن قلعہ کا ایک نہایت مضبوط برج گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو حسن کے باطنی تصرف پر محمول کیا۔ یہ دیکھ کر امیر الجیوش برافروختہ ہوا اور اس کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر ٹھھلایا اور افریقہ کی طرف خارج کر دیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا۔ تمام مسافر عالم سراسمعی میں موت کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن حسن کے چہرہ پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ جہاز کپتان نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ اور مسافر تو طوفان کی دہشت انگیزیوں سے بے لوسان ہو رہے ہیں لور تم بالکل مطمئن بیٹھے ہو؟ حسن نے جواب دیا کہ مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ جہاز کو لور اس کے کینوں کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا تھوڑی دیر میں واقعی سمندر پر سکون ہوا اور طوفان جاتا رہا۔ لوگ حسن کے بڑے گرویدہ ہوئے۔ کپتان بھی بڑا معتقد ہو گیا اور حسن کی خواہش کے بموجب افریقہ لے جانے کی بجائے اسے ساحل شام پر ہی اتار دیا۔ حسن نے فی الحقیقت یہ سوچ کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا تو پھر یہ اعتراض کرنے والا کوئی نہ رہے گا کہ تمہاری پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور اگر اتفاق سے سچی نکل گئی تو اپنے تعلق باللہ کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ جہاز سے اتر کر وہ حلب بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا اور ان تمام بلاد و امصار میں اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا۔

شاہ ور اور بعض دوسرے قلعوں پر باطنیوں کا قبضہ

اس اثنا میں حسن بن صباح کا استاد زادہ اور بعض دوسرے باطنی چند مضبوط قلعوں پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ سب سے پہلے جس قلعہ پر متصرف ہوئے وہ فارس کے قریب تھا۔ جب یہاں ان کی جماعت بڑھنے لگی تو انہوں نے قافلوں کو لوٹنا شروع کیا۔ چند ہی روز میں ان کی چیرہ دستیوں ان اطراف میں عام ہو گئیں۔ انہوں نے قلعہ اصفہان کو دہرایا۔ اس قلعہ کو شاہ ور کہتے تھے۔ اسے سلطان ملک شاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ احمد بن عطاش باطنی نے حاکم قلعہ سے جو سلطان ملک شاہ کی طرف سے وہاں متعین تھا۔ غیر معمولی راہ و رسم پیدا کی اور اسی کے پاس قلعہ میں رہنے لگا۔ احمد کا باپ عبد الملک بن عطاش ابن صباح کا استاد اور فرقہ باطنیہ کا پیشوا تھا۔ باطنیہ کے دل میں احمد کی اس کے باپ کی وجہ سے بڑی عزت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے بہت سا روپیہ جمع کر کے اس کی نذر کیا تھا۔ لور نہایت گرجوشی سے اپنا مقتدا بنا لیا تھا۔ احمد انہی نمایاں خدمات کی وجہ سے والئی قلعہ کی

آنکھوں میں اس قدر عزیز و محترم ہوا کہ اس نے اس کو تمام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ جب حاکم قلعہ کا انتقال ہوا تو احمد بن عتاش قلعہ شاہ در کا والی ہو گیا۔ اس نے وہاں عمل و دخل کرتے ہی اپنے تمام ہم مذہب جنہیں حکومت نے اس جگہ قید کر رکھا تھا رہا کر دیئے۔ ان لوگوں کی آزادی کے بعد ملک کا امن و امان مفقود ہو گیا۔ قافلے دن دباڑے لٹنے لگے۔

فصل 2۔ ابن صباح کی سیاسی سرگرمیاں

قلعہ الموت

حسن بن صباح نے اصفہان آنے کے بعد اپنے چند مناد اس غرض سے قلعہ الموت کی طرف بھیج دیئے تھے کہ اس کے گرد و نواح میں اسماعیلی مذہب کا نشر یہ کریں۔ قلعہ الموت (بروزن جبروت) شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقع ہے اور یہ علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ الموت کی وجہ تسمیہ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ ویلی سلاطین میں سے کسی نے شکار کے لیے عقاب اڑایا تھا۔ عقاب شکار مار کر بہت بڑی بلندی پر جاگرا۔ جب بادشاہ اور اس کے مصاحب اس کے تعاقب میں اوپر چڑھے تو اس کو ایک نہایت موزون اور محفوظ مقام سمجھ کر یہاں ایک عالیشان قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام آلہ موت رکھا جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا۔ ویلی زبان میں آلہ موت کے معنی ”عقاب کی تعلیم گاہ“ کے ہیں۔

قلعہ الموت پر قبضہ

اسماعیلی مناد قلعہ الموت کے چاروں طرف نہایت زبردست نشر یہ کر رہے تھے اور خود صباح الموت کے قریب قیام کر کے لوگوں کے دلوں پر اپنے ریاکارانہ زہد و انقضاء کا سکہ جما رہا تھا۔ ان کوششوں کے نتیجے میں بہت سے لوگ حسن کے تابع و منقاد ہو گئے۔ ہزار ہا آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب حسن کی جمعیت ترقی پذیر ہوئی تو حاکم علاقہ اس سے بہت متردد ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت قلعہ سے ایک دستہ فوج لیا اور رات کی تاریکی میں اچانک حسن کو زیر حراست کر کے قلعہ میں لے گیا۔ لیکن ابن صباح قلعہ میں داخل ہونے کے بعد ایسی چال چلا کہ حاکم علاقہ جسے ممدی علوی کہتے تھے۔ قلعہ الموت سے بالکل بے دخل ہو گیا۔ یہ سر زمین جعفری نام کے امیر کے زیر حکومت تھی جس نے ایک علوی کو اپنی نیابت پر سرفراز کر رکھا تھا۔ ابن صباح علوی سے کہنے لگا کہ میرے نزدیک دوسرے شخص کی مملوکہ زمین میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام گوشہ عافیت میں واقع ہونے کی وجہ سے مجھے بہت مرغوب ہے۔ اس لیے درخواست ہے کہ عبادت

آلی کے لیے اس قلعہ کی صرف اتنی زمین میرے نام پر بیع کر دو جس پر ہیل کا ایک چرسہ محیط ہو سکے۔ میں اس کے لیے تین ہزار دینار سرخ آپ کی نذر کر سکتا ہوں۔ وہ شخص طع نفسانی سے فریب میں آگیا اور یہ دیکھ کر کہ نہایت نفع بخش سودا ہے اور اتنی سی زمین دے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بیعنامہ کی تکمیل کر دی۔ حسن نے ہیل کی ایک کھال منگوا کر اس کی نہایت باریک دھجیاں اور تیسے کاٹ کر ان کو باہم جوڑ دیا اور اس سے ایک بڑا حلقہ بنایا کہ جس نے سارے قلعہ کو احاطہ میں لے لیا۔ قلعہ دار یہ پیشکش دیکھ کر حیرت زدہ ہو اور کہنے لگا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں نے صرف نماز کا مصلیٰ بچھانے کی خاطر صرف اتنی زمین فروخت کی ہے جو ایک چرسہ کے اندر آجائے۔ حسن نے کہا کہ میری چرسہ سے یہی مراد تھی کہ جس شکل میں بھی چرسہ جتنی جگہ پر محیط ہو سکے وہ سب اس بیع میں داخل ہے۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ میں کوئی ایسا حتمی نہیں تھا کہ گزریزہ گز جگہ کے لیے تین ہزار دینار زر سرخ دینے کو تیار ہوتا۔ قلعہ گیر فوج کے بہت سے آدمی جو در پردہ حسن کے مرید ہو چکے تھے۔ تائید کے لیے کھڑے ہو گئے اور قلعہ دار سے کہنے لگے اتنی بڑی بزرگ ہستی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آپ نے یقیناً اتنی رقم میں سارے قلعہ کا سودا کیا ہوگا۔ الغرض مہدی علوی کو بادل ناخواستہ خاموش ہونا پڑا۔ اب زر ثمن کے لیے حسن نے اپنے ایک مرید مظفر نام کو جو دامغان کا حاکم اور در پردہ باطنی تھا لکھ بھیجا کہ میں نے یہ قلعہ مہدی علوی سے تین ہزار دینار میں خرید لیا ہے۔ آپ مہدی کو تین ہزار دینار دے دیجئے۔ چنانچہ مظفر نے قیمت ادا کر دی اور مظفر اور حسن کے دوسرے مریدوں کی کوشش سے قلعہ خالی کر لیا گیا۔ مہدی کے اس چکمہ میں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ مہدی حسن کے خیالات معلوم کرنے کے لیے باتوں ہی باتوں میں کہنے لگا کہ شرع میں وقت ضرورت حیلہ کرنا جائز ہے۔ حسن نے جواب دیا کہ شریعت مصطفوی علیہ السلامیہ والیہ کا حکم لراستی پر ہے اس لیے حیلہ حالات مجبوری میں بھی جائز نہیں اور جو لوگ شریعت میں حیلہ کرتے ہیں حق تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اسی طرح بتلائے مچن کرے گا جس طرح دوسرے مجرم کیفر سردار کو پہنچیں گے۔ اس اظہار خیال کی بنا پر مہدی کو حسن کی طرف سے پوری طرح اطمینان تھا کہ اس کے مزاج میں کسی قسم کے شر اور حیلہ و فریب کو دخل نہیں۔ حالانکہ حسن نے یہ اظہار خیال محض ریاکارانہ طور مہدی کو دام فریب میں پھانسنے کی غرض سے کیا تھا۔ جب ان صبح کو موت جیسے مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا تو اس نے صوبہ رودبار اور قزوین میں بڑے استقلال سے اپنے تئیں خیریت کی تبلیغ شروع کی۔ اس صوبہ کے بہت سے لوگ بطیب خاطر اور بہت سے جبرا و قراوہا ارض مذہب کئے گئے اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوستان میں حسن صباغ کی صحبت قائم ہو گئی حسن نے قرب و جوار کے بے معرف قلعوں کو مرمت کرایا۔ بعض مقامات پر جہے قلعے تعمیر کوائے۔ قدامت کو بحیثیت مستقر حکومت خوب مستحکم کیا اور اس کے چاروں

طرف عالیشان محل تعمیر کرائے اور باغات لگوائے۔

ابن صباح کی جنت

قلعہ الموت اور اس کے گرد و پیش میں قوت و استقلال حاصل کر لینے کے بعد ابن صباح پر ہر وقت یہ دھن سوار تھی کہ کسی طرح سلطان ملک شاہ اور (اپنے محسن) نظام الملک طوسی کا قلعہ فتح کر دے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچتا تھا کہ ایسے جلیل القدر دشمنوں کا استیصال عام مادی اسباب کے ذریعہ سے بالکل محال ہے۔ اس لیے بہت دن تک کسی ایسی تدبیر پر غور کرتا رہا جو حصول مقصد کی کفیل ہو چنانچہ اس نے جانباڑوں کی ایک جماعت تیار کی اور اپنے دعا کے ذریعہ سے ان کی لوح دل پر یہ بات مرتسم کرادی کہ شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح تمام دنیا کا مالک اور وارث دنیا میں بڑا قادر و متصرف اور فعال لمایرید ہے۔ اس تعلیم و تلقین کے علاوہ اس نے ایک ایسی تدبیر کی جس کی وجہ سے اس جماعت کو جان سپاری پر آمادہ کرنا بالکل چٹکی جانے کا کام تھا۔ اس نے قلعہ الموت کے ارد گرد نظر فریب مرغزاروں اور جال بخش نہایت گاموں میں نہایت خوبصورت محل بُرج اور کوشکیں تعمیر کرائیں۔ عالیشان محلات کی پاکیزگی اور خوشنمائی باغوں اور مرغزاروں کی نہایت و تروتازگی دیکھنے والے کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ ان کے بچوں پر جنت کے نام سے ایک نہایت خوش سولوباغ بنوایا جس میں وہ تمام سامان مہیا کئے جو انسان کے لیے موجب تفریح ہو سکتے ہیں مثلاً: اشیائے؟ ہر قسم کے میوہ دار درخت، پھول، چینی کے خوبصورت ظروف، بلوری، طلائی اور نقرئی سامان، بیش قیمت فرش و فروش ان کے اسباب تعیبات پر تکلف سامان خورد و نوش، چنگ و چغمانہ، نغمہ و سرود، جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنوایا۔ نلوں کے ذریعہ سے محلات میں پانی، دودھ، شراب اور شہد جاتا تھا۔ ان سب لذائذ و نعمت کے علاوہ دل بہلانے کے لیے پری تمثال کسن نازنین موجود تھیں۔ ان ماہوش اچھوتیوں کی سادگی، وضع اور ان کے حسن و جمال کی دلربائی معاذیکھنے والے کو یقین دلاتی تھی کہ یہ عالم سفلی کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ داخلہ کے بعد زائر کے دل میں فرحت و انبساط کا ایسا شیریں اثر پیدا کیا جائے کہ وہ اس فرحت و مسرت کو دنیاوی نہیں بلکہ آخروی یقین کرے۔ یہاں کے حور و غلمان کا تمام کاروبار بالکل رازداری سے انجام پاتا تھا۔ ہر وہ چیز جس کے باہر سے مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اس حسن اسلوب سے فراہم کی جاتی تھی کہ کسی کو کبھی سراغ نہ لگ سکتا تھا۔ حسن نے اپنے مریدوں کو تین جماعتوں پر تقسیم کر رکھا تھا ایک تو داعی و مناد تھے جو دور دراز ممالک میں خفیہ خفیہ لوگوں کو اس کے مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ دوسرے رفیق جن کو حسن کا معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی۔ تیسرا گروہ فدائیوں کا تھا۔ جس کے لیے یہ جنت، ہائی گئی تھی۔ ابن صباح علاوہ طالقان اور

رودبار وغیرہ کے خوبصورت تندرست اور قوی بیگل نوجوان جو سادہ لوح ہوتے اور ان میں ہر بیان کے باور کرنے اور جلد ایمان لانے کی صلاحیت نظر آتی فدائیوں کی جماعت میں بھرتی کرتا۔ ان کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک سرخ دستار اور کمر بند ہاتھ میں تیریا چھتری اور کمر میں چھری۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن کے ہر ایک حکم کی بلاغذر آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے۔ بھنگ جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں شاید ان ایام میں ایک غیر معلوم چیز تھی۔ اور غالباً حسن بن صباح ہی پہلا شخص ہے جس نے دانشمندی سے بھنگ سے وہ کام لیا جو اس سے پہلے شاید کسی نے نہ لیا ہوگا۔ جب فدائی سپاہی امیدواری کا دور ختم کرتے تو حسن اسے بھنگ کے اثر سے بے ہوش کر کے جنت میں بھجوادیتا جہاں وہ جان پرورد حوروں کی گود میں آنکھ کھولتا۔ اور اپنے آپ کو ایسے عالم میں پاتا جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں شاید بڑے بڑے شاہان عالم کو بھی نصیب نہیں۔ یہاں وہ انواع و اقسام کی سیرگاہوں کی سیر کرتا۔ حوروں کے حسن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔ ان کی صحبت اس کی چانتانی کرتی۔ ان ماہ و شوں میں بیٹھ کر مئے ارغوانی کے جام اڑاتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں اور بہترین قسم کے میوے کھاتا۔ اور ہر طرح کے تعیضات میں رہتا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب ان محبت شعار حوروں کی الفت کا نقش اس کے دل پر اتنا گہرا پڑ لیتا کہ پھر مدت العمر کبھی نہ بھول سکے تب وہی حوریں بھنگ کا ایک جام پلا کر اسے شیخ الجبل کے پاس بھجوادیتیں۔ جہاں آنکھ کھول کر وہ اپنے تئیں شیخ کے در پر پاتا۔ اور جنت کے چند روزہ قیام کی خوشگوار یاد اس کو سخت بے چین کر دیتی۔ ان صباح اس کو جنت میں بھجے جانے کی امید دلاتا اور کہتا کہ جنت کے دائمی قیام کی لازمی شرط جاں ستانی اور جان سپاری ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کے لیے حظوظ و لذات کا اثر اتنا مضبوط پڑ چکتا تھا اور حوروں کی ہم نشینی کی تصویر ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی حسن کے احکام کی تعمیل میں کس طرح کوتاہی کر سکتا تھا؟ چنانچہ جب ان صباح کو کسی دشمن کا قتل کرانا منظور ہوتا تھا تو نوجوان کو حکم دیتا کہ جا فلاں شخص کو قتل کر کے قتل ہو جا۔ مرنے کے بعد فرشتے تجھے جنت میں پہنچادیں گے۔ فدائی اتثال اور اپنے حوصلہ سے بڑھ کر سرگرمی اور مستعدی دکھاتا تاکہ کسی طرح جلد جنت میں پہنچ کر وہاں کی مسرتوں سے ہمکنار ہو۔ یہی خطرناک لوگ تھے جن سے خون آشامی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو جس کے قتل کا اشارہ ہوتا وہاں کوئی روپ بھر کر رسائی اور آشنائی پیدا کرتے۔ اس کے معتمد علیہ بنتے اور موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی وہ فدائی تھے جن کی وجہ سے دنیا بھر کے امراء و سلاطین ان صباح کے نام سے کانپتے تھے۔ ان کی قسوت قلبی اور خونخواری کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو ملی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ ملی غضب کے وقت آپے میں نہیں رہتی اور مخالف پر سخت بے جگری کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔ یہی حال ان کا تھا کہ جس کے قتل کا ایک دفعہ حکم مل جاتا تھا اس کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے تھے۔ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ فدائیوں کے علاوہ ان صباح کی دو اور جماعتیں بھی

تھیں۔ داعی اور رفیق۔ جس طرح فدائیوں کو ملی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ اسی طرح رفیقوں کے لیے بادام، شہد اور کھونجی کا ناشتا تیار کر لیا جاتا۔ جب یہ چیزیں کھا کھا کر رفیقوں کا دماغ گرم جاتا۔ تو ان صبح ان سے کہتا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اہل بیت پر ایسا ایسا ظلم ہوا ہے۔ پھر ان کو اہل بیت اطہار کی مظلومی کے سچے جھوٹے واقعات سنا کر جوش دلایا جاتا۔ اس کے بعد کہا جاتا کہ خارجیوں کے فرقہ ازراقتہ نے بنو امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں تو کیا ممکن نہیں کہ تم برسر حق ہو کر جان دینے میں غل کرو اور جان پر کھیل کر اپنے امام کی مدد نہ کرو۔ یہ رفیق بھی فدائیوں کی طرح ہر وقت مرنے کے لیے کمر بستہ رہتے تھے۔ دونوں جماعتوں میں فرق یہ تھا کہ جہاں تیغ و سنان کی لڑائی ہوتی وہاں رفیق جا کر اپنے امام پر جانثار کی کا حق ادا کرتے اور جہاں دھوکے سے جان ستانی مقصود ہوتی وہاں فدائیوں کو بھیج کر مطلب براری کی جاتی۔

سلطان ملک شاہ کی سفارت

جب حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر قبضہ کر کے گرد و پیش کے شہروں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اس کے پیروؤں کی جمعیت بھی دن بدن بڑھنے لگی تو سلطان ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک کو لامحالہ اپنی توجہ ادھر معطوف کرنی پڑی لیکن نظام الملک نے فوج کشی کے بجائے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ 483ھ میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت ابن صباح کے پاس بھیجی گئی۔ جس کا یہ منشاء تھا کہ حسن کو سلطان کی شاہانہ سلطوت سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ ایچلی نے الموت پہنچ کر حسن سے گفتگو کی اور اس کو تمام نشیب و فراز سمجھایا مگر وہ اطاعت پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ جب ایچلی بے نیل مرام واپس جانے لگا تو حسن نے ایچلی کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ جا کر ملک شاہ سے کہہ دیجئے کہ ہم کو نہ ستائے اور اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرے کہ ہمارے لشکر کا ہر سپاہی جان بازی میں فرو ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے کی جان لینا اور اپنی جان دینا ایک معمولی بات ہے۔ یہ کہہ کر حسن نے ایچلی کے سامنے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا۔ چنانچہ ایچلی کی موجودگی میں اس قطار سے جو سامنے کھڑی تھی خطاب کر کے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں تمہارے مولیٰ کے پاس بھیج دوں۔ تم میں سے کون شخص اس کے لیے آمادہ ہے؟ ان میں سے ہر نوجوان جلدی سے آگے بڑھا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں اس کے لیے آمادہ ہوں۔ سلطان کا ایچلی سمجھا کہ شاید وہ ان کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجے گا۔ اب اس نے ایک فدائی سے کہا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو۔ اس نے معاً چھری نکال کر اپنے دل پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ دوسرے سے کہا کہ اپنے تئیں قلعہ کی فصیل پر سے گرا دو۔ وہ قلعہ سے نیچے کود پڑا اور پاش پاش ہو گیا۔ تیسرے سے کہا کہ پانی میں ڈوب مرو۔ اس نے بھی فوراً حکم کی تعمیل کی۔ غرض تینوں فدائی ایچلی کے دیکھتے

دیکھتے جان سپاری کر کے شیخ الجبل پر قربان ہو گئے۔ جب ایلچی یہ ہیبت ناک منظر دیکھ چکا تو حسن نے اس سے سوال کیا کہ کیا ملک شاہ کی فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا لے سکے گا جو میرے بیس ہزار فدا یوں کی طرح اس درجہ جان نثار ہو؟ ایلچی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا لیکن وہ حسن کے پیروؤں کی جان بازی پر سخت حیرت زدہ تھا۔ اتنے میں خود حسن کے دو بیٹے کسی مذہبی حکم کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں حسن کے سامنے پیش کئے گئے۔ حسن نے حکم دیا کہ ان کے کوڑے لگاؤ۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی اور دو دونوں اسی صدمہ سے ایلچی کے سامنے تڑپ تڑپ کر طعمہ اجل ہو گئے۔ جب ایلچی نے واپس جا رہے ہوئے ایک چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک سے بیان کئے تو انہوں نے دو سال کے لیے فوج کشی کا خیل ترک کر دیا۔ انہی ایام میں اٹھارہ آدمیوں نے سادہ کی عید گاہ میں نماز عید پڑھی۔ یہ مقام اصفہان کے قریب ہے کو توال شہر نے بھانپ لیا کہ یہ باطنی ہیں۔ ان کو گرفتار کر کے جھس میں ڈھل دیا لیکن جب ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا تو ان کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے سلوہ کے ایک مؤذن کو جو اصفہان میں تھا اپنے مذہب کی دعوت دی۔ اس نے اس دعوت کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ باطنیوں نے اس خوف سے کہ یہ جا کر حکام سے شکایت لگائے گا اس کو قتل کر دیا۔ جب خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے کو توال کو تاکید کی کہ جس طرح ممکن ہو قاتل کا سراغ لگاؤ۔ آخر ایک باطنی جو بڑھئی کا کام کرتا تھا گرفتار ہوا۔ اس کا نام طاہر تھا۔ جب جرم ثابت ہو گیا تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ اس اثنا میں ان صباح کے پیروؤں نے تین کے پاس ایک اور قلعہ پر قبضہ کر کے اس کو مضبوط کر لیا۔ ان ایام میں کرمان کا ایک بہت بڑا قافلہ قان کی طرف آیا۔ باطنیوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ باطنی قلعہ سے نکل کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ قتل و جہب کا بازار گرم کیا۔ تمام اہل قافلہ کو موت کے گھاٹ اتار کر تمام مال و اسباب قلعہ میں لے آئے۔ اہل قافلہ میں سے صرف ایک آدمی بچ گیا جس نے اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع قان میں آ کر دی۔

خواجہ نظام الملک کا حادثہ شہادت

یہ دیکھ کر نظام الملک نے 485ھ میں ایک لشکر جرار لے کر صباح کی پامالی کے لیے روانہ کیا جب حسن کو اس فوجی نقل و حرکت کا علم ہوا تو اس نے ایک فدائی کو بھیجا کہ نظام الملک کی جان لے لے۔ نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ساتھ بغداد جا رہا تھا۔ جب نصف مسافت طے ہو گئی تو ملک شاہ نے چند روز کے لیے نہاوند میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ خواجہ نظام الملک نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔ اور حسب معمول نماز کے بعد فقہاء و علماء سے باتیں کرتا رہا۔ اثنا گفتگو میں نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام 20ھ میں

مہنٹین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات بیان کئے جنہوں نے معرکہ نہاوند میں جام شہادت پیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد خواجہ نے نماز تراویح پڑھی اور بعد فراغ ایک منحرفہ پر سوار ہو کر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہنچا تو فرمایا کہ میں وہ مقام ہے جہاں ارباب ایمان کی ایک کثیر جماعت جمع شہادت پی کر روضہ رضوان کو چلی گئی تھی۔ فطوبی لمن کان معہم ابھی سوار ہی تھا کہ اتنے میں ایک ویلیسی نوجوان تھہ کی طرح بیہا اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی اٹھا کر پڑھنے لگا تو ویلیسی نے خواجہ کے دل میں چھری بھونک دی۔ حملہ کے ساتھ ہی تمام لشکر میں کھرام مچ گیا۔ جب یہ ناغلاہ سلطان ملک شاہ کے سمع مبارک تک پہنچا تو وہ سخت غم زدہ ہوا۔ روتا ہوا آیا اور خواجہ کے سر بانے بیٹھ گیا۔ قاتل جس کا نام ابو طاہر تھا حملہ کر کے ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ خواجہ کے غلاموں نے اسے کو گرفتار کر لیا۔ خواجہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے قصاص میں قتل نہ کرنا لیکن غلاموں نے اس کی گردن بار دی۔ تھوڑی دیر میں خواجہ نے بھی وادی مرگ میں قدم رکھ دیا۔ بغداد کا شہر آفاق مدرسہ نظامیہ جس میں امام محمد غزالی بھی مدرس رہ چکے ہیں۔ اسی نظام الملک مرحوم کا بنوایا ہوا تھا۔ 459ھ میں اس مدرسہ کی تکمیل ہوئی تھی۔ خواجہ نظام الملک کے حادثہ قتل پر باطنیہ کی بن آئی اور وہ اس کامیاب تجربہ پر بہت خوش ہو رہے تھے کہ سلاطین اور ارباب اقتدار کے بچے تشدد سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ فوجوں سے معرکہ آرا ہونے کی بجائے خود فوجیں بھیجنے والوں کی جان لے لی جائے۔

قلعہ الموت پر لشکر کشی

خواجہ نظام الملک کے واقعہ شہادت سے پہلے قلعہ الموت پر فوج بھیجی جا چکی تھی۔ امیر ارسلان سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف ستر آدمی تھے اور قریب تھا کہ وہ گرفتار ہو جائے لیکن اسی وقت ابو علی نے قزوین سے تین سو باطنی سپاہیوں کی ایک جمیعت بطور کمک روانہ کر دی۔ انہوں نے امیر ارسلان کی فوج پر شبخون مارا۔ لشکر سلطانی کو بہت نقصان پہنچا۔ اور باطنیوں نے بہت سامان غنیمت حاصل کیا۔ جب سلطان ملک شاہ کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک اور سپہ سالار قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ اہل قلعہ حسن کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھ کر ابن صباح نے کہا کہ وحی الہی نے حکم دیا ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر جانے کا قصد نہ کرے۔ مریدوں نے باہر جانے کا خیال چھوڑ دیا اور ازسرنو مدافعت کرنے لگے۔ اس اثنا میں سلطان ملک شاہ کا پیاناہ حیات بھی آب فنا سے لبریز ہو گیا اور جام

مرگ نوش کر کے اس سرائے قانی سے رخصت ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان صبح کے ایک فدوی نے زہر دے کر بادشاہ کو شہید کیا تھا۔ ایسی حالت میں جنگ کا جاری رہنا اور قلعہ کو مسخر کرنا مشکل تھا۔ فوجیں واپس آگئیں اور یہ مہم ناکام رہی۔

باطنیہ کا مزید قلعوں پر عمل و دخل

اس کے بعد قلعہ ملاذ خاں پر بھی باطنیہ کا عمل و دخل ہو گیا۔ یہ قلعہ جو فارس اور خوزستان کے مابین واقع تھا۔ مدت سے رہزنوں اور مفسدوں کا مائمن و ملجأ بنا ہوا تھا۔ قزاق قافلے لوٹ کر اس میں پناہ گزین ہو جایا کرتے تھے۔ آخر عضد الدولہ بن بویہ نے اس قلعہ کو سر کیا اور جس قدر ڈاکو یہاں سکونت پذیر تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ جب یہ قلعہ سلطان ملک شاہ کے حیطہ تصرف میں آیا تو اس نے ایک رئیس میرانز کو بطور جاگیر مرحمت فرمایا تھا۔ میرانز نے اپنی طرف سے ایک افسر کو اس قلعہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ باطنیوں نے حاکم قلعہ سے مراسم پیدا کئے اور قلعہ کے فروخت کر ڈالنے کی تحریک کی لیکن جب اس نے بیع سے انکار کیا تو پھر باطنیہ نے خدع کا جال پھیلانا چاہا۔ چنانچہ کھلا بھیجا کہ ہم چند علماء کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ تم پر ہمارے مذہب کی حقیقت آشکارا ہو۔ حاکم قلعہ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ باطنیوں نے چند جان نثار رفیقوں کو علماء کے لباس میں اس کے پاس بھیجا۔ انہوں نے قلعہ میں داخل ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کلید بردار پر ایک میک ٹوٹ پڑے اور قلعہ کی کنجیاں چھین لیں۔ اس کے بعد اچانک والی قلعہ کو بھی جادو چا اور اسے گرفتار کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی کے بعد لن صبح نے قلعہ طہس پر تصرف کر لیا۔ پھر قہستان کے دو مشہور قلعوں کی تسخیر کے درپے ہوا۔ قدرت نے کامیابی کا سامان بھی خود ہی میا کر دیا۔ حاکم قہستان فاسق اور زانی واقع ہوا تھا۔ اس نے منور نام وہاں کے ایک رئیس کی نہایت حسینہ و جمیلہ ہمشیرا کو جبراً گھر میں ڈال لینے کا قصد کیا۔ منور نے ان صبح سے مدد مانگی۔ باطنی تو آج کل کے فرنگیوں کی طرح خدا سے چاہتے تھے کہ انہیں مداخلت کا حیلہ ملے۔ باطنی وہاں اچانک جا پہنچے اور قہستان کے قلعوں پر اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اسی زمانہ میں قلعہ طالتجان پر بھی قابض ہو گئے۔ اس قلعہ کا حاکم ایک ترک سردار تھا۔ ان صبح کے دو تعلیم یافتہ گروے حاکم قلعہ کے پاس گئے اور بڑی مستعدی و تندہی سے اس کی چالپوسی اور خدمت گزاری اختیار کی۔ رفتہ رفتہ اس قدر رسوخ بولا ہوا کہ حاکم قلعہ کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہو گئے۔ مآل نااندیش حاکم نے قلعہ کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ انہوں نے ان صبح کو اطلاع دی۔ ان صبح نے اپنے استاذ زادہ احمد بن عطاش کے پاس پیغام بھیجا کہ جا کر قلعہ پر حالت عقلت قبضہ کر لو۔ احمد لشکر لے کر آ پہنچا۔ حاکم قلعہ اس اچانک حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان عطاش نے قلعہ پر قبضہ کر کے تمام قلعہ گیر فوج

کو یہ تیغ کر دیا۔ اس قلعہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد باطنیہ کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اہل اصفہان ان سے دُشمن ہو گئے۔ یہاں تک کہ باطنیہ کو خراج دینا قبول کیا۔

باطنیہ کے دوسرے قتل

خواجہ نظام الملک کی جاں ستانی میں ابن صباح کو جو کامیابی ہوئی اس نے اس کے لیے کامرانیوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس شخص نے اعداء کو نینچا دکھانے کے لیے اس ذلیل و شرمناک طریق قتل کو نہایت کارگر پایا۔ چنانچہ اب اور جہاں کسی نے ذرا مخالفت کی کسی فدائی کی چھری نے اسے حوالہ اجل کر دیا۔ اس طرح مسلمان سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں فدائی خون آشامی کی نذر ہونے لگے۔ ان لوگوں کی اذیت تمام ممالک اسلامیہ میں عام ہو گئی۔ کیونکہ ان کا مذہب ہی اعتقاد یہ تھا کہ غیر مذہب کے پیروؤں کو قتل کرنا بڑا کارِ ثواب ہے۔ اس بنا پر باطنی اشیاء دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں کو صفحہ عالم سے معدوم کرنے لگے۔ اس مقصد کے لیے باطنیوں کا ایک گروہ مکانوں کی دہلیزوں میں چھپا رہتا۔ اور جب موقع ملتا پناہر مناک مقصد حاصل کر لیتا۔ یہ لوگ عامتہ المسلمین سے کہیں زیادہ ملت اسلام کے علماء قضاة و زراور والیان ملک کی جان کے لاگو تھے۔ چنانچہ 489ھ میں ابو مسلم رازی حاکم رے کو خونِ ہلاک سے گلگول کیا۔ اسی سال امیر اثر ملک شامی امیر کجش اور امیر سیاہ پوش کو بھی خاک و خون میں تڑپا کر خلد آباد کو بھیج دیا۔ 490ھ میں طغرل بک کے ندیم امیر یوسف اور سلطان ملک شاہ کے غلام امیر ارعش، سلطان برکیارق کے وزیر عبدالرحمن سیمری، طغرل بک کے ندیم بر مق، سلطان برکیارق کے دوسرے وزیر ابو الفتح دہستانی، امیر سرزین ملک شاہی اور بادی علی گیلانی کی جان لی۔ 491ھ میں سنقر قہ والئی دہستان، سکندر صوفی قزوینی، اور ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی باطنی ستم آرائی کا نشانہ بنے۔ 492ھ میں پیروان ابن صباح نے اتامک مودو و حاکم دیاربجر، ابو جعفر شاطبی رازی، ابو عبید مستوفی، ابو القاسم کرخی، ابو الفرح قرامعین کو قتل کیا۔ 493ھ میں قاضی کرمان، امیر بکا بک سر مر اصفہانی، اور قاضی عبداللہ اصفہانی کو دارالآخرت میں بھیجا۔ ان جان ستانیوں کے لیے باطنی فدائی بہ تبدیل لباس و وضع جاتے اور موقع پا کر اپنے مشارالہ کو قتل کر کے جھٹ خود کشی کر لیتے۔ ایک چال یہ تھی کہ باطنی کسی امیر کے پاس جا کر ملازمت اختیار کرتا۔ اور جو نہی موقع ملتا حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیتا۔ باطنیوں نے عساکر اسلامی کے سپہ سالاروں کو بھی دھمکیاں دیں کہ تم لوگ اناعلیہ کی مخالفت میں اقدام نہ کرنا ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو فلاں فلاں کا ہوا۔ اس بنا پر افسران فوج شب و روز حتی کہ بستر خواب پر بھی مسلح رہنے لگے۔

سلطان ملک شاہ کے تین بیٹے تھے۔ برکیارق، محمد اور خنجر۔ سلطان کے آنکھیں بند کرتے ہی بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ آخر 492ھ میں علماء نے مداخلت کر کے برکیارق اور محمد میں

مصالحت کرا دی۔ شام، عراق، موصل، آذربائیجان اور آرمینیا کی مملکت محمد کے حصہ میں آئی اور بقیہ ممالک برکیارق کے حیطہ و تصرف میں آئے۔ ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے حسن بن صباح اور زیادہ زور پکڑ گیا۔ چنانچہ وہ آٹھ سال میں تمام رودبار قہستان، خور، خوسف، قان، زوزن اور تون پر قابض و متصرف ہو گیا۔ جب سلطان ملک شاہ کے فرزند اکبر برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اس نے علماء اور عامہ بر لیا کی شکایت پر 484ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ باطنی لوگ ہر جگہ قتل کئے جانے لگے۔ ابن صباح نے سلطان کا یہ حکم سنا تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کے قتل میں پہلے سے زیادہ مستعدی کا اظہار کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک باطنی کے عوض میں دس دس مسلمانوں کی جانیں لی گئیں۔ تب بھی ابن صباح کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ شیخ الجبل کے جاسوس بر شہر میں ہر مسلمان خاندان میں پہنچ کر خون خرابہ کر رہے تھے۔ کوئی محتلف ایسا نہیں تھا جس کا نام شیخ الجبل کی فرست مقتولین میں رہ گیا ہو اور وہ چ رہا ہو امراء، عبا کے نیچے زرہ پہننے لگے۔ یہاں تک کہ خود سلطان نے عمائد سلطنت کو اجازت دے دی کہ وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں۔ خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص تنہا گھر سے باہر نہ نکلتا اور اگر کوئی شخص مقررہ وقت پر گھر نہ پہنچتا تو یقین کر لیا جاتا کہ وہ باطنی خون آشامی کا شکار ہو گیا۔ اور لوگ عزاداری کے لیے اس کے مکان پر آجے ہوتے۔ ایک دفعہ ایک مؤذن کو اس کے باطنی ہمسایہ نے پکڑ لیا۔ مؤذن کے گھر کی عورتیں چیخنے چلانے لگیں۔ باطنی اسے چھری دکھا کر گھر کی چھت پر لے چڑھا۔ مؤذن دیکھ رہا تھا کہ اس کے گھر کی عورتیں واویلا کر رہی ہیں۔ لیکن کارڈ برہنہ نے اتنا مرعوب کر رکھا تھا کہ ذرا بھی اس کی زبان کو جنبش نہ ہوئی۔ اتنے میں پولیس ابر رحمت کی طرح آہنچی لور باطنی کو گرفتار کر کے مؤذن کو اس کے بچہ ظلم سے چایا۔ اصفہان میں اس فرقہ نے سب سے زیادہ دھماچو کڑی مچا رکھی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو اچک کر قتل کر دیتے۔ اور نعش کو کھتے میں ڈال دیتے۔ اصفہان میں مسلمان مفقود ہوتے رہتے تھے لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ آخر اہل اصفہان نے ان مقامات کا کھوج لگانا پایا۔ جہاں باطنی فرقہ نے یہ اندھیر مچا رکھا تھا۔ آخر ایک مکان میں ایک عورت پائی گئی جو ہر وقت ایک بوریار بیٹھی رہتی تھی۔ اور دن بھر وہاں سے ملتی نہیں تھی۔ آخر لوگوں نے اسے گھسیٹ کر وہاں سے الگ کیا اور بویار اٹھا کر دیکھا تو نیچے ایک گڑھ پایا جس میں مسلمانوں کی چالیس نعشیں تھیں۔ لوگوں نے اس عورت پر بلہ بول دیا اور اس کو دارالبوار میں بھیج کر گھر کو آگ لگادی۔ اسی طرح کسی باطنی کے مکان پر کسی اجنبی کے کپڑے پائے گئے۔ دیکھنے والے نے لوگوں سے اس کا تذکرہ کر دیا۔ ہر شخص کو یقین ہوا کہ کسی مقتول مسلمان کے کپڑے ہیں۔ شہر میں بڑ بڑ گیا اور ہر مسلمان انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک جم غفیر نے اس شخص کے مکان پر دھاوا بول دیا اور اندر جا کر دیکھا کہ ایک کنواں لاشوں سے پٹ رہا ہے۔ آخر تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس

کوچہ میں باطنی لوگ بددوباش رکھتے ہیں۔ باہر پھانک پر ایک اندھا بیٹھا رہتا تھا۔ جب وہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آ رہا ہے تو آنے والے سے کہتا کہ ذرا میری لاشی پکڑ کر کوچہ میں پہنچا دو۔ وہ اسے کوچہ میں لے جاتا باطنی بھیدے جھٹ اندر کھینچ کر اس کا کام تمام کر دیتے اور لاش کو نہیں میں پھینک دی جاتی۔ یہ دیکھ کر شیخ مسعود بن محمد نجدی فقیہ شافعی انتقام پر آمادہ ہوئے۔ ایک جم غفیر ہتھیار لے کر ساتھ ہو لیا۔ نجدی صاحب نے شہر سے باہر گڑھے کھدوائے۔ ان میں آگ جلائی گئی۔ باطنی پکڑ پکڑ کر لائے جاتے اور آگ کے گڑھوں میں دھکیل دیئے جاتے۔ شہر اہل کے قریب قلعہ دسم کوہ پر بھی باطنیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہاں کے کاروبند فدائی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کو قتل و غارت کرتے اور لوٹ کا مال لے کر قلعہ میں چلے جاتے۔ مظالموں نے سلطان بربکیار سے فریاد کی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور آٹھ مہینہ کی جدوجہد کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ عراق میں بھی باطنیوں نے بڑی دھماچو کڑی مچا رکھی تھی۔ انہوں نے بے شمار کلمہ گوؤں کو خاک ہلاک میں تڑپا دیا۔ ان شہداء میں اہل سنت و جماعت کے ایک مشہور امام شیخ الشافعی ابو الفرج رازی دینی صاحب الحرم بھی تھے جنہیں ایک سیاہ دل باطنی نے خاص دار الخلافہ بغداد میں جبراً شہادت پلایا۔ غرض عام اسلام میں ہر شخص ان کے اچانک حملوں سے خوف زدہ تھا۔ امراء کی طرح اب عامتہ المسلمین نے بھی پکڑوں کے نیچے زرہیں پہنی شروع کر دیں۔ 498ھ میں باطنیہ طرہیت سے نکل کر رہے پہنچے۔ اور حجاج کے قافلہ کو جس میں خراسان، ماوراء النہر اور ہندوستان کے زائرین حرم تھے لوٹ لیا۔ اس کے بعد مضامفات رے میں عام غارتگری شروع کر دی۔ اس تاخت و تاراج میں کثیر التعداد مسلمان کام آئے اور بقیۃ السیف کا تمام مال و اسباب لٹ گیا۔ 499ھ میں ایک باطنی ملحد نے قاضی ابو العلاء صاعد بن ابو محمد نیشاپوری کو جامع مسجد اصفہان میں شہید کیا۔

وزیر فخر الملک کا واقعہ شہادت

حسن بن صباح نے 485ھ میں اپنے محسن خواجہ نظام الملک طوسی کی جان لی تھی اس کے قریباً پندرہ سال بعد یعنی 500ھ میں خواجہ مرحوم کے فرزند اکبر فخر الملک ابو المظفر علی کی زندگی کا چراغ گل کیا۔ جو سلطان سنجر بن سلطان ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا۔ عاشوراء کے دن فخر الملک نے روزہ رکھا اور صبح کے وقت اپنے احباب سے کہا کہ آج رات میں نے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ مجھ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جلدی سے آؤ تاکہ ہماری پاس پہنچ کر ہی روزہ افطار کرو۔ اور قضائے کردگار سے چارہ نہیں جو کچھ اس ذات برتر نے مقدر کیا ہے لامحالہ اس کا ظہور ہوگا۔ حاضرین نے کہا خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ آج دن رات آپ گھر سے باہر کہیں نہ جائیں۔ خواجہ فخر الملک اس روز برابر نماز اور تلاوت قرآن میں مصروف رہا اور

بہت سال صدقہ خیرات میں خرچ کیا۔ عصر کے وقت مردانہ مکان سے نکل کر حرام سرائے میں جانے کا قصد کیا۔ باہر نکلا تو ایک شخص بلند آواز سے چلایا کہ بس مسلمان ختم ہو گئے۔ کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ مظلوم کی فریاد رسی کرے۔ فخر الملک نے ازراہ مرحمت اس کو اپنے پاس بلا کر استفسار فرمایا کہ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے ایک تحریری عرضداشت نکال کر فخر الملک کے ہاتھ میں دے دی۔ جب اس کا مطالعہ کرنے لگا تو اس نمائشی دادخواہ نے جو ایک باطنی سفاک تھا پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ وزیر نے اسی وقت جرمہ مرگ پی لیا۔ سلطان سبخر کو اس حادثہ بالکلمہ کا سخت صدمہ ہوا۔ باطنی گرفتار کر لیا گیا۔ اس باطنی نے دیکھا کہ میں تو مارا ہی جاؤں گا کیوں نہ چند اور مسلمانوں کو بھی لے مروں۔ جب سلطان سبخر کے سامنے پیش ہوا تو کہنے لگا کہ مجھے تو آپ کے مصاحبوں میں سے فلاں فلاں نے قتل کی ترغیب دی تھی۔ سلطان نے عالم آشفنگی میں پہلے ان جرم نا آشنا مصاحبوں کی جان لی اور پیچھے اس باطنی کو ہلاک کرایا۔

باطنیہ کی بد حالی اور باطنی قلعہ کا انہدام

ابن صباح کے اسماعیلی استاد کا نام عبد الملک بن عطاش تھا۔ اس کا بیٹا احمد بن عبد الملک قلعہ شاہور کا حکمران تھا۔ احمد نے بھی مسلمانوں کے خلاف بڑا اودھم مچا رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر سلطان محمد نے 500ھ میں قلعہ شاہور پر جو اصفہان کے قریب واقع تھا۔ بہ نفس نفیس یورش کی۔ اس قلعہ اور پہاڑ کا فاصلہ چھ کوس کا تھا۔ ابن صباح نے اس جگہ کو بہت مضبوط کر رکھا تھا۔ سلطان احمد نے امرائے لشکر کو باوی بادی جنگ کا پروانہ کیا اور نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ مدت تک حملے کرتا رہا۔ باطنی طول جنگ اور شدت محاصرہ سے گھبرائے اور فقہائے اہلسنت و جماعت کے پاس اپنے متعلق ایک استدلال کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

کیا فرماتے ہیں سلوات فقہاء و ائمہ دین اس گروہ کی بابت جو حق تعالیٰ پر قیامت پر اس کی استخوان لور لور سولوں پر ایمان رکھتا ہے اور ماجاہد رسول اللہ ﷺ کو حق جانتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن محض مسئلہ امامت میں اختلاف کرتا ہے۔ کیا سلطان وقت کو اس کی موافقت اور رعایت جو تڑبے لور اگر وہ فرقہ اطاعت کرے تو کیا اس کی اطاعت قبول کرنا اور اسے ہر اذیت سے چھانا شرعاً روا ہے؟ اکثر علمائے اہل سنت نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور بعض نے توقف اختیار کیا۔ آخر فقہائے اہل سنت و جماعت ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ شیخ ابو الحسن علی بن عبدالرحمن سمجانی نے جو شافعی مذہب کے بڑے عالم تھے قتل باطنیہ کے وجوب کا فتویٰ دیا اور بر ملا کہہ دیا کہ اس فرقہ کی طرف سے محض اقرابالسلطان اور تھکھہ بالمشہداتین کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ان سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر تمہارا ایسے امور مباح کر دے جسے شریعت اسلام نے حرام قرار دیا ہے یا ایسی چیزوں کو ناجائز کہے

جسے شریعت مطہرہ حلال اور جائز ٹھہراتی ہے تو کیا تم شریعت کا حکم مانو گے یا اپنے امام کا؟ تو وہ صاف لفظوں میں جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے امام کے حکم کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں باطنیہ کا قتل بالا نفاق مباح ہو جاتا ہے۔ اب باطنیوں نے سلطان سے درخواست کی کہ آپ اپنے علماء کو ہمارے مذہبی پیشواؤں سے گفتگو کرنے کے لیے روانہ فرمائیے۔ سلطان نے قاضی ابوالعلاء نصاہد بن یحییٰ شیخ الحنفیہ کو جو اصفہان کے قاضی تھے چند دوسرے علماء کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مگر چونکہ باطنیہ کا حقیقی مقصد محض قضیہ کو طول دینا تھا اس لیے حیلے حوالے کرنے لگے اور علماء واپس چلے آئے۔

مسئلہ تکفیرین ملحدین

حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ ہمیشہ سوال کے تابع ہوتا ہے۔ جن علمائے حق نے باطنیہ کی اذیت کو ناجائز بتایا وہ حاملین شریعت جنہوں نے راہ توقف اختیار کی انہیں سوال کی نوعیت نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا کیونکہ جو شخص کہے کہ میں خالق کردگار پر اس کے رسولوں پر اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوں۔ باقی ایمان دلائل کا فقدان اس کے مومن قرار دیئے جانے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے تو ایسی حالت میں توحید و رسالت کا اقرار اور ملائکہ کتب سماوی بعث بعد الموت کا اذعان اس کے لیے کچھ بھی فائدہ بخش نہ ہوگا۔ مثلاً ختم نبوت کا اقرار ضروریات دین میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ ختم نبوت کا منکر یا مدعی نبوت ہو تو بالا جماع خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) ہمارے نبی (حضرت خاتم النبیین ﷺ) کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بلا جماع کفر ہے۔

مرزائیوں نے بھی مقدمہ بہاولپور میں جو 1926ء سے 1935ء تک رہا۔ یہی عذر لنگ پیش کیا تھا کہ ہم خدا پر اور اس کے رسولوں و کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ بہاولپور کے فاضل بیچ نے دلائل فریقین پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے کس طرح امت مرزائیہ اور اس کے بانی کو مرتد و خارج از اسلام قرار دیا۔ باطنیہ اور مرزائیہ ایک ہی تھیلی کے چٹے ہیں۔ جس طرح باطنی زنادقہ حسن بن صباح کے قول کو حکم شریعت پر ترجیح دیتے تھے اسی طرح مرزائی ملاحظہ بھی اپنے مقتداء کے اوہام باطلہ کے مقابلہ میں حضور سید الاولین و الآخرین ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو کوئی وقعت نہیں دیتے چنانچہ باطنی فرقہ مرزا غلام احمد صاحب نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ جو حدیث رسول اللہ میرے (شیطان) الامام کے خلاف ہو اسے میں (معاذ اللہ) ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہوں۔ الغرض جو شخص خدا اور اس کے ملائکہ و رسل، کتب سماویہ اور یوم

آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمان ہے بھر طیکہ اس کے دوسرے عقائد حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قطعی الثبوت و قطعی الدلائل تعلیمات حقہ کے خلاف نہ ہوں ورنہ وہ خارج از اسلام ہوگا کیونکہ نومن ببعض و نکفر ببعض کے اصول پر عمل کرنے والا دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ میں نے مسئلہ تکفیر طہرین کو اپنی زیر تالیف کتاب ”فلسفہ اسلام“ میں شرح و بسط سے سمجھ دیا ہے۔

لنن صباح کے استاذ زادہ کی گرفتاری اور ہلاکت

عماء کی مراجعت کے بعد سلطان محمد محاصرہ میں شدت کرنے لگا۔ بالآخر باطنی امان کے خواستہ مجھ ہوئے اور درخواست کی کہ اس قلعہ کے عوض میں انہیں قلعہ خانیان مرحت ہو اور قلعہ مذکور سے نکل کر قلعہ خانیان میں منتقل ہونے کے لیے ایک مہینہ کی مہلت مانگی۔ یہ قلعہ اصفہان سے دس کوس کے فاصلہ پر تھا۔ ایک مرتبہ باطنی اس پر قابض ہو گئے تھے لیکن بعد کو انہیں بے دخل کر دیا گیا تھا۔ سلطان محمد نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ باطنی مال و اسباب سمیٹنے میں مصروف ہوئے۔ ہنوز مدت مقررہ پوری نہ ہوئی تھی کہ چند باطنیوں نے سلطان محمد کے ایک افسر پر حملہ کر دیا۔ مگر حسن اتفاق سے یہ امیران کے حملہ سے بچ گیا۔ سلطان محمد کو اس کی خبر لگی تو اس نے از سر نو محاصرہ کر لیا۔ باطنی اپنی حرکت پر سخت متاسف ہوئے۔ اظہار ندامت کے بعد عضو تقصیر کی التجا کی اور اس درخواست کے ساتھ قلعہ ناظر و طیس چلے جانے کی اجازت چاہی کہ سلطان محمد اپنے چند فوجی دستے ہمارے ایک حصہ فوج کو قلعہ ناظر پہنچانے پر مامور کرے اور بانی ماندہ اشخاص کو ایک گوشہ میں نظر بند و محبوس رکھے۔ جب یہ حصہ فوج قلعہ ناظر میں پہنچ جائے تو دوسرے حصہ کو جو قلعہ میں محبوس ہے حسن لنن صباح کے پاس قلعہ الموت میں بھیج دے۔ سلطان محمد نے اپنی فراخ دلی سے من کی یہ درخواست بھی منظور فرمائی۔ چنانچہ باطنیوں کا پسلا دستہ فوج شامی لشکر کی نگرانی میں قلعہ ناظر و طیس کو روانہ ہوا۔ سلطان نے قلعہ کے مسمار کرنے کا حکم دیا۔ شامی فوج نے اس حکم کی نمانیت مستعدی سے تعمیل کی۔

این صباح کے استاذ زادہ کی ہلاکت

حسن بن صباح کے استاد کا پیرنا احمد بن عطاش قلعہ کے ایک برج میں چھپ رہا۔ بعض سپاہی دوز کر سلطان کے پاس آئے اور اس محفوظ مقام کا جہاں احمد بن عطاش متمکن روپوش ہو گیا تھا پتہ بتایا۔ ایک افسر سلطان کے ایما سے چند سپاہیوں کو لے کر اس برج پر چڑھ گیا۔ اور جس قدر باطنی وہاں ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ مقتولوں کی تعداد اسی بیان کی جاتی ہے۔ جب احمد گرفتار ہو کر سامنے

لایا گیا تو سلطان نے کہا۔ ”تم نے تو پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ عوام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے اور اصفہان میں میری عظمت و شوکت کا نقارہ بجے گا لیکن وہ پیشین گوئی جھوٹی ہوئی۔ احمد نے جواب دیا کہ میری پیشین گوئی صحیح ہوئی لیکن ”بر طریق حکومت“ بلکہ بر طریق فضیحت۔“ سلطان ہنس پڑا۔ آخر اصفہان کے کوچہ بازار میں گشت کر کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھ اس کا جوان بیٹا بھی مارا گیا۔ دونوں کے سر اتار کر دار الخلافہ بغداد بھیجے گئے۔ احمد کی بیوی نے یہ حالت دیکھ کر اپنے آپ کو ایک بلند مقام سے نیچے گرا دیا اور ہلاک ہو گئی۔ سلطان محمد کا وزیر سعد الملک جو در پردہ احمد کا معین و مددگار تھا سلطان کے قتل کی سازش میں ملوث پایا گیا۔ اس لیے اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ غالباً وہ باطنی ہو گا۔ سعد الملک کی ہلاکت کے بعد سلطان نے قلمدان وزارت خواجہ نظام الملک مرحوم کے خلف ابو نصر احمد کے سپرد کر دیا۔ 503ھ میں ابو نصر احمد بذات خود فوج لے کر قلعہ الموت پر یلغار کرنے کے لیے بڑھا لیکن بوجہ شدت سرمایہ واپس آنے پر مجبور ہوا۔ آٹھ سال کے بعد 511ھ میں قلعہ الموت پر مکرر فوج کشی ہوئی۔ اس مہم کا قائد امیر نوٹھمن شیرگیر تھا۔ برابر ایک سال تک محاصرہ جاری رہا۔ جب رسد تمزگئی اور اہل قلعہ کی بد حالی ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ گئی تو ابن صباح نے عورتوں اور بچوں کو در خواست لمان کے ساتھ سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا لیکن ابن صباح کی فرد قرار داد جرم کچھ ایسی مختصر و خفیف نہ تھی کہ وہ کسی رعایت کا مستحق ہو سکتا۔ سلطان نے اس درخواست کو مسترد فرمادیا لیکن چونکہ قضا و قدر کی قوت قرین نے تسخیر قلعہ سے پچھلے ہی سلطان محمد کو آغوشِ لحد میں سلا دیا، فوج محاصرہ اٹھا کر واپس چلی آئی اور قلعہ بدستور لمان صبح کے عمل و دخل میں رہ گیا۔

سلطان سنجر کے سرہانے ابن صباح کا خنجر اور خط

سلطان محمد کے انتقال پر 512ھ میں اس کا چھوٹا بھائی سلطان سنجر صاحب تاج و تخت ہوا۔ سلطان ملک شاہ کے بعد یہ بادشاہ اپنے دونوں بھائیوں سے زیادہ شجاع اور صاحب اقتدار تھا۔ وسعت ملک اور حربی قوت میں بھی ان پر فائق تھا۔ سلطان سنجر نے ارادہ کیا کہ تسخیر الموت کا جو کام ہر مرتبہ تشہ تکمیل رہ جاتا ہے اس کو انجام تک پہنچائے۔ چنانچہ تجینز لشکر کا حکم دے دیا اور بذات خود فوج لیکر روانہ ہو گیا۔ یہ سن کر ابن صباح گھبرایا کیونکہ شاہی لشکر کا مقابلہ اس کے حیظ امکان سے خارج تھا۔ اس کے فدائی تو چوروں اور رہزنیوں کی طرح صرف چمیریاں مارتا جانتے تھے۔ لہذا حسن ابن صباح نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو گائٹھ کر سلطان کی خواب گاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گڑوا دیا۔ علی الصبح جب سلطان نے ایک خنجر زمین میں پیوست پایا تو پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ دستہ خنجر کے اوپر ابن صباح کا ایک خط بھی بندھا ہوا ملا جس میں لکھا تھا۔

ہاں! اے سلطان خنجر بہر پر یہی کہ اگر رعایت خاطر تو منظور نہ ہو دے دستے کہ خنجرے بر زمین سخت فرود بر سینہ نرم تو سل ترود کہ فرود بدو

(ترجمہ) اے سلطان خنجر! ہماری لڑیت سے باز آؤ۔ اگر تمہارا پاس خاطر منظور نہ ہوتا تو سخت زمین میں خنجر بیست کرنے کی نسبت تمہارے نرم سینہ میں اس کا چھوڑنا زیادہ آسان تھا۔

خنجر اور خطہ کو دیکھ کر سلطان یہ سمجھا کہ میری فوج اور میرے سپہرہ داروں میں ضرور ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں لہن صباح سے نسبت لراوت حاصل ہے ورنہ کس کی مجال تھی کہ میری خواب گاہ میں قدم رکھتا؟ سلطان خنجر خطہ پڑھنے کے بعد دل ہی دل میں کانپ رہا تھا۔ وہ اس واقعہ سے اس قدر مرعوب ہوا کہ کسی طرح فوج لے کر پیش قدمی کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ اسی دن لہن صباح کا قاصد بھی لشکر گاہ میں آپنچا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ سلطان پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا لہذا جان کے خوف سے جنگ پر صلح آشتی کو ترجیح دی۔ اور ان معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی۔

1- اسماعیلی فرقہ کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے۔

2- جدید اسلحہ اور منجنیقین نہ خریدے۔

3- آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔

لیکن لہن صباح کے لیے یہ شرطیں کسی حیثیت سے بھی مضرت رساں نہ تھیں کیونکہ اس وقت تک پچاس سے زائد قلعے باطنیوں کے قبضہ میں آچکے تھے جو سب مستحکم اور کارآمد تھے۔ اس بنا پر لہن صباح کو کسی مزید تعمیر و تہنید کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط بھی مضرت نہ تھی۔ کیونکہ لہن صباح کے باطنی پیروؤں کے لیے صرف ایک چھری کافی تھی جو ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی اور اس معاہدہ کے بعد بھی رہ سکتی تھی۔ تیسری شرط کو بظاہر سخت تھی لیکن فی الحقیقت اس میں بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔ حسن کا خود پہلے سے اس پر عمل در آمد تھا۔ کیونکہ اسماعیلی داعی ہر شخص سے مخفی بیعت لیتے تھے۔ جس کا حال کسی پر کھل نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر اس دفعہ کی پابندی کی جاتی تو بھی کچھ نقصان نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت باطنی فوج کی تعداد جو قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تھی ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

ایک باطنی سفاک کے ہاتھوں وزیر ابو طالب کا قتل

516ھ میں سلطان محمود بن سلطان خنجر کے وزیر ابو طالب کمال سمیری باطنی معرکہ قرنی کا تختہ بن کر دلا آخرت کو چلا گیا۔ ابو طالب کمال ہمدان جانے کے لیے سلطان کے ساتھ نکلا تھا۔ صلا لشکر ساتھ تھا وزیر نے مدرسہ کے راستہ سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ راستہ بہت تنگ تھا لہذا وہ آگے چلا گئے۔ ایک باطنی موقع پا کر وزیر پر حملہ آور ہوا۔ پیٹ میں چھری گھونپ دی اور

بہت سے زخم لگا کر بڑی پھرتی سے دجلہ کی طرف بھاگا۔ سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان نے اس کو چھری سے ہلاک کر دیا جب سپاہی واپس آ رہے تھے تو دو باطنیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہ سپاہی ان سے بچ کر واپس آئے تو وزیر کو دیکھا کہ بحری کی طرح مذبح پڑا ہے۔ اور اس پر تمیں سے زیادہ زخم ہیں۔ اس کے بعد تمام باطنی گرفتار ہو کر چاہ ہلاک میں ڈال دیئے گئے۔

موت

ان واقعات کے بعد ابن صباح نے 28 ربیع الآخر 518ھ کو جام مرگ نوش کر لیا۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ پینتیس سال تک قلعہ الموت پر نہایت کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ ابن صباح کے پیروؤں کو جو ترقی نصیب ہوئی ”تاریخ آل سلجوق اصفہانی“ میں اس کا باعث محکمہ جاسوسی کا فقدان بتایا ہے اور لکھا ہے کہ سلطان و بلم اور ان سے پیشتر جو حکمران تھے ان کا معمول تھا کہ تمام ملک میں خبر رسانی کے لیے جاسوس مقرر کرتے تھے اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کے صحیح واقعات و مبدم سلطان کے گوش زد نہ ہوتے رہتے ہوں۔ مگر سلطان الپ ارسلان نے جو سلطان ملک شاہ کا پیشرو تھا اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فرقہ باطنیہ اندر ہی اندر ترقی کرتا گیا۔ اور سلطنت کو اس کی سازشوں اور خفیہ کارستانیوں کا اس وقت علم ہو گیا۔ ابن صباح نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ ابن صباح نے اپنے عہد حکومت میں قریباً سو قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا جن میں سے یہ دس قلعے نہایت عظیم الشان تھے۔ الموت، گردکوه، لامسر، شاہ ور، دسکوه، خالجان، استون آوند، آردھن، الناظر، خلادخان۔ ان میں سے چوتھا قلعہ اصفہان کے پاس تھا۔ پانچواں شہر ابھر کے متصل، چھٹا (اصفہان سے پانچ فرسنگ کے بعد پر۔ ساتواں شہر رے اور اہل کے مابین، نواں خوزستان میں، دسواں شہر آرجان کے متصل واقع تھا۔ ان کے علاوہ صوبہ رودبار اور قہستان وغیرہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تھے سب ملا کر مجموعی تعداد سو کے قریب تھی۔

ابن صباح بحیثیت بانی فرقہ

ابن اسماعیل فرقوں کی تعداد جنہوں نے مختلف ملکوں اور وقتوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا کم از کم اکیس تک پہنچتی ہے جن میں سے حسن بن صباح کا فرقہ حسنی سب سے آخری مسلم آزار فرقہ ہے جس سے عالم اسلام کو سابقہ پڑا۔ پہلا فرقہ ملقب بہ اسماعیلی تو اصل ہے باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے دعا کی طرف منسوب ہو کر کسی خاص عقیدہ کے ماتحت کسی نام سے شہرت پذیر ہوئیں۔ دوسرا مبارک کی جو محمد بن اسماعیل کے غلام مبارک کی طرف منسوب ہوا جس نے کوفہ میں

اسماعیلی مذہب کی اشاعت کی۔ تیسرا ہانگی جو بابک خرمدی کا پیرو ہے۔ چوتھا عمرہ جو سرخ لباس پہننے کے باعث اس نام سے مشہور ہوا۔ پانچواں میسوتھی جو عبداللہ بن میمون قداح ابو ازی کا پیرو تھا۔ چھٹا خلفی جو عبداللہ بن میمون کے نائب خلف کی طرف منسوب ہوا۔ ساتواں قرمطی جو حسان اشعث معروف بہ قرمط کی طرف منسوب ہے۔ آٹھواں برقی جو محمد بن علی برقی سے نسبت رکھتا ہے۔ برقی نے 255ھ میں بمقام اہواز خروج کیا۔ اور خوزستان اور بصرہ پر قبضہ کر کے ہزار ہالوگوں کو داخل مذہب کر لیا۔ آخر 279ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے اسے سولی دی گئی اس نے اپنے عقائد میں مزدکی اور ہانگی اصول بھی شامل کر لیے تھے۔ نواں جنابی جو ابو سعید جنابی کی طرف منسوب ہے۔ دسواں مہدوی جو عبید اللہ مہدی بانی دولت مندو عبید کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں۔ گیارہواں فضل علی بن فضل یحییٰ کی طرف منسوب ہوا۔ بارہواں بیضیہ جو ملک شام میں اس نام سے مشہور ہوا۔ تیرہواں حسنی جو حسن بن صباح کی طرف منسوب ہوا۔ اسی طرح اسماعیلیوں کے یہ نام بھی مشہور ہوئے۔ (14) تعلیمہ (15) فدائیہ (16) حشائین (17) باطنیہ (18) صباحیہ (19) حمیریہ (20) ملاحدہ (21) نزاریہ۔ چونکہ عبیدی فرمانروا مستضیٰ والی مصر کے عہد حکومت میں اس کے بیٹے نزار نے اس سے بیعت نہ کرنے پر اسماعیلیہ کے ہواخواہوں کو قتل کیا تھا اور حسن بن صباح نے جو اس کے پاس رہتا تھا اس کے بعد کے اسماعیلی آئمہ کی امامت سے مصر میں انکار کیا تھا اس بنا پر اس کا گروہ نزاع کے نام سے موسوم ہوا۔

فصل 3۔ ابن صباح کے جانشین

ابن صباح کی موت کے بعد قلعہ الموت میں اس کے سات جانشین ایک سو چھتیس سال یعنی 654ھ تک حکمران رہے جن کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے۔

1۔ کیا زرگ امید

ابن صباح کی وصیت کے بموجب کیا زرگ امید جو اس کا رفیق تھا۔ 518ھ میں شیخ الجبل ہوا۔ جو علی بن کاو زیر قرقر یا لور حسن قصرانی سپہ سالار متعین ہوا۔ اس کے عہد میں بیت سے حکمرانوں نے باہم اتفاق کر کے لڑوہ کیا کہ باطنی گروہ کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ سلطان سخر کا چچا لور جو حسن سلطان محمود قلعہ الموت پر چڑھ گیا اور اس کو فتح کر کے باطنیوں کو مرنی طرف پھانسا گیا۔ محمود سلطان محمود کے انتقال کے بعد کیا زرگ پھر الموت پر قابض ہو گیا اور اس کی حکومت قزوین تک چھ گئی۔ اس کے عہد میں حسن طویل احمد ریلو شہابی خون آشتی کا شہرہ ہوئے اور بیت سے یہ بے لکھ مدت بھی فرشتہ اسی کے حوالے کر کے آنکوش لڑتے ہوئے ملے۔

شاہ موصل کی شہادت

519ھ میں قاضی ابوسعید محمد بن نصیر بن منصور ہروی کو ایک باطنی نے ہمدان میں نذرانہ پیش کیا۔ اس کے بعد ایک باطنی نے تقسیم الدولہ آق سنقر بر سقنی شاہ موصل رحمۃ اللہ علیہ کو اس وقت جامع مسجد موصل میں جام شہادت پلایا جبکہ وہ عامتہ المسلمین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے گیا تھا۔ بادشاہ نے شہادت کی رات خواب میں دیکھا کہ کتے اس پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ چند کتوں کو تو اس نے ہلاک کر دیا ہے لیکن بھض آکر زخمی کر گئے ہیں۔ بادشاہ نے صبح کو یہ خواب اپنے مصاحبوں سے بیان کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ چند روز تک محل سرائے سے باہر نہ نکلے۔ بادشاہ نے کہا: ”آج جمعہ ہے کچھ ہی کیوں نہ ہو میں نماز جمعہ نہیں چھوڑوں گا۔“ عمائد سلطنت نے بہتیرا سمجھایا کہ آپ نماز جمعہ کے لیے نہ جائیے۔ محل ہی میں نماز ظہر ادا کر لیں مگر چونکہ پیانہ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے منظور نہ کیا اور تلاوت کے لیے مصحف مقدس لے کر بیٹھ گئے۔ جب قرآن مجید کھولا تو سب سے پہلے اس آیت پر نظر پڑی۔ وکان امر اللہ قدر المقدور (امر الہی پہلے سے مقدر ہوتا ہے) سمجھ گیا کہ اب میرا وقت پورا ہو چکا۔ تلاوت کے بعد حسب عادت سوار ہو کر جامع مسجد گیا۔ بادشاہ کا ہمیشہ معمول تھا کہ شروع وقت میں جاتا اور پہلی صف میں بیٹھتا۔ اس زمانہ میں مسلمان والیان ملک اور ان کے امراء ووزرا عموماً خدا پرست، متشرع و دین دار ہوتے تھے اور ان کے دل میں یہ اعتقاد راسخ تھا کہ موت وقت معبود سے مقدم و مؤخر نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر اپنی حفاظت جان کے لیے کوئی اہتمام نہ کرتے تھے۔ جو نسبی بادشاہ جامع مسجد میں جا کر بیٹھا اچانک اسی قدر باطنی چاروں طرف سے حملہ ہوئے جس قدر کہ بادشاہ نے خواب میں دیکھے تھے۔ ان کی تعداد دس سے کچھ زیادہ تھی۔ بادشاہ نے بھی مدافعت کی اور تین حملہ آوروں کو زخمی کیا لیکن انہوں نے اتنے زخم پہنچائے کہ بادشاہ گر پڑا۔ اور دم بھر میں دم توڑ کے جان دے دی۔ اس وقت جامع مسجد میں خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ یہ بادشاہ بڑا عابد متقی تھا۔ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ تہجد بھی قضا نہ کرتا۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے میرے والد مرحوم سے بیان کیا تھا کہ یہ بادشاہ رات کا اکثر حصہ عبادت الہی میں گزارتا تھا۔ میں نے ایام سرہا میں بارہا دیکھا کہ بستر سے اٹھ کر چپ چاپ ایک کنبل اوڑھتا اور لوٹنے کے لیے دریا کے کنارے پر جاتا۔ میں اصرار کرتا کہ میں پانی لا دیتا ہوں مگر مجھے ہر دفعہ یہ کہہ کر سلا دیتا کہ اس وقت موصل میں کتنی سردی پڑ رہی ہے۔ میں سو جاتا اور وہ خود ہی جا کر پانی ملایا کرتا۔ جب بادشاہ نے عالم آخرت کا سفر کیا اس وقت شاہزادہ عز الدین مسعود فرنگیوں سے حلب میں لڑ رہا تھا کیونکہ ان دنوں عالم اسلام میں صلیبی لڑائیاں برپا تھیں۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے اس کے پاس حلب خبر بھیجی۔ شاہزادہ حلب کا انتقام

کر کے موصل پہنچا اور تخت نشین ہوا۔ عزالدین مسعود نے قاتلوں کا سراغ لگانے کا حکم دیا۔ ان کا تو کچھ پتہ نہ چلا۔ البتہ یہ ثابت ہوا کہ قاتل فلاں باطنی کے مکان پر آکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ باطنی کو گرفتار کر کے اس سے بہتیرا پوچھا گیا کہ قاتل کون لوگ تھے اور کہاں ہیں؟ اس نے مرنا قبول کیا مگر اپنی قوم کا راز افشا کرنا گوارا نہ کیا۔ اس سے انعام اکرام کے بھی وعدے کئے گئے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ آخر اس کی گردن مار دی گئی۔ کاش ہندوستان کے وہ مسلمان اس واقعہ سے سبق آموز ہوں جنہیں خوف و امید کی اوئی ادنیٰ تحریک قوم فروشی پر آمادہ کر دیتی ہیں۔ اور کفر کی خاطر اسلام کو زخمی کرتے ہوئے خدا سے نہیں شرماتے۔ اور بوالعجبی و کیموکہ ان فرنگی سوراؤں کو جو حلب میں شاہزادہ عزالدین مسعود سے برسر پیکار تھے۔ شاہ موصل کے واقعہ شہادت کا پہلے ہی سے علم تھا۔ والی نے ان سے سن کر عزالدین مسعود کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے والد محترم پر ایک سخت حادثہ گزرا ہے۔ اس کے بعد موصل سے بھی اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع پہنچ گئی۔ اسے ثابت ہوتا ہے کہ فرنگی اور باطنی ہمراز تھے۔ مسلمانوں کو بیک وقت دو خون آشام دشمنوں کا مقابلہ درپیش تھا۔ ایک یورپ کے صلیبیوں کا دوسرے باطنی ملحدین کا۔ کچھ دنوں کے بعد سراغ رسالوں نے شاہ موصل کے آٹھ حملہ آوروں کا پتہ لگالیا اور انھوں گرفتار ہو گئے۔ سات فدوی تو مارے گئے مگر ایک بھاگ کر بچ گیا۔ اس کی ماں کو پہلے اس کے قتل کئے جانے کی خبر ملی تھی جس پر اس نے بڑی خوشیاں منائیں۔ لباس فاخرہ پہن کر خوشبو لگائی اور عید کے سے ٹھاٹھ کے ساتھ بیٹھی ہی تھی کہ معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے۔ فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے اور سر پر رکھ ڈال کر کہنے لگی۔ افسوس میرا بیٹا درجہ شہادت سے محروم رہا۔ اس کے بعد رو رو کر کہتی تھی کہ ہائے میری کوکھ سے ایسا نالائق فرزند پیدا ہوا جسے شہادت سے جان پیاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فریب خوردگان باطنیت اپنے خیالات میں کس درجہ راسخ تھے اور شیخ الجبل نے ان سحرزدگان ضلالت پر اپنی مطلب براری کا کیسا کچھ افسوس پھنک رکھا تھا؟ کاش ہماری ماؤں بہنوں میں بھی خدمت ملی کا وہ جذبہ پیدا ہوتا جو ایک باطل پرست عورت کے دل میں موجزن تھا۔

سلطان سنجر کے وزیر اور دوسرے امراء کی جانستانی

520ھ میں سلطان سنجر کے وزیر ابو نصر احمد بن فضل نے باطنیہ کے خلاف عزاکر نے کا حکم دیا اور فرمان جاری کیا کہ جہاں کہیں کسی باطنی پر قابو ملے اسے ننگ شمشیر کے حوالے کر دیں اور اس کا مال و متاع لوٹ لیں۔ ابو نصر احمد نے ایک لشکر تو طریقیت کی طرف بھیجا جو باطنیوں کا ایک اہم مرکز تھا اور ایک جمیش ضلع نیشاپور کے موضع تہبہن کے خلاف روانہ فرمایا جو باطنیوں کا ایک قصبہ تھا اور جہاں کا سردار حسن بن سمین نام ایک نہایت بد باطن باطنی تھا۔ وزیر نے دونوں

لشکروں کو حکم دیا کہ جو باطنی بھی کہیں مل سکے اسے زندہ نہ چھوڑو۔ دونوں لشکر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام نے یہاں پہنچ کر وہاں خوب قتل عام کیا۔ حسن بن سمین قصبہ سے نکل کر باہر کی طرف بھاگا۔ لیکن جب یقین ہو گیا کہ وہ لشکر اسلام سے کسی طرح بچ نہیں سکتا تو ایک مسجد کے مینار پر چڑھ کر زمین پر کود پڑا اور گرتے ہی پاش پاش ہو گیا۔ اسی طرح طریثیث والے لشکر نے بھی وہاں پہنچ کر باطنیوں کو خوب قتل کیا اور بہت سامان غنیمت لے کر واپس آئے۔ اس واقعہ پر باطنیوں کی آتش انتقام شعلہ زن ہوئی۔ ابو نصر احمد کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی ناپاک کوششیں شروع ہو گئیں۔ آخر 521ھ کے اوائل میں باطنیوں کو وزیر ممدوح کی جان ستانی کا موقع مل گیا۔ اور وزیر ممدوح کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ 523ھ میں باطنی فدائیوں نے شیخ عبدالطیف خجندی اصفہانی کو جو شافعی مذہب کے ایک ممتاز عالم تھے قتل کر کے اپنی بد اعمالیوں میں اضافہ کیا۔ 524ھ میں انہوں نے مصر کے عبیدی تاجدار ابو علی آمر بادکام اللہ کو خود اس کے دارالسلطنت قاہرہ میں عالم فنا میں پہنچا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن صباح کے پیروا سے اسمعیلیہ کا جائز وارث و امام تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ نزار کی امامت کے معتقد تھے جسے بعض سازشوں کی بنا پر مصر کی خاندانی سلطنت حاصل نہ ہو سکی تھی۔ 526ھ میں بنو فاطمہ میں سے ابو ہاشم نام ایک بزرگ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے آدمیوں نے اس کی مطاعت کی۔ کیا بزرگ نے انہیں کھلا بھیجا کہ میری اطاعت کرو۔ امامت کا دعویٰ تمہیں کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ اے بہتر ہے کہ اس خطرناک دعویٰ سے باز آجاؤ۔ ابو ہاشم نے اس پیغام کا جواب درشت لہجہ اور عتاب آمیز الفاظ میں دیا۔ کیا بزرگ نے ان پر لشکر کشی کی اور شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ باطنی بھیریوں نے ان کی مشکلیں کس لیس اور زندہ آگ میں جلا دیا۔ اسی سال قاضی ابو سعید ہر دی باطنیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ 527ھ میں علامہ حسن گورگانی زبح کر دیئے گئے۔ ان کے باطنی قاتل کا نام ابو منصور ابراہیم خیر آبادی تھا۔ 528ھ میں ابو عبد اللہ نام ایک باطنی نے سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان کو ننگ اجل کے حوالے کیا۔ اسی سال دو باطنیوں نے جن کا نام ابو عبیدہ اور محمد ہستانی تھا۔ آق سنقر حاکم مراغہ پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی سال شمس تبریزی ایک عالم نے دو باطنیوں کے ہاتھ سے جن کو ابو سعید قاسمی اور ابو الحسن فرمائی کہتے تھے جرعہ مرگ نوش فرمایا۔

نصاری کو دمشق پر قبضہ دلانے کی باطنی سازش

بہرام نام ایک سیاہ دل باطنی بغداد میں اپنے حقیقی مسلمان ماموں ابراہیم اسد آبادی کو جام شہادت پلا کر شام بھاگ گیا تھا۔ وہاں جا کر وہ اسماعیلی مذہب کے مناد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ اور ادھر ادھر کے اوباشوں اور لفٹنوں کو جمع کر کے اپنی ایک جماعت بنالی۔ چونکہ باطنیوں کا

معمول تھا کہ ذرا کسی مسلمان سے ان بن ہوئی اور اہل ایمان کے خلاف جو رو نظاول کا طوفان برپا کر دیا۔ اس لیے طلب کے حاکم الیغازی کو ان کی جان و مال کے تحفظ کی اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ بہرام کو دشمن بنانے سے احتراز کرے اور میل ملاقات کا سلسلہ قائم رکھے۔ اسی خیال کے ماتحت الیغازی نے بہرام کی درخواست کے بموجب ^{طفغئین} عامل دمشق کے پاس سفارش کر دی کہ بہرام کو دمشق میں قیام کرنے کی اجازت دے۔ ^{طفغئین} نے بہرام کو دمشق آنے کی اجازت دی۔ ابوطاہر بن سعد مرغینانی نے بھی بھروسوں کے چھتے کو چھیڑنے کے بجائے بہرام اور اس کے پیروؤں کو ہر طرح کی اخلاقی بورانی اور اودی لین اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہرام بزازور پکڑ گیا۔ اور اس کی جمعیت پہلے سے دو چند ہو گئی۔ گورکھ نے بہرام اور اس کی جماعت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا لیکن عامتہ المسلمین جو فرقہ حق اہل سنت و جماعت کے پیرو تھے باطنیوں کی آمد سے سخت کبیدہ خاطر تھے۔ انہوں نے باطنیوں کا مقاطعہ کر کے ان کا بری طرح قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ اور یہ اعد اللہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ بہرام نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے مقاطعہ اور عدم تعاون نے باطنیوں کو بہت کچھ پریشان کر رکھا ہے تو ^{طفغئین} سے کہنے لگا کہ براہ کرم مجھے شہر سے باہر کوئی قلعہ دے دو تاکہ میں اور میرے پیرو اس میں اطمینان کی سانس لے سکیں۔ ^{طفغئین} نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ قلعہ بانیاں باطنیہ کو دے دیا جائے۔ بہرام دمشق میں اپنے مذہب کی دعوت کے لیے ایک باطنی کو جسے مزدقانی کہتے تھے چھوڑ کر قلعہ بانیاں میں چلا گیا۔ قلعہ میں پہنچ کر اس کی قوت اور شوکت میں مزید ترقی ہوئی اور گرد و نواح کے تمام باطنی اس قلعہ میں آگئے یہاں آئے ہوئے تھوڑے دن کے بعد بہرام نے پہاڑی علاقہ میں قدموس اور بعض دوسرے قلعوں پر بھی قبضہ جما لیا۔ بعلبک کے مضافات میں وادی تیم کے اندر ایک بڑی آبادی تھی جس میں نصیر یہ دردس، محبوبس وغیرہ مختلف مذہب و ادیان کے لوگ آباد تھے۔ جن کے امیر کا نام ضحاک تھا۔ جب بہرام کی جمعیت بڑھ گئی تو وہ 522ھ میں ضحاک پر چڑھ دوڑا۔ گھمسان لڑائی ہوئی۔ بہرام مارا گیا اور اس کے پیرو بری طرح ہزیمت کھا کر سخت بد حالی کے ساتھ قلعہ بانیاں میں واپس آئے۔ اسماعیل نام ایک باطنی اس کا جانشین ہوا۔ مزدقانی نے اسماعیل کی ہر طرح سے اعانت کی۔ اس اثناء میں مزدقانی نے بھی دمشق میں بہت سے جہلا اکٹھے کر کے بہت بڑا اجتماع بنایا اور شہر میں بڑا اثر و سوخ پیدا کیا۔ یہاں تک کہ تاج الملوک حاکم دمشق سے بھی اس کا حاکم فائق رہتا تھا۔ یہ وہ دن تھے جبکہ صلیب لڑائیاں برپا تھیں اور یورپ کے ہر ملک سے فوجوں کے بادل اٹھ اٹھ کر اسلامی ممالک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ فرنگی بہت دفعہ دمشق پر حملہ آور ہوئے مگر ہر دفعہ مارا کر ہٹا دیئے گئے۔ اب مزدقانی کی شیطنیت دیکھو کہ اس مار آستین نے فرنگیوں سے ساز باز کر کے ان سے کچھ قول و اقرار لیا۔ اور وعدہ کیا کہ تم چپ چاپ دمشق آ جاؤ میں تم کو یہاں قابض کر دوں گا۔ نصرانی عمل و دخل کے لیے جمعہ کا دن مقرر

ہو گیا۔ اب مزدقانی نے یہ انتقام کیا کہ شہر کی باطنی جمعیت کے علاوہ قلعہ بانیاں سے بھی بہت بڑی جمعیت طلب کی اور کہلا بھیجا کہ باطنی لوگ نماز جمعہ کے وقت چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر تمام دروازوں سے شہر میں آجائیں۔ تجویز یہ کی کہ جب مسلمان نماز جمعہ کے لیے شہر کی جامع مسجدوں میں جا چکیں تو باطنی تمام مسجدوں کا محاصرہ کر لیں۔ اتنے میں نصاریٰ آکر شہر پر قبضہ کر لیں۔ اتفاق سے تاج الملوک کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے مزدقانی کو بلا بھیجا اور تخیلہ میں لے جا کر اس کی گردن مار دی اور اس کے سر کو قلعہ کے دروازہ پر لٹکا کر منادی کرادی کہ جو باطنی جہاں ملے اسے موسم کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ مسلمان پہلے ہی باطنی اعدائے دین کے خلاف دانت پھینک رہے تھے۔ باطنیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس دن سات ہزار باطنی عالم فنا میں پہنچائے گئے۔ یہ دیکھ کر اسمعیل باطنی حاکم قلعہ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمان قلعہ بانیاں پر بھی چڑھ دوڑیں گے اور باطنیوں کو ہلاک کر کے قلعہ چھین لیں گے۔ اس نے نصاریٰ کے پاس پیغام بھیج کر قلعہ بانیاں ان کے حوالے کر دیا اور خود اپنی جمعیت لے کر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ اب فرنگی شہر دمشق سے بالکل قریب آگئے اور شہر پر حملہ کرنے کے لیے بہت بڑی جمعیت فراہم کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر تاج الملوک نے عربوں اور ترکمانوں کو مقابلہ کے لیے جمع کیا۔ آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت فراہم ہوئی۔ نصاریٰ ماہ ذی الحجہ میں شہر کی طرف بڑھے اور دمشق کو محاصرہ میں لے لیا لیکن مسلمانوں نے انہیں بہت جلد شہر سے مار بھگا دیا۔ بے شمار فرنگی ہلاک ہوئے۔ تھوڑے دن کے بعد قلعہ بانیاں بھی ان سے چھین لیا گیا۔

خلیفہ بغداد کا جاں گسل حادثہ شہادت

باطنی چیرہ دستیوں کا سب سے ہولناک منظر خلیفہ مسٹر شد باللہ عباسی کا حادثہ قتل ہے۔ یہ خلیفہ 512ھ میں مسند آرائے خلافت ہوا۔ بڑی جری پر شکوہ باہمیت اور صاحب الرائے تاجدار تھا۔ امور خلافت کو نہایت حسن اسلوب سے انجام دیا۔ ارکان شریعت کو مضبوط اور سنن نبویہ کا احیا فرمایا۔ خود بہ نفس شریک جنگ ہوتا تھا۔ ابتداء میں بہت موٹا لباس پہنتا تھا۔ نہایت عابد و زاہد تھا۔ اپنے محل سرائے میں عبادت کے لیے الگ جگہ بنا رکھی تھی۔ جو نئی امور خلافت سے فارغ ہوتا عبادت خانہ میں آکر یاد آلی میں مصروف ہو جاتا۔ اس کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہ دنیا کافی ہے کہ علامہ ابن الصلاح اور امام تاج الدین سبکی نے اس کو کتاب طبقات الشافعیہ میں زمرہ علماء میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابو بکر شاشی نے فقہ شافعی میں ایک کتاب تصنیف کر کے خلیفہ مسٹر شد کے نام نامی سے معنون کی اور عمدۃ الدینا والدین کا خطاب پایا۔ نہایت خوشخط تھا۔ اس فن میں تمام خلفاء بنو عباس سے گوے سبقت لے گیا۔ اکثر کتابوں کو اصلاح دیا کرتا تھا۔ رعایا کا بڑا محبوب تھا۔ اس کی جرات

ہبت، شجاعت اور اس کے حملے مشہور ہیں۔ 529ھ میں خلیفہ اور سلطان مسعود (بن سلطان محمد بن سلطان ملک شاہ) میں کسی بات پر ان بن ہوئی اور یہاں تک مخالفت بڑھی کہ حرب و قتال تک نوبت پہنچی۔ امیرج کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ خلیفہ کی فوج کے بڑے بڑے سپہ سالار سلطان سے مل گئے۔ فوج نے نمک حرامی کی اور اکثر نے ساتھ چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ کو بزیمت ہوئی لیکن خلیفہ میدان جنگ میں نہایت پامردی سے ڈٹا رہا۔ بھاگ کر جان بچانا قطعاً تو ارادہ کیا۔ آخر خلیفہ اور قاضی القضاة علماء اور عمائد سلطنت گرفتار ہو گئے اور ہمدان کے پاس ایک قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ جب یہ وحشت ناک خبر بغداد پہنچی تو اہل شہر اپنے سروں پر خاک ڈالتے اور نالہ و شیون کرتے ہوئے نکلے اور عورتیں سر کے بال کھولے اپنے محبوب اور ہر دل عزیز خلیفہ کے لیے بین کرتی پھریں۔ اس روز اضطراب کا یہ عالم تھا کہ بغداد کی کسی مسجد میں نماز باجماعت ادا نہ ہوئی۔ اسی روز عراق میں سخت زلزلہ آیا۔ لوگ اس سے اور بھی خوف زدہ ہوئے اس کے بعد متواتر پانچ چھ مرتبہ زلزلہ کے زبردست جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ سلطان سبخر نے اپنے بچے سلطان مسعود کو لکھا کہ اس خط کے پہنچتے ہی تم خود خلیفہ کے پاس جاؤ اور زمین خدمت چوم کر اس سے غفو تقصیر کی درخواست کرو اور اپنے آپ کو مجرم اور گنہگار ظاہر کرو۔ جس روز سے تم نے خلیفہ کو قید کیا آندھی، بجلی اور زلزلے برپا ہیں۔ فوجوں میں سخت تشویش ہے بلاد امصار میں انقلاب عظیم رونما ہے۔ یہ ایسی ارضی و سماوی علامتیں ہیں کہ جن کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ مجھے خدائے قہار کی طرف سے اپنی اور تمہاری جان کا خوف ہے۔ پھر بغداد کی جامع مسجدوں میں نماز جمعہ کا ادا نہ کیا جاتا اور خطبوں کا موقوف رہنا کتنا بڑا غضب ہے۔ میں اس بار عظیم کا کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتا۔ بہتر ہے کہ تم اپنی غلطی کی فوراً تلافی کرو اور خلیفہ المسلمین کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ان کے مقام پر پہنچاؤ اور جیسا کہ ہمارے آباؤ اجداد کا معمول رہا ہے خلیفہ کے سامنے جا کر زانوئے ادب تہ کر دو۔ سلطان مسعود نے اپنے چچا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ خلیفہ کے پاس جا کر زمین خدمت چومی اور گڑ گڑا کر معافی مانگی۔ اتنے میں سلطان سبخر نے امیر قزان کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس غرض سے سلطان مسعود کی طرف روانہ کیا کہ وہ سلطان مسعود کو سمجھا بھھا کر خلیفہ کی واپسی کی کوشش کرے۔ باطنی لوگ بہت دن سے خلیفہ المسلمین کی جان کے درپے تھے لیکن کوئی موقع نہ ملتا تھا۔ اس فوج میں جو سلطان سبخر نے روانہ کی چودہ یا سترہ باطنی بھی شامل ہو گئے۔ سلطان مسعود نے خلیفہ اور اس کے ارکان سلطنت کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ سوار کرا کے بغداد کی طرف روانہ کرنے کا انتظام کیا۔ ابھی یہ چلنے ہی والے تھے کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ امیر قزان سلطان سبخر کے قاصد کی حیثیت سے آرہا ہے۔ خلیفہ نے اس کی آمد کے انتظار میں تھوڑی دیر کے لیے روانگی ملتوی کر دی۔ سلطان مسعود اور اس کے امراء امیر قزان کی ملاقات میں مصروف ہو گئے۔ خلیفہ کا خیمہ

لشکر سے الگ ایستادہ تھا۔ باطنی خیمہ میں گھس کر خلیفہ پر حملہ آور ہوئے اور چاروں طرف سے چھریوں کے وار کرنے لگے۔ خلیفہ شہید ہو گیا۔ ان نابکاروں نے نہایت بے رحمی سے خلیفہ کی جان لی۔ اس کے بعد اپنی بہیمیت کا یہ ثبوت دیا کہ ناک کان بھی کاٹ لئے اور خلیفہ کو برہنہ چھوڑ دیا۔ یہ خوفناک حادثہ 17 ذوالقعدہ 529ھ کے دن رونما ہوا۔ لشکر کو اس حادثہ کی اس وقت اطلاع ہوئی جب وہ اپنا کام کر چکے تھے۔ آخر سب حملہ آور گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ سلطان مسعود تعزیت کے لیے بیٹھا۔ لوگ اتار دئے کہ شور وادویلا سے ہنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جب یہ ہولناک خبر بغداد پہنچی تو وہاں کھرام مچ گیا۔ ارباب ایمان پر بارالم ٹوٹ پڑا۔ لوگ پاہر ہنہ کپڑے پھاڑتے ہوئے اور عورتیں بال بکھیرے گالوں پر طمانچے مارتی ہوئی نکلیں اور شہر میں ہر جگہ صف ماتم بچھ گئی۔ خلیفہ مسرشد باللہ کی شہادت کے بعد اس کے فرزند راشد باللہ نے فوج لے کر باپ کا انتقام لینے کے لیے 531ھ میں قلعہ الموت پر چڑھائی کی لیکن اٹائے راہ میں دوپہر کے وقت جبکہ وہ اپنے خیمہ میں استراحت فرما تھا چار فدا یوں نے خیمہ میں گھس کر اس کا کام تمام کر دیا۔ قلعہ الموت میں آٹھ روز تک اس قتل کی خوشی منائی گئی۔ شب دروز ڈھول اور جھانجھیں جاکیں۔ انہی ایام میں دو باطنیوں نے جو محمد کرخی اور سلیمان قزوینی کے نام سے موسوم تھے شہر قزوین کے مفتی اعظم شیخ حسن ابو القاسم کرخی کو شہید کر کے شہر نموشاں میں بھجوا دیا۔ کیا بزرگ چودہ دس دو مہینہ حکومت کر کے 532ھ میں مر گیا۔

2۔ محمد بن کیا بزرگ امید

کیا بزرگ کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا۔ یہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا لیکن باطنی الحاد و زندقہ کی پیروی میں ابن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خوزیری علیٰ حالما جاری رہی۔ فدائی لوگ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے اس کو لوٹ کر قتل کر دیتے۔ لیکن یہ لوگ مقتولین کے مال و متال پر خود ہرگز تصرف نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا شیخ الجبل کے خزانہ عامرہ میں پہنچا دیتے تھے اور یہ الفاظ ہر وقت ان کی زبان پر تھے۔ ”ہم دنیاے دنی اور اس کی لذات فانیہ کے خواہشمند نہیں ہیں بلکہ ہم طالب مولیٰ ہیں۔ صفحہ ہستی کو مخالفوں کے خار وجود سے پاک کرنا ہمارا نصب العین ہے۔“ چونکہ قہستان کے قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے کفر کے فتوے لکھا کرتے تھے اس لیے 533ھ میں ابراہیم وامغانی نام ایک باطنی نے حملہ کر کے ان کو وحشت سرائے دنیا سے عالم عقبیٰ میں بھیج دیا۔ تھوڑے دن کے بعد اسی باطنی نے دارالسلطنت جارجیا (گرجستان) کے قاضی تغلیس کو جام شہادت پلایا۔ 534ھ میں ایک باطنی اسماعیل خوارزمی نے ہمدان کے قاضی صاحب کی جان لی۔ رحمہم اللہ۔

باطنی مقتولین کی کھوپڑیوں کا منارہ

534ھ میں باطنیوں نے سلطان سنجر کے خادم خاص جوہر کو قتل کر کے شرف شہادت پر مشرف کیا۔ جوہر کو سلطنت میں بڑے بڑے اختیارات حاصل تھے۔ تمام فوجی افسر اس کی خدمت کرتے تھے۔ بڑے بڑے امراء و دروساء اس کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے۔ سلطان نے اپنی مملکت کا بہت سا حصہ اس کی ملک کر دیا تھا۔ عباس حاکم رہے جوہر ہی کا غلام تھا۔ چند باطنی زنانہ لباس پہن کر مستغیث کی حیثیت سے جوہر کے دولت کدہ پر آئے۔ جوہر ان کو ستم رسیدہ عورتیں سمجھ کر فریاد رسی کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ موقع پا کر پل پڑے اور چھریاں مار کر ٹھکانے لگا دیا۔ جوہر کا غلام عباس فوج لے کر باطنیوں پر چڑھ دوڑا۔ جو باطنی ملا اس کو ہلاک و پامال کیا۔ عباس نے باطنیہ کے قلع قمع میں جو کام کیا شاید اس سے بڑھ کر کسی اور سے نہ بن پڑا ہوگا۔ عباس نے اپنے آقا کے قتل کئے جانے کے بعد باطنیوں کی سرکوفی و پامالی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا۔ چنانچہ تادم واپس انہی کے خلاف غزائیں مصروف رہا۔ عباس نے ان کی آبادیوں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ جھادی۔ ایک روایت میں ہے کہ امیر عباس نے ہزار ہا باطنی قتل کئے اور ان کی کھوپڑیوں کا مینار بنوایا۔ جس پر مؤذن اذان دیتا تھا۔ اسی سال باطنیوں نے عین الدولہ خوارزم شاہ کی جان لی۔ 535ھ میں ایک باطنی نے جس کو حسین کرمانی کہتے تھے امیر ناصر الدولہ بن مہملہل کو خون ہلاک سے گلگلوں کیا۔ 535ھ میں امیر کر شاشب والی کرمان کو جرحہ شہادت پلایا۔ 538ھ میں باطنیوں نے سلطان محمد کے پوتے شاہزادہ داؤد بن سلطان محمود کو چھریاں مار مار کر مار ڈالا۔

امراء اسلام کے ہاتھوں باطنیوں کی رسوائی و بربادی

محمد بن کیا بزرگ کے آخری ایام دولت ہی میں باطنی ترقی کا دور ختم ہو گیا اور زوال و انحطاط نے اس کی جگہ لے لی۔ ماہ ربیع الآخر 549ھ میں سات ہزار اسماعیلی قہستان سے عازم خراسان ہوئے اور وہاں کے ایک حکمران فرخ شاہ بن محمود کا شانی سے چھیڑ خانی شروع کر دی۔ امیر فرخ شاہ نے اپنی حرثی کمزوری کا دوا یلا کر کے امیر محمد بن انز کے پاس جو خراسان کے اکابر امراء میں ایک بڑا بہادر حکمران تھا باطنیہ کے قلع قمع میں اشتراک عمل کرنے کا پیغام بھیجا۔ محمد بن انز اپنی فوج لے کر آپہنچا۔ اب فرخ شاہ اور ابن انز نے مل کر باطنیوں کا مقابلہ شروع کیا اور مارتے مارتے ان کا بری طرح صفایا کیا۔ باطنیہ کے تمام سردار مارے گئے اور لشکر بھی تباہ ہو گیا۔ ہقیقۃ السیف میں سے اکثر باطنی قید کر لیے گئے۔ اسی طرح 552ھ میں رستم بن علی شاہ مازندران نے اپنی فوج کے ساتھ کوچ کر دیا۔ لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ شاہ مازندران تنگ راستوں اور غیر معروف

وادیوں میں سے ہوتا ہوا قلعہ الموت کے پاس جا پہنچا۔ باطنیوں کی آبادی میں پہنچ کر قتل و مہمب کا بازار گرم کر دیا۔ باطنی مقابلہ پر آئے لیکن ذلیل ہو کر پسا ہو گئے۔ رستم شاہ کو بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے علاوہ باطنی عورتیں اور بچے بھی قید کر لیے اور ان سب کو طبرستان لا کر ہر سر بازار فروخت کر دیا لیکن اسی سال عالم اسلام میں اس ہولناک خبر سے سناٹا چھا گیا کہ باطنیوں نے خراسان کے عازمان حج کو نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حاجیوں کا قافلہ خراسان سے روانہ ہوا تھا جب یہ حضرات بسطام سے آگے بڑھے تو باطنیوں کی ایک زبردست جمعیت سے ٹکرا کر بھڑ ہو گئی۔ باطنی کثیر التعداد اور سامان جنگ سے آراستہ تھے انہوں نے بے دریغ عازمان حج کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حجاج نے بھی مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی دونوں طرف سے بے شمار آدمی مارے گئے۔ آخر عازمان حج مغلوب ہو گئے اور بقیۃ السیف نے امان مانگی۔ باطنیوں نے ہتھیار لے کر ان کو قید کر لیا۔ پھر ایک ایک کر کے ان قیدیوں کی گردن ماری شروع کر دی۔ چند آدمی بھاگنے میں کامیاب ہو گئے باقی ماندہ عنقریب اجل کے حوالے کر دیئے گئے۔ اس لڑائی میں خراسان کے بہت سے علماء صلحا اور زہاد جرحہ شہادت پائی کر ریاض الجنۃ کو چلے گئے اس میدان میں جہاں شہدائے گور و کفن پڑے تھے دوسرے دن ایک پیر فانی آیا اور مقتولین و مجروحین کے ارد گرد چکر لگا کر کہنے لگا۔ ”اے ایمان وارد! اے حاجیو! میں مسلمان ہوں۔ ٹھہر جاؤ۔ دین لوگ چلے گئے۔ جو کوئی پانی پینا چاہے میں اسے پلا سکتا ہوں اور ہر طرح سے خدمت کو حاضر ہوں۔“ ان میں سے جو جو ایسے مجروح جن میں کچھ رقیق باقی تھے اس سے ہم کلام ہوئے وہ اس بڑھے بھڑیے کی تیغ جفا کا نشانہ بن گئے۔ “باوجودیکہ باطنی اشیاء امرائے اسلام کے ہاتھوں ہر جگہ ذلیل و پامال ہو رہے تھے لیکن شراغینزی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور جان ستانی ان کی زندگی کا اہم ترین مقصد تھا۔ اس فتنہ و فساد سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ ان کی فتنہ انگیزی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ قہستان میں ترکمانوں کا ایک قبیلہ بودباش رکھتا تھا۔ 553ھ میں ایک ہزار سات سو باطنی اپنے قلعوں سے نکل کر اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے۔ اتفاق سے قبیلہ کا کوئی مرد اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ باطنیوں نے وہاں پہنچ کر خوب لوٹ مچائی۔ جس قدر اموال کو منتقل کر سکتے تھے ان کو لے چلے اور باقی ہر چیز کو آگ لگا دی اور قبیلہ کی تمام عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مراجعت کی۔ جب ترکمان واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نہ کوئی مکان ہے نہ مکین اور نہ مال مویشی ہیں اور نہ اثاثہ البیت۔ آخر معلوم ہوا کہ باطنی آکر لوٹ مار کر گئے ہیں۔ ترکمان ان کی تعاقب میں چلے اور ان کو ایسے وقت میں جا لیا جب کہ باہم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ ترکمانوں نے نعرہ کبیر بلند کر کے بلہ بول دیا اور اس قدر تلوار چلائی کہ باطنیوں کو گا جرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ سترہ سو میں سے صرف نو باطنی بچے۔ باقی سب علف تیغ اہل اسلام بن گئے۔ ترکمان اپنے

اہل و عیال اور مال و منال کو لے کر مراجعت فرما ہوئے۔ محمد بن کیا بزرگ چوبیس برس آٹھ مہینے حکومت کر کے 556ھ میں رات ہی ملک عدم ہوا۔

3- حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی

محمد بن کیا بزرگ کے بعد اس کا بیٹا حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی نے تاج حکمرانی سر پر رکھا۔ یہ شخص چالاکیوں میں لنن صباح کا ہم پایہ تھا۔ فرقہ اسمعیلیہ میں حسن ثانی کی اتنی عزت تھی کہ اس کا نام بھی زبان پر لانا بے اولیٰ خیال کیا جاتا تھا۔ اس لیے نام کی جگہ ”علیٰ ذکرہ السلام“ کہتے تھے۔ اس نے مسند نشینی کے بعد 27 رمضان 557ھ کو دربار عام کرنے کا اعلان کیا اور ان امراء اور ممتاز لوگوں کے نام جو اس کی قلمرو میں سکونت پذیر تھے حکم بھیجا کہ تمام لوگ بلدۃ الاقبال میں جمع ہوں۔ (باطنیوں نے قلعہ الموت کا نام بلدۃ الاقبال رکھ دیا تھا) چنانچہ دور و نزدیک کے تمام بڑے بڑے باطنی جمع ہوئے۔ قلعہ کی عید گاہ میں ایک منبر رکھا گیا۔ منبر کے چاروں طرف علم سرخ، سبز، زرد اور سفید رکھے گئے۔ حسن ثانی نے منبر پر چڑھ کر ایک خط نکالا اور کہنے لگا کہ یہ خط امام مستور حضرت امام ممدی علیہ السلام نے میرے نام بھیجا ہے۔ اس کا خط کا مضمون یہ تھا کہ ”حسن ہمارا نائب ہمارا اچھی اور وزیر ہے۔ جو لوگ ہمارے مذہب کے پیرو ہیں وہ ہر بات میں اس کی اطاعت کریں خواہ وہ بات روحانی ہو یا جسمانی۔ اس کے حکم کو حکم خدا اور وحی منطوق یقین کریں۔ جس امر سے باز رکھے اس سے اجتناب کریں۔ جس کام کا حکم دے اس کی بلا تامل تعمیل کریں۔ اس کے امر و نہی کو یوں سمجھیں کہ گویا ہم بذات خود امر و نہی کر رہے ہیں۔“ یہ نامہ پڑھ کر حسن کہنے لگا کہ ان لوگوں پر فضل و رحم کے دروازے کھل گئے ہیں جو میری اقتدا و اتثال امر کریں گے۔ میں امام زمان ہوں۔ میں نے آج کے دن سے تمام تکالیف شریعیہ کو خلق خدا سے اٹھادیا ہے۔ احکام شریعت نافذ کر دیئے ہیں یہ زمانہ قیام قیامت کا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ باطن میں خدا کی محبت رکھیں اور ظاہر میں جو چاہیں کریں کوئی پابندی نہیں۔ حسن بن صباح نے اپنے باطنی مسلک میں بعض ظاہری احکام بھی داخل کر رکھے تھے چنانچہ یہ لوگ روزہ رکھتے تھے۔ حسن ثانی نے منبر سے اتر کر فریضہ صوم توڑ دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی پیروی میں روزہ افطار کر دیا۔ تمام شرعی قیود اٹھ گئے۔ عید کی سی خوشی منائی گئی اور اس دن کا نام عید القیام رکھا گیا۔ اکثر مورخوں کے قول کے بموجب یہ وہی دن تھا جس میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ) نے کوفہ میں لنن منعم شقی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ باطنیہ کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کا یوم شہادت بڑا خوشی کا دن تھا کیونکہ ان کے زعم میں قید خانہ دنیا سے چھوٹ کر عالم عقبیٰ میں جانا اور احوال کاملہ کی لذت اور خوشی کا باعث ہے۔ باطنی لوگ قیود مذہب سے پہلے ہی آزاد تھے اس دن سے بالکل مطلق العنان ہو گئے۔ سب

لوگوں نے سارا دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا۔ چونکہ ہر قسم کی مذہبی پابندیاں اٹھ چکی تھیں باطنیہ میں فسق و فجور کی گرم بازاری ہوئی۔ شراب اور زنا کاری گھر گھر پھیل گئی۔ باطنی حسن ثانی کو قیامت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں قیامت اسی وقت قائم ہوگی جبکہ رسوم شرعیہ اٹھادی جائیں گی اور حسن ثانی نے تمام تکلیفات شرعیہ کو بر طرف کر دیا تھا۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے۔

برداشت غل شرع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرہ السلام

حسن ثانی چار برس حکومت کر کے 559ھ میں اپنے سالے حسن نامور کے ہاتھ سے مارا

گیا۔

4۔ محمد ثانی بن حسن

محمد ثانی بن حسن ثانی نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور اس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو ہلاک کر دیا۔ اس کے عہد کا ایک قصہ مشہور ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ و عظمیٰ میں فرمایا کرتے تھے۔ **لله سماعی لیتہ لعنہم اللہ و غذلہم اللہ** (اسماعیلی اس مسئلہ کے خلاف ہیں خدا ان پر لعنت کرے اور ان کو ذلیل کرے) جب یہ خبر محمد ثانی کو پہنچی تو اس نے ایک فدائی کو روئے بھیجا۔ یہ فدائی امام صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا اور برابری مہینہ تک دوسرے طلبہ کی طرح درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینہ کے بعد اس نے ایک دن امام کو تنہا پایا اگر اسے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب سخت پریشان تھے کہ میرے شاگرد نے یہ کیا حرکت کی اور کیوں کی؟ امام نے خوف زدہ ہو کر پوچھا آخر تم کیا چاہتے ہو؟ باطنی فدائی نے کہا سیدنا محمد بن حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ عوام کے کئے مخالفانہ قول کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہوتی۔ کیونکہ عامتہ الناس کی باتیں نقش بر آب کا حکم رکھتی ہیں مگر آپ جیسے فاضل روزگار کا ایک ایک مخالفانہ لفظ ہمارے لیے تیر و نشتر ہے۔ کیونکہ آپ کا کلام صفحہ روزگار پر ہمیشہ باقی رہے گا۔ دوسرے ہمارے بادشاہ نے آپ سے التماس کی ہے کہ آپ ہمارے قلعہ الموت میں تشریف لا کر ملاقات فرمائیں۔ امام فخر الدینؒ نے فرمایا کہ وہاں میں تو نہیں جاسکتا۔ البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی کلمہ تمہارے بادشاہ کے خلاف میری زبان پر نہ آئے گا۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینے سے اتر اور گلے سے خنجر ہٹا کر کہنے لگا کہ تین سو مشقال سونا اور دو مہینی چادریں میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگالیں۔ سیدنا محمد بن حسن کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے اور آئندہ بھی اسی قدر تنخواہ کسی کے توسط سے آپ کو ملتی رہے گی۔ یہ کہہ کر حجرے سے نکلا اور

چلا گیا۔ امام رازی نے آخر تک اس عہد کو بھلیا۔ باطنیوں کے متعلق امام صاحب کے طرز عمل میں جو غیر معمولی تعمیر و نو نما ہو اس نے لوگوں میں اشتباہ پیدا کر دیا۔ آخر ایک شاگرد نے تغیر کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں ان لوگوں کو برا کتا پسند نہیں کرتا جن کے دلائل خاد و ارادے بہت تیزی۔

لیکن میرے خیال میں یہ قصہ بالکل جھوٹ، افتراء اور من گھڑت ہے۔ اس کا واضح امام رازی کا کوئی عہد و یا اہل علم کا دشمن ہے۔ جس نے اکہد اسلام کو بدنام کرنے کے لیے ایسا مضحکہ خیز عہدہ تراشا۔ صدر اعظم متدین ایسے کمزور نہ تھے کہ جان چانے کی خاطر باطل سے دب جاتے۔ ان عہدہ یان ملت پر ایسا کج مین کرنا سخت معصیت ہے۔

وزیر نظام الملک مسعود کی جاہ ستانی

چونکہ باطنیوں کی سرسبزی اسلام اور اہل اسلام کے زوال و انحطاط کو مستلزم تھی اس لیے شبان اسلام بن دشمنان دین کے قلع قمع کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے تھے۔ 596ھ میں سلطان خوارزم شاہ نے جو خوارزم رے، افراسان اور شہرستان کے ان پہاڑی علاقوں کا بادشاہ تھا جو نیشاپور اور خوارزم کے درمیان واقع ہیں باطنیوں سے قتال کرنے کا عزم فرمایا۔ قزوین کے پاس باطنیوں کا ایک بڑا قلعہ تھا جسے ارسلان کشاہ کہتے تھے۔ اس کو فتح کر کے قلعہ الموت کی تسخیر کے لیے روانہ ہوا۔ باطنیوں نے اس کے انتقام میں علامہ صدر الدین محمد بن وزان کو جو رے میں شافعی مذہب کے ایک بڑے امام تھے جام شہادت پلا دیا۔ بادشاہ علامہ ممدوح سے بڑا مانوس تھا۔ خوارزم شاہ کو اس واقعہ ہائلہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ الموت کا عزم فریح کر کے خوارزم چلا گیا۔ باطنیوں نے اس کے ساتھ ہی خوارزم شاہ کے وزیر نظام الملک مسعود بن علی پر حملہ کر کے اس کو خلد آباد کی طرف روانہ کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کے بیٹے قطب الدین کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جائے اور باطنیوں سے اپنے باپ کا انتقام لے۔ قطب الدین نے چھوٹے ہی باطنیوں کے ایک قلعہ ترشیش کو جا گھیرا۔ جب باطنی محاصرہ سے تنگ آئے تو مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ بہت دن تک نامہ و پیام رہا لیکن قطب الدین نے کسی شرط کو منظور نہ کیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگر محاصرہ اٹھا لو تو ایک لاکھ دینار حاضر کرتے ہیں۔ چونکہ اس اثناء میں قطب الدین کو خود ہی واپس جانے کی بعض مجبوریوں پیش آگئیں اس لیے ایک لاکھ دینار لیکر چلا گیا۔

وزیر نظام الملک مسعود بن علی بڑا صالح و متقی اور حسن سیرت میں یگانہ روزگار شافعی مذہب تھا۔ پہلے شہر مرو میں صرف حنفی مذہب کی ایک عظیم الشان مسجد تھی جسے جامع حنفیہ کہتے تھے۔ وزیر نظام الملک نے ایک شافعی مسجد بھی تعمیر کرائی۔ وزیر ممدوح نے خوارزم میں بھی ایک

جامع مسجد اور شاندار مدرسہ تعمیر کرایا۔ جس کے ساتھ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی وقف کیا۔ خوارزم شاہ کے حملہ کے چار سال بعد یعنی 600ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علاء الدین محمد بن ابوالعلیٰ کو جو بلاد غوریہ کا حاکم تھا باطنیوں کے تمس نسس کا حکم دیا۔ علاء الدین نے باطنیوں کے شر قائن پر تاخت کی اور شر کو محاصرہ میں لے لیا۔ محصورین کی حالت دن بدن مخدوش ہونے لگی۔ لیکن جب علاء الدین نے سلطان شہاب الدین غوری کے انتقال کی خبر سنی تو ساٹھ ہزار دینار لے کر صلح کر لی۔ یہاں سے محاصرہ اٹھا کر باطنیہ کے قلعہ کا خاک پر جا پڑا اور اس کو فتح کر کے بہت سامان غنیمت اور باطنی قیدیوں کے ساتھ مراجعت کی۔ یاد رہے کہ یہ سلطان شہاب الدین وہی شہاب الدین محمد غوری ہے جس نے 1193ء میں راجہ پر تھی راج والی دہلی و جیمیر کو شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کی تھی۔ رحمہ اللہ۔

اتیغش اور سلطان جلال الدین کے ہاتھوں باطنی ملاحدہ کی سرکوبی

جب سلاطین آل سلجوق کے نظام حکومت میں اختلال رونما ہوا اتیغش نے رے اور ہمدان میں چتر حکومت سر پر رکھا تو اس نے سب سے پہلے عمان عزیمت باطنی ملاحدہ کی سرکوبی کی طرف معطوف فرمائی۔ چنانچہ 602ھ میں باطنیوں کے ان قلعوں پر جو رے کے قریب مجاورہ میں تھے لشکر کشی کی۔ بے شمار ملاحدہ کو قتل اور قید کیا۔ اور پانچ قلعوں کو بزدور تیغ فتح کر کے قلعہ الموت کا قصد کیا۔ مگر اتفاق سے ایسے عواقب و مواعج کھلے ہوئے کہ جن کی وجہ سے قلعہ مذکور مخزنہ ہو سکا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین بن علاء الدین خوارزم شاہ نے ہندوستان سے واپس جا کر 664ھ میں باطنیوں پر فوج کشی کی اور جس طرح اس گمراہ فرقہ نے امرائے اسلام کی جان لی تھی اسی طرح اس نے بھی اس فرقہ کے سرداروں کو خوب تہ تیغ کیا اور ان کے شہروں اور قلعوں کو تاخت و تاراج کیا۔ قلعہ الموت کے قریب و جو ار کے قلعے اور نیز وہ باطنی قلاع جو خراسان میں جلال الدین کے پیہم حملوں سے تباہ و ویران ہو کر کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔ جس زمانہ سے تاتاریوں نے حملہ کیا تھا انہی ایام سے فرقہ باطنیہ نے بلاد اسلامیہ کی طرف قدم بڑھائے تھے مگر جلال الدین ان کی سرکوبی کے لیے غیب سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کے پیہم حملوں نے باطنیوں کی مکاحقہ گوشالی کردی اور جسم اسلام کے اس تکلیف دہ ناسور کا قرار واقعی مدوا ہوا گیا۔

5۔ جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث

حسن ثانی بڑا عیاش اور فاسق حکمران تھا۔ اس لیے اس کے بیٹے جلال الدین محمد ثانی نے اس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا اور 605ھ میں خود قلعہ الموت میں تخت نشین ہوا۔ اس حکمران نے

مسند حکومت سنبھالتے ہی باطنی فرقہ کے بجائے اہل سنت و جماعت کی پیروی اختیار کی۔ اسی بنا پر یہ تاریخ میں جلال الدین نو مسلم کے نام سے مشہور ہے لیکن مورخ کا بیان ہے کہ جلال الدین اوائل ہی سے فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا۔ اور باپ کی بد اعتدالیوں ہی نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایک لاندہب اور فاسد العقیدہ حکمران کے وجود سے پاک کرے۔ اس نے تخت حکومت پر بیٹھے ہی اپنے سنی لاندہب ہونے کا اعلان کیا اور علمائے اہل سنت کو قلعہ الموت میں مدعو کر کے ان کی خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اس کے عہد حکومت میں مسجدیں آباد ہوئیں۔ تلاوت کا رواج ہوا۔ تعلیم قرآن کے لیے مدارس و مکاتب جاری ہوئے۔ جلال الدین نے اپنے ہم عصر سلاطین کے پاس اطمینان بھیج کر اطلاع دی کہ میں باطنی طریقہ اور اسماعیلی مسلک سے ہیز لہو لور شریعت اسلام کا سچا پیرو ہوں اور اسی مسلک حق کو سلطنت میں رائج کر رہا ہوں کہ حضور سید عالم ﷺ نے جس کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ بعض علمائے قزوین نے کہا کہ شاید یہ شخص اس اعلان سے مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہو۔ جب جلال الدین کو اس کا علم ہوا تو اس نے علمائے قزوین کو قلعہ میں بلوایا اور مجمع عام میں حسن بن صباح کی تمام کتابیں جن میں کفر و زندقہ بھرا ہوا تھا جمع کر کے آگ میں جلوادیں اور خدا پرست حکمران جس طرح خود نماز اور دوسرے ارکان اسلام کا پابند تھا اسی طرح دوسروں کو بھی پابند بنانے میں کوشاں رہا۔ اس نے اپنی والدہ کو سمجھا بھھا کر مسلمان کیا اور والدہ اور بیوی کو اپنے قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہ نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم شاہ خوارزم زبردست بادشاہ کے جھنڈے سے بھی آگے کر دیا۔ یہ قافلہ جس قلمرو سے بھی گذر تا وہاں کے حکمران بڑے جوش سے اس کا خیر مقدم کرتے۔ اس کے بعد خود جلال الدین نے اسلامی بلاد و امصار کی سیاحت کی۔ ڈیڑھ سال کی موت سیر و سیاحت کی نذر کر دی۔ دوران سفر جس ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی اس کی اسلام پرستی اور دینداری پر دنیائے اسلام کو توبہ کی خوشی ہوئی لیکن باطنی لوگ دشمن ہو گئے۔ تاہم گیارہ سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کرتا رہا۔ 616ھ میں اسے دارالجمان میں بھجوا دیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ ووسعۃ جلال الدین کا عہد حکومت عالم اسلام کے لیے پیام امن تھا چنانچہ اس کے گیارہ سالہ ایام حکمرانی میں کوئی مسلمان کسی باطنی کے ہاتھ سے نذرا جمل نہیں ہوا۔

6۔ علاء الدین محمد ثالث

علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث ہجر نو سال حکمران ہوا۔ ایک دفعہ اپنی حکومت کے اہم دور میں بیمار ہوا۔ کسی نا تجربہ کار طبیب نے فصد تجویز کی۔ فصد میں اتنا خون لے لیا گیا کہ علاء الدین کو بالبو لیا کی بیماری عارض ہوئی۔ اس بنا پر لہو و لعب اور بے فکریوں میں پڑ گیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مہمات سلطنت کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر لاتا تو فوراً خاک ہلاک پر ڈال دیا جاتا۔ اس وجہ سے عنان حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں تھی۔ عمائد سلطنت نے جلال الدین مرحوم کے انتقال کے بعد شریعت اسلامی کی جگہ از سر نو باطنی آئین و رسوم جاری کئے۔ سلطان جلال الدین بن خوارزم شاہ کے ایک امیر کبیر کو شہید کر دیا۔ سلطان جلال الدین نے اس امیر کو شہر کجہ اور اس کے مضافات کی حکومت بخش رکھی تھی۔ یہ امیر حسن سیرت اور نیک کرداری میں سرآمد روزگار تھا۔ سلطان جلال الدین کو ہمیشہ بدعت اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کیا کرتا۔ سلطان جلال الدین کو اس کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور اس کا بدلہ لینے کے لیے علاقہ گردکوه پر جا چڑھا جو خراسان میں باطنیوں کا مرکزی علاقہ تھا۔ سلطان نے وہاں پہنچ کر ہزاروں باطنیوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے بلاد کی اینٹ سے اینٹ جادی اور بے شمار باطنی عورتوں اور مردوں کو قید کر کے مرجعت کی۔ علاء الدین تقریباً پینتیس سال تک برسر حکومت رہا۔ آخر 652ھ میں اس کے ایک خادم حسن ماژندرانی نے اس کو قتل کر دیا۔

7۔ رکن الدین خورشاہ

رکن الدین خورشاہ باپ کی ہلاکت کے بعد 652ھ میں حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں باطنی اقتدار نے آنغوش مادر میں منہ چھپایا اور بغداد کی عباسی خلافت کا آفتاب اقبال بھی غروب ہوا۔ ان ایام میں بغداد اور الموت دونوں جگہ کی وزارتیں شیعہ وزیروں کے ہاتھ میں تھیں۔ خلافت آل عباس کی وزارت اب علمگی کو مفوض تھی اور قلعہ الموت کا قلعہ ان خواجہ نصیر الدین طوسی کے ہاتھ میں تھا۔ ان دونوں حکومتوں کا خود ان کے وزیروں ہی کی سازشوں سے خاتمہ ہوا۔ پور خورشاہ کے سر پر حکومت پر بیٹھے قریباً بیڑھ سال ہی گذرا تھا کہ 654ھ میں تاتاری افواج کا مذی دل قلعہ الموت پر چڑھ دوزا۔ ان دنوں تاتاریوں کا بادشاہ منقو خاں تھا۔ منقو خاں نے اپنے بھائی بلاو خاں کو فوج گران کے ساتھ باطنیوں کی پامالی کے لیے روانہ کیا۔ ہلاکو خاں نے اگر قلعہ الموت فتح کیا اور رکن الدین خورشاہ شیخ الجبل کو گرفتار کر کے منقو خاں کے پاس بھیجا دیا۔ رکن دین کسی شخص نے

اس کو قتل کر ڈالا۔ تاتاریوں نے قلعہ کے تمام ذخائر جو ابن صباح کے زمانہ سے جمع تھے پر قبضہ کر لیا۔ الغرض تاتاریوں نے باطنیہ کی ایرانی حکومت کا ایک سو آہتر سال کے بعد خاتمہ کر دیا اور ان کے اس معرکہ میں بارہ ہزار باطنی قتل ہوئے۔ اسی طرح حشام اور مصر میں سلطان ملک الفاہر نے باطنیوں کا قلع قمع کر دیا۔ 54۔ اور خدا کا ملک کا رہند فدائیوں کی شراٹگیزیوں سے مامون ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جوں کے امام بزہائی نیس سر آغا خاں بالقایہ اسی رکن الدین خورشاہ کی اولاد سے خورشاہ کی اولاد سے ہیں۔

رشید الدین ابو الحشتر سنان

محمد ثانی بن حسن ثانی باطنی کے عمد حکومت میں شام کے اسماعیلیوں نے الموت سے قطع تعلق کر کے رشید الدین ابو الحشتر کو جو سنان کے لقب سے مشہور تھا اپنا سر دار بنا لیا تھا۔ سنان نے خود نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک الہامی کتاب معتقدین کے سامنے پیش کی۔ یہ شخص اپنے آپ کو ایک اوتار اور مظہر ایزدی بتاتا تھا۔ باطنی لوگ اس کے بڑے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی فرمانروا شاہ امور کے پاس بھیجا۔ لیکن وہاں ایسی افواہیں پھیل رہی تھیں کہ سفیر متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سنان نے قاتل کی حواگی کا مطالبہ کیا لیکن اس کو انکار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شام کے باطنیوں اور فلسطین کے عیسائی حکمرانوں میں جھگڑی۔ اس سے پیشتر باطنی لوگ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب عیسائیوں کے بھی دشمن ہو گئے اور فدائیوں کی چھریاں ان پر تیز ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں فرانس کا ایک بادشاہ کنراڈ نام ایک فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا۔ اسی طرح یورپ کا ایک نامی گرامی فرمانروا جبکہ شمالی اٹلی کے شہر میلان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ ایک فدائی کی چھری سے مارا گیا۔ کنراڈ کی ہلاکت کے بعد کاؤنٹ شامین فلسطین کے سفر کو گیا اور اثنائے راہ میں شہر مصیات میں سنان کا مہمان ہوا۔ سنان نے اسے دس اور برج دکھائے۔ ایک برج جو سب سے بڑا تھا اس کے ہر زینہ پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے قربانی کے تذکرہ پر سنان نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہمارے جیسے اطاعت شعار دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں۔ یہ کہہ کر سنان نے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا اور جھٹ برج کے ایک زینہ پر اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے ساتھ ہی دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے کی طرف کود پڑے اور زمین پر گرتے ہی پاش پاش ہو گئے۔ یہ عبرتاک تماشہ دکھا کر سنان بولا کچھ انہی پر منحصر نہیں۔ یہ جتنے سپاہی سفید لباس میں کھڑے ہیں اشارہ کروں تو سب کے سب گر کر جائیں دے دیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر نصرانی حکمران انگشت بدندان رہ گیا اور کہنے لگا مجھ پہ کیا موقوف ہے واقعی دنیا کے کسی تاجدار کو ایسی جانناز ر عیا نصیب نہ ہوگی۔ جب کاؤنٹ شامین مصیات سے رخصت ہونے لگا تو سنان اس سے کہنے لگا کہ اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو ہوتا دیجئے۔ میرے عقیداتی بہت جلد اس کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ یہ فدائی سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس رحمۃ اللہ علیہ کی جان ستانی میں بہت کوشاں رہے۔ لیکن خدائے عزیز و برتر نے انہیں کبھی کامیاب نہ ہونے دیا۔ ملک شام میں سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے باطنیوں کی قوت کو

بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اس لیے ان کے نزدیک سلطان ان کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ایک مرتبہ فدائی خنجر باندھ کر سلطان کی جان لینے کو روانہ ہوئے۔ شہر حلب کے باہر جب کہ سلطان اپنے کھپ میں قیام فرماتا کیے بعد دیگرے چار فدائی خنجر لے لے کر جھپٹے لیکن حق تعالیٰ نے ان کو اس ناپاک کوشش میں نامر اور رکھا۔ بعض تو ایک مرتبہ بالکل سلطان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن سلطان نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ بہر حال یہ سلطان صلاح الدین کی کرامت سمجھنی چاہیے ورنہ یہ خونخوار فدائی جس کے پیچھے پڑتے جان لئے بغیر چین نہ لیتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کو فرنگیوں کی جنگ سے فرصت نہ تھی تاہم جب سیاہ دل باطنیوں نے اس کی جان لینے کی کوشش کی تو سلطان نے فرنگیوں کی طرف سے عنان توجہ پھیر کر باطنیوں کی سرکوفی کا قصد فرمایا۔ چنانچہ جاتے ہی باطنیوں کے شہروں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ جھادی۔ اس کے بعد قتل و غارت کر تالور ان کی آلبیوں کو خاک سیاہ کر تا مصیبت پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ مصیبت الموت کے بعد باطنیوں کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ سلطان نے محاصرہ کر کے منجیقین نصب کر دیں۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور محصورین کی حالت زیادہ ابتر ہونے لگی تو ستان نے سلطان صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین حارمی والہی حماۃ کے پاس پیغام بھیجا کہ ازراہ کرم تم سلطان کے پاس ہماری شفاعت کرو۔ اور بیچ بچاؤ کر کے محاصرہ اٹھوادو۔ حارمی نے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ بے التفاتی پر باطنی قاصد نے حارمی کو قتل کی دھمکی دی اور بولا ہمارا سردار ستان کتا ہے کہ اگر سلطان صلاح الدین ہماری ایذا رسانی سے باز نہ آیا تو جس طرح بن پڑا ہم اس کے ماموں کی جان لے لیں گے۔ حارمی ان فقروں میں آگیا اور سلطان صلاح الدین کو پیغام بھیجا کہ خدا کے لیے تم ان کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ میری جان کی خیر نہیں۔ ماموں کی منت سماجت پر سلطان کا دل نرم ہو گیا اور محاصرہ اٹھا کر مصر چلا گیا۔ 55۔

محمد بن عبد اللہ بن تو مرت حسنی

فصل 1۔ مسئلہ ظہور مہدی علیہ السلام

محمد بن تو مرت مہدی موعود ہونے کا مدعی تھا۔ چونکہ بعض لوگ ظہور مہدی علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں اس لیے یہاں اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ امام محمد بن عبد اللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام کا ظہور اوائل اسلام سے آج تک ایک مسلم الثبوت مسئلہ چلا آتا ہے اور علمائے اسلام آئمہ و مجتہدین اور محدثین مہتدین میں سے کسی نے ان کے عقیدہ قدوم کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ محمد بن حسن اسنوی کتاب مناقب شافعی میں لکھتے ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور اور آپ کے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کی اولاد ہونے کے متعلق حضرت خیر البشر ﷺ سے جو حدیثیں مروی ہیں وہ درجہ تو اترا تک پہنچتی ہیں اور رسالہ توضیح میں لکھا ہے کہ قاضی محمد بن علی شوکانی سے بعض علماء نے دریافت کیا کہ وہ حدیثیں جو ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں متواتر ہیں یا نہیں؟ قاضی شوکانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت مہدی کی حدیثیں بلا شک و شبہ متواتر ہیں کیونکہ جہاں تک تتبع و تلاش کو دخل ہے۔ ان کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے بلکہ اصطلاحات مجردة فی الاصول کے بموجب اس سے کم تعداد کے لیے بھی تواتر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان پچاس حدیثوں میں صحیح، حسن ضعیف ہر قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ آثار صحابہؓ بھی جن میں ظہور مہدی آخر الزمان کی تصریح ہے کثیر التعداد ہیں یہ لکھ کر قاضی شوکانی نے ایک ایک اثر کو گنویا ہے اور ان کی تعداد اٹھائیس تک پہنچا کر لکھا ہے کہ یہ آثار بھی احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں کیونکہ واقعات مستقبل کے متعلق اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ 56۔

غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے حق میں جو احادیث وارد ہیں وہ باوجود اختلاف روایات جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اخیر زمانہ میں یقیناً اہل بیت نبوت میں سے ایک جلیل القدر ہستی ظاہر ہوگی۔ جس کا نام نامی محمد بن عبد اللہ ہوگا۔ وہ ملت اسلام کی تائید کریں گے۔ تخت عدل و انصاف پر بیٹھیں گے۔ ممالک اسلامیہ پر انہیں غلبہ حاصل ہوگا۔ اور روئے زمین کے مسلمان ان کی متابعت کریں گے۔ البتہ امن خلدون مورخ نے احادیث مہدی میں کلام کیا ہے اور بہت سے علماء نے ان کا جواب دیا ہے اور گوانن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں ظہور امام سے انکار نہیں کیا تاہم ان کے طرز انتقاد سے ان کا مسلک نمایاں صورت میں واضح ہے لیکن

دیکھنا یہ ہے کہ لن خلدون کا افکار اس مسئلہ کے صحیح یا غلط ہونے پر اثر انداز ہے یا نہیں؟ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر فن اپنی عت و نظر کے لیے ایک خاص جماعت رکھتا ہے اور ہر عالم و مصنف کی علمی حیثیت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے۔ اور اس سے باہر اس کی وہ حیثیت نہیں رہتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ محدث و فقیہ تھے لیکن مورخ نہ تھے۔ پس کسی تاریخی مسئلہ میں ان کا قول بمقابلہ مسوزوں نہ ہوگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ و کلام کے ماہر، شریعت طاہرہ کے رازدان، تصوف و سلوک کے بہترین عارف لیکن محدث نہ تھے۔ اس لیے محدثین اور ارباب نقد کے مقابلہ میں ان کا کوئی پایہ نہیں۔ پس فن تاریخ کی بحث ہو تو عارف لیکن کی سند لائیے۔ ادب کے مسائل میں آئمہ ادب کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر کوئی مسئلہ علم حدیث سے متعلق ہو تو اس کا مورخ کے لیے آئمہ حدیث کا منت کش ہونا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسئلہ توحید کا ہو اور اس کے لیے فلسفہ کے اقوال تلاش کئے جائیں یا بحث تو منطق و فلسفہ کی ہو اور آپ اس کے لیے امام بخاری و مسلم کی سند تلاش کرتے پھریں۔ لوگ اس نکتہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور پھر سخت مملک غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان خلدون انشاء و ادب کی جائے تاریخ نویسی میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر آپ بزم تاریخ میں داخل ہوں گے تو وہ آپ کو ہزار ہا شکر کائے مجلس میں صدر نشین نظر آئیں گے لیکن باوجود اس کمال فن کے انہیں علم حدیث در جہاں میں کچھ بھی درجہ امتیاز حاصل نہیں چنانچہ امام سخاویؒ ”الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع“ میں ترجمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ (ابن خلدون علوم شریعت میں مہارت نہ رکھتے تھے)

ظہور ممدی علیہ السلام کا مسئلہ آغاز اسلام سے متواتر چلا آتا ہے۔ تو اب یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر قول و فعل جو کافہ اہل اسلام اور اجماع سلف کے خلاف ہو وہ ناقابل التفات ہے۔ ابن خلدون نے ظہور ممدی علیہ السلام کے متعلق چند احادیث نقل کر کے ان میں سے اکثر حدیثوں کے راویوں پر بعض شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ایسے شبہات تو بخاری و مسلم کے بعض رواۃ پر بھی پیدا ہوتے ہیں تو خود ہی اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شیخین کے رجال پر ایسے جروح و شبہات مضر نہیں کیونکہ ان کی حدیثوں کو قبول عام حاصل ہے۔ اس بیان سے مورخ کا ایک مسلمہ اور کلیہ قاعدہ یہ نکل آیا کہ اجماعیات میں راویوں کا مجروح ہونا مضر نہیں۔ جس طرح بخاری و مسلم کی حدیثیں اجماعی ہیں اسی طرح ظہور ممدی علیہ السلام کا عقیدہ بھی اجماعی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پس احادیث ممدی پر جروح و شکوک ہرگز مضر نہیں۔ اور جروح بھی ایسے جو محض ظنی و اختلافی ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کوئی حدیث بھی جرح سے نہ بچ سکے لیکن حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کے بارہ میں جو احادیث وارد ہیں ان میں کئی ایک ایسی بھی ہیں جن پر لن خلدون باوجود کوشش و جستجو کے کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ وہی

کما رایت لم یخلص منها منال نقد الا القلیل (حضرت ممدی علیہ السلام کے بارے
 می ایسی حدیثیں قلیل ہیں جو تنقید سے بچ سکی ہوں) گو اس ادعائے قلت سے اتفاق نہیں کیا
 جاسکتا۔ تاہم ابن خلدون کے ان الفاظ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی اور انہوں نے خود اس کا
 اعتراف کر لیا کہ بعض حدیثیں اس پایہ کی بھی ہیں جو جرح کی کسی طرح متحمل نہیں۔ رہا رئیس قادیان
 مرزا غلام احمد صاحب کا یہ بیان کہ صحیحین میں حضرت ممدی کے نام کی تصریح نہیں اس لیے
 حضرت ممدی کا ظہور ایک ظنی چیز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور ممدی علیہ السلام کی خبر بخاری
 اور مسلم سے پیشتر صحابہ میں شائع ہو چکی تھی اور قدامت حضرت رسول اکرم ﷺ کی اس
 پیشین گوئی پر بھی ایسا ہی ایمان و اعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ دوسرے معتقدات ایمانیہ پر۔ اس سے
 ثابت ہوا کہ اگر بالفرض بخاری و مسلم احادیث ممدی سے بالکل سکوت اختیار کرتے تو بھی کچھ
 مضائقہ نہ تھا۔ حالانکہ ظہور ممدی علیہ السلام کی روایتیں بخاری مسلم میں بھی موجود ہیں اور گونا
 گم سے سکتے ہیں لیکن ان میں خلیفہ آخر الزمان کے صفات مذکور ہیں کہ وہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے
 عہد میں ظاہر ہوں گے۔ اور جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں ان کا اقتدار ینگے اور نام
 کا مذکور نہ ہونا تو کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کے لیے ظہور امام سے انکار کیا جائے۔ اور شک و شبہ کی
 گنجائش ہو۔ کیونکہ نام تو کسی ضعیف اور غیر مرفوع روایت سے بھی معلوم ہو جاتا تو کافی تھا لیکن بلا وجود
 اس کے خود احادیث صحیحہ میں جو ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کی ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن
 عبدالنذر مصرح موجود ہے۔ غرض نام تو کہیں بھی مذکور نہ ہوتا تو بھی یہ عقیدہ اسی طرح مسلم
 الثبوت اور یقینی تھا۔ جس طرح اب نام کی تصریح کے ساتھ ہے۔ دیکھو جناب یوسف صدیق علیہ
 السلام کے جمال جہاں آراء کی قوت جہانگیری نے زلیخا کو کس طرح مغلوب و مقهور کیا تھا۔ اس
 داستان عشق و محبت کو وہ غیر معمولی شہرت و نمود حاصل ہے کہ قرآن حکیم جیسی روحانی و آسمانی
 کتاب بھی اس کے تذکرہ سے خالی نہیں۔ برہان مقدس میں عاشقہ خستہ جگر کو مرآۃ العزیز (عزیز کی
 بیوی) کے یاد کیا گیا ہے۔ زلیخا یا اعیلانام نہیں بتایا۔ کیا قرآن کی اس عدم تصریح کی وجہ سے
 زلیخا کے وجود سے انکار کر دو گے؟

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا رسالہ ”مؤثرۃ الظنون عن مقدمۃ ابن
 خلدون“ ایک نہایت پیش بہا تصنیف ہے جس میں ابن خلدون کے ہر استدلال کا باجس وجوہ بطلان
 ثابت کیا ہے۔ مولانا ممدوح اس رسالہ میں لکھتے ہیں۔ ”محمد ثین کا اس بات پر تفاق ہے کہ اگر کوئی
 امر متن یا سند میں مبہم ہو اور دوسری حدیث میں کوئی مفسر موجود ہو اور قرآن قویہ ہے۔
 دونوں حدیثوں کا متحد اور مترادف ہونا ثابت ہوتا ہو تو مبہم کو مفسر پر محمول کریں گے۔ پس ایسی

حالت میں کہ صحیحین کی احادیث میں امام کے صفات تو موجود ہیں نام مذکور نہیں تو غیر صحیحین کی حدیثوں سے جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے صفات کے ساتھ آپ کے نام کی بھی تصریح ہے نام کا بھی علم و یقین ہو جائے گا اور صحیحین اور غیر صحیحین کی حدیثیں ایک دوسری کا عین سمجھی جائیں گی۔ علاوہ بریں محدثین کرام کا ان مجسم حدیثوں کو باب المہدی میں ذکر کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بخاری و مسلم کی احادیث غیر مصرحہ باسم المہدی حضرت مہدی علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ خود لکن خلدون نے کسی محدث کا قول بھی نقل کیا ہے۔ وقد یقال ان حدیث الترمذی وقع تفسیراً لمارواه مسلم فی صحیحہ

مہدی علیہ السلام کے علامات مختصہ

مہدی علیہ السلام کے بھی علامات مختصہ ہیں جن کے ذریعہ سے وہ بھولے مہدیوں سے مبرا ہیں۔ احادیث صحیحہ کی رو سے سچے مہدی علیہ السلام کی جو علامتیں اور خصوصیتیں ثابت ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

- 1- ان کا اسم گرامی محمد اور ان کے والد محترم کا نام نامی عبد اللہ ہوگا۔
- 2- خاندان نبوت کے چشمہ چراغ ہوں گے یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔
- 3- عرب کے حکمران ہوں گے۔
- 4- ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہوگا۔ مسجد الحرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی جائے گی۔
- 5- بسیط ارض کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔
- 6- سات سال تک مندر آرائے خلافت رہیں گے۔
- 7- ان کے عہد مبارک میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور سطوت اسلام تمہائے عروج کو پہنچ جائے گی۔
- 8- داؤد ہش میں بے مثل اور یکتا ہوں گے۔ گنتی کئے بغیر مال و زر تقسیم کریں گے۔
- 9- ان کے آخری ایام دولت میں مال و زر کی اتنی فراوانی ہوگی کہ کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا بھی نہ ملے گا۔
- 10- شہر قسطنطنیہ کو جو اس سے پیشتر نصاریٰ کے عمل و دخل میں چلا گیا ہوگا۔ نصاریٰ سے واپس لیں گے۔
- 11- یورپ کی مسیحی طاقتوں کے خلاف ان کی بہت سی لڑائیاں ہوں گی جن میں وہ مظفر و منصور رہیں گے۔

12- حضرت مسیح بن مریم (علیہا السلام) بعد از نزول ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

فصل 2- دعوائے مہدویت اور استعماری سرگرمیاں

محمد بن عبداللہ بن تومرت 485ھ میں سو س میں پیدا ہوا۔ جو بلاد مغرب کا ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد و احفاد میں سے تھا۔ عالم و فاضل فصیح و بلیغ اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ عبادت الہی میں راغب اور تقشف انقطاع میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ زہد و تبخل کا یہ عالم تھا کہ ہاشوکی چھڑی اور چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز اس کی ملک میں نہ تھی۔ باوجود ورع و تقویٰ کے 514ھ میں اس نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرہیزگاری و عبادت گزاروں کا مقصد ہی یہی تھا کہ حب اوج و عروج کو زہد و اتقاء کے دامن میں چھپا کر سرسبز کرے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کے علامات مختصہ میں سے جو بارہ مشہور علامتیں فصل سابق میں مذکور ہوئیں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں ان میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ بساط جرات پر قدم رکھ کر مہدی آخر الزمان بن بیٹھے اور نہایت دیدہ دلیری سے لکھ مارا کہ ”وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت تقدیر الہی میں مقرر کیا گیا ہے جس کی بعثت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم ﷺ نے دی تھی وہ میں ہی ہوں۔“

57- تو پھر ظاہر ہے کہ محمد بن عبداللہ بن تومرت جس کا نام صرف اپنا اور باپ کا نام ہی حضرت مہدی علیہ السلام اور ان کے والد محترم کے ناموں سے ملتا تھا بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کی طرح اسے بنو فاطمہ میں پیدا ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ وہ بھلا دعوائے مہدویت سے کیونکر باز رہ سکتا تھا؟ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب نے محض تنگ دستی اور مفلوکا خیالی سے مجبور ہو کر تقدس و اتقا کی دکان کھولی تھی اور اس دکان آرائی سے بجز شکم پری اور زرا اندوزی کے ابتدا کوئی بلند مقصد ان کے پیش نظر نہ تھا اور وہ چارے مدت العمر (1) خود ستائی (2) انگریزوں کی خوشامد (3) حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ و سلام کو زمرۃ اموات میں شامل کرنے میں ناکام کوشش (4) علمائے امت کے خلاف سب و شتم اور (5) خواہشات نفسانی کی تکمیل کے سوا کوئی تعمیری کام نہ کر سکے لیکن بعض جھوٹے مدعی اپنے دعویٰ کی بدولت بڑے عروج کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو گا کہ محمد بن تومرت نے دعوائے مہدویت ہی کے صدقہ سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی جو اسلامی تاریخوں میں سلطنت موحدین کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے ان تومرت کو امام ابو حامد محمد غزالی کا شاگرد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ جب امام غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد میں مسند درس و افادہ پر سعادت افروز تھے تو ان تومرت ان کے حلقہ درس میں پہنچا اور تین برس تک آپ کی خدمت میں رہا۔ لیکن

علامہ ابن اثیر نے اس بیان کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام غزالی سے اس کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔ 58۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ طابعلی کے ایام میں ابن تومرت کو علم جعفر کی ایک کتاب مل گئی جس کا اس نے نظر تعقیق سے مطالعہ کیا۔ جب اس کتاب کے متعدد احکام پر پوری طرح حادی ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سوس میں ایک شخص پیدا ہوگا جو خاندان بنو فاطمہ کا چشم و چراغ ہوگا۔ وہ داعی الی اللہ ہوگا اور اس کا مستقر ایک ایسا مقام قرار پائے گا جس کے نام میں حروف ت ی ن م ل (تمتل) ہوں گے۔ اسے ایک شخص کی رفاقت حاصل ہوگی جس کے نام میں حروف ع ب د ن و م ن (عبدالمومن) ہوں گے۔ اس اطلاع کے بعد وہ اس شہر اور اس نام کے آدمی کی تلاش میں ہمہ تن انتظام بنا رہا۔ ابن تومرت مضافات سوس میں پیدا ہوا تھا اور اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح وہی وہ شخص ہو جو سوس میں پیدا ہونے والا اور فاطمی النسل ہوگا۔

قاہرہ سے اخراج، جہاز انوں نے سمندر میں لٹکا دیا

محمد ابن تومرت نے اپنے مقاصد کی تکمیل کا راز امر معروف و نہی منکر (نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا) میں مضمر دیکھا۔ اور یہ عمل کچھ تصنع و ریا پر موقوف نہیں تھا بلکہ یہ چیز ابتداء ہی سے فطرۃ اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ابن تومرت معاصی و منکرات کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ ذرا سی غیر مشروع بات پر ارباب مودودی الاقدار اور وابستگان حکومت سے لڑ بیٹھتا۔ بڑے بڑے صاحبان جبہ وہ دوستار سے الجھ جاتا۔ اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر جبری تھا کہ نہ کسی والئی ملک کا خوف اس کو مرعوب کرتا تھا اور نہ بڑے سے بڑے فاضل کا پاس و لحاظ مانع تھا۔ حکومت مصر نے اسے اسی قسم کی آزادانہ خود سریوں کی بدولت خارج البلاد کیا۔ جہاں جاتا ملا متیں سنتا گا لیاں کھاتا۔ گرا اپنے کام سے باز نہ آتا۔ عربی میں نہایت فصیح و بلیغ تقریر کرتا تھا۔ جہاں کہیں اس کی مخالفت کا شور ہوتا تھا۔ وہاں ہزار ہا حامیاں شریعت اس کے طرفدار بھی ہو جاتے تھے۔ متاع دنیوی سے اس درجہ فارغ تھا کہ سفر میں ایک چھڑی اور ایک چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز ساتھ نہ ہوتی تھی۔ قاہرہ سے نکالا گیا تو اسکندریہ کی راہ لی۔ وہاں بھی امر و معروف و نہی منکر کے سلسلہ میں کئی واقعات پیش آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ متولی اسکندریہ نے اسے ان بلاد سے خارج کر دیا۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر مغرب کا رخ کیا۔ جہاز میں بھی احکام شرع کے نافرمانی کرنے پر لوگوں سے اکثر مار پیٹ کی نوبت آئی۔ جہاز میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو فریضہ صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ ابن تومرت نے ان سے ترک صلوٰۃ پر لڑنا شروع کیا۔ آخر جہاز انوں نے ٹک آ کر اسے سمندر میں لٹکا دیا۔ اور وہ نصف یوم تک پانی میں لٹک کر سمندر کی نیلگوں موجوں سے دوچار رہا۔ مگر قدرت الہی سے اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔ اہل جہاز نے یہ دیکھ کر ایک غلام کو پانی میں اتارا۔ وہ لنن

تو مرت کو پھر جہاز میں کھینچ لایا۔ لوگوں نے اس امر کو کرامت پر محمول کیا اور اہل جہاز کے دلوں میں اس کی عظمت و بزرگی کا سکہ جم گیا اور ایسا رعب پینھا کہ کسی کو علانیہ مخالفت کی جرأت نہ رہی۔ اور جو کچھ خفیف سی ناراضگیاں باقی رہیں وہ بھی آنا فنا ناب گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس روز یہ مہدیہ کے ساحل پر اترا ہے تو جہاز میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو نماز کا پابند نہ ہو یا کسی دن تلاوت قرآن میں ناغہ کرتا ہو۔

مہدیہ میں ورود اور شہر میں ہل چل

ان ایام میں امیر یحییٰ بن تمیم مہدیہ کا حاکم تھا۔ ان تو مرت نے ایک مسجد میں قیام کیا جو شہر کی ایک سڑک کے کنارے واقع تھی۔ اب اس نے یہ دتیرہ اختیار کیا کہ مسجد کے ایک جھروکے میں جو سڑک کی طرف تھا بیٹھ جاتا۔ گذر نیوالوں کی طرف دیکھتا رہتا اور جہاں کسی کو کسی نام شروع فعل کا مرتکب دیکھتا۔ فوراً تر کر اس سے دست و گریبان ہو جاتا۔ دو تین دن کے بعد کوچہ و بازار میں آمد و رفت شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے اندر بہتوں کی قمیصیں پھاڑ ڈالیں۔ بہتوں کے قرنا توڑے اور بے شمار تنبورے چھین چھین کر زمین پر دے مارے۔ سینکڑوں شراب کے خم لٹھائے۔ کئی ظروف چکنا چور کئے۔ غرض سارے شہر میں ایک آفت پچادی۔ ان اوالعزمیوں سے اس کی شہرت ہو گئی۔ لوگ معتقد ہونے لگے۔ عامتہ المسلمین ازراہ قدر شناسی آنکھوں پر بٹھانے لگے۔ چند ہی روز میں دھوم مچ گئی کہ ایک بڑے عالم بحر وارد مہدیہ ہوئے ہیں۔ طلبہ نے چاروں طرف سے ہجوم کیا۔ سلسلہ درس و تدریس شروع ہو گیا۔ شدہ شدہ اس کی شہرت حاکم کے کان تک پہنچی۔ اس نے دربار میں بلوایا بڑی قدر و منزلت کی اور بہت کچھ حسن عقیدت کا اظہار کر کے رخصت کیا۔ ابن تو مرت کو ایک جگہ قرار نہ تھا کیونکہ وہ تو دراصل علم جفر کے بتائے ہوئے رفیق اور شہر کا متلاشی تھا۔ غرض کچھ عرصہ کے بعد مہدیہ کو الوداع کہہ کر جہایہ میں پہنچا۔ وہاں بھی تعلیم و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور امر معروف و نہی منکر پر بڑی سختی سے کاربند ہوا۔ دن بدن جمعیت بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ حاکم جہایہ کو اس کی جمعیت نے بہت کچھ خوفزدہ کر دیا۔ ان دنوں ارباب حکومت ان لوگوں سے عموماً خوف زدہ رہتے تھے جو مرجع انام ہو جاتے تھے۔ حاکم جہایہ نے اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر مغرب کی راہ لی۔ اور ملالہ نام ایک گاؤں میں اترا۔ یہیں عبدالمومن سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جو طلب علم کے لیے مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عبدالمومن سے اس مقام پر ملا تھا جسے فزراہ کہتے ہیں۔

عبدالمومن کی شخصیت

عبدالمومن کی پیدائش موضع تاجرہ میں ہوئی جو تلمستان کے مضافات میں ساحل بحر پر

واقع ہے۔ لکن خلکان کا بیان ہے کہ عبدالمومن کا باپ علی کھار تھا جو مٹی کے برتن بنا کر ہر اوقات کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عبدالمومن ایام طفلی میں سو رہا تھا اور اس کا باپ برتن بنانے میں مصروف تھا۔ اس اثناء میں علی نے لوہر کی طرف بھٹھکا ہٹ کی آواز سنی۔ سر اٹھا کر کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ بادل کے چھوٹے سے ٹکڑے کی شکل میں شمد کی مکھیوں کا جھنڈ ٹھیک اس کے مکان کی طرف آرہا ہے۔ مکھیوں نے نیچے آکر عبدالمومن کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ وہ بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ عبدالمومن کی ماں یہ دیکھ کر چیخنے چلانے لگی۔ علی نے اس کو خاموش کیا اور کہا کچھ خطرے کی بات نہیں بلکہ میں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوں کہ یہ کیا کرشمہ قدرت ہے؟ پھر اس نے مٹی اتار کر ہاتھ دھوئے اور کپڑے پہن کر یہ دیکھنے کے لیے کھڑا ہو گیا کہ مکھیوں کی آمد کا کیا انجام ہوتا ہے؟ تھوڑی دیر میں مکھیاں اڑ گئیں اور علی نے لڑکے کو کھینچ لیا۔ وہ بالکل صحیح سالم تھا۔ اس کے بعد علی اپنے ایک ہمسایہ کے پاس جو بڑا عالم تھا گیا اور لڑکے پر مکھیوں کی آمد کا ذکر کیا۔ اس عالم نے بتایا کہ ”کسی دن تمہارا لڑکا بڑا عروج حاصل کرے گا اور جس طرح شمد کی مکھیوں نے اس کے گرد جھوم کیا ہے اسی طرح اہل مغرب اس کی اطاعت پذیری پر مجتمع ہوں گے۔“ 59۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبدالمومن بڑا ہوا تو فزارہ میں اسے تین لڑکوں کے پڑھانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ امیر المسلمین علی بن یوسف کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہے۔ عبدالمومن کا بیان ہے کہ میں علی سے زیادہ دیر تک کھاتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ میرا نفس بسیار خوری کی طمع کرتا ہے۔ چنانچہ وہ پیالہ میں نے اس کے سامنے سے اچک لیا۔ اور تمنا کھانا شروع کیا جب میدار ہو تو وہاں کے ایک مشہور عالم عبدالمعظم بن عثیر سے وہ خواب بیان کیا انہوں نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم کسی دن امیر المسلمین پر دھاوا کر کے اس کے کچھ حصہ ملک میں اس کے شریک ہو جاؤ گے۔ اور بعد میں تمام ملک کو مسخر کر کے بلا شرکت غیرے اس کے فرمانروا ہو گے۔“ جب ابن تومرت ملا لہ پہنچا تو وہاں ایک خوش جمال نوجوان کو سڑک پر جاتے دیکھا جس کے چہرے پر ذہانت و ذکاوت کے علاوہ دولت و اقبال کا ستارہ بھی چمکتا نظر آیا۔ اس نوجوان کی شکل و صورت میں کچھ ایسی دل فریبی تھی کہ محمد بن تومرت اپنے جذبات کو کسی طرح مخفی نہ رکھ سکا۔ بے اختیار اس کے قریب چلا گیا اور کہا میاں صاحبزادے! تمہارا نام کیا ہے؟ خوش جمال نوجوان نے جواب دیا۔ ”عبدالمومن“ اس نام کے سنتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا اور دل میں کہنے لگا۔ اسی درشاہوار کی تلاش میں تو مدتوں سے سرگرداں ہوں۔ لکن تومرت کو عبدالمومن کی دید سے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی اور اب اسے متوقع دولت و سلطنت کے حصول کا کامل وثوق ہو گیا۔ اب اس نے عبدالمومن سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب ملا غریب خانہ کو میہ میں

ہے۔ پھر دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اس نے بتایا کہ علم کے شوق میں بغداد وغیرہ مشرقی ممالک کو جا رہا ہوں۔ "ابن تومرت نے کہا۔ صاحبزادے! علم و فضل، دولت و ثروت سب چیزیں تمہارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ خدا نے تمہیں دین و دنیا کی دولت بخشی ہے آؤ میرے ساتھ چلو۔ عبدالمومن اس سے پیشتر خواب بھی دیکھ چکا تھا جس سے اسے یقین آگیا کہ میں کسی دن حکومت و ثروت سے ہمکنار ہوں گا۔ ابن تومرت کی باتوں کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے سننے لگا۔ ابن تومرت نے عبدالمومن کو یقین دلایا کہ وہ عنقریب بہت بڑا بادشاہ ہونے والا ہے۔ الغرض عبدالمومن نے اپنی تقدیر اس سے وابستہ کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔

بادشاہ کو ابن تومرت کے قتل کر دینے کا مشورہ

کچھ دنوں تک مالانہ میں تعلیم و تدریس اور دعوت الی الخیر کا سلسلہ جاری رہا۔ ان دنوں کئی آدمی اس کے مرید ہوئے۔ اب اس نے مراکش کا قصد کیا۔ یہی وہ سلطنت تھی جس کو شکار بنانے کا عزم تھا۔ کیونکہ ان دنوں سرزمین مغرب میں اس سے بڑھ کر کوئی پر شکوہ سلطنت نہ تھی۔ حتیٰ کہ اس عہد کے فرماں روا یاں اسپین بھی مراکش کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ محمد بن تومرت اپنے رفقاء سمیت تلمسان میں جو اس زمانہ میں مراکش کا دارالسلطنت تھا۔ یہاں اپنی عادت کے موافق شہر سے باہر ایک مسجد میں قیام کیا جس کو مسجد کہتے تھے اور اپنی عادت کے بموجب علماء و فضلاء اور حکومت کے عہدہ داروں پر شرعی نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی وعظ میں بادشاہ ابو الحسن علی بن یوسف بن تاشقین پر بھی جو نہایت نیک نفس تاجدار تھا۔ لعن و طعن کا دروازہ کھول دیا۔ یہ بادشاہ نہایت صالح، خدا ترس، قائم اللیل اور صائم التمد تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی کثرت عبادت اسے مہمات سلطنت کے سرانجام دینے کی ہی مہلت نہ دیتی تھی۔ اسی بنا پر کچھ دنوں سے نظام حکومت میں کسی قدر اختلال پیدا ہو گیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کی سرگرمیاں اور اس کے اقوال و مزعموات مالک ابن وہیب اندلسی وزیر اعظم کے گوش گزار ہوئے تو اپنے جودت طبع سے ابن تومرت کے دلی ارادوں کا حال معلوم کر لیا اور امیر المسلمین کو اس کے قتل کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ شخص خمیر مایہ فساد معلوم ہوتا ہے اس کے مکر و فریب سے بے خوف نہ رہنا چاہیے۔ مگر خدا ترس بادشاہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ پھر روزیہا تدبیر نے بادشاہ سے کہا کہ اچھا اگر آپ اس شخص کے قتل پر رضامند نہیں ہیں تو اس شخص کو مدت العمر نظر بند رکھا جائے۔ ورنہ یقین ہے کہ یہ شخص بہت جلد سلطنت میں انقلاب کر دے گا۔ بادشاہ نے کہا ہم کسی شخص کو اس وقت تک نعت آزادی سے کیونکر محروم کر سکتے ہیں جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو؟ اس کے بعد جمعہ کا دن آیا تو محمد بن تومرت مع اپنے مریدوں کے مسجد جامع میں پہنچا۔ اس کے مرید تو ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ مگر خود

خاص اس جگہ پر جا کے کھڑا ہوا جو بادشاہ کے لیے مخصوص تھی۔ وہ عمدہ دار جس کے ہاتھ میں مسجد کا انتظام تھا۔ نون تو مرت کے پاس جا کر کہنے لگا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ جگہ صرف شاہ اسلام کے لیے مخصوص ہے؟ اس پر نون تو مرت نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ان المساجد للہ (مسجدیں صرف اللہ کی ہیں) حاضرین اس جسدات پر انگشت بدندان رہ گئے۔ اب تو نون تو مرت نے وگوں کی طرف رخ کر کے ایک پر جوش تقریر شروع کر دی جس میں نامشروع باتوں کی خوب تردید کی۔ یہ تقریر بوسی رسی تھی کہ بادشاہ آگیا اور لوگ حسب معمول آداب شائی بجا لے گئے۔ یہ دیکھ کر محمد بن تو مرت بلا شاہ کی جگہ پر جہاں کھڑا تھا بیٹھ گیا۔ بادشاہ نہایت عادل اور نیک نفس تھا۔ اس نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی اور دوسری جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔ نماز کے اختتام پر جیسے ہی امام نے سلام پھیرا نون تو مرت کھڑا ہوا اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا۔ ”اے بادشاہ! یہ خلیفہ جو مقہوم ہو رہے ہیں۔ ان کی خبر لے۔ مانا کہ ان کی آواز تیرے کان تک نہیں پہنچی۔ مگر فرداے قیامت کو اس اعلم الی کمین کے سامنے تجھے رعایا کے متعلق ہر قسم کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور تو یہ کہہ کر ہرگز نہ چھوٹ سکے گا کہ مجھے خبر نہ تھی۔ تو غریبوں اور بے کسوں کی جان و مال کا ہر طرح سے ذمہ دار ہے۔ بادشاہ نے اس کی تقریر سے خیال کیا کہ شاید کوئی عالم ہے اور کچھ حاجت رکھتا ہے۔ اس بنا پر جاتے وقت حکم دیا کہ اس عالم سے دریافت کرو۔ اگر کوئی غرض ہو تو پوری کی جائے۔ مقروض ہے تو قرض ادا کیا جائے۔ نادار ہے تو بیت المال سے امداد کی جائے۔“ بادشاہ کو اس وقت تک معلوم نہیں تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے قتل کرنے کا وزیر نے مشورہ دیا تھا۔ جب محمد بن تو مرت کو بادشاہ کے اس حکم کی اطلاع ملی تو کہنے لگا کہ بادشاہ کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میری غرض دنیا سے دنی نہیں۔ میرا نصب العین تو مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی خدمت ہے۔“

شاہزادی اور اس کی لونڈیوں کو زد و کوب

ان ایام میں مراکش میں شاہزادیاں بہت کم پردے کی پابند تھیں۔ اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ اسپین کے نصاریٰ کا مسلمانان مراکش کے ساتھ بھڑت اخلاط اور ہتاکہا لیکن کتاب الدعاء میں اس چہرہ کشائی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں وہاں یہ دستور تھا کہ مرد چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے اور عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں۔ گو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ بہر حال ایک دن بادشاہ علی بن یوسف کی بہن اپنی لونڈیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار بے نقاب شہر کی کسی سڑک پر سے گزری۔ محمد بن تو مرت کی غیرت بھلا اس بے جاہلی کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی۔ اپنے مریدوں کے جھرمٹ میں سے نکل کر عورتوں کے غول پر باز کی طرح چھبنا اور اکثر لونڈیوں کو مار پیٹ کر زخمی کر دیا۔ مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمان عورتیں اور یوں بے پردہ سیر کرتی پھریں

ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ خود شاہزادی کے گھوڑے پر اتنے ڈنڈے پڑے کہ وہ بہت زیادہ بھڑکا اور شاہزادی اس کی پیٹھ پر سے گر کر زخمی ہو گئی۔ اب تو مرت تو ان کو مار پیٹ کے چل دیا اور لوگ مجرد شاہزادی کو اٹھا کر محل سرائے شاہی میں لے گئے۔ یہ خبر علی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ ان تو مرت کی جرات و دلیری پر عیش عیش کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ان تو مرت کی ان ستیزہ کاریوں کا علم ہوا تو اسے دربار میں بلا بھیجا اور کہا صاحب! آپ نے یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے؟ ان تو مرت نے کہا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں۔ آخرت کا طلب گار ہوں۔ امر معروف اور نہی منکر میرا مشغلہ ہے۔ اے بادشاہ! امر معروف اور نہی منکر کیوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن آپ اس کے سب سے زیادہ مامور ہیں۔ کیونکہ کل قیامت کے دن آپ سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہوگی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی مملکت میں بدعات و منکرات کا شیوع ہے اس لیے آپ پر فرض ہے کہ احیاء سنت کریں اور بدعت کو مٹادیں۔ چنانچہ خود خداوند عالم نے تارکین امر معروف و نہی منکر کے حق میں فرمایا ہے۔ (ترجمہ) اس برائی سے جس کے وہ مرتکب ہوتے تھے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ فعل بہت بر تھا۔

بادشاہ ان کلمات سے بڑا متاثر ہوا اور حکم دیا کہ تمام سربر آوردہ فقہاء اور اصحاب حدیث جمع کئے جائیں جب علمائے دربار جمع ہوئے تو کہا کہ اس سے میرے سامنے مناظرہ ہروتا کہ معنوم ہو کہ ان ہنگامہ خیزیوں سے اس کی کیا غرض ہے؟ محمد بن تو مرت دوبارہ دربار شاہی میں بلایا گیا۔ قاضی محمد بن اسود نے ان تو مرت سے کہا۔ ”کیا یہ صحیح ہے جو مشہور ہو رہا ہے کہ تم بادشاہ کو برا بلاکتے پھرتے ہو؟ اور بادشاہ بھی وہ جو عدل گستر، رعایا پرور، نیک نفس، تقویٰ شعار، خواہشات نفسانی کا دشمن اور احکام خداوندی کا پابند ہے؟“ اس کے جواب میں ان تو مرت نے کہا۔ ”واقعی میں نے بادشاہ کے خلاف ایسے کلمات کہے۔ باقی رہا یہ کہ بادشاہ متقی پر ہیروزگار اور خدا ترس ہے میں اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ کیا وہ بادشاہ بھی متقی کہلا سکتا ہے جس نے تمہاری باتوں کا اعتبار کر لیا اور جو کچھ تم لوگ کہہ دیتے ہو اسی کو وحی الہی سمجھنے لگتا ہے حالانکہ خوب جانتا ہے کہ وہ سلطنت کے ہر عیب اور خرابی کا جواب دہ ہے۔ کل قیامت کو بادشاہ یہ کہ نہ کر چھوٹ جائے گا کہ مجھے اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ان تو مرت نے کہا۔ قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم ہیں کہ اسلامی عملداری میں خزیہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ شراب فروخت کی جا رہی ہے۔ یتیموں کے مال پر دست تظاول دراز ہے۔ سینکڑوں بیوائیں رات کو بھوکی سوتی ہیں، بے شمار یتیم ہیں جن کے سر پر دست شفقت پھیرنے والا کوئی نہیں۔ یہ تقریر ایسی مؤثر اور دل دوز تھی کہ بادشاہ نے آبدیدہ ہو کر غلت و نہمت سے سر جھکا لیا اور دل میں کہا واقعی یہ سچ کہتا ہے۔

مراکش سے اخراج

اب ابن تومرت کو تو رخصت کر دیا گیا اور علماء و اراکین سلطنت میں مشورہ ہونے لگا کہ اس شخص کی شوریدہ سری کا کیا علاج کیا جائے۔ علامہ مالک بن وہیب وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا کہ اس شخص کی باتوں سے بوئے بغاوت آتی ہے۔ اس لیے اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے اور اگر اس کا قتل خلاف مصلحت ہے تو کم سے کم اسے حراست میں رکھا جائے اور اس کے مصارف کے لیے ایک دینار سرخ روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ خطرہ ہے کہ کہیں اس کا ہاتھ شاہی خزانہ تک نہ پہنچ جائے۔ ایک لوروزیر نے یہ رائے دی کہ اس کو خارج البلد کر دینا کافی ہے۔ بادشاہ نے آخری رائے سے اتفاق کیا اور کہا میں اس سے زیادہ کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ خصوصاً ایسے صاحب علم ناصح کو جس کی ہر بات از روئے انصاف حق و صدق پر مبنی ہے۔ غرض فرمان شاہی کے بموجب ابن تومرت اپنے پیروؤں سمیت مراکش سے خارج کر دیا گیا۔ تلمسان سے نکل کر یہ چھوٹا سا قافلہ شہر انغات میں پہنچا۔ یہ شہر بھی مراکش ہی کی عملداری میں واقع تھا۔ ابن تومرت یہاں چند روز اقامت گزیر رہا۔ اس جگہ عبدالحق بن ابراہیم نام ایک شخص سے جو شہر کا ایک بزار کس تھا دوستی ہو گئی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اگر تم سلطنت کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں انغات میں نہیں رہنا چاہیے۔ یہ شہر کسی طرح تمہاری حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایسی کارروائیوں کے لیے موزوں ترین مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو پہاڑوں کے دشوار گزار درروں میں واقع ہے اور یہاں سے ایک دن کی راہ ہے۔ لکن تومرت نے اس قصبہ کا نام پوچھا تو رئیس نے بتایا کہ اس کو تین مل کہتے ہیں۔ تینمل کا نام سنتے ہی ابن تومرت کی باجھیں کھل گئیں اور مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ کیونکہ یہی اس شہر کا نام تھا جو علم جفر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا تھا۔ اب اسے حصول مقصد کا یقین ہو گیا فوراً کوچ کیا اور تینمل کی راہ لی۔

مہدویت کا دعویٰ

اہل تینمل نے محمد بن تومرت اور اس کے پیروؤں کو علماء اور درویشوں کے لباس میں دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور خاطر مدارت سے پیش آئے۔ یہاں لوگوں کا بکثرت رجوع ہوا۔ قبیلہ المصادمہ کے تمام سردار چند ہی روز کے اندر اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ لکن تومرت نے مقامی زبان میں جس میں وہ فصیح ترین شخص مانا جاتا تھا وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کی بزرگی و مشخت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اسی کے ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ جب دیکھا کہ باشندگان تینمل لور اہل مضافات پر اس کا جادو چل چکا تو آغاز دعوت کا عزم

کیا۔ اور اپنے مناد بیرونی قبائل کی استمالتِ قلوب کے لیے روانہ کئے۔ ان تو مرت کے مبلغ تمام کو ہستان میں پھیل گئے۔ یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے سامنے ہر وقت امام منتظر حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی روایتیں بیان کر کے ان کی آتش شوق کو مشتعل کرتے اور کہتے کہ حضرت مہدی علیہ السلام بہت جلد ظہور فرما ہوں گے۔ جب یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو ان تو مرت نے جامع مسجد میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں وہی محمد بن عبد اللہ المعروف مہدی ہوں جس کے ظاہر ہونے کی صدیوں پہلے جناب خاتم الانبیاء ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اور میرے سوا کوئی نہیں جس کی ذات پر احادیث مہدی صادق آسکیں۔ یہ سنتے ہی عبد المؤمن وغیرہ دس خاص مرید تائید کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ حضور! مہدی آخری الزمان کے تمام صفات آپ کی ذات میں مجتمع ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد ہیں۔ نام بھی محمد ہے۔ اب آپ کے سوا کون ہے جو مہدی منتظر ہو سکے۔ یہ کہہ کر ان تو مرت سے مہدویت کی بیعت کرنے لگے۔ دوسرے لوگ بھی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص بیعت کو ذریعہ نجات و فلاح دارین یقین کر کے پروانہ وار گر تا تھا۔ اس دن سے لکن تو مرت لوگوں سے اپنی مہدویت اور امامت کبریٰ کی بیعت لینے لگا۔ آغاز بیعت کے بعد لکن تو مرت اور اس کے منادوں نے جو زبردست پروپیگنڈا کیا اس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ لکن تو مرت ضرور مہدی موعود ہے۔ چنانچہ تمام قبائل نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جنہوں نے اس کو مہدی موعود تسلیم نہ کیا ہو۔ لکن تو مرت نے کہا کہ میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں جس پر حضور سید الخلق نے اصحاب احیاء سے بیعت لی تھی۔ پھر ان کے لیے اپنی دعوت کے متعلق بہت سے رسالے تالیف کئے۔ وہ اکثر مسائل کلامیہ میں امام ابو الحسن اشعری کا پیرو تھا مگر مسئلہ اثبات صفات باری تعالیٰ کی نفی اور چند دیگر مسائل میں معتزلہ کا ہم نوا تھا۔ لکن تو مرت اپنے پیروؤں کو موحدین کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دنیا میں تمہارے سوا کوئی موجد نہیں ہے۔ ان کی دس مختلف جماعتیں قائم کی تھیں جن میں سے اولین جماعت ماجرین کی تھی جنہوں نے اس کی دعوت کو بلا توقف لبیک کہا تھا۔ ان کا نام الجماعت رکھا۔ ایک جماعت کو محسن کہتے تھے۔ یہ تمام طبقے کسی ایک قبیلہ سے مرتب نہ کئے تھے۔ بلکہ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ لکن تو مرت اپنے پیروؤں کو مومنین کہا کرتا تھا۔ اور اس کا بیان تھا کہ سطح ارض پر تمہارے برابر کوئی شخص کامل الایمان نہیں۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کی مخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس حدیث میں خبر دی تھی کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں قتال کر کے غالب آتا رہے گا۔ اور اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ امر خداوندی آ پہنچے۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کا نذرِ جلال کو قتل کرائے گا۔ تم ہی میں وہ امیر ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی سی عبادت کرتا ہے۔ غرض مصادہ روز افزوں اعتقاد کے ساتھ لکن

تو مرت کے مطیع ہوتے گئے۔ ان کے دلوں میں اس کا ادب و احترام اس درجہ راسخ ہوا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو اس کے باپ بھائی یا فرزند عزیز کو قتل کرنے کا بھی حکم دیتا تو وہ بے دریغ اس کی تعمیل کرتا۔

ابن تو مرت کا ایک دلچسپ معجزہ

جن ایام میں ملالہ کہ مقام پر ابن تو مرت عبدالمومن سے ملاقی ہوا۔ انہی دنوں عبد اللہ و نشریسی نام ایک ذی علم آدمی بھی اس کا شریک حال ہوا تھا۔ کتاب الاستقصاء میں اس کا نام ابو محشر بعیر و نشریسی لکھا ہے۔ لیکن عبد اللہ و نشریسی زیادہ مشہور ہے۔ و نشریسی بزاز ہیں فصیح و بلیغ لغات عرب و اہل مغرب کا لور قرآن مجید لور موطا امام مالک کا حافظ تھا۔ ابن تو مرت اس کی ذہانت لور جودت مطیع دیکھ کر عیش عیش کرتا تھا لور سوچا کرتا تھا کہ اس شخص کی قابلیت سے کوئی کام نکالنا چاہیے چنانچہ جب دیکھا کہ و نشریسی ہر طرح سے محرم راز ہو گیا تو اس سے کہا کہ وہ لوگوں کے سامنے گونگن جائے اور اپنی علمی اور ذہنی قابلیت اس وقت تک ظاہر نہ کرے جب تک کہ بطور معجزہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ ہو۔ و نشریسی انتادرجہ کا مستقل مزاج تھا۔ اس نے اپنے مخدوم و مطاع کا منشا معلوم کر کے ایسی چپ سادھی کہ لوگ اسے جاہل مطلق گونگا بلکہ دیوانہ خیال کرتے تھے۔ یہ شخص میلے کھیلے کپڑے پہنے رہتا تھا۔ مکروہ وضع و ہیئت بنا رکھی تھی کہ کوئی شخص پاس بیٹھے کا روادار نہ تھا۔ ابن تو مرت کی خواہش تھی کہ تینمل اور اس کے گرد و نواح میں کوئی ایسا شخص نہ رہ جائے جو اس کی ممدویت کا منکر ہو اور اس آبادی کو ان تمام لوگوں کے خار و وجود سے پاک کر دیا جائے جو وحدت قومی کی راہ میں حائل ہیں۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے ایک دن و نشریسی سے کہنے لگا: اب تمہارے کمال کا وقت آگیا اور اسے سب تدبیر سمجھا دی۔ چنانچہ جب ابن تو مرت نماز صبح کے لیے مسجد میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص نہایت فاخرہ لباس زیب تن کئے محراب مسجد میں کھڑا ہے اور اس کی خوشبو سے مسجد مہک رہی ہے۔ اس وقت لوگوں کا مجمع تھا۔ پوچھنے لگا: ”حضرت آپ کون ہیں؟“ کہنے لگا کہ یہ خاکسار عبد اللہ و نشریسی ہے۔ پوچھنے لگا آپ کو یہ درجہ کس طرح ملا؟ تم تو گونگے اور مجنون تھے۔ کہا درست ہے لیکن الحمد للہ آج خدائے قدیر نے مجھے تمام جسمانی و روحانی نقصان سے پاک کر دیا۔ رات کو ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر میرے پاس آیا۔ اس نے میرا سینہ شق کر کے ساری کٹافیتیں اور ساری نقائص نکال ڈالے اور مجھے ملائکہ مقربین کی طرح بالکل معصوم بنا کر میرے دل کو علوم و حکمت سے بھر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں جو کل تک جاہل مطلق اور گونگا تھا آج ایک زبردست عالم کلام پاک اور موطائے مبارک کا حافظ ہوں۔ یہ سن کر ابن تو مرت مصنوعی ٹسوے بہا کر کہنے لگا۔ میں کس زبان سے اس ارحم الراحمین کا شکریہ ادا کروں کہ اوروں کو تو دعائیں مانگتے اور

ایڑیاں اور گھٹنے رگڑنے سے کچھ ملتا ہے لیکن خدائے رحیم وودود اس عاجز کی تمام خواہشیں بلا طلب پوری فرماتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز کی جماعت میں ایسے ایسے برگزیدہ لوگ بھی شامل کئے ہیں جن پر ملائکہ مقربین آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مختار علیہ السلام کا سینہ مبارک شق کر کے اس کو علوم و حکمت سے معمور فرمایا گیا۔ اسی طرح اس عاجز کی جماعت کے ایک فرد کا سینہ بھی شق کیا گیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کا خزینہ دل بھی قرآن، حکمت اور علوم لدنیہ سے مالا مال کیا گیا۔ اس کے بعد اپنی سحر بیانی سے کام لیتے ہوئے و نشریسی سے کہنے لگا۔ ”بھائی! یہ دعویٰ ایسا نہیں کہ بے تحقیق اور بلا دلیل مان لیا جائے اس کا کوئی ثبوت ہونا چاہیے۔ حاضرین نے بھی اس کی تائید کی۔ اب اس سے امتحان چند سو رتیں پڑھنے کو کہا گیا۔ اس نے یہ سو رتیں نہایت تجوید و ترتیل کے ساتھ سنا دیں۔ اسی طرح موطا وغیرہ کتب حدیث کا امتحان لیا گیا۔ و نشریسی سب میں کامیاب نکلا۔ تمام لوگ جو و نشریسی کو اس کے آغاز قدم سے برابر گونگا دیوانہ اور جاہل مطلق یقین کرتے آ رہے تھے اس نوق العادۃ واقعہ پر محو حیرت ہوئے اور اس کو ”مہدی موعود (انن تو مرث) کے معجزہ کا اثر تسلیم کرنے لگے۔

تین رازدار ”فرشتوں“ کا کنوئیں میں بٹھایا جانا

اب انن تو مرث نے و نشریسی سے کہا اے بزرگ! یہ تو بتا دے کہ میں سعید ہوں یا شقی؟ و نشریسی نے جواب دیا کہ اے انن تو مرث! آپ مہدی قائم ہا مر اللہ ہیں جو آپ کی پیروی کرے گا وہ سعید اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی ازلی اور جنمی ہے۔ اس کے بعد فاضل و نشریسی نے کہا کہ واہب العطا یا نے حضور کے تصدق سے اس خاکسار کو ایک اور نعمت بھی عطا کی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ عرض کیا کہ خاکسار کے باطن میں ایک ایسا نور رکھ دیا ہے کہ جس سے اہل جنت اور اصحاب نار کو فوراً پہچان لیتا ہوں اور خدائے غیور نے اس نور کے عطا کرتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس مقدس جماعت میں دوزخیوں کا شامل رہنا قطعاً ناروا ہے۔ لہذا ارشاد ہوا کہ دوزخیوں میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً پہچان کر ہلاک کر دو اور چونکہ اطلاق و استہلاک کا معاملہ نہایت نازک اور قابل احتیاط تھا اس لیے خدائے برتر نے تین فرشتے میری تصدیق کے لیے نازل فرمائے ہیں جو اس وقت فلاں کنوئیں میں موجود ہیں۔ یہ سن کر مہدی نے کنوئیں پر جانے کا ایک وقت مقرر کر دیا اور اس غرض کے لیے پہلے سے اپنے تین رازدار مرید اس میں بٹھا دیئے۔ ان ارباب ایمان کے اسماء گرامی کی ایک فہرست پہلے سے مرتب کر لی گئی تھی جنہیں انن تو مرث کی مہدویت سے انکار تھا۔ یا اس کی مخالفت کرتے تھے۔ انن تو مرث وقت معمود پر سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ کنوئیں کی طرف گیا۔ یہ کنواں ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ لوگ ایسی حالت میں کنوئیں کی طرف جا رہے تھے کہ چروں کارنگ فتح و دل میسر

ہم کی کشش میں جلتا تھے اور ہر شخص اس خیال سے خوف زدہ تھا کہ دیکھیں آج کون شخص ذلت و رسوائی سے قتل ہو کر تک خاندان ٹھہرا اور جہنم کے عذاب میں جھونکا جاتا ہے۔ وہ میدان اس وقت عرصہ قیامت بنا ہوا تھا۔ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا تھا۔ نہ باپ کو بیٹے کی خبر تھی اور نہ بیٹے کو باپ۔ بھائی کی اطلاع۔ اور ہر قبائل میں کھرام بچا ہوا تھا کہ دیکھیں کوئی مرد اپنے گھر کی خبر گیری کے نیے واپس بھی آتا ہے یا سب دوزخ کو جا آباد کرتے ہیں۔ غرض تمام لوگ کنوئیں پر پہنچے۔ ممدی نے پہلے دو گانہ نماز ادا کیا۔ اس کے بعد ان تین ”فرشتوں“ سے جو کنوئیں کی تہ میں اترے تھے با آواز بلند کہا۔ ”اے ملائکہ! عبد اللہ و نثریس کا دعویٰ ہے کہ خدائے برتر نے مجھے جنتی اور دوزخی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت عطا کر کے حکم دیا ہے کہ تمام دوزخی چن چن کر قتل کر دیئے جائیں کیا یہ بیان صداقت پر مبنی ہے؟ ان تینوں کنوئیں نشین مریدوں نے پکار کر کہا عبد اللہ نہایت صادق البیان ہے۔“ اس جواب سے لوگوں کا اعتقاد اور بھی راسخ ہو گیا۔ ان تو مرت نے دیکھا کہ عالم سفلی کے یہ فرشتے اوپر آگئے تو انشاء راز کا احتمال رہے گا اس لیے ان کو عالم بالا میں بھیج دینا مناسب ہے۔ و نثریس وغیرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ یہ کنواں نزول ملائکہ کی وجہ سے مقدس مقامات میں داخل ہو گیا ہے اور آگریوں ہی کھلا چھوڑ دیا گیا تو اس میں ناپاک چیزوں کے گرنے اور اس کے نجس ہونے کا خطرہ رہے گا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو قوم پر قہر الہی نازل ہو گا۔ اس لیے اس کو پاٹ دینا مناسب ہے۔ چنانچہ سب نے اس خیال کی تائید کی اور سب کے اتفاق رائے سے وہ کنواں فوراً پاٹ دیا گیا جو چاہا بابل کے مفروضہ ملائکہ کی طرح ان بے گناہوں کا دائمی مجس قرار پایا۔ معلوم نہیں کہ تینوں راز دار مریدوں کی ہلاکت ان کی رضامندی سے معرض عمل میں آئی یا ان سے مکر و خدعا ایسا سلوک کیا گیا۔ بصورت اول مریدان صادق الاعتقاد کا اس طرح سے جان دینا کچھ تعجب انگیز نہیں چنانچہ حسن بن ابن صباح کے باطنی فداکاروں کے کارنامے اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ اب قتل و استہلاک کا خون آشام ہنگامہ شروع ہوا۔ و نثریس جس کے پاس منکریں و مخالفین ممدی کی فرست موجود تھی میدان میں کھڑا ہو گیا اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے نام پکارنے لگا۔ یہ شخص اپنے موافقوں اور ہم مشربوں کو جنتی قرار دے کر دابنی طرف کھڑا کر تا اور فرست سے مخالف کے نام دیکھ دیکھ کر انہیں جہنمی کا لقب دیتا اور بائیں جانب کھڑا کرتا۔ کئی جلاوتیغ برہنہ کھڑے تھے جو اصحاب الشمال کو فوراً قتل کر دیتے تھے۔ کئی دن تک یہ قیامت برپا رہی۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک قبیلہ بلایا جاتا اور ارباب ایمان جنتی کہہ کر دارالخلد کو بھیج دیئے جاتے۔ غرض سینکڑوں ہزاروں عاشقان حق تہ تیغ کئے گئے۔ بقیہ السیف اس کے ہلکے جان نثار اور مخلص مرید تھے۔

شایہ تحصیل داروں کا قتل عام

اب ابن تومرت نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ ہر وقت سلاطین وقت کو خاطر، ظالم اور دشمنان دین و ملت ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا اور کہتا کہ انہوں نے احکام الہی کے اجزاء میں کوتاہی کی ہے۔ اس لیے نہ صرف ان کی اطاعت حرام ہے بلکہ ان کے خلاف غزوا جہاد فرض ہے۔ اور بر ملا کہتا کہ میں سلطنت کی اینٹ سے اینٹ مجاہدوں کا اور یہ کہ جو کوئی دنیا اور عقبی میں سرفراز و کامگار ہونا چاہتا ہے وہ اس جہاد میں جان دے گا۔ اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ ہزار ہا عقیدت مند جان بازی و سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اب ابن تومرت سلطان مراکش کے خلاف علم مصافحہ بند کرنے کے لیے حیلہ تلاش کرنے لگا۔ وہ اکثر دیکھتا تھا کہ خود تو اہل کوہ سانولے ہیں اور ان کی اولاد گربہ چشم اور بھورے رنگ کی ہے۔ ایک دن ان سے دریافت کرنے لگا کہ اولاد اور والدین کے اختلاف رنگت کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے سکوت کیا اور ندامت سے سر جھکا لئے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ سلطان کے غلام ہر سال تحصیل خراج کے لیے ان پہاڑوں پر آتے ہیں جو عموماً یونانی رومی اور افرنجی ہیں۔ بادشاہ کو تو غالباً اس کی خبر نہ ہوگی مگر وہ لوگ ہماری بڑی رسوائی کرتے ہیں۔ آتے ہی ہمیں ہمارے گھروں سے خارج کر دیتے ہیں اور ہماری عورتوں کو بے عزت کر ڈالتے ہیں اور ہمیں ان کی دست برد سے چنے کی قدرت نہیں۔ اسی وجہ سے ہماری عورتوں کی بعض اولاد ان غلاموں کے رنگ پر ہوتی ہے۔ ابن تومرت طیش میں آکر کہنے لگا تمہارے لیے ایسی شرمناک زندگی سے مر جانا بہتر ہے اور مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ایسے شجائے و جانباز لوگ ایسی بے عزت اور بے غیرتی پر کیوں خاموش رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بھلا لشکر سلطانی سے مقابلہ کرنے کا کیونکر حوصلہ ہو سکتا تھا۔ کہنے لگا اچھا اگر کوئی شخص اس معاملہ میں تمہاری دادرسی کرے تو اس کا ساتھ دو گے؟ انہوں نے کہا ساتھ دینا کیسا ہم اس کے حکم پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ بگجہ ایسا فریاد رس کہاں مل سکتا ہے؟ ابن تومرت تو خدا سے یہی چاہتا تھا ان سے وعدہ کیا کہ میں تم کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا۔ انہوں نے اس کی سر پرستی نہایت شکر یہ کے ساتھ قبول کی۔ ابن تومرت نے ان کو سمجھایا کہ اب کی مرتبہ جب بادشاہ کے غلام یہاں آئیں اور تمہاری عورتوں سے اختلاط کا قصد کریں۔ تو تم ان کے پاس شراب کی بوتلیں رکھ دینا اور جب وہ پی کر نشہ میں سرشار ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ غرض جب بادشاہ کے غلام حسب معمول خراج سلطنت کی تحصیل کے لیے آئے تو انہوں نے ان کو خوب شراب پلائی۔ جب بدست ہو گئے تو ابن تومرت کو خبر کی۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ سب غلام مار ڈالے گئے البتہ ایک غلام جو حسن اتفاق سے کسی کام کے لیے اپنی فرد گاہ سے باہر گیا تھا ہر ہی خبردار ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اور دار السلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو صورت حال سے مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہی محمد بن تومرت جو یہاں سے نکالا گیا تھا وہاں پہنچ کر سب کا پیشوا بنا ہوا ہے اور اسی کے حکم سے

یہ کارروائی عمل میں آئی ہے۔ اب بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ اپنی مال ناندیشانہ رداوری اور سسل انگاری پر بہت پچھتایا اور تسلیم کیا کہ مالک بن وہیب کی رائے واقعی نہایت صائب تھی۔

شاہی فوج کی ہزیمت

ابن تومرت کو یقین تھا کہ شاہی فوج انتقام کے لیے ضرور آئے گی اس لیے اس نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنے چاروں طرف سے دست جمعیت پہاڑوں پر دروں کی دونوں طرف بٹھادی اور حکم دیا کہ جیسے ہی شاہی فوج آئے تم لوگ پوری قوت اور شدت کے ساتھ پتھر لڑھکانا شروع کر دینا اور اتنی سنگباری کرنا کہ ایک شخص بھی زند سلامت واپس نہ جاسکے۔ ابن تومرت کا یہ خیال صحیح نکلا چنانچہ بادشاہ نے اس خونریزی کی سزا دینے کے لیے ایک لشکر جرار روانہ کیا جو فوراً امر اکش سے چل کر تینمل کی گھاٹیوں میں گھسا۔ جو شاہی فوج دروں میں سے گزرنے لگی۔ اوپر سے اتنی سنگباری ہوئی کہ بزرگ باسوار پتھروں کے نیچے پھیل کر ہلاک ہو گئے۔ اسی حالت میں رات کی سیاہ چادر نے اس ہنگامہ آرائی کو موقوف کر دیا۔ اور جی کبھی فوج نہایت بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب یہ ہزیمت خوردہ لشکر دارالسلطنت میں پہنچا اور بادشاہ کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو سخت بدحواس ہوا اور اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ آئندہ ابن تومرت سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ اس شاندار فتح نے موحدین کے دل بڑھا دیئے اور انہیں پیش از پیش اس بات کا یقین ہوا کہ واقعی ان کا مقتداء سچا ممدی موعود ہے۔ اب ابن تومرت نے موحدین کا ایک لشکر جرار مرتب کیا۔ اور ان سے کہا کہ ان کافروں اور دین ممدی کے منکروں کی طرف جاؤ جن کو مرابطون کہتے ہیں ان کو بد کرداری سے اعراض، اعمال حسنة کے احیاء، ازالہ بدعت، قیام سنت اور اپنے ممدی معصوم کے اقرار کی دعوت دو۔ اگر تمہاری دعوت کو قبول کریں تو تمہارے بھائی ہیں ورنہ ان کے خلاف جہاد کرو۔ سنت نبوی (ﷺ) نے ان کے خلاف جہاد کرنا تم پر فرض کر دیا ہے۔ ایسا نے عبدالمومن کو سرعہ کرنا کہ تمام موحدوں کے امیر ہو۔ اس دن سے عبدالمومن کو امیر المؤمنین کہنے لگے۔ یہ لشکر مر اکش کی طرف روانہ ہوا۔ پرچہ نویسوں نے موحدین کی نقل و حرکت کا سارا حال دارالسلطنت کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ یہ ابھی دارالسلطنت سے دور ہی تھے کہ بھیرہ نام ایک مقام پر مرابطون کی ایک فوج گڑاں آئی دکھائی دی۔ بادشاہ کا پینا ابو بکر بن علی اس کا سرعہ تھا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو عبدالمومن نے اپنے ممدی کے حکم سے؟؟؟ کی دعوت کے لیے اپنا قاصد بھیجا مگر شاہی لشکر نے اس دعوت کو سخت نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب عبدالمومن نے امیر المسلمین علی بن یوسف کو دعوت ممدی کے موضوع پر ایک مراسلہ بھیجا۔ امیر المسلمین نے اس کے جواب میں مسلمان بادشاہ کی عدول حکمی اور ثقہ جماعت کی وعیدیں جو احادیث نبویہ میں

وارد ہیں لکھ کر بھیجیں اور خوزریزی و فتنہ انگیزی کے بارے خدا یاد دلایا۔ مگر عبدالمومن ان باتوں کو کچھ خاطر میں نہ لایا۔ بلکہ اس جواب کو امیر المومنین کی کمزوری پر محمول کیا۔ اب جانباڑوں نے ہتھیار سنبھالے اور لڑائی شروع ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ موحدوں کو سخت ذلت آفرین شکست ہوئی۔ عبدالمومن چند دوسرے آدمی چھوڑ کر موحدین کا سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ جب اس ہزیمت کی خبر ابن تومرت کو ہوئی تو اس نے اپنے مقتولوں کو جنت الفردوس کی بشارت دی اور جب عبدالمومن پہنچا تو اس سے کہنے لگا کہ لڑائی میں شکست ہوئی کوئی مضائقہ نہیں۔ معرکہ ہائے جنگ میں ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آج کوئی غالب ہے اور کل کو کوئی اور۔ مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔

مردوں سے ہمکلام ہونے کا معجزہ

اب ابن تومرت نے موحدین کو پھر منظم کرنا شروع کیا اور اس کی جمعیت از سر نو بڑھنے لگی۔ آخر ہزار موحدین کے لشکر کے ساتھ بذات خود مراکش پر دھاوا کرنے کا قصد کیا۔ لیکن چونکہ پہلی لڑائی میں شکست ہوئی تھی اور موحدین کی بہت بڑی تعداد میدان جانتاں کی نذر ہوئی تھی۔ اس لیے بہت سے لوگ خصوصاً تینمل کے ساتھ لوگ جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابن تومرت نے کہا کہ جس کسی کو اعلاء کلمتہ اللہ کی خاطر ہمارا ساتھ دینا منظور ہو وہ ہماری متقت کرے ورنہ خدا خود حزب اللہ کا مددگار ہے۔ خدائے متین اس مرتبہ ہمیں ایسی عظیم الشان فتح دے گا کہ مختلفین بعد کو عدم رفاقت کی وجہ سے سرشار ہوں گے اور اب کی مرتبہ میدان جنگ میں جا رہے۔ شخص اپنے کانوں سے سنے گا کہ مردے قبروں میں سے ہمیں فتح کی بشارت دیتے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ بھی ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے جنہیں شریک جنگ ہونے میں تامل تھا۔ اب ابن تومرت نے یہ انتظام کیا کہ اس میدان جنگ کے پاس جا کر پڑاؤ ڈالا جہاں اس سے پیشتر اس کے لشکر کو شکست ہوئی تھی۔ اور عبدالمومن کے ذریعہ سے چند قبریں کھدوا کر اپنے بعض رازدار پیروؤں کو ان میں زندہ دفن کرادیا۔ اور ہوا کی آمدورفت کے لیے قبروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھوادیئے۔ لوگوں نے قبروں میں سے مردوں کی آوازیں سنیں تو انہیں ابن تومرت کے معجزے اور میدان جنگ میں اپنی فتح کا یقین آگیا۔ لیکن ابن تومرت کو شکست ہوئی اور وہ مختلف علاقوں میں مارا مارا پھر تاربا۔ آخر بوجہ بیماری اس نے لوگوں سے کہا کہ میرا وقت آخر قریب ہے۔ یہ سن سب لوگ رونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے دن کے بعد مرض موت میں گرفتار ہوا۔ عبدالمومن کو اپنا جانشین اور امام صلوة مقرر کیا اور دنیا سے رفتی و گذشتنی کو الوداع کہہ کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی۔ اس نے مرنے سے پہلے عبدالمومن کو یہ مژدہ سنایا کہ اقلیم مراکش غنقریب تمہارے عمل و دخل میں آئے گی اور تم تمام اسلحہ و خزان سلطانی کے مالک بن جاؤ گے۔

انن تومرت کے اخلاق و عادات

محمد بن تومرت فضائل اخلاق کا مجسمہ تھا۔ مال غنیمت، بیت المال اور قومی محاصل و مداخل میں سے اس نے مدت العمر ایک جہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ اس کی بہن چہ نہ کات کر سوت بچا کرتی تھی۔ اسی پر بھائی بہن دونوں کی گذر اوقات کا مدار تھا۔ انن تومرت آٹھ سپر میں ایک ہلکی سی روٹی پر اکتفا کرتا۔ جس کے ساتھ تھوڑا سا مکھن یا روغن زیتون ہوتا تھا۔ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور اس کے سامنے مال غنیمت اور محاصل کے ڈھیر لگے رہتے تھے تو اس وقت بھی اس نے اپنی سابقہ غذا میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ مدت العمر حضور رہا اور شادی نہ کی۔ ایسا زاہد اور تارک الدنیا تھا کہ جب اسے اہداء میں ایک شاندار فتح ہوئی اور اس کے پیروؤں نے امیرانہ ٹھاٹھ بنانا چاہا تو بہت ناخوش ہوا اور تمام مال غنیمت جمع کر کے نذر آتش کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ جو کوئی دنیا کا طالب اور خطوط فانی کا دلدادہ ہے وہ یہاں سے چلا جائے۔ یہاں صرف آخرت ہے جس کا نفع عاقبت میں ملے گا۔ انن تومرت سنت اولیٰ کی طرح حدود شرعی کی نگرانی میں تشدد پر تلنا ہوتا تھا۔ شراب خواری پر نہایت سخت سزائیں دیتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص حالت بد مستی میں انن تومرت کے پاس لایا گیا۔ اس نے سزا کا حکم دیا۔ ایک ذی عزت حاشیہ نشین یوسف بن سلیمان نے کہا حضور والا! اگر اس پر اس وقت تک برابر سختی کی جائے جب تک یہ نہ بتا دے کہ اس نے کہاں سے شراب پی تو یقین ہے کہ اس فتنہ کا استیصال ہو جائے گا۔ یہ سن کر انن تومرت نے منہ پھیر لیا۔ یوسف نے مکرری کہا تو پہلے کی طرح پھر روگردانی کی۔ جب اس نے تیسری مرتبہ ایسا ہی کہا تو انن تومرت نے جواب دیا کہ اگر بالفرض ملزم نے یہ کہہ دیا کہ میں نے یوسف بن سلیمان کے گھر سے شراب پی ہے تو پھر کیا کرو گے؟ یہ جواب سن کر یوسف نے سر جھکا لیا لیکن بعد کو یہ راز فاش ہونے پر سب کو حیرت ہوئی کہ یوسف ہی کے نوکروں نے اسے شراب پلائی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کو ممدی (انن تومرت) کے کشف و کرامات پر محمول کیا گیا۔ انن تومرت میں جمال بیسیوں خوبیوں تھیں وہاں دعوائے مہدویت سے قطع نظر اس میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہزار ہا بے گناہ کلمہ گوؤں کو تیغ بے دریغ کے سپرد کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ انن قیم نے اسے حجاج بن یوسف سے بھی زیادہ سفاک اور جفاکیش لکھا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس نے جو جانشین چھوڑے وہ عدل و انصاف کا پیکر اور ترویج اسلام میں حضراتِ خلفائے راشدین کا دھندلا سا عکس تھے۔ انن تومرت نے متعدد کتب تصنیف کی تھیں۔ ایک توحید اور عقائد پر مشتمل تھی جس کا نام ”مرشدة“ تھا۔ ایک کا نام ”کنز العلوم“ تھا۔ ایک ”اعزاز یطلب“ کے نام سے موسوم تھی۔ مؤخر الذکر کتاب الجزائر میں چھپ چکی ہے۔

عبدالوہمن کی خلافت

کسی داعی کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں کو سب سے پہلی مشکل جو پیش آتی ہے وہ انتخاب خلیفہ کا مسئلہ ہے۔ ابن تومرت کے مرنے پر یہ خطرہ شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ اس کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ والہستکان اسوہ محمدی (ﷺ) میں سے عشرہ مبشرہ سب سے زیادہ جلیل القدر و عظیم المرتبہ اصحاب ہیں۔ اسی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ابن تومرت نے بھی اپنے دس بڑے حواری ہمار کھے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد ان دس ممتاز حواریوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ خلیفہ بن جائے۔ یہ سب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں اپنی اپنی قوم کے متعلق ”رسہ کشی“ شروع ہوئی۔ ہر امیدوار کا قبیلہ اپنے آدمی کی تائید پر تلا ہوا تھا اور کوئی قبیلہ غیر قبیلہ کی خلافت و اطاعت پر راضی نہ تھا۔ بہت سی کشمکش کے بعد عبدالوہمن پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کا مہدی اس کو اپنے مرض موت میں نماز کا امام مقرر کر گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عبدالوہمن غریب الدیار تھا۔ قبائل کی باہمی آویزشن سے یہی بہتر سمجھا گیا کہ ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا جائے جس کا تعلق کسی قبیلہ سے نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالوہمن نے اپنے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق جیلہ سازی سے بھی کام لیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے ایک طوطا اور شیر پال رکھا تھا۔ طوطے کو اس نے یہ سبق پڑھا رکھا تھا کہ جو نبی ایک لکڑی اس کے سامنے کھڑی کی جائے وہ یوں کہنے لگے۔ (نصرت و تمکین امیر المؤمنین عبدالوہمن کے ساتھ ہے) اور شیر کو یہ سکھا رکھا تھا کہ جو نبی عبدالوہمن کو دیکھے دم ہلانے اور اس کے پاؤں چاٹنے لگے۔ جب ابن تومرت کے سپرد خاک کئے جانے کے بعد اس کے تمام پیرو ایک مقام پر جمع ہوئے تو عبدالوہمن نے ایک خطبہ دیا جس میں موحدین کو اختلاف و نزاع کے خوفناک عواقب و نتائج سے متنبہ کرتے ہوئے محبت و آشتی کی تلقین کی۔ جب عبدالوہمن خطبہ دے رہا تھا تو اس کے انیاء بموجب اس کا سائیس وہاں طوطا اور شیر لائے آئے۔ سائیس نے لکڑی اٹھائی تو طوطا عبدالوہمن کی نصرت و تمکین کی رٹ لگانے لگا اور شیر دم ہلاتا ہوا عبدالوہمن کی طرف بڑھا اور اس کے پیرو چاٹنے شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر حاضرین کو سخت حیرت ہوئی۔ اور عبدالوہمن کی یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ اس کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

عبدالوہمن کے فتوحات اور سلطنت موحدین

ابن تومرت کی موت کے بعد عبدالوہمن مدت تک تجبیز لشکر میں مصروف رہا۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو 534ھ میں دوبارہ مراکش پر حملہ آور ہوا اس لڑائی میں اس کا پلہ بھاری رہا۔

اس وقت سے عبدالمومن کے فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ 537ھ میں اس نے سپاہ مرالطین کو منہزم کر کے سلطان علی بن یوسف کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اور دو سال کے بعد اور ان تسمان، فیض، سمونہ مہمات لور سالی پر قابض ہو گیا۔ 541ھ میں مراکش کا دوبارہ محاصرہ کر کے خاندان مرالطین کی شاہی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کا آخری تاجدار اسحاق بن علی بن یوسف موحدین کے ہاتھ سے واپس جاپنچا۔ 540ھ میں عبدالمومن نے ایک لشکر سپانیہ (اسپین) بھیجا اور پانچ سال کی مسلسل جنگ آزمائی کے بعد سارا اسپین اس کے علم کے زیر نگیں آ گیا۔ مراکش اور سپانیہ پر قابض و متصرف ہو کر اس نے اپنی عثمان توجہ مشرقی مہمات کی طرف پھیر دی۔ 547ھ میں الجزائر کا حامدین خاندان بھی عبدالمومن کے ہاتھوں تخت و تہنم سے محروم ہوا۔ 553ھ میں اس نے زیری خاندان کے جاشین ہرمنوں کو تونس (تونس) سے نکال دیا۔ اس کے بعد طرابلس الغرب کو مسخر کیا۔ اس فتح کے بعد مصر سے لے کر بحر الکاہل کے تمام ساحلی ممالک لور سپانیہ پر اس کا پھر بر اڑنے لگا۔ غرض اب عبدالمومن سے بڑا بادشاہ افریقہ میں موجود نہ تھا۔ حضرات! نیرنگ ساز قدرت کی عجبہ نمایاں دیکھئے کہ یہ عبدالمومن اسی غریب گھمرا کا لڑکا ہے جو مٹی کے برتن بنا کر اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالا کرتا تھا۔

عبدالمومن نے 547ھ میں ابن رشد اندلسی کو قاضی القضاۃ کا عمدہ تفویض کیا۔ اندلس سے مراکش تک کے تمام علاقے اس کے حدود قضا میں داخل تھے۔ عبدالمومن نے ابن تومرت کی موت کے بعد اس کی ممدویت کے سارے افسانے طاق نسیان پر رکھ دیئے اور اپنی سلطنت کو منہاج نبوت پر قائم کر کے خالص اسلامی سلطنت بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن تومرت کی ممدویت کا دل سے کبھی قائل نہ تھا۔ عبدالمومن کے عمد سلطنت میں اور اس کے بعد میں موحدین کا دوبار ہمیشہ فقہاء و محدثین کے ہاتھ میں رہا اور تمام ممالک محروسہ پر اسی مقدس گروہ کے خیالات محیط تھے۔

صحف عثمانی مراکش میں

عبدالمومن نے 528ھ ہی سے امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ یہ لقب صدر اسلام میں صرف مشرق کے خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے حق میں استعمال کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عبید اللہ مدی نے اس لقب میں مزاحمت کی اور خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کی طرح امیر المومنین کہلانے لگا۔ عبید اللہ کے بعد عبدالمومن نے یہ لقب اختیار کیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عمد خلافت میں قرآن عزیز کی چار ع نقلیں کر کر مکہ معظمہ بمصرہ، کوفہ لور شام میں بھجوا دی تھیں۔ ان میں سے شامی نسخہ قرطبہ (اسپین) چلا گیا تھا۔ جب عبدالمومن

نے اسپین پر عمل و دخل کیا تو 11 شوال 552ھ کو یہ نسخہ مراکش لے آیا۔ چونکہ ایک مرتبہ عبدالمومن کی جان لینے کی کوشش کی گئی اور قلمرو میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس کی حمایت کا دم بھرتا اس لیے اس نے اسی دن ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے تمام قرابت داروں کو اپنے دارالسلطنت میں بلا لے۔ چنانچہ 557ھ میں نہ صرف اس کے دور نزدیک کے تمام رشتہ دار بلکہ ہزار ہا اہل وطن بھی تیسمل چلے آئے۔ عبدالمومن کو ان کی وجہ سے بڑی تقویت ہوئی لیکن اس سے اگلے سال تیس سال کی عمر پوری کر کے آغوشِ لحد میں جا سویا اور تینمل میں ابنِ تو مرث کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ اس بادشاہ کے اقبال و تجمل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سینکڑوں شہر فتح کئے۔ بیسیوں لڑائیاں لڑیں۔ بڑی بڑی فوجوں سے لڑ بھیز ہوئی۔ بڑی پہلی شکست کے جو ان تو مرث کی زندگی میں کھائی تھی کبھی ہزیمت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ عبدالمومن کی اولاد میں بارہ بادشاہ قریباً ایک سو گیارہ سال تک سریر سلطنت پر متمکن رہے۔ جن میں سب سے پہلا حکمران عبدالمومن کا بیٹا یوسف تھا۔ جس نے قریباً تیس سال تک سلطنت کر کے 580ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا منصور لورنگ زیب شہنشاہی ہوا۔ منصور بھی اپنے دادا کی طرح نہایت اعلیٰ حوصلہ اور لولو العزم بادشاہ تھا۔ موحدین کی سلطنت اس کے عہد حکومت میں ہتھمائے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ یہ بلاشاہ صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کا ہم عصر تھا اس کی طبیعت میں عجب وجاہ پسندی کا مادہ اس درجہ سرایت کر گیا تھا کہ بعض اوقات اس کے عزم اور عقل و فہم پر بھی غالب آجاتا تھا۔ چنانچہ جن ایام میں شاہن یورپ نے متفق ہو کر بیت المقدس کو اسلام کے اثر سے آزاد کرانا چاہا اور یورپ کے تمام ملکوں سے فوجوں کا سیلاب عظیم بیت المقدس کی طرف امنڈ آیا تو سلطان صلاح الدین نے اسلام کی اخوت عمومی کا لحاظ کرتے ہوئے منصور کو بھی شرکتِ جہاد کی دعوت دی اور لکھ بھجیا کہ سارے یورپ اسلام کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوا ہے اس لیے ضروری ہے کہ تم اپنا لاؤ لشکر لے کر اسلام کی حمایت میں بیت المقدس کی طرف بڑھو۔ گو منصور ہر طرح سے امداد کے قابل تھا۔ امداد دینا بھی چاہتا تھا لیکن اتنی سی بات پر ہر ہم ہو کر خدمتِ اسلام اور تائید ملت سے محروم رہا کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے خط میں اس کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ 60۔

امین ابلی زکریا طہامی

ابلی زکریا طہامی ایک فاسق فاجر نوجوان تھا جس نے روایت کا علم نہ کیا۔ بیرونی نے اس کے ہجرت حالات بیان کئے ہیں مگر نہ زمانہ بتایا ہے اور نہ مقام خروج ہی پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ ابن عساکر نے یہ روایت بیان کی ہے کہ بیرونی نے اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر اس کو معبود حق یقین کرنے لئے۔ اس نے جو آئین جاری کیا اس میں حکم تھا کہ تمام مرنے والوں کے شجر چاک کر کے اندر خوب صاف کریں اور اس میں شراب بھر کر سی دیں۔ اس کے مذہبی قوانین کا بائین ملاحظہ ہو کہ اس نے آگ بجھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ حکم تھا کہ جو کوئی آگ کو ہاتھ سے بجھائے اس کا ہاتھ قطع کیا جائے اور جو پھونک مار کر بجھائے اس کی زبان کاٹی جائے

اس کے مذہب میں انعام یعنی لواطت جائز تھی۔ یہ حکم تھا کوئی شخص اس فعل میں مبالغہ و شدت سے کام نہ لے۔ جو شخص اس فعل میں غیر محتاط ثابت ہوتا اسے زمین پر لٹا کر منہ کے بل پیس گزرتک گھسیٹا جاتا تھا اور اس کے آئین مذہب میں لواطت نہ صرف جائز تھی بلکہ واجبات میں داخل تھی اور اس کا تارک قتل کا مستوجب تھا۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی نسبت ثابت ہو جاتا کہ وہ انعام سے پہلو تہمی کرتا ہے تو اسے قصاب سے ذبح کروا دیا جاتا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص دنیا کو بے حیائی اور فحش کاری گمراہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پیروؤں کو آگ کی پرستش اور تعظیم کی بھی تاکید کر رکھی تھی۔ اس شخص کی شیطنیت کا ایک نہایت دل آزار پہلو یہ تھا کہ انبیاء سلف اور ان کے اصحاب پر (معاذ اللہ) سخت کرات اور کتتا تھا کہ وہ سب گم کردگان راہ اور (عیاذ باللہ) پر فن و عیار تھے۔ بیرونی لکھتے ہیں کہ اس قسم کے اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن کی شرح کتاب اخبار المبیضہ والقرامطہ میں کرچکا ہوں۔ ان بد اعمالیوں کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ خدائے شدید العتاب نے اس پر ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جس نے اس پر قابو پاتے ہی بحری کی طرح ذبح کر دیا اور اس طرح اس کی یہ کاریوں کا شجر خبیث کشت زار عالم سے بالکل متناصل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے پیرو بھی خاکِ حلاک پر ڈال کر کیفر کردار کو پہنچا دیئے گئے۔ 61۔

حسین بن حمدان خصیبی

حسین بن حمدان ایک خانہ ساز نبی تھا جو خصیب نام عراق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ کتاب الدعاء میں اس شخص کا زمانہ متعین کرنے میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ دولت عباسیہ کے اوائل میں ظاہر ہوا جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ظہور ساتویں صدی کے اوائل یا وسط میں ہوا۔ کیونکہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تاتاری غارتگروں کے ہاتھوں 656ھ میں وحشت سرائے عالم سے رخصت ہوا تھا۔ آگے چل کر بتایا ہے کہ امیر سیف الدولہ بن حمدان نے اس کو قید کیا۔ حالانکہ احمد بن حسین متنبی شاعر کے مدوح امیر سیف الدولہ بن حمدان نے حسب بیان ابن خلکان 338ھ میں انتقال کیا تھا۔ غرض دونوں مدتوں میں قریباً تین سو سال کا بعد ہے۔ صاحب کتاب الدعاء نے حسین بن حمدان کو فرقہ نصیریہ کا موسس بتایا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صواعق محرقة کے بیان کے بموجب فرقہ نصیریہ کا بانی ایک شخص محمد بن نصیر فہری تھا۔ بہر حال خصیبی کے مختصر حالات یہ ہیں کہ یہ شخص ایک غالی شیعہ تھا۔ اس نے مدعی نبوت ہونے کے بعد بغداد اور بصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ حکام نے اس پر سختی شروع کی اس لیے بھاگ کر پہلے سوریہ اور پھر دمشق چلا گیا۔ موخر ذکر مقام پر بھی اپنی من گھڑت نبوت کی ذہنی جانی شروع کی۔ حکام نے اس کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ مدت تک قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتا رہا۔ اس دوران میں اس نے داروغہ جیل پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ آخر اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں تک کہ داروغہ اس کی نبوت پر ایمان لا کر ہر وقت اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ پھر یہاں تک گرویدہ ہوا کہ نوکری تک چھوڑ دی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر حلب چلے گئے۔ ان دنوں حلب امیر سیف الدولہ بن حمدان کے زیر حکومت تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنی دعوت کی طرح ڈالی۔ لیکن سیف الدولہ نے اسے زیادہ دن تک اغوا کو شیوں کی مہلت نہ دی۔ چند ہی روز بعد گرفتار کر کے جمن میں ڈال دیا حالت قید میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ سیف الدولہ کو معلوم ہوا کہ یہ ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان ہے قید سے نکال کر اپنے مداحوں اور حاشیہ نشینوں میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد خصیبی نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ہدایہ رکھا۔ اور اس کو سیف الدولہ کے حرم میں پر معنون کیا۔ کتاب الدعاء میں اس کے جو حالات درج ہیں ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ سیف الدولہ

بھی ہانجام کھڑا اس کے تھینے تھیدوں کا کھائل ہو گیا تھا۔ یا کم از کم اس کی اغوا کوشیوں میں مدابنت کرنا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف شر و مضامات طلب میں اس کا مذہب چڑکڑ گیا۔ بلکہ کوہ حماہ اور ہذقیہ میں بھی اس کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کے مرنے سے پہلے اس کے پیروں کی تعداد تین لاکھ سے بھی تجاوز ہو گئی اور اس کی موت کے بعد اس کے پیروں بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ تک پہنچ گئے۔ کتاب اللہ میں لکھا ہے کہ اس کے پیروں میں بھی دمشق، حماہ، حلب، عراق، سہ یہ لکھ کر لکھ کر پائے جاتے ہیں۔ اس کے پیروں کی طرح اس کی تعلیمات بھی الحاد و زندقہ سے متصف ہیں۔ اس نے حج کی فرضیت فراموش کر لیا کہ لواد علی کے سوا کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے پیرو میری تعلیمات کا علی الاعلان اظہار نہ کریں۔ بلکہ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کی تبلیغ کریں اور بوالعجبی دیکھو کہ اس نے عورتوں کو لو امر دین سے مطلع کرنا حرام کر دیا تھا۔ 62۔

ابو القاسم احمد بن قسی

ابو القاسم احمد بن قسی شروع شروع میں جمہور مسلمین کے مذہب و مسلک پر کاربند تھا۔

لیکن پھر ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کی طرح تادیل بازی کی خاک اڑانی شروع کر دی اور عام زندگیوں کی طرح نصوص پر اپنی نفسانی خواہشات کا روغن قاز طے لگا۔ آخر بڑھتے بڑھتے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بہت لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ جب علی بن یوسف بن تاشفین شاہ مراکش کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسے بلا بھلا دہاں جا کر صاف لفظوں میں اپنی نبوت کا اقرار نہ کیا۔ بسوہ سخن ساری سے کام لے کر ہوشیار کو مطمئن کر کے پھیلایا۔ اس کے بعد اس نے شبہ کے پاس ایک گاؤں میں مسجد تعمیر کرائی اور اپنے باطل کو شہرت دینے لگا۔ جب جمعیت زیادہ ہوئی تو مقدمات طلب الیہ اور حزیلہ پر

قبضہ کر لیا لیکن تھوڑے دن کے بعد خود اس کا ایک فوجی سردار محمد بن وزیر نام اس کا مخالف ہو گیا اور فوج لے کر اس نے فرنگیوں سے مدد مانگی۔ اس لیے تمام پیر و اس سے برگشتہ ہو گئے لو اس کے قتل و استہلاک پر اتفاق کر لیا۔ ان ایام میں مراکش کی حکومت علی بن یوسف کے ہاتھ سے نکل کر عبدالمومن کے عنان اختیار میں چلی گئی تھی۔ یہ شخص بھاگ کر عبدالمومن کے پاس پہنچا۔ عبدالمومن نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم نبوت کے مدعی ہو؟ کہنے لگا کہ جس طرح صبح صادق بھی ہوتی ہے اور کاذب بھی اسی طرح نبوت بھی دو طرح کی ہے۔ صادق و کاذب۔ میں نبی ہوں لیکن نبی کاذب ہوں۔ ذہبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمومن نے اس کو قید کر دیا۔ اس کے سوال اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ ابن قسی 550ھ اور 560ھ کے درمیان کسی سال مرا ہے۔ شیخ ابو الحسن سعد کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ ابو القاسم احمد بن قسی کے خلاف غبار کدورت تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں نے ابن قسی کو زرد کوب کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہے یہ دیکھ کر ابن قسی نے کہا مجھے چھوڑ دے کیونکہ خدا نے مجھے دو جہوں سے شش دیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ وجوہ کیا ہیں؟ کہنے لگا ایک تو میں ظلماً قتل ہوا دوسرے کتاب ”ظلع النعلین“ تصنیف کی۔ 63۔ اگر یہ بیان صحیح ہے اور خواب بھی سچا تھا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن قسی تاب ہو کر

علی بن حسن شمیم

ابوالحسن علی بن حسن بن عذر معروف بہ شمیم مشہور شاعر ادیب اور نحوی الوہیت کا مدعی تھا۔ اس کا مولد و منشا معلوم نہیں۔ بغداد آکر ابو محمد بن خثاب وغیرہ ادیبوں سے علم ادب کی تحصیل کی۔ اس کو اشعار عرب بجز تیار تھے خود شعر خوب کہتا تھا۔ حسب بیان ذہبی ایک ادیب کا بیان ہے کہ میں 594ھ میں آمد کے مقام پر پہنچا اور دیکھا کہ اس کے لوگ اس کے بڑے گردیدہ ہیں۔ میں اس کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ بڑا ضعیف العمر ہے اور جسم بالکل نحیف ہو چکا ہے۔ اس کے سامنے کتابوں کا ایک جزدان رکھا تھا جس میں سب اسی کی تصنیفات تھیں۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علوم میں سے کچھ اقتباس کروں کہنے لگا تمہیں کون سا علم

مرغوب ہے؟ میں نے کہا ادب۔ بولا ادب میں میری تصانیف بجز ت ہیں اور حالت یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے تو اپنی کتابوں میں دوسروں کے اقوال بھرائے لیکن میری کتابوں میں جو کچھ درج ہے وہ میرے ہی نتائج فکر ہیں۔ اس کے بعد حقدین کو طعن و تشنیع کرتے ہوئے خود ستانی کرنے لگا۔ پہلے لوگوں کو شعر پڑھ پڑھ کر کہتا کہ فلاں گدھے نے یوں بکا اور فلاں اس طرح بھونکا۔ غرض دوسروں کی تضحیح اور اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ میں نے کہا اچھا کچھ اپنا کلام بھی سنائیے۔ اس نے اپنے اشعار پڑھے۔ میں نے خوب داد دی اور تحسین میں بہت مبالغہ کیا۔ چہیں جہیں ہو کر کہنے لگا کہ سوائے استحسان کے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا اچھا کیا کروں؟ کہنے لگا یوں کرو اور اٹھ کر رقص کرنے لگا۔ تالیاں جاتے اور ناچتے ناچتے تھک گیا۔ پھر بیٹھ کر کہنے لگا کہ کائنات میں صرف دو خالقوں کا وجود ہے ایک خالق آسمان میں ہے اور ایک زمین پر۔ آسمان پر تو اللہ ہے اور زمین پر میں۔ پھر بولا کہ عوام میری خالقیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلام کے سوائے کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہوں۔ ان التجار کہتے ہیں علی بن حسن شمیم بڑا عیب شاعر اور علوم عربیہ کا ماہر تھا لیکن ساتھ ہی پرلے درجے کا محقق اور بے دین تھا۔ اور لطف یہ کہ مجسمہ حق ہونے کے باوجود ہر شخص کا مذاق اڑاتا تھا اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ دنیا میں نہ کبھی میری

محمود واحد گیلانی

جو معاندین اسلام و دشمنان دین خاک ایران سے اٹھے۔ ان میں محمود واحد گیلانی ممتاز حیثیت رکھتا ہے یہ شخص موضع مہوان علاقہ گیلان کا رہنے والا تھا۔ اس نے دعوائے مہدویت کے ساتھ 600ھ میں ظہور کیا۔

ایرانی شجر عناد کا ایک نفرت انگیز شمر

محمود اپنی ذات کو شخص واحد اور تمام انبیائے کرام یہاں تک کہ مگر موجودات حضرت سید الاولین و الاخرین علیہ السلام سے بھی افضل بتاتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین منسوخ ہو گیا۔ اب یہ محمودی دور ہے۔ ارض و سما میں محمود ہی کا دین چلتا ہے۔ کہتا تھا کہ عربوں کے لیے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی باعث صد فخر و مہابت تھی اور اس فضیلت کی وجہ سے اہل عرب کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن میری بعثت پر عرب کا وہ فخر ایک قصہ پارینہ ہو گیا۔ چنانچہ بڑے ناز و بخت سے کہا کرتا تھا۔

رسید نومت رندان عاقبت محمود گزشت آل کہ عرب طعنہ بر عجم سے زد
لیکن یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ محمود گیلانی جیسے ہزاروں بوالہوس آسمان شہرت پر نمودار ہوئے اور شہاب ثاقب کی طرح چمک کر آنا فنا غائب ہو گئے اور بعض ہرزہ دریان کوئے نادانی کسی قدر لوج و عروج سے بھی ہمکنار ہوئے بھی تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کتوں کی بھی برابر کر سکتا۔ گو محمود خود ستائیوں اور ژاژ خانیوں میں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا لیکن اس کی شہرت اور بقائے دوام کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اس کے نام تک سے آشنا نہیں لیکن اسی محمود کے ایک ہم وطن حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی غلامی اور آپ کی کفش برداری کے طفیل وہ مقبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی کہ آٹھ نو صدیاں گزر جانے کے باوجود عرب و عجم میں ان کی عظمت کا ذکر چر رہا ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ محمود گیلانی کس کھیت کی مولیٰ تھا؟

کب پیدا ہوا اور کب مرا؟ محمود کا وجود اور اس کا مذہب دراصل اس قدیم مخالفت و عداوت کا ایک مظہر تھا جو ایرانیوں کو عربوں کے ساتھ علی العموم چلی آتی ہے۔ محمود نے علانیہ کوشش کی کہ عرب کی فوقیت پر خط تنسیخ کھینچ کر ایران کو دنیا کا مذہبی مرجع بنائے۔ اس تحریک کی بنیاد مذہب شیعہ نے جس کا گوارا سر زمین ایران ہے پہلے ہی ڈالنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ نجف کربلا کو حرمین شریفین پر اور آب فرات کو آب زمزم پر فضیلت دے دی گئی جیسا کہ مستند شیعہ مجتہدوں کی تحریک سے ظاہر ہوتا ہے۔

محمود کے دوسرے مخالفت

اب دوسرے محمودی مخالفت ملاحظہ ہوں۔ کتا تھا کہ جب جسد محمد ﷺ کمال کو پہنچ گیا تو میں پیدا ہوا چنانچہ قرآن کی آیت عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا (اے محمد! آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ 79:17) میں میری ہی بعثت کا ذکر ہے لیکن سنا جاتا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان بھی آج کل اپنے تئیں اس آیت کا مصداق ٹھہرا رہے ہیں لیکن انہی دو پر کیا موقوف ہے۔ معلوم نہیں ابھی قیامت تک کتنے اور زندیق اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق ٹھہراتے رہیں گے۔ محمود گیلانی اپنے دعویٰ کی تشریح یہ کرتا تھا کہ عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو اسے معدنی صورت حال ہوتی ہے پھر اس کی استعداد مزید ترقی کرتی ہے تو اس پر صورت نباتی فائض ہوتی ہے پھر قوت کو اور ترقی و نمو حاصل ہوتا ہے۔ تو اسے صورت حیوانی ملتی ہے پھر ان عناصر کی قوت اس سے بھی اور آگے ترقی کرتی ہے تو اسے انسانی صورت عطا ہوتی ہے۔ پھر ان عناصر نے جن کو صورت انسانی حاصل ہو چکی تھی ایسی ترقی کی کہ اس سے انسان کا کامل ظہور میں آیا۔ اسی طرح جسد انسانی کے اجزاء حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی میں تھے۔ یہاں تک کہ ان کو درجہ محمدی عطا ہوا۔ اس کے بعد جب یہ اجزاء صاف و شفاف ہو کر انتہائی کمال کو پہنچ گئے تو محمود کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اسی دعویٰ کی بنا پر کتا تھا۔

از محمد گریز در محمود کاندراں کاست داند رین افزدو

محمود کا بیان تھا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا۔ انا و علی من نور واحد (میں اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں) اور یہ بھی علیؑ سے فرمایا تھا۔ لحمک لحمی و جسمک جسمی (اے علیؑ! تمہارا اور میرا گوشت اور تمہارا اور میرا جسم ایک ہی ہیں) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے اجزاء اجزاء کی صفات و قوت مل گئی تو اس سے محمد ﷺ اور علیؑ کرم اللہ وجہہ کا جسم تیار ہوا پھر ان دونوں بزرگوں کے اجزاء جسم جمع ہوئے تو ان سے جسم محمود بنا۔ محمود خاک کو نقطہ کتا تھا۔ اس کے نزدیک تمام عناصر خاک سے پیدا ہوئے اور نقطہ

خاک ہی واجب اور مبد اول ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ سورج آگ ہے، چاند پانی اور آسمان ہوا ہے۔

محمود بنو کی طرح تناسخ کا قائل تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ آدم اور عالم کے دورے چونسٹھ چونسٹھ ہزار سال میں تمام ہوتے رہیں گے اور کتا تھا کہ جب ذی روح مر کر مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے بدن کے اجزاء نباتات یا جمادات کی صورت میں ظہور کرتے ہیں اور وہ نباتات انسان یا جانور کی غذا بن کر پھر وہی حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کوئی جسم انسانی سے حیوانی میں اور حیوانی سے نباتی میں اور نباتی سے جمادی میں یا اس کے برعکس تناسخ کرتا ہے تو اس کے اگلے جنم کی باتیں دوسرے جنم میں پہچان لی جاتی ہیں اور اس شناخت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے پچھلے جسم میں اس کے جو عادات ہوتے ہیں ان سے اگلے جنم کے عادات معلوم ہو جاتے ہیں۔ واحد یہ کی اصطلاح میں ایسی شناخت رکھنے والے آدمی کو موصیٰ کہتے ہیں اور اسی بنا پر انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس میں آئے اور موالیہ مٹلاش میں سے جس چیز کا نام اس شخص کے منہ سے نکلے تو سمجھ لینا چاہیے کہ پہلے جنم میں وہ وہی چیز تھا کتا تھا کہ پیدائش لول میں امام حسینؑ حضرت موسیٰؑ تھے اور یزید فرعون تھا۔ اس جنم میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رود نیل میں غرق کر دیا۔ اس پیدائش میں حضرت موسیٰؑ امام حسینؑ ہو گئے اور فرعون یزید بن معاویہ نے امام حسینؑ کو فرات کا پانی نہ دیا۔ اور انہیں شہید کر دیا۔ اور کتا تھا کہ کتا پہلی پیدائش میں قزلباش تھا۔ اور اس کی ٹیڑھی دم تلوار ہے۔ اس کے نزدیک لوہے کا کمال کو پہنچ جانا یہ ہے کہ اس سے کوئی نبی یادی شہید کیا جائے اور کتا تھا کہ تمام فریب پیشہ حاجی جو عبائی کربلائی (ایک قسم کا دھاری دار کپڑا) پہنے پھرتے ہیں اور مکرو تزیوران کا خاصہ ہے جب مرے گئے تو آئندہ جنم میں اگر جسم انسانی میں منتقل ہوں گے تو گلہری بنائے جائیں گے اور اگر جسم نباتی میں انتقال کیا تو دھاری دار تریوزن بن گئے۔ اور اگر پتھر کے جسم میں منتقل ہوئے تو سنگ سلیمانی بنائے جائیں گے۔ کتا تھا کہ کرم شب تاب یعنی جگنو مشعلی ہے جو بدرتج نزول کر کے اس جسم میں آیا ہے اس کا دعویٰ تھا کہ حیوانات نباتات اور جمادات میں سے جن کارنگ کالا ہے وہ پہلے سیاہ فام تھے اور جو اب سفید ہیں وہ سپید رو آدمی تھے۔ محمود نے تمام آیات قرآنی کی تاویل و تخریف کر کے اپنے مذہب پر استدلال کیا۔ اور مرزا یوں کی طرح نصوص کی ایسی ریکھ لکھ کر تالیف کی کہ جن سے سلف اور خلف کے کان ہرگز آشنا نہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی طغیانہ جسارت ہر دروغ بانف مدعی کا خاصہ شاملہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہل ضلالت کے مذہب کی بنیاد ہی ان بعید تالیفوں پر قائم ہے کیونکہ اگر وہ قرآن و حدیث کے مطلب و مفہوم کے ہکاڑنے سے احتراز کریں تو ان کی دکانداری ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔

واحدی لوگ گو خال خال دنیا کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں مگر ایران میں

زیادہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں مخفی رکھتے ہیں۔ ان کا قبلہ آفتاب ہے اس لیے وہ آفتاب کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان میں ایک دعاء رائج ہے جسے آفتاب روہ کو پڑھتے ہیں۔ ان کا سلام اللہ اللہ ہے۔ اس فرقہ کے ممتاز آدمی امین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ درویش صفاء، درویش بقائے واحد، درویش اسمعیل، میرزا تقی، شیخ لطف اللہ، شیخ شہاب، تراب اور کمال اس فرقہ کے مشہور امین تھے۔ بچہ جتنے علماء و صلحائے امت محمود کے عہد میں تھے یا جو اس کے بعد ہوئے ان سب کو بھی وہاں کے لوگ محمودی کے پیر دہاتے ہیں۔ ایک واحدی کا قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی کا بھی (معاذ اللہ) یہی مذہب تھا چونکہ محمود زیادہ تر ساحل رودارس پر رہتا تھا۔ خواجہ حافظ نے اپنے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اے مبارک بھری مد ساحل رودارس سو زلف خاک آں وادی و مشکیں کن نفس

شاہ عباس صفوی کے ہاتھوں فتنہ واحدیہ کا قلع قمع

جب واحدیوں کی شرائط زیادہ وسعت پذیر ہوئیں تو شاہ عباس بن شاہ صفوی نے دار گیر کا سلسلہ شروع کیا اور ان میں سے ہزاروں کو دارالبوار پہنچا دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ بلا جود اس اخذ و بھش کے شاہ عباس نے بھی تراب اور کمال سے یہ مذہب حاصل کیا تھا۔ مگر پھر دنیا داری اور شہرت کی غرض سے ان دونوں کو مر و اڈالا۔ شاہ عباس اپنے آپ کو پہچان گیا لیکن کامل نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس نے دنیا کی خاطر اور اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی غرض سے واحدیوں کو قتل کر دیا۔ لیکن اس کے برخلاف واحدی امین کا مقولہ تھا کہ شاہ عباس امین کامل تھا وہ جس کسی کو دیکھتا کہ دین واحد میں پوری طرح رسائی نہیں حاصل کر سکا تو اسے ہلاک کر دیتا۔ امین مذکور کا بیان ہے کہ شاہ عباس میری صحبت میں رہا۔ ایک مرتبہ کہنے لگا کہ میں آپ کو اصفہان لے چلوں گا۔ میں نے اصفہان جانا پسند نہ کیا تو مجھے سفر ہند کا زوارہ اور توشہ دے کر رخصت کر دیا۔ واحدی کہتے ہیں۔ شاہ عباس پاپیادہ مشہد آیا تو تراب سے کہنے لگا کہ مجھے پیدل چلنے کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ تراب نے جواب دیا کہ یہ تمہاری دنات طبع ہے کیونکہ یہ امام جس کے لیے تم جاہ پیا ہو۔ اگر پیوستہ حق ہے تو اسے اس کے مزار میں ناحق تلاش کرتے ہو۔ اور اگر حق سے پیوستہ نہیں تو تم اس سے کیا توقع رکھ سکتے ہو؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم زندہ امام کی خدمت میں پہنچو۔ شاہ عباس پوچھنے لگا۔ زندہ امام کہاں ہے کمال نے کہا۔ زندہ امام میں ہوں۔ شاہ عباس بولا۔ اچھا میں تجھے نشانہ بندوق بتا ہوں۔ اگر گولی نے کوئی اثر نہ کیا تو میں تمہاری طرف رجوع کر لوں گا۔ تراب نے جواب دیا کہ تمہارے امام رضا ایک دانہ انگور سے جان حق ہو گئے تھے میں بندوق کی گولی کھا کر کیونکر زندہ رہ سکتا ہوں؟ شاہ عباس نے تراب کو گولی کا نشانہ بنا کر نذرانہ اجل کر دیا۔ اور چونکہ کمال نے بھی تراب کی ہمنوائی اختیار کی تھی اس کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کر دیا۔ 66۔

عبدالحق بن سبعین مرسی

قطب الدین ابو محمد عبدالحق بن احمد ایہم بن محمد بن نصر بن محمد بن حسین مرسی نبوت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو سبعیہ کہلاتے ہیں۔ ملک مغرب کے ایک قصبہ مرسیہ میں ظاہر ہوا۔ اکابر صوفیہ کی طرح اس کا کلام بھی بڑا غامض و دقیق تھا۔ چنانچہ امام شمس الدین ذہبی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی القضاۃ تقی الدین بن دقیق العید چاشت سے لے کر ظہر تک ابن سبعین کے پاس بیٹھے رہے۔ اس اثنا میں وہ مسلسل گفتگو کرتا رہا۔ علامہ تقی الدین اس کلام کے مفرد الفاظ تو سمجھتے تھے لیکن مرکبات ان کے مبلغ فہم سے بالاتر تھے۔ عبدالحق ایک کلمہ کفر کے باعث ملک مغرب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ امر نبوت میں بڑی وسعت اور گنجائش تھی لیکن ابن آمنہ (حضرت خاتم الانبیاء ﷺ) نے لانی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا) کہہ کر اس میں بڑی تنگی کر دی۔ امام سخاوی لکھتے ہیں کہ یہ شخص اسی ایک کلمہ کی بنا پر ملت اسلام سے خارج ہو گیا تھا حالانکہ رب العالمین کی ذات برتر کے متعلق اس کے جو خیالات تھے وہ کفر میں اس سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ یہ تو عقاید کا حال تھا۔ اعمال کے متعلق امام سخاوی فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک صالح آدمی نے جو سبعیوں کی مجلسوں میں رہ چکا تھا بیان کیا کہ یہ لوگ نماز اور دوسرے مذہبی فرائض کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ جب عبدالحق وطن سے نکلا تو اس وقت اس کی عمر تیس سال کی تھی اس وقت طلبہ اور اس کے پیروؤں کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ جن میں بڑھے بڑھے آدمی بھی داخل تھے۔ جب دس دن کی مسافت طے کی تو مرید اسے ایک حمام میں غسل کے لیے لے گئے۔ حمام کا خادم اس کے پیر ملتے وقت پوچھنے لگا کہ آپ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرسیہ کے۔ خادم نے کہا وہی مرسیہ جہاں ابن سبعین نامی ایک زندیق ظاہر ہوا ہے؟ لیکن سبعین نے اپنے مریدوں کو اشارہ کر دیا کہ کوئی شخص اس سے ہم کلام نہ ہو۔ ابن سبعین نے کہا ہاں ہم اسی مرسیہ کے رہنے والے ہیں۔ اب یہ خادم ابن سبعین کو گالیاں دینے اور اس پر لعنتیں برسانے لگا۔ لیکن سبعین نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ خادم سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ اور وہ اسے گالیاں دیئے جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر عبدالحق کے ایک مرید کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور عالم غیظ میں کہنے لگا۔ تیرا لہو تو اسی شخص کو گالیاں دے رہا ہے کہ جس کی تو خدمت میں مشغول ہے اور حق تعالیٰ نے تجھے ایک لونی عظیم کی حیثیت سے اس کے پیروؤں کے نیچے ڈال رکھا ہے۔ یہ سن کر خادم شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا استغفر اللہ۔ ابن سبعین میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ محتاجوں کا مرئی اور مسکینوں کا خدمت

گذر تھا اور تیبوں اور بیواؤں کی کفالت میں اسے بڑی دلچسپی تھی۔ زندگی کے آخری دور میں لنن سببوعین مکہ معظمہ چلا گیا حاکم مکہ کو کوئی مرض تھا۔ لنن سببوعین کے علاج معالجہ سے وہ تندرست ہو گیا اس لیے وہ اس کی بہت عزت و توقیر کرنے لگا۔ شیخ صفی الدین ہندی کا بیان ہے کہ 666ھ میں اس سے مکہ معظمہ میں میری ملاقات ہوئی اور علم فلسفہ میں باہم گفتگو رہی۔ مجھے کہنے لگا کہ تمہیں مکہ جیسے مقدس مقام میں نہیں رہنا چاہیے۔ میں نے کہا پھر تم یہاں کیوں اقامت گزریں ہو؟ یو لاکہ یہاں کا قیام میرے مقدر ہو چکا ہے کیونکہ حاکم مجھے چاہتا ہے اور شرفائے مکہ سے میرے مراسم قائم ہیں اور حاکم یمن بھی میرا معتقد ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص سیسیا اور کیمیا جانتا تھا۔ اور اس نے سونا بنانا کر اسی ہزار دینار اہل مکہ پر خرچ کئے تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً کتاب الاحاطہ لابد للعارف منہ رسالۃ العمد، مجلد فی الجوہر۔ ان کتابوں کے الفاظ فصیح اور معنی بلیغ تھے۔ 668ھ میں اس نے ضد کھلوایا لیکن خون کو بند نہ کر سکا۔ آخر اتنا خون نکل گیا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ 67۔

احمد بن عبد اللہ مہتمم

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن ہاشم معروف بہ مہتمم رمضان 658ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ جب بڑا ہوا اہل ہند کی تعلیم کے بعد شیخ تقی الدین بن دتیب العید کی خدمت میں فقہ شافعی کی تحصیل اور سماع حدیث میں مشغول ہوا۔ یہاں تک شیخ تقی الدین کے حلقہ درس میں حدیث نبوی سنتا رہا۔ علاوہ ازیں انماطی سے صحیح مسلم اور شیخ تقی الدین بن دتیب سے متعدد دہری بڑی کتابیں سنیں۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد اس نے عبادت و ریاضت کا طریقہ اختیار کیا۔ جو شخص دن و رات کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ابلیس کی طرف سے اس کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں شروع ہو جاتی ہیں۔ جنوں مختلف نوری شکلوں میں رونما ہوتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اور مدارج علیا کے مژدے بنا کر راہ حق کی تلاش کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی مسیحا نفس مرشد کا ظل عاطفت سر پر تو آگن ہو تو عابد شیطانی دام تزدیر سے محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ وہ ایسی بری طرح پھنسی دیتے ہیں کہ عابد صراط مستقیم کی جبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ کر ہلاکت کے اسفل السافلین میں جا پڑتا ہے۔ اگر عابد کسی ہلائی طریقت کے برکت انفا سے محروم ہو تو جنود ابلیس سے محفوظ ہونے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت اور مسلک سلف صالح کی میزان حق کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ ہر چیز کو قرآن و حدیث سے دیکھے اور اپنے تمام انکشافات کو منجانب اللہ یقین کرنے سے پہلے اس کوئی پرکس کر دیکھ لیا کرے۔ لیکن مشکوک بہت سے عابد نوری شکلیں دیکھتے اور طرح طرح کی دل آویز صدا سننے سنتے ہیں تو تمام تو ائے عقلمیہ کھو بیٹھتے ہیں۔ اور کتاب و سنت اور مسلک سلف صالح کے معیار حق کو طاق نسیان پر رکھ کر اپنی بدبختی سے شیاطین کے آگے کٹ پٹی طرح ناپنے لگتے ہیں۔ جب احمد پر شیاطین نے حسب معتاد نچہ اغوا مارا تو عامہ عباد کی طرح اس کا مزاج بھی اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ چنانچہ 689ھ میں بڑے لمبے چوڑے دعوے کر دیئے۔ پہلے تو کہنے لگا کہ میں نے بارہا خداوند عالم کو خواب میں دیکھا ہے یہ تو خیر کچھ بعید نہ تھا کیونکہ اہل اللہ رب العالمین کو خواب میں بے کیف دیکھا کرتے ہیں لیکن اس کے بعد اس نے یہ رٹ لگانی شروع کی کہ مجھے حالت بیداری میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں آسمانوں کو عبور کر کے سدرة المنتہی تک اور وہاں سے عرش اعظم تک پہنچا۔ اس وقت جبریل امین اور ملائکہ کا ایک جم غفیر میرے ساتھ تھا۔ خدا تعالیٰ مجھ سے مکلام ہوا اور مجھے بتایا کہ تم ممدی مد عود ہو۔ ملائکہ نے مجھے بڑی بڑی بھارتیں دیں۔ اور خود سردر کائنات سے ملاتی ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور تم ہی ممدی مد عود ہو۔ آپ نے مجھے

حکم دیا کہ اپنی مہدویت کا اعلان کر دو۔ اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ جب احمد کے ان بلند بانگ دعوؤں کا شرہ ہوا تو حاکم قاہرہ نے اس کو گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے قید خانہ میں جا کر اس کا گلا گھونٹ دینے کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا انہی ایام میں اس کے استاد قاضی القضاۃ شیخ تقی الدین بن دقیق العید اس کے پاس مجلس میں گئے اور دیکھا کہ اس نے پانی کا گھڑ اور کھانے کے برتن توڑ دیئے ہیں اور لوگوں پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کو دیوانہ قرار دے کر رہا کر دیا۔ جب شیخ نصیر فہمی کو اس کا علم ہوا تو انہیں سخت ناگوار ہوا۔ انہوں نے پھر اس سے جو ان کا معتقد تھا۔ اس کی شکایت کی اور اسے مشورہ دیا کہ جام زہر پلا کر اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اس کو پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی شراب میں ملا کر اس کو زہر دیا گیا۔ لیکن پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا اور جب وہی شراب ایک واجب القتل قیدی کو پلائی گئی تو وہ معاہلک ہو گیا لیکن مقام مسرت ہے کہ کچھ زمانہ کے بعد بوائے موافق نے اسے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں وہ مہدی نہیں ہوں جن کے ظہور کی حضرت مخبر صادق علیہ السلام نے بعثت دے رکھی ہے بلکہ میں صرف مہدی بمعنی ہدایت یافتہ ہوں۔ آخر 740ھ میں مر گیا۔ اس وقت اس کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ 68۔

باب 47

عبداللہ راعی شامی

یہ ایک شامی چرواہا تھا جس کا نام اور زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ میں نے اپنی طرف سے اس کا نام عبداللہ تجویز کر دیا ہے۔ شہر طبریہ میں رہتا تھا اور وہاں کے باشندے اسے عموماً چرواہا کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں وہی شخص ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جس کے ظہور کی بشارت دی گئی تھی۔ علامہ عبدالرحمن بن ابوجرد مشقی معروف بہ جابری نے لکھا کہ اس کے پاس ایک لائٹھی تھی جس سے خوارق عادات ظہور میں آتے تھے اور اہل زمانہ کی عقل ان خوارق پر حیران تھی۔ اس لائٹھی میں متعدد اعجازی تصرفات ودیعت تھے۔ جب اس کو گرمی کے وقت زمین میں گاڑتا تو معاً ایک درخت بن جاتا۔ جس میں آنا فانا شاخیں اور پتے نمودار ہوتے اور یہ اپنی بحریوں سمیت اس کے سایہ میں بیٹھ جاتا۔ اس کا ایک خاصہ یہ تھا کہ درندوں اور جنگلی جانوروں کو اس سے ایک شعلہ نکلتا

دکھائی دیتا جس کی وجہ سے یہ راعی وحوش اور درندوں کو جدھر چاہتا بھریوں کی طرح ہانک لے جاتا تھا۔ اور شیر پیتا وغیرہ کسی درندہ کی مجال نہ تھی کہ اس کے حکم سے سر تالی کرے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح اس لاشعی میں یہ خاصیت بھی ودیعت تھی کہ جب اس کو زمین پر ڈالتا تو ایک بڑا اثر دہا بن کر اس کے سامنے دوڑنے لگتا۔ جو بڑی کلکتے ہیں کہ کوئی شخص اس لاشعی کا راز معلوم نہیں کر سکا۔ 69۔

باب 48

عبدالعزیز طرابلسی

ابن عماد نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز ایک پہاڑی شخص تھا جس نے 717ھ میں مدویت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے جملاء خصوصاً نصیر یہ فرقہ کے پیروؤں نے اس کی متابعت اختیار کی۔ یہاں تک کہ اس کی جمعیت تین ہزار تک پہنچ گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح یہ بھی کئی رنگ بدلتا رہتا تھا۔ کبھی تو کہتا کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں۔ کبھی کہتا کہ میں علی مرتضیٰ ہوں اور کبھی مہدی منتظر بن بیٹھتا۔ اس شخص کا دعویٰ تھا کہ نصیر یہ کے سوا دنیا بھر کے ادیان باطل ہیں۔ اس کے پیرو نعرہ بکبیر کی جگہ یہ آواز بلند کرتے تھے۔ لا الہ الا علی، لا حجاب الا محمد، لا باب الا سلمان (علیؑ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد ﷺ کے سوا کوئی حجاب نہیں اور سلمان فارسی کے سوا کوئی دروازہ نہیں) یہ شخص شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی بے شمار مسجدیں مسمار کر دیں۔ اس کے پیرو مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر اس کے پاس لاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے معبود کو جودہ کر دو۔ جو کوئی اس ناپاکار کے سامنے سر بسجود ہو جاتا اس کی جان بخشی کی جاتی ورنہ معاً علف تیغ مادیایا جاتا۔ جب حاکم طرابلس کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اس کی سرکوفی کے لیے لشکر روانہ کیا۔ فوج نے آکر اس کو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا۔ اور اس کی جماعت کو تباہ و برباد کر دیا۔ 70۔

اولیس رومی

علامہ علی قاریؒ نے کتاب ”المعرب الوردی فی مذہب المہدی“ میں جو انہوں نے 965ھ میں مکہ معظمہ میں تالیف کی لکھا کہ ایک شیخ نے جسے اولیس کہا کرتے تھے۔ (ترکی) سلطان بایزید کے عہد سلطنت میں مہدویت کا دعویٰ کیا اس کے اسی خلیفہ تھے۔ ایک دن خلفاء کو جمع کر کے کہنے لگا۔ ”مجھے کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ تم بھی اپنے باطن کی طرف توجہ کرو اور جو کچھ تم پر ظاہر ہو اس سے مجھے اطلاع دو۔“ خلفاء اپنی اپنی جگہ توجہ باطنی کرتے رہے آخر سب نے آکر بیان کیا کہ ہمارے نزدیک آپ اس دعویٰ میں حق پر ہیں۔ اس کے بعض خلفاء نے سلطان بایزید سے یہ واقعہ عرض کیا۔ سلطان بڑا دیندار بادشاہ تھا۔ اس نے سن کر کہا۔ ”بہتر ہے کہ تم لوگ خراج کرو۔ میں ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اور ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں۔“ لیکن جب

لوئیس نے تھوڑے دن کے بعد از سر نو باطن کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ امام ربانی نہ تھا بلکہ القائے شیطانی تھا۔ جھٹ دعویٰ مہدویت سے رجوع کیا۔ اپنے خلفاء کو اس کی اطلاع کرائی اور سلطان کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ 71۔ تاہم غنیمت ہے کہ جلد تسخیر کیا اور نہ صرف خود لدا آباد تک ورنہ خسروں میں پڑا رہتا بلکہ جب تک اس کے اغوا و اضلال کا کوئی شائبہ معمورہ عالم میں پایا جاتا اس کے بیروں کی گمراہی کا وبال بھی اس پر پڑتا۔ لیکن اولیس کے مقابلہ میں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب ہدیائی کی حرمان نصیبی قابل افسوس ہے یہ بے چارے پہلے دن جن بھول بھلیوں میں پھنسے دم واپس تک انہی میں سرگشتہ و حیران رہے اور ان سے لگنا کبھی نصیب نہ ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوئیس کی ہدایت یابی اور مرزا صاحب کی شقاوت پسندی قضا و قدر سے ذراستہ تھی۔ میں اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرتا ہوں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ خوبی قسمت کو خلوص و حسن نیت سے اور شومی تقدیر کو سوء نیت سے گمراہ تعلق ہے۔ لوئیس اور مرزا صاحب کے نصب العین اور زلیوہ بنے صفحہ میں جن فرق تھا۔ لوئیس بے چارہ رب غفور کا مخلص مددہ تھا۔ خدائے کردگار کی نصرت بخشیموں نے اس کے خلوص اور حسن نیت کی برکت سے اسے شیاطین کے پنجہ اغوا سے نجات دلائی لیکن اس کے مقابلہ میں ہمارے مرزا صاحب کو دلالت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان کی زندگی کا نصب العین دنیا پرستی اور عیش و راحت تھا۔ اور وہ از سر ہمدم خواہشات نفسانی اور حظوظ

فانی کے غلام تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب نے حنب میان
الفضل کی ایک لڑکی عائشہ بیگم بنت شادی خان کو پیر دبانے پر متعین کر رکھا تھا۔ پلو مرکینی لاہور
سے پورٹ دائن منگوا لیا کرتے تھے اور حضرت ”مسح موعود“ صاحب کے لیے جو پلاؤ تیار کیا جاتا تھا
اس میں سہمی کی جگہ روغن بادام ڈالا جاتا تھا۔

احمد بن ہلال حسانی

احمد بن ہلال حسانی وقت کا ایک مشہور زندیق تھا جو ابن سبعین کے بعد ظاہر ہوا۔ اس نے دمشق میں نشوونمو پایا۔ آٹھویں صدی کے اختتام پر حلب پہنچا اور قاضی شرف الدین انصاری سے کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے قاہرہ جا کر کچھ مدت اقامت گزیر رہا۔ قاہرہ سے حلب واپس آیا اور مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی آئمہ کبار کی شان میں دریدہ دہنی کرنے لگا۔ یہ شخص کتا تھا کہ میں براہ راست خدائے برتر سے علوم حاصل کرتا ہوں اور میں ہی دائرہ کائنات کا نقطہ ہوں۔ اس سے بہت سے کفریات صریحہ میان کئے گئے ہیں کتا ہے کہ مجھے حالت بیداری میں آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ تمام انبیاء سے حالت بیداری میں میرا اجتماع ہوتا ہے اور بیداری ہی میں ملائکہ سے ہم کلام ہوتا ہوں۔ اور کہا کرتا تھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو مقام عظیم اور محمد (ﷺ) کو مقام تکمیل عطا کئے گئے لیکن مجھے یہ دونوں مقام بخشے گئے ہیں۔ بائیں ہمہ نہ تو نماز کا پلہ تھا اور نہ اسے شریعت ہی کی پروا تھی۔ بہت لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی۔ اس کے فتنے نے نہایت خوفناک صورت اختیار کر لی۔ آخر 9 شوال 823ھ کو دست اجل نے اس کا نیشوا لیا اور خدا کی مخلوق اس کے فتنے سے مامون ہوئی۔ 72۔

سید محمد جوپوری

سید محمد جوپوری مدعی مہدویت کی ولادت 847ھ میں بمقام جون پور ہوئی۔ جو صوبہ اودھ کا ایک مشہور شہر ہے۔ اس کے پیر و جو مہدویہ کہلاتے ہیں اپنے مقتدا کو ”میراں سید محمد مہدی موعود“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سید محمد کے باپ کا نام سید خاں لور و والدہ کا نام بھول مولف مطلع الولاہت بی بی اخلاک تھا لیکن ساترین مہدویہ نے کچھ زمانہ کے بعد جب کہ محمد جوپوری کے آباؤ اجداد کا جاننے والا کوئی نہ رہا۔ محمد کے باپ کا نام سید عبداللہ لکھنا شروع کر دیا تاکہ اس کا دعویٰ مہدویت حضور سرور عالم ﷺ کی اس پیش گوئی کے رو سے باطل نہ ٹھہرے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ امام آخر الزمان کا نام میرے نام سے ملتا ہوگا لور ان کے والد کا نام میرے والد کے اسم گرامی سے مطابقت رکھے گا بلکہ برہان الدین مہدوی مولف شواہد الولاہت نے تو ماں کا نام بھی آمنہ تجویز کر کے

اپنے پیر مغاں کو پوری طرح مہدیت کے قالب میں ڈھال دیا۔ حالانکہ خود سید محمد نے مدت العمر کبھی اس بات کا دعویٰ نہ کیا تھا اس کے والد کا نام عبداللہ لور ماں کا نام آمنہ ہے بلکہ اس کے برعکس جب لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تو یہ کہا ہے کہ یواہلی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسمابی (مہدی کا نام میرے نام سے لور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا) لور تمہارے باپ کا نام سید خاں ہے تو جواب دیا کہ ”میا خدائے قادر و توانا اس بات کی قدرت نہیں رکھتا وہ سید خان کے بیٹے کو منصب مہدویت پر سرفراز فرمائے؟ اسی طرح ایک مرتبہ اس کے ایک حریف نے اسے اپنے استدلال سے مغلوب کرنا چاہا تو سید محمد سخت برہمی کے عالم میں کہنے لگا کہ تم خدا سے جنگ کیوں نہیں کرتے کہ اس نے سید خاں کے لڑکے کو مہدی بنا دیا؟ سید محمد موزون اندام، کشیدہ قامت اور نہایت خوب و تھا۔ چمن ہی سے طباعت لور فطانت کا جو ہر چہرہ سخت پرچک رہا تھا۔

”اسد العلماء“ کا خطاب

کہتے ہیں کہ سید نے سات ہی سال کی عمر میں کہ آغاز اور اک و شعور کا زمانہ ہے کہ کلام الہی حفظ کر لیا اور بارہ کے سن میں تمام معلوم در سید سے فراغت پا کر دستار فضیلت باندھ لی۔ سید عنقوان شباب ہی سے برجستہ گوئی اور حسن تقریر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شیخ دانیال چشتی ”اور علمائے وقت نے اس کی وقت نظری اور ادبی موشگافیوں کو ملحوظ رکھ کر اسے ”اسد العلماء“ کا خطاب دیا۔ ان ایام میں ہندوستان کی فضا پر اہل تصوف کے خیالات چھائے ہوئے تھے اور صوفیانہ مذاق کی گرم بازاری تھی اس لیے اب سید کو اہل طریقت کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے کا شوق و امعیر ہوا چنانچہ شیخ دانیال چشتی ”کے دست حق پرست پر خانوادہ چشتیہ میں بیعت کی اور ایک مدت تک محنت شاقہ اٹھا کر جو یائے حق رہا۔ اس اور اک سعادت سے پیشتر تو صرف علوم قالی میں کمال پیدا کیا تھا۔ شیخ کے فیضان صحبت نے اس جوہر کو لور جلا دے کر علوم حالی میں بھی مالا مال کر دیا۔ اب سید علائق دنیوی سے آزادی ہو کر انتہائی تقبل و اعتلا کے ساتھ ہر وقت یاد الہی میں مصروف رہنے لگا۔ ذکر و فکر کے سوا کسی کام کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ عقیدت مند پر واندہ ہر طرف سے ہجوم کر کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سید کی ذات مرجع خواص و عوام بنگلہ سید اوائل میں کسی سے ہدیہ و نذرانہ قبول نہ کرتا تھا اور بزرگان سلف کی طرح نہایت عسرت کے ساتھ گزر بسر کرتا تھا اس کی پوشش و خورش فقیرانہ تھی۔ اس کی ہر اداسے بزرگانہ انکسار اور رویشی کی شان نمایاں تھی۔ لور بلا وجودیکہ سلاطین اسلام اس کی خدمت و ملازمت سے شرف اندوز سعادت ہونا چاہتے تھے اور دعوت دیتے تھے کہ ان کی مملکت میں قدم رنجہ فرمائیں مگر سید نے پیران چشت کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سلاطین اور اہل ثروت سے راہ در سم پیدا کرنا پسند نہ کیا۔

راجہ دلیپ رائے اور حاکم دانا پور

اس وقت دہلی میں خاندان تغلق کا آفتاب اقبال لب بام تھا۔ احمد آباد گجرات میں سلطان محمود دیکرہ جیسے باقبال بادشاہ کی تلوار چمک رہی تھی۔ دکن میں خاندان بہمنیہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ مالوہ میں سلطان غیاث الدین اور احمد نگر میں احمد نظام الملک بخری سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے علاوہ چند ایسی خود مختار ریاستیں تھیں جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے قبضہ اقتدار میں تھیں۔ جو پور کا علاقہ رناست دانا پور کی عملداری میں داخل تھا۔ جہاں کا مسلمان حاکم ایک ہندو راجہ دلیپ رائے نام کا باجھڑ تھا ان ایام میں امیر حسین والئی دہلی پور کی محبوب ترین خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح آزادی و خود مختاری کی نعمت سے کامگار ہو اور گونہاں خانہ دل حریت و خود مختاری کی انگلوں سے لبریز تھا لیکن اپنی بے سروسامانی اور قلت سپاہ کا احساس رکھتے ہوئے کسی طرح سر تالی کی جرات نہ ہوتی تھی۔ امیر حسین نے سید محمد کے فضل و کمال کا شرہ سنا تو دل میں زیارت کا شوق سرسرایا۔ چنانچہ ایک روز وہ میر و شکار کے بہانے جو پور آیا اور سلک مریدین میں منتظم ہو کر عنایت و التفات میں ممتاز ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ جو پور آیا اور سید سے کہنے لگا کہ خاکسار کی دلی تمنا یہ ہے کہ حضور کے قدموں میں پزار ہوں۔ لیکن اس صورت میں امور سلطنت کا انصرام محال ہے چونکہ ایک لمحہ بھی مفارقت گوارا نہیں اس لیے یا تو حکم ہو کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے یہاں چلا آؤں اور حضور کی کفش برداری اختیار کروں اور اگر اس عرضداشت کو شرف پذیرائی نہ بخشا جائے تو پھر درخواست کروں گا کہ حضور پر نور خاکسار پنجمیر ز کے غرمت کدہ کو اپنے قدم بہمنتلزوم سے منور فرمائیں۔ سید نے اس کے جذبہ محبت اور اخلاص عقیدت سے متاثر ہو کر مؤخر الذکر التماس کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ دانا پور جا کر ایوان سلطانی میں سکونت اختیار کی۔ سید کو دانا پور میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا بہت زریں موقع مل گیا چنانچہ اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت دانا پور اور مضافات کے ہزار ہا ہندو شرف اسلام سے مسعد ہوئے۔ یہ سب خبریں دلیپ رائے کو پہنچی تھیں لیکن وہ زہر کا گھونٹ پی کر خاموش رہ جاتا۔ دلیپ رائے ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم سپہ سالار اور انتہا درجہ کا مدبر فرمانروا تھا۔ جہادری و بسالت اس کا ذاتی جوہر تھا۔ دشمن کا خوف و ہراس کے پاس نہ پھٹکتا تھا لیکن وہ امر جس کی بدولت اس نے نمایاں شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ وہ اس کی مذہبی راسخ الاعتقادی اور مت پرستی کا شغف تھا۔ گو ہندوستان کے کئی ایک علاقوں میں اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب کفر و وثنیت کے خس و خاشاک کو بہا لے جا رہا تھا تاہم اس کی عملداری میں ہر ہندو کا گھر بیت اللصنم تھا۔ اس مت پرستانہ رسم کمن کے موسم و موید برہمن تھے۔ جنہیں مسلمانوں سے دلی نفرت و عداوت تھی۔ کیونکہ

اہل توحید نہ صرف شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے بلکہ جب کبھی موقع ملتا ہت شکنی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان ایام میں ہر ایک معرکہ پر جو ہندو راجاؤں اور مسلم سلاطین میں ہوتا تھا۔ رنگ چڑھا ہوتا تھا۔ راجہ دلیپ رائے اپنی شجاعت کے نشہ میں چور تھا اور اس کے سپاہی بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھر رہے تھے تاہم اسے اس بات کا یقین تھا کہ جانبازی کے میدان میں اہل توحید سے گئے سبقت لے جانا کوئی آسان کام نہیں۔ علاوہ ازیں اس کے چاروں طرف مسلمان بادشاہ حکمران تھے جو اسے سرائٹھانے کا موقع نہ دیتے تھے۔ دلیپ رائے نے ہزار جتن کئے کہ اس کی قلمرو میں کوئی ہندو حلقہ اسلام میں داخل نہ ہو لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔

راجہ دلیپ رائے سے جنگ آزما ہونے کی تحریک

ایک دن سید محمد مرید ان باصفا کے حلقہ میں بیٹھا ہوا توحید کے محاسن اور کفر و شرک کے عیوب بیان کر رہا تھا۔ اس وقت امیر حسین بھی موجود تھا یک ایک سید کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ایک بے خودی طاری ہو گئی۔ اس حالت جذبہ میں حسین کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور کہا۔ اے امیر! باب حکومت کو خدا نے اعداء کے لیے تیار کر دیا ہے۔ مگر آج صفحہ ہستی پر تجھ سے زیادہ محروم قسمت انسان کوئی نہ ہوگا کہ تیری ذات سے اسلام رسوا ہو رہا ہے۔ اور تو طاعنوت پرستی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا کفر کے غلبہ و تفوق کا باعث بنا ہوا ہے۔ امیر سید کو غضب میں دیکھ کر سہم گیا۔ حاضرین بھی عالم ہر اس میں ایک دوسرے کا منہ نکلنے لگے۔ سید کے رخ انور پر ایسا جلال آ رہا تھا کہ نظر اٹھا کر دیکھنا نہ جاتا تھا۔ سید نے دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کی بوالہوسی کا ذکر کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی فریضت بیان کرنی شروع کی اور آیات و روایات کے حوالوں سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر کھینچ دی کہ مسلمان اس سرانے فانی میں محض اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ عزت کے ساتھ غالب رہ کے جئے ورنہ جان دے دے۔ اس کے بعد سید با آواز بلند کہنے لگا۔ اے عیش پرست کابلو اور اے نفس لمارہ کے غلامو! اٹھو اور کمر ہمت کو مضبوط باندھو اور سب مل کر خدائے برتر کی راہ میں سر بھٹ ہو جائیں اور ملک خدا کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے پاک کر کے نور توحید سے منور کر دیں اس پیام میں حق و صداقت کی جو روح تھی اس نے بواکام کیا۔ تمام حاضرین نے اس پیام کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ پیغام برتی قوت و سرعت کے ساتھ آکناف ملک میں پھیل گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے اندر تیس ہزار جوانوں کا لشکر امیر حسین کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گیا۔ امیر نے اس جمعیت کے ساتھ گوڑی طرف پیش قدمی کی جو راجہ دلیپ کی ریاست کا صدر مقام تھا۔ سید محمد بھی اپنے ڈیزھ ہزار فقراء کے ساتھ جنہیں فوج ہیرا گیاں کہتے تھے۔ عقب لشکر میں روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بگلت پسندی اس جوش و دلولہ کا نتیجہ تھی جو شوق جہاد میں پیدا

ہو گیا تھا اور نہ اگر نوجوان سید ایک تجربہ کار سالار کے اوصاف حزم و احتیاط سے عاری نہ ہوتا تو وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس قلیل فوج کے ساتھ ایک خونخوار دشمن پر حملہ آور ہونے کی کبھی ترغیب نہ دیتا اس میں شبہ نہیں کہ اگر چندے اور توقف کیا جاتا تو اس سے وہ گو نہ اسلامیان کی جمعیت شوق شہادت میں فراہم ہو سکتی تھی لیکن سید کا جوش جہاد سے صبر و انتظار کی کشمکش میں بڑنے کی ہرگز اجازت نہ دیتا تھا۔ امیر حسین گوبادی النظر میں اس بات کو سمجھتا تھا کہ دشمن اس کی قلیل لشکر فوج کو ہلکا کر کے بالکل بھوکا کر دے گا لیکن ہمت و جرات محض خلوص عقیدت پر مبنی تھی۔ وہ لطیفہ خمی کا خنجر تھا اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ باطنی تصرف سے ضرور فاتح المراد کرے گا اور بیچ پوچھو تو سید کی نظر بھی فوج لور مادی طاقت پر نہ تھی بلکہ اسکا انحصار بھی اللہ پچوں کی غیبی امداد پر تھا کہ فتح و شکست اور عزت و ذلت جس کے دست اختیار میں ہے۔ راجہ دالیپ رٹے کو اعلان جنگ نے چونکا دیا۔ مگر یہ لور راجہ کی جین استقلال پر ذرا دشمن نہیں پڑی۔ اس نے امراء کو جمع کیا فوج آراستہ کی لور معاً حرب و ضرب کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ بیدار مغز اس راجہ کو اس روز سیاہ کا پیشتر ہی سے علم تھا وہ ہر وقت فوج کو سروسامان سے آراستہ رکھتا تھا۔ گو اسے اپنی حرفی طاقت پر پورا بھروسہ تھا اور کامل امید تھی کہ جس وقت چاہے گادالئی وانا پور کی طاقت کو کچل دے گا۔ مگر جب اس کی نظر چاروں طرف ان ممالک کی بکھڑاٹھی تھی جہاں بڑے بڑے پر شکوہ مسلمان بادشاہ برسر اقتدار تھے اور باوجود باہمی اختلافات کے ایسے مواقع پر متفق ہو جاتے تھے تو اسے سلطان حسین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ جب راجہ نے حسین کی آمد آمد سنی تو جاسوس دوڑائے جب پتہ لگا کہ سلطان حسین تیس ہزار کی جمعیت سے آ رہا ہے تو سخت حیرت زدہ ہوا۔ کیونکہ اسے امید نہ تھی کہ سلطان حسین جیسا کار آزمودہ حکمران اس قلیل فوج کے ساتھ برسر مقابلہ ہونے کی جرات کرے گا۔ غرض راجہ نے بھی کالی بلا کی طرح اپنی جگہ سے جنبش کی لور والئی وانا پور کے مقابلہ میں بوجھتا چلا آیا۔ جب اہل توحید کو معلوم ہوا کہ راجہ کی فوجیں سیاہ آمد ہی کی طرح بوجھتی آ رہی ہیں تو وہ بھی مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ راجہ کی فوج کا نظارہ نہایت مسیب تھا۔ خوفناک کہ وہ بیکر ہاتھی لور ستر ہزار جری سپاہی لور ہزاروں جرار سوار راجہ کے ہنر کا بھرتے راجہ کی فوج اس دھوم دھام لور آرائش و نمائش سے نکلی کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ گئے۔ اب دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں لور ہنگامہ رزم گرم ہوا دونوں طرف کے ہمدرد دیر تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ امیر حسین نے اس جنگ میں بڑے بڑے معرکے کئے لور گود دشمن کی غیر معمولی قوت کو دیکھ کر اس کے لوسان خطا ہو رہے تھے۔ تاہم کمال جانباہری کے ساتھ وہ ادو شجاعت دے رہا تھا توڑی دیر کے بعد حسین سید کی طرف بلکہ دیکھ کر زبان حال سے اس کو دشمن کی خوفناک جمعیت لور اس کے جان ستان حملوں کی طرف متوجہ کرنے لگا۔ لیکن سید کی یہ حالت تھی

کہ وہ غنیم کی حرئی قوت اور شجاعانہ مہم جوئی کو ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا۔

راجہ دلیپ رائے کا قتل

تھوڑی دیر میں امیر حسین کی کمرہت ٹوٹ گئی اور اس کے آدمی دلیپ رائے کے پر زور حملوں کی تاب نہ لا کر نہایت بتری اور سراسیمگی کے عالم میں پسا ہونے لگے۔ حسین عالم اضطراب و بدحواسی میں سید کی طرف آیا جو فوج ہیراگیاں کو لے کر ایک طرف سوار کھڑا تھا۔ فوج ہیراگیاں کی ہیبت کڈائی گئی نہایت مضحکہ خیز تھی لیکن یہی بے سرو سامان گروہ دراصل اسلامی جمعیت کی روح رواں تھی اور یہی وہ مقدس گروہ تھا جس نے امیر حسین کی کشتی اقبال کو ڈونے سے چلایا اور اسلام کی لاج رکھ لی۔ حسین نے سید کو اشارہ کیا کہ بھاگ کر جان چالیں۔ مگر سید نے خشمناک ہو کر منہ پھیر کر نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر ڈیڑھ ہزار صوفیوں نے بھی اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ دشت گونج اٹھی یہ لوگ سید کا اشارہ پاتے ہی گھوڑے اٹھا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور برق خاطف کی طرح دشمن کو دفنا کر دیا۔ ہزیمت خور وہ اسلامی فوج کے لیے یہ ایک نبی ملک تھی جس کے آتے ہی حوصلے بلند ہو گئے وہ پسا ہوتے ہوتے پھر ٹھہر گئی اور ترت مجتبع ہو کر حریف کے قلب پر بلند بول دیا۔ جس سے اسلامی فوج کی دھاک بیٹھ گئی آخر دلیپ رائے اپنے بھادر راجپوتوں کو لاکارا اور ایسا پر جوش خطبہ دیا کہ ہر راجپوت مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔ آخر دونوں فوجیں لڑتے لڑتے باہم اتنی قریب آگئیں کہ معاملہ تیر و تفتنگ سے ہٹ کر دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ سید محمد اسی جوش و خروش کے ساتھ غنیم پر حملے کر رہا تھا۔ گو اس کے پیروؤں کی تھوڑی سی جمعیت گھٹتے گھٹتے اب ایک ہزار رہ گئی تھی۔ تاہم اس کے پے در پے حملوں نے غنیم کی صفیں الٹ دیں۔ صوفیوں نے اتنی تلوار چلائی کہ ہنود کی فوج گراں بے دھوئیں بکھیر دیے۔ آخر سید دلیپ رائے کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب سید اور راجہ حریف مقابل تھے۔ راجہ کا شمشیر بھٹ ہاتھ سید پر حملہ کرنے کے لیے بلند ہوا۔ مگر وار خالی گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ ہوا میں ملا نہ کہ نے تمام لیا تھا۔ اس اثناء میں سید نے نہایت پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ اس طرح سے مارا کہ پہلی ہی ضرب نے دلیپ رائے کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ لشکر نے اپنے سر پر سردار نہ دیکھا تو اس میں تلاطم مچ گیا۔ اور سپاہی بے سرو سامان بھاگ نکلے۔ امیر حسین نے سجدہ شکر ادا کیا کہ بجزوی بات بنانے والا وہی خدا ہے۔ اسلامی سپاہی نے غنیم کو خوب پامال کیا۔ بہت سے امیر امیر ہوئے اور غنیمت بے حساب اہل توحید کے ہاتھ لگی۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حسین کو نہ صرف اپنی عملداری میں مطلق العنان حکومت نصیب ہو گئی بلکہ مقتول راجہ کی تمام ولایت پر بھی اس کا عمل دخل ہو گیا۔ اب سید محمد کا حلقہ ارادت اس قدر وسیع ہوا کہ چند ہی برس

میں اس کے ارد امتندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہنچ گئی۔ دیپ رائے کے اکثر قرأت دار مسلمان ہوئے اور سید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اشاعت اسلام کی راہ میں جس قدر عواقب و موانع تھے اس فتح کے بعد دور ہو گئے۔ اسیران جنگ میں راجہ کا ایک ہم شیر زادہ بھی داخل تھا۔ جو د شگیر کر کے سید محمد کے سامنے پیش کیا گیا۔ چند روز کے بعد خواہر زادہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ سید نے اس کا نام میاں دلاور رکھا۔ میاں دلاور کچھ عرصہ ذکر و فکر میں مصروف رہ کر خرقہ خلافت سے بھی ممتاز ہوا۔ وقائع حرب کے سلسلہ میں یہ ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی جاتی ہے کہ جب سید کی شمشیر خارا شگاف نے راجہ کو موت کے گھاٹ اتار اور جسم دو نیم ہو کر زمین پر گر پڑا۔ تو دیپ رائے کا دل سینہ سے باہر نکل آیا۔ کہتے ہیں کہ رائے کے دل پر اس مدت کی شبیہ منقوش تھی جس کی وہ ہمیشہ عبادت کیا کرتا تھا۔ یہی امر سید کے جذبہ واستغراق کا ذریعہ بن گیا۔ کہ جب معبود باطل اس قدر اثر رکھتا ہے تو معبود حقیقی کی تاثیر کیسی ہونی چاہیے۔ سات برس تک سید کو دنیا دانیہما کی خبر نہ تھی ہر وقت جذب واستغراق کی حالت طاری تھی۔ البتہ نماز ہجگانہ کے وقت کچھ ہوش آجاتا تھا۔ مدد یہ کہتے ہیں کہ اس سات برس کی مدت میں ایک دانہ اناج اور ایک قطرہ آب سید کے حلق میں نہ گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ مدد یہ کہتے ہیں کہ ایک روز سید کی زوجہ محترمہ نے کہا کیا سبب ہے کہ ہر وقت بے ہوش رہتے ہو اور تحمل نہیں کرتے ہو؟ جواب دیا کہ تجلی الوہیت کی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ اگر ان کا ایک قطرہ کسی ولی کامل یا نبی مرسل کو دیا جائے تو مدت العمر کبھی ہوش میں نہ آئے۔

کچھ مدت بعد سید کی بیوی کا پیمانہ حیات آب مرگ سے لبریز ہو گیا۔ جب راحت جاں رقیقہ حیات نے گرداب فنا کی گود میں جا بسیر کیا تو سید نے امور خانہ داری کے مضموموں سے نجات پا کر فتوحات میں تقسیم بالسویہ کا طریقہ جاری کیا وہاں سے احمد نگر آیا۔ یہ شہر سلطنت نظام شاہیہ کا پایہ تخت تھا جو دہلی کی پانچ ہمسر اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ یہ مقام پیشتر ہی مہدویت کی تحریک سے آشنا ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے دارالسلطنت احمد نگر میں سید کا استقبال نہایت گرم جوشی سے ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سید کی عظمت یہاں تک چھائی کہ خود سلطان احمد نظام شاہ کجری سید کا مرید ہو گیا۔ کسی بادشاہ کا ایک فقیر بے نوا و مسافر خستہ پا کے ہاتھ بیعت کرنا بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے حسن عقیدت کی وجہ سے سید کا آستانہ مرجع خاص و عام بن گیا۔ قریب قریب ساری رعایا سید کے حلقہ ارادات میں آگئی۔ بادشاہ کے قبول مہدویت کا ساحر نہ اثر یہاں تک جاری و ساری ہوا کہ اچھے اچھے عقلائے دہر اپنے قوائے ذہبیہ کو بدعت و ضلالت کے مہدوی مندر پر قربان کر بیٹھے اور مذہب مہدویہ دکن میں بالا استقلال قائم ہو گیا۔ مہدوی لکھتے ہیں کہ بادشاہ اس وقت تک اولاد سے محروم تھا فرزند کی آرزو میں سید کے پاس آکر دعا کا طالب ہوا۔ سید نے دعا کی۔ نہال امید بارور ہوا۔ دیمچ کو حمل کے آثار نظر آنے لگے اور چند ماہ کے بعد بادشاہ کے پاس یہ نوید جانفزا پہنچی کہ مشکوئے معلیٰ میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا۔ یہی مولود بعد کو برہان نظام الملک کے نام سے احمد نگر کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ فرقہ مہدویہ سے کمال حسن اعتقاد رکھتا تھا یہاں تک کہ سید محمد کے انتقال کے بعد اس نے شاہ نظام، میاں دلاور اور میاں نعمت وغیرہ کو جو سید جو پوری کے انحصر مرید تھے گجرات کا ٹھیاواڑ سے احمد نگر مدعو کیا اور کمال اعتقاد سے سید محمد کے پوتے میراں جی کو اپنی قمر طلعت لڑکی نذر کر کے اپنی دامادی کا اعزاز بخشا۔ اس کتھائی سے مہدویہ کا پایہ رفعت فرقہ فرقہ تک بلند ہو گیا اور مہدویت سلطنت کی آغوش میں تربیت پانے لگی۔ اہل ملک کی اس بے راہ روی کو دیکھ دیکھ کر علمائے حق لہو کے گھونٹ پیتے تھے۔ مگر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔

گلبرگہ اور احمد آباد سے اخراج

معلوم ہوتا ہے کہ سید ایک مقام پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بعض مقامات سے تو وہ خارج البلد کیا جاتا تھا لیکن بعض سے خود ہی رخصت ہو جاتا تھا کیونکہ اس کا نصب العین تو اطراف و اکناف ملک میں پھر کر اپنی خانہ ساز مہدویت کی تبلیغ کرنا تھا۔ اس لیے وہ احمد نگر میں بھی نہ ٹھہر اور یہاں سے کوچ کر کے شہر احمد آباد پر پناہ تخت برد شاہیہ میں آیا۔ اس وقت ملک قاسم برید یہاں کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھا۔ یہاں ملا ضیاء اور قاضی علاء الدین نے بیعت کی اور سید کے ہمراہ ہو لیے یہاں سے سید نے عنان عزیمت گلبرگہ کو پھیر دی جو خانہ ان بہمنیہ کا پایہ تخت تھا۔ یہاں آکر اس نے

سید گیسو دراز چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے فاتحہ پڑھی۔ ایک مختصر سے قیام کے بعد جب علماء نے سلطان سے شکایت کی کہ اس شخص کے جھوٹے دعویٰ نے ایوان مذہب میں تزلزل ڈال دیا ہے تو یہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ گلبرگہ سے روانہ ہو کر قصبہ رائے پاک سے ہوتے ہوئے ہمدرد اہول پہنچا اور وہاں سے 901ھ میں بیعت اللہ کے شوق زیدت میں جہاز پر سوار ہوا۔ بعد طے منازل حرم محترم میں پہنچا۔ یہاں جناب سرور عالم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مشہور پیش گوئی یاد آئی کہ لوگ مہدی کے ہاتھ پر رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ اس لیے سید محمد نے بھی اس مقام پر کھڑے ہو کر دعویٰ من اتبعنی فہو موہن (جس کسی نے میری پیروی کی وہ موہن ہے) کا کیا۔ میاں نظام الدین اور قاضی علاء الدین نے آمہو صدقہ لکھا اور جمعیت بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اور اس طرح سید محمد کو اس پیشین گوئی کا صدقہ نصیب لیا گیا۔ یہاں سے سید کو نین جناب ابو البشر آدم علیہ السلام کے مرقد منور کی زیارت کو گیا اور کہا کہ میں نے آدم علیہ السلام سے معاف کیا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ خوش آمدی صفا اور وہاں سے ہمدرد یو گھاٹ پر اتر کر شہر احمد آباد گجرات آیا اور مسجد تاج خاں سالار میں فروکش ہوا۔ یہاں ڈیڑھ سال تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی مسجد میں ایک روز مجمع عام میں بڑے طمطراق سے دعویٰ مہدویت کیا۔ برہان الدین اور ملک گوہر نے مرید و تارک الدنیا ہو کر رفاقت اختیار کی۔ ملک برہان الدین کو مہدویہ خلیفہ ثالث اور موثر الذکر کو خلیفہ چہارم قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کی خاک پر ستش و عقیدت کے خمیر لیے بنی ہے اور یہاں کے باشندے خوش اعتقادی میں تمام دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لیے سید جہاں جاتا تھا لوگ پروانہ دار ہجوم کرتے تھے۔ احمد آباد میں ہزار ہا مرد و زن سید کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ جب اس کے دعویٰ مہدویت اور اغوائے خلق کا چرچا زبان زد خاص و عام ہوا تو علماء و مشائخ گجرات نے بے حد مناقشہ کیا اور سلطان محمود گجراتی سے شکایت کی کہ ایک شیخ نووارد لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے اور اس کے وجود سے بے شمار مفاسد و معضرات پیدا ہو رہے ہیں۔ بادشاہ نے اخراج کا حکم دیا۔ اور اس طرح ایک بڑھتا ہوا طوفان آنا فنانارک گیا۔ یہاں سے نکل کر ایک گاؤں سولہ سا شیخ نام میں اترا۔ یہاں ایک پیباک و سفاک رہزن نعمت نام جو ایک حبشی کو قتل کر کے مفروہ ہو رہا تھا اگر سید کی جماعت میں داخل ہوا۔

نہروالہ سے اخراج

یہاں سے روانہ ہو کر شہر نہروالہ پیران پٹن علاقہ گجرات میں لب حوض مقام کیا۔ یہاں بھی ڈیڑھ سال تک اقامت گزیر رہا۔ لطف یہ ہے کہ سید جدھر کا رخ کرتا تھا۔ ہر طرف سے طلبہ مناظرہ و مباحثہ کے لیے امد پڑتے تھے۔ باوجودیکہ سید یہاں مناظرہ میں بری طرح مغلوب و

مقبور ہوا۔ تاہم ایک دینار پرست مولوی میاں خوندر حاضر خدمت ہو کر مرید و تریبیت پذیر ہوا اور ملک نجھن بر خوردار اور ملک الہ داد اور ملک حماد بھی دامنِ مہدویت سے وابستہ ہو کر ہمراہ ہوئے۔ جب مبارز الملک نے دیکھا کہ اس کے اکثر اعزاء و اقارب سید محمد کے دامِ تسخیر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور ہزار ہا مخلوق سیلِ الحاد و بدعت کی نذر ہوئی تو سلطان محمود کی طرف سے ایک فرمان ثانی صادر کرا کے پیرانِ پٹن سے بھی سید کو خارج کرا دیا اور سید محمد کی عادت تھی کہ جب کسی حاکم کی طرف سے حکمِ اِخراج پہنچتا تو کہنے لگتا کہ مجھے خدا کا حکم یہاں سے رخصت ہونے کے لیے پہلے ہی سے آچکا ہے اس لیے میں خود بخود حسب ارشادِ خداوندی جاتا ہوں۔ پیرانِ پٹن سے نکل کر وہاں سے تین کو س کے فاصلے پر قصبہ بدلی میں نزول کیا۔ اور ایک موقع پر کہا کہ مجھے برابر اٹھارہ سال سے خدا کا بلا واسطہ حکم ہوتا رہا کہ مہدویت کا دعویٰ کر لیکن میں حکمِ الہی کو اتار رہا۔ اب مجھے یہ حکم ہوا کہ اے سید مہدویت کا دعویٰ کلماتا ہوئے تو کھلا نہیں تو ظالمان میں کا کروں گا۔ اس لیے میں بھمتِ عقل و حواسِ دعویٰ کرتا ہوں کہ انا مہدی مبین مراد اللہ۔ اور اپنے جسم کا چڑاؤ اٹھلیوں سے پکڑ کر کہا جو شخص اس ذات کی مہدویت سے منکر ہوگا۔ وہ کافر ہے دین ہے۔ مجھے خدائے برتر سے بیواسطہ احکام ملتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے علمِ اولین و آخرین اور میں یعنی معانی قرآن کا فہم اور خزانہ ایمان کی کنجی عطا کی جو شخص تجھ پر ایمن لایا وہ مومن موحد ہے اور جو منکر ہو وہ کافر ہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں رب الارباب کی طرف منسوب کیں۔ اسی وقت مجمعِ مریدین باخلاص کی زبان سے آمنا و صدقہ کی صد بلبلد ہوئی۔ جب یہ خبر شہرِ نر والہ جو وہاں سے تین کو س کے فاصلے پر تھا زبانِ زدِ خاص و عام ہوئی کہ نر والہ سے خارج البلد ہونے کے بعد اب سید قصبہ بدلی میں مہدویت کا دعویٰ کر رہا ہے تو چند علماء قصبہ مذکور میں آئے اور سید کو بہتیرا سمجھایا کہ وہ اس ہرزہ درائی سے باز آئے لیکن اس نے ایک نہ سنی حاملینِ شریعت مایوس ہو کر احمد آباد آئے اور بادشاہ کو اس قضیہ سے مطلع کر کے یقین دلایا کہ یہ شخص لوگوں کو ضلالت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے اس کے شر سے خلقِ خدا کو چھانا لا بد ہے۔ غرض یہاں سے بھی خارج ہو کر آوارہ دشتِ ادباز ہوا۔ چلتے وقت عالمِ آشتی میں کہنے لگا کہ اگر میں حق پر تھا تو میرا اتباع کیوں نہ کیا؟ اور اگر باطل پرست تھا تو کیوں قتل نہ کیا کہ جناب جاؤں گا لوگوں کو گمراہ کرا تا پھروں گا اور اس کا دالان کی گردن پر رہے گا جو میرے قتل و استہلاک سے مجتنب رہے۔ اب سید جالور پہنچا۔ اس جگہ کے بے شمار باشندے اس کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ جالور سے ناگور اور ناگور سے ولایتِ سندھ کے شہرِ نصر پور میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کر میاں نعمت اور میاں خوندر میر کو تو گجرات واپس جانے کی خود اجازت دی لیکن سید کے کثیر التعداد پیرو جو اس دینِ جدید کی سختیوں کو جھیلنے جھیلنے سخت بیزار اور بد اعتقاد ہو گئے تھے۔ ترکِ رفاقت کے گجرات کو واپس چلے آئے۔ سید محمد نے ان کو لاکھ ڈر لیا دھمکایا کہ تم جاؤ، سدا سے

منحرف ہو کر منافق و مرتد ہوئے جاتے ہو مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ اور سیدھا راستہ گجرات کا لیا۔ لی
لی شکر خاتون سید کی ایک اہلیہ بھی انہی میں داخل تھی۔

چور اسی مہدویہ کی عالم گرسنگی میں ہلاکت

نہر پور سے شہر ٹھٹھہ دہرا حکومت سندھ میں آیا۔ چونکہ علمائے سندھ حدود مہدویت
کے آغاز سے ہی لوگوں کو جو پوری فتنے سے متنبہ کر رہے تھے۔ سندھ میں مہدویت کو کوئی فروغ
نہیں۔ بولہو اس بنا پر کہ سید کے قدم سے پیشتر ہی یہاں اس کے خلاف غیظ و غضب کی لہر دوڑ
رہی تھی اور تعذیب و تیزی کی تمنائت سے بے قلم تھی۔ لوگوں نے سید اور اس کے رفقاء کو
واقوں مارنے کی ٹھان لی۔ اس قتل و دلو کے بموجب سید کے پاس پیغام بھیجا کہ اہل سندھ کو بے دین
کرنے سے باز آؤ ورنہ یاد رکھو کہ اناج کا ایک دانہ بھی تمہارے حلق میں نہ پہنچنے دیں گے۔ سید نے اس
پیغام کی کوئی پروا نہ کی۔ اور حسب معتاد لوگوں پر اپنی مہدویت کے جال ڈالنے شروع کئے۔ لوگوں
نے عدم تعاون کے اصول پر عمل کرتے ہوئے محدود آزدوقہ کا واحد ذریعہ بھی بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ سید کے رفقاء میں سے چور اسی آدمیوں نے گرسنگی اور فاقہ کشی کے مصائب میں ایزیاں رگڑتے
رگڑتے جان دے دی۔ سید نے آتش رنج و غم کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بھارت دی کہ فاقہ کش جان
سپاروں کو انبیاء و مرسلین الوالعزم کے مدارج و مقامات عطا ہوئے ہیں۔ جب علمائے حق نے دیکھا کہ
سید بدستور قوانین الہیہ کا نظام درہم برہم کر رہا ہے اور اسلامی جماعت کا شیرازہ بکھرنے کی کوششیں
جاری ہیں تو انہوں نے ناچار بادشاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ سندھ کے ہنوات و مرخرفات کی
اطلاع پا کر اس قدر برہم ہوا کہ اس نے سید اور اس کے تمام رفقاء کے حق میں حکم قتل صادر کیا لیکن
دریاخان مصاحب سلطانی کی سعی سے فرمان قتل حکم اخراج سے تبدیل ہو گیا۔ مہدویت نے یہاں جو
طرز و عوت اختیار کیا تھا وہ خود ایک خونخوئی منظر کا اشارہ کر رہا تھا مگر غنیمت ہے کہ جان بخشی ہو گئی۔
انجام کار سید نے دیکھا کہ اس پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ لوگ ہر جگہ خشونت و درشتی سے پیش
آتے ہیں اور ہندوستان کی کوئی اسلامی سلطنت اسے اپنے یہاں پناہ دینے پر آمادہ نہیں تو اس نے کسی
دوسری ولایت کے آغوشِ عاطفت میں بیٹھ کر اپنی مہدویت کے زہریلے جراثیم پھیلانے کا قصد
کیا۔ چنانچہ سندھ کو الوداع کہ کر خراسان کا رخ کیا۔ خراسان فارس و عراق کے مشرقی حصہ کو کہتے
ہیں۔ مہدویوں کا بیان ہے کہ اس وقت بھی قریباً نو سو آدمی سید کے ہمراہ ہم رکاب تھے جن میں
سے تین سو ساٹھ ایسے منتخب تھے جب کالقب اصحاب و مہاجرین خاص تھا۔ غرض یہ قافلہ بہرار خرابی
دہر بادی قندھار پہنچا۔ اس وقت سید کی حالت بہت زبون تھی۔ اور کوہ مصائب بادلوں سے بھی بلند تر
ہو گیا تھا۔ جب مرزاشاہ بیگ حاکم قندھار سید کے دعاوی سے مطلع ہوا تو حکم دیا کہ سید ہندی کو جمع

کے دن مسجد جامعہ میں طلبہ کر کے علمائے اسلام سے بحث کرائی جائے چنانچہ حسب الحکم پیادے دوڑے اور سید کو کمر بند سے پکڑ کر جبراً قبر اس عجلت سے لے چلے کہ جو تاپننے کی بھی مہلت نہ دی۔ اور جب مریدوں نے ہمارہی کارادہ ظاہر کیا تو انہیں سختی سے روک دیا۔ جب سید محمد مسجد میں داخل ہوا تو علمائے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی لیکن سید کی طرف سے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ جواب دیا گیا۔ شہ بیگ حاکم قندھار جو جوان بست سالہ تھا سید کے بیان پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے حسن اخلاق فرد تنبی اور سحر بیانی سے گردیدہ ہو کر نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔

فراہ میں ورود اور سفر آخرت

سید محمد نے علمائے قندھار کے چنگل سے مخلصی پاکر شہر فراہ کی راہ لی۔ اس وقت سید کے سر پر اندودہ و غم کے بادل منڈلا رہے تھے اور اس کی بیکسی قابل رحم تھی۔ لیکن ہر کس کہ چہیں کند چناں آید پیش فراہ میں بھی نہایت سخت باز پرس ہوئی اور سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ پہلے ایک عمدہ دار نے جو نہایت ہیبت ناک اور آشفتنہ مزاج تھا اگر سید محمد اور اس کے رفقاء کے تمام اسلحہ چھین لئے اور گوشہ کمان ہر ایک کے سر پر رکھ کر ایک ایک کو شمار کر کے کہنے لگا کہ بھل کے روز تم سب زندان بلا میں ڈالے جاؤ گے تاکہ لوگ تمہارے خیانت و رد وائل سے محفوظ رہیں۔ اس کے بعد ذوالنون حاکم شہر سید کی حالت معلوم کرنے کے لیے بذات خود آیا لیکن ملاقات کے بعد سید کا معتقد ہو کر علماء کو ہدایت دی کہ اس کی مدد ویت کا امتحان کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ پھر علمائے اسلام سے مناظرہ و مباحثہ کی ٹھہری۔ چنانچہ کئی دن تک آپس میں ٹھیس ہوتی رہیں۔ امیر ذوالنون نے یہ تمام ماجرا امیر زا حسین بادشاہ خراسان کی خدمت میں لکھ بھیجا اور اس نے خراسان کو ہندوستان کی دبائے عالمگیر سے پاک رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے چار سربر آوردہ عالم بغرض مناظرہ روانہ کئے۔ یہ چاروں حضرات علم و فضل کے ستون اور میدان مناظرہ کے شہسوار ہوں گے لیکن ایسے شخص کے مقابلہ میں جس کی ساری عمر مذہبی اکھاڑوں اور جھگڑوں قضیوں میں گزری تھی اور مرزائی مناظرین کی طرح جس کے چوبیس گھنٹے اسی سوچ چار میں گزرے تھے کہ فریق مقابل کے استدلال میں کیا کیا الجھنیں پیدا کی جاسکتی ہیں اور حضرت شارع علیہ السلام کے ارشادات گرامی کو مسترد کرنے کے لیے بساط مناظرہ میں کون کون سے مہرے کام دے سکتے ہیں خود علمائے ہندوستان کے طلبہ کئے جانے کی ضرورت تھی۔ اگر یہاں سے ایک آوہ مناظر بھی چلا جاتا تو جاتے ہی سید کا ناطقہ بند کر دیتا۔ سید محمد مرزا غلام احمد صاحب کی طرح سخن سازیوں اور تاویل بازیوں کے ہتھیار چلا کر برابر مقابلہ کرتا رہا۔ اور علمائے خراسان اس کو ساکت و مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جب فراہ میں تین مہینے گزر چکے تو خوند میر اور میاں نعمت جو نصر پور سے اپنے وطن کو واپس گیا تھا وہاں محمود فرزند سید

محمد کے ہمراہ فراہ کو آیا۔ ان کے آنے کے بعد سید چھ مہینے تک لور زندہ رہا آخر وہ دن آگیا جس کا دھڑکا ہر ایک ذی روح کو اس عالم رفتی دگرشتی میں لگا ہوا ہے۔ یعنی سید نے بروز پنجشنبہ 910ھ میں جب کہ اس کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی سالہا سال کی خانہ بردوشی کے بعد غریب الوطنی و درماندگی کے عالم میں تو سن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف موڑ دی اور اس وقت موت کا پیغام سید کے لیے عین نوید حیات تھا۔ کیونکہ سید اپنے دعویٰ مہدویت کے بعد سے جسمانی لور روحانی صدے اٹھاتے اٹھاتے سخت بد حال ہو گیا تھا۔ مصنف شواہد الولاہیت جو مہدوی ہے لکھتا ہے کہ سید بروز انتقال ایک مہدوی کے گھر میں قہار علات یہ تھی کہ نعت ازواج کی شناخت کے لیے زمین میں میخیں گاڑ رکھی تھیں۔ جب ان میخوں پر سایہ پڑتا تو ایک بیہوی کے گھر سے دوسری کے مکان پر جانے کی باری آتی تھی۔ اس روز جب سایہ منج پر پڑتا تو کما مجھے لی لی ملکہ کے گھر لے چلو۔ لی لی ملکہ وہاں موجود تھی اس نے عرض کی کہ آپ تکلیف کی حالت میں ہیں لور میں خود یہاں موجود ہوں تاہم ملکہ نے اپنی باری بخش دی۔ آپ بیس رہیں لور جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ خدام و مریدین نے بھی نہایت الحاح و اصرار کے ساتھ یہی درخواست کی۔ سید نے جواب دیا تم نے تو اپنا حق بخش دیا لیکن شرع محمدی کی عد کو جس کے لیے رب العزت نے فرمایا کون بخش سکتا ہے؟ اس کے بعد دو تین مرتبہ لی لی ملکہ نے بھی نہایت تضرع و دلسوزی سے یہی بات عرض کی لیکن سید نے قبول نہ کی اور کہا کہ برادران ملت ہماری رعایت کرتے ہیں۔ شریعت مصطفوی کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔ الغرض بہر اذقت و پریشانی اپنے تئیں لی لی ملکہ کے قیام گاہ پر پہنچا لور تمھوڑی دیر کے بعد شہر خموشاں کی راہ لی جہاں بڑی بے چارگی لور بے بسی کے ساتھ کج لحد میں سلا دیا گیا۔ ایک قوی عذر کی موجودگی میں سید نے شریعت اسلامی کا نام لے کر لی لی ملکہ کے گھر جانے پر جو اصرار کیا اس سے اس واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جبکہ حسب روایت امام حناری ایک کوئی نے حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں کھسی مار دے تو اس پر دم (فدیہ) لازم آتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اہل عراق مجھ سے کھسی مارنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں لور یہ وہی اہل عرق ہیں جنہوں نے لن رسول اللہ ﷺ (حضرت امام حسینؑ) کو قتل کیا ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا حسین (رضی اللہ عنہما) میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔ جب سید نے اسلام کے شارع عام کو چھوڑ کر اور اسلامی راستے سے روگردانی کر کے ایک نئے فرقہ کی بنیاد لی تو ایسے نام نہاد تقویٰ کا اظہار بالکل لایعنی تھا۔ اس کے بعد سرکاری عہدہ داروں نے ملک الہ و لور یہ سید جو چوری سے جو خوند میر کا تدبیریت یافتہ تھا کہا کہ تم لوگوں نے بلا شاہ دقت سے مقابلہ کیا ہے اس لیے تم لوگ اس ملک میں ہرگز اقامت گزیر نہیں ہو سکتے اس لیے ملک الہ و لور بھی نہایت اضطراب و پریشانی کے عالم میں وہاں سے نکل بھاگا لور مارواڑ پہنچ کر موضع پاڑ کر میں دائرہ باندھ کر رہنے لگا۔ وہاں ان لوگوں کو

بڑے بڑے مصائب و نوازل سے پالا پڑا۔ یہاں تک کہ فاقوں مرنے لگے لیکن حالت یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے احوال و مقامات باطنی کا دعویٰ کر کے ہی تسلی و تسفی کی آنکھیں روشن کر لیتا تھا۔ شاہان اسلام کے محکمہ احتساب نے انہیں کبھی ایک جگہ ٹھہر کر اغوا کو شیوں کا موقع نہ دیا۔ اس لیے اطراف و اکناف ملک میں منتشر ہو کر دم تڑویز بچھاتے اور سادہ لوح عوام کو اپنے ”نقد س“ کے سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتے لیکن ظاہر ہے کہ شاہان شریعت پناہ اس قسم کی اختلاف انگیز و فتنہ خیز تحریک کا بار آور ہونا کیونکر گوارا کر سکتے تھے جو فساد فی الدین کے ساتھ سیاسیات میں بھی ہلاکت آفرین انقلاب پیدا کر سکتی تھی۔ اس آتش فتنہ کی چنگاریاں گجرات اور دکن سے اڑا کر دہلی تک جا پہنچیں بلکہ ایک جگہ لہنگالہ میں بھی گرا۔ لیکن ارباب حکومت کی بروقت مداخلت نے ان شراروں کو زیادہ بھڑکنے نہ دیا۔ یہاں دو ممتاز سربر آوردہ ممدویوں کے حالات درج کئے جاتے ہیں جن کے انقطاع و ہجرت الی اللہ کے حالات تو تاریخ ہند کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک عبد اللہ نیازی ہے اور دوسرا شیخ علائی۔

عبد اللہ نیازی افغان

شیخ عبد اللہ نیازی اور شیخ علائی پہلے حنفی چشتی تھے۔ پھر اغوائے شیطانی نے ان کو ممدویت کے پہلو میں لائٹھلایا۔ پس ترک و انقطاع کے متعلق ان کے جو جذبات و امیال تھے وہ خانوادہ چشت کے فیضان صحبت کے شرمندہ احسان تھے۔ ممدوی لوگ ان حالات کو اتباع ممدویت کا اثر بتایا کرتے ہیں مگر یہ انتہا درجہ کی کج فہمی تھی۔ اگر ترک و انزوا کی یہ کیفیت انہیں قبول ممدویت کے بعد حاصل ہوئی ہوتی تو اس کی ممدویت کا فیض خیال کیا جاسکتا تھا لیکن یہ تو پہلے ہی سے اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پس میں ممدویہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر کسی ممدوی نے اہل سنت و جماعت کے مشائخ طریقت کی صحبت نہ اٹھائی ہو اور اس کے احوال و مواجید لہل اللہ کے حالات و کیفیات سے مطابقت رکھتا ہو تو اس کا نام پیش کریں۔ نیازی شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح علائی بھی پہلے ہی سے فضائل کمالات سے متصف تھا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد ”طبقات اکبری“ میں لکھتے ہیں۔ ”شیخ علائی کہ ارشد اولاد شیخ حسن و بفضائل و کمالات تصوف داشت قائم مقام پدر گشتہ بار شاد طالبان مشغول شد“ 60۔ پس ان دونوں کی ذات پر فخر کرنا عقل و خرد کا منہ چرانا ہے۔ بعض حضرات اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے سخت ٹھوکر کھاتے ہیں۔

میاں عبد اللہ نیازی افغان حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ ہی سے خدا شناسی کی آنکھیں روشن کی تھیں۔ عبد اللہ حج بیت اللہ کو گئے۔ واپسی پر جو پوری کے کسی خلیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے فقروں میں آکر ممدویت کو قبول کر لیا لیکن یہ ان کی غلطی تھی کہ

حضرت سلیم چشتی کو اطلاع دئے بغیر مہدوی پتھ اختیار کر لیا۔ اگر ان سے مشورہ لے یا کر کم از کم اپنے شہادت ان کے سامنے پیش کرتے جنہوں نے ان کو درط ہلاکت اور قصر ضلالت میں گرایا تھا تو جمع جاتے آخر خود رائی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہو کے رہا۔ شیخ عبد اللہ نے مہدوی مذہب اختیار کرنے کے قصبہ میانہ ریاست بے پور میں آبادی سے دور ایک باغ کے پاس سکونت اختیار کی۔ دل عشق و محبت کی حرارت سے گداز اور تصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ اس لیے ایک مبتدع فرقہ میں داخل ہو جانے کے باوجود بے نفسی کی اب تک یہ حالت تھی کہ خود حوض سے گھڑے پھر کر سر پر اٹھالائے۔ نماز کے وقت رات گھروں میں کسوں کو اور دوسرے لوگوں کو جو ادرہ آنکلتے جمع کر کے نماز باجماعت ادا کرتے اور جس کسی کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں تامل ہو تا اس کی تالیف قلب کے لیے کچھ اپنے پاس سے دے کر اپنے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ جب شیخ علائی دکن کی طرف جلا وطن کیا گیا چنانچہ آگے چل کر انتہاء اللہ میں کیا جائے گا تو سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ نیازوں کا فتنہ رفع کرنے کے لیے آگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ جب میانہ کے بالمقابل پھر سور کی منزل پر پہنچا تو محمد دوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری نے بادشاہ سے کہا کہ فتنہ صغیر یعنی شیخ علائی سے تو کچھ مدت کے لیے نجات ملی لیکن فتنہ کبیر یعنی شیخ عبد اللہ نیازی جو شیخ علائی کا پیر اور نیازوں میں ایک ممتاز و سربر آوردہ شخص ہے ہنوز سلطنت کو چشم نمائی کر رہا ہے۔ سلطان سلیم شاہ نیازوں کے خون کا پیاسا تھا۔ یہ سن کر اس کی آتش خشم شعلہ زن ہوئی اور حاکم میانہ کو جو شیخ عبد اللہ نیازی کا مرید تھا حکم دیا کہ وہ شیخ کو حاضر کرے۔ حاکم میانہ شیخ عبد اللہ کے پاس گیا اور کہنے لگا میری یہ رائے ہے کہ آپ یہاں سے کسی طرف کو چل دیں میں کوئی بہانہ کر دوں گا شاید بادشاہ کو دوبارہ اس طرف آنے کا اتفاق نہ ہو اور آپ کو بھول جائے۔ لیکن میاں عبد اللہ نے اس تجویز کو نہ پسند کیا اور کہا کہ بادشاہ غیور واقع ہوا ہے اگر میں زیادہ دور چلا جاؤں اور وہاں سے میری طلبی ہو تو اور زیادہ پریشانی کا سامنا ہو گا۔ بادشاہ ابھی دس ہی کوس کے فاصلہ پر ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ابھی جا کر ملاقات کر لوں۔ مرضی مولیٰ تو یہاں بھی اور وہاں بھی حال و استقبال میں مساوی ہے۔ غرض شباشب میانہ سے روانہ ہوئے اور حاکم میانہ کے ہمراہ علی الصباح بادشاہ کے کوچ کے وقت لشکر سلطانی میں پہنچ گئے۔ اس وقت بادشاہ سوار ہو چکا تھا۔ شیخ عبد اللہ بے باکانہ گردن اٹھائے سامنے جا کھڑے ہوئے اور السلام علیک کہا۔ حاکم میانہ نے جو شیخ کو بادشاہ کے غضب سے بچانا چاہتا تھا شیخ کی گردن پکڑ کر نیچے کو جھکا دی اور کہنے لگا کہ بادشاہوں کو یوں نہیں یوں سلام کرتے ہیں۔ اس پر شیخ عبد اللہ برافروختہ ہو کر کہنے لگا۔ میں تو سلام مسنون کا پابند ہوں۔ اس کے سوا میں کوئی سلام نہیں جانتا۔ لشکریوں نے سلیم شاہ کے ایماء سے شیخ کو بیٹھا شروع کیا۔ جب تک حواس جانتے کلام آملی کی یہ آیت ورد زبان تھی۔ ربنا اغفر لنا و ذنوبنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین سلیم شاہ نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ مخدوم

الملک نے جواب دیا کہ آپ کو اور مجھے کافر کہتا ہے۔ بادشاہ کو اور زیادہ طیش آیا اور مکرر زد و کوب کا حکم دیا۔ شیخ عبداللہ کی بہت دیر تک مرمت ہوتی رہی۔ پھر سلیم شاہ لشکر سمیت روانہ ہوا اور لوگ شیخ عبداللہ کو اٹھالے گئے۔ شیخ عبداللہ نے میانہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کر دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ہمایوں بادشاہ نے ایران سے مراجعت کی اور خاندان سوری کا چراغ سلطنت گل کر کے ہندوستان کو از سر نو اپنے حوزہ تصرف میں لایا۔ شیخ عبداللہ نے میانہ سے رخصت ہو کر جمان گردی اختیار کی۔ دیر تک اطراف و اکناف عالم کی سیاحت میں مصروف رہے لیکن انجام کار قائد توفیق الہی نے آخر عمر میں مہدویت سے تاب کر کے اہل حق کی صف میں لاکھڑا کیا۔ اور سر ہند میں عزت گزین ہو کر یاد الہی میں مصروف ہوئے۔ اگر شیخ علانی اس وقت تک زندہ ہوتا تو بہت بڑی امید تھی کہ اپنے پیرومرشد کی توجہ دانات کے پیش نظر وہ بھی مہدویت سے تاب ہو جاتا لیکن افسوس کہ وہ ایسے وقت میں دنیا سے گذر گیا جبکہ شیخ عبداللہ ہنوز مہدویت کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ عبداللہ کو سر ہند سے طلب کیا اور تنہائی میں صحبت رکھی۔ بادشاہ نے شیخ عبداللہ سے ان کے مہدوی ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے مہدویت سے اظہار بردہ کیا اور کہا کہ شروع شروع میں مجھے یہ فرقہ بہت بھلا معلوم ہوا تھا اس لیے مہدوی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو میں بیزار ہو کر علیحدہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے بعد 993ھ میں جب اکبر شاہ عازم انک ہو تو سر ہند پہنچ کر شیخ عبداللہ نیازی کو دوبارہ بھلا بھجیا اور کچھ زمین مدد معاش کے طور پر دینی چاہی لیکن انکار کیا۔ اکبر نے زبردستی فرمان معافی لکھ دیا۔ مجبوراً فرمان لے لیا لیکن ہمت بلند تھی زمین پر قبضہ کر کے اس سے خود ہرگز متمتع نہ ہوئے اور ساری عمر توکل و قناعت میں گزار دی۔ آخر 1000ھ میں عمر کی نوے منزلیں طے کر کے موت سے ہم آغوش ہو گئے۔ 61۔ (رحمہ اللہ)

شیخ علانی مہدوی

شیخ علانی کے والد شیخ حسن جو حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ افغان سوری کے عہد سلطنت میں میانہ کے اندر سجادہٴ شخت و ارشاد پر متمکن تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو ان کا فرزند شیخ علانی جو علمی و عملی فضائل سے متصف تھا عالم شباب میں باپ کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھا۔ لیکن سوا اتفاق سے انہی ایام میں میاں عبداللہ نیازی نے مذہب مہدویہ اختیار کرنے کے بعد قصبہ میانہ میں بدو باش اختیار کر لی۔ ایک دن باغ جوانی کے اس نونال کا بھی اس باغ کی طرف گزر ہوا جس کے پاس میاں عبداللہ سکونت پذیر تھے۔ وہاں شیخ عبداللہ نیازی سے ملاقات ہو گئی۔ ان کا طور طریقہ دیکھا تو ترک دنیا کا اور ہی سماں نظر آیا۔ پہلی ہی نظر میں گھائل ہو کر ان سے

بیعت کر لی اور جو کچھ گھر میں تقاسم لٹا دیا۔ اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہا کہ میں نے اپنی قسمت حضرت محمد جو پیوری مددی موعود کے دامن سے ولہتہ کر لی ہے اور دین و ایمان جس چیز کا نام ہے وہ حقیقت میں طریقہ مددیہ کی پیروی میں ہے لیکن یاد رہے کہ یہ خیال کچھ اس سحر زدہ مددیت کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ علانی کی طرح ہر باطل پرست دروغ باف اپنے محدث طریقہ کو سر حق مانتا ہے۔ مرزا یوں کو دیکھو انہیں اپنی حقانیت اور صداقت کا کس درجہ یقین ہے لیکن ان غم بردہاں لوگوں کو معلوم ہو کہ برہہ راستہ جو صحابہ کرام اور سلف صالح کے طریق توہیم سے بال بھر بھی بڑا بوجہ و سیدھا جہت و جاہ پور غضب خد لوندی کا مستوجب ہے۔ غرض علانی اپنی مسند مشیت کو نہایت تشریح کے عبادتہ نیزی کے پاس گیا اور جاتے وقت اسباب دنیوی جو کچھ تھا یہاں تک کہ ستم بھی محسوس ہو۔ مسینوں میں تقسیم کر دیں اور ان سے کہا اگر تم کو فاقہ منظور ہو تو ہم اللہ سے بیعت کر دو ورنہ اپنا حصہ اس مال سے لے لو اور جہاں چاہو جاؤ۔ اکثر نے علیحدگی پر و مستند کی نعمت رانی کو ترجیح دی اور شوہر کے ایما سے تمام زر و زیور اہل حاجات میں بانٹ دیا۔ اور خود کو آلائش دنیا سے پاک کر لیا۔ اس کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد بھی ساتھ ہوئی۔ اور سب کے سب زاویہ غربت و انفراد میں پڑے بزم خود تزیکیہ نفس میں مصروف ہوئے۔ توکل و تقویٰ کا قدم ہمت استوار تھا اور زخارف دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کفر سے بڑھ کر سمجھ جاتا تھا۔ شیخ علانی ہر روز نماز کے بعد تفسیر قرآن کے درس و افادہ میں مصروف ہوتا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ طرز بیان ایسا سوسو و دل نشین تھا کہ جو کوئی ایک دفعہ سن لیتا قطعاً اہل و عیال کو ترک کر کے دائرہ مددیت میں داخل ہو جاتا۔ از شادی ہست سے دلشاد نہ غم نیست سے دل فگار کنج عزلت میں آسودہ دل اور با فراغ بیٹھتا۔ اگر زیادہ توفیق نہ ہوتی تو مہابی و معاصی سے تاب ہو کر سید جو پیوری کے قرب روحانی کا معترف اور گرویدہ ہو جاتا۔ باپ نے بیٹے سے بھائی نے بھائی سے اور بیوی نے شوہر سے مفارقت اختیار کر کے فقر و قناعت کا شیوہ اختیار کیا۔ علانی کے متوسلین میں سے کسی کو حرفہ تجارت یا ملازمت سے سروکار نہ تھا اس کے پاس جو کچھ نذر و فتوح آتی اس میں سب خورد و کلاں برابر کے شریک و سہم تھے۔ اور اگر کوئی کسب معاش بھی کرتا تو اس میں سے کم از کم دسواں حصہ راہ خدا میں صرف کرتا۔ یہ لوگ ایسے متوکل تھے کہ اگر بھوک کے مارے از باق روح تک نوبت پہنچتی تو فاقے کرتے مگر اس کا اظہار نہ کرتے تھے۔ بائیں ہمہ فقر و فاقہ ہمیشہ مسلح رہتے تھے۔ بازاروں میں امر معروف و نہی منکر کی غرض سے گشت لگاتے۔ شہر کے گلی کوچوں میں یا جہاں کہیں کوئی ناشروع بات دیکھتے پہلے نرمی سے سمجھاتے اگر رفیق و مدارا مفید نہ ثابت ہوتا تو جبر و تشدد کر کے منکرات سے باز رکھتے۔ حکام اور روسائے شہر میں سے جو لوگ ان کے موافق تھے وہ تو ان کی ہر طرح معاونت کرتے لیکن مخالفین جو ان کو اس تشدد آمیز طریق عمل سے روکنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے وہ خون کے گھونٹ پی

کر رہ جاتے۔ اسی طرح اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلتتی رہی۔ جب میاں عبد اللہ نیازی نے دیکھا کہ اس کے پیروؤں کا تشدد بہت بڑھ گیا اور عنقریب فساد برپا ہوا چاہتا ہے تو شیخ علائی سے کہا کہ ہجوم خلائق سے میرے اوقات میں خلل واقع ہوتا ہے اور حق گوئی اس زمانہ میں حنظل سے بھی زیادہ تلخ ہے اس لیے بہتر ہے کہ یا تو خاموش رہ کر کج عزالت اختیار کر دیا سفر حج کی تیاری کرو۔ شیخ علائی زیارت بیت اللہ کے لیے روانہ ہوا۔ ستر گھرانے بھی اس بے سرو سامانی کے عالم میں ساتھ ہوئے جب یہ قافلہ خواص پور میں جو جوہ پور کے حدود میں واقع ہے۔ پہنچا تو خواص خاں خیر مقدم کے لیے آیا اور مہدی مذہب قبول کیا لیکن جب چند روز کے بعد مذہب مہدویت کی برائی اس پر روشن ہو گئی تو تائب ہو گیا۔ شیخ علائی نے اس کی برکتی کا لحاظ کر کے یہ حیلہ تراشا کہ خواص خاں امر معروف و نہی منکر میں ہماری موافقت و اطاعت نہیں کرتا۔ غرض اس سے بگاڑ پیدا کر کے خواص پور سے رخصت ہو اور سفر حجاز کی عزیمت فسخ کر کے میانہ کو لوٹ آیا۔

سلیم شاہ سوری بادشاہ دہلی انہی دنوں آگرہ میں اورنگ سلطنت پر بیٹھا تھا۔ مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطانپوری نے سید رفیع الدین محدث میاں ابوالفتح تھے نیری اور بعض دوسرے علماء کو جمع کر کے بادشاہ سے شیخ علائی کی فتنہ انگیزیوں کا شکوہ کیا۔ بادشاہ نے شیخ علائی کو آگرہ میں طلب کیا۔ شیخ علائی اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جو ہر وقت ہتھیار لگائے رہتے تھے میانہ سے روانہ ہو کر حاضر دربار ہو اور بادشاہوں کے رسوم و آداب کو بالائے طاق رکھ کر سنت نبوی کے مطابق تمام مجلس کو السلام علیکم کہا۔ سلیم شاہ نے بڑی نفرت و انکراہ کے ساتھ ”و طیک السلام“ جواب دیا۔ شیخ کی یہ جسارت مقربان درگاہ پر سخت شاق گذری۔ اعیان دولت نے سلیم شاہ کے پہلے ہی کان بھر رکھے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام روئے زمین کی بادشاہت کریں گے۔ اور یہ مبتدع خود بھی مہدویت کا مدعی ہے اس لیے ضرور ہے کہ اس شخص کی نیت بھی خروج و بغاوت کی ہو۔ عیسیٰ خاں نے جو بادشاہ کے منہ لگا ہوا تھا شیخ علائی کی شکستہ حالی، زتلیں کپڑوں اور پھٹی جوتی دیکھ کر پھبتی اڑائی کہ یہ حالت و ہیئت اور بادشاہی کی امٹکیں؟ اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا کیا ہم افغان دنیا سے ناپود ہو گئے ہیں کہ ایسے ایسے گدا بھی بادشاہی کی ہوس کریں۔ شیخ علائی کے دل پر درباریوں کے طعن و تعریض اور بادشاہ کی برافروختگی کا کوئی اثر نہ ہوا اور مجلس عٹ منعقد ہونے سے پہلے بموجب عادت معبود کلام الہی کی چند آیتیں پڑھ کر ایک نہایت برجستہ اور فصیح و بلیغ تقریر شروع کر دی جس میں دنیا کی بے ثباتی، اہوال حشر و نشر کی تصویر ایسے رنگ میں کھینچی کہ دل پانی ہو گئے۔ سلیم شاہ اور مقربان درگاہ جن کے جذبات سخت مشتعل ہو رہے تھے جائے قہر و غضب کی جھلیاں گرانے کے زار و قطار رونے لگے۔ آخر بادشاہ اٹھ کر محل سرائے میں چلا گیا۔ اور وہاں سے شیخ علائی اور اس کے رفقاء کے لیے خود اپنے سامنے کھانا بھجوا گیا۔ نہ تو شیخ نے کھانا تناول کیا اور نہ بادشاہ

کی آمد پر تعظیم جلا لایا اپنے ساتھیوں سے صرف اتنا کہا کہ جس کا جی مانے وہ کھالے۔ جب بادشاہ نے کھانا نہ کھانے کا سبب پوچھا تو شیخ علائی بے دریغ کہنے لگا کہ بادشاہ! تیرا خزانہ بیت المال ہے جس پر سب مسلمانوں کا یکساں حق ہے اور تو حکم شرع کے خلاف اپنے حق سے زیادہ پر متصرف ہو رہا ہے اس لیے تیرے ہاں کا کھانا حرام و ناجائز ہے۔ سلیم شاہ کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کیا اور تحقیق بمحبت علماء کے سپرد کر دی۔

بعد ازاں وہ علماء جو اپنے تبحر علمی کے نقارے بجایا کرتے تھے۔ شیخ علائی سے مسئلہ ممدویت میں الجھنے لگے۔ میر سید صفوی نے وہ احادیث بیان کیں جو حضرت ممدی علیہ السلام کے علائم و خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ تم شافعی للذہب ہو اور ہم حنفی ہیں۔ ہمارے تمہارے اصول میں بڑا فرق ہے اس لیے تمہاری توجیہ و تاویل ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ سید صفوی سے کچھ جواب نہ من پڑا۔ لیکن سید صاحب کو اس کا یہ جواب دینا چاہیے تھا کہ ظہور ممدی علیہ السلام کا عقیدہ ان فروعی مسائل میں سے نہیں جن میں حنفی و شافعی مختلف ہیں بلکہ یہ عقیدہ اجماعی اور مسلم الثبوت ہے اور تم حنفیہ اور شافعیہ کی آڑ میں کیونکر پناہ لے سکتے ہو جب کہ تم نے حنفی عقائد سے منہ موڑ کر ایک مبتدع مذہب کی پیروی اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا عبداللہ سلطانپوری مخاطب بہ مخدوم الملک نے جو بادشاہ کے مقرروں میں سے تھے۔ علائی کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ یہ دیکھ کر علائی اوشنام دہی پر اتر آیا اور مخدوم الملک کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تو سگ دنیا اور خود فاسق و فاجر ہے و رعمدہ قضا کے کسی طرح لائق نہیں۔ تیری کیا مساط ہے کہ مجھے واجب القتل ٹھہرائے۔ تیرے گھر تو علی الاعلان سازو گانے جانے کی آواز سنائی دیتی ہے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ نجاست پر بیٹھنے والی کھسی اس عالم سے بہ درجما بہتر ہے جس کا پیشہ دو طیرہ امراء کی خوشامد و چا پلوسی ہو لیکن ظاہر ہے کہ اگر احکام شریعت اور حدود اللہ کے اجراء میں سلاطین اسلام سے تعاون طلبی خوشامد و چا پلوسی ہے۔ تو ہر شیدائی حق کو اس کا مرتکب ہونا چاہیے۔ عبدالقادر اوبائی نے لکھا ہے کہ اگر ہ کا ملا جلال بھی دربار میں موجود تھا مساط جرات پر قدم رکھ کر وہ حدیث بیان کرنے لگا۔ جس میں جناب ممدی آخر الزمان کا حلیہ مژکور لفظ اجلی الجبہتہ کی بجائے اجمل الجبہتہ (بفتح جیم و تشدید لام) جو لفظ جلال سے مشتق اور جلیل کی تفصیل ہے۔ پڑھا اور مسکراتے ہوئے کہا تو عوام الناس میں اپنے آپ کو بڑا فاضل مشہور کرتا ہے حالانکہ عربی کا ایک فقرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ تو حدیث کے نکات اور اشارات کو کیا خاک سمجھے گا۔ یہ لفظ اجلی الجبہتہ جلا کی تفصیل ہے نہ کہ تیرے نام جلال کی۔ بے چارہ ملا جلال ایسا خفیف ہوا کہ پھر لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر یہ ایونی کا یہ بیان کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ علم حدیث کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ حدیث میں حضرت ممدی علیہ السلام کو اجلی الجبہتہ (روشن پیشانی والا) کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملا جلال جو

علمائے دربار میں دخل تھے اتنے جاہل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ایک ایسی معمولی چیز سے بھی بے خبر ہوتے۔ جس کو عربی کے ادنیٰ طالب علم بھی جانتے ہیں۔ سلیم شاہ سخت ضغط میں تھا کہ شیخ علائی کی نسبت کیا حکم صادر کرے؟ آخر شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم جو پوری کو ممدی موعود ماننے سے باز آ جاؤ اور آہستہ سے میرے کان میں اس عقیدہ سے اظہار برائہ کر دو تو اپنی قلمرو میں تمہیں محتسب مقرر کر دیتا ہوں۔ اب تک میری اجازت کے بغیر امر معروف و نہی منکر کرتے رہے۔ اب میرے حکم سے کرتے رہو۔ ورنہ علماء تمہارے قتل و صلب کا فتویٰ دے ہی چکے ہیں گو میں نہیں چاہتا کہ تمہارا خون گراؤں۔ علائی نے جواب دیا کہ تمہارے کہنے سے میں اس عقیدہ کو نہیں بدل سکتا۔ شیخ چند روز آگرہ میں رہا۔ جاسوس سلیم شاہ کو پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے کہ آج فلاں افغان سردار نے مذہب ممدویہ قبول کیا اور آج فلاں وزیر نے شیخ کا مرید ہو کر ترک علاقہ کیا اور آج شیخ کے حلقہ ارادت کو اس قدر وسعت ہوئی۔ سلیم شاہ مخدوم الملک کے فتویٰ کے باوجود حکم قتل میں مہارت نہ کرتا تھا۔ آخر بصد مشکل قصبہ ہندویہ کی طرف جو سرحد کن پر واقع تھا جلا وطنی کا حکم دیا۔ شیخ یہ حکم سن کر بہت خوش ہوا کیونکہ اسے کئی سال سے دکن کی سیر اور ان بلاد کے ممدویہ کی ملاقات کا شوق و امعیر تھا۔ ہندویہ میں پہلے ہی ممدوی بد مذہبی کی گرم بازاری تھی جب شیخ علائی یہاں پہنچا تو یہاں کا حاکم جس کا نام بہار خاں اور لقب اعظم ہمایوں شروانی تھا۔ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور اس کا نصف سے زیادہ لشکر بھی ممدوی ہو گیا۔ شاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو بڑا تلمسایا۔ مخدوم الملک نے بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ علائی کو ہندویہ سے طلب کر کے اس پر شرعی حد لگائی جائے۔ چنانچہ شیخ کو سرحد سے واپس بلا لیا گیا۔ اس مرتبہ سلیم شاہ نے علماء کو پھر جمع کر کے اس قضیہ کے متعلق انتہائی تحقیق و تفتیش کا حکم دیا۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ سے کہا کہ یہ شخص خود بھی ممدویت کا داعی ہے اور حضرت ممدی آخر الزمان روئے زمین کے فرمانروا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کے لشکریوں کو اس شخص سے اس درجہ شیفتگی ہے حتیٰ کہ حضور کے بہت سے اعزاء و اقارب بھی در پردہ اس کے مذہب میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس لیے قوی احتمال ہے کہ اس کی ذات سے نظام سلطنت میں فتور واقع ہو۔

بادشاہ کا خیال تھا کہ مخدوم الملک علائی سے بغض و عناد رکھتا ہے اور ہر طرح سے کوشاں ہے کہ کسی طرح اس تادیب و تنبیح کنی میں کامیاب ہو اس لیے چاہتا تھا کہ کسی دوسرے عالم بے غرض سے اس قضیہ کا فیصلہ کرائے۔ ان ایام میں دہلی و آگرہ کے اندر اس پایہ کا کوئی جامع عالم نہیں تھا۔ جس کی طرف رجوع کیا جاسکتا۔ اس لیے بادشاہ نے مخدوم الملک کے فتویٰ قتل کو نظر انداز کر کے 955ء میں حکم دیا کہ شیخ علائی کو علامہ بڈھ طیب کے پاس بہار لے جائیں۔ تاکہ ان کے فتویٰ تادیب کو حل کیا جائے۔ ان دنوں علامہ شیخ بڈھ کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

شیخ بڑھ صاحب تصنیف تھے۔ قاضی شہاب الدین کی ”کتاب الارشاد“ پر ایک اچھی شرح تھی۔ شیر شاہ سوری ان کا ایسا معتقد تھا کہ ان کی پاؤں کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ جب شیخ علانی بہار پہنچا تو اتفاقاً شیخ بڑھ کی کوئی خوشی کی تقریب تھی۔ گانے بجانے کی آواز گھر سے آرہی تھی اور ایسے رسوم ادا ہو رہے تھے جو شرعاً ممنوع اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے اثر صحبت سے سیکھے ہیں۔ علانی نے جوش غضب میں آکر شیخ بڑھ کو ملامت شروع کر دی وہ اس وقت اس قدر معمر اور کهن سال تھے کہ یارائے گفتار بھی نہ تھا۔ علامہ کے بیٹوں نے جواب دیا کہ ملک میں ایسے عادات و رسوم رائج ہیں کہ اگر ان سے روکا جائے تو ناقص العقل عورتیں خیال کرتی ہیں کہ جان یا مال بیلدن میں ضرور کوئی آفت آئے گی اور اگر سوء اتفاق سے کوئی خرابی ظہور پذیر ہو جائے تو کہنے لگتی ہیں کہ سارا وبال فلاح رسم کے اوانہ کرنے کا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسے عقیدہ پر کافر ہو جاتی ہیں اور کافر ہونے سے ان کا فاسق رہنا نصیحت ہے۔ شیخ علانی نے کہا کہ عذر گناہ بڑا تر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب شروع ہی سے یہ اعتقاد ہے تو گناہ نہ کرنے سے وبال آتا ہے اور سنت کی پیروی موجب ہلاکت ہے تو ایسا اعتقاد رکھنے والی عورتیں شروع ہی سے کافر ہیں تو پھر ان کے اسلام کا لحاظ کیا ہے بلکہ ان کی صحت نکاح میں کلام ہے چہ جائیکہ ان کے اسلام کا غم کھایا جائے اور جب ایسے مرجع انام اور فاضل اجل کا یہ حال ہو تو عوام کا بس خدا ہی حافظ ہے۔ شیخ بڑھ خوف خدا کا در دل میں رکھتے تھے۔ استغفار کر کے اشکبار ہو گئے اور شیخ علانی کی تحمین و آفرین کر کے اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ حسب بیان عبد القادر بدایونی شیخ بڑھ نے اب سلیم شاہ کے نام خط لکھا کہ مسئلہ ممدویت ایمان کا موقوف علیہ نہیں ہے اور نعین علامات ممدی علیہ السلام میں بہت کچھ اختلاف بتایا جاتا ہے۔ اس بنا پر شیخ علانی کے کفر و فسق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ بہتر یہ ہے کہ شیخ علانی کے شبہات دور کئے جائیں۔ علماء کے کتب خانوں میں حدیث کی کتابیں بھرت ملیں گی۔ احادیث ممدی علیہ السلام نکال کر ان کے شبہات دور کیئے جائیں۔ یہاں کتابیں کیاب ہیں ورنہ میں شیخ پر اس کی غلطی اور کج روی واضح کر دیتا۔ شیخ بڑھ کہ مخدوم الملک صدر الصدور ہیں۔ ان کے خلاف رائے دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ ایسی حالت میں انہوں نے ان سے یہ کہہ کر کہ آپ کو اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے اگرہ طلب کر لیا تو اس پیرانہ سالی میں ناحق سفر کی صعوبت اٹھانا پڑے گی بڑھ کے دل پر اثر کر گئی۔ چنانچہ پہلی چٹھی چاک کر کے دوسرا رسد اس مضمون کا لکھ بھیجا کہ مخدوم جو بڑے عالم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اتنا درجہ کے محقق ہیں اس لیے ان کا قول اور فتویٰ قابل اعتماد ہے لیکن بدایونی نے منتخب التواریخ کے مختلف مقامات پر ممدویہ کی تعریف میں جس مبالغہ کام لیا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے ممدویہ تم کر دجان راہ کی زبان سے جو کچھ سنا منطوق سمجھ کر بلا تحقیق اپنی تاریخ میں درج کر لیا۔ خود عبد القادر کو تسلیم ہے کہ شیخ بڑھ اس وقت کے اعلیٰ عالم تھے۔ ان کی علمی عظمت اور عملی تقدس سے

نقش دلوں پر اس درجہ مرتسم تھے کہ شہنشاہ ہند سلطان شیر شاہ سوری خود جو تیاں اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے میں اپنا فخر سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا اعلامہ دہر ایسی لغو اور تمسخر انگیز روایت کہاں سے لاسکتا تھا کہ تعیین علامات ممدی علیہ السلام میں اختلاف ہے۔ اس سے قطع نظر اتنے بڑے عالم سے یہ بھی بعید تھا کہ وہ اگر ہر تک کا سفر اپنے دوش ہمت پر قبول نہ کرے لیکن کسی ”عالم حق“ کے بے گناہ ہلاک و برباد ہو جانے کو چپ چاپ گوارا کر لے۔ الغرض شیخ بڈھ کی دو چھٹیوں کا افسانہ محض لغو اور حامیاں شریعت کے دشمنوں کا کی اختراع ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد سورخ نے تاریخ طبقات اکبری میں پہلی چھٹی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔ ”سلیم خاں گوش بسطن مخدوم الملک نکرہ باز شیخ علانی را اور بہار پیش شیخ بڈھ طبیب دانشمند کہ شیر خاں معتقد او کفش پیش پائے اومی نہاد فرستاد تا بموجب فتویٰ او عمل نماید و سلیم خاں بجانب پنجاب توجہ نمودہ تعمیر قلعہ مانکوٹ مشغول شد۔ چون شیخ علانی بہ بہار رفت شیخ بڈھ موافق فتویٰ مخدوم الملک نوشتہ بقا صدان سلیم خان داد۔“

62۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک نام نہاد عالم نے جو الحاد و نیچریت کی طرف مائل ہے بد ایونی بیانات کی بنائے فاسد پروشنام دہی کی بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر لی ہیں اور ملاحظہ ممدویہ کی تائید میں حامیان شریعت مصطفوی (علی صاحبہما التحیہ والسلام) کو معاذ اللہ رسول سے سواء قرار دے کر ایسی شرمناک گالیاں دی ہیں کہ جن کو پڑھ کر ایک غیور مومن جسے ماجاء النبی ﷺ سے کچھ بھی محبت ہے سخت روحی صدمہ محسوس کرتا ہے اور پھر دیانت داری اور حق پسندی کا کمال دیکھو کہ اس نے نیازی علانی کی تعریف میں تو زمین آسمان کے قلابے ملائے لیکن مقدم الذکر کی اناہت اور رجوع الی الحق کا کہیں بھول کر بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ خود بد ایونی نے نیازی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ”عاقبت بہ سر ہند آمدہ از راہ وروش ممدویہ ابادہ و سائر ممدویہ رازاں اعتقاد بازداشتہ بروش منتشر عان عامہ اہل اسلام سلوک می ورزید“ 63۔ ان دنوں سلطان عالم شاہ پنجاب آیا ہوا تھا۔ جب شیخ بڈھ کا سر مسمر خط بادشاہ کو ملا تو پڑھ کر شیخ علانی کو اپنے پاس بلایا اور نزدیک کر کے اس سے کہا کہ تم تمام میرے کان میں کہہ دو کہ میں اس عقیدہ سے تائب ہوتا ہوں۔ بس اتنا کہہ کر مطلق العنان اور فارغ ہو جاؤ۔“ علانی نے کچھ التفات نہ کیا۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر مخدوم الملک سے کہا چھاتم جانو۔ اس اثناء میں شیخ علانی پر مرض طاعون کا حملہ ہوا جو ملک میں پھیل رہا تھا اور اس کی وجہ سے حلق میں زخم ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ میری موجودگی میں تازیا نے لگاؤ۔ جلاد نے تیسری ہی ضرب لگائی تھی کہ روح نے تن سے مفارقت کی۔

حاجی محمد فرہی

حاجی محمد فرہی سید محمد جونپوری کا مرید اور مسیح مد عود ہونے کا مدعی تھا۔ ممدویہ کی کتاب ”شواہد اللوایت“ میں لکھا ہے۔ ”حضرت ممدی مد عود (سید جونپوری) نے فرمایا کہ اکثر انبیاء اور اولوالعزم رسول دعانا کرتے تھے کہ بار خدا ہمیں امت محمدی میں پیدا کر کے ممدی کے گروہ میں داخل فرما۔ انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سوا کسی کی دعا قبول نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ عنقریب آکر بہرہ یاب ملاقات ہوں گے۔ چنانچہ ”دیوان ممدی“ میں جو ایک ممدی کا کلام لکھا ہے۔

بل چہ عالم کہ ز آدم و موسیٰ
 ز یحییٰ و خلیل از موسیٰ
 بودہ غایت ^{صحیح} ہوش ہو سے
 ہر چہ ہست از ولایت است نظہور
 نقطہ آل دائرہ مفضلان
 شد متمنائے ہمہ مرسلان
 خواست ز حق ہر یکے از اولین
 رب اجعلنی لمن الاثرین

اور ممدویہ کی کتاب بیخ فضائل میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ میران (سید جونپوری) قضائے حاجت کے لیے جا رہے تھے کہ راستہ میں حاجی محمد فرہی نے پوچھا کہ میراں جیو! خدام تو آئے عیسیٰ کب آئیں گے؟ میراں نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے ظاہر ہوں گے۔ اس لفظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاجی محمد کو حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) کا مقام حاصل ہو گیا۔ حاجی محمد میراں کی زندگی میں تو خاموش رہا اور کوئی دعویٰ نہ کیا۔ مرنے کے بعد سندھ میں عمر ٹھٹھہ کی اور جا کر مسیح مد عود ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی مسیحیت کی دعوت دینی شروع کی۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو وہاں کے حاکم نے گرفتار کر کے اس کی گردن مار دی۔ جب حاجی نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو سید محمود کو فکر دامن گیر ہوئی کہ میری دوکانداری پھینکی نہ پڑ جائے اس لیے دو آدمیوں کو اس کے قتل کرنے

کے لیے بھیجا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حاجی مارا گیا تو لوٹ آئے۔ شاہ دلاور نے بھارت دی کہ حاجی محمد ایمان سلامت لے گیا۔ غرغہ کے وقت اس کی توبہ قبول ہو گئی۔ سید محمود کہنے لگا کہ چونکہ مہدی علیہ السلام کی تصدیق کی تھی ضائع نہ ہوا۔ 65۔

جلال الدین اکبر شاہ

جلال الدین اکبر شاہ بھی ان ائمہ فساد میں سے ہے جنہوں نے ملت اسلام میں رخنہ اندازیاں مگر کے ناموس شریعت کو چرکا لگایا۔ اکبر 949ھ میں سندھ کے ریگستان میں امرکوٹ کے مقام پر اس وقت پیدا ہوا جب کہ اس کا باپ سلطان نصیر الدین ہمایوں بادشاہ سلطان شیر شاہ کے ہاتھ سے آوارہ دشت غربت تھا۔ ہمایوں بادشاہ خود تو ایران چلا گیا لیکن اکبر کو جو اس وقت پورا برس دن کا بھی نہیں ہوا تھا اپنے بھائی عسکری مرزا حاکم قندھار کے ہاتھ میں چھوڑ گیا۔ اکبر قریباً ۱۰ سال تک قندھار میں اپنے چچا کے دست اختیار میں رہا۔ جب 961ھ میں ہمایوں بادشاہ فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا ہندوستان کی طرف بڑھا تو اس وقت اکبر بارہ برس 8 مہینے کا تھا اور جب 963ھ میں ہمایوں بادشاہ نے دہلی میں کوٹھے پر سے گر کر داعی حق کو لبیک کہا اور اکبر تخت نشین ہوا تو اس وقت اکبر کی عمر پونے چودہ برس کی تھی۔ غرض اس بنا سے کہ اکبر کے ایام طفلی میں اس کے والدین دشت ادبار میں پڑے تھے۔ اس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوا اور وہ بالکل جاہل و امی رہ گیا۔ تخت نشینی کے بعد اکبر قریباً ۱۰ سال تک برسر حکومت رہا۔ میں اس زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ پہلا وہ آوان سعید تھا جبکہ اکبر بادشاہ دائرہ اسلام میں داخل تھا۔ دوسرا وہ عصر جہل و فساد جس میں اس نے اسلام کا رجبہ عقیدت گلے سے اتار کر کھلم کھلا کفر و ارتداد اختیار کیا۔ ان میں سے پہلے زمانہ کا دور انیس سال کا تھا اور دوسرے عہد ظلمت کی مدت قریباً بیس سال تھی۔

فصل 1۔ پیروی مذہب کا دور ہدایت

جلال الدین اکبر اہماء میں ایک خوش عقیدہ مسلمان تھا۔ محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ اکبر لوائل میں احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سنتا تھا اور صدق دل سے جلاتا تھا۔ جماعت سے نماز پڑھتا تھا۔ آپ اذان کہتا تھا۔ مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھارو دیتا تھا۔ علماء و فضلاء کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ ان کے گھر جاتا تھا۔ بعض کے سامنے کبھی کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیتا تھا۔ مقدمات سہل شریعت کے فتویٰ سے فیصلہ ہوتے تھے۔ جاہل قاضی و مفتی مقرر تھے۔ اکبر صوفیانہ خیالات کا دلدادہ اور فقراء و اہل دل کا نیاز مند تھا۔ ان کے برکت انفس سے تقاضہ کرتا تھا۔ 968ھ

میں گوئیوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات میں گیت گائے۔ اکبر پر ایسا ذوق و شوق طاری ہوا کہ اسی وقت اجیر کو روانہ ہوا۔ مزار پر بیٹھ کر خواجہ کے توسل سے دل کی مرادیں بارگاہ رب العلیین میں عرض کیں۔ قضائے کردگار سے جو کچھ مانگا تھا اس سے بھی زیادہ پایا۔ اس لیے اس کا اعتقاد پہلے سے دو چند ہوا۔ اور باوجودیکہ 982ھ سے جب کہ وہ مرتد ہوا اس کے دل میں حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ عقیدت کا جذبہ باقی نہ رہ گیا بلکہ حضور کی شان میں بے ادب ہو گیا تھا لیکن خواجہ معین الدین کے ساتھ مرتے دم تک وہی اعتقاد رہا۔ اور اہل نظر اسے دیکھ کر حیران ہیں کہ خواجہ صاحب کے ساتھ تو یہ اعتقاد اور آنحضرت ﷺ جن کے دامن کے سایہ سے لاکھوں کروڑوں کو خواجہ معین الدین کا سادہ جہ مل جائے ان کی شان میں ایسا سوء اعتقاد۔ اوائل میں اکبر علماء و مشائخ طریقت کی صحبت میں بڑے آداب سے بیٹھتا تھا۔ ان کے ارشادات کو موجب ہدایت و سعادت یقین کرتا تھا۔ ان کو بہت کچھ دیتا تھا۔ ان ایام میں اس کے انعام و اکرام اور جو دو سخا کی کچھ حد نہ تھی۔ چنانچہ عبدالقادر بدایونی اس کے مرتد اور سے پہلے کی کیفیت لکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے شاہان سلف کی تمام شخصیات ایک پلے میں رکھی جائے اور اکبر شاہ کے انعامات دوسرے پلے میں رکھے جائیں تو دوسرا پلہ جک جائے گا۔ 971ھ میں اکبر حضرت شیخ سلیم چشتی کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے حلقہ مریدین میں داخل ہوا۔ خواجہ سلیم حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کی اولاد تھے۔ ان ایام میں وہ آگرہ سے بدھنوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں جسے سیکری کہتے تھے قیام فرماتے۔ اکبر 27-28 برس کی عمر تک اولاد نہ تھا اس لیے اولاد کی بڑی آرزو تھی۔ اکبر نے خود سیکری جا کر ان سے کئی دن رات اولاد کے لیے دعا کرائی۔

شیخ سلیم چشتی کی پیشین گوئی

سلطان سلیم عرف نور الدین جہانگیر اپنی توڑک میں لکھتا ہے کہ ایک دن اٹھائے توجہ اور بے خودی کے عالم میں میرے والد (اکبر بادشاہ) نے ان سے پوچھا کہ حضرت میرے پاس آتے فرزند ہوں گے۔ فرمایا خدا تمہیں تین فرزند عطا کرے گا۔ "یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد شاہزادہ سلیم 977ھ میں شاہزادہ مراد 978ھ میں اور شاہزادہ دانیال 980ھ میں متولد ہوئے۔ سلطان نور الدین جہانگیر توڑک میں نہایت بے شبہ شیخ سلیم نے تین فرزندوں کی بشارت دی تو والد نے حضرت شیخ سے کہا کہ میں نے منت مانی ہے کہ پہلے فرزند کو آپ کے دامن تربیت اور توجہ میں ڈالوں گا۔ تھوڑے دن کے بعد معلوم ہوا کہ حرم سرا میں فلاں بچہ حمل سے ہے۔ سن کر بہت خوش ہوا اور حرم کو حرم میں شیخ میں سیکری بھیج دیا۔ خواجہ غلام الدین احمد "طبقات اکبری" میں لکھتے ہیں کہ شاہزادہ سلیم 17 ربیع الاول 977ھ میں متولد ہوا۔ حضرت خواجہ سلیم

چشتی کی داماد شیخ ابراہیم اس مژدہ کے ساتھ دارالسلطنت آگرہ پہنچے اور مراحم خسروانہ سے سرفرازی پائی۔ بادشاہ نے اس نعمت عظمیٰ اور موبہبت کبریٰ کے شکرانہ میں خلائق کو انعامات سے بہرہ مند فرمایا۔ کل ممالک محروسہ کے قیدی آزاد کئے گئے۔ سات دن تک جشن مسرت منایا۔ شعراء نے تاریخ اور قصیدے کہہ کر بڑے بڑے انعام پائے۔ بادشاہ نے اسی دن سے موضع سیکری جارہنے اور اسے دارالسلطنت بنانے کا قصد کیا۔ چنانچہ سیکری جا کر شیخ کے لیے ایک نئی خانقاہ اور ایک عالی شان سنگین قلعہ اور بڑے قصر تعمیر کرائے۔ امراء و اعیان سلطنت نے بھی محل تعمیر کرائے اور وہاں شہر آباد کر کے سیکری کو فتح پور کا خطاب دیا۔ بادشاہ نے یہ نذرمان رکھی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ فرزند نرینہ عطا فرمائے گا تو اجیر تک پیادہ پا جاؤں گا۔ چنانچہ وہ 977ھ کو دارالخلافہ آگرہ سے پیدل روانہ ہوا۔ اجیر وہاں سے ایک سو بیس کوس ہے۔ روزانہ چوسات کوس کا سفر تھا۔ شیخ سلیم نے مولود مسعود کا نام اپنے نام پر رکھا تھا۔ لیکن آبرنی یہ حالت تھی کہ پیر کے نام کا احترام کرتے ہوئے بیٹے کو سلیم کہہ کر نہیں پکارتا تھا۔ بلکہ شیخو جی کہا کرتا تھا۔ جمائیر تو زک میں لکھتا ہے کہ ایک دن کسی تقریب میں میرے والد نے حضرت شیخؒ سے پوچھا کہ آپ کی کیا عمر ہوگی اور آپ کب ملک آخرت کو انتقال فرمائیں گے؟ فرمایا واللہ علم۔ ایک دن زیادہ اصرار کر کے پوچھا تو میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جب شاہزادہ اتابزاہو گا کہ کسی کو یاد کرانے سے کچھ سکھ لے تو سمجھ لینا کہ ہمارا وصال قریب ہے۔ والد نے یہ سن کر تمام خدام کو حکم دیا کہ شہزادے کو نظم و شعر کوئی کچھ نہ سکھائے اس طرح قریباً ڈھائی سال گزر گئے۔ محلہ میں ایک عورت رہتی تھی وہ دفع نظر بد کے لیے مجھے ہر روز حرم کی دھوئی دے جاتی تھی اسے کچھ صدقہ خیرات مل جاتا تھا۔ ایک دن اس نے خدام کی غیر حاضری میں مجھے یہ شعر یاد کرادیا۔

الشی غنچہ امید بچشا گلے ازروضہ جاوید ہنما

اس کے بعد میں حضرت شیخ کے پاس گیا اور انہیں یہ شعر سنایا۔ حضرت مارے خوشی کے اچھل پڑے اور والد بزرگوار سے فرمایا لو بیہوشی وعدہ وصال پہنچ گیا رخصت ہوتا ہوں۔ چنانچہ اسی رات کو مختار ہوا یہاں تک کہ 979ھ میں 95 برس کی عمر پا کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ 5 جمادی الآخر 981ھ کو بادشاہ نے شہزادوں کے ختہ کا حکم دیا۔ بہت بڑا جشن ترتیب دیا گیا۔ علماء سادات مشائخ امراء و ارباب دولت جمع ہوئے۔ سنت ختہ ادا ہوئی۔ بادشاہ نے خوب داد و بخش اور فیض رسانی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد اسی سال 22 رجب کے دن ایک بہت بڑی مجلس ترتیب دی گئی اور شہزادہ سلیم کو مولانا میر کالان ہروی کی خدمت میں بغرض تعلیم لے گئے۔ انہوں نے شاہزادہ کو کلمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم جو خزائن و معارف کی کنجی ہے پڑھائی۔ چاروں طرف سے تہنیت و مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا۔

القرن وید میں اصول اسلام کی تائید

سرزمین دکن میں ایک برہمن نے جو بھادان کے نام سے مشہور تھا ایک مرتبہ کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے افق دل پر اسلام کا کواکب ہدایت سایہ آگن ہوا۔ اس کے بعد اس نے دوسری کتابوں کا مطالعہ کر کے اسلامی تعلیمات میں اچھی بصیرت حاصل کی اور باقاعدہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ یہ دیکھ کر بڑے بڑے برہمنوں نے جن کے علم و فضل کی ملک میں دستوم تھی اس کو بند و دھرم میں لانے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے تمام برہمنوں کو مذہبی مناظروں میں زک دی۔ قبول اسلام کے کچھ عرصہ بعد یہ نو مسلم دار الخلافہ فتح پور سیکری آیا اور بادشاہ کے مقریوں میں داخل ہو گیا۔ ایک دن اکبر نے حکم دیا کہ ہنود کی چوتھی کتاب اتھر و وید کا ترجمہ فارسی میں کیا جائے کیونکہ اس کے بعض احکام ملت اسلام کی تائید کرتے ہیں چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی۔ اس کتاب میں مندرج ہے کہ خدا وحدۃ لا شریک ہے جب تک اس کا کلمہ تو حید لا الہ الا اللہ نہ پڑھیں نجات نہیں مل سکتی۔ دوسرا یہ کہ گائے کا گوشت چند شرطوں کے ساتھ مباح ہے۔ تیسرا میت کو دفن کرنا چاہیے جلانا نہ چاہئے۔

کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے ایک عبادت خانہ تعمیر کرایا۔ اس تعمیر کی وجہ یہ تھی کہ چند سال سے بادشاہ کو پنے درپے فتوحات حاصل ہو رہی تھیں اور دائرہ مملکت دن بدن وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ چونکہ تمام کام منشاء و مراد کے مطابق رو بہ آہ تھے اور کوئی دشمن ایسا نہ رہ گیا تھا جس میں سر اٹھانے کا حوصلہ ہو۔ اب بادشاہ اپنے اوقات کا حصہ قال اللہ و قال الرسول کی علمی مجلسوں میں گزارنے لگا۔ ہر وقت تصوف کی باتیں علمی مذاکرہ، حکمی و فقہی بحثوں میں مصروف رہتا۔ رات کو اٹھ اٹھ کر عبادت الہی کرتا۔ شیخ سلیم کی تلقین کے بموجب جہاں اللہ کے ذکر میں مصروف رہتا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ نماز جمعہ شیخ سلیم کی نئی خانقاہ میں پڑھ کر عبادت خانہ میں آتا اور علماء و مشائخ کے ساتھ علمی گفتگو میں مصروف ہوتا۔ اسی طرح جمعہ کی شب کو علماء و مشائخ جمع کرتا اور ان سے علمی استفادہ کرتا۔ بادشاہ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ عبادت خانہ کی جنوبی طرف ہنود شمالی جانب مشائخ و دکن سمت سادات اور یورپ رخ امراء و امیان دولت بیٹھے تھے۔ اور خود نوموت یہ نوبت چاروں جماعتوں کے پاس ان کی مصاحبت اختیار کرتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ کا معمول تھا کہ کبھی کبھی شیخ عبدالنبی کے مکان پر حدیث سننے کے لیے چلا جاتا تھا۔ اور ان کا اس درجہ احترام کرتا تھا کہ دو ایک مرتبہ ان کی جوتیاں اٹھا کر بھی ان کے آگے رکھی تھیں۔ شہزادہ ان بنی کے زیر تربیت و تعلیم تھا۔ شہزادہ نے مولانا عبدالرحمن جامی کی چہل حدیث ان سے پڑھی تھی۔ ان حالات سے معلوم ہوا کہ آبر بادشاہ کے سارے طور طریقے اسلامی تھے۔ اور وہ ایک متشرق آدمی تھا۔ جس طرح کہ ہر مسلمان کو دانا چاہیے

لیکن اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ 982ھ کے بعد سے جبکہ سرخیل الخادیمو الفضل داخل دربار ہوا ہے۔ اکبری حکومت کی مذہبی حالت کسی حقیقتاً اوبار میں گرنے لگی۔ لور اسلام ابو الفضل اور چند دوسرے دشمنان دین کے ہاتھوں کس طرح مظلومی و بے کسی کی حالت میں مبتلا ہوا۔

فصل 2۔ ارتداد و بے دینی کا عصر ظلمت

لو پر لکھا گیا ہے کہ اکبر بادشاہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا لور اسے مذہبی امور میں بصیرت حاصل نہ تھی۔ چونکہ اس وقت دربار اہل الخادیم کے وجود سے خالی تھا۔ جہاں شریعت اور دستور کا اسوۃ الرسول ﷺ بادشاہ کے دل و دماغ پر حاوی تھے۔ بادشاہ بھی ان کے فیض صحبت سے مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ لیکن جب ابو الفضل جیسے مفسدوں نے بھی دربار میں بار پایا لور یہ لوگ بادشاہ کو اپنے ذہب پر لانے کی کوشش کرنے لگے۔ تو وہ بے چارہ کشمش میں مبتلا ہوا۔ علماء و مشائخ اسے دین کی طرف کھینچتے تھے لور اہل الخادیم اسے آزادی اور مطلق العنانی کی راہ دکھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ آہستہ آہستہ ان کا اثر بھی قبول کرنے لگا اور اس کی طبیعت قیود و شریعت کی بجائے آزادی کی طرف مائل ہونے لگی۔

جواز متعہ کا فتویٰ

ان ایام میں بادشاہ نے علماء سے کہا کہ میں اپنے حرم شاہی میں کتنی عورتیں رکھ سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ چار تک رکھ سکتے ہیں۔ کہنے لگا میں نے تو ایک مرتبہ شیخ عبدالغنی سے سنا تھا کہ بعض حالتوں میں نو تک کی اجازت ہے۔ بادشاہ کو بتایا گیا کہ اگر راجہ خائف اختیار نہ جائے تو بعض لوگوں نے اٹھارہ تک بھی بتائی ہیں۔ بادشاہ نے شیخ عبدالغنی سے دوبارہ پوچھا۔ شیخ مہر جن نے جواب دیا کہ میں نے چار سے زیادہ کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا بلکہ صرف اختلاف کا ذکر کیا تھا۔ یہ جواب بادشاہ کے طبع پر شاق نڈر اور کہنے لگا تو ثابت ہوتا ہے کہ شیخ نے ہم سے نفاق برتا تھا۔ جب کچھ لور کہا تھا اور اب کچھ اور بتا رہے ہیں۔ غرض بادشاہ کا دل بہت برا ہوا لور اس بات کو دل میں رکھا۔ اب یہ بھی ضرور تھا کہ علماء میں سے جو لوگ دنیا پرست تھے وہ بادشاہ کی خوشنودی کا غنا کرتے ہوئے قانون شریعت کو اس کی خواہش پر قربان کر دیتے۔ چنانچہ اس قسم کے مولویوں نے ادھر سے جواب دیا۔ اور جمع کر کے فتویٰ دیا کہ بادشاہ جس قدر عورتوں کو چاہے بطریق متعہ رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ امام مالک کے مذہب میں متعہ جائز ہے۔ اور شیعہ تو اہل سنت و جماعت کی مخالفت میں منکوحہ بیوی کی لولاد کی نسبت اس اولاد کو عزیز رکھتے ہیں جو متعہ سے پیدا ہوئی ہو۔ نقیب خان موطا امام مالک الخادیم لور ایک مرفوع حدیث نکال کر دکھائی۔ اس میں صراحتاً متعہ کی ممانعت تھی۔ ابو انیس متعہ

کے جواز پر زور دینے لگا۔ اور رطب و یابس کے اس انبار کو پیش کیا جو اس کے باپ مبارک نے جواز متعہ میں ترتیب دیا تھا۔ اب اکبر نے عبد القادر بدایونی جامع منتخب التواریخ کو بلا کر پوچھا کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اتنی مختلف روایات اور مذاہب گونا گوں کا ماں ایک بات میں تمام ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ متعہ امام مالک کے نزدیک اور شیعوں کے ہاں بالاتفاق جائز ہے اور گواہ امام اعظم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حرام ہے لیکن اگر مالکی مذہب کے قاضی سے فتویٰ لے لیا جائے تو ہضرت امام اعظم کے مذہب میں بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب قلیل و قال اور جنگ و جدال ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ قاضی یعقوب نے جواز متعہ سے انکار کیا۔ لیکن عبد القادر بدایونی نے اسے فسوں و فسانہ سے رام کر لیا۔ آخر قاضی یعقوب کہنے لگا میں کیا سنتا ہوں؟ مبارک ہو جائز ہے۔ بادشاہ نے کہا میں اس مسئلہ میں قاضی حسین عرب مالکی کو منصف ٹھہراتا ہوں۔ قاضی حسین بھی ایک دنیا پرست مولوی تھا۔ اس نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا۔ اور بادشاہ نے ان تمام علمائے حق کو جنہوں نے اسے متعہ کرنے کی اجازت نہیں دی نظر ہوں سے راد کیا۔ یہاں تک کہ ان کے کشت زار پر خزاں اور عمد خریدتے کی عملداری شروع ہو گئی۔ بادشاہ نے قاضی یعقوب کو گور بھج دیا اور ان کی جگہ مولانا جلال الدین ملتانی کو اگرہ سے طلب کر کے ممالک محروسہ کا عمدہ قضا تفویض کر دیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شیعوں نے تو متعہ جائز کر رکھا ہے لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں متعہ زنا کی طرح قطعاً حرام ہے۔ اور جواز متعہ کے متعلق جو روایت ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ یکسر موضوع ہے۔ غرض آئمہ اربعہ اور اہل سنت و جماعت کے تمام دوسرے امام اس مسئلہ میں متفق ہیں۔

ایک شوریدہ سربرہمن کا واقعہ قتل

شیخ عبد النبی بن شیخ احمد بن شیخ عبد القدوس گنگوہی چشتی کا اصل وطن اندری علاقہ گنگوہ ضلع سہارنپور تھا۔ کئی دفعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے۔ وہیں علم حدیث کی تحصیل کی۔ ان کے آباؤ اجداد کی محفل حال و قال میں غنا اور سماع بھی معمول تھا۔ لیکن انہوں نے حرمین سے واپس آ کر سماع و غنا کو ترک کر دیا۔ 972ھ میں بادشاہ نے انہیں محکمہ امور مذہبی کا صدر الصدور بنایا۔ علم حدیث کے متعلق ان کا قول جہت مانا جاتا تھا اور چونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد تھے اس لیے ان کی موجودگی میں کوئی شخص امامت کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ کا مزاج ان سے ہمہ ہوا تو انداء جو ہر وقت فرصت کے منتظر تھے ان کی بن آئی۔ خصوصاً ابو الفضل نور فیضی ہر وقت جمعی پر تامل ڈالنے لگے۔ اب ایک اور واقعہ ایسا پیش آیا کہ شیخ عبد النبی کا باسواہر بھی رخصت ہو گیا۔ جمعیہ دونوں میں متحرک شیخ صدر (شیخ عبد النبی) کے پاس استغاثہ گیا کہ مسجد مجیدہ پر یہ شور و پستہ کیسے

نے قبضہ کر کے شوالہ بنا لیا ہے اور جب رد کا گیا تو اس نے پیغمبر خدا ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی کی اور مسلمانوں کو بھی بہت گالیاں دیں۔ شیخ صدر نے طبری کا حکم بھیجا وہ نہ آیا آخر نوبت بادشاہ تک پہنچی۔ بادشاہ نے خاص قاصدوں کے ہاتھ اس کو دارالسلطنت میں بلوایا۔ جب وہ آیا تو معتبر شہادتوں سے ثابت ہوا کہ اس نے واقعی آنحضرت ﷺ کی توہین کی ہے۔ چونکہ اسلام میں نبی کی توہین کی سزا قتل ہے۔ اس لیے شیخ صدر بادشاہ نے قتل کی اجازت چاہتے تھے لیکن بادشاہ صاف حکم نہ دیتا تھا اتنا کہہ کر نال دیتا تھا کہ شرعی احکام تہمیدے متعلق ہیں ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ برہمن مدت تک قید رہا۔ محل میں راتوں نے بھی بدشوہ سے۔ غدر شمس کیں مگر بادشاہ نے منہ میں گھنٹیاں ڈالے رکھیں۔ آخر جب شیخ نے بدبو پوچھی تو آہ کہنے لگا کہ بات وہی ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں کہ جو مناسب جانو وہ کرو۔ مگر شیخ نے وہاں سے جا کر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب اکبر کو یہ خبر ملی تو بہت بجڑا۔ آخر سے راتوں نے نور درپردہ میں ابو الفضل فیضی اور دوسرے اعداء نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضور نے من مذہبوں کو اتنا سر پر چڑھا رکھا ہے کہ اب حضور کی خوشنودی خاطر کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اور اپنی صورت و جلال کی خاطر لوگوں کو بے حکم قتل کر ڈالتے ہیں۔ غرض اشتعال انگیزیوں سے اس قدر کان بھرے کہ بادشاہ کو تاب نہ رہی۔ مواد بادشاہ کے دل میں بہت دن سے پک رہا تھا وہ یکبارگی پھوٹ بہا۔ رات کو انوپ تلاء کے دربار میں آکر مقدمہ کا تذکرہ چھیڑا۔ ابو الفضل اور فیضی نے پھر آتش فتنہ پر تیل ڈالنا شروع کیا۔ بعض نے یہ کہنا شروع کیا۔ ”شیخ پر تعجب ہے کہ وہ اپنے تئیں امام اعظم کی اولاد کہتے ہیں۔ حالانکہ امام اعظم کا فتویٰ ہے کہ اگر ذمی (یعنی غیر مسلم رعایا) پیغمبر ﷺ کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد نہیں ٹوٹا اور ابراء ذمہ نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ کتب فقہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے اپنے جد امجد کی مخالفت کیوں کی؟ بادشاہ نے شیخ عبدالقادر بدایونی کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے بھی سنا ہے کہ اگر بعض روایتیں قتل کی مقتضی ہوں اور ایک روایت رہائی کی اجازت دیتی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ مؤخر الذکر روایت کو دیکھے۔ انہوں نے کہا ہاں درست ہے۔ حدود ادنیٰ شہادت سے مرتفع ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ نے افسوس کے ساتھ پوچھا کیا شیخ کو اس مسئلہ کی خبر نہ تھی کہ بے چارے برہمن کو مار ڈالا؟ بدایونی نے کہا کہ شیخ بہت بڑے عالم ہیں اس روایت کے باوجود جو انہوں نے دیدہ و دانستہ قتل کا حکم دیا ضرور کوئی وجہ وجہ اور مصلحت ہوگی۔ بادشاہ نے پوچھا وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے؟ بدایونی نے کہا یہی کہ فتنہ کا سدباب ہو اور عوام میں جرات کا مادہ نہ رہے۔ بدایونی نے اس سند میں شفاءے قاضی عیاض کی ایک روایت بیان کی۔ ابو الفضل اور فیضی کہنے لگے کہ قاضی عیاض تو مالکی ہیں اور حنفی ملکوں میں سند نہیں ہو سکتا۔ ہر چند کہ ان عیاروں کو حنفیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا لیکن چونکہ صدر کو ذلیل کرنا منظور تھا حنفیت کی آڑ لینے لگے۔ اور اصل یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا تمام آئمہ اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ ذمی پیغمبر

خدا ﷺ کی توہین کرے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک بھی ابراہم ذمہ نہ ہونے کی یہ شرط ہے کہ ذمی نے سید کون و مکان ﷺ کی علی الاعلان ذمہ نہ کی ہو اور اگر علی الاعلان مسلمانوں کے سامنے ایسا کیا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی وہ واجب القتل ہے۔ اور مقہر اکبر ہمیں نے حضور کی علی الاعلان توہین کی تھی اس لیے وہ بالاتفاق گردن زدنی تھا۔ بہر حال اکبر نے بد ایونی سے کہا کہ تم ان کے اعتراض کا کیا جواب دیتے ہو؟ اس نے کہا کہ اگرچہ قاضی عیاض مالکی ہیں لیکن اگر مفتی محقق سیاسی ضروریات کا لحاظ کر کے کسی غیر حنفی امام کے فتویٰ پر عمل کرے تو شرعاً جائز ہے۔ اس وقت بادشاہ غضبناک تھا اور شیر کی طرح اس کی مونچھیں کھڑی تھیں۔ لوگ بد ایونی کو پیچھے سے منع کر رہے تھے کہ کچھ مت بولو۔ بادشاہ نے ججز کر بد ایونی سے کہا۔ تم کیا نام معقول باتیں کرتے ہو؟ بد ایونی خوف زدہ ہو کر پیچھے کو ہٹ گیا۔ اس دن سے شیخ عبدالنبی مسلوب الاختیارات ہونے لگے۔

اکبر بحیثیت مجتہد اعظم

ابو الفضل اور فیضی کا باپ مبارک ناگوری ایک بڑا فتنہ انگیز طمہ تھا۔ عہد اکبری کے اوائل میں جبکہ شیخ الاسلام مولانا عبداللہ سلطانپوری مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور کا دربار میں طوطی بول رہا تھا۔ اکبر ان لوگوں کے قلع قمع کی فکر میں تھا جن کی طرف سے کسی فتنہ انگیزی کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی اور دوسرے علمائے دربار نے بادشاہ سے کہا کہ مبارک ناگوری مددوی بھی ایک بڑا الحاد پسند اور متبدع ہے۔ اس کی ذات سے بہت لوگ گمراہ ہو رہے ہیں۔ غرض برائے نام اجازت لے کر اس کے رفع و دفع کے درپے ہوئے۔ کو تو ال کو حکم دیا گیا کہ اس کو گرفتار کر کے حاضر کرے لیکن وہ اپنے دونوں بیٹوں فیضی اور ابو الفضل سمیت ردپوش ہو گیا اس لیے اس کی مسجد کا منبر توڑ ڈالا گیا۔ شیخ سلیم چشتی ان دونوں جاہد عظمت کے اوج پر تھا ان سے التماس کر کے شفاعت چاہی انہوں نے اپنے کسی خلیفہ کے ہاتھ کچھ خرچ اور پیغام بھیجا کہ تمہارے لیے چیت ہو جانا ہی مناسب ہے گجرات چلے جاؤ۔ اس نے ناامید ہو کر مرزا عزیز کو کہہ کر سے تو سہل کیا۔ اس نے اکبر کے پاس جا کر مبارک کی ملائی اور درویشی کی تعریف کی اور اس کے دونوں لڑکوں کی فضیلت کا بھی اظہار کیا اور کہا کہ مبارک ایک متوکل آدمی ہے اسے حضور کی طرف سے کوئی زمین انعام میں نہیں ملی ایسے فقیر کی ایذا رسانی سے کیا فائدہ؟ غرض مخلصی ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مبارک کا سخت خفتہ بیدار ہوا اور پہلے فیضی اور پھر ابو الفضل کی دربار تک رسائی ہو گئی۔ اب تینوں باپ بیٹوں کی یہ حالت تھی کہ شب دروز علماء سے انتقام لینے کے لیے دانت پیس رہے تھے۔ اور ایسے منصوبے سوچتے رہتے تھے کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور کو نینچا دکھائیں۔ ان ایام میں

مبارک کی بھی دربار میں آمدورفت شروع ہو گئی۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے مبارک سے کہا کہ جہاں علماء باہم مختلف الحیال ہوں وہاں کون سا مسلک اختیار کرنا چاہیے؟ اس ناہکار کو شرانگیزی کا سنہری موقعہ ہاتھ آ گیا۔ کہنے لگا کہ بادشاہ عادل خود مجتہد ہیں اختلافی مسائل میں حضور جو مصلحت و وقت دیکھیں حکم فرمائیں حضور کو ان ملاؤں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اکبر نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر ان ملاؤں سے مجھے کلی نجات دلا دو۔ مبارک یہ پٹی پڑھا کر واپس آیا اور جھٹ ایک مسودہ تیار کر کے اکبر کے پاس بھیج دیا۔ اس محضر میں لکھ تھا کہ عادل بادشاہ مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے اور وہ اس بات کا مجاز ہوتا ہے کہ کسی محقق فی مسئلہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دے دے۔ معاملات شرعی میں اسے ہر طرح کا تصرف حاصل ہے اور کسی کو اس کی رائے سے اختلاف و انکار کی مجال نہیں کیونکہ امام عادل مذہبی معاملات کو مجتہدین سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس جو شخص اس کی رائے سے اختلاف کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں عذاب و عقاب کا سزاوار ہے۔ امام عادل اپنی طرف سے کوئی ایسا حکم بھی نافذ کر سکتا ہے جو نصوص اور احکام قطعی الثبوت کے خلاف ہو بجز طیکہ اس کی نظر میں اس کے اندر خلق کی رفاہیت ہو۔ اور ایسے اجتہادی احکام میں ہر شخص پر امام عادل کا اتباع واجب ہے۔ اور اس امام عادل سے مراد اکبر کی ذات تھی۔ علماء کو اس محضر پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ اسلام اور علماء اسلام کے حق میں اس فتنہ کو بھی وہی حیثیت تھی جس میں علماء ماموں عباسی کے عہد میں جتلا ہو گئے تھے۔ اکبری محضر پر مخدوم الملک شیخ عبدالنبی صدر الصدور، قاضی القضاة قاضی جمال الدین ملتانی، صدر جہاں شیخ مبارک ناگوری اور غازی خاں بدخشی کی مہریں اور دستخط ثبت کرائے گئے۔ ان میں سے بعض نے تو طیب خاطر سے اور بعض نے طوعاً و کرہاً دستخط کئے تھے لیکن وہ علمائے راجن جن کے دین کی راہ میں قدم ہمت استوار تھے انہوں نے اس کی تصدیق کرنے سے انکار کیا اور انکار کے صلہ میں اپنے تئیں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی عقوبتیں سہنے کے لیے پیش کر دیا۔

مجتہد اعظم تھر تھر کانپنے لگا

لیکن اس ستم ظریفی کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ ایک جاہل مطلق جو لکھنے پڑھنے سے بالکل بے بہرہ ہے۔ مجتہد اعظم بن بیٹھے اور اسے نصوص اور قطعی الثبوت احکام میں ترمیم و تنسیخ کا حوصلہ ہو۔ بعض لوگوں میں علمی کم مائیگی کے باوجود خطا کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ لیکن اکبر اس قوت و استعداد کا مالک نہ تھا۔ چنانچہ بدیونی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اکبر نے سنا کہ حضرت ختمی مآب ﷺ

اور خلفائے راشدین جمعہ کا خطبہ کو دیا کرتے تھے اور ذوی القریٰ مثلاً امیر تیمور صاحب قرآن اور مرزا الغ بیگ وغیرہم خود خطبہ دیا کرتے تھے۔ اپنی خطا کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لیے غرہ جمادی الاول 987ھ کو جمعہ کے دن جامع مسجد جو قصر شاہی کے پاس تھی منبر پر جا چڑھا اور خطبہ دینا

چاہا لیکن مشکل ایک دو لفظ منہ سے نکالے تھے کہ زبان بند ہو گئی اور بدن پر ریشہ طاری ہو گیا۔ آخر سخت تشویش و اضطراب کے عالم میں تھر تھر کانپتے ہوئے فیضی کے یہ دو شعر دوسروں کی مدد سے پڑھ کر منبر سے اتر آیا۔ اور حافظ محمد امین خطیب کو امامت کا حکم دے دیا۔ وہ بیعت یہ ہیں۔

خداوندے کہ مارا خسروے داد
دل دانا و بازوئے قوی داد
بعدل و داد مارا رہمنوں کرد
بجز عدل از خیال ماہروں کرد
بود و صفش ز حد فہم برتر
تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

مبارک کا تیار کردہ محضر اسلامی احکام کے سراسر منافی تھا۔ اس لیے علمائے دربار کا فرض تھا کہ وہ عواقب نتائج سے خالی الذہن ہو کر اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتے۔ جان چلی جاتی مگر اس محضر کو مسترد کرتے لیکن انہوں نے اکبر کے دباؤ میں آکر دستخط کر دیئے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودی۔ اس محضر کی رو سے نہ صرف حاطین شریعت عضو معطل بن کر رہ گئے بلکہ سرے سے شریعت مطہرہ ہی بالائے طاق رکھ دی گئی۔ کیونکہ احکام شرع کی جگہ اکبر کا حکم نافذ ہو گیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو مبارک اور اس کے بیٹوں کو اپنے حریف علماء کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔ اس دن سے ابو الفضل اور فیضی دربار کے سیاہ و سپید کے مالک ہو گئے۔ علماء کی مسند عزت الٹ گئی۔ اور مبارک کے گھر میں خوشی کے شادیاں منپنے لگے۔

اسلام سے علانیہ بغاوت

اکبر نے یہ فتویٰ حاصل کر کے نہایت بے باکی کے ساتھ اپنے گمراہ مصاحبوں کی مدد سے احکام الہی میں قطع و برید شروع کر دی۔ اور انسانی عقل نارسا کو وحی الہی پر ترجیح دی گئی۔ اسلام پر تعریض کرتے ہوئے دین حق کو تقلیدی مذہب سے تعبیر کرنے لگے۔ اور یہ کہنا شروع کیا کہ اہل علم اور اصحاب بصیرت تمام ادیان میں موجود ہیں اور ارباب ریاضت و کشف و کرامات دنیا کے ہر گوشہ میں پیدا ہوتے ہیں اور حق و صدق ہر جگہ دائر و سائر ہے۔ پس اسے ایک ہی دین و ملت میں جسے ظاہر ہوئے ابھی ہزار سال کا زمانہ بھی نہیں گذرا کیوں محدود رکھا جائے؟ ایک کے اثبات اور دوسروں کی نفی سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ مگر ان نادانوں نے اتنا نہ سمجھا کہ حق و صدق تمام مذاہب میں موجود ہے تو اختلاف کی صورت میں کسی نہ کسی مسلک کو غلط قرار دینا ناگزیر ہو گا مثلاً اہل اسلام مانتے ہیں کہ دنیا کا موجودہ نظام ایک نہ ایک دن تباہ ہو جائے گا۔ اور لوگوں کو عالم آخرت میں ان کے

عملوں کی جزا ملے گی۔ ہنود کا خیال ہے کہ اعمال کی جزا دنیا ہی میں بصورتِ تنازع ملتی رہتی ہے اور ملتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مختلف عقیدوں میں سے ایک نہ ایک ضرور غلط ہے۔ ایسی حالت میں یہ کتنا صحیح نہ ہو گا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اسی طرح یہ خیال بھی لغو ہے کہ اسلام اس وقت سے عرصہ وجود میں آیا جبکہ سید العرب و انجم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مبعوث ہو کر اس عالم ظلمانی کو منور فرمایا کیونکہ اسلام اس وقت سے چلا آتا ہے جبکہ حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کا منصب عطا فرمایا گیا تھا۔ مگر ابی کی طرف ایک اور قدم یہ تھا کہ اکبر کے دل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے سوء ظن پیدا کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس فساد و عقیدہ کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص ملا یزدی جسے ملا یزدی کہا کرتے تھے خراسان کی طرف سے آکر حضرات صحابہ کے حق میں بہت کچھ دریدہ دہنی کرنے لگا۔ اور کمال ڈھٹائی سے بہت سے نارو باتیں ان نفوس قدسیہ کی طرف منسوب کیں۔ یہ اتہامات سن کر بادشاہ صحابہ کرام کی طرف سے بد عقیدہ ہو گیا۔ یزدی نے چاہا کہ بادشاہ کو رافضی بنالے لیکن جب ابو الفضل اور حکیم ابو الفتح اور ہر برہ کو معلوم ہوا تو وہ آدھمکے اور بادشاہ سے کہنے لگے جہاں پتاہ! آپ سنی شیعہ کے قصوں میں نہ پڑیے سرے سے نبوت وحی معجزہ و کرامت وغیرہ ہی بے جیاد اور ملاؤں کے ڈھکوسلے ہیں۔ یہ سن کر جاہل بادشاہ کو خود مذہب کی طرف سے شک پڑ گیا۔ ابو الفضل نے بادشاہ سے کہا کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ سب تقلیدی اور غیر معقول چیزیں ہیں دین کا مدار تو نقل کے جائے عقل پر ہونا چاہیے۔ لیکن ایسے عقل فروشوں کو معلوم نہیں کہ اگر انبیاء کی تعلیمات سے دست بردار ہو جائیں تو خسران اثر دی سے قطع نظر خود دنیا میں بھی انسان بہائم و حوش سے زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

عقل انسانی کی یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی صحیح معیار ہی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ انسان جس جماعت اور جس قسم کی صحبت میں نشوونما پاتا ہے اسی کے قالب میں اس کے قوائے عقلیہ ڈھل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں نقلی اور تقلیدی ہیں چنانچہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ ابو الفضل اور دوسرے اشیاء نے اکبر کو احمق بنا کر جو مضحکہ عقلی مذہب بہ نام دین الہی بنایا تھا اور جس کی بنا محض چند طہرانہ خیالات اور عقلی ڈھکوسلوں پر رکھی تھی وہ اکبر کی آنکھیں بند ہوتے ہی کس طرح قصر گمنامی میں مستور ہو گیا؟

رٹڈیوں کی کثرت

اکبر شاہ نے اپنے جلوس کے اٹھائیسویں سال اعلان کیا کہ بعثت پیغمبر ﷺ کو ہزار سال کا زمانہ جو دین محمدی کی مدت بقا تھی گذر چکا اس لیے (معاذ اللہ) اسلام کے احکام و ارکان باطل ہو گئے و لہذا کی جگہ اکبری دربار کے ضوابط و قواعد نافذ ہوتے ہیں۔ ہجرت کے ہزارویں سال جو سکے

تیار ہوئے حکم دیا کہ ان پر ہزار سال کی تاریخ ثبت کریں۔ رعایا کے لیے اکبر بادشاہ کو سجدہ کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ مے خواری جائز ہو گئی لیکن اس جواز کی یہ شرط قرار دی گئی کہ مستی مفرط نہ ہو اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص شراب نوشی میں حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگا اسے سزا دی جائے گی۔ اعتدال کی رعایت ملحوظ رکھنے کے لیے شراب فروشی کی سرکاری دکان کھولی گئی۔ اور آب حرام کا برکاری نرخ مقرر ہو گیا۔ بائیں ہمہ بڑے بڑے فتنے اور فساد رونما ہوتے رہتے تھے۔ دین اکبری میں زنا بالکل جائز فعل تھا اور اس دور حکومت کی ایک بڑی برکت یہ تھی کہ ہزاروں لاکھوں عورتوں نے عفت و حیا کی چادر اتار کر فاسقانہ زندگی اختیار کر لی۔ چنانچہ لیلائے اکبر کے قیس جناب محمد حسین آزاد صاحب بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ ”بازاروں کے برآمدوں میں رنڈیاں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے۔ خصوصاً دار الخلافہ میں۔“ (درباری اکبری ص 76) فتح پور میں خلیفہ المسلمین نہیں رہتا تھا اس لیے دار الخلافہ سے آزاد صاحب کی مراد دار الحکومت سمجھنی چاہیے۔ آسمان کے ستاروں کے ساتھ تشبیہ دینے سے آزاد صاحب کی غرض ایک تو اظہار کثرت تھی۔ دوسرے شاید یہ بھی مقصد ہو اکبری دور کی رنڈیاں کوئی تھرڈ کلاس عورتیں نہیں تھیں بلکہ یہ عشوہ فروش جھلملاتے تاروں کی طرح منور و درخشاں تھیں پورے کہ جس طرح ستارے آسمان کی زیبائش کا باعث ہیں اسی طرح یہ رنڈیاں اکبری دور حکومت کی زینت و آرائش تھیں۔ میرے خیال میں یہ لکھتے وقت آزاد صاحب کے منہ سے محبت و شینگی کی رال ٹپک پڑی ہوگی اور دل سے آرزوئے دید کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں گے۔ کاش حسرت نصیب آزاد صاحب اپنی تاریخ ولادت سے تین صدیاں پیشتر عالم شہود میں آجاتے تاکہ انہیں اکبری عہد حکومت کے اس خوان یغما سے سعادت اندوز حلات ہونے کا موقع مل سکتا۔ الغرض شہر فتح پور سے باہر ایک بازار تعمیر کر کے اس میں رنڈیاں بٹھائی گئیں۔ اور اس چکلہ کا نام ”شیطان پورہ“ رکھا گیا۔ اس اہتمام کے لیے ایک داروغہ متعین کیا گیا تاکہ جو کوئی ان سے صحبت کرے یا ان میں سے کسی کو اپنے مکان پر لے جائے اہانامہ درج کر دائے۔ اگر کوئی اچھوتی اور نارسیدہ رنڈی چکلے میں داخل ہوتی تھی اور اس کا خواستگار مقربان بارگاہ میں سے کوئی رئیس ہوتا تھا تو اس کے لیے داروغہ کو براہ راست بادشاہ سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ داڑھی منڈانا بھی شریعت اکبری کا ایک موکد حکم تھا۔ ریش تراشی کی تمسخر انگیز دلیل یہ پیش کی گئی کہ داڑھی خصلیوں کی رطوبت جذب کر لیتی ہے۔ اور اس طرح قوت مردانگی کمزور ہو جاتی ہے۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ابتداء ملازمت میں حکیم ابو الفتح نے میری داڑھی مقدار معمودہ سے چھوٹی دیکھی تو میر ابو الغیث غاری کی موجودگی میں مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارے لیے داڑھی کا کم کرانا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ میں نے کہا کہ حجام نے غلطی سے زیادہ کاٹ دی ہے۔ کہنے لگا۔ اچھا آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیونکہ نہایت نازبیا حرکت ہے اور چہرہ بد نما ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود اس

نامح نے اکبری احکام کے ماتحت داڑھی بالکل صفا چٹ کرادی۔
دین اکبری میں خنزیر کی طرف دیکھنا عبادت تھا

دین اکبری میں کتا اور خنزیر دونوں جانور حلال و طیب تھے۔ یہ جانور حرم سلطانی میں شاہی محل کے نیچے بندھے رہتے۔ ہر صبح ان کی طرف دیکھنا عبادت تھا۔ واقعی یہ لوگ اسی قابل تھے کہ علی الصباح ان کی پہلی نظر کتے اور خنزیر پر پڑتی۔ ہنود نے اکبر بادشاہ کو یقین دلایا تھا کہ خنزیر بھی ایک لواحد ہے اور وہ ان دس مظاہر میں سے ایک ہے جن میں (معاذ اللہ) ذات باری نے حلول کیا ہے۔ بعض امراء کا یہ معمول تھا کہ اپنے کتوں کو دستر خوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ درست ہے۔ رع کند ہم جنس باہم جنس پر داڑ۔ اور محل و خرد کے بعض دشمن بڑے فخر و مباہات سے کتے کی زبان اپنے منہ میں لے کر چوستے تھے مگر یہ کوئی نئی بات نہ تھی کتے کتوں کا منہ چاٹنا ہی کرتے ہیں۔

غسل جنات کی فریضت بھی ازادی گئی۔ اس پر دلیل یہ پیش کی گئی کہ انسان کا خلاصہ نطفہ منی ہے جو نیکوں اور پاکوں کا تخم آفرینش ہے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ پیشاب اور پاخانہ سے تو غسل واجب نہ ہو اور منی جیسی لطیف شے کے اخراج سے غسل ضروری ہو جائے۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ پہلے غسل کریں اس کے بعد جماعت میں مشغول ہوں۔ اس کے متعلق معلوم ہو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو حدث سے پاک ہونا۔ دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کی نجاست سے پاکیزگی حاصل کرنا..... تیسرے بدن پر جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے طہارت حاصل کرنا۔ جیسے موئے زیر ناف، یا ناخن یا میل کچیل۔ شریعت اسلام نے طہارت کبریٰ یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنات کے لیے اس بنا پر مقرر کیا کہ جنات قلیل الوقوع اور کثیر التکوث ہے تاکہ نفس کو ایسی ناپاکی میں مبتلا ہونے کے بعد ایک عمل شاق یعنی غسل سے تنبیہ ہو جائے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر یعنی پیشاب پاخانہ کے لیے مقرر فرمایا کیونکہ وہ کثیر الوقوع اور اس میں نفس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جاتی ہے جن لوگوں کے دلوں میں انوار ملکیت کا ظہور ہو چکا ہو وہ ناپاکی اور طہارت کی روح کو خوب متمیز کر سکتے ہیں۔ ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے سے نفرت ہوتی ہے۔ اور اس حالت سے جس کو طہارت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سرور اور انشراح صدر محسوس ہونے لگتی ہے۔ جماعت کے بعد غسل ایک ایسا عمل ہے جس پر ملل ساہلہ یسود نصاریٰ، مجوس وغیرہ بھی ہمیشہ سے عمل پیرا چلی آئی ہیں۔ 65 - پیشاب اور پاخانہ کا تعلق سارے جسم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مختص المقام فضلات ہیں اس لیے ان سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہی دو نجس مقامات کو دھویا ناپاکی سمجھا گیا۔ مگر جماعت کا تعلق تمام جسم سے ہے اس لیے حکیم بیک کی حکمت نوازی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کے بعد تمام جسم کو دھویا جائے۔ عضو متاسل

جو ایک نجس مقام میں داخل ہو کر کثافت آلود ہو جاتا ہے۔ بظاہر اسی کا دھولینا کافی تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ فعل جماع میں تمام اعضاء اور کے شریک ہو کر متاثر ہوتے ہیں۔ غسل ضروری قرار دیا گیا۔ اکبری شرع میں خنزیر اور شیر کا گوشت کھانا مباح تھا۔ لباحث و علت یہ قرار دی گئی کہ ان کے کھانے سے انسان میں شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ شجاعت و مسالت میں خنزیر خور قومیں دوسروں سے فائق نہیں ہیں۔ دنیا میں چین کے اندر خنزیر سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے لیکن ان کا شمار دنیا کی پست و کم ہمت اقوام میں ہے۔ لحم خنزیر فساد عقل کا مورث ہے۔ اور اس کا کھانے والا دیوث و بے غیرت ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اور بہت سی دوسری مضر تہیں جو کتب طب میں مذکور ہیں اس میں موجود نہ ہوتیں تو بھی اس کا کھانا کسی طرح روانہ تھا کیونکہ سور نہایت کثیف جانور ہے۔ اس کو نجاست خوری میں جو شغف و اسہاک ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خون کا ہر قطرہ اور جسم کا ہر عضو نجاست ہی سے نشوونما پاتا ہے اور شیر کا گوشت کھانے والا اس حد تک درشت خو، سنگ دل اور قسی القلب ہو جاتا ہے کہ انجام کار اس میں لور خو، خونہ بھیڑیے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

اسلامی عبادات کا تمسخر

اکبر کے شریعت گردوں نے چچا پھو پھی ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا ممنوع قرار دیا تھا کیونکہ اس سے ان کے زعم میں میلان کم ہوتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ مجبوس کے بعض فرقوں میں ماں بہن خالہ پھو پھی جیسی محرمات سے بھی شادی جائز ہے۔ اس کے برعکس ہنود میں دور کے رشتہ داروں سے بھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں کئے جاتے لیکن یہ دونوں قومیں افراط و تفریط سے ہمکنار ہیں۔ صحیح اور معتدل طریقہ وہی ہے جس کی طرف اسلام نے رہنمائی فرمائی ہے۔ چچا پھو پھی وغیرہ کی بیٹیوں کی طرف یقیناً میلان ہوتا ہے اور جن عورتوں کی طرف میلان نہیں ہوتا ان سے شادی کرنے کی خود شریعت حقہ نے ممانعت فرمادی ہے۔ آئین اکبری میں مستطیع مردوں کے لیے سونے چاندی کا زیور اور ریشم لباس ضروری قرار دیا تھا حالانکہ یہ زنانہ زینت کی چیزیں ہیں۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ میں نے محروسہ کے اکبری مفتی کو دیکھا کہ اس نے خالص ریشم لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے کہا شاید آپ کو اس کے جواز کی کوئی سند مل گئی ہوگی؟ کہنے لگا۔ ”ہاں جس شہر میں ریشم لباس رائج ہو جائے وہاں اس کا پہننا مباح ہے۔“ لیکن یاد رہے کہ یہ مسئلہ خود اس کا اپنا دماغی اختراع تھا۔ شریعت محمدی نے مرد کے لیے ریشم لباس کسی حالت میں جائز نہیں رکھا۔ نماز، روزہ کو پہلے ہی ساقط کیا جا چکا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ملا مبارک نام ایک ولد الزنا نے جو ابو الفضل کا شاگرد درشید تھا ایک رسالہ لکھ کر تمام ذخیرہ اسلامی عبادات کا تمسخر اڑایا۔

اہل اہل تہذیب میں یہ رسالہ بہت مقبول ہوا۔ اور مؤلف پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے گئے۔ ہجری ہر پنج طرف کر دی گئی اور طوک عجم کی طرح اکبر کی امداء جلوس یعنی 963ھ سے تاریخ شروع کی گئی۔ زرتشیوں (پارسیوں) کی طرح عیدیں سال میں چودہ مقرر کی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی۔ البتہ جمعہ کا دن حال رہنے دیا گیا تاکہ ضعیف العمر لوگ جا کر اکبر شاہی خطبہ سن لیا کریں اور زمینہ کا نام سال الہی ماہ الہی رکھا گیا۔ مردوں پر اس غرض سے ہزل کی ہر پنج شب کی گئی کہ وہ (معاذ اللہ) انقراض دین تین محمدی ﷺ پر دلالت کرے۔ عربی زبان فقہ، تفسیر، حدیث کا پڑھنا پڑھانا اور جاننا عیب میں داخل ہو گیا اور علوم نجوم طب ریاضی شعر گوئی، ہر پنج و افسانہ کی ترویج ہوئی۔ عربی زبان کے خاص حروف مثلاً ط، ظ، عین صاد و صناد و طا قاف تلفظ سے ہر طرف کر دیئے گئے۔ عبد اللہ کو بد اللہ اور قوم کا کوم تلفظ کیا گیا۔

اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، رویت، تکلیف ذکر و عبادت کا استہزا کیا جاتا اور اگر کوئی مسلمان منوانا چاہتا تو اکبری ملاعنہ اسے شکنجہ عذاب میں کس دیتے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ کی شان پاک میں دریدہ دہنی کی جاتی تھی۔ ارباب تصنیف خطبہ کتاب میں حمد الہی کے بعد بادشاہ کے لمبے چوڑے القاب لکھتے تھے اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کا اسم گرامی لکھ سکے۔ گو مذہب کا مذاق اڑایا جاتا تھا تاہم اہلسنت و جماعت کے مقابلہ میں رخص کی تائید کی جاتی تھی۔ اس بنا پر شیعہ غالب اور اہل سنت مغلوب تھے۔ اور عام حالت یہ تھی کہ اخیراً خانف، اشرا راہین مقبول مردود، مردود مقبول، نزدیک دور اور دور نزدیک ہو گئے تھے۔ عامتہ الناس بات بات میں اللہ اکبر کے نعرے لگاتے تھے اور یہ تکبیر خالق کردگار کی تکبیر نہیں تھی بلکہ اکبر اکفر کے نام کی تکبیر بلند کی جاتی تھی۔

اہل علم و فضل کا میٹھواری پر مجبور کیا جانا

مجالس نوروزی میں اکثر علماء و صلحا قاضیوں اور مفتیوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے اور قدح نوشی پر مجبور کرتے تھے۔ رندوں کی بزم میں سے خوار شراب نوشی کے وقت کہتے تھے کہ میں اس پیالہ کو کوری فقہا کے ساتھ پیتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبری دور الحاد میں لوگوں کا ایمان بھی بہت کچھ کمزور ہو گیا تھا۔ گو سرکاری علماء اوائل میں جام بادہ کو حالت مجبوری اور سخت نفرت و استکراہ کے ساتھ منہ سے لگاتے تھے لیکن آہستہ آہستہ یہ حالت جاتی رہی۔ چنانچہ ابو الفضل اکبر نامہ میں پینتیسویں جلوس کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ اس مہینہ کے جشن میں شراب کا دور چل رہا تھا۔ میر صدر جہاں مفتی میر عبدالحی اور میر عدل نے بھی ایک ایک ساغر اڑایا۔ یہ دیکھ کر گیتی خدیو (اکبر) نے یہ شعر پڑھا۔

درد و رپادشاہ خطا پیش و جرم پوش قاضی قزلباش کش شد و مفتی بیالہ نوش 66۔
غرض یہ بھی تاثیر زمانہ کا ایک شعبہ تھا کہ مولوی کہلانے والے لوگ بھی علیٰ رؤس
الاشہاد منہیات و محرمات کے مرتکب ہوتے تھے لیکن وہ علماء جن کے قدم ہمت دین کی راہ میں
استوار تھے وہ اب بھی پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھے۔

ہو الفضل کی طرح اس کا باپ مبارک بھی بڑا لحد و بے دین تھا۔ ایک مرتبہ وہ بادشاہ کے
سامنے بیر بر سے کہنے لگا کہ جس طرح تمہاری کتابوں میں تحریفات ہیں اسی طرح دین اسلام میں بھی
بہت تحریفات ہو چکی ہیں اس لیے اسلام شایان اعتماد نہیں رہا۔ لیکن یہ ناہنجار اتنا سمجھ سکا کہ اگر دین
اسلام بھی تحریفات سے ہمکنار ہے تو پھر دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں رہ جاتا جو بے داغ اور
قابل اتباع ہو۔ اکبری ملاحظہ نے اکبر شاہی دین اختراع کیا تھا۔ لیکن ہر ذی ہوش اس حقیقت کو تسلیم
کرے گا کہ وہ محض فواحشات کا مجموعہ اور بد معاشیوں کا مصدر و معدن تھا۔ اس سال قاضی جلال
الدین ملتانی کو فتح اللہ خاں بد خشی کے ساتھ جو نہایت متعصب اور بد مذہب رافضی تھا بدیں خیال
دکن بھیج دیا گیا کہ وہاں کے حکام کو رافضی میں بڑا تعصب و غلو ہے۔ وہ لوگ قاضی جلال الدین کو
انواع عقوت و رسوائی کے ساتھ قہر ہلاکت میں ڈال دیں گے لیکن جب انہی روافضی نے دیکھا کہ
قاضی جلال الدین اسلام میں راسخ قدم اور کذبوں کے خلاف کلمہ حق کے اظہار میں سیف قاطع
ہیں تو رافضی کو چھوڑ کر ان کے معتقد ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہیں مدد معاش کے لیے متعدد گاؤں
دیئے اور ان کی خدمت گزاروں کو سعادت اور ان کی خاک پا کر سوسہ چشم یقین کرنے لگے۔ اکبری
دین میں دوسرے فواحش کی طرح جو ابھی حلال تھا۔ دربار میں ایک قمار خانہ قائم کیا گیا اور
قمار بازوں کو خزانہ عامرہ سے سوڈ پر روپیہ قرض دیا جاتا تھا۔ شیخ تاج الدین نام ایک مبتدع کو اہل
تصوف کے شطیحات پر بڑا عبور تھا۔ بادشاہ کو اس کا حال معلوم ہوا۔ اس کو بلا بھیجرات کو اس سے
شطیحات سنا کر تا۔ اسی طرح مسئلہ وحدت وجود جو عوام الناس کو باہت و الحاد کی طرف لے جاتا ہے اور
درمیان میں لایا گیا اور اس پر لحد اندھ لال کئے جانے لگے۔ اور لطف یہ کہ گم کردگان راہ ان
خرافات و کفریات کو دین الہی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

لاہور میں خنزیریوں کی لڑائی

اکبر نے منادی کرادی تھی کہ کوئی مسلمان پندرہ سال کی عمر سے پہلے اپنے بچے کا ختنہ نہ
کرے۔ تاکہ اس عمر پر پہنچ کر وہ اپنے لیے جس دین کو چاہے پسند کر لے۔ پادری پنہیرے کا بیان ہے
کہ اکبر بادشاہ نے 3 ستمبر 1595ء کو پادری پنہیر و کے نام ایک خط لاہور سے بھیجا جس میں لکھا کہ
میں نے اس ملک میں اسلام کا نام و نشان نہیں چھوڑا یہاں تک کہ لاہور میں ایک بھی ایسی مسجد نہیں

رہی جسے مسلمان استعمال کر سکیں تمام مسجدیں میرے حکم سے اصطبل اور گودام بنادی گئی ہیں۔ اکبر بادشاہ فتح کشمیر کے بعد لاہور چلا آیا تھا اور سالہا سال یہیں رہ کر فنہ انگیزی میں مصروف رہا۔ پادری خنزیرے لکھتا ہے کہ لاہور میں جمعہ کے دن جو مسلمانوں کا متبرک دن ہے اکبر کے سامنے چالیس پچاس خنزیر لاکر باہم لٹائے جاتے تھے۔ اس نے ان کے اگلے دانتوں پر سونے کے پترے چڑھا رکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سوروس کی لڑائی کا مقصد محض اسلام کی تحقیر تھی کیونکہ مسلمان خنزیر کو نہایت ناپاک سمجھتے ہیں۔ 67۔ یہ بد نصیب جس قعر ہلاک میں خود پڑا تھا دوسروں کو بھی اسی درط میں ڈالتا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اکبر اور اس کے ندیم قطب الدین خاں اور شہباز خاں سے جو اعلیٰ عمدہ دار تھے کہنے لگے کہ دین اسلام کی تقلید چھوڑ دو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ قطب الدین خاں اکبر سے کہنے لگا کہ دوسرے ملکوں کے بادشاہ مثلاً سلطان روم وغیرہ جو دین اسلام کے عاشق زار ہیں۔ یہ باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ اکبر کہنے لگا کہ تو سلطان روم کا نمائندہ بن کر اس کی طرف سے ہمیں دھمکی دیتا ہے؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے جا کر سلطان کے پاس کوئی عمدہ حاصل کرو گے۔ اگر یہی خیال ہے تو اچھا ہیں چلے جاؤ۔ جب شہباز خاں کو دین اسلام سے دستبردار ہونے کی ترغیب دی گئی تو وہ بڑا اجڑا۔ وہ لعین دین حنیف کے خلاف زبان طعن دراز کرنے اور علانیہ گالیاں دینے لگا۔ شہباز خاں کی رگ غیرت جوش میں آگئی اور ڈانٹ کر کہا اے کافر ملعون! تو بھی اسلام کو ملعون کرنے کا منہ رکھتا ہے؟ اچھا ہم تجھے سمجھ لیں گے۔ غرض دربار میں بہت ہلچل مچی۔ اور تو تو میں میں ہوئی۔ اکبر شہباز خاں سے بالخصوص اور دوسروں سے بطریق اجمال کہنے لگا کہ میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ نجاست بھری جوتی لاکر تمہارے منہ پہ ماریں۔ یہ سن کر قطب الدین خاں اور شہباز خاں دربار سے چلے آئے۔ ایک مرتبہ اعظم خاں جو خان اعظم کے لقب سے مشہور تھا۔ گجرات سے فتح پور آیا اور یہ دیکھ کر کہ دربار اکبری کا مذہبی زمین و آسمان ہی کچھ سے کچھ ہو گیا ہے اسے سخت حیرت ہوئی آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اہل دربار کے دردغانہ اقوال و افعال پر بے تماشہ اعتراض کر کے صدق گوئی اور نہی منکر کا حق ادا کیا۔ اکبر کو یہ ”مداخلت“ سخت ناگوار ہوئی۔ حکم دیا کہ خان اعظم اتنے دن تک کورنش کے لیے نہ آئے اور اس پر اس غرض سے چوکیدار مقرر کر دیئے کہ عمائد سلطنت میں سے کوئی اس شخص سے ملاقات نہ کرے۔ اس کے بعد محض اس ”جرم“ میں کہ کلمہ حق زبان پر لایا۔ معزول کر کے اسے اگر بھینچ دیا۔ وہ بے چارہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے باغ کے ایک زاویہ تنہائی میں جا بیٹھا۔ غرض اس سیل الحاد میں کشتی شکرستان اسلام کا جلا دامی جز ذات رب العالمین کے اور کوئی نہ تھا۔

اکبر کے مرید

اکبر نے مشائخ طریقت کے نام فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص کسی سے بیعت نہ لے۔ اور اگر کسی کی نسبت معلوم ہو تاکہ وہ پیری مریدی کرتا ہے یا اس کے ہاں مجلس سماع قائم ہوتی ہے تو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا یا بنگالہ کی طرف جو اس زمانہ میں کالے پانی کا حکم رکھتا تھا جلا وطن کر دیا جاتا۔ مشائخ کی جگہ بادشاہ لوگوں سے خود بیعت لینے لگا۔ اکبر کے مرید جو چیلے کہلاتے تھے ترک چہارگانہ کا اقرار کرتے تھے۔ ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین جو شخص صفات چہارگانہ سے متصف ہوتا تھا وہ اعلیٰ درجہ کا کھل مرید خیال کیا جاتا تھا اور جس میں ایک یا دو یا تین صفات ہوتے تھے وہ چوتھائی آدھا یا پون مرید ہوتا تھا۔ ہر برکاد عموماً تھا کہ صفات چہارگانہ کا حامل اور پورا مرید ہوں۔ لیکن اس کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ بہن 60۔ بیٹھی تک سے بھی درگزر نہیں کرتا تھا۔ بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی آکر اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھی۔ بعض مشائخ طریقت میں شجرہ کا رواج ہے۔ اکبر شجرہ کی جگہ مریدوں کو اپنی تصویر دیتا تھا اس تصویر کا پاس لور زیر زیارت رکھنا بہت کچھ رشد و سعادت اور ترقی اقبال کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ مرید اس تصویر کو ایک غلاف میں لپیٹ کر جو جواہر سے مرصع ہوتا تھا عمامہ کے لوپر ڈالے رہتے تھے۔ اکبر نے اسلامی سلام کو بھی مد طرف کر دیا تھا۔ سلام کی جگہ معمول تھا کہ جب اکبری مرید آپس میں ملاقات کرتے تو ان میں سے ایک اللہ اکبر کہتا دوسرا اس کے بواب میں جل جلالہ پکارتا۔ یہ لوگ جس وقت لور جمع کیں اکبر کو دیکھتے سر بسجود ہو جاتے اور صرف انہی ارادت مندوں پر موقوف نہیں۔ رعایا میں سے ہر شخص سجدہ کا ماسور تھا۔ سجدہ کو یہ لوگ زمین بوس کہتے تھے۔ رعایا کو سجدہ پر سخت مجبور کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ دنیا کے خالق و رازق اور احکم الحاکمین کا اصل حق ہے۔ اسلام نے مساوات کا جو اصول قائم کیا ہے اس کے رو سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ سب کا ایک درجہ ہے لیکن اکبر کے دربار میں بجز طریقہ عبودیت کے کوئی شخص کچھ عرض معروض نہیں کر سکتا تھا۔ شعراء اکبر کی مدح و توصیف لکھ کر لاتے تھے اور اسے خدائے واحد کا ہمسربانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جاتا تھا۔ اکبر ان لوگوں کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتا تھا جو اسے خدائے برتر کا منظر بتاتے یا دین حنیف سے اظہار براہ کرتے تھے۔ انجام کار امداد و بے دینی نے یہاں تک خوفناک صورت حال اختیار کر لی کہ بہت سے اہل اترداد جیسے میرزا جانی حاکم ٹھٹھہ اور دوسرے اعداء اللہ نے اس مضمون کے خطوط لکھ کر اکبر کے پاس بھیج دیئے کہ میں جو فلاں بن فلاں بن ہوں طوع و رغبت اور شوق قلبی کے ساتھ دین اسلام سے کہ مجازی اور تقلیدی ہے اور اپنے آباء و اجداد سے حاصل کیا تھا اظہار بیزاری کرتا ہوں اور اس سے کلیتہً منقطع ہو کر دین الہی اکبر شاہی میں داخل ہوتا ہوں اور اخلاص کے چہارگانہ مراتب ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔ اس مضمون کے لعنت نامے جن لوگوں نے لکھ کر مجتہد جدید (اکبر) کو دیئے تھے وہ درباری اکبری میں بڑے معزز و محترم تھے۔

اکبر کا سب سے بڑا مرید

اکبر کا سب سے بڑا مرید جو فی الحقیقت اس کا گرو تھا ابو الفضل تھا۔ ابو الفضل کا باپ شیخ مبارک لہند اسندھ سے نقل مکانی کر کے ناگور چلا آیا تھا۔ جو اجمیر سے شمال مغرب میں واقع ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد مبارک نے دریائے جمنائے کے بائیں کنارے سے جا کر آگرہ کے بالقابل بود باش اختیار کر لی تھی۔ اس کے دونوں بیٹے فیضی اور ابو الفضل یہیں پیدا ہوئے تھے۔ مبارک مذہباً ممدوی تھا۔ یعنی سید محمد جو پوری کو ممدوی موعود مانتا تھا۔ فیضی 975ھ میں دربار اکبری میں پہنچ کر سلک امراء میں منسلک ہوا۔ اس کے سات سال بعد یعنی 982ھ میں فیضی کی سعی و سفارش سے اس کا چھوٹا بھائی ابو الفضل بھی درباریوں میں شامل ہوا۔ یہی ابو الفضل اکبر کا گروا کنندہ تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو الفضل سے راستہ میں میری ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ ادیان و دمل عالم میں سے کس دین و ملت کی طرف تمہاری طبیعت کا میلان ہے۔ کہنے لگا میری خواہش ہے کہ کچھ عرصہ وادی الجلو کی سیر و سیاحت کروں۔ میں نے کہا کہ اگر عقد مناکحت کی قید بر طرف کر دو کیا مضائقہ ہے چنانچہ کہا گیا ہے۔

برداشت نعل شرع ہتا سید ایزدی از گردن زمانہ علی ذکرہ السلام

یہ سن کر ہنس دیا اور جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ جس طرح ابو الفضل کے دل میں اہل ایمان کے خلاف غبار کدورت بھرا تھا اسی طرح ارباب ایمان کو بھی اس سے بڑی نفرت تھی۔ چنانچہ حکیم الملک ابو الفضل کو فضلہ کہا کرتا تھا۔ اکبر کو معلوم ہوا تو اس نے حکیم الملک کے لیے جلا وطن کا حکم دیا۔ بے چارے بری طرح نکالے گئے۔ گو ابو الفضل پیران مذہب کو اچھا نہیں جانتا تھا لیکن چونکہ اہل سنت و جماعت کا بغض اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اہل سنت کے مقابلہ میں ہر باطل مذہب کی تائید ضروری خیال کرتا تھا۔ ملا احمد نام ایک رافضی ابو الفضل کے متوسلین میں سے تھا جو ابو الفضل کی شہ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو علی روس الا شہاد گالیاں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اکبر لاہور آیا ہوا تھا۔ ملا احمد صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے خلاف سب و شتم کی غلاظت اچھالنے لگا۔ ایک غیور مسلمان میرزا فولاد بیگ برلاس نے اس کو کسی بہانہ سے بلا کر عفریت شمشیر کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کی دو تاریخیں نکالیں گئیں۔ ایک یہ تھی ”آن زہے خنجر فولاد“ دوسری یہ تھی ”خوک ستری“ بدایونی لکھتے ہیں کہ وہ کتا کئی دن تک حالت نزع میں دم توڑتا رہا۔ اس اثناء میں اس کا چہرہ مسخ ہو کر سور کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ بہت لوگوں نے اس کو اس حالت میں دیکھا۔ میں بھی گیا تو اسے خنزیر کی شکل میں پایا۔ اکبر بادشاہ نے حکم دیا کہ میرزا فولاد کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر شہر میں پھرائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور مرحوم نے جنت الفردوس کی راہ لی۔ قاتل

مقتول سے تین چار روز پہلے زیر خاک پہنچا۔ ابو الفضل نے اس کی قبر پر محافظ مقرر کر دیئے بائیں ہمہ اہل لاہور نے اس کے جسم ناپاک کو قبر سے نکال کر جلادیا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ابو الفضل نے علماء صلحا، ضعفا، بنامی و مساکین سب پر چر کے لگائے تھے۔ جس کسی کو سرکار کی طرف سے مدد معاش ملتی تھی اور وظائف مقرر تھے سب بند کرادیئے۔ اکثر یہ رہائی پڑھا کرتا تھا۔

فصل 3۔ ہندو پن کا اظہار اور مشرکانہ رسوم کی پیروی

اپنے اختراعی دین کے علاوہ اکبر بہت سی باتوں میں ہنود کا ہر رنگ دہمنوا تھا۔ ان کے

اصول و حریم اپنے مذہب میں داخل کر دیئے تھے۔ پرکھو تم نام ایک برہمن دارالسلطنت میں آیا۔ اکبر اس کو خلوت میں لے گیا۔ اور اس سے موجودات کے ہندی نام سیکھے۔ اسی طرح ایک برہمن کو جو مہابھارت کا معبر و مفسر تھا ایک چارپائی پر بٹھا کر اوپر کو اٹھوایا اور اپنی خواب گاہ کے پاس معلق رکھ کر اس سے ہندی افسانے سیکھے اور اس سے مت پرستی، آتش پرستی، آفتاب پرستی اور تعظیم کو اکبر کی تعلیم لی۔ اسی طرح ہر ہما، مہادیو، ہیشن، کشن، رام وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرنے کا طریقہ معلوم کیا۔

آفتاب کی پرستش

بیربر نے یہ بات اکبر کے ذہن نشین کی تھی کہ آفتاب مظہر تام ہے۔ غلہ، زراعت، میوہ اور گھاس وغیرہ نباتات اسی کی تاثیر سے پکتی ہیں۔ دنیا کی روشنی اور اہل علم کی زندگی اسی سے دلست ہے۔ پس آفتاب سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔ عبادت کے وقت مغرب رو ہونے کے جائے مشرق کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح آگ، پانی، پتھر، درخت اور گائے اور اس کے گود تک جملہ مظاہر کا احترام اور قشقہ اور زہار کی جلوہ گری چاہیے۔ اور بتایا کہ علماء و فضلاء کے لوشلو کے بموجب آفتاب نیر اعظم، تمام عالم کا علیہ عشق اور بادشاہوں کا مرئی ہے۔ ان باتوں کا اکبر کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس روز سے نوروز جلالی کی تعظیم ہونے لگی۔ اس دن ہر سال بڑا جشن منایا جاتا تھا۔ اکبر اور اس کے وزیر اس دن ایسا لباس پہنتے تھے جو سحیح سیارہ میں سے کسی کو کب کی طرف منسوب تھا۔ آدمی رات اور طلوع آفتاب کے وقت تسخیر آفتاب کی اس دعا کو اور دیکھا جاتا تھا جو اکبر نے بدہمنوں سے سیکھی تھی۔ علی الصباح بیداری کے بعد مشرق رو یہ کھڑکیوں میں جانتھتا تھا کہ پہلے آفتاب کے درشن ہوں۔ حکم دیا تھا کہ تعظیم آفتاب کے لیے مردوں کو قبر میں مشرق رو یہ رکھیں۔ سلطان خواجہ جو اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا اس کی قبر ایک خاص وضع پر مٹائی گئی اور لاش کو بدیں محل نیر اعظم کے مقابلہ میں رکھا گیا کہ اس کی روشنی جو گناہوں کو محو کرتی ہے۔ ہر صبح جسم پر پڑتی رہے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان خواجہ کو قبر میں لٹا چکے تو اس کے منہ پر آگ کا شعلہ بھی پھرایا گیا تھا۔ شاید

اور گھاس وغیرہ نباتات اسی کی تاثیر سے پکتی ہیں۔ دنیا کی روشنی اور اہل علم کی زندگی اسی سے دلہند ہے۔ پس آفتاب سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔ عبادت کے وقت مغرب رو ہونے کے بجائے مشرق کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح آگ، پانی، پتھر، درخت اور گائے اور اس کے گوہر تک جملہ مظاہر کا احرام اور قشقہ اور زہر کی جلوہ گری چاہیے۔ اور بتایا کہ علماء و فضلاء کے ارشاد کے بموجب آفتاب نیر اعظم، تمام عالم کا عطیہ حش اور بادشاہوں کا مرفی ہے۔ ان باتوں کا اکبر کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس روز سے نوروز جلالی کی تعظیم ہونے لگی۔ اس دن ہر سال بڑا جشن منایا جاتا تھا۔ اکبر اور اس کے وزیر اس دن ایسا لباس پہنتے تھے جو سخی سیدہ میں سے کسی کو کب کی طرف منسوب تھا۔ آدمی رات اور طلوع آفتاب کے وقت تسخیر آفتاب کی اس دعا کو یاد کیا جاتا تھا جو اکبر نے بہرہمنوں سے سیکھی تھی۔ علی الصبار حمید لوی کے بعد مشرق رویہ کھڑکیوں میں جا بیٹھتا تھا کہ پہلے آفتاب کے درشن ہوں۔ حکم دیا تھا کہ تعظیم آفتاب کے لیے مردوں کو قبر میں مشرق رویہ رکھیں۔ سلطان خواجہ جو اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا اس کی قبر ایک خاص وضع پر بنائی گئی اور لاش کو بد میں محل نیر اعظم کے مقابلہ میں رکھا گیا کہ اس کی روشنی جو گناہوں کو مٹھو کرتی ہے۔ ہر صبح جسم پر پڑتی رہے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان خواجہ کو قبر میں لٹائے تو اس کے منہ پر آگ کا شعلہ بھی پھرایا گیا تھا۔ شاید اس کا مقصد ہو گا کہ آگ ان کے گناہوں کو جھلس دے جو منہ نے کئے۔ جب اکبر کے پیروں کے سامنے آفتاب کا ذکر آتا تھا تو یہ گم کردگان راجت عظمیٰ و عز شانہ کہہ اٹھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو خالق کون و مکان یا کم از کم خالق بچوں کا مظہر گمان کرتے تھے۔ جس طرح لوگ باقاعدہ پانچ وقت خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح دین اکبری کے پیروروانہ چار مرتبہ آفتاب کی پوجا پاٹ میں مصروف رہتے تھے۔ یہ چار اوقات یہ تھے: سحر، دوپہر، شام اور نیم شب۔ آفتاب کے ایک ہزار ایک ہندی نام دوپہر کے وقت بحضور قلب پڑھے جاتے تھے۔ طریق عبادت یہ تھا کہ دونوں کانوں کو پکڑ کر تھوڑا سا اینٹھتے تھے۔ ہاگوش کو ٹھیلوں سے آہستہ آہستہ کوٹتے تھے۔ عبادت کے وقت اسی قسم کے ہنص اور تسخر انگیز حرکتیں بھی ان سے اکثر ہوتی تھیں۔ اکبر اور اس کا ہر چیلہ اوڑھی منڈاتا۔ اور قدامت پسند ہنود کی طرح پیشانی پر قشقہ لگاتا تھا۔ بھدر اکا بہت پابند تھا۔ محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ مریم سکانی بادشاہ کی والدہ مر گئیں۔ امرائے دربار وغیرہ پندرہ ہزار آدمیوں نے بادشاہ کے ساتھ بھدر اکیا۔ اناعنی خان اعظم مرزا عزیز کو کلتاش خاں کی ماں مر گئی اس کا بڑا ادب تھا اور نہایت خاطر کرتے تھے۔ خود (اکبر) اور خان اعظم نے بھدر اکیا۔ خبر پہنچی کہ لوگ بھی بھدرہ کروا رہے ہیں۔ کھلا بھجا کہ اوروں کو کیا ضرورت ہے۔ اتنی دیر میں چار سو سر اور منہ صفا چٹ ہو گئے۔ 88- کاش آزاد صاحب اس وقت فتح پور میں موجود ہوتے اور انہیں بھی اپنے محبوب حقیقی اکبر شاہ کے ساتھ بھدرہ کرانے کا شرف حاصل ہو سکتا۔ مگر عجب

پورہ کہتے تھے۔ بادشاہ رات کے وقت اپنے چند نذیموں کے ساتھ جوگی پورہ جاتا۔ ان کے پاس اور ان کے جمولات حقائق اور مخصوص جوگیانہ اشغال سیکھتا۔ سال میں ایک مرتبہ جوگیوں کا میلہ لگتا جسے سیورات کہتے ہیں۔ اکبر ان کے پاس جا کر ہم نوالہ وہم پیالہ ہوتا تھا۔ جوگیوں نے اکبر کو یقین دلایا تھا کہ تم عمر طبعی سے چار چند عمر پاؤ گے۔ اس بھارت کے بعد ان کی تقلید و موافقت کے خیال سے اکل و شرب اور مباشرت میں کمی کر دی تھی۔ خصوصاً گوشت کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ عمر طبعی اسی سال ہی لی جائے تو اکبر عمر طبعی کو بھی نہ پہنچ سکا کیونکہ وہ 1542ء میں پیدا ہوا اور 1605ء میں مرا۔ اس طرح اس نے کم عمر 63 سال کی عمر پائی۔ یہ صحیح ہے کہ اکل و شرب اور مباشرت کی تحفیف و تخلیل ایسے اسباب ہیں جن کو قیام صحت بقائے جوانی اور قوت جسمانی میں بہت کچھ دخل ہے لیکن یہ چیزیں عمر کو کسی طرح بڑھا نہیں سکتیں۔ ان دنوں گجرات کا ٹھیواڑ میں نوساری نام ایک شہر پارسیوں کا مذہبی مرکز تھا۔ پارسی لوگ زر تشت (بازر دشت) کے پیرو ہیں۔ ان لوگوں کو اکبر کی لاندہی اور الحاد پسندی کا علم ہوا تو وہ اس کوشش میں فوج پور پہنچے کہ اسے پارسی مذہب کا پیرو بنائیں۔ انہوں نے آکر اسے بتایا کہ دنیا میں دین زر تشت ہی حق ہے اور آگ کی تعظیم بہت بڑی عبادت ہے انہوں نے اکبر کو جو زن تہجہ کی طرح اپنے ہر نئے خواستگار سیت تعلق پیدا کر لیتا تھا اپنی طرف مائل کر لیا۔

آتشکدہ کا قیام اور آگ کی پرستش

اکبر نے حکم دیا کہ ملوک عجم (مجوسی حکمرانوں) کی روش کے مطابق آتشکدہ قائم کیا جائے چنانچہ ابو الفضل کے اہتمام میں ایک آتشکدہ جاری کیا گیا۔ جس میں رات دن کے چوبیس گھنٹے بے خیال آگ محفوظ رکھی جاتی تھی کہ یہ بھی آیات اللہ میں سے ایک آیت اور انوار خداوندی میں سے ایک نور ہے۔ جب سے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں حرم میں آئی تھیں محل میں ہوم کا معمول ہو گیا تھا۔ ہوم سے مراد وہ آتش پرستی ہے جو ہندو طریق عبادت کے بموجب ہو۔ پہلے تو اکبر اور اس کے پیروں میں صرف آفتاب پرستی معمول تھا۔ لیکن پارسیوں کی آمد کے بعد آگ کی بھی پرستش ہونے لگی۔ چنانچہ ہجرت 1570ء میں ایام نوروز کے اندر آفتاب کی طرح آگ کو بھی عظیم تہجد کی گئی۔ تمام مقربان بادشاہ شمس اور چراغ روشن کرتے وقت تعظیم اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے۔ معمول تھا کہ آٹھویں سنبھہ کی عید کے دن تمام اعیان دولت ہند کی رسم کے بموجب چھٹنی پر قشقہ لگا کر قصر شامی میں جاتے وہاں برہمن موجود ہوتے۔ وہ عمائد سلطنت میں سے ہر ایک کو جو ہر دربار مالاہور تہک عطا کرتے۔ لوگ نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ اس کو ہاتھوں پر لٹکتے۔ اس کے بعد امراء بھی مروارید اور زرد جواہر پہننے والوں کی نذر کرتے۔ اس وقت

حالت یہ تھی کہ ہنود عیسائی پارسی وغیرہ وغیرہ اسلامی ادیان کے مذہبی سرگروہ جو کچھ بھی کہہ دیتے ایسے نص قاطع شمار کیا جاتا لیکن ملت فیضی کے تمام احکام ان سرعہ عثمان کوئے ضلال کی نظر میں (معاذ اللہ) نامعقول اور ناقابل اتباع تھے۔ جلوس کے چھتیسویں سال کے آغاز میں اکبر نے اعلان کیا کہ گائے بھینس، گھوڑے اور لونٹ کا گوشت حرام ہے۔ کوئی شخص قصاب کے ساتھ کھانا نہ کھائے۔ جو شخص کسی قصاب کے ساتھ کھانا تناول کرے گا۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر قصاب کی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ کھانا کھائے گی تو اس کا انگوٹھا قطع کیا جائے گا۔ یہ بھی اعلان ہوا کہ اتوار کے دن مطلقاً کوئی جانور ذبح نہ ہو۔ ماہ آبان کے اٹھارہ دن اور ہنود کے خاص خاص دنوں میں ممالک محروسہ کے اندر جانور ذبح کرنے کی خاص طور پر ممانعت کی گئی۔ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی اور اس کا خانماں برباد کر دیا جاتا۔ اکبر نے خود ایک سال تک گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ ہندو بیج گوشت سے دست بردار ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ بڑے بڑے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں قصر شاہی کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ اکبر کے مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں۔ انہیں گاؤں خوار و ریش دار مرد سے سخت نفرت تھی۔ اس لیے ان کے پاس خاطر سے نہ صرف ان چیزوں سے پرہیز کرتا تھا بلکہ ان کی خوشنودی طبع کی خاطر ہنود کے رسم و رواج کا پابند ہو گیا تھا۔ اس جذبہ نے یہاں تک افسوسناک حالت اختیار کر لی تھی کہ محمد احمد مصطفیٰ اور اس قسم کے دوسرے اسماء گرامی بیرونی ہندوؤں اور اندرونی المل حرم کی رعایت سے قابل نفرت ہو گئے تھے۔ مقربان بارگاہ میں سے جن جن لوگوں کے نام اس وضع کے تھے ان کو بدل دیا گیا۔ مثلاً محمد امین کو امین الدین یار محمد خاں کو یار خاں اور محمد رحمت کو رحمت خاں لکھتے اور بولتے تھے۔ واقعی یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ ان مقدس ناموں سے موسوم ہوتے۔ اچھا ہوا کہ یہ نام نجاست کی آلودگی سے پاک ہو گئے۔ خنزیر کی گردن میں پیش بہا جو اہر کا لٹکانا انتہا درجہ کا ستم ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ ہندو عورت کو مسلمان ہونے سے روکا جائے اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے جبراً و قہراً اس کے ہندو اقربا کے حوالے کیا جائے۔ اکبر نے جو ہندو پنتھ کی پیروی اور ہندو نوازی کا مسلک اختیار کیا ظاہر ہے کہ اس کے سایہ حمایت میں ہندوؤں کے تسلط و اقتدار اور جو روستم کا مقیاس الحرات کس درجہ تک پہنچ گیا ہو گا۔ ملک کی نوے فیصد معاش پہلے ہی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ اکبر نے انہیں باقی ماندہ پانچ فیصدی پر بھی حاوی کر دیا۔ ضروریات لشکر کی فراہمی سب ہنود کے ہاتھ میں تھی۔ دوسری سرکاری ضروریات کے بھی ہندو ہی اجارہ دار تھے۔ فرش فروش سواریاں دربار اور قصر شاہی کے سامان آرائش سب ہندو اپنے تھے۔ غرض اس نے ہندو اپنی ریت رسوم کا رنگ دے کر ہر چیز کو ہندو بنا دیا۔

فصل 4۔ دعوائے نبوت و مہدویت اور علماء پر تشدد

آپ چند مغزی کے جوہر سے بالکل عاری تھا جس طرح سرخ کپڑا ہیل کو غضبناک کر دیتا ہے اسی طرح کلمہ حق اس کو از خود رفتہ اور مغلوب الغضب کر دیتا تھا۔ ایک طویل پر شکوہ فرمائی روایتی طور تھیں شہد صحابہ کی خوشامد نے اس کا دماغ نشہ باطل سے معطل اور اس کے جذبات ہیچاں خود پرستی سے مجھوتہ کر دیئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل دربار میں سے کوئی شخص اس کو دینداری اور توجہ و مہمانداری نہ دینے کا حوصلہ کر بیٹھتا تھا تو یہ عالم غیبی میں نہایت طریق پر تامل سے انتقام لیتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ عبدالنبی نے جن کی نسبت ابو الفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالنبی صدر کے وٹس کے شیخ الاسلامی نام اومی زوند۔ 69۔ اور خود اکبر کسی زمانہ میں ان کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی کلمہ حق اکبر سے کہہ دیا۔ مغلوب الغضب درندے کی طرح شیخ پر جھٹ پڑا اور سر دربار اپنے ہاتھوں سے ان کے چہرے پر گھونے اور نکلے مارنے شروع کر دیئے کہ ان کا حال کر دیا۔ آخر شیخ عبدالنبی کہنے لگے کہ اس فضیحت سے تو بہتر ہے کہ چھری لے کر مجھے ذبح کر ڈالو۔ خدائے اعلم الحاکمین دنیاوی حکام کو اس لیے حکومت سپرد کرتا ہے کہ وہ اس کو اپنے عمل عافیت میں جگہ دیں لیکن اس کینہ جو بھیدئے نے اسی جفاکاری پر اکتفا نہ کیا بلکہ سالہا سال پیشتر جو ظلمت دی تھی نہایت خساست کے ساتھ اس کا حساب مانگنے لگا۔ آخر قید کر دیئے گئے اور ایک رات قید خانہ میں گلا گھونٹ کر ان کو قید زندگی سے آزاد کر دیا گیا۔

اکبر کی خوشامد پسندی

الغرض یہ کم حوصلہ بادشاہ سچی بات سن کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ البتہ لٹار اور خوشامد پسند انتہا درجہ کا تھا۔ اس لیے خوشامدی اہلکار اس کی خوشنودی خاطر کے لیے اسے ہر وقت آملان رفعت پر چڑھا چڑھا کر بیوقوف بناتے رہتے تھے۔ اور یہ کوڑ مغز خوشامد کو حق الیقین جان کر اسی پر عمل درآمد شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ بعض عالم نما جملانے اکبر سے کہا کہ صاحب زمان مہدی علیہ السلام جو ہندو مسلمانوں کے اختلاف و الشقاق کو مٹانے کے لیے دنیا میں مبعوث ہونے والے تھے وہ حضرت ہی کی ذات گرامی ہے تو اسی پر یقین کر بیٹھا۔ ایک شخص شریف نام کے جو برعکس نند نام زندگی کا نور کا مصداق تھا محمود بھٹوانی کے رسائل سے استشہاد کرتے ہوئے اکبر سے کہا کہ ان میں صاف لکھا ہے کہ 990ھ میں باطل کا مٹانے والا ظاہر ہوگا۔ چنانچہ شریف نے جو الفاظ پیش کئے ان سے حساب نو سو نوے عدد نکلتے تھے۔ یہ سن کر اکبر کے دل کا کنول کھل گیا اور اس کو انعام و اکرام سے محبت کچھ نوازا۔ اسی طرح خواجہ شیرازی لقب ایک جعفر دان طہد کہیں سے ایک رسالہ لے آیا اور

کہا کہ احادیث صحیحہ کے بموجب ایام دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور چونکہ یہ مدت گزر چکی ہے۔ اس لیے اب حضرت ممدی موعود علیہ السلام کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ یہ سن کر اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو انعام و بخشش سے مالا مال کر دیا لیکن یاد رہے کہ کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے بلکہ یہ محض اسرائیلی ڈھکوسلہ ہے۔ شریف نے اکبر کے ممدی موعود ہونے کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھ مارا۔ شیعوں نے بھی اسی قسم کے بعض ٹرغلات امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے اکبر کو ممدی بنانے کی کوشش کی۔ بعض لوگوں کی زبان پر یہ رباعی تھی جو حکیم ناصر خسرو کی طرف منسوب ہے۔ رباعی

ورنہ صد و ہشتادونہ از حکم قضا
آئندہ کو اکب از جوانب یک جا
در سال اسد ماہ اسد روز اسد
از پردہ بروں ٹرلمد آن شیر خدا
تا ہم ناصر خسرو کی یہ رباعی بھی دام افتادگان الجلا کے درو زبان تھی۔ رباعی
ورنہ صد و تسعین دو قرص می ٹیم
وز ممدی و دجال نشیں سے جیم
یا ملک بدل گرد و دیا گردو دین
سرے کہ نہاں است عیاں می ٹیم

کثیر التعداد عورتوں والا ممدی کذاب

محمد شاہ رنجیلے کا نام بوجہ کثرت کے خواری بدنام ہے لیکن میرے نزدیک اکبر اس سے زیادہ عیاش تھا۔ کتاب ”اکبر اینڈ دی جیزٹس“ میں لکھا ہے کہ اکبر کی محل سر میں قریباً سو حرمیں تھیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو باقاعدہ حرم میں داخل تھیں لیکن ان لڑکیوں کا تو شاید کوئی شمار ہی نہ ہوگا جن سے اکبر شیعہ اصول کے ماتحت متعہ کرتا رہتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ عبدالواسع نام ایک شخص کی بیوی حسن و جمال میں بے عدیل تھی۔ اکبر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ لٹو ہو گیا۔ عبدالواسع کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ اس پھارے نے طلاق دے دی۔ وہ عقیفہ حرم شاہی میں داخل کر لی گئی۔ ایک مرتبہ اکبر وہلی آیا اور دایوں اور خواجہ سراؤں کو اس غرض سے محلوں میں پھیلا دیا کہ گھروں میں پھر کر صاحب جمال باکرہ لڑکیوں کا پتہ لگائیں۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے شہر میں ہلچل مچ گیا اور لوگوں پر ہول عظیم طاری ہوا۔ خدا جانے کتنے بے گناہوں پر کیا کچھ آفتیں ڈھائی گئی ہوں گی اور لوگوں کی عزت و عصمت اور ناموس پر کیا کچھ گزری ہوگی۔ جن ایام میں

اکبر کو ممدی بنانے کی کوششیں ہو رہی تھیں ایک دنیا طلب خوشامدی نے کہیں سے حضرت شیخ محی الدین لنن عرفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پرانا کرم خوردہ رسالہ حاصل کر کے اس پر بظہر مجہول لکھ لیا کہ صاحب زمان ممدی علیہ السلام کی کثیر التعداد بیویاں ہوں گی اور داڑھی منڈائے گا۔ اسی طرح خلیفۃ الزمان علیہ السلام کی بعض لور من گھڑت صفات درج کر کے اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو باریافتگان پایہ قرب کے مسلک میں منسلک کر لیا۔ اسی طرح ایک حاجی صاحب نے شیخ لمان پانی پتی رحمۃ اللہ کے بھائی زادہ ملا ابو سعید کی کتابوں میں سے ایک پرانا رسالہ حاصل کیا اور اپنے دماغ سے یہ حدیث گھڑ کر اس میں درج کر لی کہ ایک صحابی کا بیٹا داڑھی منڈا کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اہل جنت کی یہی وضع ہوگی۔ بمر حال یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے اکبر کو دعوائے نبوت پر مائل کیا۔ چنانچہ وہ مدعی نبوت بن بیٹھا لیکن جس طرح مرزا غلام احمد نے ظلی نبی اور مروزی نبی کی من گھڑت اصطلاحوں کی آڑ لے کر دعویٰ نبوت کیا اسی طرح اکبر نے بھی اپنے حق میں کوئی اور لفظ جو نبوت کا مرادف تھا استعمال کرنا شروع کیا۔

علماء کا قلع قمع اور جلا وطن

اکبر کی کفر پسندیوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں آتش غیظ شعلہ افکن ہوتی اور حامیان دین اسلام اکبر کے خلاف علم مخالفت بلند کرتے۔ چنانچہ غیور مسلمان ملک کے مختلف حصوں میں مدت العمر ستیزہ جو رہے لیکن چونکہ حکیم علی الاطلاق جل اسمہ کو یہی منظور تھا کہ اکبری فتنہ کو پوری طرح نشوونما پانے کا موقع دیا جائے اس لیے کوئی مخالفت سرسبز نہ ہو سکی۔ مخالفت کا سب سے زیادہ زور مگالہ میں تھا جہاں کے اکبر گورنر کو قتل کر دیا گیا۔ 987ھ میں اکبر نے ملا محمد یزدی کو پورنی اضلاع کا قاضی القضاہ بنا کر جو پور روانہ کیا اس نے جا کر فتویٰ دیا کہ بادشاہ مرتد ہو گیا ہے اسے لیے اس کے خلاف جہاد واجب ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد معصوم کابلی، محمد سعد خاں فرخودی، میر معز الملک، نیات خاں، عرب بہادر اور دوسرے عمائد اٹھ کھڑے ہوئے اور اکبری حکومت کے خلاف مصاف آرائی شروع کر دی۔ اکبر نے کسی تقریب پر میر معز الملک اور ملا محمد کو جو پور سے فتح پور طلب کیا۔ جس صوبے میں کہ وہ اس سے پیشتر علم مخالفت بلند کر چکے تھے کسی طرح مناسب نہ تھا کہ بادشاہ کے بلاوے کی تعمیل کرتے۔ دونوں ازراہ نادانی چل پڑے۔ جب فیروز آباد پہنچے تو اس اثنا میں وہاں اکبر کا حکم پہنچ گیا کہ ان کے سواروں سے علیحدہ کر کے دونوں کو کشتی میں بٹھائیں اور دریائے جمنائے میں سے نکال کر گوالیار کی طرف لے جائیں۔ اس کے بعد اکبر نے دوسرا حکم بھیجا کہ دونوں کو دریا میں ڈبو دیں۔ آخر ملاحوں نے دونوں کو ایک پرانی کشتی میں بٹھا کر قعر آب میں پھینکا اور دونوں کی کشتی عمر

گرداب فنا میں غرق ہو گئی۔ اس کے بعد اکبر کو ممالک محروسہ کے جن جن علماء سے بے اخلاصی کا ادنیٰ وہم بھی ہوا ان کو نہال خانہ عدم میں بھیج دیا۔ علمائے لاہور کے لیے جلاوطن کی سزا تجویز کی گئی چنانچہ یہ حضرات لاہور سے اس طرح پر آگندہ و منتشر ہوئے جس طرح تسبیح ٹوٹنے سے اس کے دانے بکھر جاتے ہیں۔ قاضی صدر الدین لاہوری جو علم و فضل میں مخدوم الملک سے بھی بڑھے ہوئے تھے بھروسہ کے قاضی بنادئے گئے۔ مولانا عبدالشکور لاہوری کو جو پور کی قضا سپرد کی گئی۔ ملا محمد معصوم کو بہار کا قاضی بنایا گیا۔ شیخ منور لاہوری مالوہ کی طرف جلاوطن کئے گئے۔ شیخ معین الدین لاہوری کو جو مشہور واعظ مولانا معین کے نواسہ تھے کبر سن کی وجہ سے حکم جلاوطنی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ وہ لاہور ہی میں رہے یہاں تک کہ 950ھ میں سفر آخرین اختیار کر لیا۔ مصمم الملک گیلانی کا بھی ان لوگوں میں شمار تھا جو مذہب و مسلک میں ناموافق خیال کئے جاتے تھے۔ ان کو مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد بار بار فرامین بھیج کر انہیں واپسی کا حکم دیا لیکن انہوں نے ان فرمانوں کی طرف التفات نہ کیا۔ آخر اسی بلدہ مطرہ میں اپنے تئیں حق کے سپرد کر دیا۔ اکبر نے ارباب طریقت کی توہین و ایذا رسانی میں بھی کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ حکم دیا کہ صوفیاء و مشائخ کے دیوان کی پر تال ہندو دیوان کریں۔ ان پریشانوں میں وہ پھارے سب حال و قال بھول گئے چونکہ علمائے امت کی طرح صوفیائے کرام بھی حامی دین تھے۔ حاملین شریعت کی طرح وہ بھی اکبری جو رد و ستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ محمد حسین صاحب آزاد نے اس اکبری کارنامہ کو بہت سراہا ہے اور عالم مسرت میں لکھا ہے کہ ”انہی دنوں میں اکثر سلسلوں کے مشائخ بھی حکومت سے اخراج کے لیے انتخاب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کو ایک قندھاری کارواں کے سلسلے میں روانہ کر دیا۔ کارواں ہاشمی کو حکم دیا کہ انہیں وہاں چھوڑ آؤ۔ کارواں مذکور قندھار سے ولایتی گھوڑے لے آیا کہ کار آمد تھے اور انہیں چھوڑ آیا۔ کہ غمے تھے بلکہ کام بگاڑنے والے۔“ 70۔ لیکن اگر یہ حضرات خدا نخواستہ الحاد ویدہئی میں اکبر کی ہمنوائی اختیار کرتے اور جناب محمد حسین صاحب آزاد کی طرح دین و ملت سے آزاد ہوتے تو آزاد صاحب کی بارگاہ معلیٰ سے ان پر تمہین و آفرین کے پھول برسائے جاتے لیکن چونکہ یہ حضرات حامیان دین مبین تھے انہیں اسلام کی توہین گوارا نہ تھی۔ اس لیے یہ آزاد صاحب کی نظر میں سخت غمے اور کام کے بگاڑنے والے تھے۔ انہی ایام میں اکبر نے ایک شیخ طریقت کو جنہیں شیخ کاسی کہتے تھے پنجاب سے طلب کیا۔ یہ اپنی خانقاہ سے شاہی قاصدوں کے ساتھ بمقتضائے اتحال پیادہ روانہ ہوئے ان کا تختہ ان کے پیچھے لارہے تھے۔ فتح پور میں شیخ جمال خٹیا کے ہاں فرود کش ہوئے اور اکبر کے پاس پیغام بھیجا کہ آج تک کسی بادشاہ کو میری ملاقات باہر کت اور شمر خیر ثامت نہیں ہوئی۔ اکبر اس پیغام کو سن کر گھبرایا اور ان کو بغیر ملاقات کے فوراً فتح پور رخصت کر دیا۔ 75۔

فصل 5۔ گوآکا مسیحی مشن اور اس کی ناکام جدوجہد

اگر کوئی نوخیز و طرحدار عورت اپنے شوہر سے قطع تعلق کر کے آوارگی کی زندگی اختیار کر لے تو ہر ناکام محبت کو طمع داعیہ ہوتی ہے کہ اسے آغوش وصل میں لے کر متمتع و کامگار ہو۔ اکبر نے سعادت اسلام سے محروم ہو کر اس ذات گرامی کے نور سے اقتباس کرنا چھوڑ دیا جس کی برکت قدم نے سمک سے سماک تک کفر و ظلمت کا نام نہ چھوڑا تھا تو تمام غیر اسلامی مذاہب کے منہ سے رمل نچنے لگی کہ جس طرح ہو اس ترنوالہ کو منہ میں ڈالیں۔ چنانچہ آپ نے لوہر پڑھا کہ کس طرح بدبمعنوں اور محوس کے مذہبی مقتدوں نے اس صید پر تون ڈال کر اپنے کام و دہان کی تواضع کی؟

بمبئی سے جنوب کی طرف جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر گوآ نام اہل پر نکال کی ایک مشہور بندرگاہ ہے جب گوآ کے پریمی گورنر کو معلوم ہوا کہ اکبر نے اسلام سے علاقہ توڑ کر بد مذہبی کے دامن میں پتلا ہی ہے تو اسے بھی یہ ہوس داعیہ ہوئی کہ اکبر کو نصرانی بنا کر ہندوستان میں تثلیث کی حکومت قائم کرے۔ چنانچہ اس کوشش میں چند پادری دارالسلطنت فتح پور روانہ کئے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن مغربی اقوام نے ہندوستان آکر اپنی بسعیاں قائم کیں ان میں سے اہل پر نکال کو فخر اولیت حاصل ہے۔ پریمیوں نے بابر بادشاہ کی چڑھائی سے بھی سولہ سال پہلے یعنی 1510ء میں گوآ پر قبضہ کیا تھا۔ پادریوں کا پہلا مشن 17 نومبر 1579ء کو گوآ سے چل کر بتاریخ 28 فروری 1580ء فتح پور پہنچا۔ اس مشن کا سرگروہ پادری مانسیریت تھا۔ اکبر نے بڑی گرجوشی سے اس وفد کا استقبال کیا۔ اور ابو الفتح اور حکیم علی جیلانی کو ان کی مہمانداری تفویض کی۔ اکبر نے وفد کو جو اعزاز بخشے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے اپنے بھلے بیٹے مراد کی اتالیقی مانسیریت کے تفویض فرمائی۔ یہ وفد قریباً دو سال تک مصروف دعوت رہا۔ آخر اپریل 1582ء کو بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ اس کے بعد خود اکبر نے گورنر گوآ کے نام چٹھی بھیج کر ایک اور وفد بھیجے جانے کی خواہش کی۔ اس درخواست کے بموجب دوسرا مشن ایک سخت بد لگام پادری ریوڈو لفونام کی سرکردگی میں بھیجا گیا اکبر نے پہلی ہی مجلس میں پادری سے کہا کہ میں یہ سن کر حیرت زدہ ہوں کہ آپ لوگوں کے زعم میں ایک خدا کی تین شخصیتیں ہیں اور خدا رحم مادر سے پیدا ہوا اور اسے یہود نے قتل کر دیا۔ پادریوں سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ بن پڑا۔ اس لیے انہوں نے رفع خجالت کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا نغمہ چھیڑ دیا۔ خیر یہ مجلس جوں جوں گزری۔ دوسری نشست میں پادری ریوڈو لفونام نے اپنی سیاہ باطنی اور بد گوہری کا خوب مظاہرہ کیا اور جگائے اس کہ مسیحیت کی صداقت کا کوئی پہلو پیش کر سکتا اس نے بازاری لفظوں کی طرح حضرت سرور دو جہاں ﷺ کی ذات گرامی کے

خلاف دریدہ دہنی شروع کردی اور حضور ﷺ کی شان اقدس میں ایسے ناپاک الفاظ استعمال کر کے فروماگلی کا ثبوت دیا کہ کوئی حیادار آدمی کسی معمولی سے مذہبی پیشوا کے خلاف تو درکنار کسی شریف آدمی کے حق میں بھی استعمال نہ کرے گا چہ جائیکہ دونوں جہان کے اس بلاواہی کی شان اقدس میں گستاخی کی جائے جو دنیا کی نصف ارب آبادی کا محبوب ترین مقتدا ہے۔ عفونت بیان پادری کے اس لفظگان کی تصدیق کرنا چاہو تو انگریزی موسومہ بہ ”کومینٹری اوف فادرمان سیریت“ مطبوعہ کنک کا صفحہ 37 دیکھ لو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس عنائے اسلام کے وجود سے خالی تھی ورنہ پادریوں کی بطلت فروشیوں کی تصویر ہر شخص کے سامنے آجاتی۔ ایسی حالت میں بے چارے پادریوں کی کیا بساط تھی کہ اہل حق کے سامنے لب کشائی کر سکتے۔ جب مجلس برخواست ہوئی تو بادشاہ پادریوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور کہنے لگا کہ میں تمہاری باتوں سے بہت مسرور ہوا لیکن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے لب و لہجہ میں محتاط رہو کیونکہ تمہارے مد مقابل کندہ ناتراش شریروں کو (بجا ارشاد ہوا شریروں کو ہر شخص شری ہی نظر آتا ہے) شاہ مرتد کی اس نصیحت کا یہ مطلب تھا کہ تم نے جو برسر عام پیغمبر اسلام (ﷺ) کی توہین کی تو آئندہ اس سے باز رہو۔ روڈولف نے کہا کہ ہم آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہیں بلکہ محض اس بنا پر کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد اکبر نے پادری سے کہا کہ تمہاری اور باتیں تو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ قادر مطلق جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے وہ تین بھی اور ایک بھی کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور اس کے یہاں ایسے فرزند کا تولد کیوں کر ممکن ہے جو رحم مادر سے پیدا ہوا ہو؟ پادری یہ سن کر دم بخور رہ گیا آخر کہنے لگا کہ خدا سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دل پر اس مسئلہ کی حقیقت آشکارا کر دے۔ اس جواب سے ظاہر ہے کہ موجودہ مسیحیت کی دیواریں محض خیالی تک بندیوں کی بنیادوں پر کھڑی ہیں اور اس کو صداقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ جو آجیسی دور دست مقام سے محض گالیوں کے ہتھیاردوں سے مسلح ہو کر ہی اکبر اور اس کے درباریوں کا شور دل فسخ کرنے چلے آئے تھے۔ باوجودیکہ ریوڈولف نے اکبر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ طریق گفتگو سے محتاط رہے گا لیکن اس ”باجیا“ پادری نے اس وعدہ کا قطعاً ایقانہ کیا چنانچہ آئندہ مجلس میں یہ سینہ سپاہ پادری پا کوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان پاک میں دشنام دہی و بیش و پیش و کج گوئی کا اچھا نمونہ بنا۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو کتاب مذکور کا انتالیسواں صفحہ پڑھو جو کاش اکبر کی جگہ کوئی مسلمان حکمران ہوتا تو اس بد لگام پادری کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کا غمزدہ نہ ہوتا۔ تعجب ہے کہ حکومت ہند نے اس سخت دل آزار کتاب کو جو بوزیرہ مشن پریس سے چھپ کر 1922ء میں شائع ہوئی اب تک ضبط کیوں نہیں کیا؟ ہم اسلام اور باقی سیدہ منجبت سے مختلف۔

اعتراض سننے اور اس کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں بھر طیکہ اعتراض کرنے والا دائرہ انسانیت میں رہ کر اعتراض کرے۔ گو سنجیدہ جواب بد لگائی کا منہ بند نہیں کر سکتا تاہم ہمارا اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے دے کر لفظوں کے ہمنام ہوں۔

آگ میں داخل ہو کر صدق و کذب کے امتحان کا اسلامی مطالبہ

اس وقت یہ حالت تھی کہ ایک طرف تو سیاہ باطن پادری برہان مقدس (قرآن) اور دین حنیف اور دنیا و عاقبت کے سردار سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس میں بد زبانی کر کے اپنی مسیحیت کی قطعی کھول رہے تھے۔ دوسری طرف مرتدین کا ناپاک گروہ ہر بات میں اہل تثلیث کی تائید کر کے نیش زنی میں مصروف تھا۔ ایسی حالت میں مظلوم و سینہ ریش مسلمان حاضرین کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صداقت اسلام کے ثبوت میں کوئی ایسا ناقابل اندفاع طریق عمل اختیار کریں جو اہل باطل کی خدع پرور آرزوؤں کا گور غریباں بن جائے۔ مسلمانوں نے حسب میان پادری مانسریٹ اکبر سے کہا کہ سچے دین اور آسانی کتاب کی صداقت کے امتحان کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ آگ جلائی جائے ایک پادری بائبل لے کر اور ہم میں سے ایک آدمی قرآن مجید لے گھس پڑے اور آگ کے بلند شعلوں میں کھڑا رہے ان میں سے جو شخص اپنی کتاب سمیت زندہ سلامت نکل آیا اس کا دین سچا ہے اور جو وہیں جل کر ہلاک ہو گیا اس کا مذہب جھوٹا ہے۔ اکبر نے اس تجویز کی تائید کی اور پادریوں سے کہا کہ یہ محکم امتحان بالکل فیصلہ کن ہے مگر باطل کی کیا مجال تھی کہ اس جان ستان تجویز کو منظور کرتا۔ پادریوں نے کہا کہ مسیحیت کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے کسی اعجازی امتحان کی ضرورت نہیں۔ اکبر نے کہا۔ اچھا جانے دو یہی گفتگو جو ہو چکی کافی ہے۔ حاضرین نے بادشاہ سے کہا کہ آگ میں داخل ہونے کی تجویز نہایت موزوں اور فیصلہ کن ہے اسی پر عملدرآمد ہونا چاہیے۔ ان کی یہ خواہش شاید اس یقین پر مبنی تھی کہ مسلمان آگ میں جل کر بے نام و نشان ہو جائیں گے اور فتح کا سہرا مسیحیت کے سر پر ہو گا۔ حالانکہ یہ خیال بالکل باطل تھا۔ ایسے نازک امتحان میں خدائے قادر و توانا بالیقین اپنے سچے دین کی لاج رکھ لیتا۔ آگ آتش نمرود کی طرح مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جاتی اور مشرک عیسائی ہمیشہ کے لیے خاک مذلت میں سلا دیے جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل باطل اس امتحان کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے اور آگ کا نام سن کر پادریوں کی روح فنا ہو رہی تھی۔ پادری ریوڈو لفوا ایک طویل لاطائل قصہ خوانی کے بعد کہنے لگا۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں کیونکہ ہم گنہگار ہیں اس لیے اعجاز نمائی کی جرات نہیں کر سکتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم خدا کے محبوب ہیں یا اس کے راستہ میں روڑے اٹکانے والے۔ اس سے قطع نظر

اس امر کا امتحان کرنے کے لیے کہ یہ بائبل کلام الہی ہے یا نہیں؟ اس کو آگ میں لے جانا مسیح کی تعلیم اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ اس لیے اس بادشاہ! آپ کو اعجاز بیینی کی خواہش کر کے ان یہودیوں کے نقش قدم پر نہ چلنا چاہیے جن کو مسیح (علیہ السلام) نے ان الفاظ میں سرزنش فرمائی تھی کہ شریرو اور حرامزادے مجھ سے معجزہ طلب کرتے ہیں۔ اور یہ مسلمان جو آگ میں داخل ہونے کی شرط لگا رہے ہیں مجھے ان کے متعلق یقین ہے کہ ان میں سے ایک بھی اپنے مذہب اور اپنے پیغمبر کا اس درجہ شیدائی اور معتقد نہ ہو گا کہ ایسے جاننازادہ امتحان کو اپنے درہمت پر لے۔ واقعی یہ چیز مسلمانوں کی فطرت میں داخل ہے کہ یہ معجزات کا مطالبہ کریں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر مذہب کا کوئی صالح و متقی آدمی کوئی معجزہ دکھائے گا تو یہ لوگ کہنے لگیں گے کہ یہ تو جادو ہے۔ اور پھر اسے قتل کر دیں گے۔ اکبر نے کہا۔ آپ لوگ مطمئن رہیں آپ کا کوئی بال تک میکانہ نہیں کر سکتا۔ اصل یہ ہے کہ یہاں ایک مولوی ہے جو اپنے تقدس کی ڈینگیں مارا کرتا ہے حالانکہ وہ بہت سے گناہوں کا بھی مرتکب ہو چکا ہے۔ اس نے قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ میں اس کو اس عجب و پندار کی سزا دوں۔ اگر آپ حضرات اپنے مذہب کا کوئی پیرو پیش کر سکیں جو اس امتحان میں پورا ترے تو مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی۔ میری آرزو ہے کہ آپ لوگ اس کام کی تکمیل میں میری امداد کریں۔ پادری ریوڈو لفونے کہا ہم اس کام میں آپ کو کچھ مدد نہیں دے سکتے۔

78۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلانے کی نوبت نہیں آئی لیکن عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں 989ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ شیخ قطب جلیسری نام ایک مجذوب کو شیخ جمال اختیار کے ذریعہ سے بلا کر پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا گیا۔ بہت سے ممتاز ذوی اقدار لوگ بھی جمع کئے گئے۔ شیخ قطب نے کہا کہ آگ جلاؤ تاکہ میں اور میرا فریق مقابل آگ میں داخل ہوں۔ دونوں میں سے جو زندہ سلامت نکل آئے گا وہ سرتن ہوگا۔ چنانچہ آگ جلائی گئی۔ شیخ قطب نے جا کر فرنگی پادری کو کمر سے پکڑ لیا اور آگ کی طرف کھینچ کر کہنے لگا کہ ہاں ہم اللہ! چلو آگ میں داخل ہوں۔ لیکن کسی پادری کو آگ کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلو شہ نے غضبناک ہو کر شیخ قطب اور چند دوسرے فہراء کو بھمکی طرف جیو وطن کر دیا۔

گر جوں اور تبلیغی مشنوں کا قیام

پادریوں نے اپنی ہزیمت کے بعد بلو شہ سے کہا کہ انیس اجتہت دی جائے۔ جو لوگ عیسائی ہونا چاہیں ان کو عیسائی بنائیں اور نیز ایک خیراتی ہسپتال جدی کریں۔ اکبر نے دونوں درخواستیں منظور کیں اور پادریوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص تمہارے کام میں مزامم ہو تو اس کی اطلاع دو۔ پادری کچھ عرصہ تک اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس کے بعد گو آواپس جانے کی

اجازت چاہی لیکن اکبر نے اجازت نہ دی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے مذہب کی خوبیاں مجھ پر واضح ہوتی رہیں۔ اکبر بہت دن تک پادریوں کو اپنے قبول نصرانیت کے سبز باغ دکھاتا رہا۔ لیکن پادریوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود آفتاب پرستی چھوڑ کر دائرہ مسیحیت میں داخل نہ ہوا۔ اس اثنا میں پادریوں نے ملک میں جا جا کر جے اور تبلیغی مشن قائم کئے۔ پانچ سال اسی حالت میں گزر گئے۔ انجام کار گو آسے پادریوں کے نام حکم آیا کہ تمہیں اکبر بادشاہ کے پاس گئے پانچ سال گزر گئے اور تم نے وہاں کی زبان بھی سیکھ لی اگر بادشاہ دائرہ مسیحیت میں داخل ہوتا ہے تو بہتر درنہ واپس چلے آؤ۔ یہ لوگ بادشاہ سے ملے اور کہا کہ یہ امر ہماری لیے کھت تکلیف دہ ہے کہ کوئی کام انجام دیئے بغیر آپ کے دربار میں پڑے رہیں۔ اس لیے درخواست ہے کہ آپ حسب وعدہ دین مسیحیت کو قبول فرمائیے۔ اس پر نہ صرف آپ کی اپنی نجات منحصر ہے بلکہ آپ کو دیکھ کر جو لاکھوں کروڑوں ہندگان خدا عیسائی ہوں گے ان کو بھی نجات لبدی نصیب ہوگی۔ اکبر ان دنوں لاہور میں تھا۔ کہنے لگا میں ابھی لاہور سے دکن جا رہا ہوں۔ وہاں جا کر گو آسے بالکل قریب ہی کسی مقام پر فرودکش ہوں گا۔ میں اس جگہ دوسرے جمیلوں سے فارغ رہ کر آپ لوگوں کی طرف زیادہ توجہ معطوف کر سکوں گا۔ لیکن آپ لوگوں نے یہ کیا کہا کہ ہم اتنی مدت تک یہاں بے مصرف پڑے رہے؟ کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس ملک میں اسلامی سلطنت تھی اگر کوئی شخص منہ سے یہ الفاظ نکال دیتا تھا کہ یسوع مسیح (معاذ اللہ) خدا کا بیٹا ہے تو اسے اسی وقت قتل کر دیا جاتا تھا لیکن اب تم نے جا جا کر جے اور تبلیغی مشن قائم کر لئے اور تم لوگ اپنی تبلیغ میں بالکل آزاد ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ پادریوں نے تسلیم کیا کہ واقعی ہمارے قیام سے مسیحیت کو خاصی رونق نصیب ہوئی۔ پادریوں نے لاہور میں بھی گر جہاں کہا تھا۔ یہاں 1597ء تک سینکڑوں آدمی عیسائی بنائے جا چکے تھے۔ جن میں بڑی تعداد چاروب کشوں کی تھی۔ 79۔

فصل 6۔ لاہور کی ہولناک آتشزدگی اور اکبر کی موت

متذکرہ صد واقعات سے قارئین کرام اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ اکبر کا وجود شریعت الہی کی توہین اور دین خداوندی کی سب سے بڑی تذلیل تھا۔ اس نے احکم الحاکمین کے آسمانی آئین سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور خالق کردگار کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی گراہی میں گرفتار تھا۔ بادہ سلطنت و فرمانروائی نے اسے اس درجہ متوالا کر رکھا تھا کہ اپنی چند روزہ عظمت کے مقابلہ میں خدا کی کبریائی اور رسولوں کی قدوسیت کو بالکل بھول گیا تھا۔ اس کی مملکت میں خدا کے نیک بندے ستائے جا رہے تھے۔ گراہیاں اور تاریکیاں تمام سطح رضی پر چھائی ہوئی تھیں۔ دین حنیف بحسی اور مظلومی

کی حالت میں مبتلا تھا اور ملک فطرت میں ہر جگہ اہلبیس اور نفس شری کی حکومت جاری و ساری تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ مالک الملک عزاسمہ کی طرف سے کبھی نہ کبھی اس کے جسد غفلت و بے حسی پر عبرت کا تازیانہ رسید کیا جاۓ۔ چنانچہ 1597ء (1005ھ) سے لے کر یوم مرگ تک وہ برابر ہوموم و مصائب میں مبتلا رہا۔ خدا کے وہ ہمدے نہایت خوش نصیب ہیں جو خدائی تنبیہ کے وقت سنبھل جاتے ہیں اور رب العلیین کے ساتھ اپنا رشتہ عبودیت استوار کرنے میں توقف و اہمال گوارا نہیں کرتے لیکن بد نصیب اکبر ان حوادث و نوازل سے جو اس پر پڑے کچھ بھی سبق آموز نہ ہوا۔ ان پریشانیوں میں جن سے اکبر کو دوچار ہونا پڑا سب سے پہلی لاہور کی آگ تھی۔ ابو الفضل نے اکبر نامہ میں بیالیسویں جلوس کے زیر عنوان اس آگ کا اجمالی تذکرہ کیا ہے لیکن کتاب ”اکبر اینڈ دی جیزٹس“ میں اس کو ذرا کھول کر بیان کیا ہے۔ مؤرخ الذکر کتاب میں لکھا ہے کہ اکبر لاہور کے قصر شاہی کے برآمدے میں تھا۔ شہزادہ سلیم اور تمام عمائد سلطنت موجود تھے نوروز کا جشن منایا جا رہا تھا کہ اتنے میں آسمان کی طرف سے ایک شعلہ نمودار ہو کر قصر شاہی کی طرف آیا سب سے پہلے شاہزادہ سلیم کے پر تکلف خیمہ کو اس سرعت کے ساتھ جلا کر خاک سیاہ کیا کہ کسی کو آگ بچھانے کے لیے وہاں تک پہنچنے کی مہلت نہ دی اس کے بعد تمام خیموں کو اور شاہی محل کو جس میں چند تخت اور بڑی بڑی بیش قیمت چیزیں تھیں جلایا۔ ان تختوں میں ایک طلائی تخت بھی تھا۔ جس کی لاگت کا تخمینہ ایک لاکھ اشرفی (سولہ لاکھ روپیہ) کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے قصر خاص کی طرف بڑھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کو آنا فنا جلا کر کونوں کا ڈھیر بنا دیا۔ غرض تمام سرکاری عمارتیں آگ بھبھو کا ہو گئیں۔ اکبر کو اس آتشزدگی کا بڑا قلق ہوا۔ کیونکہ تمام خزانے اور جواہرات اور یادگاریں بھی تباہ ہو گئیں۔ اس روز چاندی سونا اور دوسری دھاتیں پکھل پکھل کر لاہور کی گلیوں میں اس طرح بہ رہی تھیں جس طرح پانی بدر رو میں چلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ آگ کئی دن کے بعد بمشکل بجھائی جاسکی۔ اس آگ نے اکبر کو اس درجہ وحشت زدہ کر دیا کہ لاہور سے جھٹ کشمیر کا رخ کیا لیکن وہاں پہنچنے کی دیر تھی کہ کشمیر میں ایسا عالمگیر قطر رونما ہوا کہ ماؤں نے اپنے کسن بچوں تک کو جدا کر دیا اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہونے لگے۔ یہ مصیبت ہنوز دور نہ ہوئی تھی کہ اکبر بیمار پڑ گیا اور زندگی کی طرف ناامیدی ہو گئی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر لاہور آیا لیکن یہاں آنے کے بعد دکن سے اطلاع آئی کہ اس کا جہان پیمانہ اور جس کی عمر ستائیس سال کی تھی وامن فنا میں غائب ہو گیا۔ اکبر کے دل پر اس کے مرنے کا ایسا گمراہ خم آیا کہ کسی مرہم سے اکتیام پذیر نہ ہوا۔ یہ صدمہ ابھی بھولانہ تھا کہ 1011ھ میں اکبر کا تیسرا بیٹا دانیال بھی سر ائے دنیا کو الوداع کہہ کر داغ مفارقت دے گیا۔ اور پھر انہی ایام میں خبر ملی کہ اکبر کا دست راست ابو الفضل بھی رخت زندگی ماندھ کر گھر کی گھر لغتیں ہمراہ لے گیا۔ اسے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) نے قتل کر لیا تھا۔ یہ وہ

صدے تھے جنہوں نے اکبر کو نڈھال کر دیا۔ 80۔ لیکن اس کے دل پر بے حسی کی ایسی موٹی تہیں چڑھی ہوئی تھیں کہ توجہ الی اللہ کی توفیق نہ ہوئی اور وہ بدستور اپنی شہوت پسندیوں کے گرداب میں پڑا رہا۔

عبرت ناک حادثہ مرگ

یقینیات میں سے موت سب سے زیادہ یقینی چیز ہے اسی بنا پر قرآن حکیم میں موت کو یقین کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ پس ہر انسان کا فرض منہی ہے کہ وہ برائیوں اور بے اعتدالیوں سے اپنا دامن چائے اور ایسا سرمایہ جمع کرنے میں کوشاں رہے جو وطن اصلی میں کام آسکے۔

اے کہ دستت می رسد کارے بن
پیش ازالا کر تو نیاید پیچ کار

پس جو لوگ عیش و نعم کی شدت انہماک میں خدا کو بھول بیٹھے ہیں اور دنیا میں خوف کا بیج بوی رہے ہیں وہ کل کو خوف کے پھل سے کانپ اٹھیں گے۔ اکبر کو نعیم دینا نے موت کی طرف سے بالکل اندھا کر رکھا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ موت کا فرشتہ کسی وقت اچانک آنمودار ہو گا اور اس بات کا لحاظ کئے بغیر کہ یہ وقت کسب سے بڑا بادشاہ ہے اس کا نینٹو آدابائے گا۔ عہد اکبری کے تمام مسلمان یا مرتد مورخ بدایونی، ابو الفضل، نظام الدین احمد وغیر ہم اکبر کے ایام واپسوں سے پہلے پہلے ملک بھٹکا سفر اختیار کر چکے تھے۔ اس لیے ان میں سے کوئی بھی اس کے حالات مرگ قلبند نہ کر سکا۔ پس میں اس کے لیے ان پادریوں کے بیانات پر اعتماد کرتا ہوں جو اکبر کی موت کے وقت فتح پور میں موجود تھے اور جن میں ایک تو پانچ سال تک سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ اکبر نے قریباً تیس سال تک ایوان مذہب میں تزلزل ڈالے رکھا۔ اس مدت میں کوئی شخص بالیقین معلوم نہ کر سکا کہ یہ شخص کس مذہب و مسلک کا پیرو ہے۔ تناخ اور بہت سے دوسرے عقائد میں ہنود کا پمنوا تھا۔ اسے آفتاب پرستی سے زیادہ شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی مورخ اسے عام طور پر آفتاب پرست لکھتے ہیں۔ بہر حال 17 اکتوبر 1605ء (1014ھ) کو وہ وقت آن پہنچا جبکہ اس کی اجل گریاں گیر ہو کر کشاں کشاں دارالجزا میں لے گئی۔ محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ اکبر کو دو بیٹوں کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ رات دن اسی غم میں گھلتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کمزور و ناتواں ہوتے ہوتے اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا لیکن پادری ایگزیریور نے جو چٹھی 26 ستمبر 1606ء کو فتح پور سے گوا بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ اکبر کی موت زہر سے ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ اکبر نے غلطی سے وہ جام زہر پی لیا جو اس نے دوسروں کے لیے مہیا کیا تھا۔

اکبر کا خاتمہ کس دین پر ہوا؟

سرٹامس رو نے 1616ء میں اجیر سے اطلاع دی تھی کہ اکبر حالت اسلام میں مرا۔ ان پادریوں نے جو اس وقت فتح پور میں موجود تھے۔ رپورٹ کی تھی کہ مسلمان بوقت نزع اسے کلمہ شہادت پڑھ پڑھ کر سناتے رہے لیکن اس نے کلمہ نہیں پڑھا البتہ ایک آدھ مرتبہ خدا کا لفظ زبان پر لایا۔ ایک روایت ہے کہ بموجب شاہزادہ سلیم (سلطان نور الدین جہانگیر) نے بیان کیا تھا کہ مفتی میراں صدر جہان کی تلقین کے بعد میرے والد نے صاف لفظوں میں زور سے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا۔ اس کے بعد صدر جہاں اس کے نکیہ کے ساتھ لگے ہوئے سورہ یس بار بار پڑھتے رہے۔ ایک فرانسیسی سیاح پتر رڈے لاول نے اکبر کی موت کے چھ سات سال بعد بیان کیا کہ اکبر نے پادریوں سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ بحر طیکہ مجھے تمام عورتیں جن کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی رکھنے کی اجازت دی جائے لیکن ہنوز ایفائے عمد کا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ دنیا سے چل بسا۔ پادری انتھونی بولٹھو جس نے آگرہ اور بجاپور میں کئی سال گزارے تھے۔ 1670ء میں لکھا تھا کہ بجاپور میں ہر شخص اس عقیدہ پر راسخ تھا کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا چنانچہ سلطان عادل شاہ والئی بجاپور نے ایک مرتبہ پادری مذکور سے کہا تھا کہ کیا یہ بیان درست ہے کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا؟ تو پادری نے جواب دیا کہ خدا کرے وہ مسیحیت قبول کر کے مرا ہو لیکن اصل یہ ہے کہ اس نے ہمیں قبول مسیحیت کے وعدوں ہی میں رکھا۔ آخر اس کا خاتمہ دین اسلام پر ہوا لیکن اس کے برخلاف پادری ایگزویئر نے 1615ء میں لکھا تھا کہ اکبر بوقت مرگ نہ تو مسلمان تھا اور نہ عیسائی بلکہ ہندو تھا۔ چنانچہ 1735ء تک جبکہ پادری فخرے ڈو نے اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا اسی روایت نے عالمگیر حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ اکبر مرتے دم تک ہندو رہا اور اس کا خاتمہ بت پرستی پر ہوا۔ 81۔ بہر حال یہ چیز بالکل مشتبہ ہے کہ مرتے وقت وہ کس کا پیرو تھا۔ لیکن خاکسار راتم المحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ یا تو وہ بدستور آفتاب پرست تھا یا ہر مذہب و ملت سے منقطع ہو کر دہریہ قسم کا لا مذہب سارہ گیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال معلوم ہوتا ہے کہ اسے غسل اور کفن بھی نصیب نہیں ہوا بلکہ اس کی لاش محض ایک چادر میں لپیٹ دی گئی۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ نہ تو کوئی مسلمان اسے اپنے مذہب میں داخل کرنے پر آمادہ تھا۔ اور نہ عیسائی یا ہندو ہی اس کی لاش کے دعویدار بنتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی ہندو عیسائی ہی کی طرف سے کوئی مذہبی رسم ادا ہوئی۔ شہزادہ سلیم لور خانہ ان کے بعض افریقہ خود ہی لاش چھپوٹی پڑ ڈال کر لے گئے۔ اور باغ میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا۔ بہت کم لوگوں نے اس کی مشاہدت کی۔ آئیر پر کسی نے ماتم نہ کیا۔ البتہ ایک شاہزادہ نے اسی دن شام تک ماتمی لباس پہنے رکھا۔ 82۔

باب 54- سید محمد نور بخش جو نیپوری

سید محمد نور بخش جو نیپوری لولیاے مغلوب الحال میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے عالم حال و وجد میں دیکھا کہ کوئی شخص خطاب کر رہا ہے۔ انت مہدی یعنی تو مہدی ہے۔ وہ یہ سمجھے کہ میں مہدی موعود ہوں۔ مہدویت کبریٰ کا دعویٰ کر بیٹھے اور یہ کہنا شروع کیا کہ میں وہی ہوں جس کی بشارت جناب مہر صادق علیہ السلام نے احادیث صحیحہ میں دی ہے۔ ایک زمانہ تک اس دعویٰ پر قائم رہے۔ ہزار ہالوگوں نے ان کی متابعت کی۔ آخر حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اثنائے راہ میں ان کو کشف ہوا کہ وہ مہدی موعود نہیں بلکہ بایں مہدی ہیں کہ عبادت الہی کی طرف خلق خدا کی رہنمائی کرنے میں ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کشف کے بعد دعویٰ مہدویت سے تائب ہوئے اور اپنے مریدوں اور ہمراہیوں کو بھی ہدایت کی کہ اس اعتقاد سے توبہ کریں اور کہا کہ سفر حج سے واپس چل کر اعلان عام کر دوں گا کہ میں مہدی موعود نہیں ہوں۔ لیکن اثنائے سفر میں سفر آخرت اختیار کر لیا۔ وہ مرید جو رفتائے سفر تھے جب وطن کو لوٹے تو انہوں نے آکر بتایا کہ سید نور بخش نے سفر واپسی سے پیشتر دعویٰ مہدویت سے رجوع کیا تھا۔ بعض لوگ اس عقیدہ سے تائب ہوئے اور بعض پہلے عقیدہ پر اڑے رہے۔ 83- اول الذکر جماعت کو نور بخشیہ کہتے ہیں۔ مرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ میں پہلے اہل کشمیر تمام حنفی اللذہب تھے لیکن فتح شاہ کے زمانہ میں عراق سے ایک شخص جس کا نام شمس الدین تھا۔ کشمیر آیا اور اپنے آپ کو میر محمد نور بخش کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو مذہب نور بخشیہ کی دعوت دینے لگا۔ یہ مذہب کفر و زندقتہ سے ہمکنار ہے۔ اس کے پیرو و افض کی طرح اصحابہ ثلاثہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دیتے ہیں۔ میر سید محمد نور بخش کو صاحب الزمان اور مہدی موعود یقین کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے تمام عبادات اور

معاملات میں بڑے بڑے تصرفات کئے ہیں حالانکہ میں نے بد خشاں وغیرہ مقامات میں جن نور بخشیدوں کو دیکھا تھا وہ شریعت ظاہری سے آراستہ اور سنن نبویہ سے پیراستہ تھے۔ وہ لوگ جن میں اہل وجماعت سے متفق تھے۔ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ میر سید محمد نور بخش کی اولاد میں سے ایک شخص نے ان کا ایک رسالہ بھی مجھے دکھایا تھا۔ اس میں بعض باتیں خوب لکھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ سلاطین، امراء اور جہاں کا گمان ہے کہ ظاہر سلطنت طہارت و تقویٰ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ محض غلط ہے کیونکہ اعظم انبیاء و رسل ﷺ منصب پیغمبری کے ساتھ برسر حکومت تھے۔ اسی طرح حضرات یوسف، سلیمان، داؤد، علیم، الصلوٰۃ والسلام بھی فرماں روا تھے۔ شمس الدین نے نور بخشی مذہب میں تصرفات کر کے اپنے مذہب کی جو کتاب کشمیر میں رائج کی اس کو احوطہ (یا احوطہ) کہتے تھے۔ میں نے یہ کتاب بغرض تنقید کشمیر سے ہندوستان بھیجی۔ علمائے ہند نے اس کتاب کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ اس کتاب کا مصنف باطل مذہب کا پیرو اور سنت مطہرہ سے دور ہے اسے فرقہ حقہ اہل سنت وجماعت سے کوئی واسطہ نہیں (خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ امت کے اختلاف مٹا دوں) بالکل جھوٹا ہے اس کتاب کا مولف زندقہ کی طرف مائل ہے جن لوگوں کو قدرت ہو ان پر لازم ہے کہ اس کتاب کو تلف کر دیں اور اس کے پیروؤں کو اس مذہب باطل سے ہٹا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب حق کی متابعت پر مائل کریں۔ میرزا حیدر لکھتے ہیں کہ جب یہ فتویٰ میرے پاس کشمیر پہنچا اور میں نے اس کا اعلان کیا تو بہت سے نور بخشی تائب ہو کر حنفی مذہب میں داخل ہو گئے اور بعض تصوف کا لبادہ اوڑھ کر صوفی کہلانے لگے۔ حالانکہ وہ قطعاً صوفی نہیں بلکہ ملحد اور زندیق ہیں جن کا کام لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔

تو سے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ آنگہ ز جہالت بہ بطالت آگاہ

باب 55۔ بایزید ملحد

بایزید کو خورد سالی سے تحقیق کا شوق تھا۔ اکثر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کہ زمین و آسمان تو موجود ہیں مگر ان کا پیدا کرنے والا کہاں ہے۔ ہمدردی اور فہم غلامی اس کا مایہ خیر تھی۔ طفلی میں اگر اپنی زراعت کی نگرانی کے لیے جاتا تو دوسرے کا شکاروں کے کھیت کی بھی خبر گیری کرتا۔ بیوہ اور بوڑھی عورتوں کو سودا سلف لادیتا۔ ان کے گھرے بھر لاتا۔ بیکس و درماندہ لوگوں کو کھانا پکا دیتا۔ اگر محتاج ہوتے تو آنا بھی اپنے گھر سے پہنچا دیتا۔ ادنیٰ اعلیٰ سب کا خدمتگار تھا۔ کبھی کسی کا سوال روند نہ کیا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جس شخص کی ذات سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچتا اس میں نور کتے ملیں کیا فرق ہے؟ یہ شخص اوائل سے متعبد و پرہیزگار تھا۔ ہر وقت یاد الہی میں مصروف رہتا تھا۔ ان دنوں میں اس کے اقرباء میں سے خواجہ اسمعیل نام ایک صوفی جالندھر میں مندر ارشاو پر

حتمکن قلم بہت لوگوں نے اس کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل کیا۔ بایزید نے بھی اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہونے کا قصد کیا مگر کہ اس کا باپ عبد اللہ مانع ہوا اور کہنے لگا۔ ”میرے لیے یہ قصد ہرے کہ تم اپنے ہی خویشوں میں سے ایک فرد یا یہ شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بہتر ہے کہ ملتان جا کر شیخ عبد اللہ بن زکریا متنی کی لولاد میں سے کسی کو اپنا ہابی بناؤ۔ بایزید کہنے لگے کہ شیخ اور بزرگ کوئی صورت ہی ہے۔“ غرض کہیں بھی مرید نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے اس پر پنجہ انمولہ مور تھام کے دوسرے دوکاندروں کی طرح اس کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا۔ اس کے عرفی نام ”دوستن مذہب“ میں درج ہیں جو صاحب ان کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع فرماتے۔

لمحہ کی صحبت کا اثر لوریچے پر باپ کا قاتلانہ حملہ

جب بڑا ہوا تو وطن مالوف کو الوداع کہہ کر ماں کے ساتھ اپنے والد کے پاس کالی کرم واقع وہ بڑے روہ کو چلا گیا۔ وہاں کوئی تجارت شروع کی۔ جب کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لیے سفر قند گیا اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر ہندوستان لایا۔ کالجری پہنچ کر ملا سلیمان کالجری نام ایک لمحہ کی صحبت میں رہا۔ لمحہ مذکور ستاخ کا قائل تھا۔ بایزید اس کے اثر صحبت سے تاسخی العقیدہ ہو کر نعمت ایمان سے محروم ہو گیا۔ جب کالجری سے لوٹ کر کالی کرم پہنچا تو اپنے عقیدہ ستاخ کی نشرو توزیع شروع کر دی۔ عبد اللہ کو جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا بیچنے کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی۔ یہاں تک کہ غیرت دینی سے مجبور ہو کر بیچنے پر چھری سے حملہ کر دیا اور اسے بری طرح مجروح کیا۔ بایزید کالی کرم سے ننگر ہار کو چلا گیا اور وہاں سلطان احمد کے مکان پر رہنے لگا۔ جب علماء کو اس کی بد مذہبی کا حال معلوم ہوا تو مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اس کی طرف سے سخت بدگمان کر دیا اس لیے تمام لوگ اس سے دور دور بھاگنے لگے۔ غرض اس جگہ اس کا کسی پر جادو نہ چل سکا۔ یہاں سے بے نیل مرام پشاور کی طرف گیا اور غوریا خیل پٹھانوں میں جا کر رہنے لگا۔ چونکہ اس علاقہ میں علماء عنقا کا حکم رکھتے تھے۔ مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہاں تک کہ اس سر زمین میں بلا شرکت غیرے پیروی و پیشوائی کا تاج و تخت حاصل کر لیا اور قریب قریب ساری قوم خیل اس کی مطیع ہو گئی۔ پھر ہشت نگر میں گیا یہاں بھی اس کی مشخت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مگر علماء مباحثہ کرنے کے لیے امنڈ آئے۔ اخوند درویشہ سے اس کا مناظرہ ہوا۔ بایزید مغلوب ہو گیا۔ مگر اس کے مرید ایسے خوش اعتقاد اور طاقتور تھے کہ اخوند درویشہ کی تمام ترکوششیں رائیگس گئیں۔ جب بایزید کی مذہبی غارتگری کا حال محسن خاں نے سنا جو ان دنوں اکبر بادشاہ کی طرف سے کابل کا گورنر تھا تو وہ بہ نفس نفیس ہشت نگر آیا اور اسے گرفتار کر کے کابل لے گیا۔ مدت تک

وہاں زندانِ بلا کی مشقتیں ستا رہا۔ آخر رہا ہو کر ہشت نگر واپس آیا۔ اور اپنے تمام مریدوں کو جمع کر کے طوطی کے پہاڑوں میں گھس گیا۔ کچھ مدت تک مورچہ بندیوں میں مشغول رہا۔ وہاں سے تیراہ کی سیاحت کو آیا۔ اور وعظ و تذکیر کے فسوں پھونک کر آفریدی اور کزئی پٹھانوں کو بھی اپنے دام مریدی میں پھانس لیا۔ اہل سرحد کے دلوں میں اس کی عقیدت کی گرمی اس طرح دوڑنے لگی جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

ایک عالم سے مذہبی چھیٹر چھاڑ

جس طرح ابلیس ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کو اپنی نورانی شکل دکھایا کرتا تھا اور یہ بچارے اس کو اپنا معبود برحق یقین کیا کرتے تھے اسی طرح بائزید بھی ابلیس کے رخ انور کے شرف دیدار سے مشرف ہو کر اس کو (معاذ اللہ) خدائے برتر سمجھ بیٹھا تھا۔ چنانچہ اسی اذعان و یقین کی بنا پر لوگوں سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ تم لوگ کلمہ شہادت کس طرح پڑھتے ہو؟ وہ کہتے۔ ایشہد ان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا پرستش کے لائق کوئی نہیں) بائزید کہتا کہ جس کسی نے خدا کو دیکھا اور پہچانا نہیں وہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو نہیں دیکھا وہ اس کو پہچانتا بھی نہیں۔ مولانا زکریا نام ایک سرحدی عالم نے بائزید سے کہا کہ تمہیں کشف القلوب کا دعویٰ ہے مگر اس وقت میرے دل میں کیا ہے؟ بائزید نے طحہ اندہ عیاری سے کام لے کر جواب دیا کہ میں تو قیامت کا کشف قلوب اور لوگوں کے خواطر و تخیلات سے آگاہ ہوں لیکن تمہارے اندر تو دل ہی نہیں ہے اگر تمہارے اندر دل موجود ہوتا تو میں ضرور اس کی اطلاع دیتا۔ مولانا زکریا نے کہا اچھا اس کا فیصلہ آسان ہے یہ قوم کے لوگ سن رہے ہیں۔ تم مجھے قتل کرو۔ اگر میرے سینہ میں سے دل برآمد ہوا تو پھر لوگ تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے۔ بائزید کہنے لگے کہ یہ دل جس کو تم دل سمجھ رہے ہو یہ تو گائے بھری اور کتے تک میں موجود ہے۔ دل سے مراد گوشت کا ٹکڑا نہیں۔ دل اور ہی چیز ہے چنانچہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا۔ قلب المؤمن اکبر من العرش و اوسع من الكرسي (مومن کا دل عرش سے زیادہ بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے) مگر بائزید کا یہ بیان بالکل لغو ہے دل وہی گوشت کا لو تھڑا ہے جو صوفیائے عظام کی اصطلاح میں ”لطفہ قلب“ کہلاتا ہے اور حدیث صحیح میں پیغمبر خدا (ﷺ) نے ارشاد فرمایا۔ کہ جسم میں گوشت کا ایک لو تھڑا ہے جب اس کی اصلاح ہو جائے تو سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جب اس میں فساد رونما ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ معلوم ہو کہ یہ دل ہے۔ حضرات صوفیہ طرح طرح کے اذکار و اشغال قلب کی اصلاح میں کوشاں رہتے ہیں جب یہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو اس پر تجلیات الہیہ کا ورود ہوتا ہے اور نورِ آلی کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔

اسی دل کی آنکھوں سے اہل اللہ خدا نے بچوں کو بے کیف دیکھتے ہیں۔ اسی دل پر خواب و خیالات اس طرح موجزن رہتے ہیں جس طرح سطح آب پر لہریں اٹھتی ہیں۔ چونکہ بائزید کو کشف قلوب کا دعویٰ تھا اس لیے مولانا زکریا اس سے اپنے دل کا ازدریافت کرنے میں حق جانب تھے لیکن بائزید نے جیسا کہ دجالوں کا عام شعار ہے اس سوال کو باتوں ہی میں ازادیا۔ مومن کے دل کے عرش سے زیادہ بڑے اور کرسی سے زیادہ وسیع ہونے کا مقولہ جو بائزید نے رسول خیر البشر ﷺ کی طرف منسوب کیا تو یہ محض افتراء ہے۔ یہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا توارشاد گرامی نہیں۔ عین ممکن ہے کہ کسی صوفی کا قول ہو۔ اس کے بعد مولانا زکریا نے کہا کہ تمہیں کشف قبور کا دعویٰ ہے۔ ہم تمہارے ساتھ گورستان چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کوئی مردہ تم سے مکلام ہوتا ہے یا نہیں؟ بائزید کہنے لگا کہ مردہ تو یقیناً مجھ سے مکلام ہو گا اور میں اس کی باتیں سنوں گا لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کچھ نہ سنو گے۔ اگر تم مردے کی توازن سکتے تو میں تمہیں گہر کیوں کہتا۔ اس جواب پر لوگ کہنے لگے کہ پھر لوگ کس طرح یقین کریں کہ تم حق پرست ہو؟ بائزید بولا کہ تم میں سے ایک شخص جو زیادہ بہتر اور فاضل ہو وہ میرے پاس رہے اور میرے آئین کے موافق عبادت و ریاضت جلائے اگر اسے کچھ نفع ہو تو میرا مرید ہو جائے۔ ہمارے مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اسی قسم کی ایک مضحکہ خیز شرط پیش کی تھی کہ جو کوئی میرا معجزہ دیکھنا چاہے وہ قادیاں آئے اور نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ ایک سال تک قادیان رہے۔ اس کے بعد اپنا معجزہ دکھا دوں گا۔ ملک مرزا نام ایک شخص بائزید سے کہنے لگا کہ اے بائزید! لغویانی سے باز آؤ۔ اور مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔ جو کوئی چاہے تمہاری پیروی اختیار کرے اور جو پسند نہ کرے وہ اپنی راہ پر گامزن رہے۔ بائزید بولا کہ کسی مکان میں جانے کا ایک ہی راستہ ہو بہت سے آدمی اس میں سو رہے ہوں اور اس گھر کو آگ لگ جائے اچانک ان میں سے ایک آدمی کی آنکھ کھل جائے کیا وہ دوسروں کو بیدار کرے یا نہیں؟ لیکن یہ تمثیل صحیح نہیں تھی۔ مسلمان خواب سے بیدار تھے ان کو خواب گمراہی کا یہ مست بھلا کیا ٹکریدار کر سکتا تھا۔ ع آئینس کہ خود گم است کر رہی کن؟ اس نے کہا۔ ”اے بائزید! اگر حق تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تو بلا تامل کہو کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں اور میں مہدی ہوں۔ لیکن مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔“

اکبر بادشاہ کا حریف مقابل

سرحدی عقیدت مندوں سے قوی پشت ہو کر بائزید نے سرحد میں اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جمائے یہاں تک کہ اکبر شاہ کی اطاعت سے باہر ہو کر اس کا حریف مقابل بن گیا۔ اور کھلم کھلا علم ستیزہ کاری بلند کرتا ہوا بائزید اپنی تقریروں میں کہتا تھا کہ مغل ظالم اور جفا پیشہ

ہیں۔ انہوں نے افغانوں پر حد سے زیادہ ظلم توڑے۔ ان سب سے قطع نظر اکبر بادشاہ سخت بے دین ہے۔ اس لیے اس کی اطاعت ہر کلمہ گو پر حرام ہے۔ ان کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ آتش بھجان مشتعل ہوئی اور اکثر سرحدی قبائل اکبر سے منحرف ہو گئے۔ جب بایزید کی چیرہ دستیوں سے زیادہ بڑھ گئیں تو اکبر کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے ایک لشکر جرار اس کی سرکوفی کے لیے روانہ کیا۔ لیکن شاہی لشکر خود ہی سرکوب ہو کر بھاگ آیا۔ اس فتح سے بایزید کے حوصلے اور زیادہ بڑھے۔ افغانوں کی نظر میں شاہی فوج کی کچھ حقیقت نہ رہی اور سرحدی علاقوں میں اکبری حکومت کے خلاف ایسے ایسے مفاسد پیدا ہوئے جو شب سیاہ سے بھی زیادہ تاریک تھے۔ اکبریہ دیکھ کر گھبرا گیا لیکن وہ بھی مساط تدبیر کا پکا شاطر تھا۔ اس نے اہل تیراہ کو زرو مال کے اسلحہ سے رام کر کے اپنے ڈھب پر لگا لیا۔ اب تیراہی ظاہر میں تو بایزید کا کلمہ پڑھتے تھے مگر باطن سلطنت مغلیہ کے ہوا خواہ تھے۔ جب بایزید کو تیراہیوں کے مکرو نفاق کا علم ہوا تو اس نے بہتوں کو خون ہلاک سے گلگلوں کیا اور بعض کو ملک بدر کیا۔ انجام کار اس کے پیرو تیراہ پر پوری طرح مسلط ہو گئے۔ اب اس نے ننگر ہار پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور جن بستٹیوں نے اس کے حکم سے ذرا بھی سرتاہلی کی انہیں لوٹ کر برباد کر دیا گیا یہاں تک کہ سرحد میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہی مگر اس کی ان سفائیوں کی وجہ سے فضائے ملک مکدر ہونے لگی اور بعض قبائل بایزید کی اطاعت سے منحرف ہو گئے مگر چونکہ اس کی شان و شوکت اور وسعت اقتدار غایت درجہ پر پہنچ چکی تھی اس لیے کوئی مخالفت بہار آور نہ ہوئی۔ بایزید کا علم یکتائی دن بدن بلند ہوتے دیکھ کر اکبر بادشاہ ہر وقت انتقام کے لیے دانت پیس رہا تھا۔ آخر بایزید کے اسیتصال کا عزم مصمم کر کے ایک اور فوج گراں روانہ کی اور صوبہ دار کابل کو بھی کابل کی طرف سے یورش کرنے کا حکم دیا۔ محسن خاں اور صوبہ دار کابل جلال آباد سے تیار ہو کر بایزید پر چڑھ آیا۔ اور ادھر سے افواج شاہی نے اس پر یورش کر دی۔ غرض ہنگامہ کار زار گرم ہوا۔ اور ہر طرف کشتوں کے پٹھے لگ گئے۔ ہر چند کہ افغانستان کے مختلف حصوں سے سر بھت جانناز بایزید کی تائید میں اڈے چلے آ رہے تھے لیکن چونکہ بایزید کا ستارہ روز و زوال ہو گیا تھا۔ دو طرفہ فوجوں کے مقابلہ سے عمدہ ہر آنہ ہوسکا اور شکست فاش کھائی۔ اگر بعض اتفاقی امور نے مساعدت نہ کی ہوتی تو اس بایزید کا خاتمہ ہی تھا۔ اس کے اکثر پیرو مارے گئے۔ اور بعض دشوار گزار پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ خود بایزید نے ہشت نگر کی طرف بھاگ کر جان بچائی۔ اب بایزید از سر نو فراہمی لشکر میں مشغول ہوا مگر عمر نے وفانہ کی اور موت کے فرشتے نے پیام اجل آسنا یا۔ افغانستان کے سلسلہ کوہ میں بھتہ پور کی پہاڑی پر اس کی قبر ہے۔

بایزید کی اولاد، جلالہ کی اکبر کی شاہی افواج سے معرکہ آریاں

بایزید اپنے بعد پانچ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرا۔ بیٹوں کا نام شیخ عمر، کمال الدین،

خیر الدین، جلال الدین اور نور الدین تھا۔ اور بیٹی کو کمال خاتون کہتے تھے۔ بایزید کے بعد شیخ عمر باپ کا جانشین ہوا۔ پیر روشن کے تمام اصحاب اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ چونکہ یوسف زئیوں کے پیشوا اخوند دردیزہ تھے اس لیے ان کی اور شیخ عمر کی کچھ زمانہ سے چشمک تھی۔ یوسف زئیوں نے جمع ہو کر دریائے سندھ کے کنارے شیخ عزیز پر حملہ کیا۔ اس معرکہ میں شیخ عمر اور اس کے کئی ایک مخلص احباب کار آئے۔ جلال الدین قید ہوا۔ خیر الدین میدان کارزار میں مردہ پایا گیا اور بایزید کا سب سے چھوٹا بیٹا نور الدین ہشت نگر کو بھاگ گیا۔ مگر وہاں کے گوجروں نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اکبر بادشاہ نے جلال الدین اور اس کے تمام متعلقین کو یوسف زئیوں سے لے کر رہا کر دیا۔ جلال الدین وہاں سے فتح پور گیا۔ اور اکبر سے ملاقات کی۔ اکبر اسے جلالہ کہا کرتا تھا۔ جلالہ فتح پور سے واپس آ کر تیراہ کے پہاڑوں میں رہزنی کرنے لگے اور کابل کا راستہ قطعاً مسدود کر دیا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے 994ھ میں اپنے مشہور سپہ سالار راجہ مان سنگھ کو جو اس کی ایک ہندو بیوی کا بھتیجا تھا چند دوسرے فوجی افسروں کی رفاقت میں جلالہ سے لڑنے کو بھیجا۔ جلالہ کئی سال تک ہر سر مقابلہ رہا۔ ان محاربات کی تفصیل اکبر نامہ اور منتخب التواریخ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ کچھ زمانہ کے بعد جلالہ کا بھائی کمال الدین پکڑا گیا۔ اکبر نے تادم واپس اس کو قید رکھا۔ جلالہ علاقہ غزنی میں قوم ہزارہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کا سر اکبر کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد بایزید کا پوتا احمد ابن عمر خلیفہ بنایا گیا۔ اعداد 1035ھ میں سلطان نور الدین جہانگیر کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مرید کہتے تھے کہ قرآن کی سورہ قتل ہو اللہ احد احد کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ہزار ہا افغان اس کے پیرو تھے۔ پھر احمد کا بیٹا عبداللہ باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن یہ ترک مخالفت کر کے سلطان شہاب الدین شاہ جہان کے دربار میں حاضر ہوا اور امراء شاہ جہانی میں داخل ہو گیا۔ جلالہ کا ایک بیٹا الہداد شاہ جہان بادشاہ کی طرف سے رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری سے سرفراز ہوا تھا۔ 84۔



باب 56۔ احمد بن عبد اللہ سلجماسی

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ عباسی سلجماسی مغربی معروف ہے ابن ابی محلی مولف کتاب ”عذر الوس و ہوج الرسائل“ ممدویت کا مدعی تھا۔ 967ھ میں بمقام سلجماسہ جو ملک مغرب میں ہے پیدا ہوا۔ عنفوان شباب میں فاس گیا اور ابو القاسم بن قاسم بن قاضی اور ابو العباس احمد قدوسی اور سید محمد بن عبد اللہ تلمسانی، ابو مجیر، ابو محمد، شقرون تلمسانی اور دوسرے علما سے اکتساب علوم کرتا رہا۔ وہاں سے مشرق کا سفر کیا۔ حج کر کے مصر گیا اور سنہوری لقانی، طنائی، طہ بخیری اور دوسرے علمائے مصر سے علمی فیوض حاصل کئے۔ اس کے بعد اس نے حضرت ممدی منتظر علیہ السلام کے ظہور کے متعلق ایک کتاب لکھی جس میں ان کے اوصاف اور علامات درج کئے۔ گو اس میں ضعیف روایتوں کی بھرمار تھی تاہم کتاب من حیث المجموع مفید ثابت ہوئی۔ یہ تالیف گویا دعوائے ممدویت

کی تمہید تھی۔ آخر 1031ھ میں دعوائے ممدویت کر دیا۔ ہزار ہالوگوں نے اس کی متابعت کی۔ اس شخص کی عادت تھی کہ روسائے قباک و عمائد بلاد کی طرف خطوط بھیج بھیج کر ان کو نیکیوں اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا اور خط کے اخیر میں یہ لکھ دیتا کہ میں وہی ممدی منتظر ہوں جس کے ظہور کی نصرت منجر صادق علیہ السلام نے پیشین گوئی کی تھی جو شخص میری متابعت کرے گا وہ مفلح و کامگار ہوگا۔ اور جو کوئی خلف کرے گا وہ قعر ہلاک میں جا پڑے گا۔ یہ شخص اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کرتا تھا کہ تم لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے افضل ہو کیونکہ تم ایک باطل زمانہ میں نصرت حق کے لیے کھڑے ہوئے ہو اور صحابہ کرامؓ ز من حق میں کھڑے ہوئے تھے۔ جب اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے امر معروف اور نہی اور منکر کا وعظ شروع کیا۔ اسی کے ساتھ مریدوں کو ملک گیری کی ترغیب دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جو اس کی پیروی سے احتراز کرتے تھے۔ بہتوں کو لوٹا اور اکثر کو جلا وطن کر دیا۔ جب کوئی کہتا کہ حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں تو کہتا کہ میرا غیظ و غضب محض اللہ کے لیے ہے۔

ان ایام میں مراکش کی سر زمین سلطان زیدان کے زیر نگیں تھی۔ جب زیدان کے عامل حاج میر نے اس کی روز افزوں چیرہ دستیوں دیکھیں تو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے نکلا۔ انن اہلی محلی اس کے مقابلہ میں صرف چار سو مریدوں کو لے کر آیا۔ لڑائی ہوئی جس میں حاج میر کو ہزیمت ہوئی۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ انن اہلی محلی کے پیروؤں پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ غرض دلوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اس فتح کے بعد اس نے بلا مزاحمت سلیمانیا پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ہر طرح سے عدل و انصاف کا مشہورہ اختیار کیا۔ اور مظلوموں کی داد رسی کی نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا اس کو بہت چاہنے لگی۔ لور اہل تھمان لور راشد یہ کے وفد اس کو مبارکباد دینے آئے۔ ان وفد میں فقیہ علامہ ابو عثمان سعید جزائری معروف بہ قدورہ شارح مسلم بھی تھے۔ جب سلطان زیدان کو اس ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن منصور مروف بہ زبہ کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ درعہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی ٹڈ بھید ہوئی۔ عبداللہ بن منصور کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کے تین جز ل آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے بعد اہلی محلی کی شوکت ثریا سے باتیں کرنے لگی۔ جب سلطان زیدان کے سپہ سالار یونس ایسی کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ سلطان سے منقطع ہو کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ انن اہلی محلی کے پاس چلا آیا اور اس کو سلطان کے اسرار و خفایا سے مطلع کر کے کہا کہ تم زیدان پر چڑھائی کر دو اس کا مغلوب کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ انن اب محلی لاؤ لشکر لے کر مراکش پر چڑھ گیا۔ سلطان زیدان ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ پر آیا۔ پرنگالی نصاریٰ نے۔ سلطان زیدان کی کمک پر بلا طلب ایک دستہ فوج روانہ کیا سلطان کو اس بات پر غیرت آئی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے مدد لے۔ سلطان حسن سلوک سے پیش آیا اور پرنگالی قیدیوں کو رہا کر کے ان کو دستہ فوج کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اب لڑائی شروع ہوئی۔ انن اہلی محلی نے اس کو شکست دی اور شہر مراکش میں داخل ہو کر وہاں قابض و متصرف ہو گیا۔ زیدان جان بچا کر رابعہ کو کی طرف بھاگ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان زیدان ایک مشہور عالم فقیہ ابو زکریا یحییٰ بن عبداللہ داودی کے پاس گیا جو کہ عدن میں اپنے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے۔ فقیہ یحییٰ کے پیروؤں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ زیدان نے جا کر کہا کہ آپ لوگ میری بیعت میں ہیں۔ اب میں آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دشمن نے مجھے ملک سے بے دخل کر دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ فقیہ ابو زکریا یحییٰ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور ہر طرف سے فوجیں جمع کرنے لگے۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو 8 رمضان 1022ھ کو مراکش کی طرف کوچ کر دیا۔ علامہ ابو زکریا یحییٰ نے موضع جبلیہ مضائقہ مراکش کے یانس پہنچ کر کوہ مطل پر قیام کیا اور حرب و ضرب

کی تیاریاں شروع کیں دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی۔ فقیہ کا لشکر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا سے فنا کر دیا۔ غرض نسیم فتح فقیہ کے راہت اقبال پر چلنے لگی۔ ابن ابی محلی کو ہزیمت ہوئی اور وہ میدان جانتاں کی نذر ہوا۔ فقیہ ابو زکریا نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکا دیں۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح اس کی فوج کے سر بھی کاٹ کاٹ کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دیئے گئے اس کے بعد فقیہ صاحب مراکش کی مملکت سلطان زیدان کے سپرد کر کے واپس چلے آئے۔ ابن ابی محلی اور اس کے ساتھیوں کے سر بارہ برس تک مراکش کے دروازوں پر لٹکے رہے۔ ابن ابی محلی کے پیر دکتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ کچھ عرصہ کے لیے نظروں سے غائب ہوئے ہیں۔

شیخ یوسی کامیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی اپنے استاد مبارک کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں اچانک یہ کہنا شروع کیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ استاد نے کہا احمد! مانا کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے مگر یاد رکھو کہ اوج و رفعت کے بعد نہ تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکو گے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی صوفیوں کی ایک خانقاہ میں گیا اور کہنا شروع کیا کہ میں سلطان ہوں۔ میں سلطان ہوں۔ ایک صاحب وجد و حال صوفی اس کے جواب میں کہنے لگا۔ تین سال تین سال، چوتھا نہیں۔ چنانچہ وہ تین ہی سال تک برسر حکومت رہا اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ مکہ معظمہ میں بیعت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو لوگوں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا آلی! تو نے کہا ہے اور تیرا قول حق ہے۔ (اور ہم ان ایام کو لوگوں میں بدلتے ہیں) جب یہ حالت ہے تو بار خدا یا! تو مجھے لوگوں میں دولت و حکومت دے۔ ابن ابی محلی نے بارگاہ خداوندی سے زوال

پذیر حکومت تو مانگی لیکن حسن عاقبت کا سوال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسے دولت سے تو چند روزہ سرفرازی بخشی لیکن حسن خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ ابن ابی محلی صاحب تصانیف تھا اس کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ منہیق الصویری الرد علی اہل الجور، وضاح، قسطاس، اصلیت، ہووج، ابو عمرو قسطلی کے رسالہ کارذو غیر ذالک۔ 85۔

باب 57۔ احمد بن علی محیرثی

یمن کے علاقہ میں ایک قصبہ محیرث ہے وہاں کارہنے والا تھا۔ ممدویت کا مدعی تھا۔ انتہا درجہ کا ذکی و ذری علم تھا۔ پہلے زیدی تھا پھر حنفی ہو گیا۔ صنعاء (یمن) میں عرصہ تک حنفی مذہب کا قاضی رہا ہے لیکن آخر عمر میں راہ صدق و صواب سے ہٹ کر ممدی منتظر بن بیٹھا۔ بعض شافیہ سے مقول ہے کہ احمد بن علی کی غیر معمولی ذکاوت ہی نے اس کی عقل ماردی۔ اور جودت طبع ہی اس کے لیے وہاں جان بن گئی۔ اے روشنی طبع تویر من بلا شدی چنانچہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں ہی وہ ممدی ہوں جس کے ظہور کی پیغمبر خدا ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اپنے ایک قصیدہ میں جو سید احمد بن امام قاسم اور اپنے برادر زادہ حسین کے نام مرقوم تھا لکھتا ہے۔

من الامام المہدی امار لمرتضیٰ للرشد

الی الملک احمد ثم الحسین الارشد

اور کبھی ممدویت کا دعویٰ چھوڑ کر وہ داہ بن بیٹھتا تھا جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے۔
(ترجمہ) جب لوگوں پر (قیامت کا) وعدہ (یعنی زمانہ) قریب آچے گا تو ہم ان کے لیے ایک (عجیب و غریب) جانور برآمد کریں گے جو ان سے ہمکلام ہوگا۔ اور کہے گا کہ (کافر) لوگ حق تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ (82:27)

یہ شخص شعر و سخن میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

قاضی الجمال اتی یجرد ذیولہ

کانعصن حرکتہ النسیم الساری

لبس السواد فعاد بدر فی الدجی

لبس البیاض فکان شمس النهار

آخر عمر میں مکہ معظمہ چلا گیا اور وہیں 1050ھ میں موت کے دامن میں منہ چھپا لیا۔ 86۔

باب 58۔ محمد مہدی از مکی

برزنجی "اشاعہ لاشراط الساعہ" میں لکھتے ہیں کہ جب میں صغیر سن میں تھا تو کوہ شہر زور کے ایک گاؤں میں جس کا امام از مک ہے۔ ایک شخص محمد نام ظاہر ہوا جو مہدویت کا مدعی تھا۔ بے شمار مخلوق اس کی پیرو ہو گئی۔ جب یہاں کے امیر احمد خاں کرد کو اس کے دعویٰ و باطل کی اطلاع ہوئی تو فوج لے کر چڑھ آیا۔ خانہ ساز مہدی خود تو بھاگ گیا لیکن اس کا بھائی گرفتار کر لیا گیا۔ احمد خاں کی فوج نے موضع از مک کو دیران کر کے اس کے بہت سے پیروؤں کو سخت بد حالی کے ساتھ ملک عدم میں بھیج دیا۔ غرض وہ سخت ذلیل و رسوا ہوا اور اس کی جمعیت پر آگندہ ہو گئی۔ دعوائے مہدویت کے علاوہ اس کے مقالات میں سخت اللہ و زندہ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے علمائے اکرام اس کے کفر پر متفق ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد احمد خاں کی فوج نے مہدی از مکی پر قابو پا لیا۔ جب وہ گرفتار کر کے احمد خاں

کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے علمائے استصواب کی۔ علماء نے بتایا کہ تجہید ایمان کرے اور بیوی کو از سر نو عقد نکاح میں لائے۔ چنانچہ اس نے سب کے سامنے اپنے عقائد کفریہ سے توبہ کی۔ اور نکاح دوبارہ پڑھوایا۔ لیکن اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں نے اپنے دل سے رجوع نہیں کیا ہے۔ اوائل میں تو اس کا بھائی جو قید ہوا تھا اس سے بہت کچھ حسن عقیدت رکھتا تھا لیکن جب وہ فوج کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس کی بدولت اس کے پیرو لوہو بستی والے ذلیل ہوئے تو بھائی اس سے بد اعتقاد ہو گیا۔ اس کے بعد نہ صرف اس کی صداقت کا منکر تھا بلکہ اسے اس دعوائے مہدویت اور اللہ پسندی پر سخت ملامت کیا کرتا تھا۔ برزنجی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ 1070ھ سے پیشتر میں اسے دیکھنے گیا تھا۔ میں نے اسے بوا عبد، کثیر الاجتہاد، پرہیزگار اکل حلال کا پابند، حرام و مشتبہ چیزوں سے متنفر اور خلوت گزین پایا۔

باب 59۔ سہاتائی سیوی

897ھ میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی ملک سپانیہ (اسپین) سے خارج کئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں سلطنت آل عثمان کا اوج و عروج شباب پر تھا۔ یہود نے اسپین کو الوداع کہہ کر ترکی قلمرو کا رخ کیا اور دولت عثمانیہ کے ظل حمایت میں آکر شہر سلونیکا کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ آج تک ان یہود کی مادری زبان اسپینی زبان ہے۔ انہی یہودیوں میں سہاتائی سیوی یا سہاتائی زمبی نام ایک یہودی تھا جو سمرنا میں پیدا ہوا اور 1868ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ سہاتائی کا باپ سمرنا میں ایک انگریز تاجر کے کارخانہ کی دلالی کرتا تھا۔ مگر سہاتائی کو ایام طفلی سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ اس لیے سلونیکا کے ایک یہودی مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ یہاں اس نے توراہ اور تالمود کے تمام حصے پڑھے اور ہنوز پندرہ ہی سال کی عمر تھی کہ تحصیل علم سے فارغ ہو گیا۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

اب اس نے حصول شہرت کے لیے تذکیر و موعظت کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اچھی طرح شہرت ہو گئی تو چوبیس برس کی عمر میں یکایک مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور کہنے لگا کہ میں اسرائیلیوں کو اہل اسلام اور نصاریٰ کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ ہزار ہا مخلوق اسے مسجا اور مظہر شان ایزدی تسلیم کرنے لگی لیکن چونکہ اس دعویٰ کے ساتھ ہی سہاتائی یوا کے نام کا کلمہ غلامیہ برسر مجمع عام زبان پر لایا اور یہود میں اللہ رب العزت کا وہ جلالی نام ہے جسے صرف یہود کا پیشوائے اعظم خاص مقام اقدس میں عید فصیح کے موقع پر سال میں صرف ایک مرتبہ ورد زبان کر سکتا تھا اس لیے یہودی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ جب یہ خبر بیبیوں کے دوائر القضاء میں جو پیشید پن کہلاتا ہے پہنچی تو اس کے چند ارکان نے دوائر القضاء کی جانب سے آکر سہاتائی کو ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ اگر یہ گناہ تم سے پھر کبھی سرزد ہوا تو تم جماعت سے خارج کر دیے جاؤ گے اور جو شخص

تمہیں قتل کرے گا وہ غنوا اور اجر جزیل کا مستحق ہوگا۔ سہتائی بھلا ایسی دھمکیوں میں کب آنے والا تھا۔ کہنے لگا مجھے خدائے اسرار اہل نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے خاص طور پر اپنا جلالی نام درد زبان کرنے کا مجاز کیا ہے۔ ربیبوں نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو اسے اپنی جماعت سے خارج کر کے اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ اس دن سے سہتائی کے پیرو دون مہ (یعنی خارجی یا رافضی) کے مکروہ لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ مگر دومہ خود اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ اس تسمیہ کی شاید وجہ یہ ہو کہ دومہ بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں اور انہوں نے بہت سے اسلامی عقائد و اصول کو اپنے معتقدات میں داخل کر رکھا ہے۔ جب سہتائیوں پر کفر کے فتوؤں کی بھرمار ہوئی اور ہر راسخ العقیدہ یہودی اس کے خون کا پیاسا نظر آیا تو سمرنا کو خیر باد کہہ کر یورپ کا رخ کیا۔ پہلے یورپی ترکی کے شہر سلونیکا میں پہنچا جہاں یہودی کی بہت زیادہ آبادی ہے۔ یہاں اس نے کسی قدر کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ سہتائی کے مسلک میں اس اصول پر بہت زور دیا گیا تھا کہ جو مرد اپنی بیوی سے ناخوش ہو یا اس کی ہم نشینی مرغوب خاطر نہ ہو۔ وہ اسے چھوڑ کر دوسری شادی کر لے تاکہ یہ خدائی اصول پورا ہو کہ شادی کی زندگی خوشگوار اور پرسرور ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی اصول کے ماتحت متعدد گھر گرجا لعلبن زمانہ خود اس کی آغوش عشق کی باجھد از میں۔ اس کے حلقہ ارادت میں عیش و نشاط کی کھیتیاں ہر طرف لہلہاتی دکھائی دیتی تھیں۔ مریدین اپنی پرانی جوڑوں کو طلاق دیتے اور نئے نئے درہائے ہاسفہ سے لذت اندوز ہونے کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ خود سہتائی بھی نئی نئی دلہنیں بہم پہنچاتا اور پرانی عورتوں کو چھوڑتا جاتا تھا۔ جب اس گروہ میں عیش و عشرت کی گرم بازاری ہوئی اور مطلقہ عورتوں کے جھگڑے عدالتوں میں جانے تو اس

وقت اس مذہب کی حقیقت عیاں ہوئی۔ ترکی حکام نے اس قسم کی طلاقوں پر سخت گیری شروع کی اور بہت سے طرزموں کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ سہتائی سلونیکا سے یونان گیا۔ وہاں سے اٹلی کی راہ لی اور شہر لیگ ہورن میں ایک اور یہودیہ سے نکاح کیا۔ اس کے بعد اپنے خیالات کی تبلیغ و تلقین کرتا اور طرابلس الغرب اور شام ہوتا ہوا بیت المقدس میں آیا۔

اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کے وعدے

چھ روز بعد تاہن نام ایک یہودی سے ملاقات ہوئی جسے ہم مذاق پاکر اسے اپنے راز میں شریک کر لیا اور اب یہ دونوں اپنی حصہ کو ششوں سے ہمہ تن ایک نیا مذہب قائم کرنے میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ تاہن نے جس میں سہائاتی ہی کی سی جودت طبع و دینیت تھی مسیح کا پیش رو بننے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ اور اس سے جدا ہو کر ہر طرف منادی کرنے لگا کہ مسیح موعود کے ظہور کا وقت آن پہنچا ہے اور وہ دو لہا تم ہی میں موجود ہے۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا۔ ”سنو اب تم لوگ شریعت کے ناگوار احکام سے آزاد ہو جاؤ گے۔ نہایت اطمینان اور گرمجوشی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا استقبال کرو۔ ان ایام میں عامہ یہود کے دل ایک اخلاقی و مذہبی انقلاب کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اور ان میں 1866ء کے سال میں اہم اور عظیم الشان واقعات رونما ہونے کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں چلی آتی تھیں اس لیے بہت سے یہودی جملا اس کے پیرو ہو گئے۔ دوسری طرف خود سہائاتی کو جو شہر غزہ میں اپنے دین کی منادی کر رہا تھا۔ نمایاں کامیابی ہوئی اور اس قرب و جوار کے یہودی غیر مذہب کی غلامی چھوٹنے اور آل اسرائیل کے جدید اوج و مردج کے اشتیاق میں اپنی معیشت کے مشاغل کو چھوڑ کر زہد و عبادت گزاری میں منہمک ہوئے اور بڑی بڑی فیاضیاں دکھانی شروع کیں۔ یہاں کے یہود نے قلمروئے عثمانیہ کے دوسرے حصوں کے یہود کو مطلع کیا کہ مسیح موعود جس کا انتظار تھا نمودار ہو کر ہم میں موجود ہے۔ ارض شام کے یہود نے بھی اس جوش و خروش سے اس دعویٰ کو تسلیم کیا تو سہائاتی کا حوصلہ بڑھا اور اب بڑی شان و شوکت سے اپنے وطن سرنا میں داخل ہوا اور خاص دار الخلافہ قسطنطنیہ کے یہود کو بھی اپنی طرف موعوم کیا۔ تاہن ان دنوں دمشق میں تھا۔ وہاں سے اس نے سہائاتی کو ایک خط لکھا جس میں اسے ”الحکم الامین“ کے لقب سے خطاب کیا۔ حلب کے یہودیوں کے پاس بھی اس نے ہدایت نامے بھیجے جن کے ذریعہ سے اس کے لوگوں کو اپنے دعوؤں اور مسیح موعود کے اصول سے مطلع کیا۔ اب سلطنت عثمانیہ میں ہر گاؤں اور شہر کے یہودی غیر معمولی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتیں ظاہر کرنے لگے اور چھپے کادل قوی انگلیوں سے معمور ہوا۔ اس عقیدہ نے کہ اسرائیلیوں کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے والا مسیح موعود مبعوث ہو چکا عام شورش پیدا کر دی۔ دولت عثمانیہ کی مسلم اور نصرانی رعایا یہود کے اس غیر معمولی

جوش و خروش پر سخت حیرت زدہ تھی۔ اس خانہ ساز مسیح مد عود پر ایمان لانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ بعض شہروں میں تجارتی کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ یہود اس شوق میں کہ انہیں عنقریب غلامی سے نجات ملے گی اور حضرت مسیح موعود انہیں ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوں گے۔ اپنے دنیوی معاملات اور تجارتی کاروبار سے بالکل دست بردار ہو گئے۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ سلطنت عثمانیہ میں دول یورپ کے سفیر جو موجود تھے۔ انہیں ان کی سلطنتوں نے حکم دیا کہ اس نئی مذہبی تحریک کے متعلق تحقیقات کر کے کیفیت پیش کریں۔ جس طرح ہندوستان میں تجارت ہنود کے دست اختیار میں ہے اسی طرح عثمانی قلمرو میں یہود کے ہاتھ میں تھی۔ عثمانی عمال نے قسطنطنیہ کے باب عالی میں شکایت کی کہ ہماری ولایتوں میں کاروبار تجارت بالکل بند ہو گیا ہے۔ اب یہ تحریک ایک دہائی مرض کی طرح ممالک یورپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اٹلی ہالینڈ اور جرمنی کے اکثر یہودی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنی جائیدادوں کو بیچ کر یاونی چھوڑ کر حضرت ”مسیح موعود“ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اب ان حالات سے بھی زیادہ خطرناک صورت یہ نمودار ہوئی کہ حالات ترک حکام کی اطاعت سے باہر ہونے لگے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عنقریب مسلمان ہمارے غلام اور محکوم ہو جائیں گے۔

قسطنطنیہ کا مجس بحیثیت زیارت گاہ

انہی ایام میں سباتائی پھر سمرنا آیا۔ وہاں کے مذہبی مقتدر اور رٹی سباتائی کو ”مسیح موعود“ تسلیم کرنے میں مذہب تھے۔ آخر سب سے بڑے رٹی نے جو ”خانم باشی“ کہلاتا ہے اسے مشورہ کرنے کے یہاں اپنی صحبت میں بلایا۔ سباتائی بلا تامل اس کے پاس چلا گیا۔ اس کے پیرؤں کا ایک گروہ بھی ساتھ گیا۔ یہ لوگ گھر کے باہر ٹھہرے رہے۔ سباتائی کو بڑے رٹی کے گھر سے نکلنے میں زیادہ دیر ہوئی تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید رٹی نے ”مسیح موعود“ کو زبردستی اپنے مکان میں بند کر رکھا ہے فوراً قاضی کی عدالت میں پہنچے اور کہا کہ ہمارے مسیح موعود کی رہائی کا فوراً بندوبست کیا جائے ورنہ بغاوت ہو جائے گی۔ قاضی نے اس جھگڑے کا انفصال ریبیوں ہی کے حکمہ والوں پر محلول کیا۔ بڑا رٹی کسی طرح سباتائی فتنہ کا استیصال کر دینا چاہتا تھا لیکن اس کے پیرؤں اور حامیوں کی تعداد اس قدر غالب تھی کہ ان کا کچھ زور نہ چلا اور مجبوراً اسے چھوڑتے ہی بنی۔ سمرنا سے اس نے قسطنطنیہ کا رخ کیا وہاں کے یہودی بھی جوش و خروش کے ساتھ اس پر ایمان لانے لگے۔ یہاں ایک ذی علم یہودی نمیا کو ہن نے تخلیق میں سباتائی سے خواہش کی کہ اپنی مسیحیت میں مجھے بھی شامل کر لو۔ سباتائی نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ نمیا اس کی شکایت لے کر وزرائے سلطانی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر یہ جعلی مسیح فوراً پامال نہ کر دیا گیا تو سلطنت کے امن و امان میں سخت خلل پڑے گا۔ حکام اس

مسئلہ پر پہلے ہی غور کر رہے تھے۔ باب عالی کے حکم سے سباتائی قسطنطنیہ میں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ قسطنطنیہ کا محبس واقع قصر اہلی دوس اس کے پیروؤں کے لیے ایک بڑی زیارت گاہ بن گیا۔ لوگوں کے غول کے غول آتے اور قید خانہ کے ترک محافظوں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر اپنے مسیح کی نیدت کر جاتے۔ اب اس کا شرہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اس نے اسی محبس میں بیٹھے بیٹھے اپنے مذہب کی تازہ نو تدوین کی اور نئے قواعد کو منضبط کیا۔ اس کے پر جوش پر دوں نے یہ کارروائی کی کہ قدیم الایام سے جتنی جیشین گویاں کتابوں میں کی گئیں تھیں سب اسی سے ولسہ کر دیں اور توراہ کے بہت سے فقرہوں میں حسب دلخواہ تحریف و تبدیل کر کے ان میں اس کا نام شامل کر دیا اور محرف فقرہوں کو قطعات کے طرز پر چوکھٹوں میں لگا کر یا دوسرے طریقوں سے لکھ کر یسود میں نے گہروں تو بیزاں کیا۔

سلطان المعظم کے سامنے اسلام کا منافقانہ اقرار

یہ سلطان محمد رابع کا عمد خلافت تھا۔ قسطنطنیہ اس وقت تک دار الخلافہ نہیں بنا تھا۔ سلطان محمد کا مستقر خلافت ان ایام میں اور نہ (اڈریانوپل) تھا۔ جب سباتائی فتنہ نے خطرناک نوعیت اختیار کی تو سلطان المعظم نے سباتائی کے حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ لدر نہ کے قصر شاہی میں تخت کے آگے حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ جب تم ”مسیح موعود“ ہو تو (مسیح علیہ السلام کی طرح) معجزے بھی دکھا سکتے ہو گے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ بے شک دکھا سکتا ہوں۔ سلطان نے کہا۔ اچھا میں اپنے تیر اندازوں کو حکم دیتا ہوں کہ تمہیں ہدف سامنہ بنائیں اگر تیروں نے تمہیں کوئی صدمہ نہ پہنچایا تو سمجھا جائے گا کہ تم واقعی مسیح ہو کیا تم یہ معجزہ دکھا سکتے ہو؟ بارگاہ خلافت کی یہ جان ربا تجویز سب کر سباتائی کے اوسان خطا ہو گئے اور گھبرا کر سوچنے لگا کہ اب چھاؤ کی دوہی صورتیں ہیں یا تو ترک سپاہیوں کے تیروں کا نشانہ بن کر جان دوں یا اسلام قبول کر کے جان چھاؤں اتنے میں تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی سامنے آ موجود ہوا۔ سباتائی تیر اندازوں کو ملک الموت یقین کر کے عرض پیرا ہوا کہ خلیفہ المسلمین ان تمام سرگرمیوں سے میرا حقیقی مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کی توحید اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی طرف بلاؤں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ان کو مانوس کروں۔ یہی پاک کلمہ میرا شعار ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ روئے زمین کے اسر ائیلیوں کو اس کا قائل اور پیر و بنا دوں۔ سلطان نے کہا جس قدر اطلاعیں باب عالی میں پہنچیں ان سے تمہارے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ سباتائی عرض پیرا ہوا اجمال پناہ میں نے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ جس وقت حضرت ظل سبحانی کے دربار میں رسائی ہوگی۔ اس وقت اپنے ایمان کو بد ملا ظاہر کروں گا۔ آخر سباتائی نے حلف اٹھایا کہ میں مسلمان ہوں اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

محض ہنگامہ آرائی اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے تھا۔ اس کے بیانات سن کر اس کے پیرو متحیر ہو کر سناٹے میں آگئے۔ بعض معتقدین تو منحرف ہو گئے اور جو سادہ لوح آج کل کے مرزائیوں کی طرح زیادہ راسخ الاعتقاد تھے۔ وہ سباتائی کے اس حلقی میان کی اسی طرح تاویلیں کرنے لگے جس طرح مرزا غلام احمد صاحب کی عقیدت کیش امت ان کی جمہوئی پیشین گوئیوں کی تاویلیں کیا کرتی ہے۔

قلعہ بلغراد کے ایام نظر بندی

سلطان نے مستقبل کے ممکن الوقوع فتنہ کی روک تھام کے لیے سباتائی کو بلغراد کے قلعہ میں نظر بند رکھنے کا حکم دیا جو آج کل ملک سر میا (سرویہ یا یو سلاویہ) کا پایہ تخت ہے۔ اور ان دنوں ترکی قلمرو میں داخل تھا۔ یہ دیکھ کر کہ سباتائی جان کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے مخالف یہودی اور دوسرے لوگ اس کے عقیدت مندوں پر لعن طعن کرنے لگے مگر سباتائیوں کے دلوں پر اس کی مسیحائی کے نقش کچھ اس طرح مرتسم ہوئے تھے کہ ”حسن اعتقاد“ کی رسی کو کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کہنے لگے کہ اسلام کا ظاہری اعتراف بھی حضور مسیح موعود کی ایک شان مسیحائی ہے۔ آخر 1676ء میں بلغراد ہی کے قید خانہ میں اپنے مریدوں کو داغ مفارقت دے گیا۔ مگر اس کے معتقدوں میں سے اکثر نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ مرانہیں بلکہ اسی جسم عسری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا ہے اور کسی روز پھر دنیا میں نزول فرما کر اعلیٰ کلمتہ اللہ کا حق ادا کرے گا۔ یہ خیال سباتائیوں کے دلوں میں ایسے وثوق کے ساتھ قائم تھا اور ہے کہ سلونیکا کی زمین دوز مخفی عبادت گاہوں میں جو فرقہ دوم نے بنا رکھی ہیں ہر وقت ایک نہایت صاف اور اجالا پھونکا تیار رہتا ہے کہ ہمارے مسیحا صاحب عالم بالا کے سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو انہیں اس قدر طویل سفر کی ماندگی دور کرنے کے لیے استراحت کی ضرورت ہوگی۔ پہلے یہ یقین تھا کہ مسیحا سلونیکا کے پھاٹکوں میں سے ”باب دروار“ سے شہر میں داخل ہوگا۔ مگر جس زمانہ سے سلونیکا میں ریل جاری ہو گئی۔ یہ خیال پختہ ہو گیا ہے کہ ان کا مسیح ریل پر سوار ہو کر آئے گا۔ چنانچہ اب تک سلونیکا کے آخری اسٹیشن پر ہر ریل گاڑی کی آمد کے وقت مسیحا کے استقبال کے لیے کوئی نہ کوئی دوئمہ موجود رہا کرتا ہے۔ بعینہ یہی حالت چند صدیوں پیشتر شیعوں کی صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کے انتظار میں تھی جبکہ بغداد کے قریب شہر سرمن رائے کے غار پر ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا ساز و سامان سے تیار روزانہ جلوس اور باجوں کے ساتھ جاتا اور مغرب کے بعد حضرت امام کے ظہور کا انتظار کر کے نامراد واپس آیا کرتا تھا۔ سباتائی کی ہلاکت کے بعد اس کی ایک بیوہ نے میان کیا کہ امام سباتائی میرے بچے یعقوب کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے جسے میں نے دس سال کی عمر میں گود لیا تھا ورنہ نے سباتائی کی جگہ یعقوب کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ یہ لوگ اسے بھی مظہر ربانی ماننے لگے۔

دون ماہ کی مذہبی دورنگی

سلطان المعظم کے سامنے سباتائی کے اسلام قبول کرنے کا یہ انجام ہوا کہ دومہ ماہ خانوں میں عبادت کدے بنا کر وہاں تو اپنی مخصوص عبادت کرتے ہیں مگر بہ ظاہر مسلمان بن رہتے اور مساجد میں جا کر نماز باجماعت لو کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں اور انہی کا سالہاس اور وضع دہشیت اختیار کر رکھی ہے۔ عورتوں کی وضع بھی مسلم خواتین کی سی ہے۔ ان کے چروں پر بھی مسلت کی طرح عتاب پڑی رہتی ہے۔ غرض ان کے تمدن و معاشرت میں اسلامی رنگ اس قدر نمایاں ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے۔ اہل اسلام کی طرح سباتائی کے چہرہ و بھی حج کعبہ ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ یعقوب مذکور اپنے عقیدت مندوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظمہ آیا اور واپس جاتے ہوئے راستے میں طمعہ اہل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا پیٹار شجا مقتدائے امت قرار پانے۔ سباتائیوں نے اسے بھی مقرر شان خد لوندی تسلیم کیا۔ سلونیکا میں دومہ کے قریب ایک ہزار خاندان موجود ہیں جن کی کل تعداد قریباً دس ہزار نفوس کی ہے یہ لوگ جس طرح اپنے کنبسوں میں عبادت کو جاتے ہیں ویسے ہی مساجد میں بھی جا کر نماز پڑھتے اور شریک جماعت ہوتے ہیں۔ سباتائی لوگ روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان کے بعض روزے یہودی شریعت کے مطابق ہیں اور بعض اسلامی احکام کے موافق۔ ان کی دو شیزہ لڑکیاں عموماً مسلمان ہمسایوں سے شادی کرنا پسند کرتی تھیں۔ خصوصاً ترکوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں 1912ء کی جنگ بلقان سے پیشتر سلونیکا کی حکومت تھی لیکن انجام کار جب سباتائیوں کو شدت سے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کچھ زمانہ میں ان کی جماعت مسلمانوں میں شامل ہو کر بالکل معدوم ہو جائے گی تو انہوں نے نہایت سختی سے اس کی روک تھام کرنی چاہی۔ چنانچہ ساری قوم اس کوشش میں منہمک ہوئی کہ ان کی لڑکیاں دوسری قوموں میں شادی بیاہ نہ کرنے پائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ہندش کے کچھ عرصہ بعد ایک دن ماہ لڑکی کا ایک نوجوان ترک پر مہے اختیار دل آگیا۔ ترک بھی شادی کرنے پر راضی ہو گیا لیکن لڑکی کے اعزاء و اقارب اس تعلق کے اس قدر خلاف تھے کہ جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس ترک کو چار ہزار پونڈ کی گراں رقم نذرانہ دے کر نکاح کے ارادہ سے باز رکھا۔ کہتے ہیں اگر دون ماہ لڑکی کسی دوسری قوم والے کے ساتھ نکل جائے تو پہلے اس کے واپس بلانے میں کوئی تدبیر اور کوشش اٹھا نہیں رکھی جاتی اور جب وہ ہاتھ آجاتی ہے تو ایک مخفی قومی عدالت کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں وہ ملزم ٹھہرائی جاتی ہے اور اسے تکاب جرم کی سزا میں اندروں خانے اس کا سفینہ حیات دریائے عدم میں اتار دیا جاتا ہے۔

دون ماہ کے تین گروہ اور اس کے بعض معتقدات

جس طرح ہندوستان کے مرزائی دو جماعتوں میں منقسم ہیں اسی طرح سباتائی تین ممتاز گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اول سرنی (سرنوالے) کہلاتے ہیں۔ یہ کرامیہ یعنی معززو شریف کے لقب سے بھی مشہور ہیں کیونکہ اسپین سے آنے والے اسراٹھیلیوں میں سے اکثر معزز اور عالی نسب خاندان اسی جماعت میں شامل ہیں۔ ان لوگوں کی شناخت یہ ہے کہ ٹھڈیاں منڈاٹے ہیں۔ دوسرے یعقوبی یعقوب مذکور کی طرف منسوب ہیں۔ تیسرے قونیو۔ اس گروہ کا بانی ایک دوسرا یعقوب ملقب بہ قونیو تھا۔ اور اسی کا اسلامی نام عثمان تواب سے شہرت رکھتا تھا۔ ہر چند کہ ان تینوں گروہوں میں بالکل معمولی فروعی اختلافات ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک دوسرے فرقہ والوں کو اپنی مخفی عبادت گاہوں میں شریک نہیں ہونے دیتا۔ مدارجہ ذیل قولی عقائد میں تمام دون ماہ متفق ہیں۔ (1) تمام انبیائے کرام رب العزت کے مظہر تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے نبی گذرے اسی ہستی مطلق کے مظہر تھے۔ (2) ان کا عقیدہ تھا کہ ساری دنیا پیروان سباتائی کے لیے ہے اور ترک حکمران صرف اس لیے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں۔ ان کا مقولہ ہے کہ کوئی انڈا اچھلکے کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیروان سباتائی اصل انڈا اور ترک اس کا چھلکا ہیں۔ (3) کہتے ہیں کہ جنت کی بادشاہی کے وارث صرف پیروان سباتائی ہیں۔ دوسرے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اور ہمیشہ رہیں گے۔ (4) تمام یہود جو اب تک سباتائی پر ایمان نہیں لائے اس وقت ایمان لے آئیں گے جب انہیں حقیقت نظر آئے گی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء سباتائی ہی کی روح کی چنگاریاں تھیں۔

باب 60۔ محمد بن عبد اللہ کرد

1075ھ میں کوہ عماریہ علاقہ کردستان میں ایک شخص عبد اللہ نام ظاہر ہو اس کا دعویٰ تھا۔ جس سے مدائن صحیحی میں سے ہوں۔ اس نے اپنے ایک درازدہ سالہ لڑکے کا نام محمد اور لقب ممدی رکھ دیا۔ اور کہا کہ ممدی آخر الزماں ہے۔ چنانچہ کو ممدویت کی مسند پر بٹھا کر یہ شخص خود اس کی طرف سے بیعت لینے لگا۔ قبائل کے بے شمار لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ جن ایام میں سبائاتی یہودی نے مسیحیت کا دعویٰ کر کے ترکی قلمرو میں ادھم بچار کھا تھا انہی دنوں میں ممدی کردی بھی ظاہر ہوا تھا۔ اس دجل؟؟؟ غریب سے عامۃ المسلمین سمجھنے لگے کہ شاید قیامت قریب آگئی کہ مسیح اور ممدی دونوں ظاہر ہو گئے۔ اس خیال کی بنیاد تھی کہ قیامت کی علامت کبریٰ میں سے اولین علامت ایک ہی زمانہ میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور جناب ممدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جب عبد اللہ کی جمعیت زیادہ ہوئی تو اسے استعمار اور ملک گیری کی ہوس ہوئی اور اس نے اچانک ولایت موصل کے چند شہروں اور قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر والئی موصل نے جو سلطان محمد چہارم کی طرف سے اس سر زمین حکم تھا اس پر چڑھائی کی۔ عبد اللہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور رزم و پیکار میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ آخر کار ممدی اور اس کا باپ منزم ہو کر گرفتار ہو گئے اور والئی موصل نے دونوں کو سبائاتی کے اظہار اسلام کے چند ماہ بعد پاجولاں استنبول بھیج دیا۔ جب باپ بیٹا سلطان محمد چہارم کے سامنے پیش کئے گئے تو عبد اللہ رو رہو تے ہی اپنے اور اپنے بیٹے کے ممدی آخر الزماں ہونے کے دعویٰ سے دست بردار ہو گیا۔ چونکہ اس نے سلطان کے بعض سوالات کے جواب نہایت معقولیت سے دیئے۔ سلطان نے خوش ہو کر اس کی خطا معاف کر دی اور حکم دیا کہ آئندہ ان دونوں کو ان کے وطن جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ کیونکہ انہوں نے ممدویت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ہزار ہا عوام کو گمراہ کیا اور دین مبین میں رخنہ اندازی کی۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان معتمد نے عبد اللہ کو خزانہ سلطانی کے محافظوں کی جماعت میں منسلک کر دیا۔ 87ھ

باب 61- میر محمد حسین مشہدی

میر محمد حسین رضوی مشہدی معروف بہ ”نمود“ و ”فربود“ مدعی وحی و بیگویت کو سلطان محی الدین عالمگیر اور نگزیب غازی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دور حکومت میں اسباب غنا و ثروت کی تحصیل کا شوق ہندوستان کی طرف کھینچ لایا۔ ان ایام میں عمدۃ الملک امیر خان صوبہ دار کابل کی فیض گستری کا ایران بھر میں شہرہ تھا۔ میر محمد حسین بھی انہی امیدوں کو لیے عازم کابل ہوا۔ علوم متداولہ میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اہل کابل نے اسے قدر دانی اور مردم شناسی کی آنکھوں پر بٹھایا۔ حسن اتفاق سے عمدۃ الملک کے منشی نے اپنا لڑکا تعلیم و تربیت کے لیے اس کے سپرد کر دیا۔ اس ذریعہ سے عمدۃ الملک تک اس کی رسائی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ امراء و اعیان کے دل میں اس کے علمی تبحر کی دھاک بیٹھ گئی۔ عمدۃ الملک کی بیوی صاحبہ جی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے اس نے ایک سید کی لڑکی لے کر پال رکھی تھی جو عمدۃ الملک کے پاس تھا۔ صاحبہ جی نے عمدۃ الملک سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ذی علم و نیک اطوار سید ملے تو اس کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گی۔ عمدۃ الملک نے محمد حسین کو اپنی بیوی کے بیان کردہ اوصاف سے متصف پا کر اس سے محمد حسین کے نسب کی بزرگی اور علمی قابلیت کی تعریف کر دی۔ صاحبہ جی یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور لوازمات شادی مہیا کر کے لڑکی کو محمد حسین کے حوالہ نکاح میں دے دیا۔ اس تقریب سے اسے عمدۃ الملک کے دربار میں اور بھی زیادہ تقرب حاصل ہو گیا۔ اور اہل دربار کی نظر میں اس کی توقیر بڑھ گئی۔ ان تقریبات کی بدولت عمدۃ الملک کے لڑکوں سے بھی اچھے مراسم پیدا ہو گئے۔ خصوصاً ہادی علی خاں کو تو اس نے کچھ ایسے شعبے دکھائے کہ وہ جدھر جاتا اس کی تعریف کے راگ گانے لگتا۔ بد قسمتی سے کچھ دنوں کے بعد عمدۃ الملک نے دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی جائے اس مقصد کے لیے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ کچھ تحائف دربار شاہی میں پیش کرنے کے لیے فراہم کئے جائیں تاکہ عالمگیر اور نگزیب خوش ہو کر کوئی منصب عطا کرے۔ چنانچہ ہزار ہا روپے کے نفیس و بیش بہا عطریات کابل اور پشاور سے خرید کر دہلی کو روانہ ہو لیکن ابھی لاہور ہی میں پہنچا تھا کہ سلطان محی الدین عالمگیر رحمت حق میں واصل ہونے کی خبر آ پہنچی جس سے اس کی امیدوں کا چراغ گل ہو گیا اور تمام عطریات اور ورائح طیبہ جو بادشاہ کے لیے فراہم کئے تھے لاہور میں فروخت کر کے فقیری لباس پہن لیا۔

شاگرد سے نیامذہب اختراع کرنے کی سازش

محمد حسین کا دماغ نخوت و خود بینی سے بھرا ہوا تھا اس لیے رائج الوقت مذاہب کی بیرونی کوباعث عار و ننگ سمجھ کر ایک نیا ڈھونگ رچانے کا قصد کیا۔ چنانچہ اپنے شاگرد ”رشید“ مثنیٰ زاہد سے کہا کہ ایک ایسی مشکل آن پڑی ہے کہ جس کی عقدہ کشائی تمہارے ہی ناخن تدبیر سے ممکن ہے۔ اگر تم تائید و نصرت کا وعدہ کرو تو تم پر وہ راز آشکار کروں غرض قول و قرار لے کر اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم تم ایک نر اللاند مذہب جدید قواعد اور نئی زبان میں اختراع کر کے نزول وحی کا دعویٰ کریں۔ اور ایک نیامذہب تجویز کریں جو نبوت اور امامت کے درمیان ہو تاکہ انبیاء اور اولیاء دونوں کی شان اپنے اندر پائے جانے کا دعویٰ درست ہو سکے۔ زرا ندوزی کا یہ ایک ایسا ڈھنگ ہے کہ اس سے بہتر اور آسان نسخہ آسمان تخیل سے زمین عمل پر نہیں آسکتا۔ دونوں استاد شاگرد ایک ہی تھیلی کے پٹے بنے تھے۔ شاگرد نے بڑی گرجوشی سے اس تجویز کو لبیک کہا۔ اب دونوں کی پستی فطرت اور مفسدہ پردازی کے جوہر اچھی طرح چمکنے لگے اور انہوں نے میدان تدریس میں اپنے اپنے مرکب تدبیر کو چھوڑ دیا۔ محمد حسین نے ایک کتاب لکھی جس کو فارسی کے جدید غریب الفاظ سے مزین کیا۔ اس میں مترک و غیر مانوس الفاظ کی خوب بھرمار کی۔ اور بہت سے پرانے فارسی الفاظ عربی طریقہ پر ترجمہ کر کے درج کئے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد نزول وحی اور دیگو گیت کا دعویٰ شروع کر دیا اور بیان کیا کہ یہ رتبہ نبوت اور امامت کے مابین ہے اور کہا کہ ہر پیغمبر اولو العزم کے نود جوگ تھے چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بھی نود جوگ تھے۔ اول دیگوگ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ تھے دوسرے امام حسن، تیسرے امام حسین، چوتھے امام زین العابدین، پانچویں امام محمد باقر، چھٹے امام جعفر صادق، ساتویں امام موسیٰ اور آٹھویں امام علی رضاؑ تک امامت اور دیگو گیت دونوں جمع رہیں۔ پھر یہ دونوں منصب علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ امام علی رضا کے بعد درجہ دیگو گیت میری طرف منتقل ہو گیا۔ اور امامت امام محمد تقی کو تفویض ہوئی اور میں خاتم دیگو گیت ہوں اور دیگو گیت کی تعداد اس ترتیب کے ساتھ کہ جس کا اوپر ذکر آیا شیعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا لیکن جب اہل سنت و جماعت سے ملتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کے چار پرہیزگار اور نیک کردار خلفاء کے نام لے کر نواں دیگوگ اپنی ذات کو بتاتا اور کتا کہ مجھے کسی خاص مذہب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ میں تو تمام مذاہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں۔ اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کا جو حمل ساقط ہوا تھا اور جس کا نام محسن رکھا گیا تھا وہ میں ہی تھا۔

مذہبی اختراعات و محدثات

محمد حسین نے چند قاعدے مقرر کر کے بعض ایام مخصوصہ کو عید ہائے اسلام کی طرح قابل احترام اور جشن مسرت قرار دیا اور اپنے پیروؤں کو جن کا لقب فریودی رکھا تھا۔ یہ ہدایت کی کہ ان ایام معدودات کا احترام کریں اور کہا کرتا تھا کہ مجھ پر دو طرح سے وحی نازل ہوئی ہے۔ ایک تو قرص آفتاب پر جب نظر کرتا ہوں تو اس پر کلمات منقوش نظر آنے لگتے ہیں ان سے اکتساب علم کر لیتا ہوں اور آخر کار اس کا نور اس قدر محیط ہو جاتا ہے کہ تحمل و برداشت مشکل ہو جاتی ہے بلکہ ہوش و حواس ہی بجا نہیں رہتے۔ دوسرے اس طرح کہ ایک آواز سنائی دیتی ہے چنانچہ وہ کلمات جو ارادت مندوں سے بیان کرتا ہوں اسی آواز سے اخذ کرتا ہوں۔ اور جس روز اس کے حسب بیان اس پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تھی اس کا نام روز جشن قرار دیا۔ اس روز نہایت دھوم دھام سے جشن منایا جاتا۔ اس کے پیرو جمع ہو کر خوشیاں مناتے۔ خوشبو اور غیر ایک دوسرے پر چھڑکتے۔ یہ خود روز جشن کو دو علم ساتھ لے کر تاتاری وضع کی ٹوپی سے کسی قدر اونچی ٹوپی اوڑھتا اور اپنے مریدوں کو ساتھ لئے ہوئے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات دھولئی بھیااری کے نام سے مشہور ہیں جاتا اور عالم مسرت میں جمجوم جمجوم کر بیان کرتا کہ پہلی مرتبہ

مجھ پر خاص اسی جگہ وحی نازل ہوئی تھی اس مقام کو غار حرا سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ یہی تمہارے دجگوگ کا مہبط وحی ہے۔ یہی تمہاری قبلہ حاجات کے کسب سعادت کا گوارا ہے۔ روز جشن سے چھ روز قبل شروع سے روزے رکھتا جن میں کسی سے بات تک نہ کرتا تاکہ ام سہلہ کے روزہ صحت سے مشابہت ہو جائے ایسے روزے حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام سے بوقت تولد جناب مسیح علیہ السلام بھی مذکور ہیں۔ ساتویں روز جشن کو ختم کرویتا اور اس نے اپنے پیروؤں پر نماز بھنگانہ کی جگہ ہر روز تین بار دید یعنی اپنی زیارت فرض کی تھی۔ دید کا پہلا وقت طلوع آفتاب کے بعد تھا۔ دوسرے لوپہر کا وقت جبکہ آفتاب نصف النہار ہو متعین کیا۔ تیسرا غروب آفتاب کا وقت جب کہ کسی قدر شفق آسمان پر باقی ہو مقرر تھا اور دید کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود مع اپنے خلفاء کے درمیان میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ مریدوں کو حکم تھا کہ اس کے چاروں طرف مربع صف بستہ کھڑے ہوں اس طرح کہ سب سے

منہ ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔ پھر ہر صف اس کے طرف منہ کر کے چند کلمے جو اس کے
 انزائی تھے پڑھتی۔ اس کے بعد یہ لوگ سر جھکا کر داہنی جانب کو گھوم جاتے تھے۔ اس طرح جو
 صف شمال کی طرف ہوتی تھی مغرب کی جانب۔ اور مغرب رخ کی صف جنوب رو یہ ہو جاتی تھی۔
 جب چاروں صفوں کے آدمی چاروں سمتوں کا مقابلہ تمام کر چکے تو زمین کی طرف دیکھنے لگتے۔ پھر
 آسمان کی طرف نظر اٹھاتے پھر شش جہت کو دیکھتے اس اثناء میں انہی کلمات کا تکرار کرتے رہتے۔ جو
 ان کے ہیرو مشد نے ان کے لیے تجویز کر رکھے تھے۔ اب زیارت ختم ہو جاتی اور سب منتشر ہو
 جاتے۔ محمد حسین نے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نقالی کرتے ہوئے اپنے بھی چار
 خلیفہ مقرر کئے تھے۔ پہلا خلیفہ وہی منشی زلوه جو اس کا شاگرد قدیم اور محرم راز تھا اور اس کا نام اپنی
 مختراع زبان میں ”دو جی“ رکھا تھا۔ میر باقر اسی نسبتی بھائی دوسرا خلیفہ تھا۔ اسی طرح دو خلیفہ اور تھے
 اور اپنے نام فروغ نمود اللہ اور نمود انمود رکھے تھے۔ اسی طرز پر اپنے اور اپنے پیروؤں کے عجیب و
 غریب نام تجویز کرتا رہتا تھا۔ جو شخص بھی اس کے حلقہ میں داخل ہوتا اسے اسی طرز کے انوکھے نام
 سے موسوم کرتا اور اس تسمیہ کو ”قولی نشان“ سے تعبیر کرتا۔ اس کے تین لڑکے تھے اول نما نمود
 دوم نفاغ، سوم دید اور دو لڑکیاں نما ماہ کلاں اور نما ماہ خورد کے نام سے موسوم تھیں۔ اقرباے زوجہ
 کے نام نمایار اور نمود یار اور نما دو غیرہ تجویز کئے تھے۔ اور نفاغ کے بیٹے کا نام نمودید رکھا تھا۔ اور اس
 کے بعض عزیزوں کے نام حق نما، نما فر، نمود فر تھے۔ غرض اسی قسم کے اور بھی بہت سے مضحکہ خیز
 نام رکھے تھے۔

دہلی میں فریودی تحریک کا نشوونما

فریودی تحریک کے لیے لاہور کی آب و ہوا کچھ زیادہ سازگار نہ ثابت ہوئی تو دہلی جا کر دھونی رمانے کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر مستقل بودوباش اختیار کر لی۔ ان ایام میں بادشاہ لاہور آیا ہوا تھا۔ دہلی میں بے مزاحمت اپنا رنگ جمایا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دہلی کی مذہبی فضا پر تغیر و انقلاب کا ایک نیا موسم چھا گیا۔ نمود نے ان ایام میں یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا تھا کہ کسی سے کوئی نذر و نیاز قبول نہ کرتا۔ بلکہ اس رقم خظیر کی بدولت جو لاہور میں عطر کی فروخت سے حاصل ہوئی تھی مدت تک خلق سے مستغنی رہا اپنے کو بڑا متوکل ظاہر کرتا تھا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ بے طمع فقیر کو بڑی وقعت و اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے زہد و تقدس کا اعتقاد لوگوں میں اس طرح مسلط ہوا جس طرح اہر فضاے محیط پر چھا جاتا ہے۔ اس اثناء میں بہادر شاہ لاہور میں مر گیا اور اس کے بیٹوں میں سلطنت کے متعلق باہم جھگڑے قضیئے پڑ گئے ایسی حالت میں اس کے حال سے تعرض کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اب یہ بے دغدغہ اپنے مذہب کی ترقی و اشاعت میں مشغول ہو اور جائے خاموشی سے کام کرنے کے اپنے دعوؤں کو اظہار و اعلان کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا۔ بڑے بڑے مستند علماء تو اہل باطل سے الجھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ ان علمائے کرام کے عدم توجہ کو دیکھ کر عموماً ضعفائے اسلام ہی میدان مباحثہ میں اترتے ہیں۔ نمود کے مقابلہ میں بھی کم سواد مولوی صاحبان اترتے رہے جنہیں یہ مجادلہ و مکابہ سے مغلوب کر لیتا اس وجہ سے عوام کا اعتقاد اس کی نسبت اور بھی راسخ ہو گیا۔ علاوہ ازیں امیر غان عمدۃ الملک کا لڑکا ہادی علی خاں جو آج کل دہلی میں تھا اس کے بڑے ہوا خواہوں میں تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اچھے اچھے مدعیان بھیرت بھی اس کے گرویدہ ہو گئے تھے اور قاعدہ کی بات ہے کہ بڑے لوگ جس کام کو کرنے لگتے ہیں۔ وہ عوام کے لیے حجت و دلیل راہ بن جاتا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگوں میں اس کے تقدس کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ اور رفتہ رفتہ اس کی جماعت میں پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کی کجروی اور عزالت پسندی عاقبت میں جو رنگ لائے گی وہ تو ظاہر ہے لیکن دنیاوی اور مادی نقطہ نظر سے اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کی تجارت سے بہت کچھ نفع عاجل حاصل کیا اور کوائے گمنامی سے نکل کر مشاہیر عمد کی صف میں جلوہ گر ہو گیا۔

فرخ سیر بادشاہ کی خوش اعتقادی

اب تو فرخ سیر بادشاہ بھی لوگوں کے جوش عقیدت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ دہلی کے بزرگان دین اور مقتدیان ارباب یقین نے بہتری جدوجہد کی لیکن لوگوں کے اعتقاد کی گرجوشی میں فرق نہ آیا۔ فرخ سیر بادشاہ نے تخت دہلی پر قدم رکھتے ہی اس کی زیارت کا قصد کیا۔ چنانچہ چند امراء کو ساتھ لے کر اس کے کاشانہ زہد کی طرف روانہ ہوا۔ جب نمود کو اس کی اطلاع ملی کہ بادشاہ وقت بوقت سے اعتقاد سے ملاقات کو آرہا ہے تو اس کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور بادشاہ اور ارکان سلطنت کے دلوں پر اپنے زہد و استغنا کا سکہ جمانے کے لیے جھٹ پٹ اپنے گھر کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا۔ جب امراء نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی جواب دیا کہ جاؤ چلے جاؤ فقراء کو بادشاہوں اور امیروں سے کیا کام؟ تم لوگ کیوں ہمارے محل اوقات ہوتے ہو؟ جب بادشاہ بہت دیر تک منت سماجت کرتا رہا اور اس کے مریدوں نے بھی بہت کچھ عرض معروض کی تو دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ نے بہت جھک کر اس کو سلام کیا اور بمقتضائے ادب دو ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ نمود نے ہرن کی کھال بادشاہ کے بیٹھنے کو دی اور یہ شعر پڑھا۔

پوست تخت گدا کی و شاہی ہمہ داریم آنچه سے خواہی

فرخ سیر اس کی بے نیازی اور استغنا کو دیکھ کر پھڑک گیا اور ہزار ہا روپیہ اور اشرفیاں جو نذرانہ کے طور پر لایا تھا نذر کر دیں۔ مگر اس گرگ بالادیدہ نے ان کو قبول نہ کیا اور کہا کہ کیا مسلمانوں کا بادشاہ ایک عزالت نشین فقیر بے نوا کو دنیا کی طرف ملتفت کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتا؟ غرض نذرانہ قبول نہ کیا۔ آخر بادشاہ کے اظہار خلوص دنیا مندی کی بنا پر اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف کے عوض میں ستر روپے لے لئے جو اس کی مقررہ قیمت تھی۔ فرخ سیر نے اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف مقدس کو بڑی تعظیم کے ساتھ بوسہ دے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہو گیا۔ نمود نے بادشاہ کی روانگی کے بعد یہ روپیہ بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کے حسن اعتقاد اور نمود کے طرز عمل نے لوگوں کو اور بھی زیادہ والد و شیفۃ بنا دیا اور اب اس کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر کے لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔

گرفقاری کا فرمان اور وزیر کا عارضہ قونج میں مبتلا ہونا

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ محمد امین خاں اس کا وزیر تھا۔ جب وزیر بامتہیر کو نمود کی اغوا کو شیاں کا علم ہوا اور اس نے ایمان و اسلام کی تڑپ رکھنے والے بزرگوں لاکھوں دلوں کو خون ہوتے دیکھا تو اس کو اسیر و دستگیر کر کے ارباب ایمان کی جراحت و دل پر سردی کا مرہم رکھنا چاہا۔ چنانچہ اس کو گرفتار کرنے کے لیے پیادے بھیج دیئے۔ لیکن تقدیر الہی کی

نیرنگیاں دیکھو کہ محمد امین اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہی مرض تونلج میں مبتلا ہو گیا۔ لوگ اس عیلت کو نمود کی کرامت اور اس کی بددعا کا اثر سمجھے۔ تاہم کو تو ال سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ اس کے دروازے پر پہنچا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً اندر سے پکڑ لاؤ۔ اور اگر چون و چرا کرے تو دست بدست دگرے پادست دگرے گھسیٹتے ہوئے باہر لاؤ۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت لوگ نمود کے پاس سے چلے جایا کرتے تھے۔ جب سپاہیوں نے اس کی گرفتاری کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اندر زنان خانہ میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی دل پر یکایک جھلی گری اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے لیکن حتی الامکان استقلال کی باگ ہاتھ سے نہ جانے دی۔ کو تو ال کو مکان میں بلایا اور ان کو کھانا بڑے لڑکے کے ہاتھ کو تو ال اور سپاہیوں کے واسطے زنان خانہ سے بھجوا یا اور کھلا بھجا کہ جب تم لوگ اس غریب کدہ پر آئے ہو تو کچھ ماحضر تناول فرماؤ تا کہ فقیر داخل اجر ہو جائے۔ کو تو ال نے جب اس نوجوان رعنا کے جمال زیبا کو دیکھا تو اس پر حم آگیا اور تھوڑی دیر کے لیے اس کے باپ کو مہلت دے دی۔ اس اثناء میں امین خاں کا مرض تونلج شیت الہی سے اور زیادہ شدید ہوا۔ اس کی خبر ان سپاہیوں کو جو نمود کے مکان پر اس کی گرفتاری کی غرض سے بیٹھے تھے پہنچ گئی۔ وہ گھبرا کر محمد امین خاں کے پاس چلے آئے۔ یہ دیکھ کر فریوادیوں کی جان میں جان آئی۔ محمد امین کو بدترین قسم کا تونلج یعنی ایلا دس کا عارضہ تھا۔ اس وقت وہ درد کے مارے لوٹ رہا تھا اور عالم مد ہوشی طاری تھا۔ جب ذرا آفاقہ ہوا تو کو تو ال سے پوچھا کہ نمود کو پکڑ لائے۔ کو تو ال نے کہا کہ ہم حضور کی عیلت کی خبر سن کر بدحواس ہو گئے اور واپس چلے آئے۔ محمد امین خاں نے غیر متزلزل خود اعتمادی اور ناقابل فتح قوت ارادی کے ساتھ کہا کہ اب تو بے وقت ہو گیا ہے صبح کو ضرور گرفتار کر لانا۔ اس دوران بیماری شدت پکڑ گئی اور صبح تک حالت نے ناامیدی کے آثار دکھائے۔ ادھر ہادی علی خاں جو کابل سے اس کا مرید چلا آتا تھا لحظہ بہ لحظہ محمد امین کے جاں بلب ہونے کی خبریں نمود کو پہنچا رہا تھا۔ پہلے تو نمود نے دہلی سے بھاگنے کا قصد کر لیا تھا مگر اشتداد مرض کی خبریں سن کر رک گیا۔ محمد امین خاں کی حالت ساعت بہ ساعت نازک ہو رہی تھی اور نمود کا پڑمردہ دل دمدم بعاش ہوتا جاتا تھا۔ جب نمود نے اس کے قریب المرگ ہونے کی خبر سنی تو اپنے مکان سے باہر آکر مسجد میں جو اس کے گھر کے قریب واقع تھی بیٹھ گیا۔ اس کے مرید بھی محمد امین کی بیماری کی خبر سن کر اس کے پاس آجے ہوئے۔

وزیر زادہ کی عذر خواہی اور نمود کا کبر و غرور

قمر الدین پسر محمد امین خاں نے جب اپنے والد کا یہ حال دیکھا تو بہت گھبرا یا اور یقین ہو گیا کہ یہ نمود کی ناراضی کا اثر ہے۔ اپنے دیوان کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ اس کی نذر کے لیے بھجا اور عفو تقصیر کی درخواست کے بعد تعویذ کی التجا کی۔ نمود کو پہلے ہی سے محمد امین کی حالت نزع کا علم ہو گیا تھا۔ بڑے غرور سے کہنے لگا کہ میں نے اس کافر کے جگر پر ایسا تیر مارا ہے کہ کسی طرح جانبر نہ

ہو گا اور میں بھی شوق شہادت میں اس مسجد میں آئیٹھا ہوں اور میرے جد بزرگوار (امیر المؤمنین علیؑ) بھی مسجد ہی میں شہید ہوئے تھے۔ گو میرا شہید ہونا امکان سے باہر ہے کیونکہ ایک دفعہ پہلے ہی شہید ہو چکا ہوں۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ (معاذ اللہ) حمل سے ایک بار ساقط ہو چکا ہوں۔ دیوان نے وہ روپیہ نمود کی نذر کر کے قمر الدین کی طرف سے محمد امین خاں کے لیے معافی کی درخواست کی اور تعویذ بھی مانگا۔ نمود نے جواب دیا کہ گوشہ نشین گداؤں کو ستانے کا یہی ثمرہ ہے پانی سر سے گزر گیا اور تیر کمان سے نکل چکا۔ اب اس کا واپس آنا غیر ممکن ہے۔ جب دیوان نے بہت منت سماجت کی تو دوجی کو مخاطب کر کے کہا

میں جانتا ہوں کہ جب تک تو وہاں پہنچے گا وہ رخت زندگی باندھ کر ملک عدم کی جانب کوچ کر چکا ہوگا۔

دیوان ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اسے محمد امین کے انتقال کی خبر مل گئی۔ اس حادثہ نے فریادی گم کردگان راہ کے جسوں کو آب حیات تازہ خش دی۔ نمود کا کنول دل بھی کھل گیا کہ کشتی عزت دو قارنہ صرف ڈونے سے سچی بلحہ اس کی کلاہ دولت پر مزید چار چاند لگ گئے۔ اس "کرامت" کا دہلی میں بڑا چرچہ ہوا۔

خلیفہ کا شاگرد کو حصہ دینے سے انکار اور اس کا انجام

نمود کا کوس اناولا غیر ی محمد امین کی رحلت کے بعد دو تین سال تک غافلہ انداز عالم رہا۔ آخر موت نے اسے یہ پیغام سنا کر فضاے پر شور و شیون میں سکون پیدا کر دیا کہ میری حکومت ہے۔ نمود کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نما نمود نشین ہوا۔ اس نے نذر و نیاز کے ان حصوں میں جو دوجی کے لیے کابل میں باہمی تصفیہ سے مقرر ہوئے تھے اور نمود مرتے دم تک باقاعدہ دیتا رہتا تھا۔ ازراہ کم اندیشی دست اندازی کرنی چاہی۔ اس بنا پر دوجی اور نما نمود کی آپس میں جھگڑ گئی۔ دوجی نے بہتری منت خوشامد کی اور لاکھ آجھایا کہ میرے ساتھ جھگڑا کرنا خوب نہیں۔ مگر نما نمود کے سر پر حرص و طمع کا مہوت سوار تھا۔ کسی بات کو خاطر میں نہ لایا۔ دوجی نے اس نوجوان صاحب سجادہ کو تخلیہ میں یہاں تک سمجھایا کہ اول اول کابل میں مودنے کس لیے یہ پیش کی تھی کہ تقدس کی ایک دکان کھولیں اور ایک نیا مذہب جاری کر کے زرا اندوزی کا ڈھنگ نکالیں اور میان کیا کہ گو میں شروع ہی میں تمہارے باپ کا شریک کار ہو گیا تھا تاہم بہت دن تک کذب دزور کی تائید کرتے ہوئے ہچکچاتا رہا۔

آخر نفسانی خواہش غالب آئی اور ان حصوں کی طمع میں جو شروع میں مقرر ہوئے تھے۔ مدت تک تدارے باپ کے جھوٹے دعوؤں کی تائید و تصدیق کرتا رہا اور نما نمود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جو رونق و ترقی بھی اس مذہب کو آج تک نصیب ہوئی اس میں اس خاکسار کی کوششوں کو زیادہ دخل تھا۔ پس اگر ضد چھوڑ کر وہ حصص جو شروع سے میرے لیے چلے آتے ہیں بے تامل ادا کرنے کا وعدہ

کرو تو بہتر ورنہ ابھی بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن نمائندوں نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ جب
 دوجی نے نفل آرزو کے تمام رگ وریشے نمائندوں کے تیشہ میداد کٹتے دیکھے تو ناچار اجتماع جشن کی
 تقریب پر جبکہ فریودی بھرت جمع ہوتے تھے اور دوسرے نمائندوں کا بھی بڑا اجتماع ہوتا تھا کھڑے
 ہو کر ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں فریودی مذہب کی بنیادیں ہلا دیں۔ نمود کی عیاری اور اپنی
 شرکت کا سارا ماجرا اول سے آخر تک حاضرین کو سنا کر راز سربستہ کے چہرے سے نقاب اٹھادی اور
 کہنے لگا دوستو! کیا تم میرا اور نمود کا خط پہچان سکتے ہو؟ بہت سے آدمیوں نے اقرار کیا کہ ہم دونوں کا
 خط پہچانتے ہیں۔ دوجی نے وہ جو نمود اور دوجی نے باہم صلاح و مشورہ سے مرتب کئے تھے اور دونوں
 نے اپنے اپنے قلم سے ان میں؟؟؟ کی تھی نکال کر دکھائے اور کہا یہ مذہب محض میری اور نمود کی
 عیاری سے عرصہ وجود میں آیا۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہ
 ہوتی۔ تو لوگوں نے ان مسودات کو غور سے دیکھا اور حرف بحرف دوجی کے بیان کی تصدیق کی۔ اسی
 وقت ہزار ہا آدمی جن کو خدائے واہب نے فطرت سلیمہ عطا کی تھی اس باطل مذہب سے منحرف
 ہو گئے لیکن جو شتی ازلی سحر زدگان قادیان کی طرح پتھر کا دل رکھتے تھے اس زریں موقع سے فائدہ
 اٹھا کر بھی چشمہ ہدایت سے سیراب نہ ہو سکے۔ اس واقعہ سے گمراہی کی دکان کا موسم بیمار خزاں میں
 تبدیل ہوا۔ نمائندوں کی کساد بازاری دیکھ کر مایوسیوں اور نامرادیوں کے حصار میں گھر گیا اور جب رہائی
 کی کوئی صورت نہ نکلی تو مجبوراً دوجی سے از سر نو رابطہ الفت و یگانگت قائم کرنا چاہا لیکن یہ کوشش بیکار
 تھی کیونکہ جو خوش نصیب لوگ بے اعتقاد ہو کر دام گمراہی سے نکل چکے تھے ان سے اس بات کی
 کبھی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ دوبارہ آکر حلقہ ہائے دام اپنے گلے میں ڈال لیں گے۔ فریودیوں کی
 جمعیت گھٹتے گھٹتے دس پندرہ ہزار تک رہ گئی اور آمدنی کے ذرائع مسدود ہونے لگے۔ ناچار نمائندوں
 گاؤں میں جو ہادی علی خاں نے اپنی جاگیر میں دواہ کے اندر دیا تھا جا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد نمائندوں
 قضا کا شکار ہو گیا اور فضا اس کا جانشین مقرر ہوا۔ چونکہ اس مذہب کے نیر اقبال کو گمن لگ چکا تھا۔
 فضا کی دکان مہنت کسی طرح نہ چل سکی۔ اکثر فریودی اس مذہب سے سیزار ہو کر اسلام کے سواد
 اعظم سے جا ملے۔ آخر نصف صدی سے بھی پہلے یہ مذہب کسمپرسی کی گور میں دفن ہو گیا۔ فقط
 دابر القوم الذین ظلموا والحمد لله رب العلمین فضا کے بعد نمود کے چند اقرباء
 دہلی چھوڑ کر حالت تباہ نگالہ پہنچے۔ وہاں نواب میرن بن نواب جعفر ولی خاں نے جو ان ایام میں وہاں کا
 ناظم تھا۔ ان مسافران خستہ پا کو آل رسول سمجھ کر اپنے آغوش عاطفت میں جگہ دی اور پانچ روپے
 روزانہ وظیفہ مقرر کر کے برسوں کی سیبیل پیدا کر دی۔ 88-

باب 62۔ مرزا علی محمد باب شیرازی

اگرچہ باطنیت مرتداند آزادیوں کا دروازہ کھول کر خود قسم عدم میں مستور ہو گئی مگر اس کا زہر بلا اثر باطنیت اور مرزائیت کی شکل میں آج تک باقی ہے۔ باطنیت اور مرزائیت باطنی اصول زندگی کے نہایت آزلو مسلک ہیں خصوصاً باطنیت تو بالکل باطنیت ہی کے کھنڈروں پر قائم کی گئی تھی۔ باطنیت کا بانی مرزا علی محمد کیم محرم 1235ھ (20 اکتوبر 1819ء) کو شیرازی میں متولد ہوا۔ اس کا باپ مرزا محمد رضا لواکل عمری میں موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لیے علی محمد اپنے ماموں مرزا علی کے پاس شیرازی میں جوہر آزادی کا کام کرتا تھا چلا آیا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے جو باب کے ڈیڑھ دو سال بعد 1268ھ میں مقتول ہوا کتاب ”تختہ اکاف“ میں لکھا کہ انبیاء کرام امی تھے اور باب بھی امی یعنی ناخواندہ تھا۔ 89۔ لیکن ”بہائیوں کی کتاب“ ”دور بہائی“ میں لکھا ہے کہ علی محمد باب نے بچپن میں ابتدائی تعلیم شیخ محمد سے جن کا لقب عابد تھا حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد جب علی محمد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی تو بوشہر میں پہلے ماموں کی شراکت میں تیل کا کاروبار شروع کیا لیکن تھوڑے دن کے بعد ماموں سے علیحدگی اختیار کر کے مستقلاً مصروف تجارت رہا۔ اس نے بوشہر ہی میں شادی کی۔ اس بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صغر سنی میں مر گیا۔ پانچ سال تک تجارتی مشاغل میں مصروف رہنے کے بعد نجف کا سفر کیا۔ ایک سال وہاں اقامت گزریں رہا۔ نجف سے کربلا جا کر تین مہینے رہا۔ یہاں سے ارض فاء میں وارد ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس نے بعض محرکات کی بنا پر دعوائے مہدویت کا عزم صمیم کر لیا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ ابتداء ہی سے مہدویت کی رٹ لگائی تو شاید لوگ اس کے سننے کے لیے تیار نہ ہوں۔ نہایت ہوشیاری سے ارادہ کیا کہ پہلے صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کا واسطہ اور ذریعہ بنوں۔ اور جس وقت اہل ایران اس دعویٰ سے مانوس ہو جائیں تو پھر مہدی موعود ہونے کا اعلان کر دوں۔ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے جب وہ دیکھ لیتے تھے کہ ان کے ہمدگان مسکور پہلے دعویٰ کے متحمل ہو گئے تو ایک قدم اور بڑھا کر ان کے گلے میں ایک لور و دعویٰ کا طوق ڈال دیتے تھے۔ غرض اس قرارداد کے بعد مرزا علی محمد 1260ھ میں جبکہ اس کی عمر پچیس سال کی تھی شیراز آیا۔ اور اپنے تئیں باب (دروازہ) کے لقب سے متعارف کرانا شروع کیا۔ باطنیت سے اس کی یہ مراد تھی کہ وہ ایک بزرگوار ہستی (مہدی علیہ السلام) کے فیوض کا واسطہ ہے جو ہنوز پردہ غیب میں مستور ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اسی مستور ہستی کو خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ اے خدائے عزوجل کے منظر! میں تجھ پر فدا تو مجھے اپنی محبت کا غلام اپنی الفت کا بندہ بنا لے اور مجھے یہ قوت فہم اور اوراک دے کہ میں خدائے بزرگ و دیرتر کو اپنی نجات اخروی کا حاکم و متولی سمجھوں کہ تو میرے لیے کافی ذریعہ سفارش ہے اور تیری غلامی میرے لیے باعث فخر اور موجب فوز و فلاح ہو۔

چند روز کے بعد علی محمد نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا جب اس کے دعویٰ کو شہرت ہوئی تو عقیدت شعار لوگ اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے۔

طبقہ علماء میں جو بڑی ہی پھیل رہی تھی اس نے حسین خان آجودان حاکم فارس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ باب کے سرگرم داعی ملا صادق مقدس کو تازیانہ کی سزا دے۔ اس کے علاوہ ملا صادق مرزا محمد علی بار فروشی اور ملا علی اکبر اردستانی تینوں کی داڑھیاں منڈوا کر انہیں کوچہ و بازار میں تشہیر کیا گیا۔ اس کے بعد حاکم فارس نے علماء کی صوابدید پر باب کو طلب کیا اور علماء و فضلا کی موجودگی میں بڑی سرفراز کی۔ اس کے جواب میں باب نے بھی سخت کلامی کی۔ حاکم نے پیادوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ لاتوں اور گھونٹوں سے باب کی تواضع کرنے لگے اور اہانت و تحقیر کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ زد و کوب کا اثر باب کے چہرے پر بھی نمایاں ہوا۔ آخر باب کے ماموں علی یوازی کی ضمانت و کفالت پر اس کو گھر بھیج کر خویش دیکھانہ کی ملاقات سے روک دیا گیا۔ ایک دن شیراز کے قاضی نے جامع مسجد میں پا کر اس کو مسجد سے باہر ہو جانے کو کہا مگر باہر نکلنے کے بجائے وہ فوراً منبر پر چڑھ گیا اور ایک تقریر کر کے لوگوں کو اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ بہت سے سامعین و حاضرین نے اس کے ہاتھ پر اسی وقت بیعت کر لی۔

شاہ کا باب کے پاس ایک مجتہد بھیجنا

جب محمد شاہ تاجدار ایران کو باب کے دعویٰ مہدویت اور اس کی روز افزوں جمعیت کا علم ہوا تو اس نے ایک شیعہ مولوی سید یحییٰ دارابی کو اس بات پر متعین کیا کہ شیراز کا باب سے ملاقات کرے اور اس کے دعویٰ کی حقیقت معلوم کر کے اطلاع دے۔ یحییٰ دارابی نے باب سے تمنا ملاقاتیں کیں۔ تیسری صحبت میں اس سے خواہش کی کہ سورہ کوثر کی تفسیر کرے۔ باب نے اسی مجلس میں سورہ کوثر کی تفسیر لکھ دی۔ یہ دیکھ کر دارابی اس کا گرویدہ ہو گیا اور مرزا لطف علی پیش خدمت کو تمام واقعات بیان کرنے لیے بادشاہ کے پاس بھیج کر خود ایران کی سیاحت شروع کی اور تمام شہروں اور قصبوں میں پھر کر اس طمطراق سے باہلی مذہب کا نشر کیا کہ شیعہ علماء نے اس کے جنون خلل دماغ کا حکم لگایا۔ ان ایام میں زنجان میں ملا محمد علی نام ایک شیعہ مجتہد کا طوطی بول رہا تھا۔ ملا محمد علی نے اپنے ایک معتمد کو تفصص حالات کے لیے شیراز روانہ کیا۔ اس نے باب کی بعض تالیفات لے کر مراجعت کی۔ جب ملا مذکور نے باب کی تحریریں پڑھیں تو اس کا والد و شہید ہو گیا۔ اور کتابوں کو طاق میں جمع کر کے کہنے لگا۔ طلب العلم بعد الوصول الی المعلوم مذموم (حصول مقصد کے بعد تحصیل علم مذموم ہے) اس کے بعد اپنے تمام مریدوں اور شاگردوں کو جمع کر کے منبر پر چڑھا اور لوگوں کو باہلی مذہب کی دعوت دینے لگا اور باب کے نام ایک مکتوب بھیج کر اس

کے دعویٰ کہ تصدیق کی۔ ملا محمد علی کی دعوت و تبلیغ نے اکثر اہل زنجان کو باہیبت کا پیر و بنا دیا۔ زنجان کے شیعی علماء لوگوں کو وعظ و نصیحت کی تبریریں پلاتے تھے مگر اہل زنجان پر ملا محمد علی کا جادو چل چکا تھا۔ ان کی حرارت اعتقاد میں کچھ فرق نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر شاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ نے ملا محمد علی کو طہران طلب کر کے علماء کی مجلس میں حاضر کیا۔ ملا محمد علی نے آج کل کے مرزا یوں کی طرح خوب کج بحثی کی۔ علماء نے بہتری کو ششیں کیس مگر اس کو مغلوب اور لاجواب نہ کر سکے۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ نے ایک عصا اور پچاس تومان زر نقد دے کر اسے مراجعت کی اجازت دی۔ 90- علماء نے حسین خاں حاکم فارس سے کہا کہ تعذیب و تلفیح کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا گیا۔ پھر بھی یہ فتنہ کسی طرح دہتا نظر نہیں آتا۔ اب انفظائے فتنہ کی یہی ایک صورت ہے کہ باب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور یہ اقدام بدیں وجہ اور بھی ضروری ہے کہ باب کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ خروج و بغی کا حوصلہ رکھتا ہے۔ حاکم فارس نے عبدالحمید خاں کو توال کو حکم دیا کہ نصف شب کے وقت باب کے ماموں کے گھر پر ہجوم کر کے باب اور اس کے تمام پیروؤں کو گرفتار کر لے۔ کو توال نے پولیس کی جمعیت کے ساتھ چھاپہ مارا۔ وہاں باب اس کے ماموں اور سید کاظم زنجانی نام ایک بانی کے سوا کوئی نہ ملا۔ یہ تینوں دست بستہ حاضر کئے گئے۔ حسین خاں نے باب کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ شہر سے چلا جائے۔ باب نے شیراز کو الوداع کہہ کر اصفہان کا قصد کیا۔ یہ تو کتاب ”مقالہ سیاح“ میں مذکور ہے لیکن باب کے مرید خاص حاجی مرزا جانی کاشانی نے کتاب ”تقطیۃ الکاف“ میں لکھا ہے کہ حاکم شیراز نے حکم دے رکھا تھا کہ باب کسی شخص سے ملاقات نہ کرے۔ حمام کے سوا کہیں باہر نہ جائے۔ نہ کسی کا کوئی نوشتہ وصول کرے اور نہ کسی تحریر کا جواب دے۔ ان امتناعی احکام کے باوجود باب لوگوں سے مخفی ملاقاتیں کرتا اور ہر وقت اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا۔ جب مخالفوں کو اس کا علم ہوا تو وہ 21 رمضان کی شب کو اس کے مکان میں گھس پڑے اور و شام دہی کے بعد باب کو بہت مارا پیٹا۔ اس کے بعد اس کے پیروؤں کو بھی زد و کوب کیا اس لیے باب نے شیراز کو الوداع کہنے کے قصد سے اپنے ایک مرید آقا محمد حسین اردستانی کو پچاس تومان (قریباً ہزار روپیہ) دے کر تین گھوڑے خریدنے کو کہا۔ اس نے گھوڑے خریدے اور باب نے اپنے دو فدائیوں کے ساتھ شیراز سے اصفہان کا راستہ لیا۔ حاجی مرزا جانی مولف ”تقطیۃ الکاف“ آقا محمد حسین اردستانی کے اخلاص کے متعلق لکھتا ہے کہ تیرا ہی کے پاس تھے۔ شاہی لشکر نے محمد حسین کو گرفتار کر لیا اور اسے تیروں سمیت اپنے فوجی سردار کے پاس لے گئے۔ بابیوں نے اس وقت ایک قلعہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ سردار نے اس سے قلعہ اور قلعہ گیر بابیوں کے حالات دریافت کئے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ فوج کے افسروں نے بہتیرا سرا مارا۔ لیکن اس نے مہر سکت نہ توڑی اس سے کہا گیا کہ اگر تو نہیں بتاتا تو ہم ابھی تیری گردن مارے دیتے ہیں۔ کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا

سعادت ہوگی کہ حضرت قائم علیہ السلام (باب) کی راہ میں مارا جاؤں۔ سردار پوچھنے لگا۔ ”اچھا تاؤ تمہیں کس طرح ہلاک کیا جائے؟ کہنے لگا وہ طریقہ اختیار کرو جو میرے حق میں سب سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔“ ہمدوق اس کی داہنی آنکھ کے ساتھ ملا کر چلا دی گئی اور اس نے آنا فانا قضا کا جام پی لیا۔

حاکم اصفہان کی گرویدگی باہیت

جب باب اصفہان پہنچا تو معتمد الدولہ منوچہر حاکم اصفہان اس کا معتقد ہو گیا اور درپردہ اس کا مذہب قبول کر لیا۔ باب اہل اصفہان کو کھلے ہمدوں اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ علماء اور تمام حامیان مذہب نے مخالفت کی۔ اور اصفہان میں بڑی شورش برپا ہوئی۔ آخر بعض آدمیوں نے اس کی سرکوبی کا قصد کیا۔ باب کو معلوم ہوا تو وہ ایک سرانے میں چھپ گیا۔ لوگوں نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن معتمد الدولہ نے اس کی ہر طرح سے حفاظت کی چند روز کے بعد معتمد الدولہ نے شیعہ علماء کو مغلوب و لاجواب کرانے کے خیال سے ایک مجلس مناظرہ قائم کی۔ شیعوں کی طرف سے مرزا سید محمد آغا محمد مہدی اور مرزا حسن مباحثہ کے لیے منتخب ہوئے۔ آغا مہدی نے باب سے سوال کیا کہ مجتہد لوگ خود ہی قرآن سے مسائل استنباط کرتے ہیں لیکن جنہیں اتنی قابلیت نہیں ہوتی وہ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے کس گروہ میں شامل ہیں؟

باب: ”میں کسی کی تقلید نہیں کرتا“ اور نہ مجتہدین کی طرح قیاس سے کام لیتا ہوں بلکہ میرے نزدیک قیاس فقہی حرام و ناجائز ہے۔“

آغا مہدی: ”آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے جس سے ثابت ہو گیا آپ مجتہد ہیں۔ لیکن آپ مجتہد بھی نہیں بنے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن مسائل پر آپ کا عمل ہے اور جن کا آپ حکم دیتے ہیں وہ قیاس نہیں یعنی ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کی حجت (مہدی علیہ السلام) غائب ہے لہذا جب تک امام آخر الزماں کا ظہور نہ ہو لے اور کوئی شخص خود ان کی زبان مبارک سے مسائل فقہ کو نہ سنے وہ اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مسائل مطرہ یعنی ہیں۔ پس آپ پر اپنے مسائل کے جتنی بونے کا ثبوت لازم ہے۔“

باب: ”تیری کیا حقیقت ہے کہ مجھ جیسے شخص سے جس کا مقام فقہی ہے مباحثہ کر سکے۔ یہ باتیں تیری عقل کی رسائی سے دور ہیں۔ پس جائے اس کے کہ فضول بجو اس کرے اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہ۔“

مرزا محمد حسن: ”شاید آپ کو بھی اس سے انکار نہ ہو گا کہ جو شخص مقام قلب پر پہنچ جاتا ہے کوئی چیز

اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ جب آپ بھی اس مقام پر پہنچے تو ضرور ہے کہ جو بات آپ سے پوچھی جائے آپ اس کا جواب دیں۔“

باب: ”بے شک تمہارا خیال درست ہے۔ جو پوچھنا چاہو پوچھو جواب دوں گا۔“
 محمد حسن: ”حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ایک ہی رات میں ایک وقت چالیس آدمیوں کے مہمان ہوئے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کو عقلی دلائل سے ثابت کیجئے۔“ اسی طرح چند اور امور کی نسبت جو عقلاً محال ہیں سوال کیا۔

باب: ”یہ باتیں نہایت دقیق ہیں اگر چاہو تو اس کو نہایت تفصیل سے لکھ دیتا ہوں۔“
 محمد حسن: ”اچھا لکھ دیجئے۔“ باب نے لکھنا شروع کیا۔ اتنے میں کھانا آگیا اور سب لوگ کھانا کھانے لگے جس وقت لوگ فارغ ہو کر جانے لگے تو وقت باب نے اپنی تحریر ان کے حوالے کی۔ مرزا محمد حسن نے اس کا مطالعہ کر کے کہا یہ تو ایک خطبہ ہے جس میں کسی قدر حمد اور نعت اور باقی مناجات ہے۔ لیکن جن امور کی نسبت سوال کیا گیا تھا ان میں سے کسی کا جواب نہیں۔ ”بہت سے لوگ تو پہلے جا چکے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ بھی چلتے پھرتے نظر آئے اور مباحث یوں ہی ناتمام رہ گیا۔ لیکن جو وہ یہ اس مباحثہ میں باب کو نیچا دینا پڑا اور وہ ذلت سے ہمکنار ہوا لیکن محنت اللہ کے پائے اعتقاد میں کچھ بھی تزلزل رونما نہ ہوا۔ چونکہ وہ علانیہ باب کی تائید نہیں کر سکتا تھا اور عوام کا جوش و مہم دم ترقی کر رہا تھا اس نے غضب آلود عوام کی تسکین کے لیے بظاہر تو یہ حکم دیا کہ باب کو طہران پہنچایا جائے لیکن درپردہ وہ اپنے چند خاص سواروں کے ساتھ اصفہان سے باہر بھیج دیا۔ جب باب موضع مورچہ خوار میں پہنچا تو مخفی طور پر پھر اصفہان آجانے کا حکم دیا۔ اور اپنی خلوت خاص میں اس کو جگہ دی۔ باب کے چند پیروؤں اور معتمد الدولہ کے بعض خاص معتمد لوگوں کے سوا کوئی شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ باب معتمد الدولہ نے ملک عدم کو نقل مکان کیا اور مرنے سے پہلے اپنی ساری جائیداد باب کے نام بہہ کر گیا۔ جب معتمد الدولہ کے پاس نہایت عیش و راحت کے دن کاٹنے لگا۔ معتمد الدولہ نے باپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو میرے مال و اسباب میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا حق ہے۔ چار ماہ کی مدت اسے طرح گزر گئی۔ اتنے میں معتمد الدولہ بچھے مرزا گرگین خان نائب الحکومت کو جو معتمد الدولہ کے بعد اصفہان کا حاکم مقرر ہوا تھا معلوم ہوا کہ باب خلوت میں موجود ہے تو باب کی موجودگی اور باب کے نام معتمد الدولہ کے جائیداد بہہ کر جانے کی کیفیت حاجی مرزا آقا سی وزیراعظم کو طہران لکھ بھیجی۔ وزیراعظم نے حکم دیا کہ باب کو بہ تبدیل وضع و ہیئت بھیجا جائے اور معتمد الدولہ کی جائیداد کا اس کو ایک حصہ بھی نہ دیں۔

قلعہ ماہکو میں نظر بندی

مرزا گرگین خان نے باب کو بلایا اور کہا کہ یہاں کے لوگ آپ کے دشمن ہو گئے ہیں۔

خصوصاً طبقہ علماء آپ کے قیام اصفہان کے خلاف ہے۔ اس لیے قرین مصلحت یہ ہے کہ آپ طہران تشریف لے جائیں۔ باب نے کہا اچھا ہم چلے جائیں گے۔ حاکم نے کہا بہتر ہے کہ آج ہی رات تشریف لے جائیے۔ باب نے کہا۔ چونکہ اس وقت آدمی موجود نہیں ہیں اور سفر کا مدارک بھی میا نہیں ہے۔ حاکم نے کہا میں آدمی آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔ جو آپ کو تیار میسر میں مدد دیں گے۔ غرض حاکم نے بارہ سوار متعین کر کے حکم دیا کہ وہ باب کو جلد اصفہان سے لے جائیں چنانچہ بڑی عجلت کے ساتھ اسباب سفر درست کر کے باب کو رخصت کر دیا گیا۔ باب نے اصفہان میں بھی شادی کر لی تھی اس کو بیوی سے ملنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ یہ ایسی قرا آمیز اور اندوہناک حالت تھی کہ باب عالم رنج و اضطراب میں مقاطعہ جوعی پر آمادہ ہو اور کاشان تک کچھ نہ کھایا۔ باب کے چند پیرو جو رفقاء سفر تھے اپنے مقتداء کی فاقہ کشی پر سخت مضطرب ہوئے اور انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں گرسنگی سے ہلاک نہ ہو جائے۔ بڑی منتیں کیں لیکن باب نے کھانا تناول نہ کیا۔ آخر کاشان پہنچ کر شیخ علی خراسانی کی استدعا پر دو دن کے بعد کھانا کھالیا۔ جب باب اصفہان سے چلا آیا تو راستہ میں وزیر اعظم کی طرف سے باب کو تبریز اور ماکو لے جانے کا دوسرا حکم آپہنچا۔ باب کو کاشان سے موضع خاتق اور دہاں سے تبریز پہنچایا گیا۔ یہاں آکر باب کو معلوم ہوا کہ ہماری منزل مقصود تبریز نہیں بلکہ ماکو ہے۔ باب نے اپنا ایک قاصد شہزادہ بہمن میرزا حاکم تبریز کے پاس بھیج کر اس سے درخواست کی کہ وہ تبریز ہی میں قیام کی اجازت دے۔ کیونکہ ہمیں ماکو کا سفر ناگوار ہے اور ساتھ ہی یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تم انکار کرو گے تو خدا تم سے اس کا انتقام لے گا۔ حاکم تبریز نے جواب دیا کہ اس میں میری مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ طہران سے جو حکم آتا ہے اسی کی تعمیل کی جاتی ہے۔ جب قاصد نے واپس آکر باب کو حاکم کا یہ جواب سنایا تو آہ بھر کر کہنے لگا میں قضائے الہی پر راضی ہوں۔ یہ لوگ چند روز تک تبریز سے باہر ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد سواروں نے آکر کہا کہ اٹھئے روانہ ہو جائیے۔ باب نے چلنے سے پہلے اپنے قاصد سے کہا کہ ایک دفعہ شاہزادہ بہمن میرزا کے پاس دوبارہ جا کر تمام حجت کر دو اور اس سے کہہ دو کہ میں تبریز سے حرکت نہیں کروں گا۔ جز اس صورت کے کہ مجھے قتل کر کے لے جائیں۔ قاصد نے باب کا پیغام پہنچایا۔ شاہزادہ اصلاً خاطر میں نہ لایا۔ اور قاصد افسردہ دل واپس آیا۔ سواروں نے روانگی کے لیے کہا۔ لیکن باب نے چلنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک سوار اس غرض سے آگے بڑھا کہ باب کو پکڑ کر اٹھائے اور گھوڑے پر لا دے۔ یہ رنگ دیکھ کر باب چلنے پر قلعہ ہو گیا۔ آخر ماکو پہنچے اور اسے پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ میں رکھا گیا۔ 91۔

”مہدی موعود“ کے اخلاق عالیہ کا نمونہ

بعض احباب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مغلطات پڑھ کر یہ رائے قائم کی

کرتے ہیں کہ قادیان کے ”مسح موعود“ صوبہ فن دشنام گوئی میں لکھنئو کی بھٹیاریوں سی بھی گوے سبقت لے گئے تھے لیکن میں ان حضرات کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی دشنام دی کچھ قادیانی مسیح موعود پر موقوف نہیں تھی بلکہ قریب قریب سارے جموٹے مدعی گالیوں کے ناقابل مدافعت اسلحہ سے مسلح رہے ہیں۔ حاجی میرزا جانی کاشانی نے جواب کے ممتاز ترین مریدوں میں تھا کتاب ”مکتبہ الکاف“ میں اپنے مہدی موعود کے اخلاق عالیہ کے چند نمونے درج کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ماہو کا ایک بہت بڑا عالم باب کے پاس آیا اور اس سے چند باتیں دریافت کیں۔ سوالات کے سلسلہ میں اس کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا جسے باب نے سوء ادب پر محمول کیا۔ باب نے آپے سے باہر ہو کر عصا اٹھایا اور اس کو بے تحاشا پیٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ عصا اس کے جسم پر نوٹ گیا۔ اس کے بعد آقا سید حسین عزیز کو جو ہر وقت حضور میں حاضر رہتا تھا فرمایا کہ اس کے کو مجلس سے نکل دو۔ وہ عالم مجلس سے نکل دیا گیا حالانکہ وہ بہت بڑا بار سوخ مجتہد تھا اور شرمابو میں جو قریباً تین ہزار خوانین تھے وہ سب اس کا احترام کرتے تھے۔ 92۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے ایک اور واقعہ لکھ کر بھی اپنے مہدی موعود کے اخلاق پر روشنی ڈالی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ علی خاں حاکم ماہو نے باب کو لوگوں سے ملنے اور خط و کتابت کرنے کی ممانعت کر دی تھی لیکن اس کے باوجود باب کے پاس عقیدت شعاروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور باب اپنے مذہب کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہا۔ یہ دیکھ کر حاکم نے حکام بالا کو لکھ بھیجا کہ یہاں باب لوگوں سے کھلم کھلا ملتا ہے اور اس جگہ اس کی حفاظت کے سامان بھی ناکافی ہیں۔ اس لیے اسے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ باب کو سہ سالہ قیام کے بعد قلعہ چہرئق کو بھیج دیا گیا۔ جب باب ماہو سے روانہ ہوتے وقت سوار ہوا تو علی خاں حاکم ماہو معذرت کرنے لگا کہ میری حقیقی خوشی اسی میں تھی کہ آپ یہیں رہتے لیکن بعض مجبور یوں کی وجہ سے آپ کو یہاں سے منتقل ہونا پڑا۔ باب نے جواب دیا۔ اے ملعون! کیوں جھٹ بھتا ہے؟ خود ہی لکھ بھیجتا ہے خود ہی عذر کرتا ہے۔ غرض چہرئق راستہ لیا۔

93۔ قلعہ چہرئق شہر ارومیہ کے پاس ہے۔ ارومیہ کے حاکم کا نام بیگی خان تھا۔ باب چہرئق لا کر بیگی خان کے سپرد کیا گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ مجتہدین کے فتوؤں اور انواع و اقسام کی ضرب اور نفی و جس کے باوجود باہلی فرقہ روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ کیونکہ حق کی طرح شجرہ باطل بھی بڑا نشوونما پاتا اور بڑگ و بار لاتا ہے۔ اس وقت ایران میں ہر طرف عث و جدال کا بازار گرم تھا اور ملک کے طول و عرض میں کوئی مجلس ایسی نہ ہوگی جس میں باہلی تحریک کے سوا کوئی اور گفتگو ہوتی ہو۔ اس اثناء میں باب کے پیروؤں نے ملک کے مختلف حصوں میں فساد برپا کر کے بعض مقامات پر مسلسل کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ قلعہ چہرئق میں سہ ماہہ اقامت کے بعد تہریز کے اجلہ علماء اور فضلاء

آذربائیجان نے شاہ اور دوسرے حکام طہران کو باب اور بابیوں پر غیر معمولی تشدد کرنے کے لیے لکھا۔ لیکن انہوں نے مناسب خیال کیا کہ باب کو علماء کے مقابلہ میں لاجواب کیا جائے۔ چنانچہ 1263ھ میں یعنی باب کے ادعائے مہدویت کے تین سال بعد محمد شاہ والئی ایران نے اپنے ولی عہد ناصر الدین شاہ کو جو اس وقت آذربائیجان کا گورنر تھا لکھ بھیجا کہ باب کو قلعہ چریق سے بلوا کر علماء سے اس کا مناظرہ کراؤ۔ اسی مضمون کا ایک خط حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم نے بھی ولی عہد کو لکھا جس میں شاہ کے حکم کی تعمیل پر بڑا زور دیا تھا۔ ولی عہد نے حکم دیا کہ باب کو تبریز میں حاضر کریں۔ جب باب تبریز آیا تو اس سے اتنی رعایت کی گئی کہ قید میں رکھنے کے بجائے کاظم خان داروغہ فرش کے مکان میں اتارا گیا۔

مناظرہ تبریز

دوسرے دن تبریز کا مجتہد اعظم ملا محمود جس کا خطاب نظام العلماء تھا ملا محمود ماماتانی، مرزا احمد اور مرزا علی اصغر شیخ الاسلام اور دوسرے شیعہ مجتہدین بھی جمع ہوئے۔ باب بھی بلایا گیا اور مباحثہ شروع ہوا۔

نظام العلماء: ”آپ کس منصب کے مدعی ہیں؟“

باب: ”میں وہی ہوں جس کا ہزار سال سے انتقال کیا جا رہا تھا۔“

نظام العلماء: ”یعنی آپ صاحب الامر (مدعی علیہ السلام) ہیں؟“

باب: ”بے شک۔“

نظام العلماء: ”آپ کے مدعی موعود ہونے کی کیا دلیل ہے؟“

باب نے اپنی مہدویت کے ثبوت میں قرآن کی بہت سی آیتیں اور بعض دوسری عبارتیں پڑھ دیں اور کہنے لگا کہ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کی ہر آیت میرے دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔“

نظام العلماء: ”آپ کا کیا نام ہے؟ باپ کا کیا نام تھا؟ ولادت کہاں ہوئی؟ عمر کتنی ہے؟“

باب: ”میرا نام علی محمد ہے۔ والد کا نام مرزا رضا ہے۔ ولادت شیراز میں ہوئی اور عمر 35 سال کی ہے۔“

نظام العلماء: ”صاحب الامر کا نام محمد ان کے والد کا نام حسن اور ان کی جگہ ظہور سر من رائے اور ان کی عمر ہزار سال ہے۔ اس لیے آپ کسی طرح صاحب الامر نہیں ہو سکتے۔“ معلوم ہو کہ حضرت مدعی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ شیعوں کا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت مدعی علیہ السلام کا نام نامی محمد والد کا نام عبد اللہ ہوگا۔ اور مکہ معظمہ میں ظاہر ہوں گے۔“ شیعہ کہتے ہیں کہ مدعی موعود حضرت حسن عسکری کے فرزند محمد ہیں جو عین میں لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو گئے

تھے۔ وہی وقت معمود پر ظاہر ہوں گے۔ لیکن اہل سنت و جماعت کے نزدیک ہمدی علیہ السلام ہنوز پیدا نہیں ہوئے بلکہ اپنے وقت پر پیدا ہوں گے لیکن خیال رہے کہ شیعوں نے جو محمد بن حسن عسکری کو ہمدی موعود سمجھ لیا تو یہ ان کی من گھڑت تجویز ہے۔ یہ لوگ کسی صحیح حدیث سے اس دعویٰ کو جھٹ نہیں کر سکتے۔ باب اپنی ذات میں حضرت ہمدی علیہ السلام کی کوئی علامت اور خصوصیت جھٹ نہ کر سکا۔ چار کرامت کی ڈیگیں مارنے لگا اور کہا میں اپنی ایک کرامت تم سے بیان کرتا ہوں کیا تم میری کرامت پر یقین کرو گے؟

حاضرین: ”ہاں کہتے۔“

باب: ”میری کرامت یہ ہے کہ میں ایک ہی دن میں ایک ہزار بیت لکھ سکتا ہوں“

حاضرین: ”مگر یہ بیان صحیح بھی ہو تو اس سے صرف اتنا ثابت ہو گا کہ تم ایک زود نویس کا تب ہو۔“

ناصر الدین شاہ: ”مگر تم کرامت دکھا سکتے ہو تو نظام العلماء کا بڑھاپا زائل کر کے ان کو جوان کر دو۔“

باب سے اس کا بھی کچھ نہ بن پڑا۔

نظام العلماء: ”ضحیفہ سجادیہ کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں کیا وہ فی الواقع تمہاری تصنیف ہیں؟“

باب: ”یہ سب خدا کی پاک وحی ہے جو مجھ پر نازل ہوئی۔“

نظام العلماء: ”جب تم صاحب وحی ہو تو اس آیت کی تفسیر کرو۔ هو الذی یریکم البرق خوفا وطمعا وینشئ السحاب الثقاک الخ (وہی خدائے برتر (بارش میں) تم کو جھلی دکھاتا ہے جس (کے گرنے) کا ڈر بھی ہوتا ہے اور (بارش کی) امید بھی ہوتی ہے اور گراں بادل کو بلند کرتا ہے اور رعد (کا موکل فرشتہ) اس کی حمد و ستائش کے ساتھ یاد کرتا ہے اور دوسرے ملائکہ بھی رب جلیل کے خوف سے حمد و ثنا میں مستغرق ہیں اور وہ (بادل سے نکلنے والی باری) جھلیاں بھی مسلط کرتا ہے پھر جس کسی پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے لیکن (بلایں ہمہ قدرت) منکر لوگ (پیغمبر خدا ﷺ) سے خدائے واحد کے متعلق محاصمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ نہایت قوی اور شدید البطش ہے (13:13) اور ساتھ ہی اس کی نحوی ترکیب بھی بتاؤ۔“

باب سوچنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔

نظام العلماء: ”اچھا سورہ کوثر کی شان نزول بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ اس سورہ سے پیغمبر علیہ السلام کی کیا تسلی ہوئی جس کا سورہ میں ذکر ہے؟“

باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔

نظام العلماء: ”علامہ حلی کے اس قول کا کیا مطلب ہے۔ اذا دخل الرجل الخنثی و الخنثی علی الانثی و جب الغسا علی الخنثی دون الذکر والا نثرے باب نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔“

نظام العلماء: ”اچھا تاؤ کہ فصاحت و بلاغت کی کیا کیا تعریف ہے؟ اور ان میں نسب اربعہ میں سے کس سے کیا نسبت ہے؟“

باب نے کچھ جواب نہ دیا۔

نظام العلماء: ”اچھا تاؤ منطق کی شکل اول کیوں بد یہی ہے؟“

باب اس کا بھی جواب نہ دے سکا۔

نظام العلماء ناصر الدین شاہ سے خطاب کر کے۔ ”جناب یہ شخص جملہ علوم سے عاری ہے کسی علم سے اس کو مس نہیں۔“

ایک مجتہد باب کو خطاب کیا۔ ”کیوں صاحب! خدا نے تو کلام الہی میں فان للہ خمس (اللہ کے لیے خمس ہے) فرمایا ہے اور تم نے اپنے کلام وحی میں خمس (پانچواں حصہ) کی جگہ ٹکٹ (تیسرا حصہ) لکھا ہے کیا قرآن کی آیت منسوخ ہو چکی ہے؟“

باب: ”ٹکٹ اس وجہ سے کہ وہ خمس کا نصف ہے۔“

یہ سن کر تمام حاضرین کھل کھلا کر ہنسے۔

ملا عمر ماما قانی: ”فرض کیا کہ ٹکٹ خمس کا نصف ہے لیکن اس سے سوال کا جواب نہیں نکلا۔ آپ بتائیے کہ جب خدائے قدوس نے قرآن میں خمس فرمایا تو پھر ٹکٹ کیوں دینا چاہیے؟“

کہنے لگا۔ ”میری ایک کرامت یہ ہے کہ میں فی البدیہہ خطبہ پڑھتا ہوں۔“ یہ کہہ کر

پڑھنے لگا۔ الحمد للہ الذی السموت والارض (باب نے ت کو مفتوح اور ض کو مجرد پڑھا حالانکہ صحیح اس کے بالعکس ہے) یہ سن کر حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

ناصر الدین شاہ نے کہا اس جہالت و کوری کے باوجود تم صاحب الامر نے پھرتے ہو؟ تم ایک محبوب الحواس آدمی معلوم ہوتے ہو لہذا میں تمہارے قتل کا حکم نہیں دیتا۔ البتہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تم صاحب الامر ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے ہو تبھیہ و تادیب لایا ہے۔“ یہ کہہ کر پیادوں کو اشارہ کیا۔ حکم کی دیر تھی کہ مار پڑنے لگی۔ باب جان چانے کے لیے پکارنے لگا تو بہ کر دم۔ تو بہ کر دم۔ جب اچھی طرح پٹ چکا تو اس کو دوبارہ قلعہ چریق میں بھیج دیا گیا۔ 94۔

فصل 2۔ بابیوں کی مسلح بغاوتیں

اور حرلی سرگرمیاں

جس زمانہ میں علی محمد باب ماہکو اور چریق میں نظر بند تھا ان ایام میں اس کے پیروؤں نے

خوب ہاتھ پاؤں نکالے اور جان بچت ہو کر مسلح بغاوتیں شروع کر دیں۔ باب نے ملا حسین بھرویہ کو ماکو سے بغرض تبلیغ خراسان بھیجا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ محمد شان والہی ایران ملک ہذا کو انتقال کر گیا تھا اور ناصر الدین شاہ نیا نیا اورنگ نشین سلطنت ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ملا حسین بھرویہ خراسان سے مازندران کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت دو سو تیس باہلی اس کے ہمراہ رکاب تھے۔ راستہ میں فیروز کوہ کے مقام پر فریضہ نماز لوا کر کے منبر پر چڑھا اور دینائے دوں کی مذمت کر کے کہنے لگا۔ صاحبو! ہمارا واقعہ حضرت عبداللہ (لام حسین) کے ماجرے سے مشابہت رکھتا ہے۔ شہادت فی سبیل اللہ کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں جس کسی نے طمع دنیوی کے لیے ہماری رفاقت اختیار کی ہو وہ وطن مالوف کو لوٹ جائے۔ تمام لوگ یقین رکھیں جو نمی ہم مازندران پہنچیں گے تیغ جفا کا لقمہ بن جائیں گے جو شخص جانا چاہے وہ ابھی جا سکتا ہے لیکن جو کوئی شہادت کا آب حیات پینا چاہے وہ ہمارا ساتھ دے۔ یہ سن کر تیس آدمی تو ترک رفاقت کر کے چلے گئے۔ دوسرے لوگوں نے ملا حسین کو یقین دلایا کہ شہادت اور جان نثاری کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ ملا حسین اس جمعیت کو ساتھ لے کر بارفروش پہنچا۔ ”سعید العلماء“ نے جو حاکم شہر تھا اتنے مسلح بابیوں کو شہر میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی۔ انہوں نے جبر اشہر میں داخل ہونا چاہا۔ اہل شہر مزاحم ہوئے۔ آخر جھگڑا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے کشت و خون تک نہایت پہنچی۔ اس ہنگامہ میں تین باہلی اور سات شہری کام آئے۔ اس کے بعد ایک اور جھڑپ ہوئی جس میں چند باہلی مارے گئے۔ باہلی یہاں سے چل کر قلعہ طبریہ کے مقام پر پہنچے۔ اس اثناء میں ملا محمد بارفروشی بھی جو بابیوں میں ایک ممتاز شخصیت رکھتا تھا آکر ان سے ملحق ہو گیا۔ محمد علی نے ملا حسین کو مشورہ دیا کہ ”ایک قلعہ بنا لو چنانچہ اس کے حدود بھی متعین کر دیئے۔ بابیوں نے قلعہ طبریہ کے قریب رات دن کی محنت و مشقت برداشت کی اور چند ہی روز میں ایک مختصر سا قلعہ تعمیر کر لیا۔ اس کے بعد بابیوں نے اردگرد کے دیہات کی بے گناہ رعایا کو لوٹ کر دو سال کا آذوقہ قلعہ میں جمع کر لیا۔ ایک قلعہ ہاتھ میں آجانے کے بعد ان کی جرات یہاں تک بڑھی کہ ایک رات ایک گاؤں پر اچانک یورش کر کے وہاں کے ایک سو تیس جرم نا آشنا باشندوں کو تیغ جفا کی نذر کر دیا۔ اس گاؤں کے باشندوں میں سے صرف وہ لوگ بچ سکے جو قتل عام کے وقت گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بابیوں کو مال و اسباب جو کچھ مل سکا اسے قلعہ میں لے آئے۔ اب قلعہ گیر بابیوں کی جمعیت بڑھنے لگی اور سینکڑوں سے ترقی کر کے ہزاروں تک پہنچ گئے۔ جب ان حالات کی اطلاع طہران پہنچی تو شہزادہ مہدی قلی خاں حاکم مازندران فیصلہ کیا کہ وہ بابیوں پر دھاوا کرے۔ شاہ نے عباس قلی خاں لار جانی کو بھی شہزادہ کی عون و نصرت پر مامور کیا۔ شاہزادہ نے مازندران سے کوچ کیا اور باہلی قلعہ سے قریب ارد فرسنگ کے فاصلہ پر موضع وازگرد میں قیام کیا اس

کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ تھی اس لیے گاؤں کے پاس ٹھہر کر عباس قلی خاں کی کمک بھیجی۔ کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں شاہزادہ نے بابیوں کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں نصیحت کی تھی کہ شوریدہ سری چھوڑ دو اس کے جواب میں ملا حسین اور حاجی محمد علی بار فروشی نے لکھا کہ ہمیں دنیا اور اس کے خطوط فانیہ سے سروکار نہ ہے۔ ہمارا مقصد محض دینے ہے۔ ہماری جماعت بڑے بڑے علماء، سادات، نجباء، متقیین و منتخب روزگار حضرات پر مشتمل ہے۔ یہ عاشقان حق راہ محبوب میں دنیا کے تمام مالوفات سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ نفوس قدسیہ بھی برسر حق نہیں ہیں تو پھر کون لوگ ایسے ہو سکتے ہیں؟ کون راہ ہدایت دکھائے گا؟ بہتر ہے کہ ہماری تہذیب و تمدن سے باز آؤ۔ ورنہ جب تک جسم میں آخری سانس باقی ہے ہم برابر مقابلہ کرتے رہیں گے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مارے گئے تو شہادت کی سعادت پائیں گے اور ہمارے دشمن سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ ناصر الدین شاہ کی بادشاہت باطل ہے اس کے امراء جنم کا ایندھن ہیں۔ یہ سب ابد الابد آتش الہی میں معذب رہیں گے۔ بہتر ہے کہ دنیائے دنی کی طرف سے منہ موڑ کر ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور حضرت قائم علیہ السلام (باب) پر ایمان لے آؤ۔ ظالم سے مظلوم کی۔

ہمدی قلی خاں کے لشکر پر بابیوں کا شب خون

دوسرے دن باہلی لوگ تین ہزار کی جمعیت سے ہمدی قلی خاں کے لشکر گاہ پر شب خون مارنے کے قصد سے روانہ ہوئے۔ شاہی فوج نے ان کو آتے دیکھ کر گمان کیا کہ عباس قلی خاں کمک لے کر آیا ہے۔ بابیوں نے سب سے پہلے اسلحہ خانہ کا رخ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد نہایت چابھہ سستی کے اتھ سرکاری بارود خانہ کو نذر آتش کر دیا۔ یہ دیکھ کر شاہی فوج بدحواس ہو گئی۔ باہلی باز کی طرح ان پر جھپٹے اور قتل عام شروع کر دیا۔ اس واقعہ کو مولف نقطۂ ارسلان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ صدائے ہائے وہوئے و فریاد الخذر الخذر کفار بجوش افلاک رسید اناں شمشیر آن قوم ضلالت گزارده تار و پود وجود نامسعود ایشال را از ہم دریدند لشکریان روئے بہر میت گذارده پس اصحاب مجوسائے خود را از قید کفار خلاص نمودہ۔ اس کے بعد بابیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں شاہزادہ ہمدی قلی خاں قیام پذیر تھا۔ اور اس پر تیر اندازی شروع کر دی۔ سوء اتفاق سے اس مکان میں دو اور شاہزادے سلطان حسین اور میرزا ولد فتح علی شاہ اور داؤد میرزا ن ظل السلطان بھی موجود تھے۔ شاہزادہ ہمدی قلی تو مکان پر سے کود کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اور دوسرے دونوں شاہزادے عالم سرا سمیگی میں بالا خانہ میں جا چھپے۔ بابیوں کی شتلات قلبی دیکھو کہ انہوں نے مکان کو آگ لگا کر نہایت بے رحمی سے ان دونوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اب بابیوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس اثناء میں ہزیمت خوردہ شاہی فوج پلٹ پڑی مگر صفیں مرتب کرنے کا موقع نہ

ملا۔ لور بابیوں نے پھر مار مار کر ان کو بھاگنے پر مجبور کیا لیکن اس جھڑپ میں ایک تیر بابیوں کے سردار ملا محمد علی بار فروشی کے منہ پر آگ لگ گئی۔ منہ کے دانت دانہ ہائے انار کی طرح الگ الگ ہو کر گر پڑے۔ لور بار فروشی کا نصف چہرہ مجروح ہو گیا۔ مولف ”تقلیۃ الکاف“ نے شاہی فوج کے نقصانات تین ہزار بتائے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے۔ ”دراں کار زار قریب سے صد نفر از ملا عین را جنہم فرستادہ بودند 95۔ مگر یہ بیان سخت مبالغہ آمیز ہے کیونکہ اس وقت شاہی فوج کی کل تعداد ہی دو ہزار سے کسی طرح متجاوز نہ تھی۔

قشون دولت کا اجتماع اور باہلی قلعہ کا محاصرہ

باہلی غنیمت سے مالا مال ہو کر فتح و فیروز مندی کے نقارے جاتے ہوئے اپنے قلعہ میں واپس آئے۔ چند روز میں شہر لوہ عباس قلی خاں سات ہزار فوج لے کر آپہنچا۔ لور باہلی قلعہ کے سامنے مورچے لور خندقیں بنانے میں مصروف ہوا۔ اس اثنا میں بابیوں سے سرکاری فوج کی متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ ایک رات ملا حسین بھڑویہ ملا محمد علی بار فروشی سے کہنے لگا کہ جب آپ کے مجروح چہرے پر نظر پڑتی ہے تو دل دو نیم ہو جاتا ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ جا کر اس کا انتقام لوں۔ ملا محمد علی ملقب بہ قدوس نے اس کو رزم خورہ ہونے کی اجازت دی۔ ملا حسین اپنی ساری جمعیت لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ بابیوں کی عادت تھی کہ لڑائی کے وقت خدائے کردگار عزاسمہ کی جگہ یا صاحب الزماں لور یا قدوس کہہ کر علی محمد باب اور ملا محمد علی بار فروشی سے مخفی استعانت کیا کرتے تھے۔ ملا حسین بھڑویہ آغاز ہی میں سینے میں ایک جان ستان تیر کھا کر بری طرح مجروح ہو گیا۔ ملا حسین گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا کہ ایک باہلی عقب میں سوار ہو کر اسے میدان جنگ سے نکال لے گیا۔ لیکن جو نئی صحن قلعہ میں پہنچا ملا حسین موت کا شکار ہو گیا۔ باہلی بھی مرزائیوں کی طرح مبالغہ اور غلط بیانی کے بڑے بہادر ہیں۔ مولف ”تقلیۃ الکاف“ کا بیان ہے کہ پندرہ باہلی سواروں نے دشمن کی سات ہزار فوج کو بھگا دیا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ درین ہنگام پانزدہ سوار از قلعہ برآمد ہتھیوں اژدہا دہن کشودہ خود را بقلب آل سپاہ دل سپاہ صد تن از ایشاں را جنہم فرستادہ و حمتمہ ہتھیوں فرار بر قرار اختیار نمودہ۔ مولف ”تقلیۃ الکاف“ لکھتا ہے کہ اس کے بعد باہلی دشمن کے لشکر میں آکر غنیم کے لیے چہار چوبہ تیار کرتے اور رات کے وقت قلعہ کے پاس لا کر اس کو نصب کرتے تھے۔ اس دوران میں شاہی فوج کے پاس طہران سے توپ خانہ بھی آ گیا۔ چنانچہ توپیں بھی قلعہ کے ارد گرد نصب کی جانے لگیں۔ لیکن کسی باہلی کو قلعہ سے نکلنے کی جرات نہیں تھی۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو شاہی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت قلعہ میں بابیوں کے پاس دو سو سے زیادہ گھوڑے، چالیس بچاس گائیں اور تین چار سو بھیدیں تھیں۔ کچھ

مدت کے بعد بابیوں کی رسد ختم ہو گئی اور باہر نکل کر سامان خوراک مہیا کرنے کی بھی کوئی صورت نہ رہی۔ جب گائیں اور بھیدیں کھا چکے تو مجبوراً گھوڑوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی ختم ہو گئے۔ آخر چارپائیوں کی طرح گھاس کھانی شروع کر دی۔ مرزا محمد حسین اور بعض دوسرے بابیوں نے عالم اضطراب میں ملا محمد علی بار فروشی سے کہا کہ ہمارے آقا و مولیٰ دعا فرمائیے کہ (شاہی لشکر) پر عذاب نازل کرے اور ان بلاکشوں کو ان مصائب سے نجات دے۔

بار فروشی نے کہا کہ جب حضرت باب جو چاہتا ہے اپنے محبوبوں کے ساتھ شوخی کرتا ہے اس لیے دوستوں کو چاہیے کہ اس کی مشیت پر راضی رہیں۔ مرزا محمد حسین جی جسے شروع میں یہ امیدیں دلائی گئی تھیں کہ باہلی ظاہری سلطنت پر فائز ہوں گے اس جواب پر مطمئن نہ ہوا اور جب بار فروشی نے کہا کہ سلطنت سے باطنی سلطنت مراد تھی۔ تو محمد حسین پر بابیت کی قلبی کھل گئی اور بار فروشی سے کہنے لگا۔ کہ اگر اجازت ہو تو میں یہاں سے چلا جاؤں۔ یہ کہہ کر محمد حسین جی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا۔ اور لشکر شاہی کے قریب پہنچ کر کہنے لگا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں مجھے شاہزادہ کے پاس لے چلو۔ چونکہ یہ شخص صاحب علم و فضل، عالی خاندان اور حاجی سید اسماعیل جی کا داماد تھا۔ شاہزادہ نے اس کی بڑی اذیت کی۔ جب اس سے بابیوں کے حالات دریافت کئے گئے تو کہنے لگا کہ باہلی لوگ دعویٰ تو بڑے بڑے کرتے ہیں لیکن عمل کسی پر نہیں ان کے عقاید بھی تاویل و باطن کے عقاید ہیں۔ چونکہ مجھے ان کی سچائی اور حقیقت کی طرف سے اطمینان نہ ہوا۔ میں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ 96۔

محمصورین کی بد حالی، قلعہ پر شاہی فوج کا قبضہ

اب بابیوں کی توئی سخت مضحل ہونے لگے اور طاقت جسمانی و مبدم جواب دینے لگی۔ شاہزادہ نے قلعہ کی چاروں طرف چار برج تیار کر ان پر توپیں چڑھائیں۔ برج اتنے بلند تھے کہ توپ کا گولہ آسانی سے قلعہ میں گر کر پھٹتا اور سخت نقصان پہنچاتا تھا۔ شاہزادہ نے قلعہ پر آہٹباری شروع کی تو بابیوں نے زمین کھودنی شروع کر دی اور زیر زمین خندقوں میں چھپنے لگے۔ بد قسمتی سے مازندران کی سر زمین ایسی مرطوب ہے کہ تھوڑی سی زمین کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اس لیے بلاکش محصورین کو پانی اور کچھڑ میں بسیرا لینا پڑا۔ گھوڑے اور ان کی گھاس چٹ کرنے کے بعد بابیوں نے درختوں کے پتے کھانے شروع کر دیئے۔ جب وہ بھی ختم ہو گئے تو گھوڑوں کی چرمیں زمینیں چبانی شروع کیں۔ جب یہ بھی نہ رہیں تو گر سگئی سے بے تاب ہو کر قلعہ سے باہر نکلنا چاہتے لیکن جب توپوں کی آہٹباری اور تیروں کی بارش ان کے استقبال کے لیے آمو جو ہوتی تو مجبوراً قلعہ میں لوٹ جاتے۔ انجام کار محصورین نے انیس دن اس مصیبت سے کانٹے کہ آٹھ پہر میں ہر باہلی

کو چائے کی جگہ گرم پانی کا ایک ایک پیالہ ملتا تھا۔ انجام کار ان کے شکم پیٹھ سے جا ملے۔ ہر وقت پانی اور کچھڑ میں رہنے کی وجہ سے ان کے کپڑے بھی گل گئے تھے۔ اس لیے ستر پوشی بھی مشکل ہو گئی۔ اب شاہی فوج نے یہ کام کیا کہ سرنگ لگا کر برج قلعہ کے نیچے کی زمین کھود ڈالی۔ اور اس میں بارود بھر کر آگ دکھادی۔ برج قلعہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ گیا۔ اسی طرح دیوار قلعہ کے نیچے بھی سرنگ لگا کر اور بارود بھر کر اس کو بھی اڑادیا۔ اور دیوار منہدم ہو گئی۔ ایک باہلی آقا رسول بہمیزی شدت گرفتگی کی تاب نہ لا کر اپنے تئیں ساتھیوں کے ساتھ قلعہ سے چلا گیا۔ شاہزادہ نے سب کو قید کر لیا۔ اب بابیوں کے سردار ملا محمد علی بارفروشی نے شاہزادہ کو پیغام بھیجا کہ اگر ہمیں نکلنے کا راستہ دو تو ہم قلعہ خالی کر کے چلے جائیں۔ شاہزادہ نے اجازت دی۔ ملا محمد علی دو سو تئیں بابیوں کے ساتھ جو ہنوز زخمہ تھے قلعہ سے برآمد ہوا۔ شاہی فوج نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہزادہ تمام بابیوں کو طوق و سلال میں جکڑ کر بد فروش لے گیا۔ وہاں متادی کی گئی کہ ملا محمد علی بارفروشی باہر میدان میں ہلاک کیا جائے گا۔ تماشائی ہر طرف سے امنڈ آئے۔ غضب ناک شہریوں میں سے کوئی ایسا نہ ہو گا جس نے محمد علی کو دو ایک طمانچے یا گھونے رسید نہ کئے ہوں۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مدرسوں کے طلباء آ کر اس کے منہ پر تھوکتے اور گالیاں دیتے تھے۔ آخر ہزار ذلت در سوائی کے بعد اس کا سرتن سے جدا کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے باہلی بھی عفریت اجل کے حوالے کر دیئے گئے۔ جب باب کو محمد علی بارفروشی کے مارے جانے کی خبر ملی تو انیس شانہ روز رو تا رہا۔ اس مدت میں اس نے غذا بہت ہی کم کھائی۔ 97۔

ہنگامہ تمہریز

علی محمد باب نے سید یحییٰ کو بابیت کی تبلیغ کے لیے یزد بھیجا تھا۔ یہ شخص وہاں پہنچ کر بہت دن تک بابیت کی صداقت اور دوسرے ادیان و ملل کی بطالت پر تقریریں کرتا رہا۔ جب لوگ شیعہ مذہب چھوڑ چھوڑ کر باب کے حلقہ مذہب میں داخل ہونے لگے اور فتنہ عظیم برپا ہوتا نظر آیا تو حاکم یزد نے یحییٰ کو بلا بھیجا۔ اس نے آنے سے انکار کیا۔ پولیس گرفتاری پر متعین ہوئی اس نے جا کر اس کو زیر حراست کرنا چاہا۔ بابیوں نے پولیس پر حملہ کر دیا۔ جاہلیں سے متعدد آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ آخر یحییٰ یزد سے شیراز بھاگ گیا۔ اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے لگا۔ آخر حاکم شیراز نے گرفتاری کا حکم دیا۔ اس نے یہاں سے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اب اس نے تمہریز جا کر بابیت کی ذیلی جہانی شروعات کی۔ جب تمہریز کی فضا مگر نظر آئی تو حاکم نے یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ تمہریز سے چلا جائے۔ اس نے پہلے تو جانے سے انکار کیا لیکن جب دیکھا کہ اپنی قلیل جمعیت سے حاکم کا مقابلہ نہ کر سکے گا تو مسجد میں چلا گیا اور منبر پر چڑھ کر ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔

جس میں کہا۔ اے لوگو! میں رسول خدا (ﷺ) کا فرزند ہوں۔ آج تمہارے درمیان مظلوم اور ظالموں کے چنگل میں گرفتار ہوں۔ اس لیے تم سے عون و نصرت کا طالب ہوں۔ میرا اس کے سوا کوئی قصور نہیں کہ میں نے اپنی زندگی اعلاء کلمہ حق کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ میں لوگوں کو صحیح معنوں میں اسلام و ایمان کی طرف بلاتا ہوں۔ آج میری حالت وہی ہے جو جد بزرگوار حسینؑ مظلوم کی تھی۔ آج جو کوئی مجھ مظلوم کی آواز پر لبیک کہے گا۔ میری امداد کرے گا اور مجھے ظالموں کے چنگل سے نجات دلائے گا۔ وہ جد بزرگوار کی شفاعت سے بہرہ مند ہوگا۔“ یحییٰ نے ایسے رقت آمیز کلمات سے اپنا درد دل بیان کیا کہ حاضرین ابدیدہ ہو گئے۔ بعض نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کہا۔ اے لکن رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ کی جان اطہر کے قربان ہوں ہم مال، عیال اور جان سے حاضر ہیں۔ اس نواح میں ایک مخروب قلعہ تھا۔ یحییٰ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر اس قلعہ میں جا ٹھہرا۔ حاکم تمیز کو خبر لگی تو اس نے ایک چھوٹی سی جمیعت کو ان کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یحییٰ نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ ہدفہ کرو۔ یہ سن کر ہابلی اس بات کی آرزو کرنے لگا کہ وہ راہ محبت کا سب سے پہلا شہید بنے۔ ان کا یہ شوق جان بازی اور جذبہ فدویت دیکھ کر یحییٰ کہنے لگا شیر و کیا دیکھتے ہو۔ ان مکھیوں کو منتشر کر دو۔ ہابلی ان پر ٹوٹ پڑے۔ جانین کے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ آخر بابیوں نے اعداء کو بھگا کر فتح و فیروزی کے ساتھ قلعہ میں مراجعت کی۔ جب یہ خبر شیراز پہنچی تو شاہزادہ فرہاد میرزا نے فوج لے کر قلعہ کا رخ کیا لیکن تاخت سے پہلے یحییٰ کو بلا بھیجا کہ بہتر ہے کہ تم رزم و پیکار سے دست بردار ہو کر قلعہ سے باہر چلے آؤ۔ یحییٰ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور شاہزادہ سے آملا وہ دن تو عافیت سے گذر گیا۔ لیکن دوسرے دن بابیوں کو خورشید فتنہ افق بلا سے طلوع ہوتا نظر آیا۔ تمام ہابلی گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ان کے سر عبرت روزگار بننے کے لیے شیراز بھیج دیئے گئے۔ 98۔

باب کے مشہور عقیدت مند حاجی میرزا جانی کاشانی مولف ”نقطۃ الکاف“ کا بیان ہے کہ جب سید یحییٰ جسے علی محمد باب نے اپنے مذہب کا نثریہ کرنے کے لیے یزد اور تبریز بھیج رکھا تھا۔ گرفتار ہوا تو حسن یزدی نام ایک اور ہابلی بھی سید یحییٰ کے ساتھ قید تھا۔ یہ دونوں تبریز کے قلعہ میں محبوس تھے۔ جب یحییٰ نے فرار کا ارادہ کیا تو حسن سے کہنے لگا۔ کاش! کوئی ایسا شخص ملتا جو میرا گھوڑا قلعہ سے باہر پہنچا دیتا۔ حسن کہنے لگا۔ ”جب حکم ہو میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔“ یحییٰ نے کہا مگر مشکل یہ ہے کہ اس جرم کی پاداش میں تمہاری گردن مار دی جائے گی۔“ حسن کہنے لگا کہ میرے لیے حضرت باب اور آپ کی راہ میں جان دینا نہایت آسان ہے۔ بلکہ اس کے سوا تو میری زندگی کا مقصد ہی کچھ نہیں۔ جب حسن نے پہرہ داروں کو غافل پایا تو گھوڑا باہر لے گیا۔ لیکن معاصر گرفتار کر لیا گیا۔ جب حاکم کے سامنے لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ اس کو توپ سے اڑا دو۔ جب حسن کی پیٹھ توپ

کے منہ سے باندھی گئی تو ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا کہ یہ میری زندگی کے آخری لمحے ہیں۔ خدا کے لیے میری ایک درخواست قبول کرو۔ "انہوں نے پوچھا۔ وہ کیا ہے؟ حسن بولا کہ پیٹھ کے جائے میرا نہ توپ کی طرف رکھو۔ انہوں نے کہا اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ حسن کہنے لگا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ توپ کس طرح چلتی ہے اور راہ محبوب میں کس طرح لقمہ اجل ہلاتی ہے۔ 99۔ اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ بچوں کی طرح باطل کے پرستاروں میں بھی فدویت و جاں سپدی کا جوہر ودیعت کیا گیا ہے۔

فتنہ زنجان

ملا محمد علی زنجانی باب کے تصور سے پہلے نماز جمعہ لو اکیا کرتا تھا۔ لیکن جب باب نے کتب "فروغ دین" میں لکھا کہ لب میرے اور اس شخص کے سوا جس کو میں لڑن دوں ہر شخص کے لیے (معاذ اللہ) نماز جمعہ حرام ہے۔ تو ملا محمد علی نے نماز جمعہ ترک کر دی۔ لیکن جب باب نے اس کو اجازت دی تو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد میں گیا۔ زنجان کے ایک ذی اثر آدمی نے اسے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی لیکن ملا محمد علی نے اس امتناع کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس شخص نے جا کر حاکم سے شکایت کی۔ اس نے محمد علی کو بلا بھیجا۔ جب یہ گیا تو حاکم نے اسے حراست میں لے لیا۔ جب بابیوں کو اس کا علم ہوا تو وہ حاکم پر نرغہ کر کے محمد علی زنجانی کو چھوڑا لائے۔ جب یہ خبر طہران پہنچی تو وہاں سے چند آدمی اس کی گرفتاری کے لیے بھیجے گئے۔ اس اثنا میں ملا محمد علی نے ہزار آدمی کی جمعیت بہم پہنچا کر سرد اور اسلحہ جنگ مہیا کر لیے اور زنجان کے قلعہ پر قابض ہو کر متخصن ہو گیا۔ بابیوں نے اس کے علاوہ انیس مورچے بھی بنائے اور نصف سے زیادہ حصہ شہر پر قبضہ کر کے ان مورچوں پر انیس انیس آدمی متعین کر دیئے۔ جب ان میں سے ایک ٹولی اللہ ابھی کہتی تھی تو دوسری ٹولیاں بھی خوش الحانی کے ساتھ یہی آواز بلند کرتی تھیں۔ مولف "تقطیۃ الکاف" لاف زنی کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شیر مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک مرد چالیس چالیس آدمیوں کا مقابلہ کرتا تھا اور نہ صرف عورتوں بلکہ ان کے بچے بھی ہر طرح محاربتیں کا ہاتھ بنا رہے تھے۔ عورتیں اور بچے فلاخن اور دوسرے ذرائع سے سنگ اندازی کرتے تھے۔ جب حکام کو ان حالات کا علم ہوا تو بابیوں کی گوشالی کے لیے فوج بھیجی گئی۔ شاہی لشکر نے آتے ہی بابیوں کو محاصرے میں لے لیا۔ ملا محمد علی نے شاہی فوج کے افسر اعلیٰ کو لکھا کہ نہ تو ہمیں سلطنت کی خواہش ہے اور نہ آپ پر غلبہ پانا مقصود ہے۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر سپاہ گراں ہمارے سر پر کیوں مسلط کی گئی ہے۔ اس کے بعد لکھا کہ اگر آپ محاصرہ اٹھا کر ہمیں جانے کی اجازت دیں۔ تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مملکت ایران کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک کو چلے جائیں گے۔ قائد فوج نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میرے لیے

تمہاری ہلاکت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ محمد علی زنجانی حکام کی طرف سے مایوس ہوا تو اس نے دول خارجہ کے سفراء سے خط و کتابت شروع کی اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں اس درط سے نجات دلائیے۔ سفیروں نے فوجی افسروں سے سفارش کی لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ جب باباییوں کی دلو یلاحد سے بڑھ گئی تو رکی لور روسی سفیر باباییوں کو دیکھنے آئے۔ ملا محمد علی نے ان سے بیان کیا کہ ہمارے درمیان کنگلی منازعت کچھ نہیں۔ بلکہ ہم اہل اسلام ہیں مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ابن کالام ہمدی جو غائب ہو گیا تھا ایک دن ظاہر ہوگا۔ کاذہ مسلمین اس کے لیے ہمیشہ چشم برہ تھے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وہ امام منتظر ظاہر ہو گیا ہے اور وہ میرزا علی محمد باب ہے لیکن یہ لوگ ہماری تکذیب کرتے ہیں۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ جس دلیل سے تم نے مذہب اسلام قبول کیا ہے اسی دلیل سے تم مرزا محمد علی باب کا مذہب قبول کرو۔ لیکن کچھ توجہ نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث آئمہ ہی کو جو باب علیہ السلام کے متعلق وارد ہوئی ہیں حق مان لو مگر کچھ اعتنا نہیں کرتے۔ پھر ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اچھا حضرت کے علم، عمل، تقویٰ، توجہ الی اللہ، و اتصالح کا شیعہ علماء کے علم و عمل سے مقابلہ کر لو مگر پھر بھی جواب نہیں دیتے۔ خلاصہ یہ کہ ہم جو بھی تجویز پیش کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے کان بھرے کر لیتے ہیں۔ سفراء یہ بیان دے کر چلے گئے۔ اس کے بعد ایک دن ملا محمد علی زنجانی اپنے ایک مورچہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس اثناء میں اس کے ایک تیرہ ستان لگا۔ ساتھی اسے قیام گاہ پر اٹھالائے۔ آخر تیسرے دن ہسٹر ہلاک پر دراز ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد باباییوں نے اپنے تئیں شاہی فوج کے سپرد کر دیا۔ تمام باہلی پانڈتھیر طہران بھیج دیئے گئے۔ 100-

باب کا اقدام خود کشی

اس وقت باباییوں نے ایران میں ہر جگہ ہل چل ڈال رکھی تھی۔ اس لیے اعیان سلطنت نے فیصلہ کیا کہ باب کو نذرانہ اجل کرو دینا چاہیے۔ جب تک یہ زندہ ہے آئے دن فتنے اور فساد ہوتے رہیں گے۔ علماء نے بھی اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ آخر باب کو چریت سے تمبریز لائے اور مجلس علماء میں دوبارہ لائے سید محمد حسین عزیز لور آقا محمد علی تمبریزی بھی ساتھ تھے۔ علماء نے بہتر اسبھایا کہ تم اپنے الحاد و زندقہ اور دعویٰ مہدویت سے توبہ کر کے سیدھا راستہ اختیار کرو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ حشمۃ الدولہ نے باب سے کہا کہ تمہیں حامل وحی ہونے کا دعویٰ ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو دعا کرو کہ کوئی آیت نازل ہو۔ باب نے فوراً سورہ نور کی ایک آیت کا کچھ ٹکڑا سورہ ملک کی ایک آیت کے ٹکڑے سے ملا کر پڑھ دیا۔ حشمۃ الدولہ نے وہ کلمات لکھوا لیے۔ پھر باب سے پوچھا کہ کیا یہ وحی آسانی ہے؟ بولا جی ہاں۔ حشمۃ الدولہ نے کہا کہ وحی مہبط کے دل سے

فراموش نہیں ہوتی اگر فی الواقع یہ وحی ہے تو ذرا دوبارہ پڑھ دو۔ جب باب نے اسے دوبارہ پڑھا تو الفاظ میں رد و بدل ہو گیا۔ حشمۃ الدولہ نے کہا کہ یہ تمہارے جھوٹ اور جعل کی بین دلیل ہے۔ 101۔ آخر اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اب یہ صلاح ٹھہری کہ اسے مجمع عام میں قتل کیا جائے کیونکہ اگر اسے علیحدگی میں ہلاک کیا تو عوام دھوکے میں پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ خدا نے اسے آسمانوں پر اٹھالیا۔ 28 شعبان 1266ھ کا دن قتل کے لیے مقرر کیا گیا۔ باب کو چاہیے تھا کہ ارباب حکومت جس طرح چاہتے موت کے گھاٹ اتارتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا۔ اور کسی ذلت و تصدیح کی پروا نہ کرتا۔ جب مرنا ہی ہے تو موت سے کیوں ڈرنا؟ مگر باب نے اپنے مریدوں کے ذریعہ سے خودکشی کا قصد کیا۔ مولف مصلحتاً لکھتا ہے کہ جس دن باب قتل کیا جانے والا تھا اس سے پہلی رات کو اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں صبح بصد ذلت و خواری شہید کیا جاؤں گا۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ تم میں سے کوئی میری شہادت میں اقدام کرے تاکہ میں اعداء ہاتھوں ذلت نہ سوں۔ مجھے دوست کے ہاتھ سے مارا جانا اس سے کہیں زیادہ مرغوب ہے کہ دشمن کے ہاتھ سے جام مرگ نوش کروں۔ آقا محمد علی تمبریزی کتوڑا اٹھا کر آمادہ قتل ہوا۔ تاکہ الامر فوق الارباب پر عمل ہو جائے مگر دوسرے بابیوں نے مضطرب ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آقا محمد علی نے کہا کہ میں تو آپ کا حکم ماننے کو تھا اور چاہتا تھا کہ آپ کو شہید کر کے خود کو ختم کر لوں لیکن انہوں نے روک دیا۔ باب نے مسکرا کر خوشنودی کا اظہار کیا۔ پھر باب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے قتل کر دو اور مجھ پر لعنت کر کے بچ جاؤ۔ مگر کسی نے منظور نہ کیا۔ 102۔

واقعہ قتل

28 شعبان کی صبح کو سب سے پہلے آقا محمد علی کو اس غرض سے باندھا گیا کہ اس کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ وہ ایسی جگہ باندھا جا رہا تھا جہاں اس کی پیٹھ باب کی طرف ہو گئی تھی۔ اس لیے حکام سے التجا کرنے لگا کہ مجھے ایسی جگہ باندھو جہاں میرا منہ اپنے محبوب (باپ) کی طرف رہے۔ اس کی یہ التماس پوری کی گئی۔ اسے ہزار سمجھایا گیا کہ اگر جان عزیز ہے تو توبہ کر کے رہا ہو جاؤ لیکن اس نے توبہ نہ کی اور کہنے لگا عشق حق سے توبہ کرنا بڑا اگناہ ہے۔ محمد علی کے اقرباء یہ کہہ کر حکام کی خوشامد کر رہے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اور دیوانے کا قتل کسی طرح مناسب نہیں۔ وہ ہر مرتبہ اپنے اقارب کے بیان کی تردید کرتا تھا اور کہتا تھا نہیں نہیں میں جو ہر عقل سے آراستہ ہوں۔ میں حضرت حق کا دیوانہ ہوں مجھے قتل کرو۔ کیونکہ قتل ہی سے حیات لہدی کا مستحق ٹھہرتا ہوں۔ جب بازو مار کر ہلاک کیا جانے لگا تو باب نے اس سے خطاب کر کے کہا۔ انت فی الجفثہ معی 103۔ (تو جنت میں میرے ساتھ رہے گا) آقا محمد علی تمبریزی اور باب دونوں ہمے تھے۔ حمزہ مرزا گورنر

آذربائیجان نے ارمن سپاہیوں کو جو عیسوی المذہب تھے حکم دیا کہ گولیاں ماریں۔ یہ لوگ بابیوں کے من گھڑت قصوں اور فسادات سے متاثر تھے۔ گولیاں ہوا میں چلا دیں۔ اتفاق سے ایک گولی محمد علی کے جا لگی۔ اس نے مرتے وقت باب سے کہا کہ کیا اب آپ مجھ سے راضی ہوئے؟ اور جان دے دی۔ باب حاضرین کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ تم میری کرامات دیکھتے ہو کہ گولیوں کی بو چھاڑ ہے مگر میرے کوئی گولی نہیں لگی۔ ایک گولی باب کی رسی پر لگی تھی جس سے وہ رسی کٹ گئی جس سے باب ہمدھام تھا۔ باب کھل کر بھاگا اور ایک سپاہی کی کوٹھڑی میں جا چھپا اور کہنے لگا لوگو! یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک گولی بھی نہیں لگی بلکہ میں التاربا ہو گیا۔ اس وقت سینکڑوں عورتیں اور مرد اس میدان میں غل مچا رہے تھے کہ باب پر گولیوں کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے حاکم کے ایما سے باب کو پکڑا اور چند گھونٹے رسید کر کے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ 104۔

شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ

باب کے حادثہ قتل کے بعد بارہ بابیوں نے ناصر الدین شاہ والئی ایران سے باب کے قتل کا انتقام لینے کی سازش کی۔ جن میں سے نواختر وقت میں علیحدہ ہو گئے۔ باقی تین عازمین قتل یہ تھے۔ ملا فتح اللہ قتی، صادق زنجانی اور باقر نجف آبادی۔ بتاريخ 30 ذیحدہ 1268ھ مطابق 15 ستمبر 1852ء شاہ شکار کے لیے سوار ہوا تو یہ تینوں شاہ کی طرف بڑھے۔ شاہ سمجھا کہ شاید مظلوم دستم رسیدہ لوگ ہیں جو اپنی کوئی درخواست لے کر آئے ہیں۔ اس لیے ان کو نزدیک آنے کی اجازت دی۔ جب قریب پہنچے۔ تو صادق زنجانی نے جیب میں سے پستول نکال کر شاہ پر چلا دیا۔ شاہ زخمی ہوا۔ لیکن بدستور گھوڑے پر سوار رہا۔ یہ دیکھ کر فتح اللہ قتی نے اس نیت سے جھپٹ کر شاہ کو گھوڑے سے کھینچنا کہ زمین پر گر کر گلا کاٹ دے۔ شاہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر شاہ کے ایک ملازم نے بڑھ کر فتح اللہ کے منہ پر زور سے ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ گھونسا کھا کر گر پڑا۔ اب ملازمین نے میان میں سے تلوار نکالی اور صادق زنجانی کی گردن مار دی۔ اس اثناء میں شاہی دربار کا ایک فشی بھی پہنچ گیا اور اس نے اپنے آپ کو شاہ کے اوپر گر کر شاہ کے جسم کی ڈھال بن گیا۔ اتنے میں اور پیادے بھی پہنچ گئے اور انہوں نے زندہ حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا۔ جب ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو انہوں نے اقبال جرم کیا اور بتایا کہ ہم نے اپنے قائم علیہ السلام (باب) کے قتل کا انتقام لیا ہے۔ صادق زنجانی، ملا شیخ علی بابی کا نوکر تھا جسے بابی ”جناب عظیم“ کے لقب سے پکارتے ہیں۔ صادق نے طنز سے اسی سے لیا تھا۔ شاہ کو گولی کا جو زخم لگا تھا وہ مسلک خمس تھا۔ قاتلی شیرازی نے شاہ کے زندہ سلامت رہنے کی خوشی میں دو قصیدے لکھے جن میں سے ایک کے دو شعر یہ تھے۔

اس واقعہ حائلہ پر طہران کی پولیس نہایت مستعدی سے فن تمام مجرموں کی تلاش میں

سرگرم عمل ہوئی جو اس سازش سے تعلق رکھتے تھے۔ پولیس نے حاجی سلیمان خان بابلی بن یحییٰ تبریزی کے مکان پر چھاپہ مار کر ایک درجن بابیوں کو گرفتار کر لیا۔ اسی طرح طہران میں جہاں کہیں بھی مشتبہ بابلی مل سکے۔ ان کو زیر حراست کر لیا گیا۔ اس طرح گرفتاروں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ ان میں سے بعض بابلی جو بالکل بے قصور ثابت ہوئے وہ رہا کر دیئے گئے۔ انجام کار اٹھائیس بابیوں پر فرد قرار داد جرم عائد ہوئی اور وہ قتل کئے گئے۔ یہ سب اس سازش میں شریک تھے یا شرکائے سازش کے معاون تھے۔ ”ساح التواریخ“ میں سب کے نام گنوائے ہیں۔ قرۃ العین بھی انہی مقتولین میں تھی۔ بعض بابلی قتل کا حکم سن کر گاتے اور ناپتے تھے۔

فصل 3۔ باب کے دعاوی کی بو قلمونی

علی محمد بحیثیت باب، ذکر، قائم، ممدی، نقطہ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح مرزا علی محمد باب کے بیانات اور دعاوی میں بھی سخت اختلاف واضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے سال اس نے بابیت کا دعویٰ کیا یعنی کہا کہ میں حضرت ممدی علیہ السلام تک پہنچنے کے لیے جن کی آمد کا انتظار ہے صرف دروازہ اور ذریعہ ہوں۔ اس وقت وہ اپنے تئیں اپنے نوشتوں میں ”باب“ اور ”ذکر“ اور ”ذات حروف سبعہ“ (جس کے نام میں سات حروف ہیں) لکھا کرتا تھا۔ دوسرے سال بابیت کا منصب اپنے ایک مرید ملا حسین بٹرو دیہ کو بخش کر خود ممدی موعود بن بیٹھا اور جب ملا حسین مارا گیا تو بابیت کا منصب اس کے بھائی ملا حسن بٹرو دیہ کو عطا ہوا۔ (نقطۃ الکاف، ص 181) لیکن یہ منصب علی محمد اور اس کے ان دو ارادت مندوں تک محدود نہ تھا بلکہ کتاب نقطۃ الکاف (صفحات 99، 100، 102، 132) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کاظم رشتی، شیخ احمد احسانی اور علی خراسانی معروف جناب عظیم بھی اس منصب پر فائز تھے۔ شاید انہی ایام میں علی محمد نے اپنے لیے قائمیت کا عمدہ بھی تجویز کر لیا لیکن تھوڑے دن کے بعد اپنے ایک خاص مرید ملا محمد علی بار فروشی کو بھی اس منصب میں شریک کر لیا جسے بانی ”قدوس“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں چنانچہ ”نقطۃ الکاف“ میں لکھا ہے کہ جناب قدوس و جناب ذکر (علی محمد باب) دو قائم مستند دل ہر ایک منظر (سے) از اسماء اللہ می باشند و حسب قابلیت خلق انظاری فرمائید۔ (صفحہ 207) علی محمد باب نقطہ ہونے کا بھی مدعی تھا۔ حاجی مرزا جانی کا شانی نے کتاب نقطۃ الکاف میں لکھا ہے۔ ”حضرت نقطہ در ہر زمان یک نفری باشد لیکن حاجی جانی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نقطہ در اصل ملا محمد علی بار فروشی تھا۔ اور علی محمد باب محض اس کا طفیلی تھا۔ چنانچہ حاجی جانی لکھتا ہے۔ داماد میں دورہ اصل نقطہ حضرت قدوس (ملا محمد علی بار فروشی) ہو دند و جناب ذکر علی محمد باب (باب ایشان بود بابیت سے دست بردار ہونے کے بعد علی محمد نے ممدویت کا دعویٰ کیا۔ بانی کہتے تھے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کلیم (علیہ السلام) نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اور جناب مسیح علیہ السلام نے حضرت محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی بشارت دی تھی۔ اسی طرح جناب محمد ﷺ نے علی محمد باب کے ظہور کی بشارت دے رکھی تھی۔

من یظہرہ اللہ کی اعجوبہ روزگار موہوم شخصیت

جس طرح پرانے خیال کے ہندوؤں نے اپنے لیے ہشن، اندر مہادیو، وغیرہ موہوم

دیوتے تجویز کر رکھے ہیں اسی طرح باب نے بھی ایک موہوم شخصیت کو اپنے قالب خیال میں ڈھال کر اس کے ظہور کی پیشین گوئی کر دی تھی اور جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے امام الزمان کے صفات کی تشریح میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے اسی طرح مرزا علی محمد باب نے من یظہرہ اللہ (جس کو اللہ ظاہر کرے گا) نام کی ایک شخصیت تجویز کر کے اس کے من گھڑت صفت کی تشریح میں اپنے مرکب قلم کی خوب جولانیاں دکھائیں۔ باب نے کتاب ”میان“ میں ”من یظہرہ اللہ“ کے یہ خصائص لکھے ہیں۔ یہ ”من یظہرہ اللہ ظاہر ہوتا ہے تو ان لوگوں کے سوا جو اس پر ایمان لے آتے ہیں ہر شخص کا ایمان سلب و منقطع ہو جاتا ہے۔ (میان باب 3، واحد 2) میان کی قیامت من یظہرہ اللہ کا ظہور ہے (باب 7) اس کے ظہور کا دن سب کا بعث سب کا حشر اور سب لوگوں کا قبر سے ثروج ہے۔ (باب 9) اس کے ظہور کا وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ز 10) وہ اللہ کی ذات سے قائم ہے اور دوسری تمام کائنات اس سے قائم ہے۔ (ج 13، 1) وہ جب اور جو کچھ کرے کبھی مسئول نہیں ٹھہر سکتا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حق میں کیوں اور کس طرح کے الفاظ استعمال کرے۔ (ج 1) وہ ظہور نقطہ کی طرح بختہ ظاہر ہوتا ہے۔ (د 9، 11) اگر کوئی شخص اس سے ایک آیت سن لے یا تلاوت کرے تو میان کی ہزار مرتبہ تلاوت کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ (85) تمام ظہور اور قائم آل محمد کا ظہور ”من یظہرہ اللہ“ ہی کی خاطر عالم وجود میں آئے۔ (د 12) ”من یظہرہ اللہ“ اسماء و صفات الہی کا مبداء ہے۔ (95) جو شخص اس کا نام سنے اس پر واجب ہوتا ہے کہ ازراہ احترام کھڑا ہو جائے۔ اور جو مجلس بھی منعقد ہو اس کے لیے ایک نفر کی جگہ خالی چھوڑ دی جائے۔ (ط 1) میان کی مندر □ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ باب کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر باب کے ظہور تک عالم کائنات کی مدت بارہ ہزار دو سو دس سال گزری اور جس صورت میں کہ باب کے خیال میں دنیا کی عمر کا ہر ہزار سال ظہورات اور کمال کی جانب ان کے نمو کے ایک سال کے برابر ہے۔ ہمارے وہ آدم علیہ السلام کو (معاذ اللہ) نطفہ سے اور اپنے تئیں دو ازدہ سالہ جوان سے اور من یظہرہ اللہ کو طفل چار دہ سالہ سے تشبیہ دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باب من یظہرہ اللہ کا زمانہ اپنے عہد سے دو ہزار سال پیچھے فرض کرتا ہے۔

دعوئی اعجاز اور دوسری تعلیایں

علی محمد باب کا مقولہ ہے کہ میں اپنے شوقیات علم میں امی ہوں اور اپنے علم کو چار زبانوں میں ظاہر کرتا ہوں۔ اول لسان آیات دوم لسان مناجات سوم لسان خطب چہارم لسان زیارات و تقاسیر آیات و احادیث آئمہ اطہار کیونکہ ان کی آیات کی زبان میرا دل ہے۔ جو ظہور اللہ ہے اور اسے لسان اللہ کہا جاتا ہے اور ان کی مناجات کی زبان عبودیت، محبت اور فنا ہے اور وہ رسول اللہ (ﷺ) کی

طرف منسوب ہے۔ اس کا ظہور مرآت عقل میں متصور ہے۔ دو خطبوں کی زبان رکن ولایت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس کا ظہور مرآت نفس میں ہوتا ہے۔ لسان تقاسیر رتبہ بایبیت ہے اور یہ جسم کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ لسان اول کو عالم لاہوت سے مد ملتی ہے جو قلم کا مقام ہے۔ اس کا حامل میکائیل ہے۔ جو شیعینیت اشیاء کا ذکر نقطہ بیضا میں فرماتا ہے۔ لسان ثانی کو عالم جبروت سے مد ملتی ہے۔ اس کا سلطان حضرت جبریل ہے کہ عقول کل شی کارزق جنت صرفاء میں دیتا ہے اور مقام لوح ہے لسان سوم کی امداد عالم ملکوت سے ہوتی ہے کہ جسے مقام کرسی کہتے ہیں۔ اس ملک کی سلطنت اسرافیل کے سپرد ہے وہی ارزق حیات کا حامل ہے۔ اس کا تاج ہمایوں زمرہ کا مانا ہے۔ لسان چہارم عالم ملک ہے جو عالم کثرت ہے اس ملک کا شہرید حضرت عزرائیل ہے۔ عزرائیل یا قوت سرخ کے تخت پر متمکن ہے۔ باب کا دعویٰ ہے کہ میں ہن چاروں زبانوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں تاکہ خلق خدا کو معلوم ہو جائے کہ ہن چاروں ملکوں میں میری بادشاہت ہے۔ چاروں جگہ میرا سکہ چلتا ہے تاکہ میں ہر ملک والوں کو ہن کارزق دوں۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ یہ کلمات فصاحت ظاہری و باطنی کے بھی مطابق ہیں۔ فصاحت ظاہری سے مراد عبارتوں کی حلاوت ہے اور فصاحت باطنی کا مطلب توحید کا بیان اور ظہور اسماء و صفات الہی کی معرفت ہے اور میری یہ حالت ہے کہ ان کے مقامات سری میں توجہ کرنے سے پانچ ساعت میں بدوں فکر و سکوت ہزار بیت لکھ دیتا ہوں تاکہ تمام اہل علم اور ارباب قلم کو معلوم ہو جائے کہ غیر اللہ کو اس قسم کی قدرت نہیں دی گئی ہے اور میں کتا ہوں کہ یہ آیات منجانب اللہ ہیں۔ ان یا خلق اللہ فاتوا ابمثل هذا ان کنتم صدقین۔ اللہ کے ہمدو! اگر تم سچے ہو اور تم میں سے کسی شخص کی حالت یہ ہے کہ میری طرح اس کی آیت علم و عمل ہے میری طرح وہ بھی امی ہے اور میری طرح ان چار زبانوں میں متکلم ہوتا ہے۔ اور چھ ساعت میں بدوں فکر و سکون ہزار بیت کہہ لیتا ہے اور اپنے علم کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ میرے جیسا کلام پیش کرے اور اگر اس کے اندر شرائط مذکورہ نہ پائے جائیں تو وہ ایسا ناممکن نہ ہوگا۔ اور میری حجت ثبات ہو جائے گی۔ 106۔ لیکن میں باب کے مقابلہ میں قادیان کے ”سیح موعود“ صاحب کا نام نامی پیش کرتا ہوں۔ ان کو بھی دعویٰ اعجاز تھا اگر یہ دونوں اعجازی پہلو ان ایک زمانہ میں ہوتے تو ان کا دن گل نہایت پر لطف رہتا۔

منکرین سے خطاب

باب کا مقولہ ہے۔ میری ندا خاص اور عام کے کانوں میں پہنچی۔ میرے رد و قبول کے بارہ میں لوگ چند گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اول اہل طلب و انصاف ہیں۔ انہوں نے تمسک کیجھ دیکھا کہ آنجناب کا دعویٰ زمانہ کے مطابق ہے اور جو کچھ کہتا ہے منجانب اللہ کہتا ہوں۔ انہوں نے

مجھے قبول کیا یہ لوگ فیوض عبادات و مناجات اور جواہر معارف سے فائز ہوئے۔ دوسرا فرقہ علم و عمل میں مستور اور حب ریاست میں گرفتار رہا ان لوگوں نے گوش طلب کو نہ کھولا اور نظر انصاف سے نہ دیکھا بلکہ اس کے برعکس رد و اغراض کی زبان کھول دی۔ ان حرمان نصیبوں نے کہا جو کچھ سے کہ لور کیا جو کچھ کہ کیا۔ رہے عوام ان پچاردوں میں سے بعض تو متحیر رہے اور بعض نے علماء کی تقلید کر کے میر تکذیب کی۔ مقدم الذکر گروہ نے نظر انصاف سے نہ دیکھا کہ وہ جس دلیل سے اپنے تئیں حجۃ الاسلام گمان کرتے ہیں لور سمجھتے ہیں کہ وہ امام علیہ السلام کی طرف سے دالی ہیں وہ سب علم و عمل ہے حالانکہ وہ لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ با مقلد بنو یا مجتہد اور جب کچھ بھی نہ ہوگا تو تم جنم میں جاؤ گے گو تمہارے اعمال فی الواقع امر حق کے مطابق ہوں۔ یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ جب تم نے تقلید کی تو سب سے بڑے عالم کی تقلید کرو۔ کیونکہ غیر اعلم کی تقلید حرام ہے اور مجتہد علم و عرۃ بن سے پہچانا جاتا ہے لور جب مجھے مجتہد لور اعلم العلماء یقین کرتے ہو تو میں حلال و حرام کے متعلق جو حکم کروں اسے حکم الہی یقین کرو لور اس سے انکار و اغراض نہ کرو۔ اور کتا تھا کہ تم لوگ یہود کی تقلید نہ کرو۔ جنہوں نے مسیح علیہ السلام کو صلیب چڑھایا اور نصاریٰ کی پیروی نہ کرو جو فار قلیط موعود (حضرت سرور کون و مکان ﷺ) کے منکر ہوئے اور اہل اسلام کی تقلید بھی نہ کرو۔ جو ہزار سال سے مہدی موعود کے انتظار میں سرپا شوق بنے رہے لیکن جب ظاہر ہوا تو اس کی توہین کی اور زندان بلا میں ڈال دیا۔ 107۔ لیکن حضرت مخبر صادق ﷺ کی پیشین گوئی کے بموجب جو مہدی علیہ السلام کسی مستقبل زمانہ میں ظاہر ہوں گے ان کا اسم گرامی محمد بن عبد اللہ بتایا گیا ہے۔ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہوگا۔ اور سید النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد ہوں گے۔ ایسی حالت میں وہی شخص باب مرزائے قادیان اور اس قماش کے دوسرے ملحدین دہر کی پیروی اختیار کر سکتا ہے۔ جو حضرت مخبر صادق ﷺ کے ارشادات گرامی کی طرف سے اندھا اور بہر ان کر فائدہ الایمان ہونے کا خواہشمند ہو۔

فصل 4۔ باب کی تعلیمات اور بانی الحاد پسندیاں

باب نے میان نام ایک فارسی کتاب لکھی تھی جسے وہ الہامی اور آسمانی کتاب بتاتا تھا۔ بابیوں کا خیال ہے کہ جس طرح قرآن نے انجیل کو اور انجیل نے توراہ کو منسوخ کیا تھا اسی طرح میان نے قرآن کو منسوخ کر دیا لیکن پروفیسر براؤن نے بابیوں کے اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ باب اپنی تحریروں میں مکررا و متوکلہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ وہ ظہورات مشیت اولیہ کا خاتمہ حلقہ سلسلہ نبوت کا آخری شخص نہیں ہے اور اس کی کتاب بھی کتب سماوی کی خاتم نہیں۔

پروفیسر براؤن دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ باب اپنے مذہب کو ناخ دین اسلام اور بیان کو ناخ قرآن سمجھتا تھا اور اس کی ایک تحریر سے جو فصل کے اخیر میں قیامت کی بانی تشریح میں آئے گی۔ بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے لیکن باب کے اس قسم کے دعوے بد امر میں تھے۔ بعد میں اس نے اس خیال سے رجوع کر لیا یا کم از کم اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر اس کی علی الاعلان اشاعت سے رک گیا۔

باب کے اصول تعلیم

باب کے اصول تعلیم جو اس کی تحریروں اور خاص کر ”میان“ سے ملتے ہوتے ہیں۔ بالا جمال یہ ہیں۔ خدا ہر چیز کا مد رک ہے لیکن خود چیز اور اک سے باہر ہے۔ ذات الہی کے سوا کوئی مقصص اس کی معرفت نہیں رکھتا۔ معرفت الہی سے مراد مظهر الہی کی معرفت ہے۔ لقاء اللہ سے لقاء مظهر اللہ اور پناہ خدا سے پناہ مظهر خدا مراد ہے کیونکہ عرض بذات اقدس ممکن نہیں اور اس کا لقاء متصور نہیں ہے اور کتب سماویہ میں جو لقاء اللہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ وہ ظاہر بظہور الہی کی لقا کا ذکر ہے۔ (بج 7) ملائکہ کے رجوع الی اللہ اور اس کے سامنے پیش کرنے کا مطلب من یظہرہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے کیونکہ ذات ازل کی طرف کسی شخص کو کوئی سبیل نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے نہ بد میں نہ موعود میں (بج 10) جو کچھ مظاہر میں ظاہر ہوتا ہے وہ ”مشیت“ ہے۔ جو تمام اشیاء کی خالق ہے۔ اشیاء سے اس کی وہی نسبت ہے جو علت کو معلول سے اور بار کو حرارت سے ہے۔ یہ مشیت نقطہ ظہور ہے جو ہر کور میں اس کور کے اقتضاء کے بموجب ظاہر ہوتا ہے۔ (بج 13، 8، 7) مثلاً محمد نقطہ فرقان ہیں اور میرزا علی محمد نقطہ بیان ہے۔ اور پھر دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ (15، 20) آدم جو ”میان“ کے میان کے بموجب (بج 13) باب سے 2210 سال پہلے ہوئے ہیں تمام ظہورات کے ساتھ ایک ہے۔ (2) اگر آفتاب کی طرح دوسرے بے تعداد آفتاب طلوع ہوں تو بھی شمس ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ تمام آفتاب اسی ایک سورج کے بدولت قائم ہیں۔ (12، 15) من یظہرہ اللہ کے بعد دیگر ظہورات بھی بے حد و انتہا ہوں گے۔ (12، 13) بعد کا ہر ظہور ظہور قبل سے اشرف ہوتا ہے۔ (بج 13، 12) ہر ظہور مابعد میں مشیت اولیہ ظہور قبل سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل ہوتی ہے۔ مثلاً آدم نقطہ کے مقام پر تھے اور نقطہ میان دوازدہ سالہ جوانی کے مقام میں اور من یظہرہ اللہ چہارہ سالہ جوانی کے مقام میں ہے۔ (بج 13) ہر ظہور بمنزلہ غرس شجر کے ہے۔ بعد کا ظہور اس درخت کے کمال اور حصول پھل کے وقت ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر وہ حد بلوغ کو نہیں پہنچتا۔ جب درخت درجہ کمال کو پہنچ گیا اور اس کا پھل کھانے کا وقت آیا۔ تو بغیر کسی لمحہ کی تاخیر کے بعد کا ظہور واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت انجیل کا درخت لگایا گیا تھا۔ اس وقت اسے کمال نصیب نہ ہوا تھا البتہ اگر رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک روز پہلے ہو جاتی۔ یعنی

27 رجب کے بجائے 26 رجب ہوتی تو بعثت کا دن وہی (یعنی 26 رجب) قرار پاتا۔ قرآن کا درخت تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لگا لیکن اس کا کمال (معاذ اللہ) 1270 ھ میں (علی محمد باب کے ظہور کے وقت) ہوا۔ (صح الاوادی) بابی لوگ اس میان کو کہ زمان و مکان کے اختلاف اور درجہ شرف و کمال کے تفاوت کے باوجود ظہورات متعددہ حقیقت میں سب ایک ہی کیوں ہوتے ہیں؟ معلم کی مثال سے سمجھایا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ شاگردوں کے مختلف طبقے ہوتے ہیں ہر طالب علم سن و سال اور درجہ فہم میں متفاوت ہوتا ہے۔ معلم درس دیتا ہے۔ معلم ایک ہے اور اس کے علم و اطلاع کا اندازہ بھی ایک ہے۔ لیکن سامعین کے درجہ فہم و اوراک کے تفاوت کے لحاظ سے وہ مختلف تعبیرات اور اصطلاحیں استعمال کرتا ہے مثلاً اطفال 12 سال کو مخاطب کرتے ہوئے وہ منافع علم کو اس تشریح کے ساتھ چوں کے ذہن نشین کرے گا کہ علم مطلوب ہے کیونکہ وہ شکر کی طرح بیٹھا ہے۔ اس طرز تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ ان چوں کی قوت فہم اس درجہ پر نہیں کہ طالبان علم کی اہمیت کو کسی مادی و محسوس صورت میں سمجھائے بغیر سمجھ سکیں لیکن جب وہی معلم کسی اعلیٰ جماعت کے شاگردوں کو درس دے گا تو ضرورت علم کو اعلیٰ تعبیرات میں ثابت کرے گا۔ تفاوت ظہورات کو بھی اسی پر قیامت کرنا چاہیے۔ مثلاً جناب محمد ﷺ کے مخاطب وحشی اور بدوی لوگ تھے۔ اس لحاظ سے کہ وہ بعثت و معاد جنت و نار وغیرہ امور کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کے مفہوم مادی صورتوں میں ان کے سامنے پیش کرتے تھے تاکہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں لیکن دورہ بیان میں مخاطب (فرنگیوں کی طرح) دانا اور متمدن لوگ یعنی ایرانی ہیں اس لیے الفاظ اور اصطلاحات مذکورہ کو دوسرے طرز (یعنی باطنی زادقہ کے رنگ) میں بیان کیا گیا اور ان الفاظ کے ایسے معنی مراد لئے گئے جو (شیطانی) عقل و فہم سے زیادہ قریب تھے۔ مثلاً قیامت سے مراد ہر زمانہ اور ہر نام میں شجر حقیقت کا ظہور ہے۔ یہ ظہور اپنے زمانہ عروب تک باقی رہتا ہے۔ مثلاً بعثت عیسوی کے دن سے لے کر ان کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے یوم بعثت سے آپ کے یوم عروج تک کہ تینیس سال کی مدت تھی عیسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی۔ اور شجر بیان کے ظہور سے لے کر اس کے غروب تک محمد رسول اللہ ﷺ کی قیامت ہے۔ (ب 7 ج 37 ط 3) شیعہ لوگ جو قیامت کو مادی معنوں پر محمول کرتے ہیں محض توہم ہے جس کی عند اللہ کوئی حقیقت نہیں (ب 7) قیامت کے دن کوئی مردہ قبروں سے نہیں اٹھے گا۔ بلکہ بعثت یہی ہے کہ اس زمانہ کے پیدا ہونے والے زندہ ہو جاتے ہیں (ب 11) قیامت کا دن بھی دوسرے دنوں کی مانند ہے۔ آفتاب حسب معمول طلوع و غروب ہوتا ہے جس سر زمین میں قیامت برپا ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہاں کے باشندے اس سے مطلع نہیں ہوتے۔ (9 ج) اسی طرح نقطہ ظہور کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے کو جنت کہتے ہیں۔ (ب 1 ب 4 ب 16) عالم حیات میں تو جنت کی یہ حقیقت ہے

لیکن جنت بعد از موت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (ب 16) دوزخ سے مراد نقطہ ظہور پر ایمان نہ لانا اور اس سے انکار کرنا ہے۔ (ب 1، ب 4) برزخ سے عام لوگ (صحیح العقیدہ مسلمان) تو معلوم نہیں کیا مراد لیتے ہیں لیکن برزخ حقیقت میں وہ مدت ہے جو دو ظہوروں کے مابین حد فاصل ہے۔ (ب 8) علی بن ابی القیاس موت، 'قبر'، 'قبر' میں ملائکہ کا سوال میزان، 'حساب کتاب'، 'صراط و غیرہ میں سے ہر ایک کے تمثیلی معنی بیان کئے ہیں۔

بانی تحریف کاریاں

حضور مخبر صادق ﷺ نے جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ممدی علیہ السلام کے ظہور کی علامتیں بیان فرمائیں تو اس سے حضور کا یہ مقصد تھا کہ جھوٹے ممدی اور جھوٹے مسیح سچوں کی مسند عالی پر قدم نہ رکھ سکیں اور امت مرحومہ ہر مدعی کے دعوؤں کو ارشادات نبویہ کی کسوٹی پر کس کر اس کے صدق یا کذب کا امتحان کر سکے۔ پس یہ پیشین گوئیاں امت کے حق میں انتہادار □ کی شفقت و رحمت ہیں لیکن حرمان نصیبی اور ضلالت پسندی کا کمال دیکھو کہ جھوٹے مدعیوں کے نادان پیروان ارشادات نبویہ کی مشعل ہدایت کو اپنے لیے دلیل راہ نہیں بناتے بلکہ النان کو اپنی خواہشات نفسانی کے قالب پر ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں اور انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ کہنے لگتے ہیں کہ ان روایتوں کا وہ مطلب نہیں جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے بلکہ ان کا وہ باطنی مفہوم مراد ہے جو ہم سمجھتے ہیں۔ جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ احکام وحی بھی گویا موم کی نام ہے جسے جس وقت لور جس طرح چاہا پھیر لیا۔ باب بھی ایک جھوٹا ممدی تھا اور اس کی ذات میں ان علامات کا پایا جانا ناممکن تھا جو ممدی علیہ السلام کے ساتھ مختص ہیں اس لیے ضرور تھا کہ دادی خسران کے راہ نور و ارشادات نبویہ کو کھینچ تان کر اپنے مفید طلب ہانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ مرزا جانی بانی کتاب "نقطۃ الکاف" میں کمال بے باکی کے ساتھ لکھتا ہے کہ امام معصوم کی مراد باطنی معنی ہوتے ہیں لیکن اہل ظاہر ظاہری کلمات کو دیکھتے ہیں اس لیے اس کے مصداق کو نہیں پاتے۔ یہ امر لابد ہے کہ ہر کلمہ کے معنی اس کے باطن میں ملاحظہ کئے جائیں اور باطن کو پایا جاتا ہے سر و یا کا کام نہیں بلکہ یہ ایک منصب عالی ہے جو فرشتہ یا نبی یا مومن ممتحن کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن آج مومن ممتحن کہاں پایا جاتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ باطنی معنی جان لینے کا دعویٰ کرے؟ چونکہ ان اکثر احادیث کا جو علامات ظہور ممدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں باطنی مفہوم مراد ہے اور اہل زمانہ عموماً ظاہر بین ہیں اس لیے امام کے مقصود کو نہیں پاتے۔ 108 - "آئمہ تلمیس" کے باب 17 میں باطنی فرقہ کی تحریفات آپ کی نظر سے گزری ہوں گی۔ لیکن عنوان سابق میں آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ تحریف کاری کے فن میں باطنی بھی انہی کے شاگرد رشید ہیں۔ گو اوپر بھی باطنی باطنیت پر کافی

روشنی پڑ چکی ہے لیکن ذیل میں اس کے چند اور نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

الفاظ	بالی مفہوم
توحید ذات	ذات مقدس حضرت نقطہ وجود (باب) کی وحدانیت اور فردانیت کا اقرار
توحید صفات	حضرت حق کے جمیع اسماء و صفات کا مظہر حضرت نقطہ (باب) ہے۔ یعنی اس کی مشیت تمام مشیتوں سے بڑھ کر اور اس کا ارادہ عین اللہ کا ارادہ اس کی زبان اللہ کی زبان اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔
توحید افعال	آجناب (علی محمد باب) کا فعل اللہ کا فعل ہے۔ کسی کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں کہ اس کے فعل میں چون و چرا کر سکے۔
توحید عبادت	اس سرور (باب) کی محبت و عبادت۔
زکوٰۃ	یوم قیام میں خدائے ترکی ملائکت کا اقرار کرنا۔
روزہ	ان امور سے احتراز کرنا جو آنحضرت کی مرضی کے خلاف ہوں۔
حج	خدائے ترکی مشیت کو ارادہ تفساد قدر کے ارد گرد پھرنا
بیت اللہ	(1) جسم شریف حضرت نقطہ (باب) کے جسم شریف کا مقام ستقر اور اور (2) حضرت نقطہ (باب) کا دل
زمرم	رسول اللہ (ﷺ)
صفا	شاہ ولایت
مشعر	حضرت فاطمہ زہراؑ
منیٰ	حضرت امام حسن مجتبیٰؑ 109۔

علی محمد باب قیامت کا بھی منکر تھا۔ اس کے نزدیک جیسا کہ اس نے ”بیان“ فارسی (باب) 7، واحد 2) میں لکھا ہے کہ یوم قیامت سے مراد شجرہ حقیقت کا ظہور ہے اور حقیقت اس وقت تک مشاہدہ میں نہیں آسکتی جب تک کوئی شیعہ یوم قیامت کا مفہوم نہ سمجھ لے۔ بلکہ قیامت کے متعلق لوگوں نے جو کچھ موبہنا سمجھ رکھا ہے عند اللہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ کے نزدیک یوم قیامت سے یہ مراد ہے کہ شجرہ حقیقت کے ظہور کے وقت سے لے کر ہر زمانہ اور ہر اسم میں اس کے غروب تک قیامت کا دن ہے۔ مثلاً عیسیٰ (علیہ السلام) کے یوم بعثت سے لے کر ان کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی کیونکہ شجرہ حقیقت ہمکل محمدیہ (علی صاحبہما التحیید و السلام) میں ظاہر ہوا تھا اور شجرہ بیان ظہور کے سے لے کر (معاذ اللہ) رسول اللہ (ﷺ) کی قیامت ہے۔ جس کا قرآن میں خدائے قدوس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا آغاز 5 جمادی الاول 1260ھ کی رات کو دو ساعت اور گیارہ دقیقہ کے بعد سے ہوا کہ 1270ھ (علی محمد باب کی) بعثت کا سال بتنا

ہے۔ یہی قرآن کے یوم قیامت کا آغاز ہے اور شجرہ حقیقت کے غروب سے لے کر قرآن کی قیامت ہے کیونکہ جب تک کوئی چیز کمال تک نہ پہنچ جائے اس کی قیامت نہیں ہو سکتی اور دین اسلام کا کمال اول ظہور تک ختم ہو گیا اور من یظہرہ اللہ کے ظہور پر بیان کی قیامت آجائے گی کیونکہ اس وقت بیان کا کمال ختم ہو جائے گا۔ جس طرح مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک لغو پیشین گوئی کر رکھی ہے کہ تین سو سال کی مدت میں ساری دنیا کا مذہب (معاذ اللہ) مرزائی ہو جائے گا۔ اسی طرح باب بھی کہہ گیا ہے کہ عنقریب سارے ایران کا مذہب باہی ہو جائے گا۔ لیکن یہ خواب نہ اب تک شرمندہ تعبیر ہوا ہے اور نہ یقیناً آئندہ ہو گا۔ اس لیے اس کو یادہ کوئی سمجھنا چاہیے۔

آیات قرآنی کو باب پر چسپاں کرنے کی کوشش

مرزا غلام احمد کی حق فراموش امت سخت ملحدانہ دیدہ دلیری کے ساتھ بعض آیات قرآن کی مرزا غلام احمد پر چسپاں کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔ گو اس عیاری میں مرزائیوں کی حیثیت محض ناقلانہ و مقلدانہ ہے اور اس فن میں ان کے اصل گرد باہی لوگ ہیں لیکن یہ بھی ایک ایسی حرکت ہے جو ان کے ناقص الایمان ہونے مر توثیق مثبت کرتی ہے۔ بابیوں کی اس الحاد پسندی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ آیتہ ولقد کتبناک الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادى الصالحون کا صحیح مفہوم تو یہ ہے کہ بلاشبہ ہم نے تورات اور بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ اس سر زمین کے مالک میرے صالح و شاکستہ بندے ہوں گے۔ یعنی اخیر مانہ میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے اور ان کی امت اس زمین پر غالب آئے گی۔ لیکن حاجی میرزا جانی باہی اس کی تفسیر میں یوں گوہر افشانی کرتا ہے۔ ہم نے زبور میں لکھا تھا کہ ذکر یعنی علی محمد باب کے ظہور کے بعد میرے نیک بندے زمین کے مالک ہوں گے اور اگر ذکر سے مراد قرآن لیا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ قرآن کے بعد کتاب بیان ہے جس کے حامل حضرت ذکر (علی محمد) ہیں۔ رہا سلطنت الہی کا ظہور سو عرض ہے کہ سلطنت الہی نے دلوں کی سر زمین میں تجلی فرمائی ہے اسی کائنات قلب روح میں ایسے ایسے پاکباز لوگ پیدا ہوئے ہیں کہ چشم روزگار نے اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھے تھے اور ضرور ہے کہ سلطنت ظاہری بھی ان حضرات کو بہم پہنچے گی۔ گو ہزار سال کی مدت ہی کیوں نہ گذر جائے۔ پس اس آیت کا جزئی مصداق تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کلی طور پر حضرت قائم (علی محمد باب) ہیں اور سچ پوچھو تو حضرت قائم علیہ السلام کا ظہور بھی محمد علیہ السلام ہی کی رجعت ہے۔ عارف ہاشمہ نور عبد منصف کے لیے سارا قرآن حضرت قائم کی عظمت شان کی باطنی تفسیر ہے۔

ملا محمد علی بار فروشی

ملا محمد علی بار فروشی جسے باہلی لوگ قدوس کے لقب سے یاد کرتے ہیں علی محمد باب کا سب سے بڑا خلیفہ تھا۔ اس لیے بعض حالات باب سابق میں سپرد قلم ہو چکے ہیں۔ مقام قدوسیت اور رجعت رسول اللہ ﷺ کا مدعی تھا۔ رجعت رسول اللہ سے اس کی یہ مراد تھی کہ آنحضرت ﷺ از سر نو دنیا کے اندر تشریف لا کر (معاذ اللہ) بار فروشی کے پیکر میں ظاہر ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد نے بار فروشی ہی کے چپائے ہوئے لقمے کو اپنے خوان الحاد کی زینت بنا لیا تھا۔ چنانچہ قادیانی صاحب نے 5 نومبر 1901ء کے اشتہار میں لکھا کہ ”میں بار ہاتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیتہ و آخرین منہم لما یلحقوا بسہم بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ﷺ ہوں پس اس طور سے خاتم العین کی مر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔

110۔ حاجی میرزا جانی کاشانی ”نقطۃ الکاف“ میں لکھتا ہے کہ بار فروشی کے حق میں بہت سی حدیثیں آئمہ دین سے وارد ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے کہ جب سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو تو سمجھ لو کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔ ایک وہ حدیث ہے جس میں چار جھنڈوں کا ذکر ہے۔ راہٹ یمانی، حسینی، خراسانی، طالقانی۔ یہ چاروں جھنڈے حق ہیں اور سفیانی پرچم جو ان چہروں کے بالقابل ہے باطل ہے۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ اس حدیث میں راہٹ یمانی سے مراد جببہ زر (علی محمد باب) ہے اور راہٹ حسینی سے حضرت قدوس (ملا محمد علی بار فروشی) کا پرچم ہے۔ راہٹ خرمغنی سے سید الشہداء علیہ السلام (ملا حسین بٹروہ) کا جھنڈا مقصود ہے جس نے خراسان

سے حرکت کی تھی اور طالقانی جھنڈا سے جناب طاہرہ (قرۃ العین) مراد ہے کہ جس کا باپ طالقانی تھا اور سفیانی جھنڈا ناصر الدین شاہ والئی ایران کا پرچم ہے۔ بابیوں نے قائمیت کا منصب دو شخصوں کو دے رکھا تھا ایک مرزا علی محمد باب کو دوسرا محمد علی بار فروشی کو لیکن بابیوں کی بعض تحریروں میں ملابار فروشی کو علی محمد باب سے بھی فائق و برتر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حاجی میرزا جانی کا شانی لکھتا ہے کہ اس دورہ میں اصل نقطہ حضرت قدوس (ملابار فروشی) تھے اور جناب ذکر (علی محمد) اس کے باب (وسیله) تھے لیکن چونکہ رجعت کا دورہ تھا اور ولایت ظہور میں نبوت پر سبقت لے گئی۔ اس لیے جناب ذکر (علی محمد) پہلے ظاہر ہو کر تین سال تک داعی الی الحق رہا۔ اس کے بعد چوتھے برس حضرت قدوس (ملابار فروشی) ظاہر ہوئے۔ 111۔

زریں تاج معروف بہ قرۃ العین

زریں تاج عرف ”قرۃ العین“ ایک عجوبہ روزگار عورت گذری ہے۔ اس کا باپ حاجی ملا صالح قزوین کا ایک مشہور شیعہ عالم تھا۔ باپ نے اس کو گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جب حدیث تفسیر اور فقہ کے علاوہ الہیات و فلسفہ میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تو اس کی شادی اس کے حقیقی چچا مجتہد العصر ملا محمد تقی کے فرزند ملا محمد کے ساتھ ہو گئی۔ جو جملہ علوم میں تبحر رکھنے کے ساتھ ایک جوان صالح تھا۔ جب زریں تاج نے علی محمد باب کے حالات سنے تو خفیہ طور پر باب کو خط لکھا۔ باب نے اس کے جواب میں جو چٹھی لکھی اس کو پڑھ کر وہ بے دیکھے اس پر ایمان لے آئی۔ قرۃ العین نے چند روز تک اپنی بابیت کو مخفی رکھا اور پوشیدہ ہی پوشیدہ دونوں میں مرسلت رہی۔ آخر جب باب نے دیکھا کہ یہ عمت و مناظرہ میں طاق اور اپنی دھن میں پکی ہے تو اسے لکھ بھیجا کہ اب تم ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ شروع کر دو اور اس کے ساتھ ہی باب نے اسے قرۃ العین (آنکھ کی پتلی) کا خطاب مستطاب بھی عطا کیا۔ قرۃ العین بابیت میں ایسی راسخ العقیدہ نکلی کہ اس نے باب کی راہ محبت میں حسب مال و عیال اور اسم و رسم کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ قرۃ العین بابی مسلک کے نشر و بلبلان میں اور براہین و ادولہ مذہب کے پیش کرنے میں اس درجہ پر پہنچی ہوئی تھی کہ باب کے بڑے بڑے پیرو بھی جن میں سے بعض تو صفوہ دہر اور سر آمد روزگار تھے۔ اس کے اور اک سے عاجز تھے۔ قرۃ العین نے پہلے گھر ہی میں تبلیغ کی طرح ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بی بی میں عمت چھڑ گئی۔ ملا محمد نے لاکھ سرمارا لیکن بی بی کے خیالات بدلے نہ جاسکے۔ آخر شوہر نے اپنے باپ اور خسر سے شکایت کی انہوں نے بھی قرۃ العین کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح قائل نہ ہوئی۔ بلکہ باپ، چچا اور شوہر کی مخالفت پر آمادہ ہوئی۔ قرۃ العین نے شوہر سے ملنا جلتا بات

چیت ترک کر دی۔ باپ نے بڑی کوشش کی کہ یہ کسی طرح اپنے میاں ملا محمد سے مصالحت کر لے لیکن قرۃ العین نے کسی طرح قبول نہ کیا۔ جب باپ کا اصرار بہت بڑھا تو کہنے لگی کہ میں طاہرہ ہوں۔ (باب نے اسن کو طاہرہ کا خطاب بھی دیا تھا) لور میرا شوہر امرحق کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے خبیث و مردود ہو گیا ہے۔ چونکہ ہمارے درمیان جنسیت نہیں رہی۔ اس لیے یہی باطنی عدم جنسیت طلاق و تفریق کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے بعد اپنے باپ سے کہنے لگی کہ عمد رسالت میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مکہ کی جو عورتیں حضرت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں لوران کے شوہر بدستور کافر رہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے انہیں بے طلاق دوسروں کے عقد ازدواج میں دے دیا۔

پردے کی پابندی

قرۃ العین نے بغیر اس کے کہ شوہر اور خسر کی اجازت یا عدم اجازت کی کچھ پروا کرے اپنے گھر میں ملت باہیہ کی دعوت و تبلیغ کی محفلیں گرم کرنی شروع کر دیں۔ جن میں خلقت کثیر جمع ہو جاتی۔ جب شوہر اور خسر کی طرف سے اس کام میں مزاحمتیں شروع ہوئیں تو کربلا چلی گئی۔ وہاں اس نے ایک مجلس درس قائم کی۔ اس مجلس میں پردے کا بڑا اہتمام تھا۔ مرد پس پردہ اور عورتیں پردہ کے اندر بیٹھ کر استفادہ و عطا کرتی تھیں۔ اور خود بھی پس پردہ بیٹھ کر مصروف درس ہوتی تھیں۔ 112۔ مولوی عبد الحلیم شرر لکھنوی مرحوم نے رسالہ قرۃ العین میں اس کو ایک آزاد خیال عورت بتایا ہے جو ہر سر عام اپنے حسن کی نمائش کرتی تھی۔ چنانچہ شرر مرحوم لکھتے ہیں کہ قرۃ العین مزدک کی ہم آہنگ ہو کے کستی تھی کہ عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ کسی ایک ہی کی پابند کر دی جائیں اور دوسرے لوگ اس کے حسن و جمال کی لذت سے محروم کر دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور علم و فضل نے اس میں آزادی پیدا کر دی تھی۔ یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوتے ہی ترقی کرتا اور تبصر و تحقیق کے ساتھ بڑھتا گیا۔ اپنی تقریروں میں کستی تھی کہ اس پردے کو پھاڑ کے پھینک دو۔ جو تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان حائل ہے اور انہیں خلوت سے جلوت میں لاؤ۔ عورتیں دنیوی زندگی کے باغ کے خوبصورت پھول ہیں اور پھول صرف اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ آغوش شوق میں رکھے اور سونگھے جائیں۔ وہ گلے لگانے اور لطف اٹھانے ہی کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ ضرورت نہیں کہ سونگھنے اور لطف اٹھانے والوں کے لیے کیفیت و مقدار کی قیدیں لگائی جائیں۔ پھول کو جس کا جی چاہے لے اور سونگھے کسی کو روکنے کا حق نہیں۔ تبلیغی محفلوں میں وہ بے نقاب برآمد ہو کے سحر بیانیاں کرتی۔ بہت سے لوگ محض اس کے رخ زیادہ دیکھنے اور آنکھیں سینکنے کے شوق میں چلے آتے۔ حسن و جمال اور دلفریبی کی یہ حالت تھی کہ جس نے ایک دفعہ صورت دیکھ لی فریفتہ ہو گیا اور اسی کا دم بھرنے لگا۔ بڑے بڑے لوگ رعب حسن سے ایسے مغلوب ہو جاتے کہ اس کے سامنے لب ہلانے کی جرات نہ ہوئی۔ مگر یہ بیان مبالغہ آمیز ہے۔ باہیہ مذہب کی تمام کتابیں اس پر متفق اللفظ ہیں کہ نہ صرف وہ پردہ کی پابند تھی اور اس کے چہرے پر نقاب رہتی بلکہ وہ دوسری عورتوں کو بھی حجاب و تسر کی تلقین کرتی تھی۔ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ میں نے صبح ازل سے پوچھا تھا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرۃ العین نے دائرہ باہیت میں داخل ہونے کے بعد برقعہ اتار دیا تھا۔ اس میں کچھ صداقت ہے یا نہیں؟ صبح ازل نے جواب دیا کہ غلط ہے کہ اس نے بے پردگی اختیار کر لی تھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ تقریروں میں فصاحت و خوش بیانی کی داد دیتے وقت بعض

اوقات اپنے جذبات سے اس درجہ مغلوب ہو جاتی تھی کہ وہ چشم زدن کے لیے چہرے سے نقاب الٹ دیتی تھی لیکن پھر معاً چہرہ ڈھانک لیتی تھی۔ 113- قرۃ العین نے کربلا میں جو درس قائم کر رکھا تھا گو وہ بادی النظر میں مجلس درس و تدریس تھی لیکن فی الحقیقت وہ اس کی آڑ میں بایبیت کی تبلیغ کرتی تھی۔ جب کربلا میں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا شہرہ ہوا اور کربلا کے ترک حاکم نے دیکھا کہ اس کے شرکائے درس بایبیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو حاکم نے اس کے گرفتار کرنے کا قصد کیا کہنے لگی میں مقامِ علم کی مدعی ہوں۔ تم اپنے علماء کو جمع کرو تاکہ میں ان سے گفتگو کروں۔ آخر حاکم کربلا نے حکم دیا کہ جب تک اس کے متعلق بغداد سے حکم نہ آجائے کربلا سے باہر نہ جانے پائے لیکن وہ کسی ترکیب سے کربلا چھوڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں سے اس نے سیدہا بغداد کا رخ کیا۔

حاجی ملا تقی قزوینی کا قتل

بغداد پہنچ کر اس نے مفتی اعظم سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ باہلی تحریک پر روشنی ڈال کر باب کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد مفتی اعظم سے درخواست کی کہ وہ انہیں تبلیغ بایبیت کی اجازت دیں لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا مفتی بھلا اسے کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ وہ کھلے ہندوں مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالتی رہے۔ مفتی اعظم سے ناامید ہو کر وہ گورنر سے ملی اور تبلیغ کی اجازت چاہی گورنر نے حکم دیا کہ تم ترکی عملداری سے نکل جاؤ۔ ناچار بغداد کو الوداع کہا لیکن بغداد سے نکلنے ہی اس نے بایبیت کے ہنگامے برپا کر دیئے اور بغداد سے کرمان شاہ اور کرمان شاہ سے ہمدان جاتے جاتے اس نے بہت لوگوں کو دائرہ بایبیت میں داخل کیا۔ ایک موقع پر اس نے حسب بیان حاجی میرزا کاشانی توحید کے بعض اسرار ایسے منعلق و مبہم الفاظ

میں بیان کئے کہ رفقائے سفر میں سے شیخ صالح عرب، شیخ طاہر واعظ، ملا ابراہیم محلاتی اور آقا سید محمد گھپاریگانی ملقب بہ ملیح کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ جو لوگ اس کے فہم و ادراک سے قاصر رہے انہوں نے زبان رد و وطن دراز کرتے ہوئے علی محمد باب کے نام شکوہ آمیز خطوط روانہ کئے۔ باب نے ان شکوہ کے جواب میں قرۃ العین کو طاہرہ کے خطاب سے مستحضر کیا اور اس کے آثار توحید کو مستب لیا۔ گردانا۔ یہ دیکھ کر تمام منکر باہلی اپنے کئے پر پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے۔ قرۃ العین نے ہمدان سے طہران جا کر محمد شاہ والی امیران کو وعظ و نصیحت کرنے کا قصد کیا۔ جب اس کے پہنچنے کا ملا صالح کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگا ہوا آیا اور بیٹھی کہ اس خیال سے باز رکھ کر قزوین لے گیا۔ قزوین تھوڑے دن تو امن و سکون سے رہی لیکن اس نے پھر حسب معمول بایبیت کی رت بھنی شربت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خسر اور شوہر میں پھر چپقلش شروع ہوئی۔ اب اس نے قزوین سے۔ مرقی پورہ محمد دونوں کا فر اور واجب القتل ہیں کیونکہ جو کوئی تبلیغ حق میں ممانع ہو اس کا خون حلال ہے۔ یہ قزوین

سن کر بابیوں میں بلا کا جوش پیدا ہوا اور ہر طرف ایک آگ سی لگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن نماز فجر سے پہلے ہی چند سر بھنبانی فدائی مسجد میں جا کر چھپ رہے اور جیسے ہی قرۃ العین کے خسر ملا محمد تقی محراب مسجد میں نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے بانی کمین گاہ سے نکلے اور نرغہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ پور صرف جاں ستانی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ناک مکان اور تمام اعضا جو ارجحہ داکر کے صورت کو بالکل مسح کر دیا۔ اس خوفناک حادثہ پر شہر میں آگ سی لگ گئی۔ قرۃ العین کے خلاف ہر طرف طوفان غضب امنڈ آیا۔ لوگ ہتھیار لئے پھرتے تھے کہ قرۃ العین اور اس کے بانی پیروؤں کو جہاں پائیں ٹھکانے لگا دیں۔ یہ رنگ دیکھ کر قرۃ العین نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ قزوین سے نکل بھاگے۔ چنانچہ جس قدر بانی مل سکے انہیں ساتھ لیا۔ اور عام سڑکوں کو چھوڑ کر غیر معروف اور مجبول راستوں سے بھاگ کر اس مقام پر حدود خراسان میں داخل ہوئی جہاں ملا حسین بٹروہ نے سلطنت کے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔

عبرتناک موت

اس اثناء میں اس نے سنا کہ باب کا زبردست داعی ملا محمد علی بار فروشی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی طرف آرہا ہے۔ جب بار فروشی وہاں پہنچا تو دونوں بڑی گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کارروائی کریں بارہادونوں میں تخیلہ ہو اور زرین تاج کمال آزادی سے بار فروشی سے بے حجاب ملتی رہی۔ چنانچہ بابیوں کے اکثر مخالف واقعہ نگار اس کی لوہار فروشی کی تخیلہ کی ملاقا توں کو ناجائز اور فاسقانہ تعلقات پر محمول کرتے ہیں۔ اب زرین تاج اور ملا بار فروشی نے ایک ہی حمل میں سوار ہو کر آگے کا سفر کیا۔ جب بدبشت کے صحرا میں پہنچے تو رات کو قزاقوں نے لوٹ لیا۔ پور سب کو لتوٹیاں بندھوا کے چھوڑ دیا۔ یہاں سے تمام باہلی حال تباہی منتشر ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سلہا اس طرف کو چلا۔ اسی افراتفری میں ملا بار فروشی اور زرین تاج کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ ملا محمد علی تو بار فروش چلا گیا اور زرین تاج ادھر ادھر سرگردان پھرنے لگی۔ جب بابیوں کے لٹنے اور حالت تباہ منتشر و پرآگندہ ہونے کے خبر زندران پہنچی تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی کہ بانی جدھر کا رخ کرتے اور جس شہر میں جاتے سخت رسوائی کے ساتھ نکال دیئے جاتے۔ حاکم ساری کو تاج زرین کا حال معلوم ہوا تو پیادے بھیج کر ساری میں طلب کرنا چاہا لیکن وہ نور کو چلی گئی کچھ وقت نور میں رہی۔ آخر باشندگان نور نیانے اسے گرفتار کر کے حکام کے حوالے کر دیا۔ حکام نے اسے طہران بھیج دیا۔ یہاں وہ محمود خاں کلاں ترکی کی حراست میں رکھی گئی پور اگست 1852ء تک جبکہ وہ قتل ہوئی ہے اسی مکان پر رہی۔ گو محمود خاں کے مکان پر بظاہر نظر بند تھی لیکن وہ مختلف بابیوں کے ساتھ شہر کے مختلف حصوں میں بارہادیکھی گئی جہاں وہ

طرح طرح کے حیلے حوالے کر کے چلی جاتی تھی۔ دو ڈھائی سال اسی طرح گزر گئے۔ آخر جب ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو یہ بھی ان اٹھائیس ماخوذین میں داخل تھی جو واجب القتل ٹھہرائے گئے تھے۔ تاریخ نگار اس میں باہم مختلف البیان ہیں کہ قرۃ العین کس طرح ہلاک کی گئی؟ بعض کہتے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کی نعش جلادی گئی۔ بعض کا بیان ہے کہ باغ الخانی میں لے جا کر تانت سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے باغ ”لالہ زار“ میں ہلاک کیا گیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ اسے قصر شاہی کے ایک باغ میں جسے ”نگارستان“ کہتے تھے لے جا کر دھکیل دیا گیا اور کنوئیں کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔ 114- ایک بیان یہ ہے کہ اس کی زلفیں چاروں طرف سے کاٹ ڈالی گئیں اور چندیا کے گرد اگر دسر موئذ ڈالا گیا۔ پھر سر کے پچ کے بال ایک خچر کی دم میں باندھے گئے اور لوگ اس طریقہ سے کھینچتے ہوئے اسے دارالقضا میں لائے۔ محکمہ قضاء نے حکم نافذ کیا کہ زندہ آگ میں جلادی جائے۔ لیکن قاتلوں نے گلا گھونٹ کے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش آگ میں پھونک دی گئی لیکن میرے نزدیک مؤخر الذکر روایت ناقابل اعتماد ہے۔ شرمر حوم نے یہ لکھنے میں غلطی کی ہے کہ قرۃ العین علی محمد باب کے مارے جانے سے دو سال پیشتر ہلاک کی گئی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ باب بتاريخ 9 جولائی 1850ء قتل ہوا تھا۔ (ایپی سوڈ آف دی باب ص 45) اور قرۃ العین کو اگست 1852 میں خاک ہلاک پر ڈالا گیا۔ (ایضاً) (ص 313)

حضرت فاطمہؑ کے مظہر ہونے کا دعویٰ

قرۃ العین سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراہ سلام اللہ علیہا کے مظہر ہونے کی دعویٰ دار تھی اسے باہیت میں اتنا شغف اور غلو تھا کہ غیر بابیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ حاجی میرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ راہ استدلال میں پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھی اور اسی کا اثر تھا کہ لوگ اسے باہی مذہب کا رکن رابع یقین کرتے تھے۔ حسب بیان حاجی میرزا جانی قرۃ العین کو کسی امام معصوم کی ایک حدیث پہنچی تھی کہ جو کوئی ہمارے کامل شیعوں کو دشنام سے یاد کرے گا۔ وہ گویا ہم پر سب دشمن کرے گا۔ اور جو ہمیں دشنام دے گا گویا رسول اللہ (ﷺ) کو گالی دے گا اور ایسا شخص ناصبی کافر اور نجس ہوگا۔ اسی بنا پر وہ بابیوں کے سوا ہر شخص کو کافر اور ناپاک سمجھتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ بازار کی پکی ہوئی چیزیں حرام سمجھ کر نہ کھاتی تھی لیکن اس نے مزعومہ حرام و نجس چیزوں کے پاک کرنے کا ایک ڈھوکہ سلسلہ بھی بنا رکھا تھا چنانچہ کہتی تھی کہ میری آنکھ حضرت سیدۃ النساء (رضی اللہ عنہا) کے چشم مبارک کا حکم رکھتی ہے۔ میں جس نجس اور ناپاک چیز پر ایک نظر ڈال دوں وہ پاک و طاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مطہرات یعنی پاک کرنے والی چیزوں میں آل اللہ کی

نظر بھی داخل ہے۔ چنانچہ اپنے بانی معتقدین سے کہا کرتی تھی کہ جو چیز بازار سے خریدو وہ میرے پاس لے آؤ۔ تاکہ میں اس پر نظر ڈالوں اور وہ حلال طیب ہو جائے۔ 115۔

قرۃ العین بحیثیت قادر الکلام شاعرہ

قرۃ العین بحیثیت شاعرہ ایران میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ پروفیسر براؤن وغیرہ کو باوجود تنقص سید اس کے دو ہی قصیدے مل سکے۔ باب نے اس کو طاہرہ کالقب دیا تھا۔ اس نے اسی کو تنقص قرلمدے لیا تھا۔ یہ قصائد علی محمد باب کی حمد و ثناء اور اس کے اشتیاق ملاقات میں کہے گئے ہیں۔ ان اشعار میں جو فصاحت و بلاغت و بلبہ خیالی اور شوکت الفاظ ہے۔ یقین ہے کہ وہ قارئین سے خود خراج تحسین وصول کر لے گی۔

شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی

دو مسیحاں کاذب

بعض ناواقف گمان کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد ہی وہ حضرت ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے علم مسیحیت بلند کر کے خلق خدا کو گمراہ کیا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ ان سے پہلے بھی سرزمین ہند میں مسیحاں کذاب گذر چکے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید محمد جو پوری نامی ایک صاحب نے ان کے پیرو میراں جی کہا کرتے تھے۔ 901ھ میں یعنی آج سے قریباً ساڑھے چار سو سال پہلے ہندوستان میں مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کے پیرو مہدی کہلاتے تھے۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے۔ جب سید محمد جو پوری کو دعویٰ مہدویت کئے کچھ عرصہ گذر چکا تو ان کے پیرو حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے لیے چشم براہ ہوئے لیکن ان کی خلاف توقع مسیح علیہ السلام نے قدم رنج نہ فرمایا کیونکہ ان کی تشریف آوری سچے مہدی علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ دلالت ہے۔ آخر سید جو پوری کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ بھیک نام مسیحیت کا مدعی بن بیٹھا لیکن ظاہر ہے کہ جب تک شیخ بھیک کو سید جو پوری کی بادشاہ سے مسیحیت کی سند صداقت نہ ملتی وہ مہدویت میں سچا مسیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جب شیخ بھیک میراں جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میراں جی نے فرمایا کہ تجھ کو عیسیٰ کس نے بنایا؟ اس نے کہا اسی نے جس نے آپ کو مہدی بنایا۔ میراں جی نے کہا تو جھوٹا مسیح ہے کیونکہ تیری ماں تو فلانی تھی۔ آنے والے عیسیٰ تو مریم کے فرزند ہوں گی اور ڈانٹ کر کہا کہ اگر تو پھر مسیح مدعو ہونے کا دعویٰ کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ شیخ بھیک پر اس وقت اس وعظ کا کچھ اثر نہ ہوا لیکن چند روز کے بعد خود ہی اس دعویٰ سے رجوع کر لیا۔ میراں جی نے کہا اب بالائے آسمان

سے کس طرح اتر آئے؟ پھر خود ہی کہہ دیا کہ ہاں یہ بھی ایک مقام تھا۔ 115۔ ممدویہ میں سید محمد جوپوری کی رحلت کے بعد دواخانہ ساز مسیحان مدعود کا پتہ چلتا ہے۔ حسب بیان مولانا محمد زمان خاں شہید ممدویہ کی ایک کتاب ”انصاف نامہ“ کے اٹھارویں باب میں لکھا ہے کہ سید محمد جوپوری کے ایک خلیفہ خوند میر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میاں خوند میر نے فرمایا کہ میں آج رات لکھو جوہ تمام بیٹھا تھا اور میرا جی کو پشیم خود دیکھتا تھا۔ میں نے پوچھا میرا جی! مہتر عیسیٰ کس وقت آئیں گے؟ فرمایا نزدیک زمانہ میں نے پوچھا۔ آپ کے ساٹھ سال بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک پھر پوچھا آپ کے پچاس برس بعد آئیں گے؟ فرمایا نزدیک میں نے دریافت کیا کہ تیس سال بعد آجائیں گے۔ فرمایا نزدیک۔ پوچھا دس سال کے بعد آجائیں گے؟ کہا نزدیک۔ پوچھا آپ سے چالیس برس کے بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ اس کے بعد ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ دیکھو مہتر عیسیٰ حاضر ہیں۔ خود ان سے پوچھ لو۔ میاں خوند میر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بہت سی باتیں دریافت کیں لیکن یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ کب تشریف لائیں گے؟ اس مکاشفہ کے تیس سال بعد جوپوری کے ایک مرید شیخ محمد خراسانی نے سندھ میں مسیح مدعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسلامی حکومت تھی۔ اس قسم کی فتنہ پردازی ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کی جاسکتی تھی۔ خراسانی زیر حراست کر لیا گیا اور بادشاہ شریعت پناہ کے حکم سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ 116۔ اسلامی سلطنت میں فتنہ پرداز مسیحوں اور خانہ ساز مہدیوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اسی انجام کے پیش نظر مسیح قادیان نے نہ کبھی حج کے لیے مکہ معظمہ جانے کی جرات کی اور نہ امیر افغانستان کی دعوت پر سرزمین افغانستان کا رخ کیا۔

ایک اور مسیح و جال

اسی انصاف نامہ میں مذکور ہے کہ جوپوری کے مریدوں میں ابراہیم بزلہ نے بھی عیسویت کا دعویٰ کیا تھا اس سے بھی یہی کہا گیا کہ آنیوالے عیسیٰ علیہ السلام تو مریمؑ کے فرزند ہیں اور تیرے ماں اور باپ فلاں ہیں۔ 117۔ معلوم نہیں کہ میاں بزلہ اس کے بعد تائب ہو گیا یا مرزا غلام احمد کی طرح اپنی ہٹ پر قائم رہ کر بدستور انغوائے خلق میں مصروف رہا؟

مومن خاں اچی

مومن خان اچی جسے حاجی میرزا جانی کاشانی اور دوسرے بابیوں نے مومن ہندی کے نام سے یاد کیا ہے۔ سید جلال الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے خانوادہ میں سے تھا۔ جواج میں مکملین عرفاء میں سے گذرے ہیں۔ سات سال کی عمر میں چچک یا کسی دوسرے عارضہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ اس کار جہان طبع دین کے جائے دنیا کی طرف زیادہ تھا۔ اس لیے اوائل عمر میں دینی علوم کی جائے دنیوی علوم کی تحصیل میں منہمک رہا۔ علم طب، نجوم، جفر اور صناعت میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ متعہ زبانیں جانتا تھا۔ دس سال کی عمر میں حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب بمبئی پہنچا تو بد نصیبی سے وہاں کسی باہلی سے ملاقات ہو گئی۔ اس باہلی نے بتایا کہ ایران میں ایک جلیل القدر ہستی نے مقام بابیت کا دعویٰ کیا ہے۔ باہلی نے اپنے مقتدا کے من گھڑت فضائل میں اتنا مبالغہ کیا کہ مومن دام فریب میں آ گیا اور بن دیکھے اس کا والہ و شیدا ہو گیا۔ خوبی قسمت نے کہا کہ جس طرح تو آنکھوں کا اندھا ہے اسی طرح دل کا بھی اندھا کر کے چھوڑوں گی۔ سوء اتفاق سے باب بھی اس سال مکہ معظمہ آیا ہوا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس کو نقد ایمان دے بیٹھا۔ دوسرے لوگ بیت اللہ جا کر کسب سعادت کرتے اور اپنی مغفرت کے سامان مہیا کرتے ہیں لیکن اس بد نصیب نے وہاں جا کر شقاوت و ضلالت سے اپنے جیب و داماں بھر لئے۔ اس نے بابیت کی پائی گویا اس کو کم گشتہ جو اہر و لالی مل

گئے۔ مراجعت وطن کا خیال ترک کر کے ایران کا قصد کیا اور ہمیشہ کے لیے وہیں کاہورہا۔ جن ایام میں بابیوں نے مازندران میں لودھم مچا رکھا تھا۔ مومن ان دنوں وہاں پہنچا۔ ہر چند کوشش کی کہ قلعہ میں داخل ہو کر بابیوں میں شامل ہو جائے مگر کامیاب نہ ہوا۔ انہی دنوں میں ایک شخص مرزا مصطفیٰ کرہ مومن کے قلعہ لروات میں داخل ہو گیا۔ مومن خاں نے اس کی رفاقت میں گیلان کا سفر کیا۔ اہل گیلان نے ان کی بڑی مخالفت کی۔ گیلان سے اترنے والے مومن نے وہاں پہنچ کر بڑی سرگرمی سے تبلیغ کا نغمہ چھیڑ دیا۔ وہاں کے باشندوں کو اس درجہ ناگوار ہوا کہ خوردنوش کے میا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس پر بھی اندھا دہاں سے نہ ملا تو لوگوں نے آدھی رات کے وقت وہاں سے جبراً نکال دیا۔ یہاں سے قزوین اور قزوین سے طہران گیا۔ وہاں صبح ازل اور بیہاء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ بیہاء اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ باب کے طریقہ محبت میں صادق ہے بہت کچھ نوازشیں کیں۔ صبح ازل نے اسے عکس نمنہ نام: زنگی کافور کے حسب مصداق بصر (پینا) کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مومن ”رجعت حسنیٰ مکاد عوید لہ ہوا۔ اور اپنے اس دعویٰ کے متعلق صبح ازل اور بیہاء اللہ کو اطلاع دی۔ صبح ازل نے اس دعویٰ کی تصدیق کی اور جواب خط میں ”ابصر الابرہ“ (پیناؤں میں سب سے بڑا پینا) کا خطاب دیا۔ صبح ازل نے اندھے کے نام جو عربی خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ یا حبیب انا قد اصطفیناک بین الناس (اے حبیب! ہم نے تمہیں لوگوں میں سے منتخب و برگزیدہ بنا لیا ہے۔) اس دعویٰ کے بعد ارض قاف کا رخ کیا۔ وہاں بھی بہت سی مخلوق اس کی حرارت محبت میں جذب ہو کر گمراہ ہوئی۔

بابیوں کے پروردگار

بابیوں کی ایک نہایت شرمناک کجروی یہ تھی کہ وہ علی محمد باب کو بے تکلف پروردگار عالم اور رب اکبر کے خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ اسی کو اپنا خالق و رازق یقین کرتے ہیں۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے۔ ”در زمانے کہ حکم از حضرت رب الاعلیٰ یعنی جناب ذکر علیہ السلام (علی محمد باب) صادر شدہ بود کہ اصحاب جزاسان بروند“ 118۔ اسی طرح جب کور چشم دکور دل مومن ہندی ارض قاف سے چل کر چریق پہنچا تو اس نے باب کو دیکھتے ہی ہزاروں (یہی میرا پروردگار ہے) کا نعرہ لگایا اور بے خود ہو گیا۔ اور حسب بیان حاجی میرزا جانی کاشانی گریہ و زاری کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا۔ انا القائم الذی ظہر (میں قائم ہوں جو ظاہر ہو گیا ہوں) مومن چریق سے سہماں آیا اور قائم ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سینکڑوں ہزاروں خوش اعتقاد جان نثاری پر آمادہ نظر آئے۔ مومن نہایت نظیف لباس پہنتا تھا۔ حسب بیان حاجی میرزا جانی انے ایسی لطافت طبع بہم پہنچائی تھی کہ غذا تک نہ کھا سکتا تھا۔ اس کی تقلیل غذا کا یہ عالم تھا

کہ چالیس دن کے بعد گلاب اور قند تناول کرتا۔ خلاصہ یہ کہ ان حدود میں اس نے خوب پاکھنڈر چایا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور اس کی کند خدع میں پھنستے جاتے تھے۔ جب یہ خبر حاکم خوی کو ہوئی تو اس نے اندھے اور اس کے دو مشہور پیروؤں شیخ صالح عرب اور ملا حسین خراسانی کو بھلا بھیجا۔ اندھا حاکم کے سامنے جا کر اڑنے لگا۔ اور قاضیت کا دعویٰ کر کے بولا میں چینی و چناں کر ڈالوں گا۔ حاکم نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ تینوں کو مید لگائے جائیں۔ چنانچہ حکم کی دیر تھی۔ مید پڑنے لگے۔ جب تک حواس قائم رہے تینوں مید کی ہر ضرب پر انہی اننا اللہ (بل اللہ شبہ میں خدا ہوں) پکارتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف باب ہی ان کا خدا نہ تھا بلکہ وہ ناپاکار خود بھی (معاذ اللہ) خدا ہی بنے پھرتے تھے۔ صالح عرب کی خدائی کا تو وہیں خاتمہ ہو گیا یعنی پتے پٹے ڈھیر ہو گیا۔ باقی دونوں کو اپنے خدائی دعویٰ سے باز آنے کے لیے بار بار کہا گیا مگر وہ ہر دفعہ یہی جواب دیتے تھے کہ ہم منافق نہیں ہیں کہ مار سے ڈر کر اپنے خیالات سے رجوع کر لیں ہم نے جام محبت پیا ہے۔ اس شراب کا نشہ کبھی نہیں اتر سکتا۔ آخر اندھے اور اس کے مرید ملا خراسانی کے سر منڈائے گئے (داڑھیاں شاید پہلے ہی چٹ ہوں گی) اور گدھوں پر سوار کر کے خوب تشمیر کی گئی۔ غرض ان کی خدائی کی خوب مٹی پلید ہوئی لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے۔ اندھے کو تو از ن الروم بھیج دیا گیا۔ دوسرے کا حال معلوم نہیں۔

دوبالی مذہبی پیشواؤں کا دلچسپ جھگڑا

جس طرح دوبادشاہ اپنی اپنی عظمت و اقتدار کے لیے لڑتے ہیں ہر ایک دوسرے سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ تم چھوٹے اور ہم بڑے ہیں اسی طرح تقدس کے جھوٹے دعویداروں کی ساری کائنات چونکہ زبانی جمع خرچ ہوتی ہے اس لیے وہ بھی باہم دست و گریبان رہتے ہیں اور دوسروں کی نفی کر کے خود بڑا جتنا چاہتے ہیں حالانکہ جس کسی کا دل معرفت الہی کے نور سے جگمگا رہا ہو وہ ہمیشہ خاکساری کا شیوہ اختیار کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو خدا کی تمام مخلوق سے لوٹی اور کتر سمجھتا ہے۔ مومن ہندی اور علی عظیم خراسانی نام ایک باہلی میں بہت دن تک چپقلش جلدی رہی۔ حلقی میرزا جانی نے اس اختلاف و نزاع کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ علی عظیم کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ باب حضرت جیب ثمرہ الازلیہ اور سلطان منصور ہے اس لیے تمام مخلوق کا مطاع ہے۔ مومن ہندی کتا تھا کہ تہمدی عزت کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم آنحضرت (علی محمد باب) کی عبودیت اور قرب کے مدعی ہو۔ دوسرے تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تمہارے نفس کے آئینہ عبودیت میں آنجناب (علی محمد باب) کے شمس ربوبیت کے آثار حقہ ظاہر ہوتے ہیں۔ تمہارے دونوں دعویٰ حق ہیں اور تمہارے پاس ظاہری نفس (علی محمد باب کا فرمان) بھی موجود ہے اور میں بھی ان دونوں باتوں کا مدعی ہوں اور یہ

میزان بھی حق ہے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ چونکہ اس شخص عزت کے جلال کے پہلو میں میری عبودیت و فنا کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس لیے آنحضرت کے آثار بویبیت جو فطری آیات میں جاری ہوئے ہیں۔ اعظم آیات ہیں۔ چھ مہینے تک دونوں کا جھگڑا چلتا رہا۔ آخر عظیم نے رواداری سے کام لے کر مومن کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔ 119۔

بابیوں کا عقیدہ تناخ

بلی لوگ قیامت کے منکر اور ہنود کی طرح منکر اور ہنود کی طرح تناخ ارواح کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ کتابھو تک ربا تھا۔ اندھا بے دین کہنے لگا کہ یہ کتاب فلاں شخصیت کی رجعت ہے وہ شخص اس کے پیکر میں مضرب ہو رہا ہے۔ حاجی میرزا جانی کا شانی لکھتا ہے کہ اس کے بعد مومن ہندی نے اس کے مکان کا پتہ نشان بنا کر کہا کہ اس کا مکان یہاں سے سترہ گھر چھوڑ کر واقع ہے۔ متوفی کے اتنے چنے ہیں اور میرے قول کے صدق کی یہ یہ نشانیاں ہیں۔ جب شخص کیا گیا تو سب باتیں بے کام و کاست صحیح سمجھت ہوئیں۔ 120۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اندھا اور اس کا مداح جانی میں جو چاہیں کس اور نکلیں کوئی کسی کی زبان اور قلم روک نہیں سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آج تک کوئی شخص اس قسم کے مہمل اور بعید از قیاس دعوے کر کے ان کا کوئی ثبوت کبھی پیش نہیں کر سکا۔ آئے دن لاہور کے ہندو جرائد اس قسم کے من گھڑت افسانے شائع کیا کرتے تھے کہ فلاں مقام پر ایک خورد سال ہندو لڑکی اپنے پچھلے جنم کے واقعات سناتی ہے۔ لیکن ان سے سوال یہ ہے کہ ہمیشہ ہندو لڑکیاں ہی ایسے مہمل قصے کیوں سناتی ہیں۔ مسلمان یا عیسائی یا یہودی لڑکیاں کیوں نہیں سناتیں؟ اور جب ایک بے تمیز خورد سال لڑکی اپنی گذشتہ زندگی کے حالات سن سکتی ہے تو تم باتمیز اور عاقل و بالغ ہو کر اپنی تاریخ کیوں نہیں پیش کر دیتے۔ اگر گاندھی جی یا مالوی جی یا منجی جی یا دوسرے ہندو کو اس قسم کا دعویٰ ہو تو وہی اپنی حیات سہلہ کے حالات و واقعات شائع کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ تولہ بھر کی زبان ہلا کر یاد و تمن ماشہ کا قلم چلا کر بے پر کی ہانک دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے لیکن دیانت داری اور راست بازی کے ساتھ کبھی کوئی شخص اپنی مزموہ سہلہ زندگی کا ہر گز دعویٰ نہ کر سکے گا۔ اندھے نے کتے کا سہلہ جنم تو بھانپ لیا لیکن اس نے یہ کبھی نہ بتایا کہ خود پہلے کہاں کس پیکر میں اور کس حالت میں تھا؟ جس طرح اندھے نے کسی کتے کو بھونکتے دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے اتنے پٹے تھے۔ اسی طرح ہر شخص کسی کتے کو دیکھ کر ازراہ کذب و زور کہہ سکتا ہے کہ یہ فلاں متوفی شخص ہے فلاں گھر میں جو بیوہ ہے وہ اسی کی منکوہ تھی۔ فلاں گھر کے لڑکے اور لڑکیاں سب اسی کی اولاد ہیں۔ غرض یہ ایک مضحکہ خیز دعویٰ ہے جسے کوئی ذی عقل و خرد اصلاً قابل التفات نہیں سمجھتا۔

اندھے کی اندھی پیشین گوئیاں

حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ شجرہ مبارکہ ازلیہ کے ظہورات میں سے دوسرا ظہور آقا سید مومن کا تھا اس کی کوشش سے ترکستان میں باہلی مذہب کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ اس نے کچھ دعوے اور پیشین گوئیاں کیں ان کا ظہور ضرور ہوگا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دورہ میں مقدر نہیں تو پھر کسی دوسرے ہیکل درجات میں جو امام کا مظہر ہوگا ظاہر ہوں گی۔ کیونکہ مومن نے جو کچھ دعوے کئے لسان حق سے کئے۔ حق ہی اس کے اندر بول رہا تھا۔ پس چونکہ لسان اللہ تھی۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد کے بموجب وہ خدائی وعدے کسی نہ کسی طرح ضرور پورے ہو کے رہیں گے۔

121۔ لیکن یاد رہے کہ ہندی اندھے کے اسی طرح حق بول رہا تھا۔ جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کے اندر بولا کرتا تھا اس لیے میرے خیال میں مناسب ہے کہ پیشین گوئیوں کے غلط نکلنے پر حضرت ”مسح موعود“ کو بھی مومن ہندی کے ساتھ شامل کر دینا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ جو کچھ دعوے اور گوئیاں ان دونوں نے کیں ان کا ضرور ظہور ہوگا لیکن اگر وہ باتیں اس دور میں مقدر نہیں تو دس بیس ہزار سال ظاہر ہو جائیں گی۔ بابیوں اور مرزائیوں کو گھبراتا نہیں چاہیے۔

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل علی محمد باب کا وصی و جانشین تھا۔ موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا اس کا باپ میرزا عباس جو شاہ ایران کی مجلس وزارت کا ایک رکن تھا۔ میرزا بزرگ نوری کے لقب سے مشہور تھا۔ میرزا بزرگ نوری کے دو بیٹے تھے جن کی مائیں الگ الگ تھیں۔ بڑے کا نام میرزا حسین علی ملقب بہ بہاء اللہ اور چھوٹے کا نام میرزا یحییٰ ملقب بہ صبح ازل تھا۔ ازل کی ماں اس کی طفولیت میں مر گئی۔ گو اس کے باپ نے اپنی دوسری بی بی کو تاکید کر رکھی تھی کہ ازل کو اپنے بیٹے کی طرح پرورش کرے مگر وہ اس سے سوتیلی ماؤں ہی کا سا سلوک کرتی رہی۔ حاجی میرزا کاشانی باہلی "نقطۃ الکاف" میں لکھتا ہے کہ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اور جناب امیر المومنین علیؑ اس کے گھر تشریف لائے۔ ازل کا منہ چومو اور فرمایا یہ طفل ہمارا چہ ہے۔ اس کی اس وقت تک اچھی حفاظت کرو جب تک وہ ہمارے قائم علیہ السلام (علی محمد باب) کے پاس نہ پہنچ جائے۔ اس رویا کے بعد وہ اسے اپنی اولاد سے زیادہ چاہنے لگی۔ 122۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت اور کسی باہلی کا دماغی اختراع ہے۔ کیونکہ علی محمد باب اور اس کے تمام پیروانہ تدرجہ کے زندق اور منائے دین کے منہدم کرنے والے تھے۔ اس لیے یہ قطعاً ممکن تھا کہ حضور خیر الوری ﷺ اور امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی رافضیہ کے خواب میں آکر کسی بے دین کی کفالت و خبر گیری کی تاکید فرماتے۔ گو حاجی میرزا جانی نے لکھا ہے کہ صبح ازل ہی من یظہرہ اللہ تھا۔ 123۔ لیکن معلوم نہیں کہ خود ازل بھی کبھی اس منصب کا مدعی ہوا تھا یا نہیں؟ باہلی لوگ مرزا یحییٰ کے صبح ازل سے ملقب ہونے کی یہ مضحکہ خیز اور من گھڑت وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے صبح ازل سے درخشندگی پائی تھی۔

باب کی جانشینی

صبح ازل نے اپنے باہلی ہونے کا حال اس طرح لکھا ہے کہ جن دنوں علی محمد نے باب ہونے کا دعویٰ کیا۔ میرا آغاز بلوغ تھا۔ ان ایام میں میرے دل میں یہ خیال موج زن تھا کہ کسی عالم دین کی تقلید کروں۔ میں علماء کے حالات کی تحقیق کیا کرتا تھا۔ ان ایام میں باب کے ظہور کا بڑا غلغلہ بلند ہوا۔ میرے بھائی (بہاء اللہ) کو اس تحریک سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ باب کی تحریریں پڑھوایا کرتا اور میں بھی اکثر ان تحریروں کو سنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنحضرت (باب) کی ایک مناجات پڑھی گئی جس میں فاہ آہ یا الہی کے الفاظ بھرت تھے۔ اس کلمہ روح نے مجھے اپنی طرف جذب کر لیا اور باب کی محبت دل میں راسخ ہو گئی۔ 124 - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح ازل کو بھی مناجات کے الفاظ نے گھائل کر دیا اور اس بد نصیب نے اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ باب کے دعویٰ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آئمہ اہل بیت کی تصریحات کی روشنی میں دیکھ لیتا۔ جب علی محمد نے بابیوں کو خراسان جانے کا حکم دیا تو صبح ازل بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ اس کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ خراسان گیا۔ اثنائے راہ میں قرۃ العین سے ملاقات ہوئی۔ جن دنوں ملا محمد علی بار فروشی قلعہ میں تھا اس نے صبح ازل سے مدد چاہی تھی۔ صبح ازل اپنے بھائی اور چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ عون و نصرت کی غرض سے عازم قلعہ ہوا لیکن اور نہ میں حاکم آہل نے گرفتار کر لیا۔ جب صبح ازل کو گرفتار کر کے اہل میں لائے تو مشتمل شہریوں نے بازاروں اور کوچوں میں اس کی بڑی فضیحت کی۔ لوگ لعنت کرتے پتھر برساتے اور منہ پر تھوکتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑے دن تک قید رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ صبح ازل طبرستان سے باب کے نام عرائض بھیجتا رہا۔ باب نے اپنا قلم دان کاغذات پارچہ جات 'لباس' انگوٹھی اور بھٹی دوسری چیزیں صبح ازل کے لیے روانہ کیں۔ اور اپنی جانشینی کی وصیت کر کے حکم دیا کہ وہ "میان" کے آٹھ واحد لکھ کر کتاب کی تکمیل کر دے اور اگر من یطہرہ اللہ عظمیٰ و اقتدر کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو پھر "میان" کو منسوخ سمجھے۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ "من یطہرہ اللہ" سے خود صبح ازل

کی ذات مراد تھی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی شخص اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ 125 - باب کی ہلاکت کے بعد تمام باہلی بلا استثناء صبح ازل کو واجب الاطاعت اور اس کے احکام و لوازم کو مفروض الاقتال یقین کرتے تھے۔ صبح ازل ان ایام سے لے کر مذبح طہران کے واقعہ تک جب کہ ان عظمائے باہیہ نے اس واقعہ میں شہرت مرگ نوش کیا۔ گرمی کا موسم شمیراں میں جو حوالی طہران میں ایک سرد مقام ہے اور موسم زمستان مازندران میں گزرتا تھا۔ اور اپنے تمام اوقات باہلی پختہ کے نشر و ابلاغ میں صرف کرتا تھا۔

بغداد میں باہلی اجتماع

جب بابیوں نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا اور بابیوں کے خلاف داروغہ گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح ازل جو اس وقت نور میں تھا۔ فوراً بہت ہیئت بغداد کو بھاگ گیا۔ حکومت ایران نے اس کی گرفتاری پر ہزار تومان انعام کا اعلان کیا۔ ایک سرکاری جاسوس سے اس کی ملاقات بھی ہوئی اور جاسوس نے پچھانے بغیر اس سے بہت دیر تک باتیں کیں تاہم صبح ازل درویشی کے لباس میں عصا و کشتول کے ساتھ حدود ایران سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کا بھائی بہاء اللہ طہران میں قید ہو گیا۔ صبح ازل 1268ھ یا اوائل 1269ھ میں وارد بغداد ہوا۔ اس کے چار ماہ بعد بہاء اللہ بھی زندان طہران سے مخلصی پا کر صبح ازل کے پاس بغداد پہنچ گیا۔ اب دوسرے بابیوں نے بھی آہستہ آہستہ بغداد کا رخ کیا یہاں تک کہ بغداد میں ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے 1279ھ تک یعنی دس سال کی مدت عراق عرب میں ہمر کی لور جیسا کہ خود بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے۔ بہاء اللہ اس عرصہ میں صبح ازل کا تابع فرمان لور مطیع و منقاد رہا لور کو اس دوران میں چند بابیوں نے مختلف اوقات میں من بطورہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تاہم جدید التاسیس باہلی مذہب کے پیر صبح ازل کے جعندے تلے متفق الکلمہ لور متحمہ المقدر لور ان کے درمیان کسی تفرقہ و انقسام کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔

خليفة الباب سے بہاء اللہ کی سرکشی

بقول مصنف ”ہشت بہشت“ 126 - اقامت بغداد کے آخری ایام میں بہاء اللہ کے طرز عمل میں بہت کچھ تغیرات رونما ہوئے یہ حالت دیکھ کر بعض باہلی قدامتاً ملا محمد جعفر زاتی علی قاہر حاجی سید محمد اصفہانی حاجی سید محمد جواد کربلائی حاجی میرزا احمد کاتب حاجی میرزا محمد رضا وغیرہ سخت مضطرب ہوئے اور بہاء اللہ کو اس طرز عمل پر تنبیہ کی۔ ان لوگوں نے بہاء اللہ کو صبح ازل کا اطاعت شعار رہنے کی اتنی تاکید کی کہ وہ تنگ آکر بغداد سے باہر چلا گیا اور دو سال تک سلیمانہ کے

اطراف میں پہاڑوں میں رہا۔ اس عرصہ میں بغداد میں بابیوں کو ہرگز معلوم نہ تھا کہ بہاء اللہ کہاں ہے۔ آخر جب پتہ چلا تو صبح ازل نے اس کو بغداد مراجعت کرنے کے لیے چشمی لکھی۔ بہاء اللہ اقبال امر کر کے بغداد واپس گیا۔ انہی ایام میں میرزا اسد اللہ تبریزی بہ دیان نے کہ باب نے اس کو آیات صبح ازل کا کاتب مقرر کیا تھا اور عبرانی اور سریانی زبانوں میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ”من ید طولیٰ“ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ نے اس کے ساتھ بڑے مناظرے کئے آخر وہ بابیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ بابیوں نے اس کے پاؤں میں ایک ذوزنی پتھر باندھ کر اس کو شط العرب میں غرق کر دیا۔ اسی طرح میرزا عبد اللہ غوغا، حسین میلانی معروف بہ حسین جان، سید حسین ہندیانی اور میرزا محمد زرنندی معروف بہ نیمل میں سے ہر ایک باہی من ید طولیٰ اللہ ہونے کا مدعی ہوا۔ آخر بابیوں کے بازار ہوا ہوس میں اس جنس کی اتنی ارزانی ہوئی اور بقول ”ہشت بہشت“ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر باہی جو صبح کے وقت میدار ہوتا تھا تن کو اسی دعویٰ کے لباس کے ساتھ آراستہ کرنے لگتا تھا۔

بغداد اور اورنہ سے اخراج

اب بابیوں نے ایران کے ہر گوشہ سے بغداد کا رخ کیا۔ ان کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ کربلا اور نجف کے شیعہ علماء یہ دیکھ کر کہ باہی لوگ مشاہد مشرقہ کے قریب آجے ہوئے ہیں اور ان سے اور عامہ مسلمین سے ان کے جھگڑے قہیے رہتے ہیں۔ بابیوں کے قیام بغداد کی مخالفت کرنے لگے۔ دولت ایران نے بھی اپنے استنبولی سفیر میرزا حسین خاں مشیر الدولہ کو ہدایت کی کہ وہ دولت عثمانیہ سے درخواست کرے کہ بابیوں کو بغداد سے کسی دوسرے علاقے میں منتقل کر دے۔ ”باب عالی“ نے دولت ایران کی خواہش کی تکمیل اور بابیوں کو بغداد سے استنبول چلے آنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ چار مہینہ تک قسطنطنیہ میں رہے لیکن چونکہ ان کا قیام امن عامہ کے حق میں سخت مضرت ثابت ہوا۔ اس لیے تمام باہی رجب 1280ھ میں قسطنطنیہ سے اورنہ (اڈریانوپل) بھیج دیئے گئے۔ یہ لوگ 20 ربیع الثانی 1285ھ تک اورنہ میں رہے۔ اورنہ میں صبح ازل اور بہاء اللہ من جھگڑے قہیے پر پارتے تھے اور فریقین میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ اپنے حریف کو زک دے۔ جب باب عالی نے ان میں ہیجان واضطراب کے آثار مشاہدہ کئے اور یقین ہوا کہ فریقین آمادہ پیکار ہیں تو دولت عثمانیہ نے اس قصہ میں پڑنے کے بغیر کہ فریقین میں سے ہر سر حق کون ہے اور خطا کار کون؟ 1285ھ میں تمام بابیوں کو اورنہ سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ اور اس کے پیروؤں کے لیے عکہ علاقہ شام میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اور صبح ازل کو اس کے اہل بیت سمیت جزیرہ قبرص میں جو اس وقت ترکی کی عملداری میں تھا قیام کرنے فرمان جاری ہوا۔ صبح ازل 5 ستمبر 1868ء کو جزیرہ قبرص پہنچا۔ ترکی حکومت کی طرف سے اسے ساڑھے اڑتیس پانسو وظیفہ روزانہ متاقتہ 127۔

صبح ازل کے مزید حالات انشاء اللہ العزیز بہاء اللہ کے واقعات میں درج کئے جائیں گے۔ ”الساہیکو
پیڈیو ٹائیگا“ میں مرقوم ہے کہ صبح ازل 1908ء تک جزیرہ قبرص میں زندہ سلامت موجود تھا۔

بہاء اللہ نوری

مرزا حسین علی معروف بہ بہاء اللہ 1817ء میں موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا۔ اپنے سوتیلے بھائی صبح ازل سے قریباً تیرہ سال بڑا تھا۔ اس کی ابتدائی 35 سالہ زندگی بالکل پردہٴ خفا میں ہے۔ بہاء اللہ بھی ان چالیس بابیوں میں تھا جو ناصر الدین شاہ والئی ایران پر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد گرفتار ہوئے تھے۔ جب بابیوں نے شاہ کی جان لینے کی کوشش کی تو بہاء اللہ اس وقت موضع اچہ میں تھا جو طہران سے ایک منزل کے بعد پر ہے۔ جب اس حادثہ کی خبر مشہور ہوئی تو بہاء اللہ نیوران کی طرف روانہ ہوا لیکن جھٹ گرفتار کر لیا گیا اور پولیس نے لا کر اسے طہران کی مجلس میں ڈال دیا۔ چار مہینہ کے بعد جب ثابت ہوا کہ اسے شاہ کی حملہ آور جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو قید خانہ سے مخلصی نصیب ہوئی۔ رہائی کے بعد اپنے بھائی صبح ازل کے پاس بخدمت لو چلا گیا۔ چونکہ باب صبح ازل کو اپنا جانشین مقرر کر چکا تھا اس لیے تمام باہلی جو ایران سے بھاگ بھاگ کر بخدمت میں جمع ہو رہے تھے۔ صبح ازل کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر بہاء اللہ کو بھی حصول رفعت کی طمع داعی ہوئی۔ اس کے بعد گو بہاء اللہ بہت دن تک حکم ضرورت صبح ازل کا فریضہ دار اور خدمت گزار رہا لیکن دل میں ہر وقت اپنی علیحدہ دکان آرائی کے منصوبے سوچتا رہتا اور آخر جب علی محمد باب کا ہر ممتاز پیرومن بطہر باللہ بننے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو بہاء اللہ نے بھی اس جامِ نو اپنی قامت پر راست کرنا چاہا۔ اتفاق سے بہاء اللہ کو اسی باہلی جماعت میں ایک ایسا شخص ہاتھ آ گیا جو

بہاء اللہ کے ہر قول پر آمنا و صدقاً کہنے پر پوری طرح آمادہ تھا۔ اس شخص کو میرزا آقا جان کاشانی کہتے تھے۔ آقا جان بہاء اللہ کو ”من یظہرہ اللہ“ کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ چنانچہ بہاء اللہ کی طرف سے بھی اس دعویٰ کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ آخر ایک دن بر ملا کہنے لگا کہ میں ہی ”من یظہرہ اللہ“ اور قوموں کا موعود اور نجات دہندہ ہوں۔ روماء و قدمائے بابیوں نے بہاء اللہ کو بہتر سمجھ لیا کہ اس دعویٰ سے دستبردار ہو جائے لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ آخر خود صبح ازل نے بہاء اللہ سے کہا کہ باب نے میان میں وضاحت لکھ دیا ہے کہ میرا مذہب اطراف و اکناف ملک میں پھیل جائے گا اور میرے پیروکار صاحب حکومت ہوں گے۔ تب کہیں سال غیاب یا مستغاث میں ”من یظہرہ اللہ“ ظہور کرے گا۔ اور ابھی ان میں سے کوئی بات پوری نہیں ہوئی اس لیے تمہارا دعویٰ مجموعاً ہے مگر بہاء اللہ پر عظمت و اقتدار کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس اثناء میں تمام باہلی بغداد سے قسطنطنیہ پہنچ دیئے گئے اور چار مہینہ کے بعد انہیں موخر الذکر مقام سے لورنہ (اڈر نوپل) کو منتقل کر دیا گیا۔

خدا کا اوتار ہونے کا دعویٰ

اور نہ پہنچ کر اس نے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں خطوط و اشتہارات بھیج کر اپنا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ وہ من یظہرہ اللہ ہونے کے دعویٰ کے ساتھ اس بات کا بھی مدعی تھا کہ خدا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ باہلی لوگ دھڑا دھڑا بہاء اللہ کے دائرہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ اور صبح ازل کی طرح اس کی بھی ایک جماعت بن گئی۔ مثل مشہور ہے کہ ایک میان میں دو بتواریں لور ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ صبح ازل اور بہاء اللہ کے پیروؤں میں تصادم شروع ہوا اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوئیں لیکن ان میں سے بہائی بڑے تیز نکلے۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کو نچوڑ کھانے کے لیے وہی طور طریقے اختیار کئے جو کسی زمانہ میں ان کے پیش رو باطنیوں نے اسلام کے خلاف استعمال کر رکھے تھے۔ ازلی مسوڑوں کے بیان کے بموجب صبح ازل کے تمام مشہور حامیوں کی فہرست تیار کی گئی اور دنیا کو ان کے خار و جود سے پاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب بغداد میں ملا ربیب علی قاہر حاجی مرزا احمد، حاجی مرزا احمد رضا اور بہت سے دوسرے ازلی یکے بعد دیگرے بہائی خون آشامی کا شکار ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ ”ہشت بہشت“ کے مصنف نے مرزا حسین علی (بہاء اللہ) پر اس سے بھی زیادہ سنگین الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہاء اللہ نے (کسی حیلہ سے) صبح ازل کو ایک ضیافت پر بلائے کا انتظام کیا۔ بہاء اللہ نے اپنے رازدان مصاحبوں کو سمجھا دیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ

کھانا کھانے بیٹھیں گے۔ کھانے کی سینی میں ایک طرف مسموم کھانا رکھا دینا اور صبح ازل کو اس کے سامنے بٹھانا۔ جب سب لوگ کھانے کے لیے بیٹھ گئے تو صبح ازل نے اس مسموم سینی کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس پلاؤ میں پیاز کا بھجڑا ہے اور مجھے پیاز کی بو سے طبعی نفرت ہے۔ بہاء اللہ نے یہ سمجھ کر کہ صبح ازل اس کا منصوبہ تازہ کیا ہے۔ رفع اصحابہ کے لیے سینی کے اس حصہ میں سے بھی تھوڑا سا کھانا کھالیا جو صبح ازل کی اگلی طرف تھا۔ کھانا کھاتے ہی اس کو قے آنے لگی اور زہر خوری کے دوسرے آثار ظاہر ہوئے لیکن بہاء اللہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے الٹا یہ کہنا شروع کیا کہ صبح ازل نے مجھے زہر دیا ہے۔

صبح ازل کے خلاف مزید بہائی سازشیں

ازلی تاریخ نگاروں کے بیان کے بموجب اس کے تھوڑا عرصہ بعد بہاء اللہ نے صبح ازل کی جان لینے کی سازش کی وہ یہ تھی کہ محمد علی حجام کو گمان نہ کر اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ صبح ازل کے حلق کے بال موٹتے وقت اس کا گلا کاٹ دے۔ حسن اتفاق سے صبح ازل پر یہ راز منکشف ہو گیا اور جب حجام اس کے پاس آیا تو اس نے دور ہی سے کہہ دیا کہ میرے پاس نہ آنا۔ اس کے بعد صبح ازل اپنے تمام پیروؤں کو ساتھ لے کر اور نہ کے کسی دوسرے محلے میں چلا گیا۔ اور بہائیوں سے منقطع ہو کر وہاں بودوباش اختیار کی۔ انہی ایام میں بہائیوں نے اور نہ کے حاکم سے جسے پاشا کہتے تھے اجازت لیے بغیر گھوڑے فروخت کرنے کا حیلہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہاں سے صبح ازل کی تردید کے لیے کتاب لائیں اور ازلیوں کے خلاف ایک مذہبی اکھاڑہ قائم کریں۔ پاشا کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس غرض کے لیے گئے ہیں؟ پاشا نے فوراً اس منزل پر جہاں سے وہ گذرنے والے تھے تار بھیج کر حکم دیا کہ دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ گرفتار کر کے لورنہ واپس لائے گئے۔ بہائیوں نے یہ یقین کر کے صبح ازل نے مخبری کی ہے اس کا انتقام لینے کی غرض سے صبح ازل کا ایک ایرانی پیرو آقا جان ہیگ قسطنطنیہ کے رسالہ میں ملازم تھا اور رسالہ کے مفروضوں یا سولروں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ وہ باہلی ہے۔ بہائیوں نے پاشا کے پاس مخبری کی کہ قسطنطنیہ کے رسالہ کا کاتب سوار باہلی ہے اور وہ نہایت رازداری کے ساتھ باہلی مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں آقا جان ہیگ کاشانی کی تلاشی ہوئی۔ اس کے پاس سے چند کتبیں برآمد ہوئیں۔ اصل میں یہ کتبیں اس کو بغداد بھیجنے کے لیے کسی نے دے رکھی تھیں۔ اور بہت دنوں سے اس کو کوئی بیجا غصہ نہ مل سکا تھا جس کے ہاتھ کتبیں بغداد بھیج دیتا۔ اس لیے یہ خیال کر کے کہ کتبیں کھاروں تو سول کا پتہ نہ مل جائے ان کو تلف کر دینے کی فکر میں تھا۔ کبھی تو یہ سوچتا تھا کہ انہیں مزاحیہ طور پر دفن کر

دوں۔ کبھی یہ لڑوہ کرتا کہ ساحل بحر پر جا کر سمندر میں پھینک دوں۔ اسی سوچ چار میں تھا کہ اچانک اس کے قیام گاہ کی تلاش ہونے لگی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ آقا جان بیگ کو ترک حکام اور قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اقبال کیا کہ لور نہ کی جماعت سے میرا تعلق ہے اور میں بالی مذہب ہوں۔ آقا جان بیگ کو سازمے چار مہینے قید کی سزا ہوئی اور نوکری سے بر طرف کر دیا گیا۔ آقا جان بیگ کو اس طوطے کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کی داڑھی لور سر کے بال قید خانہ میں یک ایک سفید ہو گئے۔ جب قید سے رہا ہوا اور بابیوں کی دونوں حریف جماعتیں جزیرہ قبرص اور عسک بھیجیں گئیں تو آقا جان بیگ کا شئی بھی ہمہاں اللہ کے ساتھ عرصہ روانہ کیا گیا۔ لیکن وہاں پہنچنے ہی مہائیوں نے اسے موت کی سزا سنائی۔ 128-

ایک لور مہائی کی سازش

اب ہمہاں اللہ نے صبح ازل کے خلاف ایک لور سازش کی۔ مرزا آقا جان محکمین قلم؟ عباس آقندی لور چند دوسرے مہائیوں نے ایک ایک چھٹی ترک عمائدی سلطنت کے نام لکھی۔ ان چھٹیوں کا مضمون یہ تھا کہ ہم قریباً تیس ہزار بالی شہر قسطنطنیہ لور اس کے مضامین میں بہ تبدیل ہیئت چھپے ہوئے ہیں۔ ہم تھوڑے عرصہ میں خروج کریں گے۔ سب سے پہلے ہم قسطنطنیہ پر عمل و دخل کریں گے اگر سلطان عبدالعزیز اور ان کے وزراء نے بالی مذہب قبول نہ کیا۔ تو ہم سلطان اور ان کے اعیان دولت کو علیحدہ کر کے نظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ہمارا بادشاہ مرزا یحییٰ صبح ازل ہے۔ یہ چھٹیاں مختلف دستخطوں سے لکھ کر قصر سلطانی اور تمام بڑے بڑے ارکان دولت کے مکانات پر پہنچائی گئیں۔ ترکی حکومت نے بابیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی اور ان سے نہایت شفقت آمیز سلوک کیا جا رہا تھا۔ حکام ان چھٹیوں کو پڑھ کر طول ہوئے۔ آخر یہ چھٹیاں قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کی گئیں اس کے بعد ترکی حکام لور ایرانی سفیر کی مشاورت باہمی سے یہ طے پائی کہ تمام سر کردہ بابیوں کو دور دست مقامات پر بھیج کر نظر بند رکھا جائے۔ 128-

اس اثنا میں ترکی حکام کو یہ بھی بتایا گیا کہ بابیوں کی دونوں جماعتوں میں بڑی طرح سر پھول ہو رہا ہے۔ اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ”باب عالی“ نے فیصلہ کیا کہ مرزا یحییٰ صبح ازل اور مرزا حسین علی ہمہاں اللہ کو دو مختلف مقامات پر بھیج دیا جائے چنانچہ صبح ازل کے لیے حکم ہوا کہ وہ اپنے اہل و عیال سمیت جزیرہ قبرص کے شہر مانغوسا میں جو اس وقت دولت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا جا کر اقامت گزریں ہو اور ہمہاں اللہ کے لیے یہ فرمان جاری ہوا کہ اسے اس کے اہل و عیال سمیت عسک (واقع ملک شام) میں بھیجا جائے۔ ”باب عالی“ نے یہ بھی

فیصلہ کیا کہ بہاء اللہ کے چار پیروں و مشکیں قلم خراسانی علی سیاح محمد باقر اصفہانی اور عبد الغفار تو صبح ازل کے ساتھ قبر میں جائیں اور صبح ازل کے چار پیروں حاجی سید محمد اصفہانی آقا جان بیگ کاشانی، میرزا رضا قلی تفرشی اور اس کا بھائی میرزا نصر اللہ تفرشی بہاء اللہ کے ہمراہ عہدہ کا رخ کریں۔ اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ مخالف عناصر دولت عثمانیہ کے لیے جاسوسی کی خدمات انجام دیں۔ اور جو کوئی صبح ازل یا بہاء اللہ سے مانگوں یا عہدہ میں ملاقات کرنے آئے یا مخالف لوگ اس کے ورود حرکات اور سکنت کے متعلق ”باب عالی“ کو اطلاع دیتے رہیں لیکن باہیوں کی دونوں حریف جماعتوں نے ابھی اور نہ سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ مرزا حسین علی (بہاء اللہ) نے مرزا نصر اللہ تفرشی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ صبح ازل کے باقی تین آدمی بہاء اللہ کے ساتھ عہدہ گئے اور انہوں نے چھاؤنی کے پاس ایک مکان لیا۔ لیکن وہ بھی بہت جلد بہائیوں کے ہاتھوں سے نذر اجل ہو گئے۔ بہائیوں نے صرف انہی چار ازیوں پر ہاتھ صاف نہ کیا۔ بلکہ وہ تمام قدام و فضلاء باہیہ جو صبح ازل کی وفاداری اور پیروی میں ثابت قدم رہے اور جن میں سے بعض تو علی محمد باب کے رفیق خاص تھے۔ ایک ایک کر کے عدم کے تہ خانہ میں سلا دیئے گئے۔ آقا سید علی عرب تبریز میں مارا گیا۔ ملا رجب علی کو کربلا میں ہلاک کیا گیا۔ آقا محمد علی اصفہانی اور حاجی ابراہیم اور حاجی میرزا احمد کاشانی بغداد میں اور حاجی میرزا محمد رضا حاجی جعفر تاجر حسین علی آقا ابو القاسم کاشانی میرزا بزرگ کرمان شانی وغیرہ مختلف مواضع میں بہائیوں کے خنجر بیداد کی نذر ہو گئے۔ 130 - ازل و واقعہ بھڑوں نے بہائیوں کی بے شمار اور بھی خون آشامیاں بیان کی ہیں جو صاحب ان کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ کتاب ایپی سوڈوف دی باب صفحات 361، 364) کا مطالعہ کریں۔ لیکن اگر یہ بیانات واقعت پر مبنی ہیں تو حیرت ہے کہ ترکی حکومت نے بہاء اللہ اور اس کے خون آشام پیروؤں کو کفر کردار تک کیوں نہ پہنچایا؟

صبح موعود ہونے کا دعویٰ

بہاء اللہ نے ”من یظہرہ اللہ“ ہننے کے ساتھ ہی صبح موعود ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا یوں کہو کہ اس کے نزدیک من یظہرہ اللہ اور صبح موعود مترادف الفاظ تھے۔ بہاء اللہ نے لوح مبارک میں اپنی ایک وحی لکھی ہے۔ قل یا صلا الفرقان قد اتی الموعد الذی وعد تم فی الکتب اتقوا اللہ ولا تتبعو کل مشرک اثیم (کہہ دے کہ اے گروہ فرقان! بے شک وہ موعود آ گیا جس کا تم سے کتاب (قرآن) میں وعدہ کیا گیا تھا۔ خدا سے ڈرو اور کسی مشرک گنہگار کی پیروی نہ کرو۔ صفحہ 7)

اس الہام میں بہاء اللہ نے ہر مسلمان کو اپنی مسیحیت کی دعوت دی ہے۔ اس دعوت کا جواب یہ ہے کہ کلام الہی اور احادیث رسول الثقلین ﷺ میں مسلمانوں کو دین اسلام کی تائید کے

لیے جس ذات اقدس کے تشریف لانے کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ وہ مسیح یا صری حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو قرآن کے رو سے اب تک زندہ موجود ہیں۔ ان کے سوا ہم ہر مدعی مسیحیت کو دجال کذاب یقین کرتے ہیں۔ بہاء اللہ ہو یا غلام احمد ہو یا اس قماش کا کوئی دوسرا خانہ ساز موعود ہو۔ سب جھوٹے مسیح ہیں۔ بچے مسیح کے متعلق بہاء اللہ کے فرزند و جانشین عبدالبہا صاحب نے لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو نشانیاں اور فوق الفطرت معجزات شہادت دیں گے کہ سچا مسیح یہ ہے۔ مسیح نامعلوم شہر (آسمان) سے آئے گا۔ وہ فولاد کی تلوار کے ساتھ آئے گا۔ (یعنی وہ منکروں کے خلاف فرج و جلا کریں گے) اور لوہے کے عصا کے ساتھ حکومت کرے گا۔ (وہ کسی کی رعایانہ ہوں گے بلکہ خود رعب و جلال کے ساتھ حکومت کریں گے) وہ انبیاء کی شریعت کو پورا کرے گا۔ وہ مشرق و مغرب کو فتح کرے گا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا امن کا راج لائے گا کہ شیر اور بھری ایک ہی چشمہ سے پانی پئیں گے۔ اور خدا کی سب مخلوق امن و چین سے رہے گی۔

باب اور بہاء اللہ کو دوسرے ادیان سے نفرت

مگر میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ اتحاد مذہب کا ڈھونگ بہائیوں کی ایک منافقانہ چال ہے۔ عوام کے دل مٹھی میں لینے کی ایک عیاری ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بانیان مذہب باب اور بہاء اللہ تو اس نفاق و فرقہ داری کے سراسر خلاف لکھ گئے ہیں۔ چنانچہ علی محمد باب نے کتاب بیان کے باب 8 واحد 2 میں لکھا۔ ”اگر کسے باشد و داخل میران میان نشود شمر نمی عشد تقوائے او اورا (جو شخص کتاب بیان کی پیروی نہیں کرتا اس کا تقویٰ پرہیزگاری اس کو کچھ نفع نہ دے گی) اور کتاب بیان کے باب واحد 4 میں لکھا۔ من یتجا وزن حد البیان فلا بحکم علیہ حکم الا یمان سواء کان عالماً اور سلطاناً اور مملو کا او عبداً (جو شخص میری کتاب بیان کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا اس کے مومن ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ خواہ وہ عالم ہو یا بادشاہ، مملوک ہو یا غلام) بیان کے باب 11 واحد 8 میں لکھا۔ ”اگر در غیر ایمان میان قبض روح شود اگر عمل فطین را نماید نفع باد نمی عشد“ (جس شخص کی موت ایسی حالت میں واقع ہو کہ وہ باہلی مذہب کا پیرو نہ ہو تو دونوں جان کے عمل بھی اسے کوئی نفع نہ بخشیں گے اور بہاء اللہ نے کتاب مبین کے (صفحہ 18) میں لکھا۔ ارتفع سماء البیان و ثبت ما نزل فیہ ان الذین انکروا اولئک فی غفلتہ و ضلال (کتاب بیان کی عظمت بلند ہوئی اور جو کچھ اس میں اتارا گیا تھا ثابت ہو گیا اور جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ غفلت اور گمراہی میں پڑے ہیں) اور کتاب مبین کے (صفحہ 283) میں لکھا۔ قد خسر الذین کذبوا بایاتنا سوف تا کلہم النیران (اور جو لوگ ہماری آیتوں کی

کھذب کرتے ہیں اور خسارہ میں پڑے ہیں عنقریب وہ جہنم کا ایسا ہنہائے جائیں گے) اور یہاں اللہ کتاب اقدس میں لکھتا ہے۔ والذی منع انہ من اهل الضلال ولویاتی بكل الاعمال (جس شخص نے مجھے قبول نہیں کیا وہ گمراہ ہے۔ اگرچہ وہ دنیا بھر کے حسنت ہی کیوں نہ جالائے۔

اتحاد مذاہب کی اسلامی تعلیم

بہائیوں کو اس پر بڑا ناز ہے کہ وہ اتحاد مذاہب کے داعی و مناد ہیں حالانکہ اسلام اتحاد مذاہب کی تعلیم بھاء اللہ سے تیرہ سو برس پہلے ہی دے چکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمعياً (158:7) (اے نبی! آپ کہہ دیجئے اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) اور فرمایا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (اللہ کے سلسلہ ہدایت کو مضبوط پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو۔)

لیکن اتحاد مذاہب کی جو صورت بھاء اللہ نے پیش کی کہ توحید و شرک، اسلام و کفر، ہدایت و ضلالت، نور و ظلمت میں امتیاز کئے بغیر مذہبی اتحاد ہو جائے یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اتحاد بین الملل کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اس آسمانی نور کو مشعل ہدایت بنائے جو خالق ناس نے نبی آدم کی رہنمائی کے لیے برگزیدہ خلق سید الاولین و الاخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ جب تک ایسا نہ ہو حق و باطل میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمام اہل مذاہب اپنے اپنے دین پر قائم رہ کر بوقت ضرورت کسی سیاسی اور دینی مقصد پر متحد العمل ہو سکتے ہیں۔ میں نے ایک بہائی سے پوچھا تھا کہ ہر شخص اپنے ساتھ عقائد و امیال پر قائم رہ کر بہائی ہو سکتا ہے یا بہائی ہونے کے لیے بہائیوں کے مخصوص عقائد کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے؟ اس نے کہا کہ بہائی عقائد اختیار کرنا لابد ہے۔ ورنہ کوئی شخص اپنے ساتھ عقائد پر قائم رہ کر بہائی کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اتحاد مذاہب کا ڈھونگ محض ایک سنہری جال ہے جو چالاک بہائی شکاری نے سادہ لوح عوام کو پھانسنے کے لیے بچھا رکھا ہے۔

شاہ ایران کے نام بھاء اللہ کا مکتوب

بابیوں کی تہم فتنہ انگیزیوں نے ان کے دامن شہرت پر غداری کے جوہر نما دھے نمایاں کر دیئے تھے۔ اگرچہ بھاء اللہ استاد زمانہ سے سبق لے کر ان کے دھونے کی کوشش نہ کرتا تو بابیوں کی کشتی ہستی گرداب میں غرق ہو گئی تھی۔ باہلی مسلک سے دستبردار ہونے کے بعد بھاء اللہ نے ایک طویل مکتوب شاہ ایران کے نام لکھ کر بابیوں کے لیے مراجعت ایران کی لہجہ طلب

کی۔ اس مکتوب میں بابیوں کے موجودہ سیاسی مسلک کی تشریح کی۔ اور اپنے خلوص اور حسن نیت کا یقین دلاتے ہوئے شاہ کے جذبات و رحم و کرم سے اپیل کی۔ یہ خط مرزا بدیع نام ایک بابی کے ہاتھ روانہ کیا۔ موکب شہریاری ان ایام میں طہران سے باہر مستقر تھا۔ اس لیے بدیع مذکور سر پرودہ شاہی کے بالمقابل ایک پتھر پر جا بیٹھا اور تین شبانہ روز مرور رکاب شہریاری کا منتظر رہا۔ چوتھے دن ایسے وقت میں جبکہ شاہ دور تین میں اطراف و اکناف کی سیر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر اس بابی پر پڑی ملازمان درگاہ کو تحقیق حال پر مامور کیا۔ جب بابی سے دریافت کیا گیا تو وہ چٹھی..... دکھا کر کہنے لگا کہ اس عریضہ کو حضور ہمایوں میں پیش کرنا ہے۔ ایک افسر جا کر شاہ کی خدمت میں عرض پیرا ہوا کہ وہ ایک بابی ہے جو جدت عظیم کا مرکب ہوا ہے کہ فریق مغلوب کا مکتوب بلا خوف و ہراس حضور بادشاہی میں لایا ہے۔ وزیر دربار نے حکومت کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قید و سلاسل میں جکڑ کر بار حیات سے سبکدوش کر دیا گیا۔ شاہ نے حکام کی مہلت پسندی پر تاسف کیا اور کہا کہ بھلا کسی نامہ مد سے بھی کبھی مواخذہ ہوا ہے کہ اسے ناحق قتل کر دیا؟ 131۱ - معلوم نہیں کہ شاہ نے بہاء اللہ کی عرضداشت پڑھی بھی یا نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ بہاء اللہ اپنی کوشش میں ناکام رہا اور کسی بابی کو مراجعت ایران کی اجازت نہ دی گئی۔ جو صاحب اس طویل مکتوب کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ کتاب ”مقالہ سیاح“ (صفحات 133، 71) کی طرف رجوع کریں۔

بہاء اللہ سے پروفیسر براؤن کی ملاقات

مسٹر ایڈورڈ جی براؤن پروفیسر فارسی کیمبرج یونیورسٹی نے کتاب ”تکلیفہ الکاف“ کے دیباچہ میں لکھا کہ مجھے بابی مذہب کے حالات معلوم کرنے کا مدت سے اشتیاق تھا۔ آخر صفر 1305ھ میں ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ میں نے ایران کا سفر اختیار کیا اور قریباً ایک سال تک تبریز، زنجان، طہران، اصفہان، شیراز، یزد، کرمان کی سیاحت میں معروف رہا۔ اس اثناء میں شیعہ بابی اور زرتشتی فضلاء سے ملاقاتیں کر کے ان کے مذاہب کے معلومات حاصل کئے۔ آخر پورے ایک سال کے بعد یعنی صفر 1306ھ میں انگلستان کو مراجعت کی۔ اس کے ایک سال بعد یعنی 1307ھ میں جزیرہ قبرص اور شہر عسکہ کا سفر کیا۔ اور دور قیام بھائیوں مرزا یحییٰ نوری معروف صبح ازل کو قبرص میں مرزا حسین علی نوری معروف بہاء اللہ کو عسکہ میں دیکھا۔ جزیرہ قبرص کے شہر ماغوسا میں پندرہ دن تک اقامت گزریں رہا۔ اس اثناء میں ہر روز صبح اول کی ملاقات کو جاتا رہا۔ میرا معمول تھا کہ ظہر سے غروب آفتاب تک معلومات حاصل کر کے مراجعت کرتا تھا۔ صبح ازل ہر موضوع پر نہایت بے باکی اور آزادی سے گفتگو کرتا تھا لیکن جب میں بابیوں کے تفرقہ اور بہاء اللہ اور بھائیوں کا تذکرہ چھیڑتا تھا تو اس کی سبک گوئی مبدل بسکون ہو جاتی تھی۔ میں نے اس

حالت سے یہ استنباط کیا کہ اس قسم کے سوالات طبع پر شاق گذرتے ہیں۔ اس لیے حتی المقدور اس موضوع پر گفتگو سے اجتناب کیا۔ ان مجالس میں اکثر اوقات صبح ازل کے فرزند ان عبد العلیٰ رضوان علیٰ عبد الوحید اور تقی الدین بھی موجود ہوتے تھے۔ جزیرہ قبرص چند سال سے انگریزی عملداری میں آیا ہوا تھا۔ میں نے سر ہندی بولور حاکم جزیرہ کی اجازت سے دفاتر حکومت پر نظر ڈالی تو اس سے معلوم ہوا کہ صبح ازل بولور اس کے پیر و جزیرہ قبرص میں جلاد من ہوئے ہیں۔ شرمناک و ساس میں پندرہ تن تک قیام کرنے کے بعد میں نے عسک کا قصد کیا۔ لیکن پہلے بیانیوں کے پیشکار کی ملاقات کے لیے بیروت گیا۔ کیونکہ معمول یہ تھا کہ جو کوئی بہاء اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا اسے پہلے پورٹ سعید اسکندر یہ پیر و ت کے بہائی عمال میں سے کسی ایک کے پاس جا کر اس خواہش کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ اگر ان کی مرضی ہوتی تھی تو اجازت دے کر ملاقات کے قواعد و آداب سے مطلع کرتے تھے ورنہ انکار کر دیتے تھے۔ میں بیروت پہنچا لیکن سوء اتفاق سے بہائی ایجنٹ اس وقت بیروت میں موجود نہ تھا۔ بہاء اللہ کے پاس عسک گیا ہوا تھا۔ میں بہت افسردہ دل ہوا کیونکہ میرے پاس دو ہفتہ سے زیادہ وقت باقی نہ تھا۔ اس کے بعد مجھے دار الفنون کیمبرج کو حتماً مراجعت کرنا تھا بہت کچھ دوڑ دوڑا کر کرنی پڑی اور عامل کو چٹھی لکھی جس میں وہ سفارش نامہ بھی ملفوف کر دیا جو ایران کے باہی دوستوں نے عامل بیروت کے نام دیا تھا۔ ان کے چند روز بعد میں نے جو باہی تاریخ گجرات کی ملاقات کی اجازت چاہی۔ اگلے دن تار کا جواب آیا جس میں نام اور پتہ کے بعد صرف یہ دو عربی لفظ لکھے تھے۔ یستوجہ المسافر میں تار پاتے ہی فوراً روانہ ہوا اور 22 شعبان 1307ھ کو وارد عسک ہوا۔ جب عسک کے قریب پہنچا تو دور سے نہایت خوشنما منظر دکھائی دیا۔ بڑے بڑے خوبصورت باغ تھے نارنگی اور طرح طرح کے دوسرے میوے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ ان باغات نے جو حوالی عسک میں واقع ہیں۔ مجھے حیرت میں ڈال دیا کیونکہ ایک ایسے شہر میں کہ جس کو بہاء اللہ اپنے نوشتوں میں ہمیشہ ”اثر البلاد“ نام سے یاد کیا کرتا تھا۔ مجھے ایسی طراوت اور نضارت کے دیکھنے کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی۔ عسک میں دن کے وقت ایک مسیحی تاجر کے ہاں فرودکش ہوا لیکن رات ایک محترم بہائی کے ہاں گذاری۔ دوسرے دن بہاء اللہ کا بزرگ فرزند عباس آفندی جو آجکل عبد الہما کے نام سے مشہور ہے آیا اور مجھے وہاں سے منتقل کر کے قصر بچہ میں کہ عسک سے باہر کوئی پندرہ منٹ کی راہ ہے لے جا کر ٹھہرایا۔ اس کے دوسرے دن بہاء اللہ کا ایک چھوٹا بیٹا میرے پاس پہنچا اور خواہش کی کہ میں اس کے ساتھ چلوں میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہت سے ایوانوں اور گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے کہ جن کو نظر تعقیب سے دیکھنے کی فرصت نہ تھی ہم ایک وسیع ایوان میں جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور اس پر نہایت خوشنما چچی کاری ہو رہی تھی پہنچے۔ میرا رہنا ایک پردہ کے سامنے تھوڑی دیر تک ٹھہرا رہا تاکہ میں اپنا جوڑہ اتار لوں۔ پردے کو اٹھا کر میں ایک وسیع تالار میں داخل ہوا۔ تالار ان چار

ستونوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین میں گاڑ کر ان پر لکڑی کے تختے جڑ دیئے گئے ہوں۔ تالار کے ایک گوشہ میں گاؤ نکلیے کے ساتھ ایک نہایت پر شکوہ اور محترم شخص بیٹھا تھا۔ سر پر درویشوں کے تاج کی مانند لیکن اس سے بہت بلند ٹوپی تھی جس کے گرد سفید کپڑے کا ایک چھوٹا سا عمامہ لپٹا ہوا تھا۔ اس شخص کی درمٹیاں آنکھیں لوگوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ ارد و کشیدہ پیشانی چین دار بال سیاہ تھے۔ داڑھی بہت سیاہ گھنی اور اس قدر لمبی تھی کہ قریب قریب تک پہنچ رہی تھی۔ یہی شخص بیہاء اللہ تھا۔ میں مراسم تقسیم جالایا۔ بیہاء اللہ نے مجھے بہت کچھ تواضع کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ بیہاء اللہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ”الحمد للہ کہ تم فائز ہوئے۔ تم اس غرض سے یہاں آئے ہو کہ اس سکون خشی سے ملاقات کرو۔ صلاح عالم اور صلاح امم کے سوا ہماری کوئی غرض و عانت نہیں لیکن حالت یہ ہے کہ محلے کے ساتھ ان مفسدین کا سلوک کرتے ہیں جو جس وطرد کے مستوجب ہوں۔ تمام لوہیاں و مل کو ایک مذہب ہو جانا چاہیے۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔“ نئی نوع انسان میں دوستی و اتحاد کا رطلہ مستحکم ہو۔ ان کا مذہبی اختلاف دور ہو۔ قومی نزاع مرتفع ہو۔ بھلا اس میں عیب کی کونسی بات ہے؟ اگر ہماری یہ خواہش بار آور ہو تو یہ میکار رزم و پیکار اور فضول جھگڑے آج ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا تم بھی یورپ میں اس امن و سکون کے محتاج ہو؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی مقصد عظیم کی تلقین نہیں کی؟ چائے اس کے کہ تمہارے مال و خزانے اصلاح بلاد اور آسائش عباد میں صرف ہوں دنیا بھر کے حکمران ان خزانوں کو نوع بھر کی تحریب میں صرف کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ نزاعیں، یہ مصاف آریاں۔ یہ خونریزیاں اور اختلاف ختم ہو جائیں۔ تمام لوگ ایک خانوادہ کی طرح زندگی بسر کریں۔ کسی شخص کو اس بات پر فخر نہ کرنا چاہیے کہ وہ وطن دوست ہے بلکہ حقیقی فخر یہ ہے کہ وہ نوع بھر کو دوست رکھے۔ اس کے بعد میں پانچ ہی دن میں عہدہ قیام کر سکا۔ اس اثناء میں اپنے تمام اوقات قصر بچہ میں نہایت خوشی کے عالم میں گزارے۔ میرے ساتھ ہر طرح سے مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اس مدت میں مجھے چار مرتبہ بیہاء اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہر مجلس 20 دقیقہ سے نیم ساعت تک رہتی تھی۔ یہ تمام جلسیں ظہر سے قبل منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بیہاء اللہ کا ایک نہ ایک پیمانہ ضرور موجود ہوتا تھا۔

بابیوں اور بہائیوں کے مختلف فرقے

پروفیسر براؤن نے ”تظہ الکاف“ کے مقدمہ میں بابیوں کے متقدمین اور متاخرین کی تحریروں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ میں شاید ہی کوئی مذہب ایسا نظر آئے گا جس کے اندر بانی مذہب کی طرح 69 سال (1260ھ-1329ھ) کی قلیل مدت میں اس قدر تہذیبیالیارو نما

ہوئی ہوں۔ بانی لوگ دو فرقوں ازل اور بھائی میں تو پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے۔ دوسرا اختلاف بہاء اللہ کی وفات (2 ذی القعدہ 1309ھ) کے بعد خود بھائیوں میں بھی رونما ہوا۔ بعض بھائیوں نے تو بہاء اللہ کے فرزند عباس آفندی یا عبدالمہا کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسروں نے بہاء اللہ کے دوسرے بچے میرزا محمد علی کا دامن پکڑا۔ ان اختلافات کی بدولت بانی آج کل چار گروہوں میں منقسم ہیں۔ اول وہ ہیں جو کل ششی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو باب لور آنے والے من یظہرہ اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ انہیں اس قصہ سے کوئی سروکار نہیں کہ باب کا وصی کون ہے۔ یہ لوگ بہت قلیل التعداد ہیں۔ دوسرے ازل جو میرزا یحییٰ نوری ملقب بہ صبح ازل کو باب کا وصی لور جانشین مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ من یظہرہ اللہ ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ یہ گروہ بھی قلیل التعداد ہے اور ان کی جمعیت دن بدن روز و بال ہے۔ سوم بھائی جو صبح ازل کے بھائی میرزا حسین علی نوری ملقب بہ بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ گمان کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بہاء اللہ کے بعد کم از کم ہزار سال تک کوئی نیا ظہور نہیں ہوگا۔ چوتھے وہ بھائی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض الہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ رہے گا۔ یہ لوگ عبدالمہا کے دعاوی کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو مظہر وقت جانتے ہیں۔ بابیوں کی کثرت تعداد آج کل اسی آثری فرقہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بات سخت حیرت انگیز ہے کہ صبح ازل اور بہاء اللہ کی تاریخ نے میرزا محمد علی اور اس کے سوتیلے بھائی عباس آفندی کے بارہ میں اعادہ کیا ہے یعنی جس طرح صبح ازل اور بہاء اللہ دونوں بھائی باہم دست و گریبان تھے اسی طرح بہاء اللہ کے دونوں بیٹھوں میں جنگ آزمائی ہو رہی ہے۔

بھائیوں کی خانہ جنگی

اس کے بعد پروفیسر براؤن لکھتا ہے۔ ”سچ یہ ہے کہ اس آثری فرقہ اور حسد اور جنگ و جدال نے جو بہاء اللہ کے بعد بھائیوں میں رونما ہوا مجھے بھائی تحریک کی طرف سے کچھ بد فتن کر دیا۔ میں اکثر سوچتا اور اپنے بھائی دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ وہ نفوذ اور قوت تصرف لور قاہریت جو ان کے عقیدہ میں کلمتہ اللہ کی اولین علامت اور اس کی لائیک خصوصیت ہے کیا ہوئی؟ اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہیے؟ بہاء اللہ کو حکم خداوندی تو یہ پہنچا تھا کہ عاشق و امع الدیان بالروح و الریبعان (تمام مذہب سے محبت لور رواداری کا سلوک کرو) لور بہاء اللہ کا مقولہ ہے کہ ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں لور ایک ہی شاخ کے برگ و باد ہیں۔ لیکن خود بہاء اللہ کے جانشینوں کا عمل یہ ہے کہ اپنے ہی خانوادے کے اعضاء و جوارح کو کاٹ دے ہیں لور ان کی باہم فتنی عدولت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اغیار سے بھی ایسی درندگی کا سلوک نہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں ایران کی اس وقت یہ حالت ہے کہ اہلسنت لور شیعہ بالاسری لور شخی مسلمان لور

یہود، عیسائی اور زر تہستی کے اختلافات مٹ رہے ہیں۔ لوگ وطن دوستی کے قدح میں سرشار ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر جنس کے ایرانی ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ 132- اس سے ثابت ہوا کہ اتحاد مذہب کا بہائی دعویٰ محض زبانی جمع خرچ اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ عبدالمہاء کا تختہ حیات 1921ء میں کنارہ عدم کو جاگا۔ اس نے شوقی آفندی کو اپنا جانشین بنایا۔ میرزا محمد علی غالباب تک زندہ ہے۔ معلوم نہیں کہ مرزا محمد علی اور شوقی آفندی میں بھی جھگڑے کھسے چلے جاتے ہیں یا فریقین نے لڑتے لڑتے تھک کر خاموشی اختیار کر لی؟

مشرکانہ عقائد اور زندہ نواز شریعت

بہائی لوگ بہاء اللہ کو ”من یمہرہ اللہ اور مسیح موعود بجمہ کل لویان کا موعود مانتے ہیں“ بہاء اللہ کی تحریروں سے صحت ہوتا ہے کہ وہ خدا کی کا بھی مدعی تھا۔ چنانچہ کتاب ”اقتدار“ (صفحہ 38) میں لکھتا ہے۔ (جب مخلوق کا قدیم مالک خالوں کے ظلم سے اپنے بڑے قید خانے میں بڑا ہوا تھا تو ظلم نے اسی طرح نطق فرمایا) اور اسی کتاب کے (صفحہ 114) میں لکھتا ہے۔ (جب کوئی شخص اس کو (بہاء اللہ) دیکھتا ہے تو اسے اہل طفیان کے ہاتھوں میں انسانی شکل میں پاتا ہے لیکن جب اس کے باطن پر غور کرتا ہے تو اسے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کا نمساں پاتا ہے) اور کتاب اقدس (صفحہ 225) میں لکھتا ہے۔ (جو بڑے قید خانے میں بول رہا ہے وہی کائنات کا خالق و موجد ہے وہ دنیا کو زندگی بخشنے کے لیے بلاؤں اور مصیبتوں کا مقبل ہوا وہی اسم اعظم ہے۔ جو ازل سے مخفی تھا) اور کتاب مبین کے (صفحہ 288) میں لکھتا ہے۔ (مجھ بہاء اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو منفرد دیگانہ ہوں اور قید کیا گیا ہوں) معلوم ہوتا ہے کہ ان دعویٰ کی وجہ سے اس کے مرید بھی اس کو عموماً خدا ہی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بہائی شاعر (دیوان نوش ص 93) لکھتا ہے۔

رخ سوئے تو آوردم اے مالک جان الہی

زاں رو کہ تو در عالم معبودی و سلطانی

مرزا حیدر علی اصغمانی بہائی نے کتاب ہجرت الصدور (صفحہ 82) میں تصریح کی ہے کہ بہاء اللہ (اپنے دعویٰ الوہیت کی وجہ سے) اپنے پیروؤں کا معبود بنا ہوا تھا۔ اور اسی کتاب (کے صفحہ 258) میں لکھا ہے کہ زائرین اس کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہائی کہتے ہیں کہ حدیث لئوکان الایمان معلقاً بالشریاء للنالہ رجل من ابناء فلاس (اگر بالفرض ایمان شریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو انباء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آئے گا) بہاء اللہ کے حق میں ہیشین گوئی ہے۔ بہائی شریعت کے وضو میں صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا حکم نہیں۔ البتہ اسکی جگہ 95 مرتبہ اللہ الہمی کا وظیفہ پڑھنا بتایا ہے۔ جاڑوں میں

تیسرے دن اور موسم گرما میں ہر روز ایک مرتبہ پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اور ہر نماز کے لیے وضو کی ضرورت نہیں بلکہ دن بھر میں ایک مرتبہ کافی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی جگہ پانچ مرتبہ بسم اللہ الاطہر کہہ لینا چاہیے۔ بھائی شریعت میں نماز کا قبلہ کعبہ معلیٰ نہیں بلکہ عجم اور بماء اللہ کی قبر ہے اور نمازوں میں قرآن وغیرہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ بماء اللہ کی کتابوں کی بعض عبارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز ہجکانہ کی جگہ تین تین رکعت کی تین نمازیں صبح، ظہر، مغرب فرض کی گئی ہیں اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی کچھ اور ہی مقرر کیا ہے۔ ان کے نزدیک نماز باجماعت حرام ہے۔ مریضوں اور بوڑھوں کو نماز بالکل معاف ہے۔ صیام رمضان کی جگہ موسم بیمار میں انیس روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ روزے میں صبح صادق کی بجائے کھانے پینے کی ممانعت طلوع آفتاب سے رکھی ہے۔ عید الفطر کی جگہ عید نیروز مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ چار اور عیدیں ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ چالیسواں حصہ مقرر کی ہے لیکن بماء اللہ نے سو مثقال سونے میں سے انیس مثقال یعنی پانچویں حصہ سے کسی قدر کم مقرر کی ہے۔ بماء اللہ کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ اسی تعداد کے پیش نظر اس نے دو عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ زیادہ کو حرام کر دیا۔ بماء اللہ نے کتاب الاقدس میں لکھا: قد حرمت علیکم ازواج اباہ کم انا نستحبجا ان نذکر حکم الغلمان (تم پر تمہارے باپوں کی بیویاں حرام کی گئی ہیں اور لوٹروں کے احکام بیان کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے۔) بماء اللہ کا صرف باپ کی منکوحہ عورتوں کی حرمت میں کرنا اور دوسرے محرمات کو چھوڑ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے نزدیک بیعتی، بمن، خالدہ و پھوپھی وغیرہ محرمات سے عقد کرنا جائز تھا اور حسب بیان میرزا امجدی حکیم (کتاب مفتاح الابواب) یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں بماء اللہ کے دونوں بیٹیوں عبدالمہا اور میرزا محمد علی میں اختلاف رہا۔ میرزا محمد علی کے نزدیک بماء اللہ کا یہی منشا تھا کہ باپ کی بیویوں کے سوا تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے اور عبدالمہاء نے بماء اللہ کے حکم میں ترمیم کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ کتاب بدائع الآثار (جلد اول ص 54) میں جو عبدالمہاء کا سفر نامہ ہے لکھا ہے کہ عبدالمہاء نے ایک تقریر میں کہا کہ بہائیوں کے لیے ہر مذہب و ملت کے مرد کو لڑکی دینا اور ہر مذہب کی عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ بماء اللہ نے شہروں میں انیس مثقال سونا اور دیہات میں انیس مثقال چاندی مقرر کیا اور اس مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شہریوں کے لیے 95 مثقال سونا اور دیہاتوں کے لیے 85 مثقال چاندی مقرر کی۔ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ بماء اللہ نے مفقود الخمر شوہر کی بیوی کو نو مہینہ کے بعد شادی کر لینے کی اجازت دی۔ اس کے نزدیک مرد بیوی کو تین طلاقیں دے کر بھی بلا تکلف رجوع کر سکتا ہے۔ واڑھی اور لباس کے متعلق پوری آزادی دی۔ سر منڈانے کی ممانعت کی۔ سود لینا اور دینا دونوں جائز کر دیئے۔ گانے جانے کی بھی عام اجازت دی۔

بیہاء اللہ کی طویل مدت و دعویٰ

مرزئی لوگ عام طور پر مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ کسی ایسے جموںے مدعی کا نام بتاؤ جس نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور وہ مرزا غلام احمد کی طرح چھیس سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر قائم رہنے کے باوجود ہلاک نہ ہوا ہو۔ ہر چند کہ مرزائیوں کا یہ معیار صدق و کذب کتاب و سنت سے ہرگز جمع نہیں ہو سکتا تاہم مرزائیوں کی ضد پوری کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے کہ بیہاء اللہ 23 سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے دعویٰ پر قائم رہا اور ایک طویل عمر پا کر مرزا غلام احمد کی طرح طبعی موت مرا۔ اس میں اختلاف ہے کہ بیہاء اللہ نے کس سال مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حسب تحقیق یہاں اس نے 1863ء میں اس وقت دعویٰ کیا جبکہ وہ ہنوز بچہ لو میں تھا۔ (دور بیہائی صفحہ 14) لیکن پروفیسر برٹون کی تحقیق کے بموجب اس نے 1864ء میں لورنہ (اڈریانوہل) پہنچ کر دعویٰ کیا۔ (ایپی سوڈ لوف دی باب ص 358) تاہم اگر 1864ء ہی کو دعویٰ کا صحیح سال قرار دیا جائے تو یہی 1892ء تک جبکہ اس کی کشتی عمر غرقاب فنا میں چلی گئی۔ اس کی مدت دعویٰ مرزا غلام احمد کے دعویٰ سے پانچ سال زیادہ یعنی اٹھائیس سال بنتی ہے۔ لور پھر بیہاء اللہ کی مزید فوقیت و برتری یہ تھی کہ مرزا غلام احمد تو 23 سال تک انواع و اقسام کی جاں گسل ہمساریوں میں مبتلا رہا کہ ہمیشہ ابتلاؤں کا آماجگاہ بنا رہا لیکن بیہاء اللہ نے نہ صرف عرصہ میں اپنی 24 سالہ نظر بندی کی مدت نہایت عیش و عشرت اور شاہانہ ٹھاٹھ میں گزاری بلکہ ایران کو الوداع کہنے کے بعد وہ ہمیشہ عافیت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اصل یہ ہے کہ خدائے روف و دانا جموںے مدعیوں اور انبیاء کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والے دوسرے ضلالت پسندوں کو عموماً مہلت دیتا ہے تاکہ آج باز آجائیں۔ کل توبہ کر لیں اور اگر وہ جلد تائب نہیں ہوتے تو خدائے بے نیاز ان کی رسن انانیت کو اور زیادہ دراز کر دیتا ہے۔ ان کی خود سری کی پاداش میں توفیق الہی ان سے سلب کر لی جاتی ہے۔ انجام کار جب وہ اپنے شیطانی نیابت کا سارا کاروبار پایہ تکمیل تک پہنچا لیتے ہیں۔ تو خدائے شدید العقاب اس شجر خبیث کو یکبارگی باغ عالم سے مستاصل کر دیتا ہے۔ امام فخر الدین رازی آیتہ (میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ میری یہ تدبیر نہایت زبردست ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں۔ (میں ان کو مہلت دیتا ہوں اور ان کی مدت عمر کو دراز کر دیتا ہوں۔ ان کی سزا میں جلدی نہیں کرتا تاکہ وہ سرکشی اور شوریدہ سری میں اپنے دل کے حوصلے نکال لیں۔)

محمد احمد مہدی سوڈانی

محمد احمد 1848ء میں دریائے نیل کے تیسرے تہذ کے قریب موضع حنک میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام عبداللہ لورماں کا نام آمنہ بتایا جاتا ہے۔ عبداللہ کشتی سازی کا کام کرتا تھا۔ محمد احمد ابھی چھ ہی تھا کہ والدین جزیرہ لباکو جو خرطوم سے شمال کی جانب نیل ابیض پر واقع ہے نعل مکان کر گئے۔ محمد احمد نے بارہ برس کی عمر میں کلام الہی حفظ کر لیا اس کے بعد جزیرہ شیکہ میں اپنے چچا شریف الدین کے پاس کشتی سازی کا کام سیکھنے کے لیے بھیجا گیا۔ ایک دن چچانے اسے کسی بات پر چڑھا تو بھاگ کر شہر خرطوم چلا آیا جو سوڈان کا صدر مقام ہے اور عرصہ تک مدرسہ خو جلی میں علوم دین کی تحصیل کرتا رہا۔ یہاں سے بربر گیا اور ایک مدرسہ میں داخل ہو کر علوم دین کی تکمیل کی۔ یہاں سے ارداب پہنچ کر شیخ نور الدائم کا مرید ہوا۔ جو ایک مشہور پیر طریقت تھے۔ وہاں کچھ عرصہ تک علوم

حالی کی تحصیل میں مصروف رہا۔ اس کے بعد پھر خرطوم آیا اور شیخ محمد شریف نام ایک پیر کے حلقہ میں داخل ہو کر طریقہ سانیہ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ان دنوں ایک عجیب اتفاق پیش آیا۔ شیخ مذکور کے چوں کی خدمت ہوئی اور ان کے شاگردوں نے ایک جلسہ منعقد کر کے رسم ختنہ کی تقریب منائی۔ اس مجلس میں کثرت سے لوگ شریک ہوئے اور رقص و سرور سے دل بہلایا گیا۔ محمد احمد نے لوگوں کو اس خلاف شرع تفریح سے منع کیا اور کہا کہ شریعت حقہ ناجائز فعل کو جائز قرار نہیں

دے سکتی۔ اور شیخ شریعت کے کسی ممنوع فعل کو جائز نہیں کر سکتا۔ شیخ محمد شریف کو جب اس کی خبر پہنچی تو غضبناک ہو کر محمد احمد کو طلب کیا۔ محمد احمد محمد شریف کی خدمت میں حاضر ہو اور معافی چاہی لیکن شیخ نے معاف نہ کیا اور زجر و توبخ کے بعد اس کا نام ”طریقہ سامیہ“ کی فہرست سے خارج کر کے اس کو خانقاہ سے نکال دیا لیکن محمد احمد کی حق گوئی اور جرات و دلیری نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور اہل سوڈان کے دلوں میں اس کا وقار بہت بڑھ گیا۔ وہاں سے جزیرہ لبا کو مراجعت کی۔ کچھ دنوں کے بعد یہاں ایک غار میں داخل ہو کر ہر وقت ذکر الہی میں مصروف رہنے لگا۔ کہتے ہیں کہ غار میں خوشبو جلا کر کسی اسم کا ورد کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے زہد و اتقاہ کا غلطہ اطراف و اکناف ملک میں بلند ہوا۔ ہزار ہا لوگ حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ اس کی عظمت یہاں تک دلوں میں نقش ہوئی کہ بلاے اصحاب ثروت و اقدار کی جبین نیاز اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئی۔ یہاں تک کہ بغداد کے مغرور و سرفراز شیوخ نے جو اپنے برآمد دنیا میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے بجمال منت اپنی لڑکیاں عقد ازدواج کے لیے پیش کیں۔ جب محمد احمد کے پیروؤں کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی تو آخر کار اس مذہبی گروہ پر سیاسی رنگ چڑھنے لگا۔ اور اشاعت اسلام کے پردے میں ملک گیری کے ارادے نشوونما پانے لگے۔ محمد احمد نے جمادنی سبیل اللہ کا وعظ شروع کیا۔ اس کا قول تھا کہ موت ہمیں اس سے بھی کہیں زیادہ مرغوب ہے جس قدر کہ دولہا کو عرس نو محبوب ہوتی ہے۔ محمد احمد کی دعوت میں کچھ ایسا ہتی اثر تھا کہ سینکڑوں آدمی روزانہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرکت جماد پر آمادگی ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ اسلحہ جنگ کی فراہمی شروع ہوئی اور حرب و ضرب کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دعوائے مہدویت اور گورنر خرطوم کی پریشانی

مئی 1881ء میں محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کے نام اس مضمون کے مراسلات بھیجنے شروع کئے کہ جناب سرور عالم ﷺ نے جس مہدی کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں۔ مجھے خداوند عالم کی طرف سے سفارت کبریٰ عطا ہوئی ہے تاکہ میں دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دوں اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح کروں جو لوگوں نے دین متین میں پیدا کر دی ہیں۔

اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمام عالم میں ایک مذہب، ایک شریعت اور ایک نبی بیت المال قائم کروں اور جو شخص میرے احکام کی تعمیل نہ کرے اسے بجز عدم میں غرق کر دوں۔ محمد احمد نے ماہ رمضان میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں سوڈان اور مصر کے طول و عرض میں اس

کی دعوت کا چرچہ ہونے لگا۔ ماہ جولائی میں رؤف پاشا کو جو خود یومصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل تھا۔ محمد احمد کے دعوائے مددیت اور اس کے تبلیغی مراسلات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے معتمد خاص ابو السعد کو چار علماء کے ساتھ اس غرض سے محمد احمد کے پاس بھیجا کہ اسے خرطوم لا کر حاضر کریں۔ ابو السعد جزیرہ لبا پنچالور کشتی سے ساحل پر اتر کر بلند آواز سے پکارا کہ ممدی کہاں ہیں؟ محمد احمد ساحل پر آیا اور ابو السعد کے پاس پہنچ کر اس کی مسند پر بیٹھ گیا۔ ابو السعد نے دریافت کیا کیا تم ہی نے ممدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ محمد احمد نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ ہاں میں ہی وہ ممدی ہوں جس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ابو السعد نے کہا۔ اس دعویٰ سے تمہاری کیا غرض ہے؟ محمد احمد نے جواب دیا کہ خدائے کر دگار نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دوں۔ کفر کو سرنگوں اور دین حنیف کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دوں۔ خدا کی زمین پر خدائے لایزال کا قانون (قرآن) حکمران ہو۔ اور اسلام سر بلند دکھائی دے۔ ابو السعد نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بھی تمہاری طرح مسلمان ہے۔ محمد احمد نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ حکمران نے نصاریٰ کو سیاہ و سپید کا مالک بنا رکھا ہے اور وہ جاچا کر بے ہمتے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابو السعد سمجھانے لگا کہ گورنمنٹ برطانیہ اور حکومت مصر کی مخالفت اچھی نہیں۔ بہتر ہے کہ بلا انحراف میرے ساتھ خرطوم چل کر رؤف پاشا کی ملاقات کر آؤ۔ محمد احمد نے کہا میں وہاں نہیں جا سکتا۔ ابو السعد بولا۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی اپنے تئیں گورنر خرطوم کے حوالے کر دو جبکہ سرکاری توپیں اور انگریزی جنگی جہاز گولہ باری کر کے جزیرہ لبا کو خاک سیاہ کر دیں۔ محمد احمد نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ کسی بد بخت کی کیا مجال ہے کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے؟ اس کے بعد نہایت درشت لہجہ میں ابو السعد سے کہا جاؤ۔ میں ہرگز تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا۔ ابو السعد محمد احمد کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گیا اور اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ وہاں سے چلتا ہے۔ آخر اپنے ساتھیوں کی معیت میں خرطوم پہنچ کر دم لیا اور رؤف پاشا کو صورت حال سے مطلع کر کے کہنے لگا کہ اگر پچاس مسلح آدمیوں کو میرے ساتھ کر دو تو میں اس متناقض کو آپ کے پاس گرفتار کر لاتا ہوں۔ بے چارے ابو السعد کو کیا معلوم تھا کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ یہ شخص عنقریب تفوق کے آسمان پر مہر منیر بن کر جلوہ گر ہو گا اور تین سال کے اندر سوڈان کی فضا اس کے پرچم اقبال پر فخر کرے گی۔ رؤف پاشا نے پچاس سپاہی اس کے سپرد کر دیئے۔ وہ اس جمعیت کو لے کر لبا پنچا۔ خود کشتی میں رہا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ جزیرہ میں داخل ہو کر خانہ ساز ممدی کو گرفتار کر لاؤ۔ سپاہی ساحل سے بڑھے اور محمد احمد پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ جب محمد احمد کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مریدوں کا ایک غول بھیج دیا۔ وہ ایک ایک ان

سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور آنا فنانسب کو قعر عدم میں پہنچادیا۔ اس واقعہ سے مددی کا اثر اور بڑھ گیا۔
 اور اس کے دعوائے مہدویت کو بڑی تقویت پہنچی۔ جب رؤف پاشا کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سخت
 پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا تدبیر کی جائے؟

محمد احمد کے مقابلہ میں پہلی ناکام مہم

اب رؤف پاشا نے حکومت مصر کی منظوری سے مددی کے مقابلہ کے لیے تین سو سپاہی
 اور دو عدد توپیں ایک جنگی جہاز کے ذریعہ سے روانہ کیں۔ یہ دستہ فوج 11 اگست 1881ء کی صبح کو بہ
 سرکردگی علی آفندی باسنے تھوڑے فاصلہ پر اترا۔ علی آفندی نے دیکھا کہ ایک فہض جس کے
 لہر گرد و سب سے آدمی ہیں ان کی طرف آرہا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہی فہض مددی ہے چاہا کہ ایک ہی
 دہر میں اس کا کام تمام کر دے چنانچہ نہایت تیزی سے اس فہض کے سر پر پہنچ کر کہنے لگا کہ تو نے
 ملک میں کیوں فساد ڈال رکھا ہے؟ اور جھٹ اس کے گولی مار دی۔ مگر مقتول مددی نہ تھا کوئی دوسرا
 فہض تھا لیکن پھر مقتول کے ساتھی معالی آفندی پر حملہ آور ہوئے اور اس نے آنا فنانا دارالقرار
 جاوید کو انتقال کیا۔ علی آفندی کو ٹھکانے لگانے کے بعد محمد احمد کے پیرو اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ
 پڑے اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس اثناء میں جنگی جہاز کے افسر توپ خانہ کو حکم ہوا کہ وہ
 مددیوں پر جو وہاں سے تھوڑے فاصلے پر نظر آرہے تھے گولہ باری کرے۔ مگر گول انداز مددی کی
 مقدس وضع دیکھ کر سہم گیا اور آکھبازی میں لیت و لعل کرنے لگا۔ آخر جب سختی کی گئی تو اس نے
 ہوائی فائر شروع کر دیئے۔ اتنے میں محمد احمد اور اس کے سوار وہاں سے دوسری جگہ کو چلے گئے۔
 ابو السعود نے جو اس فوج کے ساتھ تھا راہ فرار اختیار کی اور شکست خوردہ خرطوم پہنچا۔ اس ہزیمت کا
 نتیجہ یہ ہوا کہ مددی کے پیروؤں کی تعداد اور زیادہ بڑھنے لگی۔ ان جہز پوں سے محمد احمد نے جو نتیجہ
 نکالا وہ دانشمندی پر مبنی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ مرکز حکومت کے قریب رہنا خطرات سے
 لبریز ہے اس لیے اس نے جزیرہ لبارا اپنے ایک مرید احمد مکاشف کو قائم مقام مقرر کیا۔ اور خود کو وہ
 کردوفان جا کر اس کو اپنا مرکز و مستقر بنالیا۔ جزیرہ لبارا کے شمال میں پچاس میل کے فاصلہ پر نیل
 ابیض کے قریب مقام کاوا پر ایک مصری فوج جس میں چودہ سو سپاہی تھے اور جس کا افسر اعلیٰ محمد
 سعید پاشا تھا بڑی تھی۔ جب محمد احمد کردوفان پہنچا تو اس لشکر نے محمد احمد کے خلاف جنبش کی۔ یہ دیکھ
 کر محمد احمد نے جنوبی کردوفان کا رخ کیا۔ مصری لشکر نے تعاقب کیا اور ایک مہینہ تک جنگوں اور
 پہاڑوں میں ٹکریں مارتا پھرا۔ لیکن محمد احمد کا پتہ نہ چل سکا۔ آخر اسی تک و دو میں بھوک پیاس کی

شدت سے ہلاک ہو گیا۔ مددی کے مقابلہ میں دو مہینے اور بھی بھی گئیں۔ لیکن وہ بھی نہ صرف ناکام رہیں بلکہ تمام فوجیں صفحہ ہستی سے بالکل مٹ ہو گئیں۔ اب رشید بے حاکم فٹوڈا ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مددی کے مقابلہ کو روانہ ہوا اور 8 ستمبر 1881ء کو لڑائی ہوئی۔ لیکن یہ لوگ جی مددویہ کے نیزوں سے چھٹ کر عالم آخرت کو چلے گئے اور بہت سا سامان جنگ مددی کے ہاتھ آیا۔ رڈف پاشا قبل اس سے کہ کوئی اور تدبیر اس آفت کے نالنے کی سوچے۔ 1882ء کے آغاز میں عمدہ گورنری سے معزول کر دیا گیا۔ اور عبدالقادر پاشا سوڈان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس اثناء میں مددویہ نے مسلسل حملے کر کے تمام سر زمین سنار پر عمل و دخل کر لیا۔ اب شلالی پاشا نام ایک فوجی جرنیل نے مددی کے خلاف ایک فوج مرتب کی جس کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مئی 1882ء میں یہ فوج فٹوڈہ میں داخل ہوئی وہاں سے خشکی کی راہ سے آگے بڑھی۔ آخر آہستہ آہستہ کوچ کرتی ہوئی 7 جون کو دشمن کے قریب پہنچ گئی۔ محمد احمد نے چاروں طرف سے یکبارگی حملہ کر کے اس فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ اور مال غنیمت سے خوب ہاتھ رکھے۔ اس حملہ میں سرکاری فوج کے بہت کم آدمی بچ سکے۔ اس فتح عظیم نے مددی کے اقدار کو اور زیادہ چکا دیا۔ اہل سوڈان یہ دیکھ کر کہ مددی کی مٹھی بھر فوج نے کثیر التعداد سپاہ پر فتح پائی۔ محمد احمد کی مندویت پر اور زیادہ راسخ الاعتقاد ہو گئے۔ جب یہ خبر خرطوم پہنچی تو عبدالقادر پاشا پیش از پیش تیاریوں میں مصروف ہوا۔ محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو درویش کا لقب دیا تھا۔ عبدالقادر پاشا نے اعلان کر دیا کہ جو شخص درویشوں کو قتل کرے گا حکومت کی جانب سے اسے معقول انعام دیا جائے گا۔ یعنی فی درویش دو پونڈ اور فی افسر اٹھارہ پونڈ معاوضہ ملے گا۔ اسی طرح اس مضمون کے اشتہار چھپوا کر محمد احمد کے لشکر میں پھینکوا دیئے کہ جو درویش محمد احمد کی رفاقت ترک کر کے حکومت کی وفاداری کا عہد کریں گے ان کو حکومت کی طرف سے بڑے بڑے انعام ملیں گے لیکن عبدالقادر پاشا کو اس کوشش میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ابیض کا محاصرہ اور تسخیر

عبدالقادر فراہمی لشکر میں ہمہ تن مصروف رہا۔ تھوڑے عرصہ میں اس کے پاس بدھ ہزار فوج جمع ہو گئی۔ جس میں سے ایک ہزار اس نے کردوقان کے صدر مقام ابیض کی حفاظت کے لیے بھیج دی۔ اتنے میں محمد احمد فوج لے کر ابیض کی طرف بڑھا۔ جہاں مصر کی طرف سے محمد سعید پاشا حکمران تھا۔ جب محمد سعید پاشا کو اس پیشہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے تمام اطراف سے فوج جمع کی اور شہر پناہ کے دروازوں کو بند کر کے مقابلہ کے لیے مستعد ہوا۔ ستمبر 1882ء کے شروع میں مددی درویشوں کی معقول جمعیت کے ساتھ ابیض کے قریب پہنچا اور محمد سعید پاشا کو لکھا کہ وہ شہر کو اس کے حوالے کر دے۔ محمد سعید پاشا نے ارکان و اعیان کو جمع کر کے مشورہ کیا سب نے

یہی رائے دی کہ مہدی کے قاصد کو واپس کر دیا جاوے اور کوئی جواب نہ دیا جائے لیکن شہر کے وہ باشندے جو درپردہ مہدی کی دعوت کو قبول کر چکے تھے اور جن کی مخفی تحریک سے مہدی یہاں آیا تھا شہر سے نکل کر مہدی سے جا ملے۔ ان لوگوں میں ابیض کا سابق حاکم اور کردوفان کا مشہور تاجر الیاس پاشا بھی شامل تھا جو اپنے ساتھ محافظ سپاہ کے کچھ آدمیوں کو بھی لے گیا۔ اب ابیض میں محمد سعید پاشا اور اس کے چند معتمد لوگ تھے جو دس ہزار ہاشمی بندوق لشکر کو شہر کے اندر لئے ہوئے حفظ و دفاع کے لیے سر بھرتے تھے۔ مہدی جو لشکر مقابلہ کے لیے لایا تھا اس میں ہمیں چھ ہزار صرف سنگین بردار سپاہی تھے جن کے پاس اعلیٰ قسم کی وہ مصری ہمدوقیں تھیں جو مختلف مواقع پر مصری لشکر سے مال غنیمت میں حاصل کی گئی تھیں۔ اس وقت مہدی کی مجموعی قوت ساٹھ ہزار آدمیوں پر مشتمل تھی۔ 8 ستمبر 1882ء کو مہدی نے ابیض پر حملہ کیا۔ چونکہ شہر پناہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھی۔ مہدی کی سپاہ کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور آخر اس کو شکست ہوئی۔ مصری سپاہ نے تیرہ جھنڈے جن میں ایک جھنڈا خاص مہدی کا تھا اور جس کا نام ”رایت حورائیل“ تھا مال غنیمت میں حاصل کئے۔ اس حملہ میں مہدی کے ہزار ہا آدمی ضائع ہوئے۔ جن میں اس کا بھائی محمد اور عبداللہ التعالشی خلیفہ مہدی کا بھائی یوسف بھی تھا۔ مصری محافظ سپاہ کے صرف تین سو آدمی مقتول ہوئے۔ مہدی پر اس شکست کا بڑا اثر پڑا اور اسے محسوس ہوا کہ مستحکم و مضبوط فصیلوں اور شہر پناہوں پر حملہ کرنے میں کیا خطرات ہیں اور عہد کیا کہ وہ آئندہ مستحکم فصیلوں اور شہر پناہوں پر کبھی حملہ نہ کرے گا بلکہ محصورین کو بھوکوں مار کر حوالگی شہر پر ان کو مجبور کرے گا۔ اس اثناء میں مہدی کو کمک پہنچ گئی اور اس نے ابیض کا سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ آخر ساڑھے چار مہینہ تک محصور رہنے کے بعد اہل بیض نے تنگ آکر اپنے آپ کو مہدی کے حوالے کر دیا۔ اب تمام کردوفان مہدی کے قبضہ میں تھا۔ ان حملوں اور محاصروں میں محمد احمد کو کثیر مال غنیمت حاصل ہوا۔ سامان جنگ اور اسلحہ بھرت ہاتھ آیا اور غلہ کی بھی بہت بڑی مقدار ملی۔ سعید پاشا حاکم ابیض اور سرکاری عملہ گرفتار کر لیا گیا۔

نظام حکومت اور فرمان شاہانہ

محمد احمد نے کردوفان پر قبضہ کر کے اس کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ اس نے انتظامی صیغوں کو تین محکموں میں تقسیم کیا۔ (1) سپاہ (2) قضا (3) مال۔ سپاہ کا انتظام عبداللہ تعالشی کے سپرد کیا۔ محکمہ قضا احمد بن علی کے دست اختیار میں دیا۔ یہ شخص پہلے دار فور میں قاضی تھا۔ اس عہدہ کا نام قاضی الاسلام رکھا۔ مالی معاملات کے انصرام کے لیے ایک بیت المال بنایا جس میں ہر قسم کی آمدنی عشور، مال غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ اور جرمانوں کی رقمیں جمع ہوتی تھیں۔ جرمانے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے جو قانون شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ محمد احمد نے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ اپنے

ایک دوست احمد بن سلطان کو مقرر کیا۔ محمد احمد کے اس نظام حکومت پر رعایا بہت خوش ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اس کی بدولت آسائش اور راحت و سکون نصیب ہوا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسی پر ظلم کر سکے یا عمال حکومت کسی سے ناجائز طور پر ایک جہہ بھی وصول کر لیں۔ محمد احمد کا لباس خوراک طرز معاشرت ہر چیز سادہ تھی۔ اختیارجہ کی زاہدانہ اور متعقشفانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے ہر وقت احکام شریعت کے اجراء کی دھن تھی۔ اس نے اپنی قلمرو میں وہ تمام حدیں جاری کر دی تھیں جو شریعت اسلام نے مقرر فرمائی ہیں۔ اس کے مواعظ کا خلاصہ ترک دنیا اور قطع الی اللہ تھا۔ ذیل میں اس کے ایک منشور (فرمان) کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جو اس نے 1301ھ میں ابیض سے شائع کیا تھا۔ اس منشور سے اس کی پابندی مذہب اور زاہدانہ خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔ حمد و صلوة کے بعد لکھتا ہے۔ اے ہند گان خدا! اپنے رب بزرگ و برتر کی حمد کرو۔ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔ وہ نعمت کیا ہے؟ میرا (بحیثیت مہدی) ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لیے دوسری امتوں پر شرف خاص ہے۔ میرے دوستو! میرا مطمح نظر یہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں۔ خدا کے راستہ میں مہاجرۃ اختیار کرو جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ راحت و آسائش کا خیال ہی دل سے نکال دو۔ اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو خدا اس کو تمہارے لیے آراستہ کر دیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان لوگوں کو دیکھو جن کو ہر قسم کی دنیوی آسائشیں حاصل تھیں لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی تمام راحتیں مصائب سے بدل گئیں اور آسائش زندگی کی شراب تکلیفوں کا زہر بن گئی۔ اگر دنیا کی راحت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ایسا کیوں ہوتا؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ آخرت کا دردناک عذاب ان کے لیے باقی ہے۔ تعجب ہے کہ تم یہ سب دیکھتے ہو اور پھر دنیوی راحت و آسائش کی تمنا اور دنیوی زندگی کی آرزو کرتے ہو۔ دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو۔ خدا سے ڈرو۔ اس کے سچے بندوں کی رفاقت اختیار کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ سچی زندگی یہی ہے۔ خدا کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ثواب میں ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ جہاد میں صرف اتنی دیر کھڑے رہنے کا ثواب بھی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔ عورتوں پر بھی خدا کی راہ میں جہاد فرض ہے پس جو عورتیں کہ میدان جہاد میں خدمات انجام دے سکتی ہیں اور شرعاً ان کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے جہاد کریں۔ جو ان اور پردہ نشین عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگی بسر کریں اور اپنے نفس سے جہاد میں مصروف رہیں۔ گھر سے بلا ضرورت شرعی باہر نہ نکلیں۔ بلند آواز سے (کہ غیر مردان کی آواز سنیں) باتیں نہ کریں۔ نماز کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کریں۔ اپنے شوہروں کی اطاعت فرض سمجھیں۔ اپنے جسموں کو کپڑوں سے چھپائے رہیں۔ جو عورت کہ جسم کو نہ ڈھکے اس کو سزا دی جائے۔ اگر ایک لحظہ

بھی کوئی عورت سر رکھول کر بیٹھے تو اس کو ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص گفتگو کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں۔ جو مرد اپنے بھائی (مسلمان) کو کتابیا سوریا سودی یا اسی قسم کے اور الفاظ سے یہ کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں اور سات روز کی قید کی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کی) کافر یا زنی یا خان یا طعون کہے اس کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کو) کافر یا نصرانی یا ملٹی کہے اس کو اسی کوڑوں اور سات دن قید کی سزا دی جائے۔ جو شخص کسی ایسی اجنبی عورت سے جس سے اس کا نہ تو کوئی شرعی تعلق ہو اور نہ شرعاً اس سے گفتگو کا جواز ہو باتیں کرتا ہو لپٹا جائے اسے ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص کسی حرام فعل پر قسم کھائے اس کو تادیبا ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص حقہ پئے یا تمباکو کسی دوسری طرح کھانے اور پینے کے کام میں لائے ہو یا اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جس قدر تمباکو اس کے پاس موجود ہو اس کو جلا دیا جائے۔ تمباکو منہ میں رکھنے ناک میں چڑھانے اور کسی دوسرے طریقہ پر استعمال کرنے کی بھی عیبی سزا ہے۔ جو شخص صرف خرید و فروخت کرتا ہو لپٹا جائے اور وہ اس کو استعمال نہ کرتا ہو یا استعمال کا موقع نہ ملا ہو اس کو صرف ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ شراب پینے والے کو خواہ وہ ایک قطرہ کا استعمال ہی کیوں نہ کرتا ہو اسی کوڑے لگائے جائیں۔ اگر شراب خوار کا ہمسایہ اس کو سزا دینے کی خود قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع دے ورنہ اس کو احنفائے جرم میں اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا دی جائے گی۔ تاکہ عبرت پذیر ہو۔ انسان کا اپنے نفس (سرکش) سے خدا کی خوشنودی و اطاعت کے لیے جہاد کرنا جہاد باسیف سے بھی بہتر ہے۔ اس لیے کہ نفس (سرکش) کافر سے زیادہ سخت ہے۔ کافر تو صرف مقابلہ کرتا ہے اور جنگ کے بعد اس سے راحت مل جاتی ہے لیکن نفس ایک ایسا دشمن ہے جس کا مغلوب کرنا نہایت دشوار کام ہے۔ جو شخص قصد انماز کو چھوڑ دے گا وہ خدا اور اس کے رسول دونوں کا گنہگار ہوگا۔ بعض آئمہ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور بعض نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ تارک نماز کا پڑوسی اگر اس کو سزا دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو آگاہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا احنفائے جرم کی پاداش میں دی جائے گی۔ اگر کوئی لڑکی پانچ سال کی عمر کو پہنچ گئی اور اس کی ستر پوشی نہ کی گئی تو اس کے ولوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ جو عورت کسی ایسے شخص کے ساتھ پائی جائے جس سے اس کی معافی ہو چکی ہو لیکن عقد نہ ہو اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال غنیمت سمجھا جائے گا۔ میرے دوستو! تم مخلوق خدا پر شفقت کرو۔ اس کو زہد و ترک دنیا کی رغبت دلاؤ اور آخرت کی محبت اس کے قلب میں مستحکم کر کے اسے طلب عقبی کا شائق و گرویدہ بنا دو۔ تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ تم خدا کے بندوں کو عدل و انصاف کی اہمیت بتلا کر اس سے محفوظ رہنے کے طریقے صحیحہ تم سے انصاف طلب کیا جائے تو پوری طرح انصاف کرو۔ اور مشکلات پر صبر و استقامت کی

تعلیم دو۔ وہ معاملات جو 12 رجب 1300ھ سے پہلے کے ہیں سوائے معاملات امانت، قرض اور مال یتیم کے سب اٹھائے گئے اور اب ان کے متعلق کسی سے باز پرس نہ ہوگی۔ البتہ 12 رجب 1300ھ کے بعد اور فتح سے قبل کے معاملات میں دعاوی کی سماعت ہوگی۔ قتل نفس کے مقدمات میں متوکل کے وارث کو قصاص اور دیت کا اختیار دیا جائے گا اور فتح کے بعد کے معاملات میں صرف قصاص کے قضایا طے کئے جائیں گے پس میرے احکام کے مطابق ان کا فیصلہ کرو۔ اسی طرح مقدمات خلع میں مرد جو مال عورتوں سے دخول و تمتع کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ ان کو نہ دیا جائے کہ یہ جائز نہیں ہے بلکہ ان کے مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق کیا جائے۔ میرے دوستو! سمجھ لو کہ اتحاد و استقامت ضروری چیز ہے۔ احکام خداوندی کی مخالفت نہ کرے اور کی پابندی لابد ہے۔ میرے احکام کو سنو اور اطاعت کرو۔ تبدیل و تحریف کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ خداوند تعالیٰ نے جو نعمت تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔ عورتوں کے مہر بڑھا کر نہ باندھو۔ دولت مند عورت کا مہر دس ریال مجیدی بلکہ اس سے بھی کم رکھو۔ متوسط الحال اور غریب پانچ ریال مجیدی سے زیادہ مہر نہ رکھیں۔ بلکہ اس سے کم رکھیں جو شخص اس کے خلاف بڑے بڑے مہر باندھے اس کو تادیبا کوڑوں اور قید کی سزا دی جائے کہ تائب ہو جائے یا قید میں مر جائے۔ ایسا شخص ہمارے زمرہ سے خارج ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

جر نیل ھکس کا قتل، انگریزی اور مصری افواج کی بربادی

محمد احمد نے اپنے بعض معتمد افسروں کو اطراف سوڈان میں تبلیغ و دعوت کے لیے روانہ کیا۔ عثمان دغنه جو مہدی کا معتمد خاص تھا مشرقی سوڈان پہنچا اور وہاں مہدی کے معتقدین و قبیحین کی ایک سپاہ تیار کر کے اطراف میں مہدی کے منشور شائع کئے اور وہاں کے قبائل کو اپنے اثر میں لانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان ایام میں مہدی کی روز افزوں ترقی اور مہموں کی ناکامی سے سرکاری سطحوں میں خلفشار پھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ عبدالقادر پاشا گورنر جنرل سوڈان نے رپورٹ کی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے وہ نکلا جاتا ہے اور اگر فتنہ و فساد کے روک تھام کے لیے کوئی موثر کارروائی نہ کی گئی تو تمام ملک پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس رپورٹ کے بعد مصر و انگلستان میں ہر طرف افسردگی چھا گئی اور یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ مصر اور انگلستان کو کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ جس سے ملک مہدی کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے؟ مدت تک یہ سوال زیر بحث رہا آخر یہ قرعہ پلٹا کہ مہدی کی گوشمالی کے لیے ایک اور زیرک مہم بھیجی جائے۔ اس تجویز کے بموجب ایک نند دست مقرر ایک کار آزمودہ انگریز سپہ سالار جر نیل ھکس کے ماتحت روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جر نیل ھکس نے علاوہ نو دوسرے جنگ آزمودہ یورپی افسر بھی تیار ہوئے۔ اس وقت عبدالقادر پاشا کی جگہ علاء

پاشا خرطوم کا گورنر تھا۔ علاء الدین پاشا نے اس مہم کے لیے نیل ارضق کے مشرق سے اونٹ حاصل کئے اور آخر اگست تک ہر قسم کی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ 8 ستمبر کو جرنیل ہکس نے فوج کا جائزہ لیا اور 9 ستمبر کو یہ سپاہ ام درمان کے مقام سے دوئم کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سپاہ میں چار مصری دستے پانچ سو لانی دستے اور ایک دستہ توپچیوں اور سواروں کا تھا۔ مصری فوج سلیم بک عونٰی، سید بک عبدالقادر، ابراہیم پاشا حیدر اور رجب بک صدیق پاشا کے ماتحت تھی۔ سپاہ کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی جس میں سے سات ہزار مصری پیدل فوج تھی۔ ساڑھے پانچ ہزار اونٹ پانچ سو گھوڑے جرمن کارخانہ کرپ کی چار توپیں، دس پہاڑی توپیں اور دس دوسری قسم کی توپیں تھیں۔ ٹائمر ڈیلی نیوز اور لندن کے دوسرے ممتاز اخبارات کے نامہ نگار بھی اس مہم کے ساتھ تھے۔ 20 ستمبر کو یہ سپاہ دوئم کے مقام پر پہنچیں۔ علاء الدین پاشا کی فوج اس سے مل گئی جو پہلے سے وہاں موجود تھی۔ لیکن علاء الدین پاشا کی فوج کی تعداد معلوم نہیں۔ جرنیل ہکس نے مصری حکومت کو اطلاع دی کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ فوج کو دوئم سے ایبض کی طرف بڑھایا جائے۔ دوئم سے ایبض کا فاصلہ 126 میل ہے اس مسافت میں چند چوکیاں قائم کی جائیں گی جن پر فوج کی مناسب تعداد رکھی جائے گی تاکہ واپسی کے خطوط محفوظ رہیں اور معاملہ دگرگوں ہونے پر دشمن واپسی کے راستہ کو منقطع نہ کر سکے۔ بہر حال جرنیل ہکس آگے بڑھا۔ ایبض سے تیس میل کے فاصلہ پر مہدی سے ٹڈ بھڑ ہو گئی۔ محمد احمد نے بہت بڑا لشکر فراہم کر رکھا تھا۔ اس کی فوج سرکاری سپاہ پر اس طرح ٹوٹ پڑی جس طرح شیر شکار پر گرتا ہے۔ سرکاری فوج میں ایسی بدحواسی چھا گئی کہ اپنے پرانے کی تمیز نہ رہی اور آپس ہی میں لڑنے لگنے لگے۔ انگریزی اور مصری افواج کی قواعد و ریٹز اور اس کی توپیں کسی کام نہ آئیں مہدی کے ہیروؤں نے تھوڑی دیر میں تمام فوج کا صفایا کر دیا۔ جرنیل ہکس اور اس کی ساری فوج، تمام یورپی افسر اور لندنی جرائد کے نمائندے سب میدان جان ستال کی نذر ہوئے۔ البتہ تین سو آدمی جن میں سے اکثر ضعفاء تھے جان چھانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان لوگوں نے درختوں کے پیچھے یا لاشوں کے نیچے چھپ چھپ کر جانیں بچائی تھیں۔ انہی لوگوں میں جرنیل ہکس کا خاناماں محمد نور بارودی بھی تھا۔ اسی شخص کی زبانی ہزیمت و تباہی کے تمام واقعات مصر پہنچ سکے۔ محمد احمد نشہ فتح میں سرشار یہاں سے برکت کی طرف چلا گیا اور بعض امراء کو مال غنیمت جمع کرنے کے لیے وہیں چھوڑ گیا۔ اس لڑائی سے پہلے سوڈان کے اکثر قبیلے مترددو تھے کہ حکومت کا ساتھ دیں یا محمد احمد کا؟ آخر یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ جرنیل ہکس کی لڑائی کا انتظار کر لیا جائے۔ انجام کار جب قبائل کو معلوم ہوا کہ مہدی نے فتح پائی اور سرکاری فوجیں بالکل تھس تھس ہو گئیں تو انہوں نے اپنی قسمت محمد احمد سے وابستہ کر دی۔

جر نیل نیگر کی ہزیمت

جب ممدی کو ایسی شاندار فتح حاصل ہوئی اور وہ آٹا فانا سارے کرکان پر قابض و ذخیل ہو گیا تو مصری سپاہی اسے سچا ممدی سمجھ کر حصول سعادت کے لیے بھاگ بھاگ کر ممدی سوڈانی کی فوج میں شامل ہونے لگے اور افریقہ کے مسلمانوں میں یہ خیال پختہ ہونے لگا کہ صاحب الزمان ممدی علیہ السلام کہ جس کے نوائے سعادت کے نیچے کفار سے جنگ کر کے شہید ہونے والے قیامت کے روز شہدائے احد و بدر کے ساتھ اٹھائیں جائیں گے یہی ہے اس اعتقاد و یقین کی تائید ان احادیث سے ہوتی تھی جن میں حضرت ممدی آخر الزمان کا اسم مبارک محمد والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا آئمہ مروی ہے۔ چونکہ ممدی سوڈانی کا نام اور اس کے والدین کے نام بھی یہی تھے۔ اس مطابقت اسکی کی وجہ سے اور نیز ممدی کے غیر معمولی فتوحات کے باعث لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے تھے لیکن چونکہ آئندہ چل کر بہت سے دوسرے امور اس کے خلاف ثابت ہوئے رفتہ رفتہ یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو تا گیا۔ اور اصل یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کی ذات میں ممدی کی بہت سی نشانیوں منقود تھیں۔ مثلاً وہ حضرت قاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد نہیں تھا۔ اس کا ظہور مکہ معظمہ میں نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلی بیعت رکن اور مقام کے درمیان نہیں ہوئی تھی۔ ان دانی خصوصیات کے علاوہ عالم اسلام کے سیاسی حالات بھی اس منج پر رد نما نہیں تھے جو حضرت ممدی علیہ السلام کے زمن سعادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جر نیل نیگر کی ہلاکت خیز شکست سے قاہرہ اور لندن میں سخت اداسی چھا گئی۔ ابھی اس تباہی کی مرثیہ خوانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوا یعنی علاقہ سواکن سے جو بحر قزوم پر واقع ہے مصری ہزیمت کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں۔ وہاں عثمان دغنه ایک ممدوی سپہ سالار نے سنکات اور توکر کی مصری فوجوں پر تاخت کر کے شکست فاش دی اور انہیں چاروں طرف سے گھیر کر بالکل نیست و نابود کر دیا۔ اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے سواکن سے ایک اور مہم تیار کر کے محمد پاشا طاہر کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ انگریزی سفیر یعنی ڈاک ما کرف بھی ساتھ تھا لیکن سواکن سے روانہ ہونے کے ایک ہی گھنٹہ بعد ساڑھے پانچ سو آدمی کی اس مہم پر عثمان دغنه نے صرف ایک سو پچاس آدمیوں سے حملہ کر دیا اور شکست فاش دی۔ مصری اکثر تو مارے گئے اور جو بچے انہوں نے بھاگ کر سواکن میں جلا م لیا۔ سواکن اور کردقان کی ہزیمتوں نے انگریزوں اور مصریوں کو اور زیادہ مشوش کر دیا آخر جزل و طلائعین دگر کے زیر قیادت ایک اور زبردست مہم سمجھنے کی تجویز ہوئی۔ مصری فوجوں کے مسلمان افسر اور سپاہی جو جانے سے علائیہ انکار نہ کر سکتے تھے یہ سن کر انہیں ممدی کے مقابلے میں سوڈان جانا ہوگا۔ زل زار روتے تھے۔ آخر مہم روانہ ہوئی اور ان میں سے جو لوگ محمد احمد کی ممدویت سے زیادہ شغف و عقیدت رکھتے

تھے روانہ ہی میں بھاگ کر ممدوی فوج میں جا شامل ہوئے۔ اس مہم میں پیدل اور سوار ہر قسم کی مصری اور انگریزی فوج تھی جن کے سر عسکر علاوہ جرنیل دیکر کے نو اور تجربہ کار انگریز فوجی افسر تھے۔ جرنیل دیکر مع اپنی فوج کے سوا کن کے جنوب میں جہازوں سے اتر کر 4 فروری 1884ء کو آگے روانہ ہوا۔ جس وقت فوج الطیب کے قریب پہنچی۔ عثمان دغند نے صرف بارہ سو آدمیوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ دیکر نے یہ دیکھ کر رسالہ کو پیچھے ہٹا لیا اور پیدل فوج سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر انگریزی اور مصری سپاہی جن کے دلوں پر پہلے ہی سے ممدوی کی ہیبت چھائی ہوئی تھی بالکل وارفتہ ہو گئے۔ فوج میں بھڑی پھیل گئی اور پھر اکٹھے گئے چار کرپ توپیں پانچ لاکھ کار توں اور تین ہزار ہندو قیس عثمان دغند کے ہاتھ لگیں۔ جرنیل دیکر کے سوا تمام انگریز افسر مارے گئے۔ جرنیل دیکر تھوڑی سی پسماندہ فوج کو لئے ہوئے حال چلا سوا کن لوٹ آیا۔

محمد احمد کے حدود مملکت

جرنیل دیکر کی شکست سے مدھانیہ اور مصر میں اور بھی زیادہ تردد و انتشار پھیل گیا۔ اس کے درویشوں نے سوا کن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہاں کی حفاظت کے لیے بہت تھوڑی جمعیت رہ گئی تھی۔ کرخان اور دارفور (دارفر) ہاتھ سے نکل چکے تھے اور ممدوی کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔ مشرق کی طرف حبشہ تک سناہ کا تمام علاقہ اس میں آ گیا تھا۔ مغرب کی جانب علاقہ کرخان نران فریب اس میں شامل ہو گئے تھے۔ اور شمال مشرق کی طرف سوا کن تک اس کی سرحد جا ملی تھی۔ تھوڑے دن میں ممدوی کا ہر علاقہ الفشیر تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر وہاں کا انگریز گورنر سر سلاٹن (جسے معرب کر کے سلاٹین پاشا کہتے تھے) نہایت بدحواس ہوا خصوصاً اس لیے کہ اس کے افسروں میں بھی باغیانہ خیالات سرایت کر رہے تھے۔ وہ اس بات سے قطعاً ناایس ہو چکا تھا کہ جنگ کے ممدوی سے عہدہ برا ہو سکے گا اس لیے یہ سوچ کر کہ درویشوں میں اس کا سوخ بڑھ جائے گا اور ملک کی بد نظمی بھی دور ہو جائے گی۔ اس نے منافقانہ طریق پر دین اسلام اختیار کر لیا اور ممدوی سے اظہار عقیدت کر کے اپنا علاقہ اس کی حوالے کرنے کی درخواست کی۔ اس سے قبل اس نے ایک چٹھی مسٹر اوگل کے ہاتھ جنرل بیکس کے نام طلب امداد کے لیے بھیجی تھی لیکن جرنیل بیکس کی ہزیمت اور ہلاکت نے سلاٹن کو ناامید کر دیا۔ اوگل نے وہاں سے واپس آ کر سلاٹن کو صلاح دی کہ ممدوی کی اطاعت کر لے کیونکہ حالت اس درجہ یاس انگیز تھی کہ مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ غرض سلاٹن اور اوگل دونوں نے ممدوی کی اطاعت کر لی۔ ممدوی نے سلاٹن کا نام عبد القادر رکھا اور حکم دیا کہ وہ العبید کو آجائے۔ جہاں اس وقت تک ممدوی قابض ہو چکا تھا۔ سلاٹن حسب الحکم العبید پہنچا اور وہاں سے ممدوی کے ساتھ خرطوم کی طرف

لوٹ آیا۔ مہدی کی رحلت کے بعد اس کے خلیفہ عبداللہ نے اسے اپنے باڈی گارڈ میں متعین کر کے ام درمان میں رکھا۔ سلاطین پاشا کچھ مدت کے بعد وہاں سے چھپ کر بھاگ نکلا لیکن پھر گرفتار ہو گیا اور مدت تک درویشوں کی قید میں رہا۔ جب انگلستان اور مصر کو متواتر فوج کشی اور بے انتہا مصارف و نقصانات کے باوجود اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہوئی تو جرنیل گارڈن کو خرطوم بھیجنے کی تجویز ہوئی تاکہ وہ سوڈان میں قیام امن کی عملی تدبیر اختیار کرے اور نظر غائر سے دیکھے کہ مہدی کی روز افزوں دولت و قوت کے مقابلے میں کیا تجویز مناسب ہے۔ جرنیل گارڈن اس سے قبل سوڈان میں گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتازہ کراپی لیاقت و مستعدی کا ثبوت دے چکا تھا اور اس ملک سے اچھی طرح واقف تھا۔ جنرل گارڈن لندن سے 27 جنوری 1884ء کو روانہ ہوا اور اسے ہدایت کی گئی کہ جس طرح بن پڑے وہ تمام سرکاری فوجوں کو جو سوڈان کے مختلف حصوں میں محصور ہیں نکال لائے گو یہ نہایت پرخطر اور سخت ذمہ داری کا کام تھا لیکن گارڈن نے نہایت دلیری اور استقلال سے اس اہم کام کا ذمہ لیا۔ جرنیل گارڈن برطانیہ کی طرف سے بحیثیت بانی کشن سوڈان اور خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جنرل گارڈن نے برابر پہنچ کر آزادی سوڈان کے متعلق ایک اعلان جاری کیا اور تمام محصولات بقدر نصف کے معاف کر دیئے اور تمام باشندوں کی جرم عشی کی۔ یہاں تک کہ اہل سوڈان کو لوٹڈی غلام رکھنے اور ان کی بیع و شراکی بھی اجازت دے دی اور اسی اعلان کے ذریعہ سے محمد احمد مہدی کو سلطان دارفور (دارفر) مقرر کیا۔ اور کچھ تحائف مہدی کی خدمت میں بھیجے مگر مہدی نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ میں کفار سے کسی بخشش و عطا کار وادار نہیں۔ محمد احمد نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور سچے دین اسلام کے پیروں جاؤ جس سے تمہیں دنیا و عقبی میں سرخروئی ہو اور تمہاری لور تمہارے ساتھیوں کی جان بچے ورنہ تم سب ناحق اپنی عزیز جانیں کھو بیٹھو گے۔ اس مراسلہ کا جواب جنرل گارڈن نے یہ دیا کہ اب میں تم سے مزید خط و کلمت نہیں کر سکتا۔

خرطوم کا محاصرہ

جب جنرل گارڈن خرطوم پہنچا تو انگریزی افواج میں مسرت کی ایک غیر معمولی لہر دوڑ گئی۔ سرکاری فوجیں اس وقت سخت خطر کی حالت میں پڑی تھیں۔ نہ تو خرطوم خالی کر کے بھاگ جانے کا کوئی راستہ رہ گیا تھا اور نہ ان میں مہدی کے متوقع حملہ سے عمدہ آہونے کی طاقت تھی۔ جنرل گارڈن نے یہ پرخطر حالت دیکھ کر یقین کر لیا کہ مہدی بہت جلد خرطوم پر حملہ آور ہو کر اس کا محاصرہ کر لے گا۔ اس لیے احتیاطاً اپنے محصور ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سے اس بات کا یقین تھا کہ اگر بروقت کمک پہنچ گئی تو محاصرے سے نکل کر غنیم کا آسانی سے مقابلہ کر سکیں گے۔

غرض گارڈن نے کئی مینیجنگ کاساماں جمع کر کے شہر کے مورچوں کو مضبوط کر لیا۔ یہاں بتا دینا ضرور ہے کہ شہر خرطوم کی جائے وقوع طبعی طور پر کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک نہایت مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دو طرفیں شمال اور مغرب دریائے نیل سے محیط ہیں۔ مشرق اور جنوب کی طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہے اور شہر پناہ کے باہر ایک نہایت عمیق خندق ہے۔ قاہرہ کو جو برقی سلسلہ جاتا تھا مہدی نے 1884ء میں اسے کاٹ ڈالا۔ اس لئے آئندہ جنرل گارڈن اور اس کی فوج کے حالات پردہٴ خفا میں پڑے رہے۔ چونکہ بہت دن تک جنرل گارڈن کی کوئی خبر قاہرہ نہ پہنچ سکی اس لیے انگریزی اور مصری حلقوں میں دن بدن انتشار پھیلتا گیا۔ جب ردو نیل میں طغیانی ہوئی تو جنرل گارڈن نے بذریعہ کشتیوں کے قاہرہ سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھنے کی کوشش کی۔ اس لیے کرئل بمیل اسٹورٹ کے ہاتھ جو مسٹر پاور انگریزی سفیر اور موسیو ہرن فرانسیزی سفیر کے ساتھ جہاز عباس پر سوار ہو کر روانہ ہوا تھا اپنی بد حالی کے متعلق ایک مفصل رپورٹ قاہرہ بھیجی مگر بد قسمتی سے جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ کرئل اسٹورٹ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں سولہ ہو کر کنارہ پر لگے اور ایک موضع میں پہنچے جہاں پر گاؤں والوں نے انہیں ”فرنگی بے دین“ کا لقب دے کر قتل کر ڈالا اس طرح قاہرہ جا کر جنرل گارڈن کی داستان دردناکے والاکوئی تنفس باقی نہ رہا۔ اس اثناء میں مہدی کا لشکر خرطوم تک پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ میں لے لیا۔ جب کرئل اسٹورٹ اور انگریزی سفیر کے بارے جانے کی خبر لندن پہنچی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جرنیل گارڈن اور سرکاری افواج محصور ہیں تو انگلستان میں سخت پریشانی اور بددلی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر مسٹر گھڈ شون وزیر اعظم ہانویہ نے ایک لورڈ مملارڈوٹری کے زیرِ کمان جنرل گارڈن کی کمک کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ حکومت ہانویہ نے لارڈوٹری کو حکم دیا کہ ایک دفعہ جنرل گارڈن اور سرکاری فوج کو کسی طرح خرطوم سے صحیح و سلامت نکال لیا جائے اور اس کے بعد مہدی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ حکومت ہانویہ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ سوڈان کو خالی کر کے اس کی قسمت مہدی کے ہاتھ میں دے دی جائے اور مصر کی سرحد واوی حلقہ تک رہے۔ واقعی اس وقت یہی مناسب تھا کیونکہ مہدی کی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حکومت ہانویہ کے پاس تخلیہ سوڈان کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ انگلستان نے گذشتہ تین سال کے عرصہ میں ہزاروں جانیں گنوائیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا اور بے شمار انگریز افسر ہلاک کرائے پھر بھی جائے ترقی و اصلاح کے حالت دن بدن ابتر ہوئی۔

لارڈوٹری کی لندن سے روانگی

لارڈوٹری لندن سے روانہ ہو کر 9 ستمبر 1884ء کو اسکندریہ پہنچا اور وہاں سے قاہرہ آیا۔

جنرل اسٹیفن سن پہ سالار افواج انگریزی مقیم مصر نے یہ تجویز پیش کی کہ لارڈ ولزلی کی مہم حیرہ قلم کی راہ سے بہرگاہ ٹرنکیٹٹ پر اترے اور وہاں سے براہ سواکن ویربر ٹرطوم جائے کیونکہ سواکن سے بربر تک براہ خشکی اور بربر سے ٹرطوم تک براہ درونیل صرف چار سو اسی میل کا فاصلہ تھا۔ اور قاہرہ سے دریائے نیل میں سے ہو کر ٹرطوم جانے میں ساڑھے ہولہ سو میل کا سفر تھا۔ مگر جب لارڈ ولزلی اور جنرل اسٹیفن سن میں اختلاف رائے ہوا تو حکومت برطانیہ نے اس فیصلہ کا انحصار لارڈ ولزلی کی صواب دید پر رکھا۔ لارڈ ولزلی نے نیل کا راستہ پسند کیا لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس میں کون سے فائدے مضمر تھے۔ یہ مہم 3 نومبر کو ڈنگولہ پہنچی۔ لارڈ ولزلی نے محمد یادر حاکم ڈنگولہ کو جس نے مہدی کے حملہ کو کامیابی کے ساتھ روکا تھا کے سی ایم جی کا خطاب اور تمغہ عطا کیا۔ محمد یادر نے تمغہ پہنچتے وقت گورنمنٹ برطانیہ کا شکر یہ ادا کیا اور کہا یہ اعزاز میری حیثیت اور لیاقت سے فزول تر ہے۔ مگر جب عطائے خطاب کا جلسہ ختم ہوا تو محمد یادر نے غسل کیا اور تمام کپڑے بدل ڈالے کیونکہ اس کے اعتقاد میں اس کا جسم عیسائی کا ہاتھ لگنے سے نجس ہو گیا تھا۔ یکم نومبر 1884ء کو جنرل گارڈن کا ایک خط قاہرہ میں سر ایون لرننگ کے پاس پہنچا جو 13 جولائی کا لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں جنرل گارڈن نے لکھا تھا کہ ہم خیریت سے ہیں اور چار مہینہ تک ٹرطوم کو قبضہ میں رکھ سکتے ہیں۔ جس وقت یہ خط پہنچا چار مہینے گزر چکے تھے اس لیے اور بھی زیادہ فخر پیدا ہوئی۔ دسمبر کے اخیر میں انگریزی افواج مقام کورٹی میں پہنچ گئیں مگر چونکہ ٹرطوم ابھی بہت مسافت پر تھا اس لیے لارڈ ولزلی نے حکومت کو لکھا۔ ”یہاں سے روانگی میں اس لیے توقف ہوا کہ کافی سامان رسد کے جمع ہونے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ کیونکہ ٹرطوم کو جو عرصہ سے محصور ہے اور جس میں رسد کی سخت قلت ہے اور گرد و نواح کا سارا ملک ویران ہو چکا ہے۔ بغیر کافی سامان کے جانا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ لارڈ ولزلی نے کورٹی میں اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو کورٹی سے براہ خشکی متہ جانے اور وہاں سے کشتیوں پر سوار ہو کر ٹرطوم پہنچنے کا حکم دیا اور دوسرا نیل کی راہ سے بربر ہو کر ٹرطوم جانے کے لیے تیار ہوا۔ اول الذکر دستہ فوج میجر جنرل سر ہربرٹ اسٹورٹ کے زیر احکام روانہ کیا گیا۔ اس کی فوج کا کچھ حصہ جس میں بارہ سو سپاہی اور دو ہزار اونٹ تھے۔ کورٹی سے غد کل کو روانہ ہوا۔ اس اثناء میں لارڈ ولزلی کے پاس کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے پر جنرل گارڈن کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ پیغام پہنچا کہ ”ٹرطوم میں بہمہ وجوہ خیریت ہے۔“ (دستخط) سی جی گارڈن 14 دسمبر 1884ء) یہ تحریری پیغام محض مغالطہ دہی کے لیے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر قاصد مہدوی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو وہ سرکاری فوج کی کمزوری حالت کا احساس نہ کر سکے۔ اصل پیغام جو زبانی کہنے کے لیے قاصد کو دیا گیا تھا یہ تھا۔ ”ہماری فوج کو قلت خوراک کی وجہ سے انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ ہمارا سامان خوراک قریب بالاختتام ہے یعنی کسی قدر میدہ اور تھوڑے سے بسف رہ

گئے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ ہماری مدد کو جلد آؤ۔“ جنرل گارڈن نے اس رقعہ کے ساتھ اپنے ایک دوست کے پاس بھی ایک پیغام قاہرہ بھیجا تھا جس کے یہ الفاظ تھے۔ ”بھائی بس اب خاتمہ ہے۔ یقین ہے کہ ہفتہ عشرہ میں ہماری نئی مصیبتوں کا آغاز ہوگا۔ اگر اللہ ملک ہماری مدد کرتے تو یہ نو مہنہ نہ آتی۔“ (سی جی گارڈن)

میجر جنرل سر ہربرٹ کا مجروح ہونا

16 جنوری 1885ء کو کرمل بارڈن نے سر ہربرٹ اسٹورٹ کو اطلاع دی کہ بلو کلیہ سے شمال مشرق کی جانب پہاڑیوں پر مہدی کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اسی روز سرکاری فوج بلو کلیہ سے روانہ ہو کر تین میل کے فاصلہ پر پہنچ گئی۔ مہدی کا کیمپ وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ 17 جنوری کی صبح کو انگریزی سپاہ مہدی کے لشکر سے معرکہ آرا ہوئی۔ جس میں سر اسٹورٹ ایک زخم کاری سے بیکار ہو کر گریز اور فوج کی کمان سر چارلس ولسن نے لی۔ اس لڑائی میں جاہلین کا سخت نقصان ہوا۔ سر چارلس نے فرلوہ کیا کہ اس مقام کو محفوظ کر کے تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ دی جائے اور باقی ماندہ فوج کے ساتھ نیل کی طرف پیش قدمی کی جائے مگر مہدیوں کی آتش باری سے تمام مورچے مسمار ہو گئے اس لیے اس ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی۔ لندن کی اخبارات مارننگ پوسٹ اور اسٹینڈرڈ کے ذریعے نکار مسٹر کیمرن اور ہربرٹ بھی اس معرکہ میں کام آئے۔ 21 جنوری 1885ء کو چار مصری وغانی جہاز خرطوم کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ قاہرہ کی انگریزی فوج نے انہیں دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے۔ جہازوں کے ایک افسر نے جنرل گارڈن کا رقعہ فوج میں پھیلایا جس میں لکھا تھا۔ ”ہم خرطوم میں بالکل امن و عافیت سے ہیں اور کئی سال تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔“ (سی جی گارڈن مورخہ 29 دسمبر 1884ء) اس رقعہ سے بھی مثل سابق یہ غرض تھی کہ اگر مہدیوں کے ہاتھ لگ جائے تو اسے سپاہ انگریزی کی قوت کا مغالطہ ہو اور خط محاصرہ سے آگے بڑھ کر ایک بیک خرطوم پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ کر سکے۔ اور حقیقی پیام جو فوج ملک کے افسر اعلیٰ کو بھیجا گیا تھا یہ تھا۔ میں نے خرطوم کو چھانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا لیکن اب ماننا پڑتا ہے کہ ہماری حالت بہت نازک ہو گئی ہے اور ہمیں چاروں طرف سے یاس و قنوط نے گھیر رکھا ہے۔ میں یہ بات گورنمنٹ سے ناراضی کی بنا پر نہیں کہتا بلکہ حقیقت حال سے مطلع کیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خرطوم پر دشمن متصرف ہو گیا تو ہم کسالا پر بھی قبضہ نہ رکھ سکیں گے۔“ عبدالحمید نے جہاز بورڈین کے مصری افسر نے سر چارلس ولسن سے بیان کیا کہ محصورین کی حالت بہت نازک ہے اور جنرل گارڈن کی فوج قطعاً مایوس ہو چکی ہے۔ جنرل مذکور نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم انگریزی فوج کو سوار کر کے دس روز کے اندر اندر واپس نہ آؤ گے تو پھر ملک بھجنا ہے سو وہوگا۔ 23 جنوری کو سارا دن

روانگی کی تیاریاں ہوتی رہیں اور 24 جنوری کو چند جہاز انگریزی فوج کو سوار کر کے خرطوم کی طرف روانہ ہوئے۔

خرطوم پر ممدی کا قبضہ اور جرنیل گارڈن کا قتل

جب محاصرے نے طول کھینچا اور خرطوم میں انگریزی فوج کی حالت زیونی کے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تو اہل شہر نے جو ممدی کی حمایت کا دم بھرتے تھے ممدی کو پیغام بھیجا کہ اب سپاہ انگریزی میں دم باقی نہیں اس لیے شہر پر بغیر مزید توقف کے حملہ کر دینا مناسب ہے۔ اہل خرطوم جو انگریزی فوج کے ساتھ محاصرہ میں تھے برسر بازار انگریزوں کو گالیاں دیتے تھے۔ جنرل گارڈن سب کچھ کانوں سے سنتا مگر ارتعاش بغاوت کے خوف سے کسی پر سختی کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ غرض ممدی نے خرطوم پر حملہ کر کے توپوں کے منہ کھول دیئے اور شہر آنا فانا ایک کرہ نارمن گیا۔ خرطوم کے ایک عیسائی سوداگر ماروینی نام کا بیان ہے کہ جنرل گارڈن کو اس بات کا یقین تھا کہ مکک جلد آنے والی ہے اس لیے سپاہیوں سے آخری مرتبہ درخواست کی کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں۔ مگر افسوس کہ مکک آخر وقت تک نہ پہنچی جس شب کو ممدی نے خرطوم پر قبضہ کیا ہے اس شام کو میں نے جنرل گارڈن سے ملاقات کرنے کا قصد کیا۔ جس کی مجھے اجازت مل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دیوان خانہ میں بیٹھا ہے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو مجھ سے کہنے لگا۔ ”اب میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ سپاہی میرا ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ میں نے انہیں بارہا یقین دلایا کہ مد آنے والی ہے مگر افسوس نہ آئی اب وہ یہ سمجھ لیں گے کہ مکک کے تمام افسانے من گھڑت تھے۔ جاؤ اور جس قدر آدمی میسر ہوں انہیں ساتھ لے کر اچھی طرح مقابلہ کرو اور مجھے چرٹ چینیے دو۔ جنرل گارڈن کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سخت بدحواس ہے اس کا دل اس قدر بھر آیا تھا کہ منہ سے اچھی بات نہ نکلتی تھی۔ تفکرات کی وجہ سے اس کے تمام بال یک ایک سفید ہو گئے تھے اور جنرل گارڈن کی بے بسی دیکھ کر میری بھی کمرہمت ٹوٹ گئی تھی۔ غرض جنرل گارڈن نے اپنی شکستہ دل فوج کو ساتھ لے کر آخر مرتبہ مدافعت کی کوشش کی لیکن شکست کھائی اور دس جنوری 1885ء کی رات کو ممدی کی فوج نے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ 26 جنوری کی صبح کو جبکہ سر چارلس ولسن کے جہاز خرطوم کی طرف بڑھ رہے تھے خرطوم پر ممدوی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ممدوی فوجیں رات ہی کو شہر میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس صبح کو جنرل گارڈن نے دیکھا کہ ممدی کے جھنڈے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر کی کوٹھی) کے ارد گرد بلبند ہو رہے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا جھوم ہے لیکن کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی کسی میں جرات نہ تھی۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں کوٹھی میں سرنگ نہ لگ رہی ہو تو ٹھوڑی دیر میں چار آدمی جو نہایت قوی ہیکل تھے کوٹھی میں گھس آئے اور بہت سے دوسرے آدمی بھی ان کے پیچھے

داخل ہوئے۔ جو اشخاص بعد میں داخل ہوئے وہ چھت پر چڑھ گئے اور پہرہ کے تمام سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ چار آدمی جو پہلے داخل ہوئے تھے انہوں نے جنرل گارڈن کی طرف رخ کیا۔ قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے کہا۔ ملعون المیوم یومک (اے ملعون! آج تیری ہلاکت کا وقت آپنچا) یہ کہہ کر جنرل گارڈن کے نیزہ مارا۔ گارڈن نے داہنے ہاتھ سے روکنا چاہا اور پیٹھ پھیر لی۔ اس نے دوسرے لوگ کیا جس سے ایک مملک زخم آیا اور جنرل مذکور زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے گولہوں سے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر سلا تین پاشا کو جاد کھلایا جو ممدی کی قید میں تھا۔ سلا تین پاشا کا بیان ہے کہ 26 جنوری کی صبح کو میں نہایت بے چین تھا اور اس انتظار میں تھا۔ کہ دیکھوں پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ اس اثناء میں خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور فتح کے شادیاں جتنے گئے میرے محافظوں میں سے ایک سپاہی خبر لانے کو دوڑا گیا جس نے چند منٹ میں واپس آ کر بیان کیا کہ گذشتہ شب کو حضرت ممدی علیہ السلام نے خرطوم فوج کر لیا ہے۔ تھوڑی دیر میں تین سیاہ پوش سوڈانی میری طرف آئے۔ یہ سپاہی میرے خیمے کے قریب آٹھمیرے اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ من کے پاس کپڑے میں کوئی چیز لپی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ انہوں نے کپڑا کھول دیا اور جنرل گارڈن کا سر مجھ کو دکھلایا۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر میرا دماغ کھولنے اور کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ قریب تھا کہ میرے قلب کی حرکت بند ہو جائے مگر میں انتہائی ضبط و تحمل کے ساتھ چپ چاپ دیکھنے لگا۔ ایک سوڈانی نے گارڈن کا چہرہ میری طرف کر کے کہا کہ یہ تیرے چچا کا سر ہے جو حضرت ممدی آخر اثر علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ وہ بہادر جرنیل بہت خوش نصیب تھا جس کی موت کے ساتھ اس کے مصائب کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ سوڈانی کہنے لگا وہ خوب اب بھی تم اس ملعون کی تعریف کرتے ہو؟ تم بہت جلدی اپنی شہادت کا خمیازہ بھگتو گے۔ یہ کہہ کر وہ گارڈن کا سر لئے ہوئے وہاں سے ممدی کے پاس چلے گئے۔ جنرل گارڈن کے قتل سے انگلستان کے سیاسی مصلح پر اواسی اور غم کا لبر چھا گیا۔ اور ہر شخص گور نمٹ کو اس بات کا ملزم قرار دیتا تھا کہ اس نے اداوی مہم کے بھیجنے میں لیت و لعل سے کام لیا۔ گور نمٹ نے سر چارلس ولسن سے وجہ تاخیر کے متعلق جواب طلب کیا۔ سر چارلس نے جواب دیا کہ جب جہاز 21 جنوری کو غبات کے مقام پر پہنچے تو میری فوج متمہ میں نعیم کے ساتھ معروف پیکار تھی اور کثرت اموات کی وجہ سے فوج بہت کمزور ہو گئی تھی۔ علاوہ بریں یہ خبر پہنچی تھی کہ ممدی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ ام درمان سے آرہا ہے۔ ایسی حالت میں اس بات کا اطمینان کئے بغیر روانہ نہ ہو سکا کہ انگریزی فوج مقابلہ کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ مزید بریں اگر میں 22 جنوری کو غبات سے روانہ ہو جاتا تو بھی 26 جنوری کی دوپہر سے پہلے ہرگز نہ پہنچ سکتا۔ اور اس سے پیشتر خرطوم پر ممدی کا قبضہ ہونے کے بعد جرنیل گارڈن قتل کیا جا چکا تھا۔

جر نیل ارل کی ہلاکت

ابدادی مہم کا جو حصہ کورٹی سے براہ نیل خرطوم کو روانہ ہوا تھا اس سے کریمکان کے مقام پر ایک معرکہ ہوا جس میں جنرل ارل مارا گیا۔ جس وقت لارڈ ولزلی نے تسخیر خرطوم اور جنرل گارڈن اور جنرل ارل کے مارے جانے کی خبریں سنیں تو بعض انگریزی فوجوں کو واپسی کا حکم بھیج دیا اور بربر پہنچنے کے تمام تر ارادے فسخ کر دیئے اور حکومت انگلستان سے اس کے آئندہ ارادوں کے متعلق خط و کتابت شروع کی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ مہدی کی مزید حرقی کو روکنے کے لیے بربر پر قبضہ کیا جائے۔ غرض اس مہم کے لیے تیرہ ہزار فوج جن میں چار ہندوستانی پلٹنیں ایک ہندوستانی رسالہ اور آسٹریلیا کی ایک پلٹن بھی شامل تھی مع کثیر التعداد اونٹوں کے تیار کئے گئے اور جنرل جیرلڈ گریہم کے زیرِ نگرانی یہ مہم روانہ ہوئی۔ ان میں سے ہندوستانی فوج جنرل ہڈسن کے ماتحت تھی۔ 12 مارچ 1885ء کو جنرل گریہم نے سواکن پہنچ کر اس انگریزی فوج کی کمان لی جو وہاں پڑی تھی۔ اس فوج میں پانچ سو افسر، سو اسی ہزار سپاہی، پونے سات ہزار گھوڑے، پونے تین ہزار لونٹ، آٹھ سو فخر لور پونے تین ہزار خدمت گار لور ٹھیکہ داروں کے آدمی تھے۔ جنرل گریہم کو ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے مقدم اور اہم کام عثمان دغنه کا خاتمہ کر کے جنگل کو ریل کے لیے صاف اور بے خطر بنانا ہے۔ اس کے بعد نہایت مستعدی سے ریل کی لائن تیار کی جائے۔ 20 مارچ کو جنرل گریہم دس ہزار سپاہ کے ساتھ ہاشین کو روانہ ہوا جو سواکن کے قریب ہے یہاں مہدی کے لشکر سے ایک معرکہ ہوا۔ نتیجہ کے لحاظ سے یہ لڑائی بھی انگریزوں کے حق میں مضر ہوئی۔ اس محاذ سے پیروان مہدی کی بہادری کا تازہ ثبوت ملتا تھا کیونکہ جس وقت ہندوستانی پلٹن نکال لیٹرز نے حملہ کیا مہدی کے پیدل آدمی بلا لحاظ اس امر کے کہ ان کے مقابل سوار ہیں اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شیر شکار پر چھٹتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے معرکہ میں مہدی کے صرف ڈیڑھ سو آدمیوں نے انگریزوں کے پورے بریڈ پر حملہ کر کے اس کو نہایت کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اب جنرل گریہم نے سر جان میک نیل کے ماتحت کچھ فوج سواکن اور تمائی کے مابین فوجی کیمپ تیار کرنے کے لیے بھیجی۔ کیمپ کی حفاظت کے لیے چاروں طرف لکڑیوں کا ایک احاطہ تیار کیا گیا۔ مگر ابھی احاطہ کا تھوڑا حصہ ہی تیار ہوا تھا کہ فوجی محافظوں نے ایک بیک یہ خبر دی کہ مہدی کا لشکر آ رہا ہے۔ یہ سن کر انگریزی لشکر میں سخت ابتری اور سراسیمگی پھیل گئی۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا بلکہ جو آدمی میدان جنگ سے بھاگ کر سواکن پہنچے انہوں نے تو یہ مشہور کر دیا کہ انگریزی فوج بالکل تباہ ہو گئی ہے۔

سر جان میک نیل کی ہزیمت، ساراسوڈان مہدی کے علم اقبال میں

13 اپریل کو جنرل گریم اعلیٰ درجہ کی آٹھ ہزار انگریزی فوج لے کر تھائی کی طرف بڑھا مگر وہ عثمان دغنه کا کیمپ جلانے کے سوا کچھ نہ کر سکا اور گو انتہائی کوشش کی گئی اور فوج کی تعداد بڑھانے کی غرض سے باربرداری کی دقتیں بھی رفع کی گئیں اور سر جان میک نیل کو بھی سخت نقصان اٹھانا پڑا مگر نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلا کہ انگریزی سپاہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو جلا کر واپس آ گئی۔ کیونکہ قلت آب کی وجہ سے آگے بڑھ کر حملہ کرنا ناممکن تھا۔ غرض سر جان میک نیل کی ہزیمت اور بعد کی ناکامیوں سے انگریزوں کے دل چھوٹ گئے اور مہم سواکن اور توسیع ریلوے کی داستان ہمیں پر ختم ہو گئی۔ عثمان دغنه اس بلا کا آدمی تھا کہ اس پر قابو پانا کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ انگریز جتنی ریلوے لائن اور تار کے کھمبے تیار کرتے وہ تباہ کر جاتا۔ بالجملہ اس مہم کے افسر اعلیٰ جنرل گریم کو سوائے ندامت و شرمساری کے کچھ حاصل نہ ہوا چنانچہ اسی ناکامی کی وجہ سے لارڈ لٹل نے خود سواکن پہنچ کر مہم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن اس اثنا میں حکومت برطانیہ نے مہم سواکن کی ناکامی سے سبق آموز ہو کر مجوزہ سواکن بربر ریلوے کی تیاری کا ارادہ فتح کر دیا اور حکم دیا کہ ریلوے لائن کا ساراسامان انگلستان بھیج دیا جائے اور فوج بھی سواکن سے واپس آجائے اس لیے ریلوے کا کام بند کر دیا گیا اور تمام فوج واپس بلائی گئی۔ جس وقت اس فوج کے سامان کی آخری گاڑی روانہ ہوئی عثمان دغنه کے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا اور ازراہ تحقیق اس کے طرف چند فائر کر کے انگریزی مہم کو خیر باد کہا۔ اس نیرنگ ساز قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھو کہ وہ مغرور و پر شکوہ سلطنت برطانیہ جس کی فوجی طاقت اور جنگی حکمت عملیوں کا لوہا ساری دنیا جانتی ہے۔ اس قدر صرف اور نقصان کے باوجود مہدی کے مقابلہ میں متواتر ہزیمتیں اٹھا کر کس طرح سوڈان خالی کرنے پر مجبور ہوئی؟ حالانکہ مہدی کے پیروؤں کو نہ تو کافی سامان جنگ اور اسلحہ میسر تھے اور نہ ان کے پاس توپیں تھیں گو بعض مجاہدات میں انہوں نے ہمدوقیں بھی استعمال کیں لیکن وہ عموماً تلواروں اور نیزوں ہی سے لڑتے رہے اور انہی سے انگلستان، مصر، ہندوستان اور آسٹریلیا کی بہترین قواعد دان اور تربیت یافتہ فوجوں کے چھلکے چھڑا دیے اور ہزیمت یافتہ وہ فوجیں تھیں جن کے پاس اعلیٰ درجہ کا سامان حرب تھا اور انہیں یورپ کے ماہر ترین جرنیل لڑا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک طرف تمام دنیا کا مادی سامان جمع تھا تو دوسری طرف محض توکل علی اللہ اور جوش ایمانی کے ہتھیار تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر قائد ازل رہنمائی کرے اور خلوص نیت کا ساز ہو تو مادیت و روحانیت پر کبھی غالب نہیں آسکتی مہدی کی سلطنت چار سو میل تک بحر قلزم کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی اور اندروں ملک میں بھی اس کا علاقہ ایک طرف تو سرحد حبشہ (ابلی سینا) تک پہنچ گیا تھا اور مغرب کی جانب میدان صحرا احد

افاصل تھا پس یوں سمجھنا چاہیے کہ وادی نیل ایک ہزار میل سے زیادہ حکومت مصر سے آزاد ہو گئی اور انگلستان اور مصر کی متحدہ حریفی جدوجہد بے نوا فقراء کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوئی۔ جب سوڈان کے صدر مقام خرطوم پر عمل و دخل ہو جانے کے بعد سوڈان کی ساری مملکت محمد احمد کے زیر نگیں ہو گئی تو اس کی عظمت و سلطوت کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں جسنے لگا۔ اب محمد احمد دہریہ نشین محمد احمد نہ تھا۔ جو جزیرہ لباً میں شب و روز ذکر الہی میں مصروف رہتا تھا اور ہزار ہا مخلوق اس کا وعظ سننے آیا کرتی تھی اور فقر و فاقہ میں گزر بسر کرتا تھا بلکہ اب فقر کے ساتھ بادشاہت بھی جمع ہو گئی تھی۔ اب ممدی پر وہ زمانہ نہ تھا کہ حکومت مصر یا گورنمنٹ برطانیہ اسے باغی کا خطاب دے سکتی بلکہ اب وہ برطانیہ کی ملکہ و کٹوریہ کا ہمسرہ و قیب خیال کیا جاتا تھا اور دول یوزپ اسے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔

تعلیمات

محمد احمد تخت سلطنت حاصل کرنے کے بعد بھی شعائر الہی کا ویسا ہی پاس و لحاظ کرتا تھا جیسا کہ وہ اپنے آغاز گوشہ نشینی میں کرتا تھا۔ احکام خداوندی کی پابندی میں بڑا سخت گیر تھا۔ شراب خوار کو درے لگواتا، چوروں کے ہاتھ کٹواتا اور زانی پر بھی حد شرع جاری کرتا۔ رمضان المبارک کا اتنا احترام کرتا تھا کہ پے عذر روزہ نہ رکھنے کی سزا اس نے موت مقرر کر رکھی تھی۔ ان تعزیرات کی برکت سے چند ہی روز کے اندر ہر قسم کے فسق و فجور بد معاشی و بددیانتی کا قلع قمع ہو گیا۔ اس کے انصاف کا ایسا ڈنکہ جاکہ کوئی شخص میداد، غصب و بددیانتی میں مبادرت نہ کر سکتا تھا۔ مسجدیں مصلیوں سے معمور تھیں ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کے چرچے تھے۔ جب محمد احمد کہیں جاتا تو لوگ اس کی زیارت کے لیے دیوانہ و لڑاٹھ دوڑتے تھے۔ بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے ممدی کو سینکڑوں مرتبہ پہلے دیکھا ہو گا لیکن ان کا اعتقاد و اشتیاق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ ممدی کا رخ زیادہ دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے اور عموماً اس محراب مسجد کے قریب پہنچنے کے لیے آپس میں لڑتے بھگڑتے تھے جس میں وہ نماز پڑھتا تھا۔ ہزار بان نول کا شور خابروں سے آتا تھا کہ اب ممدی کے مسجد میں آنے کا وقت قریب ہے۔ محمد احمد کے مذہبی احکام و تعلیمات کا بیختر حصہ نظام حکومت اور فرمان شاہانہ کے زیر عنوان اوپر درج ہو چکا ہے۔ مزید تعلیمات و رجحانات ملاحظہ ہوں۔

خلاصہ تعلیمات

محمد احمد کے مسلک کا ایک بڑا حصہ اس کے منشور میں آچکا ہے۔ اس کی تعلیمات کا لب

نہیب ترک دنیا اور لذات دنیوی سے اجتناب تھا۔ اس نے ہر قسم کے القاب بر طرف کر دیئے۔ نہ نور غریب کو مساوی کر دیا اور حکم دیا کہ میرے تمام پیر و لباس میں یک رنگی اختیار کریں تاکہ دوسروں سے امتیاز کرنے میں سہولت رہے اس کا مرید خواہ امیر ہو یا غریب ایسا جبہ پہنتا تھا جس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ اس نے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کو جمع کر دیا۔ فروعی اختلافات کی صورت میں تطبیق کی کوشش کی جاتی تھی اور قدر مشترک کو لے لیا جاتا تھا نماز صبح اور عصر کے بعد ہر روز قرآن کی چند مخصوص آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں۔ اس عمل کو ”راتب“ کہتے تھے۔ وضو میں کسی قدر سہولت و تحفیف کر دی۔ بیاہ شادی کی تقریب میں برات اوز ہر قسم کے اجتماع کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ شادی کے موقع پر لوگوں کو کھانے کی دعوت نہ دی جائے۔ مہر کی مقدار بھی مقرر کر دی۔ باکرہ کا مردس ریال یا اس کا بدل مقرر کیا۔ شیبہ کا اس سے نصف ٹھہرایا حکم کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا مستحق تھا ولیمہ کا کھانا پکانے کی بھی ممانعت کی۔ اور جو کوئی اس کا مرتکب ہوتا اس کے کوڑے لگائے جاتے تھے اور اس کا مال و متاع ضبط کر لیا جاتا تھا۔ حج کعبہ کی ممانعت کر دی اور یہ ممانعت اس بنا پر تھی ہو کہ مبادا سوڈان کے باہر کے لوگوں سے اس کے پیروؤں کا خلا ملا اس کی تعلیمات اور اس کے مسلک پر اثر انداز ہو۔ جو کوئی اس کے مہدی موعود ہونے کا انکار کرتا یا شک و شبہ کا اظہار کرتا اس کا داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیا جاتا۔ فرد جرم عائد کرنے کے لیے دو گواہوں کی شہادت کافی تھی اور بعض دفعہ مہدی کا یہ کہہ دینا ہی کافی تھا کہ مجھے یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہو چکی ہے۔ محمد احمد نے ان تمام کتب کو نذر آتش کر دیا جو اس کی تعلیمات کے مخالف خیال کی گئیں۔ اس سے معلوم ہو گا کہ جہاں اس کی ذات اور اس کی تعلیمات میں بیسیوں خوبیاں تھیں وہیں مصائب و بدعات بھی موجود تھے۔ خصوصاً حج بیت اللہ سے روکنا بہت بڑی گمراہی تھی اگر یہ امتناع حج کے انکار پر مبنی تھا تو محمد احمد اپنی امت سمیت دائرہ اسلام سے خارج تھا۔

حرمین اور بیت المقدس پر عمل و دخل کرنے کا خواب پریشان

جب خرطوم فتح ہو گیا اور انگریزی فوجیں سوڈان خالی کر کے مصر چلی آئیں تو ان لوگوں کو بھی محمد احمد کے مہدی موعود ہونے کا یقین ہو گیا جو اب تک مذہب تھے کیونکہ محمد احمد کے مذہبی شہق کے ساتھ یہ حقیقت بھی ان کے پیش نظر تھی کہ اس نے کسی ایسے میدان جنگ میں شرکت نہیں کی جس میں وہ غالب نہ رہا ہو اور کسی ایسے شہر کا محاصرہ نہیں کیا جسے فتح نہ کیا ہو۔ جرجی زیدان

نے لکھا ہے کہ جب وہ سوڈان کا ملازمت حکمران ہو گیا تو ڈیٹلیں مارنے لگا۔ کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وحی الہی کے حکم سے کرتا ہوں اور کتا تھا کہ عنقریب مشرق و مغرب میں میری حکومت و سلطوت پھیل جائے گی اور روئے زمین کے طوک و سلاطین میرے سامنے اطہار و نیاز مندی کریں گے۔ اس نے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ میں عنقریب مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کروں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا۔ اس وقت میرا پیاناہ حیات لبریز ہو جائے گا اور کوفہ میرا مدفن بنے گا۔ لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ فتح خرطوم کے چند ہی ماہ بعد وہ بخاریا چچک میں مبتلا ہوا اور 21 جون 1885ء کو ملک عدم کی روانگی کے لیے اس کے پاس اجل کا حکم آپہنچا۔ اس وقت اس کی عمر کلیم 37 سال کی تھی۔ وفات کے وقت اس کے تینوں خلفاء اور تمام اعیان دولت موجود تھے۔ جب محمد احمد کو یقین ہوا کہ اب دنیا سے کوچ ہے تو حاضرین کو پست آواز میں کہنے لگا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور میں عبد اللہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جس طرح میری اطاعت کی تھی اسی طرح تمام لوگ عبد اللہ کی اطاعت کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے جان شیریں جہان آفرین کے سپرد کر دی۔ اس واقعہ سے شہر میں کھرام مچ گیا اور لوگ چیخنے چلانے لگے۔ عبد اللہ نے لوگوں کو نالہ و بکا سے منع کیا۔ اور کہا شریعت مطہرہ نے میت پر رونے کی ممانعت فرمائی ہے اور رونے کی درحقیقت کوئی بات بھی نہیں کیونکہ حضرت مدی علیہ السلام تو اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے مولیٰ کی دید کے لیے دار دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہزار ہا آدمی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہو گئے۔ محمد احمد کے ایک قرابت دار احمد بن سلیمان نے اسی پلنگ کے نیچے قبر کھدوائی جس پر اس نے اپنی عزیز جان ملک الموت کے سپرد کی تھی۔ مدی کا مقبرہ ام درمان کی بہترین سنگین عمارت ہے مگر انگریزی گولہ باری سے بہت کچھ شکستہ اور بد نما ہو گیا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد خلیفہ عبد اللہ کے ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔ پھر خرطوم سے لا کر دریائے نیل کے کنارے جمع کئے گئے تھے اس موقع پر قریباً تیس ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی خلیفہ اس انبوہ کثیر کے ساتھ نیل کے کنارے گیا جہاں پتھروں کے ڈھیر لگے تھے۔ پہلے خلیفہ ایک پتھر مونڈھے پر اٹھا کر قبر کے پاس لایا اس مثال کی پیروی کرتے ہوئے ہر شخص تبر کا ایک ایک پتھر اٹھالانے کے لیے اٹھ دوڑا۔ اس انفرادی تقریر میں بہت لوگ زخمی ہوئے لیکن مجروحین نے اس تقریب میں صدمہ برداشت کرنے کو اپنی سعادت سمجھا۔ مدی نے اپنے خلیفہ کو وصیت کی تھی کہ جس طرح بن پڑے انگریزوں کو مصر سے نکال دینا۔ چنانچہ خلیفہ اپنے مخدوم و مطاع کے حکم کے بموجب دو مرتبہ مصر پر حملہ آور ہوا لیکن دونوں مرتبہ ناکام واپس جانا پڑا۔ مدی کی وفات کے چودہ سال بعد یعنی 1899ء تک انگریزی مصری افواج سے خلیفہ کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کا نتیجہ خلیفہ کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہوا۔ ان محاربات کی وجہ سے اس کی قوت و ن بدن روز و روال ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ انجام کار لارڈ کچز نے سوڈان کو دوبارہ فتح کر کے وہاں انگریزی مصری پرچم بلند کر دیا

محمد احمد کی ممدویت کے انکار کی سزا

محمد احمد کی زندگی میں اس کی خانہ ساز ممدویت کے انکار کی سزا ایسی سنگین نہیں تھی جتنی کہ خلیفہ عبداللہ کے عہد سلطنت میں ہو گئی۔ عبداللہ کی عملداری میں ممدویت کا انکار اور قتل عمد دونوں مساوی جرم تھے۔ بلکہ ممدویت کا انکار ایک حیثیت سے قتل عمد سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ اگر قاتل مقتول کے درمیان کو خون بہا دے کر راضی کر لیتا تھا تو قاتل کی جان بخشی کر دی جاتی تھی لیکن محمد احمد کی ممدویت کا انکار بالکل ناقابل عفو جرم خیال کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مسلمان ملاج نے دار الخلافہ ام درمان میں کسی درویش کے سامنے کہا کہ محمد احمد سچا ممدی نہیں تھا کیونکہ سچے ممدی علیہ السلام کے جو علامات و خصائص احادیث نبویہ میں مروی ہیں وہ اس میں نہیں پائے جاتے تھے۔ درویش نے خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایت کر دی۔ ملزم جھٹ گرتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا گیا۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ واقعہ کا گواہ صرف ایک تھا جس کے بیان پر سزا نہیں دی جاسکتی تھی۔ خلیفہ عبداللہ نے قاضی کو بلا کر واقعہ بیان کیا اور پوچھنے لگا کہ شاہد نہ ہونے کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ قاضی نے کہا۔ میں شہادت کا انتظام کر لیتا ہوں۔ چنانچہ قاضی نے دو آدمی سکھا پڑھا کر قید خانہ میں بھیج دیئے وہ جا کر ملزم سے کہنے لگے کہ تمہارے انکار کے گواہ موجود ہیں اور تم کسی طرح سزا سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں اس صورت سے مخلصی پاسکتے ہو کہ ہمارے سامنے صاف لفظوں میں اپنے جرم کا اقرار کر لو۔ اور اپنی حرکت شنیعہ پر اظہار افسوس کرو۔ وہ پچھارہ نہیں جانتا تھا کہ یہ محض اس کے پھانسنے کا جال ہے اس نے ان کے سامنے اقبال جرم کر لیا اور پھر بعینت کہنے لگا کہ جا کر میرے لیے خلیفہ سے معافی مانگو اور جرم بخشی کر دو۔ جب شہادت مکمل ہو گئی تو خلیفہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے ملزم سے کہا کہ اگر تم نے میری توہین کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا مگر تم نے حضرت ممدی علیہ السلام کو جھوٹا خیال کیا اس لیے تمہیں کسی طرف معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اب طبل بجنے لگا اور اعلان کیا گیا کہ سب لوگ میدان میں آکر منکر ممدی کا عبرت ناک انجام دیکھ لیں۔ تمام اہل شہر میدان میں امنڈ آئے۔ اس کے بعد بھیڑ کی کھال زمین پر چھائی گئی۔ عبداللہ اس پر بیٹھ گیا۔ قاضی بھی آگئے۔ اب ملزم کو لا کر عبداللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے لیکن ملزم بالکل مطمئن تھا اور اس سے خوف و ہراس کی کوئی ادنی علامت بھی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ آخر اسے خلیفہ کے سامنے سے ہٹا کر سو قدم کے فاصلہ پر لے گئے اور احمد والیہ نام جلا دینے اس کی گردن مار دی۔ 133 - انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا شہید مظلوم پر اپنی رحمت کا یز بر سائے۔ آمین

لاش سے انتقام جوئی

میان کیا جاتا ہے کہ لارڈ کچر فاتح سوڈان نے تسخیر ام درمان کے بعد ممدی کی قبر اور لاش

سے اور ممدی کے مجروح پیروؤں سے نہایت وحشیانہ انتقام لیا۔ محمد احمد کا مقبرہ جو ایک نہایت قیمتی سنگین عمارت تھی اور تمام براعظم افریقہ میں اعلیٰ درجہ کی عمارتوں میں شمار ہوتی تھی تو پوں سے اڑایا گیا۔ اس کے مرتفع گنبد پر گولہ باری کی گئی۔ چار دیواری آتش باری کی نذر کی گئی۔ قبر کھدوا کر ممدی کی نعش سے جنرل گارڈن کے خون کا انتقام لیا گیا اور سر کاٹ کر جنرل گارڈن کے بچے کو دیا گیا جو اس وقت انگریزی فوج میں افسر تھا۔ اور ممدی کی نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھینک دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لارڈ کچر کی جگہ دنیا کا کوئی اور بہادر اور بہادری کا قدر شناس سپہ سالار ہوتا تو وہ ممدی جیسے متہور و شجاع آدمی کی قبر پر جو خاک مذلت سے اٹھ کر آنا فانا سارے ملک کا فرمانروا بن گیا تھا زور جو اہر نچھاور کرتا اور اس کے سامنے ادب و تعظیم سے جھکتا لیکن برطانیہ کے سب سے ممتاز قائد نے اپنی شجاعت و جوانمردی کا یہ ثبوت پیش کیا کہ جس شخص کی زندگی میں اس پر کوئی بس نہ چلا تھا اس کی وفات کے بعد اس کی لاش سے انتقام لے کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جرم نا آشنا باشندگان ام درمان سے قرآن مقدس اور تمام دوسری کتابیں چھین لی گئیں اور متواتر تین دن تک شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ ممدی کا دھینڈا جو دامن کوہ میں تھا اور اس میں قریباً بیس لاکھ روپیہ نقد جمع تھا نکال لیا گیا اور کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو غریب سوڈانیوں پر توڑا نہ گیا ہو۔ اس طرح کننمپوری ریویو کے فوجی نامہ نگار مسز ای این بینینٹ کے بیان کے بموجب سینکڑوں ہزاروں زخمی میدان جنگ میں پڑے رہے اور مرہم پٹی کر کے ان کی جان بچانے کی کوشش نہ کی گئی اور نہ صرف یہ بلکہ اکیسویں لیسر زپلین کی ایک کمپنی کو حکم دیا گیا کہ تمام ممدوی زخمی جو رستہ میں ملیں موت کے گھاٹ اتار دیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ان تمام مجروح درویشوں کو جو زمین پر پڑے کراہ رہے تھے برچھوں، تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے باز زندگی سے سبکدوش کیا گیا۔ 134- لیکن اگر دردندگی و بربریت کے یہ الزام صحیح ہیں تو میرے نزدیک یہ لارڈ کچر کا ذاتی فعل تھا۔ برطانوی حکومت اور انگریزی قوم اس کی کسی طرح جواب دہ نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ لارڈ کچر کی مراجعت لندن کے بعد خود انگریزی قوم کے حساس افراد نے لارڈ کچر پر نہایت سختی سے اعتراض کئے تھے اور کچر نے ان کے جواب دے کر اپنی براءت کی کوشش کی تھی چنانچہ سر جارج آر تھر کتب ”لائف آف لارڈ کچر“ میں لکھتے ہیں کہ انگلستان میں نام نہاد ”ہمدردان بنی نوع“ نے لارڈ کچر پر الزام لگانے کے اس نے سواکن اور ام درمان میں لوگوں پر ظلم توڑے لو سخت گیری کی۔ بڑے بڑے الزامات یہ تھے کہ اس نے اختتام جنگ کے بعد زخمی درویشوں کو قتل کرایا۔ ممدی کی قبر کو مسکریہ اور اس کی ہڈیوں کو نکال لیا۔ لارڈ کچر نے ان الزامات کے جواب میں ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا کہ مجھ پر یہ الزام عائد کئے گئے ہیں۔

ایسے وقت میں غیر مسلح درویشوں کی جان لی جب کہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

(2) ام درمان پر قبضہ ہو جانے کے بعد وہاں تین دن تک لوٹ مار جاری رکھی گئی۔

(3) جب فوجیں تیزی کے ساتھ ام درمان کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنگی جہازوں نے بازلروں کے پتہ گیر مجموعوں پر آتشباری کی۔

(4) مددی کی لاش اکھیری گئی۔

لیکن یہ تمام اثرات غلط ہیں۔ اس کے بعد کچھ نے لارڈ سائمری کو لکھ بھیجا کہ جنگ ام درمان کے بعد میں نے سیاسی مصالغ کی بنا پر یہی مناسب خیال کیا کہ مددی کا مقبرہ جو زیارت اور مجنونا نہ جذبات کا مرکز ہے تباہ کر دیا جائے۔ خود گولہ بادی کی وجہ سے مقبرہ اس خطرناک حالت میں تھا کہ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو اس سے نقصان جان کا اندیشہ تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر ام درمان سے فشو دا جاتے وقت مقبرہ کو تباہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ کام میری غیبت میں انجام پذیر ہوا۔ مددی کی ہڈیاں دریائے نیل میں پھینک دی گئیں۔ البتہ انہوں نے کھوپڑی کو محفوظ رکھ چھوڑا جو میری مراجعت پر میرے سامنے پیش کی گئی۔ اس کے بعد لارڈ کچھ نے لکھا کہ تسخیر ام درمان کے بعد مجھے مصری افواج کے مسلمان افسروں نے مشورہ دیا تھا کہ مددی کی لاش کو منتقل کر دینا مناسب ہے کیونکہ ایسا نہ کیا گیا تو سوڈانی جملاء سمجھیں گے کہ مددی کے تقدس نے ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد لارڈ کچھ نے لکھا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جو اس ملک (انگلستان) میں رہتا ہے اس اقدام سے غیر مطمئن نہ ہوگا کہ ہم نے مددی کی ساری طاقت کھینچنے کے ساتھ اس کے مذہب کو بھی بچ دین سے اٹھا دیا۔ 135۔ لارڈ کچھ کا یہ فعل محمود تھا یا مذموم مگر خدائے قاہر کی قدرت قبرمان نے بہر حال اس کا خوب انتقام لیا۔ مددی سوڈانی تو چودہ سال تک ایک گنبد عالی کے نیچے دفن رہنے کے بعد سپرد نیل ہوا تھا لیکن کچھ کو ایک منٹ کے لیے بھی مادر گوری کی آغوش میں استراحت کرنا نصیب نہ ہوا۔ اگر محمد احمد کی ہڈیاں دریائے نیل میں جس کا پانی شیریں و خوشگوار ہے ڈالی گئیں تو کچھ کی لاش تلخ پانی کی نذر ہوئی۔ 136۔ کچھ کی غرقابی کے وقت مددی سوڈانی کی روح نے کچھ سے جو خطاب کیا اس کو علامہ ذاکر محمد اقبال کی زبان سے سنئے۔ ”جاوید نامہ“ میں لکھتے ہیں۔

گفت اے کچھ اگر داری نظر
انتقام خاک درویشے مگر
آسمان خاک ترا گورے نہ داو
مرقدے جز دریم شورے نہ داو

مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد بن حکیم غلام مرتضیٰ موضع قادیاں تحصیل منالہ ضلع گورداسپور (پنجاب) کا رہنے والا تھا۔ مغل خانہ ان کا چشم و چراغ تھا۔ 1839ء یا 1840ء میں پیدا ہوا۔ میں جو شتر ”رئیس قادیاں“ کے نام سے ایک مبسوط کتاب مرزا غلام احمد کے سوانح حیات میں لکھ چکا ہوں اس لیے یہاں ایجاز و اختصار سے کام لیکر اجمالی تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔

اس شخص کے دعووں کی کثرت و تنوع کا یہ عالم ہے کہ ان کا استقصاء اگر دوسروں کے لیے نہیں تو کم از کم میرے لیے بالکل محال ہے تاہم سطحی نظر سے قادیانی کے جو دعوئے اس کی کتابوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تعداد چھبیس تک پہنچتی ہے۔ میں نے دو ایک دعوئے جو سب سے زیادہ دلچسپ تھے۔ اس خیال سے قلم انداز کر دیئے کہ مبادا خلیفہ اسحٰم میاں محمود احمد صاحب کی خاطر اطہر پرگراں گزریں۔ باقی چوراسی دعوئے ہدیہ ناظرین ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ”میں محدث ہوں، امام الزمان ہوں، مہدی ہوں، مصلح مسیح ہوں، مریم ہوں، مسیح، موعود ہوں، ملہم ہوں۔ خاتم الاولیاء ہوں۔ حامل وحی ہوں۔ مہدی ہوں۔ حارث موعود ہوں۔ راجل فارسی ہوں۔ سلطان ہوں۔ چینی الاصل موعود ہوں۔ خاتم الانبیاء ہوں۔ خاتم الخلفاء ہوں۔ حسین سے بہتر ہوں۔ حسین سے افضل ہوں۔ مسیح، ابن مریم سے بہتر ہوں۔ یسوع کا اہلی ہے۔ رسول ہوں، مظہر خدا ہوں۔ خدا ہوں، مانند خدا ہوں، خالق ہوں، نطفہ خدا ہوں۔ خدا کا بیٹا ہوں، خدا کا باپ ہوں۔ خدا مجھ سے ظاہر ہوا اور میں خدا سے ظاہر ہوا ہوں۔ تشریحی نبی ہوں۔ آدم ہوں، شیث ہوں، نوح ہوں، ابراہیم ہوں، اسحاق ہوں، اسماعیل ہوں، یعقوب ہوں، یوسف ہوں، موسیٰ ہوں، داؤد ہوں، عیسیٰ ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا مظہر اتم ہوں۔ منجی ہوں، ظلی طور پر محمد (ﷺ) اور احمد ہوں۔ موتی ہوں، حجر اسود ہوں۔ تمام انبیاء سے افضل ہوں، ذوالقرنین ہوں، احمد مختار ہوں، بھارت اسد احمد (ﷺ) کا مصداق ہوں۔ میکائیل ہوں۔ بیت اللہ ہوں۔ ردر گوپال یعنی آریوں کا بادشاہ ہوں۔ کلہی اوتار ہوں، شیر ہوں۔ شمس ہوں، قمر ہوں، مچی ہوں، معیت ہوں۔ صاحب اختیارات کن فیكون ہوں۔ کاسر الصلیب ہوں، امن کا شاہزادہ ہوں۔ جبری اللہ ہوں۔ برہمن اوتار ہوں، زسل ہوں، اشیع الناس ہوں۔ مجنون مرکب ہوں۔ داعی الی اللہ ہوں۔ سراج منیر ہوں۔ متوکل ہوں، آسمان اور زمین میرے ساتھ ہیں۔ وجیہہ حضرت باری ہوں۔ زائد الجہ ہوں، مچی الدین ہوں، مقیم الشریعہ ہوں۔ منصور ہوں، مراد اللہ ہوں، اللہ کا محمود ہوں (یعنی اللہ میری تعریف کرتا ہے) نور اللہ ہوں۔ رحمۃ للعالمین ہوں۔ نذیر ہوں۔ منتخب کائنات ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا تخت سب سے

لو پڑھایا گیا۔ میں وہ ہوں جس سے خدا نے بعیت کی۔“ فرض دنیا جہان میں جو کچھ تھا مرزا تھا۔
لیکن سوال یہ ہے کہ

یوں تو میدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو مسلمان بھی ہو
تم بھی کچھ ہو بناؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ادھوری تعلیم اور اس کا انجام

مرزا غلام احمد کے یام طفولیت میں اس کے والد حکیم غلام مرتضیٰ صاحب قصبہ ہالہ میں مطب کرتے تھے اور غلام احمد بھی باپ ہی کے پاس ہالہ میں رہتا تھا۔ اس نے چھ سات سال کی عمر میں قرآن پڑھنا شروع کیا۔ قرآن مجید کے بعد چند فارسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ابھی تیرہ چودہ سال ہی کی عمر تھی کہ باپ نے شادی کے بعد محرم میں بھڑویا۔ یہ پہلی بیوی قادیانی کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھی۔ یہ وہی حرمہ بنتی خانی بہار مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں جنہیں قادیانی نے سزا کر رکھا تھا۔ کبھی ہنہ نقتہ دیا اور نہ طلاق دے کر یہی بھاری کی گلو خلاصی کی۔ ابھی سولہ سال ہی کی عمر تھی کہ غلام احمد کے گھر میں مرزا سلطان احمد متولد ہوئے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں والد نے غلام احمد کو گل علی شاہ ہالوی ہم ایک مدرسے کے سپرد کر دیا جو شیعہ اللذہب تھے۔ ان کی شاگردی میں منطق اور فلسفہ کی چند کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بس یہی قادیانی کی ساری علمی بساط تھی۔ تفسیر ’معدیہ فقہ اور دوسرے دینی علوم سے قطعاً محروم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیکارہ ”نیم ملا خطرہ ایمان“ کے درجہ سے ترقی نہ کر سکا۔ ورنہ اگر صحاح ستہ نہیں تو کم از کم مشکوٰۃ شریف ہی باقاعدہ کسی استاد سے پڑھ لی ہوتی تو اس کے دین میں شاید اتنا ثور نہ پیدا ہو سکتا۔ جس قدر کہ بعد میں مشاہدہ میں آیا۔ منطق و فلسفہ کی چند کتابوں کے تعلم کے بعد والد نے طب کی چند کتابیں پڑھائیں۔ مگر چونکہ علم طب کی بھی تکمیل نہ کی اس فن میں بھی مشکل ”نیم حکیم خطرہ جان“ ہی کی حیثیت اختیار کر سکا۔ ورنہ اگر اسی فن میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی ہوتی تو ایک معقول ذریعہ معاش ہاتھ آجاتا اور آئندہ تقدس کی دکان کھول کر خلق خدا کو گمراہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ان ایام میں قادیان کے مغل خاندان کو حکومت کی طرف سے سات سو روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد اپنے عم زاد بھائی ہرزالام الدین کے ساتھ پنشن لینے کے لیے گورداسپور گیا۔ سات سو روپیہ وصول کرنے کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ ذرا لاہور اور امرتسر کی سیر کر آئیں۔ دونوں بھائی امرتسر اور لاہور آکر سیر و تفریح میں مصروف رہے۔ باوجودیکہ بوالرزانی کا زمانہ تھا سات سو روپیہ کی رقم ظہیر چھ روز میں ملا دی۔ حالانکہ متعدد گھرانوں کی معیشت کا مدار اسی پنشن پر تھا۔ رقم تلف کرنے کے بعد غلام احمد نے سوچا کہ قادیان جا کر والدین کو کیا منہ دکھاؤں گا یہاں سے

بھاگ کر سیالکوٹ کا رخ کیا۔

سیالکوٹ کی ملازمت مختاری کا امتحان

سیالکوٹ میں اس کا ایک ہندو دوست لالہ بھیم سین جو بنالہ میں ہم سبق رہ چکا تھا موجود تھا۔ مرزا کو لالہ بھیم سین کی سعی و سفارش سے سیالکوٹ کی ضلع پکھری میں دس پندرہ روپیہ ماہانہ کی نوکری مل گئی۔ چند سال نشی گری کی ملازمت میں بسر کئے۔ آخر ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اس کا دوست لالہ بھیم سین مختاری کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے اس نے بھی مختاری کا امتحان دینے کا قصد کیا۔ چنانچہ اسی دن سے تیاری شروع کر دی۔ لیکن جب امتحان ہوا تو لالہ بھیم سین کامیاب اور مرزا غلام احمد ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد شاید خود بخود نشی گری کی نوکری چھوڑ کر قادیان کو مراجعت کی۔ چونکہ قانون کا مطالعہ کیا تھا۔ باپ نے اہل پا کر اسے مقدمہ بازی میں لگا دیا۔ آٹھ سال تک مقدموں کی پیروی میں پکھیوں کی خاک چھانتا پھرا۔ بزرگوں کے دیہات خاندان کے قبضہ سے نکل چکے تھے اور مقدمہ بازی کے باوجود واپس نہ ملے تھے۔ اس لیے حزن و ملال رنج و اضطراب ہر وقت مرزا غلام مرتضیٰ کے رفیق زندگی بنے ہوئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر مرزا غلام احمد رات دن اسی خیال میں غلطان و پچان رہتا تھا کہ خاندانی زوال کا مداوا کیا ہو سکتا ہے اور ترقی و عروج کی راہیں کیونکر کھل سکتی ہیں؟ ملازمت سے وہ سیر ہو چکا تھا۔ مختاری کے ایوان میں باریابی نہ ہو سکی تھی۔ فوج یا پولیس کی نوکری سے بھی بوجہ قلت مشاہرہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تجارتی کاروبار سے بھی قاصر تھا کیونکہ اس کو چہ سے تابلہ ہونے کے علاوہ سرمایہ بھی موجود نہ تھا۔ اب لے دے کے نقد س کی دکان آرائی ہی ایک ایسا کاروبار رہ گیا تھا جسے غلام احمد زرطلبی کا وسیلہ بنا سکتا تھا اور یہی ایک ایسا مشغلہ تھا جس کی زرپاشیاں حصول عز و جاہ کی کفیل ہو سکتی تھیں۔ اس دکان آرائی کا بڑا محرک یہ تھا کہ ان دنوں میں قادیان کے گرد و نواح میں چند بزرگ بستنیوں کی طرف بڑا رجوع خلائق تھا۔ مثلاً قصبہ بنالہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ پیر سید ظہور الحسن اور پیر سید ظہور الحسین صاحبان اقاؤہ غلط میں مصروف تھے۔ موضع رتر چھتر میں پیر سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی مسند آرا تھے۔ اسی طرح موضع مسانیاں میں بھی ایک بڑی گدی تھی۔ ان حضرات کو مرجع اتام و کجہ کر مرزا غلام احمد کے منہ سے بھی رال ٹپک رہی تھی کہ جس طرح بن پڑنے مٹخت اور پیری مریدی کا کاروبار جہنی کرنا چاہیے۔

لاہور میں مذہبی چھیٹر چھاڑ

غلام احمد ابھی اسی ادھیڑ میں تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ اس کے چھٹے کے رشتہ دار

مکتب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب ہالوی جو دہلی میں مولانا نظیر حسین صاحب (معروف بہ میاں صاحب) سے حدیث پڑھ کر چند روز پیشتر لاہور اقامت گزین ہوئے تھے۔ ہالہ آئے ہیں۔ غلام احمد نے ہالہ آکر ان سے ملاقات کی اور کہا میری خواہش ہے کہ قادیان چھوڑ کر کسی شہر میں قسمت آزمائی کروں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر لاہور کا قیام پسند ہو تو وہاں میں ہر طرح سے تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ قادیانی نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ غیر اسلامی ادیان کے رد میں ایک کتاب لکھوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا۔ ہاں یہ مبارک خیال ہے لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب مشکل سے فروخت ہوتی ہے۔ مرزا نے کہا کہ حصول شہرت کون سا مشکل کام ہے؟ اصل مشکل یہ ہے کہ تالیف و اشاعت کا کام سرمایہ کا محتاج ہے اور اپنے پاس روپیہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم لاہور چل کر کام شروع کرو اور اس مقصد کو مشتہر کرو میں بھی کوشش کروں گا۔ حق تعالیٰ مسبب الاسباب ہے لیکن یہ کام قادیان میں رہ کر نہیں ہو سکتا۔ غرض لاہور آنے کا مہم لرلوہ ہو گیا۔ مرزا غلام احمد نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کے بموجب اپنے مستقل کاجو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں سے الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج و تکدر برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب ہالوی اس وقت ”اہل حدیث“ کی مسجد چینیوں لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا نے لاہور آکر انہی کے پاس مسجد چینیوں میں قیام کیا اور شب و روز تختہ السنہ، تختہ النود و خلعت النود اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگا۔ جب ان کتابوں کے مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہو گئے تو پہلے آریوں سے چیمبر خانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کے مقابلہ میں بل من مبارز (کوئی مقابلہ کریگا؟) کا نعرہ لگایا۔ ان ایام میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا تھا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی تکبریں ہونے لگتی تھیں غرض اسلام کا یہ پہلو ان ہر وقت کشتی کے لیے جوز کی تلاش میں دہتا تھا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے پہلوانی کمال دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی۔ قادیانی اپنے مجبولوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادمین اور نمائندہ اسلام ظاہر کرتا تھا اور نہ تو ابھی تک کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور نہ الحاد و ندقہ کے کوچہ میں قدم رکھا تھا۔ اس لیے ہر خیال و عقیدہ کا مسلمان اس کا حامی و ناصر تھا۔ چند ماہ تک مجاہدانہ ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا غلام احمد قادیان چلا گیا اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ و مناظرہ کے نمائش پہنچ دینے شروع کئے۔ چونکہ بحث مباحثہ مقصود نہیں تھا۔ بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی اس لیے آریہ لوگوں کے شرائط کے مقابلہ میں بالکل

کھینے گھڑے کا مصداق بنا ہوا تھا۔ ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بطلانف الحیل نال جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا کے مجموعہ اشتہارات موسومہ ”پہ تبلیغ رسالت“ کی جلد اول کے ابتدائی اور ابق کا مطالعہ کر جاؤ۔

الہام بازی کا آغاز

اب مرزا نے ان جھگڑوں قضیوں کو چھوڑ کر الہام بازی کی دنیا میں قدم رکھا اور اپنے ملہم و مستجاب الدعوات ہونے کا پروپیگنڈا شروع کیا۔ شہرت تو پہلے ہی ہو چکی تھی اہل حاجات کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ مرزا جس بالا خانہ میں بیٹھ کر یالیٹ کر الہام سوچا کرتا تھا اس کو بیعت الفکر (سوچنے کی جگہ) سے موسوم کیا تھا۔ ان دنوں الہام کی آمد بہت تھی اور ان کا یادر کھنا دشوار تھا۔ اس لیے اپنے الہام ساتھ ہی ساتھ ایک پاکٹ میں نوٹ کر لیتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک بڑے حجم کی کاپی بنائی اور ایک دوڑوہ سالہ ہندو لڑکے کے نام لال کو الہام نویسی کے لیے نوکر رکھ لیا۔ گادیانی الہام لکھو اگر اس پر شام لال کے دستخط کر لیتا تھا۔ تاکہ وہ بوقت ضرورت الہام نازل ہونے کا گواہ رہے۔ یہ لڑکا نہایت سادہ لوح تھا۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر ایک سادہ لوح پنجاب ہندو لڑکے کو شاید اس لیے انتخاب کیا کہ موسم کی ناک سن کر رہے اور اس سے ہر قسم کی شہادت دلائی جاسکے۔ ان دنوں میں لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوہل نام گادیوں کے دو ہندو مرزا کے مرید خاص اور رات دن کے حاشیہ نشین تھے۔ اب معتقدین کا بھی جمعہ ہونے لگا۔ خوشامدی مفت خور سے جہاں جہاں ملانے والے بھی ہر طرف سے امنڈ آئے۔ لنگر جہادی کر دیا گیا۔ تاکہ ہر شخص الہامی کے مطیع سے کھانا کھا کر جائے اور شہرت و نمود کا باعث ہو چونکہ مستجاب الدعوات ہونے کے اشتہاروں نے اور اس سے پیشتر لاہور کے مناظروں اور اشتہار بازی نے پہلے سے بام شہرت پر پہنچا رکھا تھا۔ نذر و نیاز اور چڑھاؤں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ رجوعات و فتوحات کا نقل آرزو بدآور ہو ہور تمنلوں کی کشت زار لہلماتی نظر آئی۔ اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں کیں۔ گادیوں کا لہجہ ہر ایک کو کسی جواب دینا تھا کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس وقت تک ممبر کرو جب کہ اس بارے میں حکم خداوندی آپہنچے۔

براہین احمدیہ کی تدوین و اشاعت

مرزا کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جس پر مرزائیوں کو یواناز ہے کتاب ”براہین احمدیہ“ ہے۔ یہ 562 صفحات کی کتاب ہے جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس ضخامت اور اس

موضوع کی کتاب چھ سات مہینہ میں مہسولت لکھی جاسکتی ہے لیکن مؤلف علام پہلے تو کئی سال تک اس کا مواضع کرنے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد 1879ء سے کرکئی سال کی مزید مدت اس کی تالیف و تدوین کی نذر کر دی۔ 1880ء میں پہلے دو حصے شائع کئے۔ 1882ء میں تیسرا حصہ طبع ہوا۔ اور 1884ء میں چوتھا حصہ۔ اس طرح کتاب کے چار حصوں پر جو 562 صفحات پر مشتمل ہے چھ سال سے زیادہ عرصہ لگا۔ 136۔ حالانکہ ان صفحات پر جنہیں حصہ اول سے تعبیر کیا گیا کوئی علمی مضمون نہیں بلکہ صرف دس ہزار روپیہ کا انعام اشتہار۔ نہایت جلی حروف میں پھیلا کر لکھوادیا اور اسی کو صفحات اور حصص کی تعداد بڑھانے کے لیے پہلا حصہ قرار دے لیا اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تحقیق کو دخل ہے۔ مرزا غلام احمد نے اس کتاب میں اپنی کاوش طبع سے ایک حرف بھی نہ لکھا بلکہ جو کچھ زیب راقم فرمایا وہ یا تو علمائے سلف کی کتابوں سے اخذ کیا یا علمائے معاصرین کے سامنے کاغذ گدائی پھرا کر ان کی علمی تحقیقات حاصل کر لیں۔ اور قادیان کے ”سلطان القلم“ نے انہی کو بے حوالہ زینت قرطاس بنا لیا۔ 137۔ ابھی یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ مرزا نے اس کی طباعت میں امداد دیئے جانے کے لیے بے پناہ پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ مرزا نے اپنے اشتہارات میں وعدہ کیا تھا کہ غیر مسلم اقوام میں سے جو کوئی اس کتاب کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اسلامی روایات میں جوئے کا یہ پہلا واقعہ تھا جو یورپ کی تقلید سے مذہب کے نام پر کھلا گیا۔ البتہ اتنی ہوشیاری کی کہ شرطی جوئے کو انعام کے نام سے موسوم کر کے بے خبروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ دس ہزار روپیہ انعام کا وعدہ پڑھ کر مسلمانوں نے یقین کیا کہ واقعی اسلام کی تائید میں یہ کوئی بہت بڑا تو پیمانہ ہو گا جو اغیار کے مذہبی قلعوں کو پاش پاش کر دے گا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے روپیہ کی بارش شروع ہو گئی اور مرزا کا دل اپنی اسکیم کی کامیابی پر کنٹرل کیے پھول کی طرح کھل گیا۔ حریص تاجروں کا جذبہ حرص و آرز قلیل نفع سے تسکین نہیں پاتا لیکن ہمارا مرزا ایسا تاجر تھا جو کثیر نفع پر بھی مطمئن نہ ہوا۔ کتاب کی قیمت پہلے پانچ روپے رکھی تھی جب دھڑا دھڑا روپیہ آنا شروع ہوا تو قیمت پانچ کی جگہ دس روپے کر دی اور صرف یہی نہیں کہ لوگوں سے پیشگی قیمت وصول کی گئی بلکہ والیان ریاست اور اغنیاء سے فی سبیل اللہ امداد کرنے کی بھی درخواستیں کیں۔ چنانچہ نواب شاہجہان تنگ صاحب والیہ بھوپال، نواب صاحب لوبارہ، وزیر اعظم پٹیالہ، وزیر اعظم بہاولپور، وزیر ریاست نالہ گڑھ، نواب مکرم الدولہ رکن حیدر آباد دکن اور بہت سے روسا نے ہر طرح سے امداد کے وعدے فرمائے۔ جب کتاب کے پہلے دو حصے چھپ چکے تو جذبہ زر اندوزی میں لور زیادہ تقویٰ پیدا ہوئی اور اب اس کی قیمت صرف دو مال لوگوں کے لیے دس کی جائے گی۔ پہلے دو حصوں سے ملے کر سو روپیہ تک کر دی۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے دو ڈھنگ اختیار کئے۔ پہلے تو یہ کوشش کی کہ کوئی شخص قیمت کا لفظ ہی زبان پر نہ لائے بلکہ اندھا دھند

اپنے اندوختہ عمری کا بیشتر حصہ خیرات کے طور پر قادیان بھیج دے۔ اگر کوئی شخص اس طرح قابو میں نہیں آتا تھا تو پچیس روپیہ سے بھی کم قیمت دینا چاہتا تھا یا ہو شیاد کاندار کی طرح اس سے کہا جاتا تھا کہ تم ایک پائی نہ دو بلکہ مفت ہے لے لو۔ کیونکہ ہم غریبوں کو مفت ہی دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا کون بے حیا مستطیع ہو گا جو غریب بن کر مفت مانگنا پچیس روپیہ سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرات کرتا۔ ناچار یہ لوگ بڑی بڑی رقمیں بھیجتے رہے اور اس اثناء میں بعض حضرات نے یہ کہہ کر صاف گوئی کا حق ادا کیا کہ جس کتاب کے لیے اتنا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کی اشاعت ہی غیر ضروری ہے۔ مرزائے اشتہاروں میں ان لوگوں کی خوب خبر لی اور فرمایا کہ یہ لوگ منافقانہ باتیں کر کے ہمارے کام میں خلل انداز ہوتے ہیں اور ناحق نیش زنی کرتے ہیں۔ یہاں یہ جتلا دینا ضرور ہے کہ مرزائے جس کتاب کی قیمت پہلے پانچ پھر دس اور پھر مستطیع لوگوں کے لیے پچیس سے لے کر سو روپیہ تک مقرر کر کے پیشگی رقمیں وصول کیں اس کے متعلق وعدہ یہ کیا تھا کہ تین سو جزو یعنی چار ہزار آٹھ سو صفحات کی کتاب ہوگی لیکن کتاب کے 562 صفحے شائع ہو چکے تو مرزائے اعلان کر دیا کہ آئندہ کے لیے خود رب العالمین اس کتاب کا متولی و مہتمم ہو گیا ہے۔ اس تولیت و اہتمام خداوندی کا یہ مطلب تھا کہ اب میں باقی ماندہ 4238 صفحات کی طبع و اشاعت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ چونکہ ہزار ہا روپیہ پیشگی وصول ہو جانے کے بعد خریداروں سے کسی مزید رقم کے ملنے کی توقع نہ تھی اس لیے مرزائے ”براہین احمدیہ“ کو نظر انداز کر کے اس کی جگہ دوسری کتابیں مثلاً ”سرمہ چشم آریہ“ اور ”رسالہ سراج منیر“ وغیرہ کی طرف توجہ پھیر دی اور ستمبر 1886ء میں اپنی نئی کتاب ”سرمہ چشم آریہ“ کے ناسخ بیچ پر اعلان کر دیا کہ ”الہامات الہیہ“ کی بنا پر کتاب براہین کے تین سو جزو کے وعدے پورے نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے بعد مرزائے حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کے متعلق جو عملی نمونہ پیش کیا اس کی دلچسپ تفصیل کے لیے کتاب ”رئیس قادیاں“ کی طرف رجوع فرمائیے۔ کتاب براہین کالب دلچہ ایسا خراب ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی ہندو یا عیسائی پڑھے اور مشتعل نہ ہو۔ وہی باتیں جو جارحانہ الفاظ اور مبارزہ انداز میں لکھی تھیں نرم لہجہ اور دلکش الفاظ میں بھی لکھی جاسکتی تھیں۔ اس کتاب نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں عناد و منافرت کی مستقل ختم ریزی کر دی۔ پنڈت لیکھرام نے ”براہین احمدیہ“ کا جواب ”تکذیب براہین احمدیہ“ کے نام سے شائع کیا۔ لیکن یہ جواب کیا تھا دشنام دہی اور بد گوئی کا اثر مناک مرقع تھا۔ اور یقین ہے کہ جب سے ’نی نوع انسان عالم وجود میں آیا کسی بد نہاد عوئے حق نے خدا کے برگزیدہ انبیاء و رسل اور دوسرے مقربان بارگاہ احمدیت کو اتنی گالیاں نہ دی ہوں گی جتنی کہ پنڈت لیکھرام نے اس کتاب میں دیں۔ اس تمام دشنام گوئی کی ذمہ داری مرزا پر عائد ہوتی تھی۔ اسلام کے اس نادان دوست نے ہندوؤں اور ان کے بزرگوں پر لعن طعن کر کے انبیاء کرام کو گالیاں

دلائل۔ براہین احمدیہ میں مرزائی الہامات کی بھی بھرمار تھی اور یہی وہ الہامات تھے جو آئندہ دعویٰوں کے لیے عموماً سنگ بنیاد کا حکم رکھتے تھے۔ گو براہین کی مطاعت کے بعد بھی بعض علماء حسن ظن کے سنہری جال میں پھنسے رہے لیکن اکثر علماء ایسے تھے جن کی فراست ایمانی نے اس حقیقت کو بھانپ لیا کہ یہ شخص کسی نہ کسی دن ضرور دعوائے نبوت کرے گا۔

دعوائے مجددیت اور حکیم نور الدین سے ملاقات

ان دنوں میں حکیم محمد شریف کلانوری نے جو مرزا کا یار غار تھا۔ امرتسر میں مطب کھول رکھا تھا۔ مرزا جب کبھی قادیاں سے امرتسر آتا تو اسی کے پاس ٹھہرا کرتا۔ براہین کی اشاعت کے بعد حکیم مذکور نے مرزا کو مشورہ دیا کہ تم مجدد ہونے کا دعویٰ کر دو کیونکہ اس زمانے کے لیے کسی بھی مجدد کی ضرورت ہے چنانچہ مرزا نے اپنی مجددیت کا ذہن دورہ پینٹا شروع کیا۔ قادیاں پہنچ کر بیرونی لوگوں کے چٹے منگوائے اور ان کے نام خطوط بھیجنے شروع کئے۔ دول یورپ امریکہ و افریقہ کے تمام تاجدار ان اور ان کے وزراء اعمال حکومت دنیا کے مدبروں، مصنفوں، نویسوں، راجاؤں اور دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں کے پاس حسب ضرورت انگریزی یا اردو اشتہار بھجوائے۔ ان اشتہاروں میں اپنے دعوائے مجددیت کے بعد مکتوب الہیم کو دعوت اسلام دی گئی تھی لیکن مرزائی تجدید کے جذب و اثر کا کمال دیکھو کہ بیس ہزار دعوتی اشتہارات کی ترسیل کے باوجود ایک غیر مسلم بھی حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ان ایام میں حکیم نور الدین بمیروی ریاست جموں و کشمیر میں ریاستی طبیبوں کے زمرہ میں ملازم تھا۔ یہ حکیم نور الدین ایک لائڈ ہب شخص تھا اور اگر کسی مذہب سے کوئی لگاؤ تھا تو وہ نیچری مذہب تھا۔ (دیکھو سیرۃ الہمدی جلد 2 صفحہ 57) ان ایام میں سر سید احمد خاں سے حکیم نور الدین کی کچھ خط و کتابت ہوئی۔ جب مرزا غلام احمد کو اس خط و کتابت کا علم ہوا تو اسے یقین ہوا کہ اس شخص کی رفاقت ہر طرح سے بام مقصد تک پہنچا سکتی ہے چنانچہ جموں جا کر حکیم سے ملاقات کی اور یہ معلوم کر کے مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ حکیم بالکل اسی کا ہم مذاق واقع ہوا ہے۔ ان ایام میں حکیم نور الدین شیخ فتح محمد رئیس جموں کا کرایہ دار تھا۔ یہاں دس بارہ روز تک مختلف مسائل پر گفتگو ہی آخر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کیا گیا اور مرزا نے قادیاں کو مراجعت کی۔ ان واقعات کی تفصیل کتاب ”رئیس قادیاں“ میں ملے گی۔ کچھ دنوں کے بعد مرزا لدھیانہ گیا اور اپنی مجددیت کا اعلان کیا۔ چنانچہ بہت سے سادہ لوح آدمی حلقہ میریدیس میں داخل ہوئے۔ مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور مولوی اسماعیل صاحبان جو تینوں حقیقی بھائی تھے اور علماء لدھیانہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ کہیں سے کتاب ”براہین احمدیہ“ حاصل کر کے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ اس میں الحاد و زندقہ کے طومار نظر آئے۔ انہوں نے شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ ملحد و زندیق ہے۔ اس کے بعد علماء

لدھیانہ نے مرزا کی تکلیف کا فتویٰ دیا اور اشتہارات چھپوا کر تقسیم کرائے۔ تھوڑے دن کے بعد علمائے حرمین کی طرف سے بھی مرزا کے کفر کے فتوے ہندوستان پہنچ گئے۔ 1884ء میں براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع کیا۔ انہی ایام میں مرزا نے دہلی جا کر نصرتِ محکم نام ایک نوکتہ الزکی سے شادی کی۔ پہلی بیوی تو پہلے ہی سے اپنے میکے میں اجزی بیٹھی تھی۔ دوسری بیوی کی آمد پر پہلی کے آباد ہونے کی رہی سہی امید بھی منقطع ہو گئی۔ جب مرزا نے دیکھا کہ علمائے حرمین کا فتویٰ تکلیف راہ ترقی میں حائل ہو رہا ہے تو 1885ء کے اوائل میں اس مضمون کے آٹھ ہزار انگریزی اور شاید ہزار ہارود اشتہارات طبع کرا کر تقسیم کرائے کہ جو شخص قادیاں آکر صبر و استقلال اور حسن نیت کے ساتھ ایک سال تک میری صحبت میں رہے گا اسے معجزے دکھائے جائیں گے۔ اعجاز نمائی کے وعدوں کے اشتہار یورپی پادریوں کو سب سے زیادہ بھگے گئے تھے اور مرزا کو یقین تھا کہ کثیر التعداد پادری قادیاں آئیں گے۔ اس لیے ان موہوم مہمانوں کے قیام کے لیے اپنے مکان سے ملحق بڑی عجلت سے ایک گول کمرہ تعمیر کرایا لیکن افسوس کہ کسی یورپی پادری کو قادیاں آنے اور اس گول کمرے میں قیام کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ البتہ پنڈت لیکھرام نے معجزہ دیکھنے کے اشتیاق میں قادیاں کے ایک سالہ قیام و انتظام پر آمادگی ظاہر کی۔ مرزا نے اس کے متعلق خط و کتابت شروع کی لیکن پانچ چھ مہینہ کی خط و کتابت کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ انجام کار پنڈت بذات خود قادیاں پہنچ کر مرزا کے گلے کا ہار ہو گیا۔ آخر مرزا سے بھرا مشکل اس ”جن“ سے پیچھا چھوڑ لیا۔ پنڈت لیکھرام کی دلچسپ خط و کتابت کے لیے کتاب ”رئیس قادیاں“ کی طرف رجوع فرمائیے۔ اسی طرح رسالہ ”سراج منیر“ دوسرے رسالوں کی اشاعت کے سبب باغ دکھا کر مرزا نے مسلمانوں سے جو بیچگی رتیں وصول کیں اور پھر خواب بے اعتنائی میں سو گیا اس کی دلچسپ تفصیل بھی ”رئیس قادیاں“ کے پینتسیوں باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

ہوشیار پور میں چلہ کشی اور پسر موعود کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد نے کسی پیر طریقت کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک حاصل نہ کیا تھا۔ ہاں ایک مرتبہ چلہ کشی کا ضرور قصد کیا۔ وہ بے چارہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ کسی شیخ کا مل کی رہنمائی کے بغیر اس کوچہ میں قدم رکھنا کس درجہ خطرناک ہے؟ بہر حال اس غرض سے لیے تین مریدوں کو ساتھ لے کر ہوشیار پور کو روانہ ہوا۔ اور شیخ مر علی کے طویلہ میں قیام کیا۔ چونکہ مجدد وقت کا کوئی کام نام و نمود اور شہرت طلبی کے جذبات سے خالی نہ تھا اس لیے چلہ کشی کی نمائش بھی ضروری تھی۔ مرزا نے دستی اشتہارات چھپوا کر اپنے چلے کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ چالیس دن تک کوئی شخص ملنے کو نہ آئے۔ چلہ گزر جانے کے بعد تیس دن تک ہوشیار پور میں قیام رہے گا اس وقت

ہر شخص ملاقات کر سکے گا۔ صوفیہ کرام چلوں میں سدر متق سے زیادہ غذا نہیں کھاتے۔ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں لیکن مہر دو وقت اپنے نام نہاد چلے میں بھی بدستور کھاتا پیتا رہا۔ معلوم نہیں اس چلہ کی غرض و عاقبت کیا تھی؟ بظاہر تو شیاطین کو مسخر اور تابع فرمان بنانا مقصود تھا۔ اگر واقعی یہی تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں مرزا کو ضرور کامیابی ہوئی کیونکہ کوئی نورانی ہستی آکر مرزا سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ مرزا نے ایک دفعہ عبد اللہ سنوری سے جو مرزا کو بالائے خانہ پر کھانا پہنچانے جایا کرتے تھا کہا کہ خدا تعالیٰ بعض اوقات دیر دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اقبال مند بچے کے متعلق اسی چلہ میں الامات ہوئے تھے۔ ان ایام میں نصرت بیگم صاحبہ حاملہ تھیں۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ پسر موعود کے المام کرنے والا رب العالمین ہے قادیاں پہنچتے ہی دھڑلے سے پسر موعود کی پیش گوئی کر دی مگر پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور مرزا کو بہت خفت اٹھانی پڑی اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دیر دیر تک باتیں کرنے والی کون ذات شریف تھی؟ مرزا کو اس کے پسر موعود کا نام عنموائیل بتایا گیا تھا۔ 20 فروری 1886ء کو عنموائیل کی موعودہ آمد کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں اپنا یہ المام درج کیا۔ ”تجے بھارت ہو کہ ایک وجہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ مبارک ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ وہ صاحب شکوہ اور صاحب عظمت و دولت ہوگا۔ وہ اپنے مسکئی نفس اور روح الحق کی برکت سے لوگوں کو بیمار یوں سے صاف کرے گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پڑ کیا جائے گا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ فرزند دلہند گرامی ارجند مظہر الاول و الآخر مظہر الحق و العلاء کان اللہ نزل من السماء وہ اسیروں کی دستگیری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ ایک پادری نے اس پیشین گوئی کا مذاق اڑایا تو مرزا نے 22 مارچ 1886ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ یہ صرف پیشین گوئی ہی نہیں بلکہ عظیم الشان آسمانی نشان ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لیے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صد ہا درجہ اعلیٰ و اوٹی و اکمل و افضل ہے۔ خدا نے ایسی باہرکت روح کے بھجنے کا وعدہ فرمایا ہے جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔ ایسا لڑکا موعود وعدہ الہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ اس کے بعد ایک اشتہار میں لکھا کہ آج 18 اپریل 1886ء کو اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے۔ ان ایام میں مرزا کے مرید بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ پسر موعود جلد پیدا ہو۔ غرض ہزار ہا انتظار کے بعد وضع حمل کا وقت آیا لیکن پسر موعود کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی۔ لوگوں نے مرزا کا خوب مذاق اڑایا اور اعتراضات کی آندھیاں افق قادیاں پر ہر طرف سے امنڈ آئیں۔ لڑکی کی پیدائش پر استہزاء و سخریت کی جو گرم بازاری ہوئی اس نے قادیاں پر بہت کچھ افسردگی طاری کر دی

اس لیے مرزا ہر دقت دست بدعا تھا کہ کسی طرح بیوی مکرر حاملہ ہو کر لڑکا بنے اور وہ لوگوں کو عنموائیل کی پیدائش کا مژدہ بنا کر سرخرو ہو سکے۔ آخر خدا خدا کر کے گوہر شاہوار صدف رحم میں منعقد ہوا۔ اور نصرت بیگم صاحبہ نے نو مہینہ کے بعد اپنی کوکھ سے عنموائیل برآمد کر کے مرزائی گود میں ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر مرزائی باچھیں کھل گئیں اور زمین و آسمان مسرت کے گوارے بن گئے۔

17 اگست 1887ء کو عنموائیل پیدا ہوا اور مرزائے اسی دن ”خوشخبری“ کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا۔ ”اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لیے میں نے 18 اپریل 1886ء کے اشتہار میں پیشین گوئی کی تھی وہ آج 12 بجے رات کو پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس قدر بزرگ پیشین گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ عنموائیل قریباً سو سال تک زندہ رہا۔ اس کے بعد 4 نومبر 1888ء کو لقمہ اجل ہو گیا۔ اس کے مرنے پر طعن و تمسخر کے طوفان ہر طرف سے اٹھے لیکن مرزا کے لیے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چونکہ اعتراضات کی آندھیاں برابر چلتی رہتی تھیں اس لیے قریباً سو تین سال کے بعد یعنی جنوری 1892ء کو ایک اشتہار زیر عنوان ”مصنفین کے غور کے لائق“ شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ میں نے غلطی سے اس لڑکے کو پسر موعود خیان کر لیا تھا اس میں اللہ الہی کا کوئی قصور نہیں ہے۔“ اس معذرت خواہی کے ساڑھے سات سال بعد یعنی 14 جون 1899ء کو جب مرزا کے گھر میں ایک اور لڑکا ”مبارک احمد“ پیدا ہوا تو مرزائے اسی کو عنموائیل قرار دینے کی کوشش کی۔ (دیکھو مرزائی کتاب ”تریاق القلوب“ طبع اول صفحہ 70) حالانکہ مبارک احمد نو سال کی مدت معمودہ کے سوا چار سال بعد پیدا ہوا تھا۔ مگر مرزائی بد نصیبی سے یہ لڑکا بھی عالم طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گیا۔ اور اس طرح فرزند موعود کی اقبال مندویوں کے سارے افسانے طاق اہمال پر رکھے گئے۔ آج کل مرزائی لوگ خلیفہ المسیح مرزا محمود احمد کے سر پر عنموائیلیت کا تاج رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ان کی یہ کوشش بے سود ہے کیونکہ خود مرزائے میاں محمود احمد کو کبھی عنموائیل موعود نہ بتایا۔ مرزا محمود احمد کی پیدائش 1889ء میں ہوئی تھی اس کے بعد مرزا غلام احمد نے از سر نو عنموائیل کی پیدائش کی پیشین گوئی 1891ء میں اس دقت کی جب میاں محمود احمد کی عمر پونے دو سال کی تھی چنانچہ کتاب ازالہ اوہام میں جو 1891ء میں شائع ہوئی مرزائے لکھا۔ ”خدا نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی زریزہ سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ اسیروں کو دستگیری بخشے گا اور ان کو جو شہادت کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبد گرامی ارجمند مظہر الحق والعلیٰ کان اللہ نزل من السماء (معاذ اللہ) ظاہر ہے کہ اگر میاں محمود احمد عنموائیل موعود ہوتا تو اس پیشین گوئی کا اعادہ ایک لغو حرکت تھی۔ غرض عنموائیل کی پیشین گوئی پر مرزائی بڑی کرکری ہوئی۔ مولوی محمد ہالوی اور بعض دوسرے مولوی

صاحبان نے جو اس وقت تک مرزا کا حق رفاقت ادا کر رہے تھے کمال دلسوزی سے مرزا کو مشورہ دیا کہ آئندہ اس قسم کی بعید از کار پیشین گوئیاں کر کے خواہ مخواہ ذلت و رسوائی کو دعوت نہ دیا کرو۔ لیکن چائے اس کے کہ مرزا اس خیر خواہانہ مشورہ سے نصیحت آموز ہوتا۔ النا صلاح اندیش ناصحین کو ڈانٹنے اور چشم نمائی کرنے لگا اور ان کی نسبت لکھا کہ غفلت اور حب دنیا کا کیز افراس ت ایمانی کو بالکل چٹ کر گیا ہے۔

مسیح بننے کے لیے مضحکہ خیز سخن سازی

مرزا نے نواصل میں بہت دن تک دعوائے مجددیت ہی پر اکتفا کیا تھا مگر چونکہ ہر راجح العلم قاصد بدعات عالم دین مجدد ہو سکتا ہے اس لیے بظاہر اس منصب کو کچھ غیر ذوق سا سمجھ کر ترقی و اقدام کی ہوس داسعیر ہوئی اور کوئی عظیم القدر ٹھوس دعوائے کر کے اپنی عظمت کو ثریا سے ہمدرش کرنے کا قصد کیا۔ آخر طبیعت نے فیصلہ کیا کہ مسیحیت کا تاج زیب سر کرنا چاہیے لیکن کمال ہوشیاری اور معاملہ فہمی سے کام لے کر ایک بیک مسیح نہ مابلکہ تدریج کو ملحوظ رکھا۔ سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور آپ کی آمد ثانی سے انکار کیا۔ حالانکہ کتاب ”براہین احمدیہ“ (صفحہ 498) میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حیات اور آمد ثانی کا اقرار کر چکا تھا اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ (نزول المسیح مٹولفہ مرزا ص 18) اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ میں شیل مسیح ہوں۔ جب مرید اس دعویٰ کے متحمل ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا کہ احادیث نبوی میں جس مسیح کے آنے کی پیشین گوئی تھی وہ میں ہوں۔ ”جب اس سے کہا گیا کہ حدیثوں میں تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی پیشین گوئی ہے اور تم غلام احمد بن غلام مرتضیٰ ہو تو جو بلد یا کہ میں ہی عیسیٰ بن مریم بنا دیا گیا ہوں۔ پوچھا گیا کہ ایک شخص دوسری شخصیت میں کیونکر تبدیل ہو سکتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کی بعض روحانی صفات طبع عادت اور اخلاق وغیرہ خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں میری زندگی کو مسیح بن مریم کی زندگی سے اشد مشابہت ہے اس بنا پر میں مسیح ہوں۔ (ازالہ اوہام طبع پنجم ص 79) لیکن جب کہا گیا کہ جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض روحانی صفات، طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ تو خدائے برتر بہت سے اہل اللہ کی فطرت میں بھی دوایت فرما دیتا ہے اور ان کی زندگی کو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی زندگی سے اشد مناسبت ہوتی ہے تو پھر وہ سب حضرات بھی مسیح موعود ہونے چاہئیں۔ اس میں تمہاری کونسی خصوصیت ہے؟ کوئی وجہ نہیں کہ تم تو کسی من لغزت مناسبت کی بنا پر مسیح بن مریم بن جاؤ اور عارفین الہی حقیقی اشتراک صفات کے باوجود ”مسیح موعود“ نہ سمجھے جا سکیں۔

بات معقول تھی مرزا سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر گیارہ سال کی سخت دماغی کدو کاوش کے بعد کشتی نوح میں جسے 5 اکتوبر 1902ء کو شائع کیا تھا۔ اپنے مسیح بن مریم بن جانے کا یہ ڈھکوسلہ پیش کیا۔ گو خدا نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا۔ پھر دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ ”براہین احمدیہ“ کے حصہ چہارم صفحہ 496 میں درج ہے۔ مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفع کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین کے صفحہ 556 میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔ (کشتی نوح صفحہ 47-48) جب مرزا ایک جنبش قلم ایک خیالی حمل کے ذریعہ سے مسیح بن مریم بن چکا تو ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ اگر تم سچے مسیح ہو تو تم بھی حضرت روح اللہ کی طرح کوئی مہیانی دکھاؤ زیادہ نہیں تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انہی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھاؤ جو قرآن پاک میں دو جگہ مذکور ہیں۔ یہ مطالبہ نہایت معقول تھا لیکن مرزا کے پاس سخن سازی کے سوار کھا ہی کیا تھا؟ سوچنے لگا کہ اب کیا بات بناؤں؟ آخر اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام کے وجود ہی سے انکار کر دے۔ واقعی کسی چیز کی ذمہ داری سے بچنے کا یہ نہایت آسان علاج ہے کہ اس چیز کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے۔ مرزانے معجزات مسیح علیہ السلام کا صرف انکار ہی نہ کیا بلکہ اپنی بد نصیبی سے التان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ معجزات مسیح علیہ السلام کا مذاق نہیں تھا بلکہ فی الحقیقت کلام الہی کا مذاق اور انکار و استحقاق تھا۔ انہی ایام میں مولوی محمد حسین ہالوی سے مرزا کی سخت کشیدگی ہو گئی۔ وجوہ مخاصمت کتاب ”رئیس قادیاں“ میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

لاہور، لدھیانہ اور دہلی کے مناظرے

مرزائیت کا اسلام سے پہلا تصادم شاید وہ مناظرہ تھا جو لاہور میں ہوا۔ منشی عبدالحق اکاؤنٹ لاہور، منشی الہی بخش اکاؤنٹ لاہور اور حافظ محمد یوسف ضلعدار محکمہ نثر تینوں ”اہلحدیث جنٹلمین“ تھے جو کچھ دنوں سے مرزائی ہو گئے تھے۔ یہ تینوں حضرات مرزائیت کا ہتسمہ لینے سے پہلے نہایت سرگرم قومی کارکن تھے اور لاہور کی اسلامی تحریکوں میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔ اس لیے مولوی محمد حسین مرحوم ہالوی کو ان کے مرزائی ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ گو چند سال کے بعد تینوں حضرات مرزائیت سے تائب ہو کر از سر نو اسلامی برادری میں داخل ہو گئے لیکن لواکل میں یہ سخت غالی مرزائی تھے۔ مولوی محمد حسین نے شروع میں ان کو بہتر سمجھایا لیکن یہ کسی طرح مرزائیت سے منقطع نہ ہوئے بلکہ ان تینوں کی یہ بڑی آرزو تھی کہ موقع ملے تو مولوی محمد حسین و

حکیم نور الدین سے جسے مرزائی لوگ امام فخر الدین رازی سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ (خدا نخواست) ذلیل کرائیں۔ چنانچہ اسی کوشش میں ایک مرتبہ حافظ محمد یوسف ضلعدار اور منشی عبدالحق اکاونٹنٹ لٹ لاہور سے جموں گئے اور حکیم نور الدین کو مولوی محمد حسین سے مناظرہ کرنے کی تحریک کی لیکن حکیم نے انہیں بطائف اٹھل ٹال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حکیم نور الدین مہاراجہ جموں کے ساتھ لاہور آیا اور ان تینوں نے سے مولوی محمد حسین سے بھڑا دیا۔ مناظرہ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر ہوا۔ مولوی صاحب نے حکیم نور الدین کو بری طرح رکھ دیا۔ جب مولوی صاحب نے دور ان مباحثہ میں حکیم کے سفر کا راستہ بالکل مسدود کر دیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ آئندہ سوال پر چاروں شانے چت گرا کر چھاتی پر سوار ہو جائیں گے تو حکیم نور الدین کوئی حیلہ تراش کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان ليام میں مرزا اپنے دہلوی خسر کے پاس لدھیانہ میں اقامت گزین تھا۔ حکیم نور الدین نے مرزا غلام احمد کے پاس لدھیانہ میں جادم لیا۔ 15 اپریل 1891ء کو مولوی صاحب نے مرزا کو تار دیا کہ تمہارا حواری مناظرہ سے بھاگ گیا تو اس کو مقابلہ پر آمادہ کرو یا خود مناظرہ کے لیے آؤ۔ اس کے جواب میں خود مرزا نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی مگر یہ شرطیں پیش کیں کہ مناظرہ تحریری ہو۔ تم چار ورق کاغذ پر جو چاہو لکھ کر پیش کرو۔ اس کے بعد میں چار ورقوں میں اس کا جواب لکھوں اس ان دو پرچوں پر مناظرہ ختم ہو جائے غرض مرزا نے مولوی صاحب کو مرزائی دلائل کا بطلان ثابت کرنے کے لیے جواب الجواب کی اجازت نہ دی۔ اس لیے مولوی صاحب نے ایسے مناظرہ کو بے سود سمجھ کر انکار کر دیا۔ 3 مئی 1891ء کو مرزا نے علمائے لدھیانہ کو تحریری چیلنج دیا کہ تم لوگ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کر لو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے 1301ء میں فتویٰ دیا تھا کہ مرزا غلام احمد مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں وہ شرعاً کافر ہیں۔ پس تمہیں لازم ہے کہ پہلے ہم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرو کہ تم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو۔ اگر تم نے اپنا اسلام ثابت کر دکھایا تو پھر حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہوگی۔ جب علماء لدھیانہ کی طرف سے اس مضمون کا اشتہار شائع ہوا۔ تو مرزا کے ہوش اڑ گئے کیونکہ اس کے لیے اپنا مسلمان ثابت کرنا ناممکن تھا۔ اس لیے حکیم نور الدین کو لاہور سے مشورہ کے لیے طلب کیا۔ حکیم نور الدین نے لدھیانہ پہنچ کر وہ اشتہار پڑھا جو علمائے لدھیانہ نے شائع کیا تھا اور مرزا غلام احمد سے کہا کہ جب ثالث کی موجودگی میں آپ کے ایمان و کفر پر مباحثہ ہو گا اور مخالف لوگ علمائے حرمین کا فتویٰ تکفیر پیش کریں گے تو ثالث لا محالہ ہماری جماعت پر کفر و ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کے حق میں فیصلہ کر دے گا اس کے بعد ہم سے مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بھی کوئی شخص گفتگو نہ کرے گا۔ کیونکہ کسی بے ایمان شخص کا مسیح ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے البتہ ان مولویوں سے گفتگو کرنے

میں کوئی مضائقہ نہیں جو ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان سے بلا تکلف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کر سکتے ہیں اور بہترین صورت یہ ہے کہ آپ حنفی مولویوں کو چھوڑ کر مولوی محمد حسین سے مناظرہ کریں کیونکہ وہ آپ کے اسلام کا اقرار کر چکا ہے۔ مرزا نے علمائے لدھیانہ سے چھیڑ خانی کرتے وقت مناظرہ کا جو چیلنج دیا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر تم لوگ مناظرہ نہ کرنا چاہو تو اپنی طرف سے مولوی محمد حسین کو کھڑا کر لو۔ جب مولوی محمد حسین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ لدھیانہ پہنچ گئے اور مولوی محمد حسن لدھیانوی کو بھیج کر مناظرہ کی دعوت دی اور موضوع بحث یہ پیش کیا کہ کیا وہ مسیح جس کے قدم کی احادیث نبویہ میں بھارت دی گئی ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟ اس کے جواب میں مرزا نے کہا کہ میں اپنی مسیحیت پر گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں بلکہ صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کروں گا۔ کیونکہ میرا دعویٰ اسی بنا پر ہے جب ہناٹوٹ جائے گی تو دعویٰ بھی باطل ٹھہرے گا۔ اس کے جواب میں مولوی محمد حسین نے لکھا ابھیجا کہ آپ کے اشتہار میں دونوں دعوائے موجود ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی رحلت کا دعویٰ اور اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ ثابت ہو جائے لہذا پہلے تمہارے مسیح موعود ہونے پر گفتگو ہونی چاہیے اس کے بعد مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام زیر بحث آئے۔ اور حکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعویٰ پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں تو پھر مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مرزا نے اس کا جو جواب لکھا ابھیجا اس سے ہر شخص نے یقین کر لیا کہ مرزا مباحثہ سے گریزاں ہے۔ جب مرزا کے پیالوی مریدوں کو اپنے مقتداء کی گریز و فرار کا علم ہوا تو انہوں نے لدھیانہ آکر مرزا کو مباحثہ پر مجبور کیا۔ آخر مباحثہ ہوا مولوی محمد حسین نے یہ سوال پیش کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا نے نال مثل اور حیلے حوالے شروع کئے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں میں جواب کو تاربا کیونکہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اصل سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آخر جب ہر جگہ مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو مرزا اور مرزائیوں کا ہر جگہ مذاق اڑایا جانے لگا اور بدنامی اور رسوائی ان پر ہر طرف سے مسلط ہوئی۔ جب امر ترسور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو اس کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ان سوالات و جوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی تہ و تمسک میں طارنہ ہے۔ ان سوالات و جوابات سے مولوی محمد حسین کا یہی مقصد ہے کہ آپ کو ذلیل کرے اس لیے مت سب بے کہ بحث کو جلد ختم کر دیجئے ورنہ اور زیادہ ذلت ہوگی۔ غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ

مرزا نے بارہویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی عث کی درخواست پیش کر کے اپنی جان چھڑائی۔ لدھیانہ میں ناکامی و ہزیمت کا جو دھبہ مرزا کے دامن عزت پر لگا۔ مرزا ہر وقت اس کے دھونے کی فکر میں تھا۔ اس لیے خیال آیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کریں وہاں مولوی محمد حسین ہٹالوی کے استاد مولانا سید نظیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی جائے۔ وہ اپنی بزرگی اور مرزا کی نااہلی کے پیش نظر اپنا مخاطب بنانا گوارا نہ کرینگے اور مفت کی شہرت و ناموری حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ مرزا ستمبر 1891ء میں دہلی جابرا جا اور مولانا نظیر حسین صاحب کو مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کرنے کا چیلنج دیا۔ اس چیلنج کا جو دلچسپ انجام مرزا کی شاندار ہزیمت و پستی کی شکل میں ظاہر ہوا وہ کتاب ”رئیس قادیاں“ میں ملاحظہ کریں۔ قلت منجائش کی وجہ سے ان دلچسپ مباحث کو یہاں ترک کرنا پڑا مولانا نظیر حسین کے مقابلہ سے بھاگ کر مرزا نے ان کے نامور شاگرد مولوی محمد بشیر سموانی سے مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر تحریری مناظرہ شروع کیا لیکن جب چھٹے شمارے کے تین تین پرچے ہو چکے تو مرزا پہلی ہی بحث کو نامتام چھوڑ کر مناظرہ سے ستمبر دار ہو گیا اور کہنے لگا کہ میرے خسر صاحب علیلی ہیں۔ اس لیے میرا جلد مراجعت کرنا ضروری ہے۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل بھی کتاب ”رئیس قادیاں“ میں ملے گی۔

آسمانی منکوہہ کے حصول میں ناکامی

مرزا غلام احمد کے ایک چچا کا نام غلام محی الدین تھا۔ مرزا امام الدین نظام الدین اور کمال الدین اسی بچا کے بیٹے تھے۔ غلام محی الدین کی دختر عمر النساء مرزا احمد بیگ ہو شیار پوری سے بیاہی ہوئی تھی اور غلام احمد کی حقیقی بہن کی شادی احمد بیگ ہو شیار پوری کے حقیقی بھائی محمد بیگ سے ہوئی تھی۔ ان قرابتوں کے علاوہ احمد بیگ کی حقیقی بہن مرزا غلام احمد کے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین سے بیاہی ہوئی تھی جو قریباً پچیس سال سے مفقود الخیر تھا۔ مرزا احمد بیگ جو محکمہ پولیس میں ملازم تھا۔ زیادہ تر ہو شیار پور سے باہر ملازمت ہی پر رہتا تھا اس لیے عمر النساء عموماً قادیاں ہی میں رہتی تھی۔ اس کا معمول تھا کہ جب کبھی مرزا احمد بیگ چھٹی لے کر ہو شیار پور آتا تھا تو یہ قادیاں سے ہو شیار پور چلی جاتی اور جب وہ ہو شیار پور سے اپنی نوکری پر چلا جاتا تو یہ اپنی بیٹی محمدی بیگم اور دوسری اولاد کو لے کر قادیاں آجاتی۔ محمدی بیگم ایک نہایت خوش جمال لڑکی تھی چونکہ اس کا نشوونما قادیاں ہی میں ہوا اس لیے یہ ہمیشہ کی دیکھی بھالی تھی۔ غلام حسین مذکورہ کی زمین سرکاری کاغذات میں اس کی منکوہہ یعنی احمد بیگ کی ہمیشہ کے نام درج ہو گئی تھی اور چونکہ وہ اپنے شوہر غلام حسین کی مراجعت کی طرف سے بالکل ناامید ہو چکی تھی اس لیے اس نے ارادہ کیا کہ اپنے مفقود الخیر شوہر کی زمین اپنے بیٹے (مرزا احمد بیگ کے بیٹے) کے نام بہہ کر دے چونکہ مرزا غلام احمد بھی مفقود کا عم زاد بھائی تھا۔ اس

لیے جب یہ نامہ لکھا گیا تو احمد بیگ اس یہ نامہ پر دستخط کرانے کے لیے مرزا غلام احمد کے پاس لے گیا کیونکہ سرکاری قانون کے بموجب اس کی رضامندی کے بغیر یہ نامہ جائز نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ ہر چند کہ حقوق قرابت، شرافت، نفس شرف و مہد انسانی اور احسان و ایثار اسلامی کا مقتضاء یہ تھا کہ مرزا غلام احمد بلا معاوضہ دستخط کر دیتا لیکن اس نے احمد بیگ سے اس سلوک و مروت کا صلہ اس کی لڑکی محمدی تنگم مہاہ دینے کی شکل میں طلب کیا۔ احمد بیگ نے اس مطالبہ کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ مرزا غلام احمد نے ہزار جتن کئے لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ آخر مرزا نے اسے اپنے من گھڑت الماموں سے مرعوب کرنا چاہا۔ اس سلسلہ میں ایک المام شائع کیا۔ اس قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں (محمدی تنگم) کے لیے سلسلہ جنابی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا اور جس کسی دوسرے شخص سے یہاں ہی جائے گی وہ روز نکاح سے ڈھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا (احمد بیگ) تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور بتیگی اور مصیبت پڑے گی۔ خدا نے مقرر کر رکھا ہے۔ کہ وہ احمد بیگ کی دختر کلاں کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ لیکن مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور جس سے محمدی تنگم منسوب تھی اور احمد بیگ کے گھر والے ان المامی گیڈر بھبکیوں سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ مرزا غلام احمد نے سلطان محمد ساکن پٹی کی معیار حیات یوم شادی سے ڈھائی سال تک بتائی تھی اسے محمدی تنگم کی شادی 7 اپریل 1892ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آٹری دن 7 اکتوبر 1894ء تھا لیکن قادیانی اعجاز کا کمال دیکھو کہ آج 19 جون 1936ء تک وہ زندہ سلامت موجود ہے یعنی اپنی مدت حیات کے بعد بیالیس سال سے زبردستی گلشن دنیا کی سیر کر رہا ہے۔ جب محمدی تنگم کو مرزا سلطان محمد کے گھر میں آباد ہوئے قریباً ڈھائی سال کی مدت گذر چکی تو مرزا نے زوجہ سلطان محمد سے شادی کرنے کی از سر نو پیشین گوئی کر کے اس فتنہ خواہیدہ کو ہمدار کرنا چاہا۔ چنانچہ 8 ستمبر 1894ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں اپنا ایک المام لکھا کہ ”حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کی تکذیب کی اور ان سے ٹھٹھا کیا سو خدا انہیں یہ نشان دکھلائے گا کہ احمد بیگ کی بیوی لڑکی ایک جگہ یہاں ہی جائے گی اور خدا اس کو پھر تیری طرف واپس لائے گا۔ یعنی آلاء وہ تیرے نکاح میں آئے گی اور خدا سب روکیں ورمیان سے اٹھادے گا۔ خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔ اس لڑکی کا اس عاجز کے نکاح میں آنا تقدیر مہرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے المام الہی میں یہ فقرہ بھی موجود ہے کہ لا تبدیلی لخلق اللہ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ملے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو

خدا کا کلام باطل ہوتا ہے میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی۔ میں سب روکوں کو اٹھا دوں گا۔ خدا تعالیٰ کے غیر متبادل وعدے پورے ہو جائیں گے کیا کوئی زمین پر ہے جو ان کو روک سکے؟ اے بد فطرتو! لعنتیں بھیج لو۔ ٹھنھے کر لو۔ لیکن عنقریب دیکھو گے کہ کیا ہوتا ہے؟ مرزا نے اسی سال 27 اکتوبر کے ایک اشتہار میں لکھا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدائے قادر و عظیم! اگر احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں یہ پیش گوئی تیری طرف سے ہے تو اس کو ظاہر فرما کر اور باطن حاسدوں کا منہ بند کر دے اور اگر تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔ اس دعائے غیر مستجاب کے قریباً سو دو سال بعد یعنی 22 جنوری 1897ء کو مرزا نے کتاب ”انجام آء علم“ شائع کی اس میں لکھا کہ محمدی حکم سے میرا نکاح خدائے بزرگ کی تقدیر مبرم ہے اور عنقریب اس کے ظہور کا وقت آجائے گا۔ اور میں اس کو اپنے صدق یا کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدائے مجھے اس کی خبر دی ہے۔ 1900ء میں مرزا غلام احمد کو الہام ہوا۔ ویردھا الیک (خدا تعالیٰ محمدی حکم کو تمہارے پاس واپس لائے گا) مرزا نے 29 ستمبر 1900ء کو رسالہ اربعین میں اس الہام کی شرح کرتے ہوئے لکھا کہ یہ پیشین گوئی اس نکاح کی نسبت ہے جس پر نادان مخالف جمالت اور تعصب سے اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد نے اگست 1901ء میں گوروا سپور کی عدالت میں حلفا بیان کیا کہ احمد بیگ کی دختر جس کی نسبت پیش گوئی ہے مرزا الہام الدین کی بھانجی ہے سچ ہے وہ عورت میرے ساتھ نہیں بیابھی گئی مگر میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہوگا۔ غرض مرزا غلام احمد اسی طرح محمدی حکم کی شادی کے بعد دس سال تک برابر پنجے جھاڑ کر اس عقیقہ کے پیچھے پڑا رہا اور اس بھاری کی فضیحت و رسوائی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ آخر ملا محمد بخش ایڈیٹر ”جعفر زلی“ نے ایک ایسی تدبیر نکالی جس نے مرزا غلام احمد کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد محمدی حکم سے شادی کرنے کے سارے افسانے بھول گیا اور اس کا نام کبھی بھول کر بھی زبان قلم پر نہ لایا۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل آپ کو کتاب ”رئیس قادیاں“ میں ملے گی۔

حکیم نور الدین کا جموں سے اخراج

حکیم نور الدین مہاراجہ جموں و کشمیر کا خاص طبیب تھا۔ وہ ریاست سے کیوں خارج کیا گیا؟ اس کی دلچسپ تفصیل آپ کو کتاب ”رئیس قادیاں“ میں ملے گی۔ مختصر یہ ہے کہ وہ ریاست کشمیر کے علاقہ کشٹواڑ میں (جیسا کہ میرے پاس روایتیں پہنچی ہیں) ایک مرزائی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسباب مہیا کئے جا رہے تھے۔ حکیم نور الدین کی کوششوں سے مرزائیت کو ریاست جموں و کشمیر میں جتنا فروغ نصیب ہوا اس سے کہیں زیادہ اس کا پنجاب میں نشوونما ہو رہا تھا

اور جوں جوں یہ جماعت ترقی کرتی جاتی تھی۔ حکام کا سوء ظن بھی بڑھتا جاتا تھا کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ مبادا مرزا غلام احمد بھی احمد سوڈانی کی طرح زور پکڑ کر مشکلات کا موجب بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ گو مرزا نے تقدس کی دکان ابتدا میں محض شکم پری کے لیے کھولی تھی۔ لیکن ترقی کر کے سلطنت پر فائز ہونے کا لائحہ عمل بھی شروع سے اس کے پیش نظر تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا مغل اعظم سلطان عالمگیر اور ننگ زیب غازی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر افسوس کہ حکیم نور الدین کے اخراج سے مرزائی سلطنت کے نئے بنائے نقش بجز گئے۔ اور متوقع سلطنت کی جگہ حکومت کی دشمنی خرید لی۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حکیم نور الدین کو ریاست سے خارج نہ کیا جاتا تو بھی وہ اور مرزا غلام احمد قیام سلطنت میں کامیاب نہ ہو سکتے کیونکہ جب مرزا غلام احمد مدت العمر قادیان کی ان مسجدوں کو بھی آزادانہ کرا سکا۔ جنہوں سکھوں نے اب تک دھرم سالہ بنا رکھا ہے۔ (دیکھو ازالہ اوہام طبع پنجم صفحہ 57) تو پھر سلطنت کا قیام ایک موہوم چیز تھی لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ اگر وہ لوگ کسی طرح قیام سلطنت میں کامیاب ہو جاتے تو قادیان کی مسجدیں خود ہی آزاد ہو جاتیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حکیم نور الدین کے اخراج کے بعد حکومت وقت حکیم نور الدین اور مرزا غلام احمد پر بغاوت کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ لیکن انہوں نے کچھ قول و قرار کئے۔ جس کی بنا پر کسی تشدد کی ضرورت نہ رہی۔ عجب نہیں کہ یہ میان صحیح ہو کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان واقعات کے بعد مرزا غلام احمد کے رویہ میں ایک ایک تبدیلی پیدا ہو گئی اور قیام سلطنت کی توقعات کو تین سو سال تک موثر کر کے انگریز کی خوشامد اور مدح و توصیف کا نغمہ چھیڑ دیا۔ اور پھر خوشامد میں اعتدال و میمانہ روی طحوظ رہتی تو بھی ایک بات تھی لیکن مرزا نے اپنی افتاد طبیعت سے مجبور ہو کر تعلق و خوشامد کا خوفناک طوفان برپا کر دیا۔ یہاں تک کہ خوشامد ہی اس کا اوزھنا چھوٹا بن گئی۔ اس خوشامد شعبدہ کی چند بانگیاں ملاحظہ ہوں۔ لکھتا ہے۔ ”پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جمادی خیالات کے روکنے کے لیے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے پوری دستقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت و راز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے؟ یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ سترہ سال کا ہے (کتاب البریہ صفحہ 7) سول ملٹری گزٹ لاہور میں میری نسبت ایک غلط اور خلاف واقعہ رائے شائع کی گئی ہے کہ گویا میں گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے رکھتا ہوں لیکن یہ خیال سراسر باطل اور دور از انصاف ہے۔ میرے والد نے 1857ء کے غدر میں پچاس گھوڑے لایا کہ لوہور پچاس سوار بہم پہنچا کہ گورنمنٹ کی نذر کئے۔ (تبلیغ رسالت جلد 3 ص 192) میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گذرا ہے۔ میں نے ممانعت جماد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو

پچاس الماریاں ان سے مہر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتبوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچایا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونیں اور مسیح خونیں کی بے اصل روایتیں اور جماد کے جوش دلانے والے مسائل جو امتوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں (تریاق القلوب) انگریزوں کا اس ملک میں آنا مسلمانوں کے لیے درحقیقت ایک نہایت بزرگ نعمت الہی ہے تو پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بے عزتی کی نظر سے دیکھے وہ بلاشبہ بد ذات اور بد کردار ہے۔ (ایام الصلح) میں جانتا ہوں کہ محض جاہل مولوی میری ان تحریرات سے ناراض ہیں اور مجھے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی کافر قرار دیتے ہیں لیکن مجھے ان کی ناراضگی کی پروا نہ ہے۔

دعوائے مہدویت

اس وقت تک مرزا مسیحیت ہی کا مدعی تھا۔ مہدی نہیں، نہ تھا۔ احادیث نبویہ کے رو سے حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب مہدی علیہ السلام ایک ہی زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ 1892ء میں ایک عالم ربانی نے مرزا سے پوچھا کہ تم مسیح ہو تو حضرت مہدی علیہ السلام کہاں ہیں؟ جو ان کے عمد سعادت میں ظاہر ہونے والے تھے؟ مرزا نے کہا۔ ”وہ بھی میں ہی ہوں۔“ لیکن اس کے بعد دعوائے مہدویت میں مرزا کی ہمیشہ گوگو حالت رہی۔ کبھی تو مہدویت کا مدعی بن بیٹھتا تھا اور کبھی حکومت کے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتا تھا۔ مسئلہ ظہور ہندی علیہ السلام اور اپنی مہدویت کے متعلق مرزا نے جو رنگ بدلے ان کی تشریح ”رئیس قادیاں“ میں دیکھئے۔ چونکہ مرزا کو تائید ربانی حاصل نہ تھی اور بلوچو دیو دیو لن جرائیوں اور خود ستائیوں کے قلم اور زبان کی دنیا سے باہر نکل کر اپنے دعویٰ کی تائید میں کوئی ہر دنی شہادت پیش نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس کی دکانداری کا سارا مدار سخن سازی پر تھا۔ ایک مرتبہ اسے شوق چرایا کہ اپنے مہدی ہونے کی کوئی ہر دنی شہادت پیش کرے۔ اس کوشش میں اس نے 26 مئی 1892ء کو ”نشان آسمانی“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں اپنے مہدی آخر الزمان ہونے کے ثبوت میں شاہ نعمت اللہ کرمانی کا قصیدہ پیش کیا۔ لیکن قصیدہ کا صحیح مصداق بننے کی کوشش میں اس پر تحریف و تبدیل کے کچھ ایسے کند ہتھیار چلائے کہ اس کا حلیہ ہی بجا گیا۔ مرزا نے نہ صرف قصیدہ کے اشعار کی ترتیب حسب مراد بدل ڈالی اور بعض الفاظ و تراکیب کو مقدم و موخر کر دیا۔ بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کے اسم گرامی میں بھی تحریف کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا نام مبارک محمد بن عبد اللہ ہو گا۔ شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں بھی احادیث نبویہ کے بموجب حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد بنی مذکور ہے چنانچہ پروفیسر براؤن نے ”تاریخ ادبیات ایران“ میں جمال یہ قصیدہ نقل کیا ہے وہاں یہ شعریوں

درج کیا ہے۔

میم حامیم دال می خوانیم

نام او نامدار می بینم

لیکن مرزا نے اپنے آپ کو اس بعات کا مصداق ثابت کرنے کے لیے شعر کو یوں بدل دیا۔

ا ح م و دال می خوانم

نام لو نامدار می بینم

مرزائیوں کے ”سلطان القلم“ نے شعر میں تصرف تو کیا لیکن تصرف و تحریف کے لیے بھی سلیقہ درکار ہے۔ مرزا اس رد و بدل کے وقت اتنا بھی احساس نہ کر سکا کہ اس سے شعر کا وزن درست نہ رہے گا۔ اس نے اپنی کم سواد می سے میم اور الف کو هموزن سمجھ لیا۔ مفصل بحث کے لیے ”زمین قادیاں“ کا مطالعہ فرمائیے۔

آکھتم سے مناظرہ

پادریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے جواب میں قصبہ جنڈیالہ تحصیل امرتسر کے بعض مسلمان دین مسیحیت کی کزریاں دکھا دکھا کر پادریوں کے دانت کھنکھتے رہتے تھے۔ پادریوں نے تنگ آکر مسلمانان جنڈیالہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ مرزا غلام احمد اپنی صلیب شکنی کا پیشہ ڈھنڈورا پیٹا کرتا تھا۔ اس لیے اکثر عوام کے دلوں پر اس کے علمی کمالات کی دھاک بٹھھی ہوئی تھی۔ اس بنا پر مسلمانان جنڈیالہ نے مرزا کو اسلامی مناظر کی حیثیت سے کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔ کسی شخص نے مرزا کی الحاد پسندیوں پر اعتراض کیا تو کہنے لگے کہ مرزا اپنی ذات سے کافر و ملحد ہی کیوں نہ ہو مگر امید ہے کہ پادریوں کے مقابلہ میں اسلام کی عزت رکھ لے گا۔ مولوی محمد حسین ہٹالوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسلمانان جنڈیالہ کو ان کی خود رائی پر ملامت کی اور بتایا کہ مرزا میں اتنی استعداد نہیں ہے کہ وہ نصاریٰ کے مقابلہ سے عمدہ بر آہو سکے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ قادیانی نے آج تک کس مخالف اسلام سے مباحثہ کر کے اس پر فتح حاصل کی۔ اس کی علمی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ کتاب ”براہین احمدیہ“ میں حقیقت اسلام کے تین سو دلائل پیش کروں گا مگر ایک دلیل کی بھی تکمیل نہ کر سکا۔ ہوشیار پور میں ایک آریہ سے مباحثہ کر کے بحث کو دوپروچوں میں محدود کر دیا اور نہ تو فریق مقابل کو باقی ماندہ دلائل پیش کرنے اور اپنی طرف سے ان کی تردید کرنے کا موقع دیا اور نہ اپنی طرف سے آریوں کے عقلی دلائل پیش کر کے ان کی تردید کی۔ اسی رسالہ میں تنازع کی بحث کو چھیڑا مگر اس کو بھی ادھر اور اچھوڑ دیا۔ مسلمانان جنڈیالہ نے کہا کہ اگر قادیانی مناظرہ کا اہل نہیں ہے تو پھر دوسرا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک نہیں بلکہ

لاہور، امرتسر اور دوسرے بلاد پنجاب میں بہت سے علماء ایسے موجود ہیں جو پہلے سے تقریر اور تحریر پادریوں سے مناظرے کر رہے ہیں ان میں سے کسی ایک کو انتخاب کر لو۔ دور کیوں جاؤ میں خود اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ انشاء اللہ دیکھ لو گے کہ کس طرح پادریوں کا ناطقہ بند ہوتا ہے لیکن قادیانی پروپیگنڈے سے اثر پذیر ہونے کی وجہ سے حقیقت ناشائس مسلمانان جنڈیالہ پر مرزا کا جاوہل چکا تھا۔ انہوں نے مولوی صاحب کی ایک نہ سنی اور مرزا ہی کو مناظر اسلام کی حیثیت سے پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہا۔ موضوع عیسیٰ پانچ مسائل قرار پائے۔

(1) حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ میں کون سا نبی اپنی کتاب اور نیز دوسرے دلائل سے معصوم ہے؟

(2) ان دونوں میں سے کس بزرگ ہستی کو زندہ رسول کہہ سکتے ہیں جو الٰہی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے؟

(3) ان میں سے کس کو شفیع کہہ سکتے ہیں؟

(4) مسیحیت اور اسلام میں سے زندہ مذہب کون سا ہے؟

(5) انجیل اور قرآن کی تعلیمات میں سے کس کی تعلیم اعلیٰ درجے پر ہے؟

مناظرہ تحریری قرار پایا۔ عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم پنشنر جو پہلے مسلمان تھا اور پھر کئی سال سے مرتد ہو گیا تھا مناظرہ قرار پایا۔ پندرہ دن تک مناظرہ ہوتا رہا لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کیونکہ فریقین اپنی اپنی فتح کا ڈنکا جانے لگے۔ مولوی تاج الدین احمد صاحب پلیڈر لاہوری نے اس مناظرہ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کی اس عزت کو سخت چرکا لگایا ہے جو حافظ ولی اللہ مرحوم کے وقت سے پادریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حاصل تھی۔ حافظ ولی اللہ نے ان کو بالکل عاجز و لا جواب کر رکھا تھا اور وہ اسلام کی طرف سے سخت مرعوب تھے لیکن مرزا غلام احمد نے اس رعب کو دور کر دیا ہے۔ اس مناظرہ کی ناکامی پر نہ صرف مسلمانان جنڈیالہ کو شرمسار ہونا پڑا بلکہ خود مرزا غلام احمد بھی نہایت خفیف ہوا کیونکہ وہ باوجود لمبے چوڑے دعوؤں کے ایک معمولی پادری کو بھی نیچا نہ دکھا سکا۔ اس لیے اس نے رفع محفت کے لیے 5 جون 1893ء کو یعنی مناظرہ کے آخری دن بوقت اختتام جلسہ اپنے حریف مقابل مسٹر آتھم کے متعلق یہ پیشین گوئی بھرے جلمے میں باواؤ بلند سنائی۔ ”آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم نے تضرع اور اہتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز مند سے ہیں۔ تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بھارت کے طور پر دیا ہے کہ اس عہد میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عدا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا

اور اس کو ذلت پہنچے گی بھر طیکہ حق کی طرف رجوع کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔ اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سو جاگھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔ میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی محسوس تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لیے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے ہزائے موت ہادیہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ روسیہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں۔ اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔ (جنگ مقدس) خدا خدا کر کے سو سال کی طویل مدت گزری اور لوگ یہ دیکھنے کے قابل ہو سکے کہ مرزا کی پیشین گوئی سچی نکلتی ہے یا جھوٹی۔ معلوم ہوا ہے کہ جس تاریخ کو پندرہ مہینے کی معیاد ختم ہونے والی تھی اس رات قادیان میں کوئی مرزائی نہ سویا۔ مرزا اور مرزائی رات بھر سر بھجور ہے کہ الہی! طلوع آفتاب سے پہلے آتھم کا کام تمام کر دے مگر خدائے غیور خانہ ساز مقدمین کی دعائیں قبول نہیں کرتا بلکہ انہیں عبرت روزگار بننے کے لیے ذلت و رسوائی کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔ سو سال کی مقررہ معیاد گزر گئی مگر آتھم مذکور نہ مرا۔ اور پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔ مرزا کا بری طرح مذاق اڑایا گیا۔ اور مرزائیوں کی بڑی رسوائی ہوئی۔ تفصیل کے لیے کتاب ”رئیس قادیاں“ کا مطالعہ فرمائیے۔ جب یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی تو مرزائی حلقوں میں اضطراب و خفاشار کی لہر دوڑ گئی۔ جو مرزائی بڑھ بڑھ کر باتیں بنایا کرتے تھے وہ شرم کے مارے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ سردار محمد علی مالیر کو ٹلوی جسے مرزائی شاید اس بنا پر کہ آئندہ چل کر مرزا غلام احمد نے اپنی آٹھ نو سالہ بیٹی مبارک بیگم اس کے حوالہ ازدواج میں دے کر دانا دینا تھا۔ نواب محمد علی خاں کہا کرتے ہیں سب سے زیادہ پریشان اور حواس باختہ دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اس موقع پر اضطراب آفرین لیکن نہایت دلچسپ چٹھی مرزا غلام احمد کے نام لکھی۔ وہ کتاب ”رئیس قادیاں“ میں آپ کی نظر سے گذرے گی۔ مرزا نے اس چٹھی کے جواب میں سردار محمد علی کو جو خط لکھا اس میں مرقوم تھا۔ ”آتھم کے زندہ رہنے کے بارے میں میرے دوستوں کے بہت خط آئے لیکن یہ پہلا خط ہے جو تہذیب اور تردد اور شک اور سوء ظن سے بھر ا ہوا تھا۔ بعض لوگوں نے اس موقع پر نئے سرے سے بیعت کی ہے بہر حال آپ کا خط پڑھنے سے آپ کے من الغافل سے بہت سی رنج ہوا جن کے استعمال کی ہرگز امید نہ تھی۔ (مکتوبات احمدیہ) آتھم کے مناظرہ کے بعد مرزا نے مولوی عبدالحق غزنوی سے امرتسر میں مہللہ کیا۔ اس کی کیفیت اور انجام معلوم کرنا ہو تو کتاب

”رئیس قادیاں“ کی طرف رجوع فرمائیے۔ مولوی غلام دہلگیر صاحب قصوری کے مناظرہ سے مرزا نے جو شاندار پسپائی اختیار کی اس کی کیفیت بھی آپ کو اسی کتاب میں ملے گی۔

پنڈت لیکھرام کا قتل

نقدس کے دکاندار اپنی پیشین گوئیوں میں قرآنِ حالیہ سے بہت کام لیتے ہیں۔ اگر قرینہ حسب توقع انجام پذیر ہوا تو اپنی صداقت کا ڈنکا بجانے لگتے ہیں اور اگر خلاف مدعا ظاہر ہو تو تاویل کاریوں اور خن سازیوں کا دروازہ تو ان کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ ہمہ کمپنیوں کے ایجنٹوں کو آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ زندگی کا ہمہ کرانے والے کاڈاکٹری معائنہ کراتے ہیں اور اس کی جسمانی حالت اور عمر کا لحاظ کر کے تخمینہ سے کہہ دیتے ہیں کہ تم اتنی مدت کے اندر نہیں مرؤ گے۔ اور اگر مر جاؤ تو ہم اتنے ہزار روپیہ تمہارے ورثاء کی نذر کریں گے۔ پھر جتنی رقم اور مدت کا ہمہ ہوتا ہے اس سے اتنے سال تک کچھ معین رقم سالانہ یا ماہانہ وصول کرتے رہتے ہیں اس طرح ہمہ کمپنیاں قرآنِ داخلیہ و خارجیہ کا لحاظ کر کے عموماً کامیاب ہوتی ہیں اور کروڑوں روپیہ اسی ترکیب سے کماتی ہیں۔ مرزا بھی قرآنِ حالیہ کو دیکھ کر پیشین گوئیاں کر دیتا تھا۔ اگر وہ قرینہ صحیح اترتا تو اپنی عظمت و کبریائی کا نفاذ بجانے لگتا ورنہ تاویل کاری اور خن سازی کا مرزائی میدان اتنا وسیع تھا کہ شاید عالم خیال کے جو لاناگاہ کو بھی اتنی وسعت نصیب نہ ہوگی۔ ان ایام میں برگشتہ نخت لیکھرام کے بھکمی جذبات کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر سر عام پاؤں کے سردار سیدنا احمد مختار رحمۃ اللہ علیہ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کر رہا تھا اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو اس ابلیسانہ حرکت پر ریش نہ ہو۔ جس طرح 1927ء میں پنجاب کے ہر مسلمان کو یقین تھا کہ راجپال جلد یابدیر ضرور قتل ہوگا۔ اسی طرح 1892ء کے اوائل اور 1893ء کے اوائل میں ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ کسی نہ کسی باحمیت اور غیرت مند مومن کی چھری لیکھرام کو ضرور پیام ہلاکت سنائے گی۔ یہ حالت دیکھ کر مرزا غلام احمد نے 20 فروری 1893ء کو پیشین گوئی کر دی کہ لیکھرام آریہ چھ برس کے اندر اندر اپنی بد زبانوں کی سزا میں یعنی ان بے ادیبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ (ضمیمہ کمالات) جب یہ پیشین گوئی شائع ہوئی تو لیکھرام نے کہا کہ یہ پیشین گوئی میرے قتل کرانے یا زہر دلانے کا منصوبہ ہے۔ اس کے بعد پنڈت نے مرزا غلام احمد کو لکھا کہ میں قتل وغیرہ کی گیڈر بھبھکیوں سے نہیں ڈرتا۔ اگرچہ مجھ تمہارے اندر کوئی جوہر ہے تو اس قسم کا کوئی معجزہ دکھا کر مجھے قائل کرو مثلاً ایک ماہ تک اپنے الہامی خدا سے سنسکرت کی تعلیم حاصل کر کے لکچر اور وعظ کرنا سیکھو اور آریہ سماج کے مشہور پنڈتوں دیوت اور شام کرشن کے ساتھ شاستر اتھہ کر کے فتح حاصل کرو یا اس قسم کا کوئی اور معجزہ دکھا دو۔ اگر کوئی معجزہ دکھا سکو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ ورنہ میں کسی

حالت میں تمہاری چالوں میں نہیں آسکتا۔ اس کے جواب میں لیکھرام کو ایک سرخ چٹھی موصول ہوئی۔ جس میں لکھا تھا۔ ”مخد مت پیشوائے گمراہاں افتخار ہنوداں پنڈت لیکھرام مادام فی النار والسعد و غضب اللہ مثل کلب ناپاک بجد ام اسلمہ شمار خواہند کشت۔ پس بہ نہایت مذلت ہنوداں شمارا بہ چہار چوبہر داشتہ کہ لول درجہ علامت غضب اللہ است در آتش دنیا خواہند سوخت۔ پنڈتا! شنیدہ باشد کہ شخصے شیر علی گور ز جزل صاحب بہادر را بے جرم کشتہ بود۔ پس شاہچہ منصب ولیاقت و ایدہ کہ ہما آختان پے در پے نخواہند کشت (آریہ مسافر لاہور) الغرض مرزائی پیشین گوئی کے چار سال بعد یعنی 6 مارچ 1897ء کو پنڈت لیکھرام کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مرزائی لیکھرام کے قتل کی مدت بڑی لمبی چوڑی رکھی تھی۔ اور قتل ہوتے ہوتے بھی اس نے چار سال لگادیئے لیکن دھرم پال کی ہلاکت کے متعلق بیسیوں مسلمانوں نے مدت قبیل کی پیشین گوئیاں کر رکھی تھیں جو حرف عرف پوری ہوئیں۔ مرزائی لوگ قتل لیکھرام کی مرزائی پیشین گوئی پر بہت اترا کر تے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اس پیشین گوئی میں کوئی جدت نہیں تھی۔ قرآن عالیہ کو دیکھ کر تو زید عمر و بکر ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے اس سے قطع نظر آریوں نے بلا ثبوت اعلان کیا تھا کہ مرزا غلام احمد ہی نے پنڈت لیکھرام کو قتل کرایا ہے اور وہ بھی اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔ چنانچہ وہ ہر ملاکتے تھے کہ ہم مرزائی سے اس کا انتقام لیں گے۔ اخبار آفتاب ہند کے ایک نامہ نگار نے لکھا مرزا قادیانی خبردار۔ مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے۔ بحرے کی ماں کب تک خیر مناسکتی ہے۔ جب اس قسم کے مضامین کی بنا پر مرزا کو اپنی جان کا خطرہ ہوا تو اس نے حکومت پنجاب کے لئے ایک درخواست بھیج کر اس سے حفاظت جان کی درخواست کی۔ (دیکھو تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد جلد 3، صفحہ 64) پنڈت لیکھرام کے واقعہ قتل اور نتائج مابعد کی نہایت دلچسپ تفصیلات کے لیے کتاب ”رئیس قادیان“ کی طرف رجوع کیجئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ کو دعوت مبارزت

مرزائیت کی تردید میں آج تک جو ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں ان میں شاید سب سے پہلی کتاب ”شمس الہدایہ“ تھی جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے جو علم حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آج سے قریباً چالیس سال پہلے زیب رقم فرمائی۔ اس کتاب میں مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو اس طرح منقح کیا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مرزائی حلقوں میں کمر لگ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزائی اپنے حواری خاص مولوی محمد احسن امرودی سے اس کا جواب نام ”شمس باغہ“ لکھوا کر شائع کیا۔ حضرت پیر صاحب نے ”شمس باغہ“ کی تردید میں کتاب ”سیف چشتیائی“

لکھی۔ یہ کتاب آج تک کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ لیکن گزشتہ 38 سال کی طویل مدت میں امت مرزائیہ کو اس کا جواب لکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا جب کتاب ”سیف چشتیائی“ نے مرزائیت کے سدے حے کو جزدیے اور مرزائیت کا جنازہ ذلت و رسوائی کے بحر ظلمات میں ڈوبنا نظر آیا تو مرزا نظام احمد نے اس تن مردہ میں تڑسروز زندگی کی روح پھونکی چاہی چنانچہ اس کوشش میں 20 جولائی 1900ء کو ایک مطبوعہ اعلان میں حضرت پیر مر علی شاہ صاحب اور ہندوستان بھر کے دوسرے چھپاسی علمائے کرام و صوفیائے عظام کو لاہور آکر مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ اور لکھا کہ ”مر علی شاہ صاحب اپنے رسمی مشیت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو چھڑیں۔ اس غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن اور حدیث سے کیسے بے سیرہ اور بے نصیب ہیں۔ وہ اپنی کتاب کے ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکتے جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہو گا حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم غضری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور ناقز نزول کے لفظ کے لئے معنی کرتے ہیں۔ اگر مر علی شاہ صاحب اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک سہل طریق پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ پیر صاحب میرے مقابل سات گھنٹہ تک زانو بہ زانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی میں تفسیر لکھیں جو تقطیع کلاں کے پس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر دونوں تفسیریں تین عالموں کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہو گا سنائی جائیں۔ جس کی تفسیر کو وہ حلفاً پسند کریں وہ موید من اللہ سمجھا جائے۔ مجھے منظور ہے کہ پیر مر علی شاہ صاحب اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بنالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی امر تسری اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یاتین اور مولوی منتخب کر لیں جو ان کے مرید اور پیروندہ ہوں۔ اگر پیر صاحب کی تفسیر بہتر ثابت ہوئی تو میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اپنے دعویٰ کے متعلق ہیں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا اور اگر وہ مقابلہ میں مغلوب ہو گئے یا انہوں نے مباحثہ سے انکار کر دیا تو ان پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں۔ میں مکرر لکھتا ہوں کہ پیر صاحب مباحثہ میں بالکل ناکام رہیں گے بلکہ مباحثہ کے لیے لاہور ہی نہیں آئیں گے اور میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصور ہو گا جبکہ پیر مر علی شاہ صاحب جز ایک ذلیل اور قابل شرم اور ریک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی نہ لکھ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تمھوکیں اور نفرت کریں کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر پیر مر علی شاہ صاحب اپنے تئیں مومن مستجاب الدعوات جانتے ہیں تو وہ بھی ایسی ہی دعا کریں اور

یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مامور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لیے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔ یاد رہے کہ مقام عٹ بجز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا۔ اگر میں حاضر نہ ہوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس کے افسر بلا لیے جائیں گے اور لعنت ہو اس پر جو تحلف یا انکار کرے۔ مرزا کو پورا اطمینان تھا کہ پیر صاحب جو نہایت معمور الاوقات اور عزت گزین بزرگ ہیں اور ذکر الہی ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ مناظرہ کے لیے ہرگز نہیں آئیں گے اور مریدوں کے سامنے یہ شیخی بھانسنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب گولڑوی جیسا فاضل اجل جس کے لاکھوں مرید ہیں میرے مقابلہ کی جرات نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ دیکھ کر مرزا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پیر صاحب نے سچ سچ اس چیلنج کو منظور کر لیا اور 25 جولائی 1900ء کو لکھ بھجاکہ ”مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار آج 20 جولائی 1900ء کو نیاز مند کی نظر سے گذرا۔ خاکسار کو دعوت حاضری جلسہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب منظور ہے لیکن درخواست یہ ہے کہ میری بھی ایک گزارش کو شرائط مجوزہ کے سلک میں منسلک فرمایا جائے اور وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب اجلاس میں پہلے اپنی مسیحیت و مددویت کے دلائل پیش کریں اور میں مرزا صاحب کے دلائل کا جواب دوں۔ اگر مرزا صاحب کے تجویز کردہ تینوں حکم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو پایہ ثبوت تک نہیں پہنچا سکے تو وہ میرے ہاتھ پر توبہ کریں۔ میں اپنی طرف سے تاریخ مناظرہ 25 اگست 1900ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ ارزاہ کرم آپ تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ جائیے۔ لاہور امرتسر اور بعض دوسرے مقامات کے علماء کو ہم خود جمع کر لیں گے۔ دوسرے علماء کے جمع کرنے کا ہم ذمہ نہیں لے سکتے۔ الغرض جب تمام مراحل طے ہو گئے تو حضرت پیر صاحب بروز جمعہ 24 اگست 1900ء کو علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں سے اکثر کے نام مرزا کی فرست میں درج تھے لاہور تشریف لے آئے۔ مناظرہ لاہور کی شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ قادیانی بھی وقت معمودہ پر پہنچ جائے گا مگر اسے حق کے رعب نے مقابلہ پر آنے کی اجازت نہ دی البتہ اس کی جگہ ایک مطبوعہ اشتہار لاہور میں تقسیم کرادیا کہ پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے۔ واقعی یہ بھی مسیح قادیان کا ایک معجزہ تھا کہ قادیان سے قدم بہاہر رکھنے کی تو خود جرات نہ ہوئی اور مقابلہ سے راہ فرار پیر صاحب نے اختیار کی اور صرف یہی نہیں کہ پیر صاحب کی ہزیمت و فرار کے اشتہار ان کی مراجعت کے بعد شائع کئے گئے ہوں بلکہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسر لکھتے ہیں کہ جب یوم مباحثہ کی صبح کو پیر صاحب اور دوسرے لوگ شاہی مسجد کی طرف جا رہے تھے تو راستہ میں ہر جگہ نہایت چوہ قلم اشتہارات لاہور کی دیواروں پر چسپاں پائے گئے۔ جن کا یہ عنوان تھا۔ ”پیر مر علی کا فرار“ جو لوگ پیر صاحب کو چشم خود لاہور میں دیکھ رہے تھے وہ زبان

حال کہہ رہے تھے۔

این چہ می بینم بہ میداری ست یارب یا خواب ؟

آخر جب پیر صاحب 29 اگست کے روز بعد انتظار بسیار لاہور سے مراجعت ہوئے تو مرزا کا ایک زرد رنگہ اشتہار جو بزبان حال مرزائی ہزیمت اور زور و روئی کی شہادت دے رہا تھا بلا تاریخ نکلا جس میں لکھا تھا کہ پیر صاحب نے ہمارا طریق فیصلہ کو قبول نہ کیا اور چال بازی کی اس کے بعد ایک اور اعلان بھی شائع کیا جس کا عنوان ”آخری حیلہ“ تھا۔ گو اس اشتہار پر تاریخ طبع درج تھی لیکن یہ لاہور میں پیر صاحب کی مراجعت کے کئی دن بعد تقسیم ہوا۔ اس میں لکھا تھا۔ ”اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ لاہور کے گلی کوچوں میں پیر صاحب کے مرید اور ہم مشرب شہرت دے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالقابل تفسیر لکھنے کے لیے لاہور میں پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا حالانکہ یہ تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں بلکہ خود پیر صاحب بھاگ گئے ہیں۔ میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پٹھان پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جو شوں سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو اس صورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے۔ اس فتنہ اور اشتعال کے وقت میں بجز شرکی و میسوگی پوری طرح کی ذمہ داری کے لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد 10، ص 139-142) اس اعلان کے متعلق فشی الہی بخش صاحب اکائونٹنٹ لاہور نے جو سالہا سال تک مرزائی رہنے کے بعد مرزائیت سے تائب ہوئے تھے کتاب ”عصائے موسیٰ“ میں لکھا۔ جب مرزا صاحب لاہور آنے سے ایسے ہر اسال و ترساں تھے تو اول خود ہی اشتہار دے کر اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالا؟ مرزا صاحب نے خود ہی تو تمام دنیا کو مقابلہ کے لیے بلایا اور اشتہار پر اشتہار شائع کئے اور جب آپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت پیر صاحب اور دوسرے حضرات جمع ہوئے تو فرمانے لگے کہ ایسے مجمع میں جانا تو گویا آگ میں کود پڑنا ہے۔ ذرا غور کرو کہ اللہ کے مرسل توحیح دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیئے گئے لیکن حافظ حقیقی نے انہیں ہر طرح سے محفوظ رکھا لیکن آپ محض خیالی اور مجازی آگ میں قدم رکھنے سے بھی ڈر گئے جو خود بدولت ہی کی سلگائی ہوئی تھی۔ سچا مومن تو خیر الحافظین کے حفظ دامن اور اس کی نصرت بخششیوں کا بھروسہ کر کے ہر خطرے کا مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن منافق لوگ اس طرف قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

بے خطر کو پڑا آتش نمرود میں عشق

کفر ہے محو تماشا ئے لب بام ابھی

گو مرزا صاحب کو لاہور آنے کی جرات نہ ہوئی لیکن ہر کس و ناکس کو مرزا صاحب کے

اس قول کی تصدیق ہوگئی کہ اگر میں حاضر نہ ہوا تب بھی کاذب سمجھا جاؤں گا۔ (عصائے موسیٰ صفحہ 421) کے نمبر 4 میں شکوہ کیا کہ پیر صاحب نے اپنے جوابی اشتہار میں تحریری مقابلہ سے پہلے نصوص قرآن و حدیث کے رو سے مباحثہ کئے جانے کی کیوں خواہش کی؟ افسوس مرزا نے یہ شکایت کرتے وقت اتنا انصاف نہ کیا کہ انہوں نے خود ہی تو پیر صاحب کو علم قرآن و حدیث سے بے بہرہ بتایا تھا اور ان کی کتاب ”شمس الہدایہ“ کو جو مرزائیت شکنی میں بہترین کتاب ہے۔ ذخیرہ لغویات قرار دیتے ہوئے ان سے رفع و نزول مسیح علیہ السلام کے دلائل پیش کرنے کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ پیر صاحب شمس الہدایہ میں اس کے بیسیوں دلائل پیش کر چکے تھے۔ پس اگر پیر صاحب نے تفسیر نویسی کے مقابلہ سے پہلے مرزائی کجروی اور رفع و نزول مسیح علیہ السلام کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کے لیے تھوڑے سے زبانی مناظرہ کی بھی خواہش کی تو کیا بے جا کیا؟ اور پھر کہ جب مرزا جی نے حضرت پیر صاحب کے مطالبہ کو شرف قبول نہ عطا تو پیر صاحب نے بھی اس پر کچھ اصرار نہ فرمایا تھا بلکہ مرزائی دس شرطوں کو ہی قبول فرما کر مقابلہ تفسیر نویسی کے لیے لاہور تشریف لے آئے تھے اور پیر صاحب کے اشتہار مورخہ 21 اگست 1900ء میں مرزا کے تمام شرائط منظور ہو کر 25 اگست 1900ء کو جائین کالاہور پہنچ جانا قرار پا چکا تھا جس کے لیے مرزا کے پاس بضرط انصاف و دیانت کسی عذر خوانی اور حیلہ گرمی کی گنجائش نہ تھی۔ (عصائے موسیٰ) بہر حال مرزائی اس شاندار پسپائی نے قادیان کے خلاف شکنجہ ملامت کے بہت سے پتے کس دیئے اور مرزائیوں کے لیے گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ 28 اگست کے اشتہار میں تو مرزا نے لکھا تھا کہ میں نے سرحدی پٹھانوں کے خوف سے لاہور کا رخ نہیں کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد رسالہ اربعین میں یہ لکھ مارا کہ اگر پیر مر علی شاہ صاحب منقولی مناظرہ اور اپنی بیعت کی شرط پیش نہ کرتے تو اگر لاہور اور قادیان میں مدف کے پہاڑ بھی ہوتے اور جاڑے کے دن ہوتے تو میں تب بھی لاہور پہنچتا اور ان کو دکھلاتا کہ میں آسانی نشان اس کو کہتے ہیں۔ (اربعین نمبر 4، صفحہ 21) اس کے بعد 15 دسمبر 1900ء کو مرزائیوں شکوہ سنج ہوا کہ بلا وصف اس کے کہ اس معاملہ کو دو مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر اب تک جی مر علی شاہ کے متعلقین سب دھم سے باز نہیں آتے اور ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں جی مر علی شاہ کو آسمان پر چڑھایا ہوتا ہے اور مجھے گالیاں دی ہوتی ہیں۔ اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان باقتل تفسیر سمجھنے کے لیے صعوبت سزا تھا کہ لاہور میں پہنچے مگر یہ شخص اس بات پر اعلان پاتا کہ وہ حقیقتاً درجہ بہت بلند زمان اور سبحان دور لن اور علم معارف قرآن میں لامتناہی روزگار ہیں۔ اپنے حرن کی و ظہری میں چھپ گیا اور نہ حضرت پیر صاحب کی طرف سے معارف قرآنی کے بیان کرنے اور نین عرفی ن بافت دکھانے میں یہ انتہا ظاہر ہو سکتا۔ (حمینہ اربعین نمبر 3، ص 14، 15) پھر حالی مرزا نے مقابلہ

سے فرار کرنے کے متعلق اپنی طرف سے دو گونہ صفائیاں پیش کیں جو اوپر درج کی گئی ہیں لیکن عجب نہیں کہ اس کی ایک تیسری وجہ بھی ہو۔ اور شاید وہی حقیقی وجہ ہو جو خود تقدس ماب مرزا غلام احمد نے ”ضمیمہ تحفہ گوٹروہ“ (طبع سوم کے صفحہ 13) میں لکھی ہے کہ ”میدان میں ٹکنا کسی عنث کا کام نہیں۔“ مگر یاد رہے کہ میں مرزا کو خدا نخواستہ عنث بر شغال نہیں کہتا۔ بلکہ ”شیر“ سمجھتا ہوں جو اپنے ”شکار“ پیر صاحب پر حملہ کرنے کے لیے ڈکارتا ہوا قادیان سے لاہور آ پینچا تھا۔ چنانچہ خود ”قادیاں“ لکھتا ہے۔ ”اس وقت مر علی شاہ کمان ہے جس نے گولڑہ کو بد نام کیا؟ کیا وہ مردہ ہے جو باہر نہیں نکلے گا؟ اور شیر تو ضرور نعرہ مارتا ہے۔“ (اعجاز احمدی مؤلفہ مرزا غلام احمد صفحہ 49) بعض لوگ تقدس ماب مرزا غلام احمد کے شیر ہونے سے انکار کرتے ہوئے اسے شیر قالین قرار دیں گے لیکن میں ایسے لوگوں سے متفق نہیں ہوں۔ اُردو حقیقی شیر غراں نمی تھا تو کم از کم چیلنج دینے کا تو شیر تھا۔ اس لیے وہ شیر کا شیر رہا۔ شیر قالین نہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ مرزا غلام احمد ذرہ بے قدر اور موربے مایہ ہونے کے باوجود پہاڑ سے نکلنے لگتا تھا اور جب لمو لمان لور بد حال ہو کر گھر پڑتا تو دل میں عمد کرتا کہ اب کسی بڑے پہلوان سے مبارزت خواہ نہ ہوں گا۔ لیکن جب اپنا دومی رسالہ ”پینچی ٹیچی“ آکر ایک معبود نما جلوہ دکھاتا تو مقابلہ کی از سر نو تحریک ہوتی اور خم ٹھونک کر دوبارہ آ موجود ہوتا۔

شب زمے تو بہ کتم از شم ناز شاہداں

باہداواں روئے ساقی باز در کار آورد

حضرت پیر صاحب کے مقابلہ میں مرزا کو جو زخم آئے ان کو دو مہینہ تک سینٹا رہا۔ آخر جب زخم اچھے ہو گئے تو پیر صاحب سے از سر نو مقابلہ کی خواہش کا اظہار کرنے لگا اور لکھا کہ اگر کشتی دو پہلوانوں کی مشتبہ ہو جائے تو دوسری مرتبہ کرائی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک فریق تو دوبارہ کشتی کے لیے (قادیاں کے کونے میں دہکا) کھڑا ہے اور دوسرا جو جیتا ہے وہ مقابلہ پر نہیں آتا (ضمیمہ اربعین نمبر 3'4 ص 14) لیکن اگر وہ پیکارہ کسی حقیقی پہلوان ہی سے پوچھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ غالب اپنے مغلوب پہلوان سے دوبارہ کشتی نہیں لڑا کرتا۔ اور مغلوب بھی وہ جس کا چیلنج محض نمائش ہو۔ اگر کبھی کوئی سچ مچ سامنے آ موجود ہو تو گھر کے دروازے بند کر کے کسی کونے میں جا چھپے۔

افسوس کہ میں قلت گنجائش کی وجہ سے بیسیوں اہم واقعات قلم انداز کرنے پر مجبور ہوں جو صاحب مسیح قادیاں کی عجوبہ روزگار شخصیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنا چاہیں وہ خاکسار راقم الحروف کی کتاب ”رئیس قادیاں“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

مسیح قادیاں کی عربی دانی

مرزا غلام احمد کو عربی ادب و شعر گوئی کا پر نونے میں بڑا کمال تھا۔ بلکہ یہ کمال اعجازی

درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ مرزا کی عربی زبان اس قدر لچر ہے کہ اس کے پڑھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علماء اس کی عربی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالتے رہے مگر نصف صدی کا طویل زمانہ گذر جانے کے باوجود یہ سلسلہ بنوز منقطع نہیں ہوا اور اس پر طرہ یہ کہ مرزائیوں نے اپنے مسیح کو الٹا ”سلطان القلم“ کا لقب دے کر ظلم و ادب کا منہ چڑایا ہے۔ مولوی محمد حسین ہنالوی شاید سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے مرزا کی عربی تحریروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ انہوں نے سب سے پہلے مرزا کی کتاب ”دافع دساوس“ کا مطالعہ کیا اور اس میں جیساٹھ غلطیاں نکال کر شائع کیں۔ مرزانے ان اغلاط کو صحیح ثابت کرنے کے بجائے حسب عادت گالیاں دے کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا۔ جو صاحب اس فہرست اغلاط کے دیکھنے کے شائق ہوں وہ رسالہ اشاعت السنہ (جلد 15، ص 316-328) کا مطالعہ فرمائیں۔ مولوی محمد حسین تو ایک بڑے فاضل تھے وہ اس کی عربی تحریروں میں سینکڑوں ہزاروں غلطیاں نکال سکتے تھے مگر بعض غیر علماء بھی اس فرض کی انجام دہی سے قاصر نہ تھے چنانچہ رسالہ ”کرامات الصادقین“ کے متعلق مرزانے اعلان کیا کہ جو شخص اس میں سے کوئی غلطی نکالے گا اسے فی غلطی پانچ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ باہو احمد الدین کلرک محکمہ انکم ٹیکس سیالکوٹ جنہوں نے محض ایف اے یا بی اے کلاس کی عربی تعلیم حاصل کی تھی اس خدمت پر گمر بستہ ہوئے اور رسالہ کے چند ابتدائی صفحات کو سرسری نظر سے دیکھ کر جھٹ گیارہ غلطیاں نکالیں اور بذریعہ جنسی بھیج کر چھین روپے انعام کا مطالبہ کیا لیکن مرزانے نہ صرف وعدہ انعام کو ایفانہ کیا بلکہ ایسی چپ سادھی کہ گویا اس قسم کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا تھا۔ (اہل حدیث امرتسر 25 اگست 1916ء) باہو احمد الدین نے وہ غلطیاں اخبار ”وزیر ہند“ سیالکوٹ مورخہ 8 اگست 1894ء میں چھپوا دیں۔ اس پر مرزا غلام احمد اور اس کے پیروؤں کو بہت خفت اٹھانی پڑی۔ (اشاعت السنہ جلد 16، ص 53) اسی طرح مولوی عبدالعزیز صاحب پروفیسر مشن کالج پشاور نے بڑے طمطراق سے رسالہ ”کرامات الصادقین“ کی غلطیاں نکالیں مگر مرزانے ان کو بھی کچھ انعام نہ دیا۔ جو حضرات ان اغلاط کے دیکھنے کے خواہشمند ہوں وہ جریدہ ”اہل حدیث“ کی 21 جولائی 1916ء اور 28 جولائی 1916ء کی اشاعتوں کا مطالعہ فرمائیں۔ مرزانے 22 فروری 1901ء کو رسالہ ”اعجاز المسح“ جس میں سخت ٹھہرانہ انداز میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی شائع کیا اور اسے قرآن پاک کی طرح معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ مرزائیوں نے اس کی اشاعت پر بڑا اودھم مچایا اور کہا کہ قرآن کے بعد اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ ”علمائے امت نے فرمایا کہ ”دعویٰ اعجاز تو چھوٹا منہ بڑی بات ہے اس کی عبارت تک درست نہیں۔“ حضرت پیر مر علی شاہ گولڑوی نے کتاب ”سیف چشتیائی“ میں نہ صرف ”اعجاز المسح“ کی غلطیوں کے انبار لگا کر مرزائیوں کی حماقت ظاہر کی بلکہ یہ بھی دکھا دیا کہ ”سلطان القلم“ صاحب نے کس کس کتاب سے کیا کیا عبارتیں چرائی ہیں؟ جو صاحب ان اغلاط و مسروقات کو دیکھنا چاہیں وہ

ہے ہاں اگر اس کو اس لحاظ سے معجزوے مثل کہیں کہ مہمل نگاری میں دنیا کے اندر اس کی کوئی مثل نہیں تو اس کے اعجاز سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ جو حضرات ”اعجاز احمدی“ کے اغلاط دیکھنا چاہیں وہ کتاب ”السمات مرزا“ (صفحات 98-102) کا مطالعہ فرمائیں۔ باوجودیکہ وہ قرۃ العین بھی مرزا کی طرح باطل کی بہرہ تھی مگر جہاں مرزا کا ”قصیدہ اعجازیہ“ پڑھنے سے دل میں سخت تکدر اور انقباض پیدا ہوتا ہے وہاں قرۃ العین کا قصیدہ پڑھتے وقت ایک روحی لذت محسوس ہوتی ہے۔ ”قصیدہ اعجازیہ“ میں بھی دوسری مرزائی تالیفات کی طرح گالیوں کی بھرمار ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی ”دیامتہ“ کہیں، جھوٹا کرشمہ وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے اس نام نہاد قصیدہ کے مقابلہ میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم سائیک پروفسر اور نیشنل کالج لاہور جو ہمارے ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے ایک قصیدہ بنام ”قصیدہ رائیہ“ شائع کیا جس کے 62 اشعار نمونہ ”کتاب السمات مرزا“ (ص 103-105) میں نقل کئے گئے ہیں۔ ”اعجاز احمدی“ کے جواب میں مولانا نعیمت حسین صاحب موٹگیری نے بھی ایک کتاب ”ابطال اعجاز مرزا“ دو حصوں میں لکھی۔ پہلے حصہ میں مرزائی نظم کے اغلاط ظاہر کئے اور دوسرے حصہ میں سواچھ سو اشعار کا نہایت فصیح و بلیغ عربی قصیدہ لکھا۔ یہ رسالہ چھپ چھکا ہے اور پنجاب میں بعض حضرات کے پاس موجود ہے۔ مولانا اصغر علی صاحب روحی سائیک پروفسر اسلامیہ کالج لاہور نے بھی ”اعجاز احمدی“ کے جواب میں ایک قصیدہ شائع کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔

تسیر الی ربع الحبیب الزوامل فیالک شوقاً ہیجته المنازل

اونٹیاں منزل حبیب کی طرف جارہی ہیں اللہ رے وہ شوق جس کو منازل نے ابھارا ہے

اسی طرح ایک قصیدہ مولوی محمد حسن فیضی مرحوم متوطن موضع بھین ضلع جہلم نے بصنعت غیر منقوٹ شائع کیا۔ یعنی اس قصیدہ کے کسی لفظ میں کوئی نقطہ دار حرف نہیں تھا۔ جو صاحب اس قصیدہ کا نمونہ دیکھنا چاہیں وہ رسالہ ”تازیانہ عبرت“ (ص 47-48) کی طرف رجوع فرمائیں۔ فیضی صاحب کا قصیدہ انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہوار رسالہ میں شائع ہوا تھا لیکن مرزا کی مجال نہیں تھی کہ اس کے مقابلہ میں ایک غیر منقوٹ فصیح و بلیغ شعر لکھ کر ہی دکھا دیتا۔ یہاں یہ تا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سید رشید رضا ایڈیٹر المنار قاہرہ نے مرزا کی عربیت کا مذاق اڑایا تھا۔ مرزا نے اس کا جس شکل میں انتقام لیا وہ مرزائی تہذیب کا روشن ترین مرقع ہے۔ اس مرزائی عنونت نگاری کی دلچسپ تفصیل کتاب ”رئیس قادیاں“ میں آپ کی نظر سے گزرے گی۔ ایک مرتبہ مولانا اصغر علی صاحب روحی نے مرزا کی بعض عربی کتابوں میں سے شرمناک قسم کی غلطیاں نکالی ہیں۔ یہ لکھ کر مولوی صاحب سے چیخ بھڑکایا۔ نہ میں کو لکھ بھیجتی تھیں۔ مرزا نے اخبار الحکم قادیاں میں یہ لکھ کر مولوی صاحب سے چیخ بھڑکایا۔ نہ میں عربی کا عالم ہوں اور نہ شاعر ہوں (اخبار الحکم قادیاں مورخہ 17 اکتوبر 1903ء صفحہ 5)۔ مرتبہ

مولانا صفر علی صاحب رومی نے مرزا کے رسالہ ”حماقتہ البشریٰ“ کی غلطیاں نکال کر مرزا کے حواری خواجہ کمال الدین کو خفا کر دیا تھا۔ یہ دلچسپ واقعہ بھی کتاب ”رئیں قادیاں“ میں ملاحظہ فرمائیے۔

مرزائیت کے ماخذ اور اصول مذہب

مرزا غلام احمد نے اپنا جو پتہ جاری کیا وہ مختلف ادیان و مذاہب سے ماخوذ تھا۔ اس نے اسلام، آریہ دھرم، یسودیت، نصرانیت، باطنیت، ہندویت، بابیت اور بہائیت کے تھوڑے تھوڑے اصول لے کر ان کو اپنایا۔ اور ایک معجون مرکب تیار کر کے اس کا نام احمدیت رکھ دیا۔ ذیل میں آپ کو معلوم ہو گا کہ مسیح قادیاں نے کون کون سا عقیدہ کہاں کہاں سے اڑایا؟ اس نے جو اصول و عقائد اسلام سے اخذ کئے وہ تو ہر ایک کو معلوم ہیں۔ اس لیے ان کا اندراج غیر ضروری ہے البتہ اس نے غیر اسلامی مذاہب کے سامنے کشلول گدائی پھرا کر جو لقمے حاصل کئے ان پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

یسودی پیروی اور ہمنوائی

قادیان کے خانہ ساز مسیح نے جن مسائل میں اسلام کی صراط مستقیم کو چھوڑ کر یسودی تقلید کی ان میں سے چند امور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔ یسود حضرت مریم بتول (علیہا السلام) کو (معاذ اللہ) زانیہ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو (خاکم بدہن) ناجائز تعلقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مرزا نے بھی ان کی تقلید میں حضرت مریم بتول سلام اللہ علیہا کی شان پاک میں وہی گندگی اچھالی۔ چنانچہ ”ایام الصلح“ میں لکھا کہ ”یسودی طرح افغانوں میں بھی رواج ہے کہ اگر ان کی لڑکیاں نکاح سے پہلے اپنے منسوب سے میل ملاقات رکھیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے مثلاً مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ اختلاط اور اس کے ساتھ گھر سے باہر چکر لگانا اس رسم کی شہادت دیتا ہے اور بعض پہاڑی خوانین کی لڑکیاں اپنے منسوبوں سے حاملہ بھی ہو جاتی ہیں۔ اس میں کچھ ننگ و عار نہیں سمجھا جاتا۔ (ترجمہ از ایام الصلح مولفہ مرزا غلام صفحہ 65 حاشیہ) اور ”کشتی نوح“ میں لکھا ”مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیوں نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا اور تعدد ازواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنی باوجودیکہ یوسف بخار کے گھر میں پہلی بیوی موجود تھی پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف بخار کے نکاح میں آوے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں۔

(کشتی نوح صفحہ 16) اور ”چشمہ مسیحی“ میں لکھا کہ جب چھ سات مہینہ کا حمل نمایاں ہو گیا تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک عذار سے نکاح کر دیا۔ اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کے پیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسیٰ یایسوع کے نام سے موسوم ہوا۔ (چشمہ مسیحی صفحہ 18) ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ خدا کے ایک برگزیدہ رسول کو غیر ظاہر قرار دینے میں مرزا نے کس طمطراق کے ساتھ یہود کی ناپاک سنت کی تجدید کی؟ جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں اسی طرح مرزا نے بھی انکار کیا چنانچہ لکھا کہ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص 706) جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گالیاں دیتے ہیں اسی طرح قادیانی نے بھی دیں۔ چنانچہ لکھا کہ ہم ایسے ناپاک خیال اور منکبر اور راجعازوں کے دشمن کو ایک بھلا ناس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 9) مرزا نے حضرت مسیح علیہ السلام کو جو گالیاں دیں۔ ان کو مرزا کی کتابوں ضمیمہ انجام آتھم اور ”دافع البلاء“ میں دیکھئے۔ خدا کے برگزیدہ رسول حضرت مسیح علیہ السلام کی دشمنی میں مرزا کی شدت انہماک کا یہ عالم تھا کہ اس نے آپ کو خاص وہ گالیاں دینے کے لیے جو تیرہ نخت یہود دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائیں۔ (دیکھو مکتوبات احمدیہ 5 حصہ اول، صفحہ 5) جس طرح یہود توراہ میں تحریف کرتے رہتے تھے چنانچہ ارشاد ربانی۔ **ويعبر فون الکلم عن مواضعه** (کلام الہی میں تحریف تبدیل کرتے تھے) اس پر گواہ ہے۔ اسی طرح مرزا نے قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں سینکڑوں تحریفیں کیں۔ مرزا غلام احمد کی تحریفات کے نمونے آئندہ صفحات پر حوالہ قلم ہوں گے۔ حکیم نور الدین کی تحریفات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ 10 دسمبر 1912ء کو سورہ صف کے درس میں کسی سامع نے حکیم نور الدین سے درخواست کی کہ اس آیت کی تشریح فرما دیجئے۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھارت دی کہ میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوں گے جن کا اسم گرامی احمد مجتبیٰ علیہ السلام ہو گا لیکن جب آپ معجزات باہرہ کے ساتھ تشریف لے آئے تو کفار کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے) حکیم نور الدین نے سائل سے کہا کہ تم بڑے نادان ہو۔ سنو جس احمد کی بھارت اس آیت میں دی گئی ہے وہ شیل مسیح (مرزا غلام احمد) ہے۔ اس کے بعد کہا میں اپنی ذوقی باتیں بہت کم بیان کرتا ہوں۔ تم تو صرف احمد کے متعلق تشریح چاہتے ہو۔ یہاں تو خدا نے احمد کے بعد نور کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ اس کے آگے دین کا لفظ بھی ہے اور اس نور کو نہ ماننے کے متعلق بھی یہ وعید فرمائی ہے۔ ولو کرہ الکفرون (القول الفصل، صفحہ 33) حکیم نور الدین کا نور اور دین کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا۔ **یریدون لیطفوا نور اللہ بافواہم واللہ متع نورہ ولو کرہ الکفرون** ۵ **هو الذی ارسل رسول بالہدی و دین الحق**

لیظہرہ علی الدین کلسہولو کرہ المشرکون۔ ان تحریفات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزائی بد نصیبوں نے یہود کی مانند کس طرح کلام الہی احادیث رسول ﷺ اور آثار سلف کو اپنی نفسانی خواہشوں کا آلہ کار بنا رکھا ہے۔

نصاری کی خوان شرک سے زلہ ربانی

مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے تھے چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔ (نہ یہود نے مسیح کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اٹھایا ہو گیا) اس کے خلاف نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ یہود نے آنحضرت کو صلیب پر چڑھایا اور لطف یہ ہے کہ باوجود ادعائے صلیب شکنی۔ مرزائے اس مسئلہ میں نصاریٰ ہی کا پیرو تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ حضرت مسیح بروز جمعہ بوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کیوں کی تکلیف اٹھا کر بے ہوش ہو گئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو ایک دفعہ سخت آندھی اٹھی (نزول المسح صفحہ 18) جب مرزائے مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے عقیدہ میں اہل صلیب کی ہمنوائی اختیار کی تو لاہور کے مسیحی رسالہ جلی نے لکھا کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا بلکہ وہ مسلمانوں کو اپنے سنہری جال میں پھانس کر ہمیشہ ”خانہ دوستانہ برد و در دشمنانہ ملوب“ کے اصول پر کاربند رہے۔ ہاں عیسائیوں کو ان کی ذات سے بہت فائدہ پہنچا کہ انہوں نے مسیح کے مصلوب ہونے کو قرآن سے ثابت کر دکھایا۔ پس عیسائیوں پر جو نجات کے لیے مسیح کی صلیب کو ضروری خیال کرتے ہیں واجب ہے کہ مرزائی کی اس صلیبی خدمت پر ان کے مرہون احسان ہوں کیونکہ مرزا صاحب حقیقی معنی میں صلیب کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے عیسائیوں کے خلاف جو کچھ لکھا وہ محض دہریوں کے خیالات کو اپنی طرف سے پیش کر دیا تھا جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح بن مریم علیہا السلام کے لئن اللہ ہونے کے قائل ہیں اسی طرح مرزائے بھی (معاذ اللہ) اپنے تئیں خدائے برتری اولاد بتایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے الہام ملاحظہ ہوں۔ انت منی بمنزلتہ اولادی (تو بمنزلہ میری اولاد کے ہے) الحکم 10 دسمبر 1906ء انت منی بمنزلتہ ولدی (تو میرے بیٹے کی جگہ ہے) حقیقتہ الوحی صفحہ 86 اسمع یا ولدی (اے میرے بیٹے سن) البشری جلد اول صفحہ 49۔ ان الہاموں میں مرزا نے ظاہر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے پینا کہہ کر مخاطب کیا۔ ایک اور الہام انت من ماننا و ہم من فئشل (تو میرے پانی یعنی نطفہ سے ہے اور دوسرے لوگ مٹی سے بنے ہیں) اربعین نمبر 3 میں مرزا نے اپنے آپ کو معاذ اللہ نطفہ خدا بتایا ہے۔ ان کے علاوہ لکھتا ہے کہ مسیح کا اور میرا مقام ایسا ہے جسے استعارہ کے طور پر ابنیت سے علاقہ ہے (توضیح مرام صفحہ 12) حالانکہ ولد اور ابن وغیرہ وہ الفاظ ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے

قرآن پاک میں شرک قرار دیا ہے اور ان کی پر زور مذمت فرمائی ہے۔ مرزا نے اسلام کی پاک توحید کے مقابلہ میں نصاریٰ کی تقلید میں اپنی ایک پاک تثلیث بھی پیش کی تھی۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ان دو محبتوں کے کمال سے جو خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر زومادہ کا حکم رکھتی ہے اور محبت الہی کی آگ سے ایک تیسری چیز مہیا ہوتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ اس کا نام پاک تثلیث ہے اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان کے لیے بطور ابن اللہ کے ہے (ازالہ لوہام) ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ سائین پر نپل فور من کر چھن کالج لاہور نے لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد اور پنڈت دیانند سرستی بانی آریہ سماج میں دو امر یکساں قابل توجہ اور دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں صاحب ذومعنی باتیں کرتے ہیں چنانچہ مرزائی قادیان اپنے مطلب کے مقام پر اول درجہ کے لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اور جب لفظی معنی سے مطلب بر آری ہوتی دکھائی نہیں دیتی تو پھر کوئی عبارت ایسی نہیں جس کی وہ حسب مطلب کوئی نئی تاویل و تشریح نہ کر لیتے ہوں۔ اسی طرح وہ استعارات اور تشبیہات کو کام میں لا کر بعض اوقات یہاں تک پہنچتے ہیں کہ تثلیث کی تعلیم میں بھی سچائی اور حقیقت کے کسی حد تک معتقد بن بیٹھتے ہیں چنانچہ مرزا صاحب کے نزدیک الہی محبت اور انسانی محبت تثلیث کے دو اقسام ہیں اور وہ جذبات یا جوش جو ان دو کی مخالفت کا نتیجہ ہے ان کے نزدیک اقنوم ثالث ہے۔ اسی طرح پنڈت دیانند نے ویدوں کی جو تفسیر کی ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مرزا صاحب کی طرح ذومعنی تفاسیر کے حامی اور غیر محقق آدمی تھے۔ (مرزا غلام احمد، صفحہ 37) خواجہ کمال الدین مرزائی ایک ملحد آدمی تھا وہ عیسائی ہونے والا ہی تھا کہ اس اثناء میں مرزا غلام احمد نے اپنی مسیحیت کی ذہنی جانا شروع کی چونکہ خواجہ کمال الدین کو مرزائیت مسیحیت کا نعم البدل نظر آئی اس لیے اس نے عیسائی ہونے کا خیال ترک کر کے مرزائیت قبول کر لی چنانچہ جریدہ الفضل قادیان نے 18 نومبر 1916ء کی اشاعت میں لکھا کہ ”خواجہ کمال الدین صاحب کہا کرتے تھے کہ اگر حضرت مسیح موعود کا وجود دنیا میں جلوہ افروز نہ ہوا ہوتا تو میں زمانہ دراز سے عیسائی ہو چکا ہوتا۔“ ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ کا خیال ہے کہ مرزائیت اسلام اور مسیحیت کے بین بین ہے۔ (مرزا غلام احمد، مولفہ ڈاکٹر گرس وولڈ، صفحہ 46) لیکن ان اور اق کا پڑھنے والا یقین کرے گا کہ مرزائیت کی معجون بے شمار دوسرے اجزاء سے بھی مرکب ہے۔

آریوں سے ہم رنگی

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے آریہ دھرم کا صرف ایک اصول بچے پنچہ میں داخل

کیا۔ مگر اس لحاظ سے کہ وہی ایک عقیدہ جس کے لیے مرزائیت آریہ دھرم کی ممنون احسان ہے۔ آریہ مت کی جان اور اس کا بیادوی اصول ہے اس لیے اس کو مسز لہ کثیر کے سمجھنا چاہیے۔ قدیم وہ ہے جو ازلی ہو یعنی اس کی کوئی ابتدا نہ ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ خالق کون و مکان عزاسمہ کے سوا کوئی چیز قدیم نہیں۔ آریہ لوگ خالق کردگار کی طرح روح اور مادہ کو بھی قدیم اور ازلی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلسلہ کائنات قدیم بالذات ہے اور خالق کے ساتھ مخلوق کا بھی کوئی نہ کوئی سلسلہ ازل سے برابر چلا آ رہا ہے۔ مرزا بھی اسی عقیدہ کا پیرو تھا چنانچہ ”چشمہ معرفت“ میں لکھتا ہے ”چونکہ خدا تعالیٰ کی صفات کبھی معطل نہیں رہتیں اس لیے خدا تعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے۔ یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آئی ہے مگر شخص قدامت باطل ہے۔ (چشمہ معرفت، صفحہ 268) ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ الحاد میں فلاسفہ سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ صرف آسمان کو قدیم بالذات خیال کرتے تھے لیکن مرزا نے آریوں کی طرح ان کی تعظیم کر کے تمام مخلوقات کو قدیم بالذات بنا دیا۔ ڈاکٹر گرس وولڈ نے مرزائی جماعت اور آریہ سماج میں ایک عجیب مشابہت و مطابقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آریہ اور مرزائی دونوں فرقے پنجابی ہیں۔ مرزائی تو صوبہ پنجاب ہی کے باشندے ہیں اور آریہ سماج گوہند اجمبئی میں قائم ہوئی تھی تاہم یہ بھی ایک طرح سے پنجابی جماعت ہے کیونکہ اس کا زیادہ زور و شور پنجاب ہی میں پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فرقے علی گڑھ والوں (نیچریوں) اور برہمنوں سے متفادات ہیں۔ کیونکہ ان کی پیدائش اور نشوونما کا مقام علی الترتیب صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ اور بنگال ہے۔ جس طرح اسلام سے علی گڑھ والے (نیچری) اور مرزائی نکلے اسی طرح ہندو دھرم سے بھی دو نئے فرقے یعنی آریہ سماج اور برہمن سماج پیدا ہوئے جس طرح نیچری آزاد خیال ہیں اور قادیانی محافظ دین ہونے کے مدعی ہیں۔ اسی طرح ہندو میں سے برہمن سماج کا رویہ آزادانہ ہے اور آریہ سماج دھرم کی کتابوں کی حامی و حافظ ہونے کی مدعی ہے (مرزا غلام احمد، صفحہ 44-45) مرزائیت نے جنم لے کر اسلام کو فائدہ پہنچایا آریہ دھرم کو؟ اس کا فیصلہ خود ایک آریہ اخبار کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ آریہ دین نے 14-22 مارچ 1933ء کی اشاعت میں لکھا کہ اسلامی عقائد کو متزلزل کرنے میں احمدیت نے آریہ سماج کو ایسی امداد دی ہے کہ جو کام آریہ سماج صدیوں میں انجام دینے کے قابل ہو تا وہ احمدی جماعت کی جدوجہد نے برسوں میں کر دکھایا ہے۔ بہر حال آریہ سماج کو مرزا صاحب اور ان کے مقلد و مرید مرزا پیوں کا مشکور ہونا چاہیے۔ (قادیانی ہڈیاں، صفحہ 38)

مشہبہ فلاسفہ اور اہل نجوم کے نقش قدم پر

سچ قادیان نے اپنی عمر کا ایک حصہ علوم نظری کی تو نذر کیا تھا چنانچہ لکھتا ہے کہ میں نے

گل شاہ ہالوی سے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم حاصل کئے۔ (کتاب البریہ، صفحہ 150) لیکن دینی تعلیم کسی سے حاصل نہ کی۔ (اربعین نمبر 2، ص 10-11) اگر منطق اور حکمت کے ساتھ دینی علوم کی بھی تحصیل کی ہوتی تو بڑی امید تھی کہ الحاد و زندقہ کی وادیوں میں سرگرداں ہونے کے بجائے اسے فلاح و ہدایت کا راستہ مل جاتا۔

اے کہ خواندی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم نبوان

دینی تعلیم سے بے بہرہ رہنے کا یہ اثر ہوا کہ جس غیر اسلامی مذہب کا جو عقیدہ بھی من کو بھایا اسی پر رچھ گیا اور اس کی پروانہ کی کہ غیر اسلامی عقائد کا شغف اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا۔ آپ نے پڑھا کہ اس نے کس طرح یہود، نصاریٰ اور آریوں کے عقیدے اختیار کر لئے لیکن یہ معاملہ ابھی یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آگے چل کر آپ کو یہ حقیقت اور بھی زیادہ عریاں نظر آئے گی کہ اس کے دل و دماغ کو کہیں قرار نہ تھا۔ اس کے قواءے ذہنی باطل قوتوں کے سامنے اسی طرح بے بس تھے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں بے بس ہوتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس نے مجسمہ سے بھی کہیں نہ ہو وہ اور مضحکہ خیز عقیدہ اختیار کر لیا تھا چنانچہ لکھتا ہے۔ ”قیوم العلین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ، ہیشمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں نام عالم ہے (توضیح مرام، صفحہ 35) اور انوار الاسلام (صفحہ 33) توضیح مرام کے صفحہ (30-37) مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلاسفہ کی طرح ملائکہ کا بھی منکر تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جبرئیل کا تعلق آفتاب سے ہے۔ وہ بذات خود اور حقیقی معنی میں زمین پر نازل نہیں ہو تا بلکہ اس کے نزول سے جو شرع میں وارد ہے اس کی تاثیر کا نزول مراد ہے اور جبرئیل اور دوسرے ملائکہ کی جو شکل و صورت انبیاء علیہم السلام و طمض جبریل وغیرہ کی عکس تصویر تھی۔ ملک الموت بذات خود زمین پر آکر قبض ارواح نہیں کرتا بلکہ اس کی تاثیر سے روحیں قبض ہوتی ہیں۔ ملائکہ ستاروں کے ارواح میں وہ سیاروں کے لیے جاں کا حکم رکھتے ہیں اس لیے نہ تو کبھی ان سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ذرہ بھر آگے پیچھے حرکت کر سکتے ہیں اس کے خلاف اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ آفتاب مابتاب ستارے افلاک اور طبائع خالق ارض و سماء کے مطیع فرمان ہیں۔ ان میں بذاتہ کوئی فعل و تاثیر موجود نہیں ہے لیکن طبیعیوں اور اہل نجوم کا خیال ہے کہ سب سیارہ میں سے ہر ایک سیارہ مستقل بالذات ہے۔ تمام موجودات میں انہی کی حرکت موثر ہے۔ وہی نفع و ضرر پہنچاتی ہے۔ وہی انسانی زندگی اور انسانی تمدن پر اثر انداز ہے۔ بعینہ یہی عقیدہ مرزا غلام احمد کا تھا۔ چنانچہ

لکھتا ہے کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں اور اس انسان سے زیادہ ترکوئی دنیا میں جاہل نہیں جو ستاروں کی تاثیرات کا منکر ہے۔ یہ لوگ جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو شرک میں داخل کرتے ہیں۔ ان چیزوں کے اندر خاص وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں جیسا کہ حملائے متقدمین نے لکھا ہے (تحفہ گوڑو یہ صفحہ 182 حاشیہ) امام محمد غزالی اس مشرکانہ خیال کی تردید میں لکھتے ہیں کہ فلاسفہ اور ان کے پیروؤں کی مثال اس چیونٹی کی سی ہے جو کاغذ پر چل رہی ہو اور دیکھے کہ کاغذ سیاہ ہو رہا ہے اور نقش بٹتے جاتے ہیں۔ وہ نگاہ اٹھا کر سر قلم کو دیکھے اور خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس فعل کی حقیقت معلوم کر لی کہ یہ نقوش قلم کر رہا ہے۔ یہ مثال طبیعی کی ہے جو آخری درجہ کے محرک کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا پھر ایک اور چیونٹی جس کی بصارت و نگاہ پہلی سے زیادہ تیز ہو اس کے پاس آکر کہے کہ تجھے غلط فہمی ہوئی۔ میں تو اس قلم کو کسی کا مسخر دیکھتی ہوں اور محسوس کرتی ہوں کہ اس قلم کے سوا کوئی اور چیز ہے جو نقاشی کر رہی ہے یہ جتلا کر دوسری چیونٹی نہایت خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس کام کارا ز پالیا کہ ہاتھ نقاشی کرتے ہیں نہ کہ قلم۔ کیونکہ قلم ہاتھ کا مسخر ہے یہ مثال نجومی کی ہے کہ اس کی نظر طبیعی سے کسی قدر آگے تک پہنچی اور دیکھا کہ یہ طبائع ستاروں کے تابع فرمان ہیں لیکن وہ ان درجوں پر جو اس سے اوپر ہیں نہ پہنچ سکا۔ پھر ایک تیسری چیونٹی جو قریب ہی موجود ہو ان کی گفتگو سن کر پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم دونوں غلطی پر ہو۔ ذرا نظر اٹھا کر اوپر کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ قلم اور ہاتھ کو حرکت دینے والی کوئی اور ہی ہستی موجود ہے کہ ہاتھ اور قلم جس کے ارادہ سے حرکت کر رہے ہیں یہ مثال اہل اسلام کی ہے جو جملہ امور کا فاعل حقیقی اور متصرف بالذات خالق کردگار کو مانتے ہیں۔ ان کی نظر محسوسات و کمالات تک محدود نہیں بلکہ وہ سب سے وراء الورا اور بزرگ ترین ہستی کو ایجاد و تکوین کا باعث یقین کرتے ہیں کہ آفتاب، ماہتاب اور ستارے جس کے حکم پر چل رہے ہیں۔ والشمس والقمر والنجوم مسخرت بامرہ (سورج چاند اور ستارے اسی کے حکم کے موافق کام پر لگے ہیں)

مرزا غلام احمد اور اس کے اعوان پر نیچریت کارنگ

جس طرح مرزا غلام احمد مہدویت اور بابیت کی نالیوں سے سیراب ہو تا رہا تھا اسی طرح اس نے نیچریت کے گھاٹ سے بھی دہریت کی پیاس بجھائی تھی۔ نیچری مذہب کے بانی سر سید احمد خاں علی گڑھی تھے۔ یہ مذہب آج کل ہندوستان میں بالکل ناپید ہے۔ اس کے اکثر پیرو تو مرزائیت میں مدغم ہو گئے اور جو 13-512ھ کی جنگ بلقان کے بعد از سر نو اسلامی برادری میں داخل ہو گئے۔ نیچری مذہب بالکل دہریت سے ہمکنار تھا۔ مغیبات کا انکار اس مذہب کا اولین اصول تھا۔ وہ عقائد جو اہل اسلام کو مشرکین سے ممتاز کرتے ہیں اور جن میں یسود و نصاریٰ بھی مسلمانوں سے متفق ہیں۔ مثلاً وحی 'ملائکہ' 'نبوت' 'جنت و نار' 'حشر و نشر' معجزات وغیرہم نیچریوں کو قطعاً تسلیم نہ تھے۔ سر سید احمد خاں نے تفسیر القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اسلامی تعلیمات کو موڑ توڑ کر یہ کوشش کی تھی کہ اسلام کے ہر عقیدہ و اصول کو الحاد و دہریت کی قامت پر راست لایا جائے۔ سید احمد خاں نے نبوت اور وحی کو ایک ملکہ قرار دیا۔ چنانچہ لکھا کہ "لوہار بھی اپنے فن کا پیغمبر ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے اور جس شخص میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضا اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ کے جس کو زبان شرع میں جبریل کہتے ہیں اور کوئی اپنی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ اپنی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے خود اسی کے دل سے نوارہ کی مانند وحی اخصی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔ (تفسیر احمدی جلد اول، صفحہ 24) جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان کوئی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے (ایضاً صفحہ 42) نبوت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے بلکہ نبوت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکہ نبوت رکھا ہے وہی نبی ہوتا ہے۔ (ایضاً جلد 3، ص 49) مرزا غلام احمد بھی سر سید احمد خاں سے استفادہ کرتا رہتا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کے باہم خط و کتابت بھی جاری تھی۔ میاں بشیر احمد ایم اے بن مرزا غلام

احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ مراد بیگ جالندھری نے مرزا صاحب سے بیان کیا کہ سر سید احمد خاں نے توراہ و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں۔ آپ پادریوں سے مباحثہ کرنا بہت پسند کرتے ہیں اس معاملہ میں آپ کو ان سے بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سر سید کو عربی میں خط لکھا (سیرۃ الہدی جلد اول، ص 138) مرزا غلام احمد نے مرزائیت کا ڈھونگ رچانے کے بعد بجز ان عقاید کے جن کے بغیر تقدس کی دکانداری کسی طرح چل نہیں سکتی تھی تمام نیچری اصول کو بحال رکھا۔ میاں محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور نے مرزائیت کو نیچریت سے ممیز کرنے کی کوشش کی ہے وہ لکھتے ہیں۔ ”عیسائی مؤرخین نے احمدیت کو اسلام پر یورپین خیالات کے اثر کا نتیجہ قرار دیا ہے مگر ہندوستان کی تاریخ حاضرہ میں ہم کو دو الگ الگ تحریکات نظر آتی ہیں۔ یعنی ایک وہ تحریک جس کا تعلق سر سید احمد خاں سے ہے اور دوسری وہ تحریک جس کا تعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے ہے۔ جہاں تک سر سید کے مذہبی خیالات کا سوال ہے اور جن کو تحقیر کے رنگ میں نیچریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان دونوں تحریکوں میں ایک تین فرق نظر آتا ہے۔ سر سید نے بھی اسلام کے مسائل کو معقولی (یعنی عقلی) رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی اور حضرت مرزا صاحب نے بھی ان مسائل کا معقولی رنگ ہی پیش کیا ہے۔ مگر سر سید کی مذہبی تحریک نے یورپین خیالات کی غلامی کا رنگ اختیار کر لیا اور حضرت مرزا صاحب کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت لانے کے لیے تھی۔ (تحریک احمدیت صفحہ 211) مگر مرزائی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت کہاں تک لے آئی؟ اس کی تائید ان پچاس الماریوں سے ہو سکتی ہے جو مرزا نے اپنے یورپی حکام کی خوشامد میں تالیف کیں۔ میر عباس علی لدھیانوی نے جو مرزائیت کے سب سے پہلے حاشیہ بردار تھے۔ مرزائیت اور نیچریت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا۔ اس وقت جو فیصلہ میری طبیعت نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب صاف اور قطعی طور پر نیچری ہیں۔ معجزات انبیاء و کرامات اولیاء سے مطلق انکار رکھتے ہیں۔ معجزات اور کرامات کو مسمریزم، قیافہ قواعد طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو سب اہل اسلام خصوصاً اہل تصوف نے مانا ہے۔ کوئی چیز نہیں۔ سید احمد خاں اور مرزا غلام احمد صاحب کی نیچریت میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ وہ بلباس جاگت و پتلون ہیں اور یہ بلباس جبہ و دستار (اشاعت السنہ) چونکہ سر سید نے اپنے الحاد و زندقہ

کی دکان کو خوب آراستہ کر رکھا تھا۔ اس لیے نہ صرف خود مرزا بلکہ اس کے پیروؤں کا بھی یہ معمول تھا کہ ان لمحدانہ عقائد کی تشریحات کو جو مرزا نے سرسید سے لیے تھے۔ سرسید کی کتابوں سے نقل کر کے اپنالیا کرتے تھے اور اس خوف سے کہ لوگ نیچریت سے مطعون نہ کریں ان مضامین کو سرسید کی طرف منسوب کرنے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ لاہور کے ماہوار رسالہ ”تجلی“ نے لکھا تھا کہ اس وقت دو قادیانی رسالے ہمارے سامنے ہیں۔ ”تشہید الاذہان“ ماہ دسمبر 1907ء اور ”ریویو آف ریلجنز“ ماہ فروری 1908ء جن میں بلااعتراف اور بلاحوالہ وہ ساری بحث سرقہ کر لی گئی جو معجزات مسیح پر سرسید نے اپنی تفسیر میں کی تھی۔ وہی دلائل ہیں، وہی اقتباسات، وہی آیات، وہی تاویلات، وہی نتائج ہیں۔ ہاں بد تمیزی و بے شعوری جو اس طائفہ کا خاصہ ہے مزید برآں ہے۔ سرسید کی آزاد خیالیوں نے مرزا کے لیے اس کا مجوزہ راستہ بہت آسان کر دیا تھا۔ سرسید نے واقعہ صلیب کا جو نقشہ اپنی تفسیر (جلد دوم ص 38) میں پیش کیا۔ مرزا نے اسی پر وحی الہی کارنگ چڑھا کر اس پر بڑی بڑی خیالی عمارتیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ جب تک مرزا نے یہ تحریریں نہیں پڑھی تھیں۔ براہین کے حصہ چہارم تک برابر حیات مسیح علیہ السلام کا قائل رہا۔ لیکن جب نیچریت کارنگ چڑھنا شروع ہوا ایوں کو کہ نیچریت کا یہ مسئلہ مفید مطلب نظر آیا تو نہ صرف اپنے سابقہ الہامات کے گلے پر چھری چلانی شروع کر دی۔ بلکہ عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) مشرک بتانے لگا۔ جس کے یہ معنی تھے کہ وہ پچاس سال کی عمر تک باوجود صاحب وحی ہونے کے مشرک ہی چلا آتا تھا۔

قادیاں کے برساتی نبی

جب امت مرزائیہ نے دیکھا کہ ان کے پیرومرشد نے نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کی سد اسکندری میں رخنہ ڈال دیا ہے تو ہر حوصلہ مند مرزائی کو طمع ہوئی کہ موقع ملنے پر اپنی اولوالعزمی کے جوہر دکھائے اور کچھ بن کر ”مسیح موعود“ صاحب کی طرح نفع عاجل حاصل کر لے۔ چنانچہ قضا و قدر کے ہاتھوں ”قادیانی نبوت عظمیٰ“ کی بساط کے اٹنے جانے کی دیر تھی کہ بہت سے مرزائی یا جوج ماجوج کی طرح دعوائے نبوت کے ساتھ ہر طرف سے امنڈ آئے۔ اور اپنے اپنے تقدس کی ڈفلی جہانی شروع کر دی جس طرح ہر کھارت میں بارش کا پہلا چھینٹا پڑنے کے ساتھ ہی ہر طرف برساتی کثیرے مکوڑے ریگتے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح ان خود ساختہ انبیاء کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان پر برساتی انبیاء کا اطلاق بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے بہر حال ان برساتی نبیوں کے کچھ مختصر سے حالات بدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں۔

چراغ الدین متوطن جموں

چراغ الدین نام جموں کا ایک نہایت بیباک مرزائی تھا۔ اس کی شوخ چٹھی کا کمال دیکھو کہ اپنی دکان آرائی کے لیے اپنے مقتدا کی موت کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ نہایت بے صبری کے ساتھ مرزا غلام احمد کی زندگی ہی میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ چونکہ اس دعویٰ سے خود حضرت ”مسح موعود“ کے کاروبار پر اثر پڑنے کا احتمال تھا اس لیے یہ جرم کچھ ایسا خفیف نہیں تھا کہ قابل عفو و درگزر سمجھا جاتا۔ مرزائے اس کو جماعت سے خارج کر دیا۔ میں اس اقدام میں مرزا کو برسر حق سمجھتا ہوں کیونکہ مرید کو اس درجہ شوریدہ سری کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ وہ پیر کے مقابلہ میں کاروبار شروع کر دے اور رقیبانہ چشمک کے سامان پیدا کرے۔ حضرت ”مسح موعود“ صاحب نے اس باغی مرید کے متعلق اپنی کتاب ”دافع البلاء“ میں جو 23 اپریل 1902ء کو شائع ہوئی لکھا کہ چراغ الدین کا جو مضمون رات کو پڑھا گیا وہ بڑا خطرناک اور زہریلا اور اسلام کے لیے مضر ہے اور سر سے پیر تک لغو اور باطل باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ میں رسول ہوں اور رسول بھی الوالعزم اور اپنا کام یہ لکھا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں صلح کرادے اور قرآن اور انجیل کا تفرقہ باہمی دور کر دے اور ابن مریم کا ایک حواری بن کر یہ خدمت کرے اور رسول کہلاوے۔ یہ کیسی ناپاک رسالت ہے جس کا چراغ الدین نے دعویٰ کیا ہے جائے غیرت ہے کہ ایک شخص میرا مرید کہلا کر یہ ناپاک کلمات منہ پر لاوے۔ لعنتہ اللہ علی الکافرین پھر باوجود ناتمام عقل اور ناتمام فہم اور ناتمام پاکیزگی کے یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ہوں یہ کس قدر خدا کے پاک سلسلہ کی ہتک عزت ہے گویا رسالت اور نبوت باز بچہ اطفال ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ نفس امارہ کی غلطی نے اس کو خود ستائی پر آمادہ کیا ہے پس آج کی تاریخ سے وہ ہماری جماعت سے منقطع ہے جب تک کہ مفصل طور پر اپنا توبہ نامہ شائع نہ کرے اور اس ناپاک رسالت کے دعویٰ سے ہمیشہ کے لیے مستعفی نہ ہو جائے۔ افسوس کہ اس نے بے وجہ اپنی تعلق سے ہمارے سچے انصار کی ہتک کی۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ ایسے انسان سے قطعاً پرہیز کرے۔

منشی ظہیر الدین اروڑی

یہ شخص موضوع اروپ ہلع جو جرنوالہ کا رہنے والا ہے۔ اس کے نزدیک مرزا ایک صاحب شریعت نبی تھا اس کا خیال ہے کہ قادیاں کی مسجد ہی بیت اللہ شریف ہے۔ اور وہی خدا کے نبی کی جائے ولادت ہے۔ اس لیے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔ لاہوری پارٹی کے

جریدہ پیغام صلح کا مدیر بھی رہ چکا ہے۔ اس نے قادیانی جماعت کے بعض سربر آوردہ افراد کی ہلاکت کی پیش گوئی کی تھی لیکن پوری نہ ہوئی۔ یوسف ہونے کا مدعی تھا لیکن اس دعویٰ پر ثامت قدم نہ رہا۔ لاہوری مرزائیوں کے رسالہ المہدی نمبر (1) میں لکھا کہ گو مجھے الہام ہوا تھا اور خدا نے مجھے یوسف قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی تمنی کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے۔ شیطان درغلالتا ہے اور جو الہامات مجھے ہوئے ان پر عملدرآمد بھی مشکل ہے اس لیے جس قدر طاقت تھی میں نے کام کر دیا۔ اب طاقت نہیں رہی اس لیے اپنے دعویٰ پر زور نہیں دے سکتا۔ یہ سخت ناکام نبی ہے اور غالباً اب تک زندہ ہے۔ اس نے اپنے ایک مضمون میں جو لاہوری مرزائیوں کے رسالہ ”المہدی“ میں شائع ہوا لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں بہت تضاد و تخالف ہے۔

محمد بخش قادیانی

اس شخص کو مدت العمر قادیاں میں الہام ہوتے رہے مگر مرزائیت قبول نہ کی لیکن جب قوی زیادہ مضحل ہو گئے اور قوت فکر جواب دے بیٹھی تو مرزائیت کا پتسمہ لے لیا جس طرح حضرت ”مسیح موعود“ کا ایک دلچسپ الہام غم غم غم ہے اسی نمونہ کا ایک مضحکہ خیز الہام محمد بخش کا بھی ہے یعنی آئی ایم ڈیوٹ (میں ڈیوٹ ہوں)

مسٹریار محمد پلیڈر

مسٹریار محمد وکیل ہوشیار پور کا بیان ہے کہ محمدی پیغم جس کے ساتھ ”مسیح موعود“ کا آسمان پر نکاح ہوا تھا وہ درحقیقت میں ہوں اور نکاح سے یہ مراد ہے کہ میں ان کی بیعت میں داخل ہوں گا۔ اسی نے مرزا صاحب کا ایک کشف بیان کیا تھا کہ گویا رب العالمین (معاذ اللہ) ایک مرد کی طرح مرزا صاحب سے فعل مخصوص کر رہا ہے۔ یہ مرزا کے حقیقی جانشین اور خلیفہ برحق ہونے کا مدعی تھا۔ اور اعلان کیا تھا کہ مرزا صاحب کی گدی کا اصل استحقاق مجھے حاصل ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جو الوعیۃ میں پیشین گوئی کی تھی کہ تمہارے لیے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر اسے دوسری قدرت کو تمہارے لیے بھیج دے گا۔ ”اس کا صحیح مصداق میں ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ بھی کہا تھا کہ قدرت ثانیہ کا مظہر وہ ہوگا جو میری خوب پر ہوگا۔ سو یہ علامت میری ذات میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مسٹریار محمد نے بہت کوشش کی کہ مرزا محمود احمد ان کے لیے مسند خلافت خالی کر دیں مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ سنا جاتا ہے کہ یار محمد میاں محمود احمد کے خلاف چالیس پچاس رسالے

شائع کر چکا ہے۔

عبداللہ تیماپوری

یہ شخص تیماپور واقع قلمرو حیدر آباد دکن کا رہنے والا ہے۔ پہلے روح القدس کے نزول کا مدعی بنا پھر مظہر قدرت ثانیہ کا دعویٰ کیا۔ کہتے ہیں کہ اسے داہنے بازو کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اس شخص نے ”انجیل قدسی“ نام ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں مرزا غلام احمد کے ان خطوط کو جو محترمہ محمدی بیگم سے عقد کرنے کے سلسلہ مساعی میں لکھے تھے پسندیدہ خیال نہیں کیا اور لکھا ہے کہ ان خطوط کے پڑھنے سے دل میں نفرت و کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اس بے دین نے ”انجیل قدسی“ کے بعض مندرجات میں سخت جاہلانہ گندہ دہنی کا ثبوت دیا ہے مثلاً ایک جگہ یسفسک الدما کے یہ معنی لکھے ہیں کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کے خلاف (معاذ اللہ) اپنی زوجہ محترمہ حواء سے خلاف وضع فطرت انسانی فعل کار کا رکاب کیا۔ اس شخص نے پیشین گوئی کی تھی کہ مرزا محمود احمد بہت جلد میری بیعت میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن پیشینگوئی پوری نہ ہو سکی۔ اس کو سب سے پہلے یہ وحی ہوئی تھی۔ یا ایہا النبی تیماپور میں رہو۔ کتاب محاکمہ آسمانی میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کو صرف مقام شہودی حاصل تھا۔ اور وہ مقام وجودی سے بالکل عاری تھے لیکن مجھے یہ دونوں مقام حاصل ہیں۔ اس لیے میں ظل محمد بھی ہوں اور ظل احمد بھی۔ درجہ رسالت میں اور مرزا صاحب دونوں بھائی ہیں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں جو فرق کرے وہ کافر ہے۔ مامور من اللہ کو تمیں یا چالیس مردوں کی قوت رجولیت حاصل ہوتی ہے اور بلا اجازت فراغت نہیں ہوتی۔ آئی صاحب کا وہ یہ میں لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنی کتاب قدسی فیصلہ میں اعلان کیا کہ میں نے خدا کے دربار میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی۔ آئی مسلمان مفلس ہو رہے ہیں اس لیے سودہ خواری کی ممانعت دور فرمائی جائے۔ جواب ملا کہ ساڑھے بارہ روپے سینکڑہ سود کی اجازت دیتا ہوں۔ اسی طرح حکم ملا کہ رمضان کے تین روزے کافی ہیں۔ عورتیں بے حجاب رہ سکتی ہیں۔ چونکہ میں برد محمد ہوں اس لیے مجھے شریعت محمدی میں نسخ و تبدیل کا اختیار ہے۔ سنا جاتا ہے کہ پشاور اور کھلم پور کے بہت سے مرزائی اس کے مرید ہیں۔

سید عابد علی

سید عابد علی نام ایک پرانا مرزائی ملہم قصبہ بدلی ضلع سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ اسے ایک مرتبہ ایسا دلچسپ الہام ہوا تھا جس سے مرزا غلام احمد کا قصر نبوت بالکل پیوند خاک ہو جاتا تھا لیکن توفیق ایزدی رہنمانہ ہوئی اس لیے باطل سے منہ موڑ کر اسلام کے سوا اعظم کی پیروی نہ کر سکا۔

قادیانی صاحب کی خانہ زاد شریعت میں کسی مرزائی کے لیے جائز نہیں کہ مسلمان کو لڑکی دے۔ لیکن سید عابد علی نے اپنے ایک الہام کے بموجب اس حکم پر خط تہنیت کھینچ دیا اور مرزائی قیود سے آزاد ہو کر اپنی لڑکی ایک مسلمان سے بیاہ دی۔

عبدالطیف گناچوری

یہ بھی ایک مشہور مرزائی ہے۔ مدعی نبوت تھا۔ اس نے اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک ضخیم کتاب ”چشمہ نبوت“ شائع کی۔ اس میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کا نام زمین پر غلام احمد اور آسمان پر مسیح ابن مریم تھا۔ اس طرح خدا نے زمین پر میرا نام عبدالطیف اور آسمانوں میں محمد بن عبداللہ موعود رکھا ہے جس طرح مرزا صاحب روحانی اولاد بن کر سید ہاشمی بن گئے تھے۔ اسی طرح میں بھی آل رسول میں داخل ہوں۔ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کا مصداق میں ہوں۔ احادیث میں جو مہدی کے آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں۔ دانیال نبی نے میرا ہی زمانہ 1335ھ سے 1340ھ تک بتایا ہے ہم کسی مسلمان کو محض اس بنا پر کافر نہیں کہتے کہ اس نے ہم سے بیعت کیوں نہیں کی کیونکہ اس قسم کی باتیں فروعات میں داخل ہیں۔ احمدیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسیح اور مہدی دونوں کی ایک ہی شخصیت ہے کیونکہ مرزا صاحب فرما چکے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی مہدی آچکے ہیں اور بعد میں بھی آئیں گے۔ ان کے زمانے میں کوئی مہدی نہ تھا۔ اس لیے میں مہدی آخر الزمان ہوں۔ مرزا صاحب کو اٹھارہ سال تک اپنی رسالت کا یقین نہ تھا۔ آخر جب زور سے وحی آنے لگی تو یقین ہوا۔ میرے نوے معجزے ہیں۔ میری پیشین گوئیاں مرزا صاحب سے بھی بڑھ کر سچی نکلی ہیں چنانچہ ہندوستان میں دبائیں زلزلے اور سیاسی انقلابات میری پیشین گوئیوں کے مطابق آئے لیکن مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں درست نہ نکلیں۔ اس نے اپنے لقب قمر الانبیاء رکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر محمد صدیق بہاری

مولوی محمد عالم صاحب آسی (امر تسر) نے اپنی کتاب الکادیہ کے چودہ پندرہ صفحے اسی شخص کے حالات کی نذر کر دیئے ہیں۔ میں اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ یہ شخص صوبہ بہار کے علاقہ گدک کارہنے والا مرزائیوں کی لاہوری پارٹی سے متعلق ہے۔ اس نے اپنی کتاب ”ظہور بشویور“ میں لکھا ہے کہ مسیح قادیانی و شنو اوتار تھا۔ خلیفہ محمود ابن غلام احمد ویر بسنت ہے اور میں ”جن بشویور“ ہوں۔ میرے ظہور کے بعد سات سال کے اندر مرزا محمود مر جائے گا۔ لیکن یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی۔ مولوی محمد عالم صاحب لکھتے ہیں کہ شاید اس سے اخلاقی موت مراد ہو۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوبہ بہار کے ہنود کی مذہبی کتابوں میں دو موعود

مذکور ہیں۔ اور ہندو لوگ ان کا سخت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ کتب ہنود کے علامات مجھ پر صادق آتے ہیں۔ میں برہمچاری بن کر علاقہ کرنا تک کو گیا اور آٹھ سال کی غیبوبت کے بعد ظاہر ہوا۔ پیٹھ پر سانپ کے منہ کا نشان بھی موجود ہے ہاتھ میں سٹکھ ہیل چکر وغیرہ نشانات بھی مجھ میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت سرور دو جہاں علیہ السلام کے بعد صرف مجھے صدیق کا درجہ ملا ہے اور صدیق کا درجہ مہدی اور مسیح سے بھی فائق ہے۔ 8 اپریل 1886ء کو مرزا صاحب نے جس پسر موعود کی پیشین گوئی کی تھی وہ میں ہی یوسف موعود ہوں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اہل قادیاں کی اصلاح کروں۔ قادیاں سے آواز اٹھ رہی ہے کہ حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کے بعد بھی نبوت جاری ہے۔ اسلام میں سرور دو جہاں علیہ السلام کی ذات گرامی پر اس سے بڑھ کر اور کوئی حملہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی کھڑا کیا جائے اور بیس کروڑ مسلمانوں کو مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے خارج از اسلام تصور کیا جائے۔ میں اسی تو ہیں آمیز عقیدہ کے مٹانے کی غرض سے مبعوث ہوا ہوں۔ محمودیوں اور پیغامیوں (قادیانی مرزائیوں اور لاہوری مرزائیوں) میں جھگڑا تھا اس لیے میں حکم بن کر آیا ہوں۔ میرے نشانات کئی ہزار ہیں صرف اخلاقی نشان چون نہیں۔ یہ نعمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے اور قادیاں کا خلاف کرنے سے ملی۔ غیرت الہی نے میرے لیے مرزا صاحب کے نشانات سے بڑھ کر نشانات ظاہر کئے میری بعثت کے بغیر قادیاں کی اصلاح ناممکن تھی۔ میں نے تلاش حق میں مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی لیکن عقائد پسند نہ آنے پر بیعت فسخ کر دی اور قادیاں سے نکالا گیا۔ اب میں مسلسل بارہ سال سے محمودی عقائد کی تردید کر رہا ہوں۔

احمد سعید سمبھریالی

سمبھریال ضلع سیالکوٹ کے احمد سعید مرزائی سابق اسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے بھی قدرت ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب ”یوسف موعود“ رکھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے الہام ”پیراہن یوسفی“ نام ایک کتاب میں جمع کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نہایت غمزہ رور رہا تھا۔ اس اثناء میں حضرت مریم علیہا السلام تشریف لائیں۔ اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا چہ مت روؤ۔ ایک مرتبہ احمد سعید نے اپنا الہام چوک فرید امرتسر میں بیان کیا تو مسلمانوں نے چاروں طرف سے خشت باری شروع کر دی۔ بے اوسان بھاگا۔ بچوں نے چہ رونہ بچہ رونہ۔ کہہ کر اسے چھیڑنا اور ستانا شروع کیا یہ بد بخت حسب بیان آسی صاحب اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ رشتہ داریاں سب ناجائز ہیں اور (معاذ اللہ) ولد الزنا ہیں۔ آئندہ کے لیے میں حکم دیتا ہوں کہ غیر قوموں سے رشتے ناطے کریں اگر معاذ اللہ تمام

مسلمان ایسے ہیں تو معلوم نہیں کہ یہ ناہنجار ولد الحلال کیسے ہو گیا؟ اس کے گلے میں ایک گٹھی ہے جسے وہ مہر نبوت سے تعبیر کرتا ہے۔

احمد نور کا ملی

قادیاں کا سرمہ فروش احمد نور کا ملی مرزا غلام احمد کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ کی ناک پر پھوڑا تھا۔ جب کسی طرح اچھا نہ ہوا تو عمل جراحی کر لیا۔ جب ناک کاٹی گئی تو درجہ نبوت پر فائز ہو گیا۔ اس نے ایک ٹریکٹ زیر عنوان لککل امتہ اجل شائع کیا ہے جس میں لکھتا ہے۔ اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں۔ دین اسلام میری ہی مہرعت میں دائر و سائر ہے۔ مجھے نہ ماننا دین سے خارج ہوتا ہے۔ میں روحانی سورج ہوں، میں رحمتہ للعالمین ہوں، میرا نام محمد رسول اللہ ہے۔ میں سفید مینار سے نازل ہوں۔ جملہ انبیاء کا منظر ہوں۔ ستر آقا کو ستاروں سے لایا ہوں۔ خدا نے مجھے الامام کیا تھا۔ اس الامام میں خدا نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے خلیفہ محمود کے عہد خلافت میں قادیاں میں مبعوث کیا جائے گا۔ خدا نے آیت ہو الذی بعث فی الامم رسول میں فرمایا ہے کہ خدا نے افغانوں میں ایک رسول بھیجا ہے۔ میں شرعی رسول ہوں۔ اب خدا نے قرآن مجھ پر نازل کیا ہے۔ مجھے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ احمد نور رسول اللہ دیا گیا ہے۔ خدا نے میرے ساتھ بھرت کلام کیا ہے۔ میری وحی کی تعداد دس ہزار تک پہنچتی ہے جو شخص میرا انکار کرے گا وہ لعنت کی موت مرے گا۔ وغیر ذالک من الخرافات۔

نبی بخش مرزائی

یہ شخص موضع معراج کے تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کا ایک پرانا مرزائی تھا۔ اس نے 1911ء میں ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں لکھا۔ اے ہر مذہب و ملت کے دوستو! آپ پر واضح ہو کہ اس عاجز پر ستائیس سال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الامام کا سلسلہ جاری ہے اس عرصہ میں اس عاجز کی بے شمار پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ مجھے ایک روشن نور اپنی طرف کھینچ کھینچ کر مقام محمود کی طرف لے جا رہا ہے۔ مجھے سلطان العارفین کا درجہ دیا گیا ہے۔ مجھے چار سال سے تبلیغ کا حکم ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ الہی میں امی ہوں۔ حکم ہوا جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ تبلیغ کرتے تھے تو بھی تبلیغ کر۔ اس کے بعد یہ عاجزان الفاظ سے مخاطب کیا گیا۔ یا ایہا الصدیق یوسف انی معک اسی طرح بار بار حکم ہوتا رہا۔ یہ عاجز فکر مند تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن مجھے سمجھایا گیا کہ نبوت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ تم دنیا کے طعنوں سے نہ ڈرو۔ نبوت کا

تاج تمہارے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ وقت قریب آرہا ہے کہ تجھ سے حمانہ قہیل کرائیں گے۔ نبوت کا تاج تیرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ دعوائے نبوت کے واسطے تیار ہو جا۔ مدعی نبوت کا فرض ہے میدان میں نکل پڑے۔ میں تیری مدد کے لیے فرشتوں کی فوج تیار رکھوں گا۔ ہر وقت تجھے مدد دیتا رہوں گا۔ موسیٰ مرسل کی طرح میدان میں ہوشیار رہنا۔ بڑے بڑے فرعون تیرے سامنے آئیں گے مگر سب منہ کی کھائیں گے۔ تیرے خاندان کے لوگ اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ مگر کسی کی پروانہ کرنا۔ آنے والی سلیس افسوس کریں گی کہ لوگ تجھ پر ایمان نہ لائے۔ حالات سن سن کر رویا کریں گے۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ تو ہمدانی نسل ہے تو خاندان نبوت سے ہے۔

عبداللہ پٹواری

چچا وطنی ضلع منگلوری میں عبداللہ نام ایک مرزائی پٹواری رہتا تھا۔ قادیان کے چشمہ الحاد سے دجالی کا فیض پانے کے بعد کفریات و شطیحات بننے میں اپنے پیروں و مرشد کا ہمسرہ تھا۔ اس نے اپنا لقب رجب یسعی احمد رسول رکھا تھا۔ اپنے اعلان میں لکھتا ہے۔ میں رسول اللہ بھیجا گیا طرف تمہارے رب تمہارے سے۔ ہمدے بنو اسلام کے پیروں مرشدوں مولویوں کی خود ساختہ شریعت کے پیچھے نہ جاؤ۔ وہ سب احکام بلاوجہ ہیں۔ جن کا ثبوت نہ کتاب سے دیتے ہیں۔ یعنی کلمہ درود سنت نفل، نعت، غزل، مولود، نماز تراویح، نماز عیدین، نماز جنازہ اور عرس مردہ اولیاء پر کھانا کھلانا وغیرہ۔ لالہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کناشرک ہے۔ کتاب ”ہدایۃ للعالمین“ میں لکھتا ہے کہ الرسول یدعوکم اور اطیعوا الرسول میں میری طرف اشارہ ہے اور لکھتا ہے کہ میں نے خواب میں اپنی والدہ مرحومہ کو دیکھا اور کہا کہ خدا نے مجھے مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سن کر والدہ حیران رہ گئیں اور کہنے لگیں کہ بیٹا کل تو تو یہ کہتا تھا کہ مسیح آئے گا اور آج خود مسیح بن بیٹھا ہے۔ جب میدار ہوا تو یقین ہو گیا کہ کسی بدروح نے مجھ سے مسیح ہونے کا دعویٰ کر لیا تھا۔ اسی خبیث روح نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بھی مسیحیت کا دعویٰ کر لیا تھا حالانکہ وہ اس سے پیشتر خود لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیح آسمان سے نازل ہوں گے۔ مجھے الہام ہوا کہ مرزا صاحب ابن مریم نہیں ہیں اور ان کی آمد کا کوئی حکم نہیں ہے۔ مرزا صاحب جیسے فرضی مریم نے اسی طرح لنن مریم بھی بنے۔ جو ماں ہے وہ بیٹا نہیں ہو سکتی اور جو بیٹا ہے وہ ماں نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ لنن مریم کے ذکر کو چھوڑو، اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ اور مرزا محمود احمد لکھتا ہے کہ مرزا صاحب علی احمد رسول ہیں۔ یہ دونوں باتیں لغو ہیں۔

فضل احمد چنگا بھنگیالی

فضل احمد مرزائی موضع چنگا بھنگیالی ضلع راولپنڈی کا ایک مشہور مرزائی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں مرزا صاحب کا ظہور ہوں۔ کتا ہے کہ مرزا صاحب کی عمر اسی سال کی تھی لیکن جب وہ اپنی عمر کے ساٹھ سال گزار چکے تو باقی ماندہ ہست سالہ عمر مجھے تفویض فرما کر وادیِ آخرت کو چل دیئے۔ اب میں ہی حقیقی مرزا صاحب ہوں۔ اس شخص کا ایک مصحفہ خیز مضمون جو سراسر تعلیوں لن ٹرانوں اور لٹرنہ خیالات سے مملو تھا۔ 1934ء کے لواثر میں جریدہ ”زمیندار“ میں شائع ہوا تھا۔

غلام محمد مصلح موعود و قدرت ثانی

یہ وہی شخص ہے جس نے ڈیڑھ دو سال پیشتر لاہوری مرزائیوں کے خلاف اودھم مچا رکھا تھا اور مسٹر محمد علی امیر جماعت لاہور کے اسرار و خفایا کو الم نشرح کر کے لاہوری مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قادیانی مرزائیوں کا ایجنٹ ہے جو مسٹر محمد علی کی تخریب کے درپے رہتا ہے۔ اس نے اپنے مصلح موعود اور قدرت ثانی ہونے کے متعلق متعدد کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ شخص شروع میں مسلم ہائی سکول لاہور میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے لاہوری مرزائیوں کے اخبار ”پیغام مصلح“ کی ملازمت میں منسلک ہو گیا تھا مگر اس کے بعد مرزائی ہوا کارخ پہچان کر اسے ارتقاء منازل کی سو جھمی چنانچہ معالہامی تالاب میں غوطے کھانے لگا۔